

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
 كِتَابُ سِتَابِ
 كِتَابُ سِتَابِ

السيرة

یعنی
 سیرتِ محمدیہ علیہ السلام

جلد چہارم

مستطاب

اولاً

مقدمہ میں منہ نبوت کی حقیقت اور اس کے لوازم و خصائص پر بحث ہے پھر قبل از ہر گز
 دنیا کے تمدن ممالک اور خدو و صلا کے بے کی مذہبی و اخلاقی حالت کی تفصیل ہے

اور اس کے بعد

نبوت محمدی نے دنیا اور عرب کیلئے جس عظیم الشان اصلاح کا فرض انجام دیا، اسکا اجمالی بیان ہے اور
 ٹی مشکلات، انکا انسداد، تبلیغ و دعوت اور اسکی کامیابی اور عکس عقائد کی اصلاح، شرک کے ہر پہلو
 کی تردید، توحید کی تکمیل اسلامی عقائد کی تشریح، خدا اور اس کے صفات کا ملکہ لانا، انبیاء و رسل الہی
 کو درجہ جزا اور تقدیر پر ایمان کے مباحث اور انکے ضمن میں متذہبوں کی تشریح

تالیف

بہرام سید علی ندوی

مطبع معاشقہ مطبوعہ گزٹو

Trial	Control (○)	MCI (●)	AD (□)
1	85	75	65
2	82	72	62
3	78	68	58
4	76	66	56
5	75	65	55

1

2.2

•

•

-

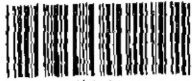
—

•

—

•

4



ضمیمہ اول

استدراک تصحیح غلط

سیرۃ الہی جلد اول طبع اول

معرفت کی ناگہانی وفات کے باعث سیرت کے اوراق میں غلط وسامحات رہ گئے تھے، جنکی طرف بعض دوستوں نے متوجہ کیا اس لیے اُن پر استدراک کی ضرورت محسوس ہوئی، تاکہ کتاب ہر صفت سے صحیح اور قابل قبول ہو۔

تصحیح غلط

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۶	۱۶	مشقہ و صحابہ کو دیکھا تھا	ایک صحابی (حضرت انس) کو دیکھا تھا۔
۱۷	۱۷	۲۱۲	۲۱۳
۱۸	۱۸	خاندانِ اشتم	مذابی بنی اشتم
۱۹	۱۹	۲۱۵	۲۱۶
۲۰	۲۰	حافظ ابن حجر	حافظ سخاوی
۲۱	۲۱	۲۱۷	۲۱۸
۲۲	۲۲	۲۱۹	۲۲۰
۲۳	۲۳	۲۲۱	۲۲۲
۲۴	۲۴	۲۲۳	۲۲۴
۲۵	۲۵	۲۲۵	۲۲۶
۲۶	۲۶	۲۲۷	۲۲۸
۲۷	۲۷	۲۲۹	۲۳۰
۲۸	۲۸	۲۳۱	۲۳۲
۲۹	۲۹	۲۳۳	۲۳۴
۳۰	۳۰	۲۳۵	۲۳۶
۳۱	۳۱	۲۳۷	۲۳۸
۳۲	۳۲	۲۳۹	۲۴۰
۳۳	۳۳	۲۴۱	۲۴۲
۳۴	۳۴	۲۴۳	۲۴۴
۳۵	۳۵	۲۴۵	۲۴۶
۳۶	۳۶	۲۴۷	۲۴۸
۳۷	۳۷	۲۴۹	۲۵۰
۳۸	۳۸	۲۵۱	۲۵۲
۳۹	۳۹	۲۵۳	۲۵۴
۴۰	۴۰	۲۵۵	۲۵۶
۴۱	۴۱	۲۵۷	۲۵۸
۴۲	۴۲	۲۵۹	۲۶۰
۴۳	۴۳	۲۶۱	۲۶۲
۴۴	۴۴	۲۶۳	۲۶۴
۴۵	۴۵	۲۶۵	۲۶۶
۴۶	۴۶	۲۶۷	۲۶۸
۴۷	۴۷	۲۶۹	۲۷۰
۴۸	۴۸	۲۷۱	۲۷۲
۴۹	۴۹	۲۷۳	۲۷۴
۵۰	۵۰	۲۷۵	۲۷۶
۵۱	۵۱	۲۷۷	۲۷۸
۵۲	۵۲	۲۷۹	۲۸۰
۵۳	۵۳	۲۸۱	۲۸۲
۵۴	۵۴	۲۸۳	۲۸۴
۵۵	۵۵	۲۸۵	۲۸۶
۵۶	۵۶	۲۸۷	۲۸۸
۵۷	۵۷	۲۸۹	۲۹۰
۵۸	۵۸	۲۹۱	۲۹۲
۵۹	۵۹	۲۹۳	۲۹۴
۶۰	۶۰	۲۹۵	۲۹۶
۶۱	۶۱	۲۹۷	۲۹۸
۶۲	۶۲	۲۹۹	۳۰۰
۶۳	۶۳	۳۰۱	۳۰۲
۶۴	۶۴	۳۰۳	۳۰۴
۶۵	۶۵	۳۰۵	۳۰۶
۶۶	۶۶	۳۰۷	۳۰۸
۶۷	۶۷	۳۰۹	۳۱۰
۶۸	۶۸	۳۱۱	۳۱۲
۶۹	۶۹	۳۱۳	۳۱۴
۷۰	۷۰	۳۱۵	۳۱۶
۷۱	۷۱	۳۱۷	۳۱۸
۷۲	۷۲	۳۱۹	۳۲۰
۷۳	۷۳	۳۲۱	۳۲۲
۷۴	۷۴	۳۲۳	۳۲۴
۷۵	۷۵	۳۲۵	۳۲۶
۷۶	۷۶	۳۲۷	۳۲۸
۷۷	۷۷	۳۲۹	۳۳۰
۷۸	۷۸	۳۳۱	۳۳۲
۷۹	۷۹	۳۳۳	۳۳۴
۸۰	۸۰	۳۳۵	۳۳۶
۸۱	۸۱	۳۳۷	۳۳۸
۸۲	۸۲	۳۳۹	۳۴۰
۸۳	۸۳	۳۴۱	۳۴۲
۸۴	۸۴	۳۴۳	۳۴۴
۸۵	۸۵	۳۴۵	۳۴۶
۸۶	۸۶	۳۴۷	۳۴۸
۸۷	۸۷	۳۴۹	۳۵۰
۸۸	۸۸	۳۵۱	۳۵۲
۸۹	۸۹	۳۵۳	۳۵۴
۹۰	۹۰	۳۵۵	۳۵۶
۹۱	۹۱	۳۵۷	۳۵۸
۹۲	۹۲	۳۵۹	۳۶۰
۹۳	۹۳	۳۶۱	۳۶۲
۹۴	۹۴	۳۶۳	۳۶۴
۹۵	۹۵	۳۶۵	۳۶۶
۹۶	۹۶	۳۶۷	۳۶۸
۹۷	۹۷	۳۶۹	۳۷۰
۹۸	۹۸	۳۷۱	۳۷۲
۹۹	۹۹	۳۷۳	۳۷۴
۱۰۰	۱۰۰	۳۷۵	۳۷۶



یہ تصحیح سیرت کے بارے میں ہے، جو کہ حقیقت کی ہے، تاکہ سیرت کے بارے میں کوئی شک نہ رہے۔

صفحہ	سطر	خط	صحیح	صفحہ	سطر	خط	صحیح
۳۳۶	۱۱	اور ہم چھ کے لیے اپنے بیٹوں اور ہم اپنے بیٹوں اور بی بیوں	۳۳۶	۹	تین مہینہ تک	ایک مہینہ تک	۳۳۶
۳۳۸	۹	اور بی بیوں کو بھول جاتے ہیں سے بھلانہ دیتے جائیں	۳۴۰	۷	سلاطین اور روسا کو دعوت (مسلم)	انھوں نے شہزادہ بھری یا	۳۳۸
۳۳۹	۱۷	یا رستہ کا راستہ نہ دیکھ لے			کے چھ خطوط پیچ گئے تھے، ان میں قیصر روم کے نام ایک خط لکھا		۳۳۹
۳۴۲	۱۷	اصل تعداد سے	اپنی تعداد سے		ایک خط قرمیل بن عمرو کے نام تھا عرب شام کے سرحدی		۳۴۲
۳۴۳	۱۷	وہی بارگے سے اُتار کر بھیجا	نزدیک کیساتھ وہ بارگے کی		تھا جو شہری کا بادشاہ		۳۴۳
۳۴۴	۱۷	سے اُتار کر بھیجا	سے اُتار کر بھیجا		علاقوں میں جو عرب و روسا		۳۴۴
۳۴۵	۱۷	اوٹ پرست روا	اوٹ پرست روا		عمر و تھا جو ای علاقہ بلخا کارگیر		۳۴۵
۳۴۶	۱۷	دکھلا دیا جائے	دکھلا دیا جائے		کچھ نہیں	لے خدا	۳۴۶
۳۴۷	۱۷	بیٹوں کے نام ہیں	بیٹوں کے نام ہیں		عن صاحب بن یحییٰ اخبر اوی	عن صاحب بن یحییٰ اخبر اوی	۳۴۷
۳۴۸	۳	انفال	انفال		نامی جو شہر تک واقع تھا	محبوب	۳۴۸
۳۴۹	۱	جو بخاری و مسلم دونوں میں مذکور	جو صحیح مسلم اور مصنف ابن		غنیست	ذکوة	۳۴۹
۳۵۰	۱	ہے	ابلی شہید ہیں ہے		ایک سال	دو تیر سال (۷ یا ۱۰) ہیں	۳۵۰
۳۵۱	۱۷	اُس نے بد سے واپس ہاکر	اُس نے بد سے واپس ہاکر		اُس نے بد سے واپس ہاکر	اُس نے بد سے واپس ہاکر	۳۵۱
۳۵۲	۹	اُس کے بیٹے عثمان	اُس کے بیٹے عثمان		اُس کے بیٹے عثمان	اُس کے بیٹے عثمان	۳۵۲
۳۵۳	۱۱	نیزہ بردار	نیزہ بردار		نیزہ بردار	نیزہ بردار	۳۵۳
۳۵۴	۱	نعم بن مسعود ثقفی	نعم بن مسعود ثقفی		نعم بن مسعود ثقفی	نعم بن مسعود ثقفی	۳۵۴
۳۵۵	۱۷	عام و بابا برکتے ہیں کچھ شہر	عام و بابا برکتے ہیں کچھ شہر		عام و بابا برکتے ہیں کچھ شہر	عام و بابا برکتے ہیں کچھ شہر	۳۵۵
۳۵۶	۱۷	نہ سہ سہ میں وفات پائی	نہ سہ سہ میں وفات پائی		نہ سہ سہ میں وفات پائی	نہ سہ سہ میں وفات پائی	۳۵۶
۳۵۷	۱۷	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مروت	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مروت		آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مروت	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مروت	۳۵۷
۳۵۸	۱۷	میں تشریف لے گئے تھے اور یہ	میں تشریف لے گئے تھے اور یہ		میں تشریف لے گئے تھے اور یہ	میں تشریف لے گئے تھے اور یہ	۳۵۸
۳۵۹	۱۷	بزرگ کو اپنے خاندان سے بنا دے	بزرگ کو اپنے خاندان سے بنا دے		بزرگ کو اپنے خاندان سے بنا دے	بزرگ کو اپنے خاندان سے بنا دے	۳۵۹
۳۶۰	۱۷	کی نماز پڑھائی لیکن یہ غلطی	کی نماز پڑھائی لیکن یہ غلطی		کی نماز پڑھائی لیکن یہ غلطی	کی نماز پڑھائی لیکن یہ غلطی	۳۶۰
۳۶۱	۱۷	محمد مسلم بن قیس کی جو کہ جس	محمد مسلم بن قیس کی جو کہ جس		محمد مسلم بن قیس کی جو کہ جس	محمد مسلم بن قیس کی جو کہ جس	۳۶۱
۳۶۲	۱۷	بخاشی کی نماز جنازہ آپ پڑھی	بخاشی کی نماز جنازہ آپ پڑھی		بخاشی کی نماز جنازہ آپ پڑھی	بخاشی کی نماز جنازہ آپ پڑھی	۳۶۲
۳۶۳	۱۷	وہ نہ تھا دیکھا سابق بخاشی تھا	وہ نہ تھا		وہ نہ تھا	وہ نہ تھا	۳۶۳
۳۶۴	۱۷	بخاشی	بخاشی		بخاشی	بخاشی	۳۶۴
۳۶۵	۱۷	سند بن حنیبل و صحیح مسلم میں ہی	سند بن حنیبل و صحیح مسلم میں ہی		سند بن حنیبل و صحیح مسلم میں ہی	سند بن حنیبل و صحیح مسلم میں ہی	۳۶۵
۳۶۶	۱۷	ایک روایت ہے کہ محمد بن حنیبل	ایک روایت ہے کہ محمد بن حنیبل		ایک روایت ہے کہ محمد بن حنیبل	ایک روایت ہے کہ محمد بن حنیبل	۳۶۶

مطبعی غلط

بالرو

کابن ابی

ابن ابی

ابن ابی

ابن ابی

ابن ابی

ابن ابی

ابن ابی

ابن ابی

ابن ابی

ابن ابی

ابن ابی

ابن ابی

فہرست مضمین سیرابی جلد ہفتم

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۹۶	پہلا واقعہ	۲۹	نبی اور غیر نبی کے امتیازات		مقدمہ
۹۷	دوسرا واقعہ	۳۵	نبوت کے لوازم اور خصوصیات		۱-۱۵۹
۱۰۱	تیسرا واقعہ	۳۸	وہی استعداد	۱۵۹-۱	منصب نبوت
۱۰۲	چوتھا واقعہ	۴۱	غیبی علم	۱	کتاب کا موضوع
۱۰۳	پانچواں واقعہ	۴۱	علم انسانی کے اخذ	۲	آپ کے پیغمبرانہ کارنامے
۱۰۵	ایک غلط استدلال	۴۳	ذرائع علم کے حصول کے زمانے	۳	نبی اور مصلح اور حاکم
۱۰۸	عقل بشری	۴۵	اور ان کے مراتب	۵	نبوت کی حقیقت اور خصوصیات
۱۱۱	ملکہ نبوت یا عقل نبوت کا شرعی ثبوت	۵۰	غیر مادی علم		نبوت و رسالت کے ثبوت کا اجمالی طریقہ
۱۱۲	حکمت	۵۲	علم غیب		تفصیلی ثبوت کے تین طریقے
۱۲۲	کتاب و حکمت کی تعلیم	۵۴	غیب کی حقیقت		پہلا طریقہ
۱۲۶	علم وحکم	۵۸	وحی اور ملکہ نبوت		دوسرا طریقہ
۱۲۷	شرح صدر	۵۹	کتاب اور سنت		تیسرا طریقہ
۱۳۱	تیسرا کتاب	۶۲	وحی متلو اور وحی غیر متلو		نبی کی ضرورت
۱۳۴	ارادت	۶۲	احادیث قرآن کا بیان ابن		نبی کی عصمت
۱۳۹	رسول کا وجود مستقل ثابت ہے	۶۲	اہام واجتہاد و حکمت		نبی کی مجربیت
۱۴۲	ترکیبہ	۶۲	اجتہاد نبوت		مصلحین
۱۴۲	نور	۶۰	عصمت اور بیگانہ		مصلحین کے اقسام
۱۴۴	آیات و ملکوت کی رویت	۶۸	بعض شہادت کا ازالہ		نبی کی دو بعثتیں
۱۴۵	سابع غیب	۸۱	نکتہ		بعثت کے پہلے ہی قوم کا انتخاب
۱۴۸	تبلیغ و دعوت	۸۷	نبی کی بشریت		بعثت کا زمانہ
۱۴۸	ایک شہدہ کا ازالہ	۹۲	اجتہاد نبوی میں خطا		نبی کی نقیہ کامیابی
۱۵۳	اندیار کی تعلیم کا امتیازی عقیدہ	۹۵	اس خطا کے معنی		ایک شہدہ اور اس کا جواب
		۹۶	پانچ اجتہادی امور پر تنبیہ الہی	۲۴۲	

عقل بشری کا غلط حجب

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۳۹	ذہن اور عاقل کے تیز تھے،	۲۰۸	جنگونی	۱۵۴	نبوت کی غرض و غایت
"	فیاض تھے،	۲۰۹	شراب خواری	۱۵۸	نابینہ و نصرت
۲۲۰	مساوات پسند تھے،	۲۲۰	ستار بازی	۱۵۹	خاتمہ
"	علی تھے،	۲۲۲	سود خواری	شب ظلمت ۱۴۰ - ۲۳۳ پیغمبر اسلام کی بعثت کے وقت دنیا کی مذہبی اور اخلاقی حالت	
۲۲۱	ان اوصاف کی مصلحت،	۲۲۳	لوٹ مار		
صبح سعادت ۲۴۲ - ۲۴۹		۲۲۵	چوری		
		۲۲۷	سفاکی ویرجی و وحشت		
		"	زنا اور فواحش		
۲۲۲	ایک قوم کا انتخاب	۲۲۹	بے شرمی و بے حیائی		
۲۲۳	اصلاح و ہدایت کی مشکلات	۲۳۰	غور توں پر تسلیم	۱۶۰	ظہور اسلام کے وقت دنیا کی تمدنی اور مذہبی حالت کیا تھی؟
۲۲۴	جمالت	۲۳۲	وحشت و جمالت	۱۶۲	مجرس فارس
۲۲۹	آبائی دین رسوم کی پابندی	عربوں کے خصوصیات اور خیر الائم بننے کی اہلیت ۲۴۱ - ۲۴۴		"	عیسائی روم
۲۵۴	قوم پرستی			۱۶۶	ہندوستان
۲۵۶	قبائل کی خانہ جنگیان			۱۶۷	یہود
۲۶۱	سیاسی مشکلات			ظہور اسلام کے وقت عربی مذہبی و اخلاقی حالت ۱۹۰ - ۳۳۳	
۲۶۴	ذریعہ معاش				
۲۶۷	رفع شک			تہذیب نبوی اور اسکے اصول اور اسکی کامیابی کے اسباب ۲۶۰ - ۳۱۱	
تہذیب نبوی اور اسکے اصول اور اسکی کامیابی کے اسباب ۲۶۰ - ۳۱۱		۲۳۳	مت نسب	حالات ۱۹۰ - ۳۳۳	
		۲۳۴	کسی پہلے مذہب میں داخل نہ تھے		
		"	محکوم نہ تھے		
		۲۳۷	کتابی فاسد تعلیم سے نا آشنا تھے،		
		"	وہ زمین کے وسط میں آباد تھے،		
		"	بعض اخلاقی خوریان	۱۹۱	خدا کا اعتقاد
۲۳۸	فریضہ تبلیغ	۲۳۸	شجاع و بہادر تھے،	۱۹۲	ملاکہ کی الوہیت
"	تبلیغ کی اہمیت	"	پر جوش تھے،	۱۹۳	جنت کی الوہیت
"	اس کی وسعت	"	حقوق تھے،	۱۹۴	بت پرستی
۲۶۵	تبلیغ کے اصول	"	عقل و دانش والے تھے،	۲۰۰	ستارہ پرستی
				۲۰۱	جن اور شیاطین اور بھرت پلٹ
				۲۰۲	کمانت
				۲۰۷	اوہام پرستی

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۳۷۴	خدا کی حقیقی عظمت	۳۷۵-۳۱۸	عقائد کی حقیقت اور اہمیت	۲۷۶	قولِ لیلین
۳۷۷	انسان کا مرتبہ	اللہ تعالیٰ پر ایمان	۳۳۴ - ۳۳۴	۲۷۷	اعراض اور قولِ یلین
۳۸۱	خدا کا جامع اور الخ تحمل			"	یسیر و تبشیر
۳۸۳	اسماء و صفات			۲۷۸	تدریج
۳۹۶	صفاتِ جمالی			"	تالیفِ قلب
۳۹۹	صفاتِ جلالی	"	اصلاح عقائد	۲۷۹	دعوتِ عقل
"	نکتہ	۳۲۹	بزرگوں کی مشرکانہ تعظیم سے روکنا	۲۸۱	مذہبِ یمن زبردستی نہیں
۴۰۰	صفاتِ کمالی	۳۳۳	درمیانی واسطوں کا مشرکانہ اعتقاد	۲۸۲	میدانِ جنگ میں تبلیغ
"	صفاتِ وحدانیت	۳۳۴	خوارقِ خدا کے حکم سے ہوتے ہیں	۲۸۹	مسلح تبلیغی جماعتیں
۴۰۱	صفاتِ وجودی	۳۳۶	حرام و حلال کرنا خدا کا کام ہے	۲۹۰	تبلیغ و دعوت کی تنظیم
"	عسلم	"	غیر خدا کی مشرکانہ تعظیم	۲۹۱	مبتاعوں کی تعلیم و تربیت
۴۰۲	قدرت	۳۳۷	صفاتِ الہی کی توحید	"	دعوت، باقصران
۴۰۳	نکتہ	۳۳۸	محقق قوتوں کا ابطال	۲۹۲	اشاعتِ اسلام کی قدرتی ترتیب
۴۰۴	تزیینہ	۳۳۹	اوپر نام و خرافات کا ابطال	۲۹۳	قبولِ اسلام کیلئے کیا چیز درکار تھی؟
۴۰۵	ان تعلیمات کا اثر اخلاقِ انسانی پر	۳۴۰	کفار اور شفاعت کے غلط معنی	۲۹۶	اشاعتِ اسلام کے اسباب و ذرائع
۴۱۲	خدا کا ڈر اور پیار	۳۴۱	کی تردید	۳۰۳	ایک ضروری نکتہ
"	محبت کیساتھ خوف و خیریت کی تعلیم	۳۵۲	اجرامِ سماوی کی قدرت کا انکار	۳۰۴	موانع کا ازالہ
۴۱۶	محبت کے جسمانی اصطلاحات کی نفی	۳۵۳	غیر خدا کی قسم سے روکنا	اسلام	محمد رسول اللہ کا پیغمبرانہ کام
۴۲۲	تعلیماتِ اسلامی میں محبتِ الہی کے منشا	۳۵۴	خدا کی شہادت میں کوئی شریک نہیں		
فرشتوں پر ایمان		۳۵۵	مشبہاتِ شرک کی ممانعت		
		۳۵۶	قبر پر شہادت اور یادگار پرستی سے روکنا		
۴۲۵	ملائکہ کے معنی	"	ربا اور عدمِ اخلاص بھی معنیِ شریکیت	۳۱۲	
"	ملائکہ کا تحمل و ذرا ہیب و قدس میں	۳۶۱	توحید اور اس کے اجمالی اصول و ارکان	۳۱۶	اسلام کے چار حصے
"	ملائکہ کا تحمل و فلسفہ میں	"	اللہ تعالیٰ کی ہستی پر دلیل	عقائد	۴۸۶ - ۳۱۸
"	یونانی مصری فلسفہ	۳۶۲	توحید پر عقلی و دلیلیں		
۴۳۶	یونانی فلسفہ	۳۶۴	توحید کی تکمیل		

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۴۳۷	اس کی مثالیں	۴۶۴ - ۴۹۴	کتاب الہی پر ایمان	۴۳۷	صاحبی
"	تبدیل قبلہ			۴۳۸	اسلام میں فرشتوں کی حقیقت
"	خانہ کعبہ کے حج کی تعیین			۴۳۹	اس عقیدہ کی عقلی حیثیت
۴۳۸	یہودیوں اور عیسائیوں کو اپنی کتابوں	۴۶۴	کتاب الہی پر ایمان لانے کا مقصد	۴۴۱	آیات واحادیث میں ملائکہ کا ذکر
"	پر عمل کرنے کی ہدایت	۴۶۷	اس عقیدہ کا تکمیلی پہلو	"	ملائکہ کے فرائض
"	مسلمانوں کو شریعت اسلام پر عمل	"	تمام کتب الہی پر ایمان لانا ضروری ہے	۴۴۸	فلسفہ و مذاہب کی ملائکہ کے متعلق
"	کرنے کا حکم	"	انبیاء قدیم کے غیر معلوم الاسم	"	بے اعتدالی
۴۳۹	صحیفہ محمدی نے اگلی کتابوں کی تصدیق	"	صحائف	۴۵۲	فرشتوں پر ایمان لانے کا مقصد
"	کی	۴۶۸	چار معلوم الاسم آسمانی صحائف	رسولوں پر ایمان ۴۵۳ - ۴۶۵	
"	اہل کتاب نے اپنی کتابوں کو چھوڑ کر ہوا	۴۶۹	اس عقیدہ کا اثر سیاسیات عالم پر		
"	کی پیروی کی	۴۷۰	اقوام عالم کی قانونی تقسیم اور ان کے	۴۵۲	ایک عام غلط فہمی کا ازالہ
"	حدود میں شریعتوں کا اختلاف فرما رہے	"	حقوق	۴۵۳	نبوت کسی ملک یا قوم سے مخصوص
"	یہود و نصاریٰ فروری اختلافات پر	"	مسلمان	۴۵۴	انہیں
"	دوسروں کو سب باطل کہتے تھے	"	اہل کتاب	۴۵۵	تمام دنیا میں پیغمبر آئے
۴۸۱	وہ مسلمانوں کو یہودیت و نصرانیت	۴۷۱	شعبہ اہل کتاب	۴۵۶	تمام پیغمبروں کی صداقت کا اعتراف
"	کی دعوت دیتے تھے	"	کفار اور مشرکین	۴۵۷	پیغمبروں میں تفریق کی مانعت
"	اسلام کی دعوت اصل دین ابراہیمی	۴۷۲	وحدۃ الادیان	۴۵۸	پیغمبروں کی غیر محدود تعداد
"	کی جانب	"	تمام بچے مذاہب ایک ہیں	"	مختلف فیہ پیغمبروں کی رسالت کا
۴۸۱	اسلام کا تمام اہل مذاہب کو یکساں خطاب	"	دین اور شریعت، منسک و منہاج کا	۴۵۹	پیغمبری کی واضح حقیقت کا اظہار
۴۸۲	قبول عمل کے لیے ایمان شرط ہے	"	فرق	"	پیغمبروں کا منصب اور فرائض
"	ایمان و عمل کے لیے نبی کی تصدیق	۴۷۳	صحیفہ وقتاً فوقتاً کیوں نازل ہو	"	پیغمبروں کی عصمت
"	ضروری ہے	"	وحدت دین پر قرآن کی شہادت	۴۶۰	قرآن میں پیغمبروں کا جامع تذکرہ
"	اسلام کا تمام رسولوں کی تصدیق	۴۷۵	وحدت دین کی دعوت نامہ	۴۶۱	وہ انبیاء جن کا ذکر قرآن میں نہیں ہے
"	یہود و نصاریٰ انبیاء کی تکذیب کرتے رہے	"	دین تسمیم	۴۶۲	ایسے انبیاء کی شناخت کا اصول
"	اس لیے اصل اسلام سے ہٹ گئے	۴۷۶	اسلام اور مذاہب قدیمہ کا اتحاد	۴۶۳	انبیاء کی بھی ترجیح کا مسئلہ
۴۸۳	یہود و نصاریٰ کا "جن غسل"	۴۷۷	دین ہمیشہ ایک ہے	۴۶۴	
"	اسلام کا اصل اصول تو یکساں اور سادہ ہے	"	شرع اور منہاج میں تبدیلی ہوتی		

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۴۸۸	ان تینوں دوروں میں فسق	۴۹۱	قرآن کی بقا اور حفاظت کی ذمہ داری	۴۸۵	اسلام کا ہدایت نامہ ہونا
۱- پرکھ		۴۹۲	قرآن کا "غالب" ہونا	۴۸۶	توحید کامل کے بغیر نجات کئی کا کوئی
				۴۸۸	مستحق نہیں
۴۹۸	قرآن مجید میں لفظ برزخ اور اسکے معنی	۴۹۲	ختم نبوت	۴۸۸	بنوت محمدی کا دعویٰ
۴۹۹	قبر، برزخ کا عرف عام ہے	۴۹۲	وحدت، دین اور دین اسلام	۴۸۶	دعوت محمدی میں ہدایت کی بشارت
"	موت و حیات کی منزلیں	"	وحدت دین کا منشا اصل اسلام ہے	۴۸۸	اہل مذاہب اور تمام انسانوں کو دعوے
"	قرآن میں دو موتوں اور دو حیاتوں کا ذکر	"	محمدؐ محمدی نے اہل کتاب کو وحدت	"	محمدی کیون پیش لگائی
"	دونوں موتوں اور حیاتوں کی تشریح	"	دین کی دعوت دی	"	انکسب دین
۵۰۰	عالم برزخ کی کیفیت	۴۹۳	وحدت دین کی حقیقت صحیحہ حقیقی	"	قرآن کے سوا کسی صحیفہ نے دین الہی
"	نیز اور موت کی مشابہت	"	مین	"	کی تکمیل کا دعویٰ نہیں کیا
"	نیز اور موت کا فرق	پچھلے دنوں اچھی زندگی پر پکا		۴۸۹	حضرت عیسیٰ کی بشارت ایک آنے
"	قرآن میں موت کی تشبیہ			"	وہ نبی کے لیے
۵۰۱	برزخ کی زندگی کی تعبیر	۵۵۵ - ۴۹۵		"	موجود الامم (صلعم) کی آمد اور اس
"	قرآن میں دوسری زندگی کے لیے			"	کا دعویٰ
"	"بعث" کا لفظ	۴۹۵	یہ اسلام کے سلسلہ ایامیات کی آخری	۴۸۹	دعویٰ الہی کی جانب سے مکمل دین
۵۰۲	خواب تین لذت والہ	"	کڑی ہے	"	کا اعلان
"	خواب کی حقیقی دنیا کا جسم پر اثر انداز ہونا	۴۹۶	آخرۃ کے لفظی معنی اور مفہوم	"	تکمیل دین کے اثرات و مظاہر
"	عالم خواب کی لذت والہ کا عالم بیداری	"	آخرۃ سے مراد عالم بعد الموت ہے	۴۹۰	قرآن کا مہین ہونا
"	مین	"	قرآن میں ایمان باندھ کے بعد سب	"	قرآن کا تمام اہل کتابوں کی صفات
"	اور بیداری کی لذت والہ کا خاتمہ	"	زیادہ زور ایمان آخرۃ پر ہے	"	اور تعلیموں پر مشتمل ہونا
"	عالم خواب میں	"	نیز زندگی کے دو دور یعنی برزخ و بعث	"	قرآن محفوظ ہے اور رہیگا
"	عالم خواب کے لذت والہ کے فلسفہ	"	توراة و انجیل میں برزخ و بعث کی تفصیل	"	اگلی کتابین تحریفات و تصرفات
"	اسباب و حل	"	نہیں	"	سے بری نہیں
"	بھوسے ہوئے احساسات و معلومات	"	اسلام اور یوم آخرت کی تفصیل	۴۹۱	قدیم مذاہب دینی نہ تھے اس لیے
"	خواب میں تشکیلی ہو کر نظر آنا	"	اسلام میں تین دور ہائے حیات دنیا،	"	وہی حفاظت کا وعدہ نہ تھا
		"	برزخ اور قیامت		

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون					
۵۲۱	جسم مٹائی میں منسلک ہوتی ہیں، جسم خاکی کی طرح جسم مٹائی میں بھی لٹتا والہم کا احساس ہوتا ہے،	۵۱۲	کافاش ہو جانا، احوال برزخ کا عین یقین موت کے بعد عالم برزخ کی ابتدا، عالم برزخ میں جزا و سزا کے پس پڑ مشاہدہ کی شاندار قرآن مجید میں	۵۰۳	اچھے اور برے اعمال کے نفوش ذہن انسانی کے گوشوں میں، تمثیلی خواب اور انکی مثالیں جسم انسانی میں مختلف مادوں کی کمی بیشی سے خواب میں ان کے متناسب حجم تشکیل اور انکی مثالیں اعمال انسانی کا خواب میں اپنے متناسب قالب میں مجسم ہونا، اور ان کی مثالیں،					
۵۲۳	بعض سید روحین جسم خاکی کی شکل کی قید سے آزاد کر دیجاتی ہیں، مٹی کی قبروں میں عذاب کی مشابہت سوال و جواب قبرین فرشتوں کا توحید و رسالت کے متعلق سوال، قبر کے سوال و جواب کا ذکر قرآن مجید میں،	۵۱۴	موت کے بعد خدا کی طرف روح کی بازگشت، موت کے لیے قرآن مجید میں خدا کی طرف بازگشت کی اصطلاح اور اسکا مفہوم،	۵۰۴	اعمال کی تشکیلات قرآن مجید میں، اعمال کی تشکیلات احادیث میں، گناہوں کی بیشی سزائیں، آنحضرت صلیم کے ایک روایتی واقعہ میں مختلف گناہوں کی مختلف تشکیلی سزائوں کے مناظر، ان تشکیلات کی تفسیر و تشریح، علم نفس سے انسان کی لاعلمی، نفسوری یقین اور خارجی وجود کا باہمی تضاد، قرآن پاک میں یقین کی دو قسمیں علم و عین یقین، علم یقین کے حصول کا ذریعہ ایمان ہے، علم یقین کے ذریعہ دوزخ کا مشاہدہ دنیا میں، موت کے بعد جہان بادیت کا اٹھنا اور اعمال کے تشکیلی نتائج کو کسی حد تک یکساں، قیامت اور جزا پر تمام راز ہمارے سر پر					
۵۲۵	سوال و جواب کا اصل مفہوم، برزخ میں ارواح کا سکنا،	۵۱۵	اس وقت کا سامان، موت کے سامان کا خاکہ قرآن مجید میں، جسم سے روح کی علیحدگی کے بعد سزا کا دور، سزا قانون عمل کے مطابق انسانی اعمال کا نتیجہ ہے، نیکو کاروں کو بشارتیں، برزخ کا عذاب و راحت برزخ میں عذاب و ثواب کے مناظر، برزخ اور اس کے عذاب و ثواب کا تذکرہ قرآن مجید میں، قبر کی اصطلاح احادیث میں برزخ کا اصطلاحی نام قبر ہے، قبر کا مفہوم، قبر ارواح و نفوس کی دنیا ہے، قبر کی روحین جسم خاکی کے بجائے	۵۰۵	۵۰۶	۵۰۷	۵۰۸	۵۰۹	۵۱۰	۵۱۱
۵۲۸	قیامت اور جزا اعمال	۵۱۶	۵۱۷	۵۱۸	۵۱۹	۵۲۰	۵۲۱	۵۲۲	۵۲۳	۵۲۴
۵۲۹	قیامت کے نام قرآن میں،	۵۲۵	۵۲۶	۵۲۷	۵۲۸	۵۲۹	۵۳۰	۵۳۱	۵۳۲	۵۳۳
۵۳۰	قیامت	۵۳۱	۵۳۲	۵۳۳	۵۳۴	۵۳۵	۵۳۶	۵۳۷	۵۳۸	۵۳۹

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۵۶۸	اعمال کے ریکارڈ ہمیشہ محفوظ رہتے ہیں	<h2>جزا اور جزا</h2> <p>۵۵۶ - ۶۲۸</p>		۵۳۲	قیامت کے اوصاف
"	قرآن مجید میں اس اصول کی تشریح			۵۳۳	قیامت میں فساد و نظام ہوگا
"	اور اس پر شہادتیں			"	اس کی شہادتیں قرآن مجید سے
۵۶۰	اعضاء کی شہادت	۵۵۶	جزاؤں میں اور دیگر مذاہب میں	۵۳۵	بعد قیامت ایک نئے آسمان اور
۵۶۲	میسران	۵۶۱	عالم آخر کا فہم و ادراک	"	نئی زمین کی تعمیر
۵۶۳	حساب	"	عالم آخر کو مادی دنیا کی زبان محاورات	"	پچھلی دنیا کے نتائج پر اس کی بنا
"	جنت و دوزخ	"	میں سمجھایا گیا ہے	۵۳۹	صور قیامت
۵۶۴	جنت انسان کی ورثت ہے	"	اس طرز افہام سے فلسفی و عامی دونوں	"	عربوں کا انکار قیامت سے
"	حضرت آدم کا زمین پر آنا ان کی پریشانی	"	تشریح پاتے ہیں	۵۴۱	اسی لیے اسلام میں توحید کے بعد
"	سے پہلے مقدر ہو چکا تھا	"	آخری و قانع کے سمجھانے کے لیے	"	سب سے زیادہ زور قیامت کے عقیدہ
"	آدم اور بنو آدم کی اصلی جگہ جنت ہی	"	مادی انسان کا استہمال	"	پر دیا گیا
۵۶۵	جنت کے درودخت، نیک و بد کی	۵۶۲	وجود کے موجودہ قوانین فطرت	۵۴۲	عقیدہ قیامت اصول دین کیوں ہیں
"	پہچان کا، اور زندگی جاوید کا	"	اور ان کے خصوصیات و لوازم	"	قیامت پر قرآنی دلائل
"	آدم کو نیک و بد کی شناخت کے درخت	۵۶۳	مادی دنیا کے قوانین فطرت اور	۵۴۹	شرعی جہانی
"	سے روکا گیا	"	سلسلہ علت و معلول اسی مادی عالم	۵۵۰	روحانی زندگی کا تصور نئی جہانی زندگی
"	شیطان نے حیات جاودان کا درخت	"	کے لیے ہیں	"	سے زیادہ دشوار ہے
"	کہہ کر نیک و بد کی شناخت کے درخت	"	ضروری نہیں کہ موجودہ قوانین فطرت	"	شرعی جہانی ہوگا
"	کو بتا دیا	"	وہاں بھی کار فرما ہوں	۵۵۱	جسم و جسد
۵۶۶	حیات جاودان سے مقصود کیا ہے	"	اصول جزا	"	کیا کوئی نیا جہانی پیکر ہوگا؟
"	نیک و بد کی تمیز ہی شرعی تکلیف کا	"	اصول فطرت صرف مادیات تک	"	نیا جہانی پیکر جسم خاکی کی خصوصیات
"	باعث ہے	"	محدود نہیں	"	و لوازم سے الگ ہوگا
"	آدم کو نیک و بد کی تمیز کا فطری الہام	۵۶۴	اعمال کے لوازم و نتائج	"	"خلق جسدید"
"	انسان کا تکلیف شرعی کی امانت کو	"	عقاب و ثواب پر عمل ہے	۵۵۲	نموداری روح پر ہے
"	قبول کرنا، اور حیات جاودان کا	۵۶۵	حصول راحت کا اصول	"	دنیاوی جسم بدلتے رہتے پر بھی وہی
"	حصول سعی و عمل پر موقوف ہوتا	۵۶۶	نامہ عمل	"	جسم بدلتا رہتا ہے
۵۶۸	زمین پر بنو آدم کی چار چیزوں کا کھانے	"	کوئی چیز پیدا ہونے کے بعد فنا نہیں	۵۵۴	آخری جسم کیسا ہوگا؟
"	پینے پینے اور رہنے کی ضرورت کا پیدا ہونا	"	ہوتی	"	

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۶۱۷	عقیدہ کفار اور عقیدہ "کرم" اور عقیدہ منفرت	۶۰۳	اس کی تصریحات، احادیث میں	۵۷۸	مذہب نے ان ضروریات اربعہ کے
۶۱۸	عذاب طویل کا سبب	۶۰۶	شرک و کفر کی بخشائیں نہیں		باز طریقوں کی تعلیم اور ناجائز طریقوں
۶۱۹	شرک و کفر کا آخر انجام؟	۶۰۷	کیا دوزخ کی انتہا ہے؟		سے احتراز کی تلقین کی
۶۲۲	بہشت و دوزخ کی جزا و سزا بھی		دوزخ رحمت الہی کی چھیتوں سے		جنت کی درشت کا وعدہ الہی
	تمثیلی ہے	۶۰۸	بالآخر سرد ہو جائیگی	۵۷۹	انسانی جزا و سزائے تین گز
	تمثیلی سزائے معنی		اللہ کے غضب پر رحمت کی سبقت	۵۸۰	انسان کا پہلا دارالجزا، یعنی دنیا
	اس کی مثالیں قرآن مجید اور احادیث		دوزخ کی انتہا قرآن مجید میں نیست	۵۸۳	مگر دارالجزا وہی ہے
	سے	۶۰۹	پرسہ	۵۸۵	یہ دارالجزا دارالاصلاح ہے
۶۲۳	دوزخ کی جہانی سزائیں		کفار و مشرکین کے عذاب کی انتہا		انسانوں کی ترقی و اصلاح کے تمام
	جہانی سزائوں کی تصریح قرآن مجید		مشیئت الہی پر موقوف ہے		نیکی سے برائی کا کفارہ
۶۲۷	دوزخ میں روحانی سزائیں		قرآن مجید کی کوئی آیت دوزخ کے	۵۸۶	توبہ کفارہ ہے
	ان کی تصریح قرآن مجید سے		تسلل وجود پر دلالت نہیں کرتی	۵۸۹	مصائب کی تنبیہ اور کفارہ
			قرآن مجید میں بہشت کے عدم نفاذ	۵۹۱	عذاب الہی کا مقصد
			کی تصریح کی گئی	۵۹۲	عذاب برنرخ بھی کفارہ ہے
			قرآن مجید سے اس کی تشریح	۵۹۵	عذاب دوزخ کفارہ گناہ ہے
		۶۱۲	اس کی شہادت حدیثوں میں	۵۹۶	عذاب انسان کے اعمال کا نتیجہ
			دفعہ شبہ	۵۹۸	انسان کی تخلیق رحمت کیلئے ہوئی
۶۲۹	جنت کے نام		قرآن مجید کی بعض آیتوں سے دوزخ		
	جنت کا دوام		کے دوام کا شبہ		
۶۳۰	اس کی تصریح قرآن مجید میں		اس شبہ کا ازالہ		
۶۳۳	دائمی قیام سے اہل جنت کا جنت	۶۱۳	چند آیتوں میں کفار کے دوزخ	۵۹۹	دوزخ قید خانہ نہیں شفا خانہ ہے
	میں گھبرانا ان کی جنت و فطرت	۶۱۴	الگ نہ ہونے کی تصریح		گناہ، روحانی بیماری کا اور عذاب
	کے خلاف ہوگا		ان آیات کا مفہوم	۶۰۰	اس کے نتیجہ بد کا اصطلاحی نام ہے
	غیر فانی بادشاہی	۶۱۶	اللہ تعالیٰ کے وعدہ ثواب و عذاب	۶۰۱	دوزخ سے بالآخر نجات ہوگی
	جنت کے عیش و مسرت کی تعبیر آسانی		میں فوق		گو یا دوزخ بھی ایک نعمت ہی
	بادشاہی سے	۶۱۷	مشرکین و کفار کی معافی کی صریح	۶۰۳	دوزخ میں رحمت الہی کا ظہور
۶۳۴	عیسوی پیغام میں "آسانی بادشاہی"		تصریح کیوں نہیں		اور نجات
	آسانی بادشاہی کے اجمال کی اسلامی تفصیل				

جنت

۶۲۹ - ۶۲۷

دوزخ

۵۹۹ - ۶۲۷

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۶۴۴	قدیم مذاہب میں اسکے عمل کی دو صورتیں یا تو خاموشی یا جبر کی تلقین	۶۵۹	صبح و شام کی روزی، مقام قرب، ویدیا رانی	۶۳۶	جنت کے لیے باغ کا استعارہ کیا عرب کے لیے ہے؟ اس استعارہ میں ایک نکتہ
"	آنحضرت صلعم نے اس راؤ کو ظاہر کیا	۶۶۰	ان تعلیمات کا علی اثر	"	ساہان جنت کے دنیاوی نام
"	بیک وقت دو صدائیں	۶۶۱	عرب کا ایمان و یقین اور صحابہ کی خشیت الہی	۶۳۷	جنت میں دنیاوی الفاظ کے معنی سے بلند تر حقائق
۶۶۵	صحیفہ محمدی میں ان دونوں حقائق کی تفصیل اور ان کی تشریح				
۶۶۷	ہدایت و ضلالت کے الفاظ سے پیدا شدہ غلط فہمی کا ازالہ	قصا و قدر ۶۶۵ - ۶۸۰		۶۳۸	اسکی شہادت قرآن مجید و احادیث سے
۶۶۸	خیر و شر کا مفہوم اسلام میں			۶۳۹	جنت کی سترتین اعمال کی تمثیل
"	اگر خدا چاہتا تو ان کو ہدایت دیتا کی تفسیر	۶۶۵	کیا عقیدہ قضا و قدر ایمانیات میں ہے؟	"	اسکی شہادت قرآن مجید و احادیث سے
۶۶۹	بندہ کی مشیت	"	عقیدہ قضا و قدر کا حاصل	۶۴۵	لطف و مسرت کا تصور
"	اللہ کی گمراہی کن کے لیے ہے	"	اس عقیدہ کی تعلیم قدیم مذاہب میں خاتم النبیین (صلعم) کی تعلیم نے اسکی	"	لطف و مسرت کا اعلیٰ ترین تجل
۶۸۰	نتیجہ بحث	۶۶۶	کیا تکمیل کی اور کیا اثرات پیدا ہونے اصطلاح "قدر" و "قضا" کی تشریح	۶۴۶	جنت میں انسان کی ہر خواہش پوری ہوگی
ایمان کے نتائج ۶۸۱ - ۶۸۶		۶۶۷	اس عقیدہ کی اخلاقی اہمیت	۶۴۷	جنت جہان کوئی جہانی درد و غم آزار نہیں
		۶۶۸	عقیدہ قضا و قدر کی توضیح	۶۴۸	جنت جہان رشک و حسد نہیں
۶۸۱	خلاصہ مباحث	۶۶۹	عقیدہ قضا و قدر کا نتیجہ سستی و دون ہتی نہیں	۶۴۹	وہاں کی جہانی زندگی کیسی ہوگی؟
"	ایمان کا مقصد دل کی اصلاح ہے	"	اس کا نتیجہ بلندی، استقلال اور وشیات ہے	۶۵۰	جنت ارتقا سے روحانی ہے
"	اسلام میں ایمان و عمل کی جامعیت	"	غلط فہمی کا ازالہ	۶۵۱	مسئلہ ارتقا کے اصول بقا سے صریح
۶۸۲	درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے	"	قضا و قدر اور سعی عمل کی باہمی تعلق		کامل روحانی علاج کے ارتقا میں
"	اہل ایمان کی علی شناخت	۶۶۲	پچھلے اور نامانی ہوتی ہوا اسکے نتیجہ میں	۶۵۲	امن و سلامتی کا گھر
۶۸۵	تمام نیکیاں صرف ایک جڑ ایمان کی شاخیں ہیں	۶۶۳	ہر ایک طرف سے ضلالت کا لہر ہوتا ہے	۶۵۳	مقام رحمت
۶۸۶	ایمان کے بعد عمل کی ضرورت	"	جبر و قدر	۶۵۴	مقام نور
"	ایمان ملزوم اور اعمال اسکے لوازم ہیں	"	جبر و قدر کا مسئلہ لائیکل مسئلہ ہے	۶۵۵	مقام رضوان
"	خاتمہ	"		۶۵۷	مقام طیب و طہر
					مقام تسبیح و تہلیل

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على سيدنا محمد وعلى آله وصحبه أجمعين

اے باز کنِ دمعانی، برابلید آسمانی
ہرچہ از تو گمانِ برمِ جوئی آن من بوم تو زانِ بروئی
شاہِ رسل و شفیعِ مرسل خورشیدِ پینِ نورِ اول
سلطانِ ممالکِ رسالت طغراسِ صحیفہٴ خلافت

پیش نظر کتاب، سیرۃ النبی کے سلسلہ کی چوتھی جلد ہے، اس کا موضوع "منصب نبوت" ہے، اس تقریب سے پہلے ہمیں ایک مقدمہ ہے جس میں نبوت کی حقیقت اور اس کے لوازم و خصوصیات کی تشریح ہے، اس کے بعد ویسا چہ ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت اور ظہور اسلام کے وقت دنیا کی مذہبی و اخلاقی و روحانی حالت کا مرقع دکھایا گیا ہے، بالخصوص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے ملک عرب کی جو مذہبی و اخلاقی حالت تھی، اور اس کی اصلاح میں جو وقتیں درخشاں تھیں شرح و بسط کیساتھ انکی تفصیل لگائی ہے، اس کے بعد آپ کے تعلیمات و ارشادات کی تفصیل سے اصل کتاب کا آغاز ہوا ہے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پیشگاہِ باری سے جو شریعت کاملہ اور قانونِ ابدی عطا ہوا، وہ درحقیقت چار عنوانوں پر مشتمل تھا: عبادات، اخلاق اور معاملات، خیال تھا کہ عبادت و عبادات کی ایک جلد ہو، اور اخلاق و معاملات کی دوسری جلد میں ہوں، مگر چونکہ جو سفرِ قلم اس دشوار گزارِ مہل میں آگے بڑھتا گیا، راستہ اسی قدر وسیع اور مسافت

اتنی ہی بعید نظر آنے لگی، ناچار اس جلد کو صرف عقائد کے بیان پر محدود رکھا گیا، دوسری جلد میں عبادات، اور لون کی حقیقت اور فرائض چارگانہ کے حقائق و فوائد سے بحث ہوگی، اور تیسری جلد کا عنوان اخلاق و معاملات ہوگا، چہنچہ ہم انشاء اللہ تفصیل بتائیں گے کہ تمدن و معاشرت بالخصوص قوانین نکاح، طلاق، وراثت، حقوق نسائے اسلامی، جہاد، اصول حکومت اور اقتصادیات وغیرہ کے متعلق تمام دنیا کے مذاہب کے کیا اصول، اور تمام سلطنتوں اور قوموں کے کیا قوانین تھے، اور آج مغرب نے اس انتہائی تہذیب تک پہنچا کر کس حد تک ان امور میں ترقی کی ہے پھر موازنہ کر کے ہم دکھائیں گے کہ شریعت اسلام کے مقابلہ میں مغرب کا مروج ترقی، شریعت اسلام کا پایہ اولیٰ ہے حضرت الاستاذ مرحوم نے اس جلد کا کام شروع ہی کیا تھا اور مذکورہ بالا مباحث میں سے صرف عربیت جاتی کے مذہبی و اخلاقی حالات کے پچیس تین صفحے لکھنے پائے تھے، کہ وفات پائی، یہ صفحے بھی ان اوراق میں شامل ہیں، مگر چونکہ ان میں بکثرت اضافہ و ترمیم کی ضرورت ہوئی ہے، اس لئے ان صفحات کو ان کے اہم گرامی کی نظر منسوب کرنے میں احتیاط کرتا ہوں، بقیہ پوری کتاب کی ذمہ داری خاکسار ہی کے خطا کار قلم پر ہے، وَمَا أَجْرِيْ نَفْسِيْ اِنَّ النَّفْسَ لَكَاْمِرًاۙ بِالْاَسْقٰۙ

کوشش کی ہے کہ ان اوراق میں بغیر اسلام علیہ السلام کے پیغام تعلیم کو پوری تشریح، استناد، استدلال اور پچھپی کے ساتھ ناظرین کی خدمت میں پیش کیا جائے، قرآن پاک کے استناد کو ہر موقع پر سبکے آگے رکھا گیا ہے، اور اُسی کے پر تو میں احادیث صحیحہ سے فائدہ اٹھایا گیا ہے، مناظرانہ پہلو سے بیکر، ہر پیش نظر مسئلہ میں اسلام کا دوسرے مذاہب سے اس غرض سے موازنہ کیا گیا ہے، تاکہ اسلام کی تکمیلی شان نمایان ہو جائے،

ان اوراق کے لکھنے والے کے نزدیک نسخ شریعت کے معنی کسی حکم کو اُس کے غلط یا غیر مفید ہونے کے سبب سے سب سے مٹا کر کسی دوسرے حکم کو نافذ کرنے کے نہیں ہیں، بلکہ محض احکام کی جگہ پر اصل احکام کے دوبارہ نازل ہونے، اور دنیا کے حسب حال ناقص کی جگہ کامل، اور کابل کے بدلہ کاملتر تعلیمات دیئے جانے کے ہیں، اس لئے قرآن پاک کے نسخ کتب اور اسلام کے نسخ ادیان ہونے کے معنی ان کے مٹا دینے والے کے نہیں

ان کیلی مباحث میں سے یہ جلد صرف عقائد پر مشتمل ہے، اور کون نہیں جانتا کہ مذاہب میں اعتقادات کی حیثیت کتنی اہم، اور انکی بحث کتنی نازک ہے اس لیے اس خادزار سے کسی آبلہ پاکا سلامت گذر جانا کس قدر مشکل ہے تاہم میں نے جدوجہد اسی کی کی ہے کہ کسی آبلہ کو ٹھیس لگے بغیر اس راستہ کو طے کر لوں، چلنے والا تو تھک کر چور ہے، اب یہ دیکھنے والا توں کو فیصلہ کرنا ہے کہ اُس نے رہروی کی یہ شرط کمان تاک پوری کی،

ارباب بصیرت جانتے ہیں کہ اسلامی فرقوں میں سے کسی فرقہ کے مطابق بھی اگر عقائد کی کتاب لکھی جاتی
 تو یہ منزل نہایت آسان تھی کہ ان میں سے ہر ایک کی مدون و مرتب کتابیں سامنے ہیں لیکن مجھے اس جلد
 میں کسی خاص فرقہ کے نہیں بلکہ اسلام کے وہ عقائد لکھنے تھے جن پر ایمان لانے کا قرآن نے ہم سے مطالبہ کیا ہے
 اور جن کی تعلیم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو دی تھی، چنانچہ ان اوراق میں انھیں چند عقائد کی تشریح ہے
 اور یہ وہی ہیں جو اَمْنْتُ بِاللّٰهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْقَدْرِ خَيْرٍ وَشَرٍّ مِنْ اللّٰهِ
 تعالیٰ میں مذکور ہیں، یعنی خدا، اُس کے فرشتوں، اُس کی کتابوں، اُس کے رسولوں پر اور آخری دن اور
 قضا و قدر پر ایمان، چنانچہ اس جلد میں مقدمہ و دیباچہ کے بعد انھیں چھ بابوں کی تفصیل و تشریح ہے،

میں نے اپنے جانتے اسکی پوری احتیاط کی ہے کہ کسی مسئلہ کی تشریح میں مسلم، صراطِ مستقیم سے تجاوز نہ کرے، لیکن عالم الغیب جانتا ہے کہ قدم نے کہاں ٹھوکر کھائی ہے، اس لیے اسکی بارگاہ میں نہایت بجز سے دعا ہے کہ خداوندِ امیری لغزش کو دوسروں کی لغزش کا سبب نہ بنانا، اور ہم سب کو سیدھی راہ دکھانا

مَنْ يَهْدِ اللَّهُ فَمَا لَمُتَدِي

وَمَنْ يَهْدِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ مُضِلٍّ اور جس کو خدا راہ دکھائے اس کو کوئی

(زمر) گمراہ کرنے والا نہیں،

رَبَّنَا لَا تُؤْخِذْنَا إِنْ تَسْبِقْنَا ہمارے پروردگار ہمارے بھول چوک

أَوْ أَخْطَأْنَا. (بقرہ) کی باز پرس ہم سے نہ فرما،

این نامہ کہ خاتمہ کر دے بیاد

توقع قبول، روز نشیاد

طالبِ رحمت

سلیمان ندوی

دَارُ الصَّغْفَرِ، اعظم گڑھ

۲۵ ربیع الاول ۱۳۵۱ھ



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

مقدمہ

منصب نبوت

کتاب کا موضوع | سیرت کی عام کتابوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعات زندگی کے اندر جو چیزیں زیادہ ممتاز ہو کر نظر آتی ہیں،
ایک پیغمبر کا زمانے وہ غزوات اور لڑائیاں ہیں لیکن یہ غزوات اور لڑائیاں ظاہر ہے کہ مقصود بالذات نہ تھیں بلکہ وہ سلسلہ
دعوت میں اتنا قاپٹیں آگئیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کی انھوں نے اُس کے قبول کرنے سے انکار
کیا، اور نہ صرف انکار کیا بلکہ اُس کے مٹانے کی پرزور کوشش کی، اُس کے قبول کرنے والوں کو ستایا، اور اُن کو اُن کے گھروں
سے نکال دیا، وہ اپنی جان بچا کر دوسرے شہر کو چلے گئے، وہاں اُنکی دعوت نے فروغ پایا، اور بہت بڑی تعداد نے اُنکی بچائی کو قبول
کیا، یہ دیکھ کر مخالفوں نے ہر طرف سیوریہ کی، اور چاہا کہ اس جماعت کو بڑبڑ شیر مٹا دیں، اُس نے اپنی جان کے بچاؤ کی تدبیریں کیں
اور اُن کی پرزور سازشوں اور کوششوں کے سیلاب کو پہاڑ بن کر روکا، اس کشمکش نے خونریز لڑائیوں کا ایک سلسلہ چھیڑ دیا، جو متصل
دش سال تک قائم رہا، فتنہ عجاظ نبوت، حسن تدبیر، لطیف اخلاق سے تمام معرکے سر جوئے، اور پھر ایک پُر امن نظام
قائم ہو گیا، بسے شبہ یہ کارنامہ بھی کچھ کم مستوجبِ منقبت نہیں لیکن ناظرین اس نکتہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے کہ ہم کس (ذاتِ اقدس)

کے سوانح لکھ رہے ہیں،

یہ جو کچھ ہوا، اور پیش آیا، وہ گو نہایت عجیب و غریب اور کرشمہ ربانی کا پورا منظر ہے، تاہم وہ حقیقت آنحضرت ^{صلی} کا اصلی براہ راست اور مقصود بالذات کارنامہ نہیں، وہ اتفاقی حوادث ہیں جو اسلام کی دعوت و اشاعت کی راہ میں دشمنوں کی مخالفت سے پیش آ گئے، آپ کے اصلی پیغمبرانہ کارنامے وہ ہیں جو اگر یہ اتفاقی واقعات رونما نہ ہوئے ہوتے تب بھی ظاہر ہی ہوتے، اور وہی آپ کی سیرۂ مبارکہ کے اصلی وقائع اور سوانح ہیں، یعنی عرب میں سر تاپا و جان و اخلاقی انقلاب پیدا کر دینا، تمام عالم کے سامنے کامل ترین اور اخیر شریعت کو پیش کرنا، ترانہ توحید اور سرود جہیت سے دنیا کے گوشہ گوشہ کو سمور کرنا، ظلمتکدہ عالم کو سراج منیر بنکر بقعہ نور بنا دینا، مگر جن کو راستہ بتانا، بھولوں کو یاد دلانا، بندہ کا رشتہ خدا سے جوڑنا، غلط اوہام کو مٹانا، اخلاقی فاضلہ کا سکھانا، گناہوں کے دفتر کو دھونا، انسانوں کو شیطانوں کے دامِ فریب سے نکال کر، فرشتوں کی صف میں کھڑا کرنا، دنیا کو رفی و محبت، لطیف و شفقت، اور برادرانہ مساوات کی تعلیم دینا، حکمت و دانائی، پند و موعظت اور تہذیب و تمدن کے رموز سکھانا، روحانیت کی برباد شدہ دنیا کی دوبارہ تعمیر، اور قابو و وار و اح کے ویران گھروں کی از سر نو آبادی، انقضائے خاتم النبیین کا اصلی کام ایک شریعت ابدی کی تائیس، مذاہبِ عالم کی اصلاح، فنِ اخلاق کی علمی و عملی تکمیل، قانونِ الہی کا اظہار و عرض، اور تہذیبِ نفوس کی معراجِ اخیر تھی، اور یہ سب الہی پر آشوب زمانہ میں ہوتا رہا جس کے لیل و نہار بظاہر صرف جھوٹ کے تیر باران کے روکنے میں صرف ہو گئے، پیش نظر جلد آنحضرت ^{صلی} کی سیرت مبارکہ کے انہیں واقعات اور کارناموں پر مشتمل ہے،

نبی اور مصلح اور عظیم بظاہر نظر آتا ہے، کہ اس قسم کے کچھ کام ایسے لوگوں سے بھی انجام پاتے ہیں، جو نبوت اور رسل کے منصب پر فائز نہیں ہوتے، وہ اپنی قوم و ملک کے سامنے اپنی اصلاح کی دعوت پیش کرتے ہیں، اور سنی و محنت اور متواتر جدوجہد سے ان میں کوئی سیاسی، اجتماعی، تعلیمی، اقتصادی اور معاشرتی انقلاب پیدا کرتے ہیں، اور انکو قہرِ قدرت سے نکال کر ترقی کی سطحِ مرتفع تک پہنچا دیتے ہیں، ایسے لوگوں کو مصلح اور لیڈر کہتے ہیں، اور ایسے بھی ہوتے ہیں جن کے منہ سے اخلاق و حکمت، اور پند و موعظت کے موتی جھڑتے ہیں، جنکو حکیم کہتے ہیں، اس حالت

میں ایک پیغمبر اور ایک مصلح اور ایک حکیم میں کیا فرق ہوگا؟ اس التباس کا نتیجہ یہ ہے کہ بہت سے کوئی نظر ایک پیغمبر اور ایک مصلح اور ایک حکیم میں کوئی امتیاز نہیں کرتے، اس بنا پر اس سے پہلے کہ ہم آگے بڑھیں اس فرق و امتیاز کو نمایاں کر دینا ضروری سمجھتے ہیں،

نبوت کی حقیقت اور خصوصیات | اس فرق کو پوری طرح واضح کرنے کے لیے ضروری ہے کہ پہلے نبوت کی حقیقت اچھی طرح ذہن نشین کر لیا جائے، نبوت کی فلسفیانہ حقیقت کی بہترین تشریح امام غزالی نے معارج القدس میں اور شاہ ولی اللہ صاحب نے حجتہ اللہ باللہ میں کی ہے، یہ دونوں بزرگ تھوٹ، فلسفہ، اور تعلیقات تینوں کو چون سے باخبر ہیں، اس لئے یہ جو کچھ بتائیں گے اس میں کچھ ذاتی ذوق و مشاہدہ کا حصہ بھی شامل ہوگا، امام صاحب فرماتے ہیں،

”نبوت انسانیت کے درجہ سے بالاتر ہے، جس طرح انسانیت حیوانیت سے بالاتر ہے، وہ ... وہ

عظیم الہی اور بہت ربانی ہے، سعی و محنت اور کسب و تلاش سے نہیں ملتی، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اللَّهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رُسُلَهُ (انعام-۱۵)

وَكَذَلِكَ أَكْثَرُ حَيْثُ يَجْعَلُ رُسُلَهُ (انعام-۱۵)

اور اسی طرح مجھے تیرے پاس اپنے حکم سے ایک روح بھیجی، تو پہلے نہیں جانتا تھا، کہ کتاب کیا ہے، اور ایمان

جَعَلْنَاهُ نَذْرًا لِّمَنْ يُهْدِي بِهِ مِنْ نَّسَائِهِمْ (مجادلہ-۱۵)

عبادِ دنا (شوری-۵)

اس موقع کے لیے صریح آیت یہ ہے،

ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ (مجادلہ-۱۵)

یہ (نبوت) خدا کا فضل ہے جس کو چاہے دے،

لے معارج القدس کا یہ حصہ حضرت الاستاذ مرحوم نے انکلام کے آخر میں بطور ضمیمہ شائع کر دیا ہے، امام صاحب نے آیت پوری نہیں لکھی ہے، میں نے اپنی طرف سے آیت پوری کر دی ہے،

گو یہ صحیح ہے کہ وہ عبادت ریاضات جو فکر و مراقبہ پر مشتمل اور دنیا اور شہرت طلبی سے پاک ہوں، نفس میں آثارِ روحی کے مستبول کرنے کی استعداد پیدا کر دیتے ہیں، تاہم نبوت کا منصب خاص شخص اتفاقی نہیں، جو محنت اور کوشش سے کسی کو حاصل ہو جائے بلکہ جس طرح نوع انسان کا انسان اور فرشتوں کا فرشتہ بنانا ان کے افراد کی سعی و محنت کا مرہونِ منت نہیں، بلکہ طرح نوعِ نبی یا کاتبی بنانا ان کے افراد کی کوشش اور محنت سے ممکن نہیں، ہر انسان کا بچہ اپنی ذاتی محنت سے نہیں بلکہ فیضِ عالم کی بخشش سے انسانیت کا مرتبہ حاصل کرتا ہے، مگر انسانیت کے ممکن کمالات کو بالفعل حاصل ہو جانے کے لئے اس کو یقیناً کچھ نہ کچھ جدوجہد کرنی پڑتی ہے، اسی طرح نبوت، نوعِ انبیاء کے لیے اکتسابی چیز نہیں، لیکن مناسبتِ نبوت کے مطابق ریاضت اور عمل، قبولِ وحی کی استعداد اور تیاری کے لیے البتہ ضروری ہیں،

چنانچہ اسی اصول کے مطابق ان پیغمبروں کے آثارِ وحی کے حالات میں آپ کو یہ ملے گا، کہ انھوں نے ایک نئے نمک عبادت و مراقبہ میں بسر کیا، ایک ایک مہینہ ایک ایک چلہ اس طرح گزارا کہ وہ مادی دنیا کی آلائشوں سے یکسر الگ ہو گئے، توراۃ میں حضرت موسیٰ کے متعلق ہے کہ کتاب ملنے سے پہلے وہ چالیس روز تک کوہِ طور پر روزہ کی حالت میں رہے، اسی طرح انجیل میں حضرت عیسیٰ کے متعلق ہے کہ وہ ایک سنان جنگل میں چالیس روز تک روزہ رکھ کر عبادت میں مصروف رہے، اور وحی سے پہلے آنحضرت صلیم کا غارِ حرا میں مہینوں عزالت گزین رہنا اور فکر و مراقبہ اور عبادت اور ریاضت میں مصروف رہنا سب کو معلوم ہے،

چنانچہ آنحضرت صلیم نبوت سے پہلے حرا میں جا کر جب عبادت میں مشغول ہوئے تو رویا سے صادقہ دیکھنے لگے، جس کی سچائی منسل سیدہ صبح کے صاف غایان ہوتی تھی، وحی کے بعد بھی آپ اس قدر عبادت میں مصروف رہتے تھے کہ آپ کے دونوں پاؤں سوج جاتے تھے، اسی لیے قرآن نے آپ کو خطاب کر کے کہا:-

طَلَبْنَاكَ اللَّهُمَّ إِنَّا لَنَشْكُو (طہ)

(اے پیغمبر! میں نے یہ قرآن مجید اس لیے نہیں اتارا کہ تو غلیف شاکل اس عبادت و ریاضت کے ساتھ، نبوت کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ اس کے حامل میں حسن صورت و اعتبار و مزاج، نشوونما کی پاکیزگی، حسن تربیت، طہارت، نسبِ کرم، اخلاق، نیکی طینت، متانت، سنجیدگی، دوستانہ الہی کیفیتیں

نرم خوئی، اور تواضع، اور دشمنانِ حق کیساتھ شدتِ قوت پائی جائے، علاوہ برین وہ راست گفتمارانیت دار تمام برائیوں سے پاک، فضائلِ مجاہدین سے آراستہ اور ذلیل باتوں سے مبرا ہوتا ہے، وہ ظلم کرنے والوں کو معاف، اور اپنے ساتھ برائی کرنے والوں کیساتھ حسنِ سلوک کرتا ہے، قربت مندوں، اور مبہایوں کیساتھ احسان، مظلوموں کی اعانت فرما دخواہوں کی فریادری، انکی طینت، اور نیکی سے محبت، اور بدی سے نفرت اس کی فطرت ہوتی ہے، انکی شان جیسا کہ قرآن نے بتایا ہے، یہ ہوتی ہے کہ

مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوَىٰ (نجم۔ ۱) تمہارا ساتھی (پیغمبر) گمراہ ہوا، اور نہ بہکا،

اس کی یہ صفت اس دنیاوی عالم میں ہے کہ وہ ہر گمراہی و بے راہروی سے پاک ہوتا ہے۔

مَا دَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغَىٰ (نجم۔ ۱) انکی نگاہ نہ کج ہوئی، اور نہ سرکش ہوئی،

یہ اس دنیا کے مناظر اور مشاہدات کے متعلق انکی کیفیت ہوتی ہے،

تمام دنیا کی تین اُس کی قوت کے سامنے بالآخر طوعاً و کرہاً سرنگون ہو جاتی ہیں، بائین ہمہ وہ منکر و راجب، جفا پیشہ بدخوا اور درشت مزاج نہیں ہوتا، وہ پیغمبری اور رسالت کے باغیر عظیم کو اٹھاتا ہے، اور

اس کا پورا حق ادا کرتا ہے، اور تمام عالم میں اپنی رحمت کا فیض جاری کرتا ہے،

نبوت در رسالت کے ثبوت | نبوت کے ثبوت کے دو طریقے ہیں، ایک اجمالی، اور دوسرا تفصیلی، اجمالی طریقہ یہ ہے کہ طرح کا جسمانی طریقہ انسان کو حیوان پر نفسِ ناطقہ کی بنا پر فضیلت حاصل ہے، کہ یہ عقلی و دماغی خصوصیت حیوان

میں نہیں پائی جاتی جس کے بل پر انسان حیوان پر حکمرانی کرتا ہے، اور اس کا مالک بنا ہوا ہے، اور اُس کو اپنے

کام میں لگائے ہوئے ہے، اسی طرح انبیاء علیہم السلام کو اپنے نفوسِ قدسیہ کی بنا پر تمام انسانوں پر برتری حاصل ہے

وہ اپنے ان قدسی نفوس اور پیغمبرانہ قوت سے دوسروں کو راہِ راست سوجھانے، اور خود راہِ بہت پر قائم رہتے ہیں

انکی پیغمبرانہ عقل و فہم تمام انسانی عقولوں سے بالاتر ہوتی ہے، اور اُن کو وہ ربانی خصوصیت حاصل ہوتی ہے، جس کی بنا پر

وہ تمام انسانی نفوس کی تدبیر کا فرض انجام دیتی اور اُن پر قابو پاتی، اور اُن کو کام میں لگاتی ہے اور جس طرح انسان

کے عجیب و غریب کام حیوانوں کو حیرت انگیز معلوم ہوتے ہیں، اسی طرح پیغمبروں کے عجیب و غریب کام انسانوں کو حیرت
نظر آتے ہیں..... اور اگرچہ نبی مام انسانوں کیساتھ بشریت اور انسانیت میں برابر کا شریک ہوتا ہے
مگر عقلیت و معنویت میں وہ ان سے بالکل الگ ہوتا ہے، کیونکہ اس میں وحی کے قبول کرنے کی جو صلاحیت ہوتی
ہے، وہ دوسرے انسانوں میں نہیں ہوتی، اسی مفہوم کو قرآن نے ان الفاظ میں ادا کیا ہے،

إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ (آلۃ رکف-۱۲) میں تمہاری ہی طرح بشر ہوں، مجھ پر وحی کیجاتی ہے،

دیکھو کہ بشریت میں گو پیغمبر کو دوسرے انسانوں کے مثل کہا ہے، مگر ساتھ ہی وحی کے فرق و امتیاز کو دونوں
میں حد فاصل قرار دیا ہے،

نبوت کے تفصیلی ثبوت کے تین طریقے ہیں،

پہلا طریقہ | انسان میں تین قسم کے اختیاری حرکات پائے جاتے ہیں، فکری، قوی، علی، ان تینوں سے جو افعال
سرزد ہوتے ہیں وہ اچھے بھی ہوتے ہیں، اور برے بھی، فکری یعنی رائے، صحیح بھی ہوتی ہے اور غلط بھی، قول، پس بھی
ہوتا ہے، اور جھوٹ بھی، عمل اچھا بھی ہوتا ہے اور برا بھی،

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے، کہ صحیح اور غلط، سچ اور جھوٹ، اور اچھے اور برے میں تیز کنوئیکر ہو؟ پھر کیا یہ تیز
ہر شخص کر سکتا ہے، یا کوئی نہیں کر سکتا، یا بعض کر سکتے ہیں، اور بعض نہیں، پہلے دو احتمال بدائے غلط ہیں اب رہ گیا
تیسرا احتمال، یعنی بعضے انسان ایسے ہوتے ہیں جو ان حدود کو متعین کر سکتے ہیں کہ فلاں رائے و عقیدہ صحیح اور
فلاں غلط ہے، فلاں قول سچ، فلاں جھوٹ ہے، اور فلاں فعل اچھا اور فلاں برا ہے، جس شخص کو خالق فطرت اپنے
فضل و کرم سے یہ قوت عطا فرماتا ہے، وہی پیغمبر اور صاحب شریعت ہوتا ہے،

دوسرا طریقہ | نوع انسان کو اپنے اختیاری اعمال و حرکات اور مصطلقی معاملات میں باہمی اجتماع اور تعاون کی ضرورت
ہے، اگر انسانوں میں باہمی اجتماع اور تعاون نہ ہو تو نہ تو انسان کا کوئی فرد زندہ رہے، نہ جان و مال اور عزت و
آبرو کی حفاظت ہو سکے، اسی بقائے نفس اور جان و مال و آبرو کے تحفظ کے اصول و آئین کا نام شریعت ہے،

انسان کو اس کے لیے دو قسم کے کاموں کی ضرورت ہو ایک یہ کہ اچھے کاموں میں سب مل کر ایک دوسرے کا ہاتھ بٹائیں
 اس کو **تعاون** کہتے ہیں اور دوسرے یہ کہ بُرے کاموں سے ایک دوسرے کو باز رکھنے کی کوشش کریں اس کو
تمانع کہتے ہیں اسی تعاون کے ذریعہ سے انسان کھانے، پہننے اور رہنے کے سامان و اسباب فراہم کرتا ہے تعاون
 کے ذریعہ نواح و قرابت، اولاد و اعزہ اور احباب و دوست کے حقوق و تعلقات پیدا ہوتے ہیں اور تمانع کے ذریعہ
 سے نوع انسانی اور افراد انسانی کی زندگی، اور ان کی دولت و جائداد اور عزت و آبرو کے بچاؤ کی صورت پیدا ہوتی
 ہے اس تعاون اور تمانع کے اصول ضرور ہو کہ مرتب، محدود، اور معلوم ہوں، اور وہ اس طرح بنائے جائیں جنہیں
 کسی خاص شخص، خاندان، قبیلہ، قوم، اور ملک کے فوائد کی ترجیح نہ ہو، بلکہ ان میں سب کا برابر فائدہ ہو یہ ظاہر ہے کہ ایسا
 قانون انسانوں کے ذریعہ نہیں بلکہ وحی ربانی اور تعلیم الہی سے بن سکتا ہے، مطلب یہ ہے کہ محض کسی انسان کی عقل
 سے جو بہر حال کوئی خاص شخص یا کسی خاص خاندان، قبیلہ، قوم اور ملک کا ہو گا ایسا غیر جانبدارانہ قانون زمین تمام مخلوقات
 کی حیثیت یکساں ہو اور کسی طرف توجہ نہ پائے اور تمام عالم کے لیے یکساں واجب العمل ہو محال ہے اس لیے ضرور ہے
 کہ یہ اصول اس کی طرف سے وحی ہوں جس کے ہاتھ میں نظام عالم کی باگ ہے اور جو پورے نوع انسانی کے اندر رومی
 و بیرونی احوال و کیفیات کے رموز سے باخبر ہے، یہ اصول خالق عالم کی طرف سے جس شخص پر وحی ہوتے ہیں وہی پیغمبر اور
 رسول ہوتا ہے۔

تیسرا طریقہ یہ وہ طریقہ ہے کہ جس نے اُس کو نہیں جانا، اس نے نبوت کی حقیقت نہیں پہچانی، پہلے یہ جاننا چاہیے
 کہ اللہ تعالیٰ کے دو کام ہیں **خلق** (پیدا کرنا، نیست سے ہست کرنا) اور **امر** (جو موجود ہست ہے اُس کو اپنی مصلحت کے
 مطابق حکم دینا) کائنات انہی دو چیزوں سے عبارت ہے، تو جس طرح فرشتے خالق اور مخلوق کے درمیان خلق و ایقان
 و پیدائش اور پیغام رسانی میں واسطہ ہیں، اسی طرح پیغمبر خدا اور بندہ کے درمیان احکام کے پہنچانے میں واسطہ
 ہیں، اور جس طرح خدا پر بحیثیت خالق اور آمر (پیدا کرنے والے اور حکم دینے والے) کے ایمان لانا واجب ہے، اسی
 طرح فرشتوں پر اس حیثیت سے کہ وہ خالق و مخلوق کے درمیان ایجاد و پیدائش اور پیغام رسانی کے واسطہ ہیں،

ایمان لانا ضرور ہے اور اسی طرح پیغمبروں پر اس حیثیت سے ایمان لانا فرض ہے کہ وہ خدا اور بندہ کے درمیان حکم کے پہنچانے میں واسطہ بنیں،

اس کے بعد حسب ذیل مقدمات ذہن نشین رکھنے چاہئیں،

۱۔ چونکہ ممکن کا وجود اور عدم برابر ہے اس لیے ممکن کے وجود میں آنے کے لیے ایک مرتبہ کا ہونا ضروری ہے جس کی وجہ سے وجود کو عدم پر ترجیح ہو، اور وہ شئی عدم سے وجود میں آسکے یہی امر مرتبہ ممکن کی علت ہوتا ہے،

۲۔ ہر قسم کے حرکات کے لئے ایک محرک کی ضرورت ہوتی ہے، جو دوسرے حرکات کی تجدید کرتا رہے، حرکات کی بھی دو قسمیں ہیں، طبعی اور ارادی، ارادی حرکات کے لیے ضرور ہے کہ اس کے محرک میں ارادہ اور اختیار پایا جائے، اسی طرح طبعی حرکات کے لیے بھی یہ ضروری ہے کہ اس کا محرک عقل اور تدبیر والا ہو، آفتاب و ماہتاب اور دوسری آسمانی مخلوقات کی حرکات کو طبعی ہیں، تاہم ان کو حرکت دینے کے لیے کسی قائل تدبیر کی ضرورت ہے، اسی لیے قرآن نے ان کے لیے کہا،

وَأَوْحَىٰ فِي كُلِّ سَمَاءٍ أَمْرًا هَا (جم السجود - ۲) خدا نے ہر آسمان میں اسکا فرض اور کام دجی کیا،

۳۔ اب جس طرح انسانی حرکات کو ارادہ اور اختیار کی حاجت ہے، یعنی ارادہ اور اختیار کے بغیر وہ وقوع میں نہیں آتے، اسی طرح ان حرکات کو ایک ایسے رہنما کی ضرورت ہے جو ان اعمال و حرکات کا ٹھیک راستہ اور صحیح طریقہ بتائے، اور حق کو باطل سے، سچ کو جھوٹ سے، اور خیر کو شر سے ممتاز کر دے،

۴۔ خدا کے حکم و قسم کے میں تدبیر اور تکلیفی پہلا حکم تمام نظام عالم میں جاری ہے جس کی بنا پر تمام عالم میں تدبیر اور انتظام کا سلسلہ نظر آتا ہے، قرآن مجید میں ہے،

وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُومُ مُسَخَّرَاتٌ بِأَمْرِ اللَّهِ (اور سورج اور چاند اور ستارے اس کے حکم کے تابع ہیں،

لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ (اعراف - ۵) اسی کا کام ہے بنانا اور حکم فرمانا،

تکلیفی حکم صرف انسان کے لیے ہے، چنانچہ قرآن میں ہے،

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ
اے انسانو! اپنے اس رب کی عبادت کرو جس نے تمکو

(بقیہ ۴۲)

پیدا کیا،

مقدمات مذکورہ بالا سے ثابت ہوا کہ انسان کے تمام حرکات ممکن ہیں اس لیے مرتج کی ضرورت ہی اختیار
ہیں، اس لیے عقل کی ضرورت ہی خیر و شر کے نقل ہیں، ایسے رہنما کی ضرورت ہے، اسی رہنما کا نام پیغمبر ہے،
نظام عالم میں خدا کا جو تدبیری حکم نافذ ہے، وہ ملائکہ کے ذریعہ سے ہے، اسی پیاس سے انسانوں پر خدا کا جو تکلیفی
حکم نافذ ہے، وہ بھی ایسے ہی نفوس قدسیہ کے ذریعہ سے ہوگا، اور انہیں کا نام پیغمبر ہے۔
شاہ صاحب نے حجۃ اللہ الباقیہ کے چھٹے بحث کے دو ابتدائی بابوں میں اس پر بحث کی ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ کل
محکمہ منجی سے کی ہے، شاہ صاحب کی تقریر کو ہم اپنے الفاظ میں لکھتے ہیں۔

نبی کی ضرورت | انسان میں دو قسم کی قوتیں ہیں آہمی اور ملکوتی، گمانا، پناہ شہوت، حرص و طمع، ہشیلا، وحیر وغیرہ انہما
بہمی قوت کے آثار ہیں، اور غور و فکر، علم و معرفت، حسن اخلاق، صبر و شکر، عبادت و طاعت وغیرہ ملکوتیت کے نتائج ہیں
انسان کی روحانی کامیابی کے لیے ضروری ہے کہ اسکی بہمی قوت، اسکی ملکوتی قوت کے تابع ہو، اگرچہ عقل سلیم ان اصول
اور طریقوں کو معلوم کر سکتی ہے، جبکہ ذریعہ سے بہمیت کے تابع ملکوتیت ہونے کے فائدے، اور گناہ و عصیان کے نقصان
ظاہر ہو، عقل سلیم کے اس علم سے، انسان فائدہ اٹھا کر اپنی اصلاح کر سکتا ہے، مگر یہ تو امکان عقلی ہے، عملی کیفیت یہ ہے
کہ انسان کی آنکھوں پر موجودہ دنیاوی لذائذ، حرص و طمع، اور بیجا خواہشوں اور غفلتوں کے استے تو بہر طور دے پڑتے
ہیں کہ اس کے اصلی اور فطری وجدان اور قوت، احساس کا مادہ فاسد ہو جاتا ہے، جیسے بیماری میں انسان کی زبان کا ذائقہ
جب بدل جاتا ہے، تو میٹھی سی میٹھی چیزیں کو کڑوی معلوم ہوتی ہے، اسی طرح اندرونی وجدان و احساس کے فاسد ہو جانے
سے بھی وہ حق و باطل، خیر و شر، اور نیک و بد کی تمیز کو بھول جاتا ہے، ایسے نوع انسان کو ایسے صحیح رہنماؤں، اور روحانی معلمین
کی ضرورت ہے، جن کے احساس وجدان کا آئینہ گرد آلود نہ ہو،

اگر افراد، جماعات اور اہل ملک کو ایک ایسے شخص کی ضرورت ہے، جو اپنی سیاست کے زور سے ان میں صلح و

داشتی اور امن و امان پیدا کر دے، تو ایک قوم کی قوم بلکہ کل دنیا کے لیے ایک ایسے شخص کی ضرورت کیوں نہ ہو جو ہرگز
کی استعداد کو پیش نظر رکھ کر اس کے مطابق اس کے حقوق و فرائض کی تعیین کرے، ایسے لوگ جو ایسے اہم فریضہ کو انجام دیکھیں
اُسی طرح کم ہین جہ طرح دوسرے اصناف کے اہل کمال، انسانوں کے معمولی پیشوں، تجارتی اور لوہاری، کو دیکھو کہ کس قدر
معمولی ہین، مگر ان کو کرنا بھی ہر شخص کا کام نہیں، یہ پیشے بھی ایسے لوگوں کے بغیر جو دین نہیں آئے، جن کو ان کاموں کا خاص
ذوق و وجدان تھا، اور ان کو ان کاموں کی خاص فطری استعداد ملی تھی جس کے ذریعہ سے انھوں نے اس فن کو تکمیل تک
پہنچایا، اور اس کے اصول و قواعد وضع کیے، اور بعد کے آنے والوں نے ان کی تقلید کی، اور اس تقلید سے مدارج علیا تک
پہنچے، پھر اخلاق و روحانیات اور ملک و ملت کے مصالح و فوائد عامہ کا فن جمہد راہم اور نازک ہے، کیا اس کو سمجھنا اور
وضع کرنا ہر کس و ناکس کا کام ہو سکتا ہے۔

بنی کی عصمت | پھر اسکے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ جو شخص اس پہنائی کے منصب کا مدعی ہو، وہ اپنی نسبت یہ بھی ثابت کرے
کہ وہ ان اصول و قواعد سے بخوبی واقف ہو، اور وہ اپنے علم اور تعلیم میں غلطی اور گمراہی سے محفوظ ہے، اور یہ اُس وقت تک ممکن
نہیں، جب تک اس کے علم اور تعلیم کا ماخذ اور سرختمہ غلطیوں سے پاک اور محفوظ نہ ہو، اُس کو ان امور کا علم اسی طرح وجدانی ہو،
جس طرح انسان کو بھوک اور پیاس کا وجدان ہوتا ہے، کیا کسی کو اس علم میں کہ اُس کو بھوک یا پیاس معلوم ہوتی ہے، کوئی
غلطی ہو سکتی ہے، اسی طرح اس کو حق و باطل، خیر و شر اور نیک و بد امور کے درمیان فیصلہ اسی طرح قطعی معلوم ہوتا ہے، جس میں
دلیل کی حاجت ہوتی ہے، اور نہ عقل و شمس کی ضرورت ہوتی ہے، جس طرح اللہ تعالیٰ نے ہمارے اندر بھوک اور پیاس پہنچنے
کا علم اسی طرح رکھ دیا ہے، کہ ہمارے سامنے کوئی معاند کتنی ہی دلیلین پیش کرے، کہ ہم کو بھوک یا پیاس نہیں ہے، ہم کہیں
اپنے اس وجدانی یقین سے جس کو خدا نے ہمارے اندر پیدا کر دیا ہے، اس معاند کے ان عقلی دلائل سے متاثر ہو کر دست بردار
نہیں ہو سکتے، اور اپنے یقین کو غلط نہیں کہہ سکتے، بعینہ اسی طرح ان نفوس قدسیہ کے اندر بھی اللہ تعالیٰ نے خاص قسم کا
وجدان و ذوق سلیم رکھ دیا ہے، جس کا عمل ہمیشہ صحیح، اور جس کا احساس ہمیشہ درست، اور جس کا فیصلہ ہمیشہ ناطق ہوتا ہے،
نبی کی محبوبیت | ایسا شخص جب لوگوں کے سامنے آتا ہے، اور لوگوں کو بار بار کے تجربہ سے اُس کی صداقت، سچائی،

اور استبازی کا یقین ہو جاتا ہے اور اس کے ہاتھ سے جو تصرفات صادر ہوتے ہیں ان سے اُس کا مقرب بارگاہ الہی ہو جاتا ہے
ظاہر ہو جاتا ہے تو ہر طرف سے لوگ اس کے ارد گرد جمع ہو جاتے ہیں اور اس کی محبت کی راہ میں جان و مال اور اہل و عیال
سب کو قربان کر دیتے ہیں،

شاہ صاحب اس کے بعد دوسری فصل میں ایسی بحث نبوت کو ایک اور انداز سے لکھتے ہیں جہاں حاصل یہ ہے:-

مصلحین | فصل مکمل اور علم عمل کے لحاظ سے انسانوں کے مختلف درجے ہیں، ان میں سب سے بڑا درجہ **محققان** کا ہے اور یہ وہ
لوگ ہیں جنکی قوتِ ملکیت نہایت بلند ہے اور جن میں یہ قدرت ہوتی ہے کہ سچے اور سچ جذبہ سے ایک خاص نظام کو دنیا میں
قائم کر دیں، اور ان پر بارگاہ الہی سے ایسے علوم اور احوال کا ترشح ہوتا ہے جنہیں بانی آثار نظر آتے ہیں ایسے لوگ معتدل مزاج
اور اپنی صورت و سیرت میں درست، اور عقل و ذکاوت میں متوسط ہوتے ہیں، نہ اس قدر بلید کہ جزئیات سے کلیات تک ان کا
پہنچنا مشکل ہے نہ اس قدر تیز کہ جزئیات اور محسوسات سے قطع نظر کر کے ہمیشہ ذہنیات اور خیالات میں مبتلا رہیں، صحیح فطرت پر
وہ قائم رہتے ہیں بطور و طریق ان کے پسندیدہ ہوتے ہیں، خدا کیساتھ ان کا تعلق عبادت و طاعت ہے اور بندوں کیساتھ صلہ
و انصاف سے قائم رہتا ہے وہ اپنے فیصلوں میں شخصی اور جزئی بھلائی اور منفعت کا لحاظ نہیں کرتے بلکہ منفعتِ عامہ اور تدبیرِ کلی
کا لحاظ کرتے ہیں براہِ راست کسی کو تکلیف نہیں دیتے، اللہ یہ کہ منفعتِ عامہ کا حصول اور برسی تعداد کا فائدہ چھوٹے سے نقصان
سے حاصل ہو، تو وہ اس جزئی تکلیف اور شخصی نقصان کو گوارا کر لیتے ہیں ہمیشہ اپنے کاروبار میں عالم غیب کی طرف مائل
رہتے ہیں جس کا اثر ان کی بات چیت، کام کاج، اور معاملات میں نمایاں ہوتا ہے، کارکنانِ عالم انکی تائید و نصرت میں
رہتے ہیں، معمولی ریاضت سے ان کے لیے قرب و سکینت کے وہ دروازے کھلتے ہیں، جو دوسروں کیلئے نہیں کھلتے
مصلحین کے اقسام | **محققان** کے درجہ بدرجہ مختلف اصناف ہیں، اور ان کی مختلف استعدادیں ہیں، اور اس بنا پر ان میں سے
ہر ایک کے الگ الگ اصطلاحی نام ہیں، جو زیادہ تر عبادات کے ذریعہ سے تہذیب و تمدن کے علوم پاتا ہے وہ **کامل** ہے
اور جو اخلاقِ فاضلہ اور تدبیر منزل کے مھول حاصل کرتا ہے، وہ **حکیم** ہے، جو عمومی تدبیر و سیاست کے علوم کا فیض پاتا ہے
اور ان کے مطابق اس کو لوگوں میں عدل کے قیام اور ظلم کے دور کرنے کی توفیق ملتی ہے، وہ **خلیفہ** ہے، اور جس پر ملاؤ

کا نزول ہوا اور وہ اس سے تعلیم پائے، اور وہ اس کو مخاطب کرے، اور مختلف قسم کے تصرفات اس سے صادر ہوں وہ مومن
روح القدس کہلاتا ہے، اور وہ جس کی زبان اور دل میں نور ہو، کہ لوگ اُس کی صحبت اور پسند و موافقت سے نفع
 اٹھائیں، اور وہ نور اس سے منتقل ہو کر اُس کے رفقاء خاص میں منتقل ہو، جس سے وہ بھی کمال کے درجہ تک پہنچ جائیں
 اُس کا نام **ہاموی** اور **ہزکی** (پاک کرنے والا) ہے، اور جس کے علم کا بڑا حصہ ملت کے اصول و قواعد اور انکی مصلحتوں
 کی واقفیت ہو، اور ملت کے منہدم ارکان کو دوبارہ قائم کرنے کی طاقت ہو وہ **امام** کہلا جائیگا، اور جس کے قلب میں یہ
 ڈالا جائے، کہ وہ لوگوں کو اُن کی اس مصیبتِ غلطی سے خبردار کرے، جو اس دُنیا میں اُن کے لیے اُن کے اعمال کے نتیجہ
 کے طور پر مقدر ہے، اور اُن کی بد اعمالی کے سبب اُن سے حق تعالیٰ کی رحمت کو جو دوری ہے، یا قبر اور حشر میں اپنے چوبھرتین
 انہواری بن اُس کا نام **مہندَر** (ڈرانے والا ہشیار کرنے والا) ہے،

اور جب حکمت الہی کا یہ اقتضا ہوتا ہے، کہ مخلوق کی ہدایت و اصلاح کے لیے اُن مفتین میں سے کسی کو بھیجے تو اسکی
 آمد مخلوق کے تاریکی سے نکل کر روشنی میں آنے کا سبب ہو جاتی ہے، اور وہ بندوں پر یہ فرض قرار دیتا ہے، کہ وہ دل و جان
 سے اس کی اطاعت کریں، اور بارگاہِ الہی میں تاکید ہوتی ہے، کہ جو اسکی اطاعت کرے، اس سے خوشنودی، اور جو اُس
 سے مخالفت کرے، اُس سے ناخوشی ظاہر کی جائے، یہی شخص نبی ہوتا ہے،

نبی کی دو بعثتیں [بنیوں میں بڑا درجہ اُس کا ہوتا ہے جس کو اس پیغمبرانہ بعثت کیساتھ ایک اور بعثت ملتی ہے، اور وہ یہ کہ
 مرادِ الہی یہ ہوتی ہے، کہ اُس نبی کے ذریعہ سے اُس کی قوم، اور اُس کی قوم کے ذریعہ سے دوسری قومیں ظلمت سے نکل کر
 نور میں آئیں، تو اُس نبی کی ذاتی بعثت کا نام بعثتِ اولیٰ، اور اسکی قوم کی دوسری قوموں کی ہدایت کے لیے نامزدگی بعثتِ
 ثانیہ ہے،

نبی کی پہلی بعثت کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے،

هَٰؤُلَاءِ الَّذِیْنَ بَعَثَ فِیْہِمْ رُسُلًا مِّنْہُمْ
 یَسْأَلُوْا عَلَیْہِمْ اٰیٰتِہٖ وَیُرِکِیْہُمْ وَیُعَلِّمُہُمْ
 وہی خدا جس نے اُن پر مومن میں، انھیں میں سے ایک رسول
 بھیجا، جو اُن کو اُس کی آیتیں سناتا، اور ان کو پاک بناتا، اور

الْكِتَابِ وَالْحِكْمَةِ، (مجمعاً) اُن کو کتاب اور دانائی سکھاتا ہے،

اور دوسری بعثت کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے،

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ

بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (آل عمران)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جس طرح محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیغمبرانہ بعثت اُنکی اُمت کے لیے ہوئی، ویسی ہی اُنکی

اُمت کی بعثت دوسری قوموں کی طرف ہوئی، اور اسی معنی میں قرآن پاک کی یہ آیت بھی ہے،

لِيَكُونَ الرَّسُولُ شَهِيدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُونُوا

شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ (حج - ۱۰)

اسی لیے احادیث میں ہے، کہ اپنے صحابہ کو فرمایا قَاتِلُوا بَعْثَكُمْ مِنْكُمْ يَسِّرُ لَكُمْ تَجْعَلُوا مَعْتَبًا "تم آسانی

کرنے والے بنا کر بھیجے گئے ہو، سختی کرنے والے بنا کر نہیں" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جو انبیاء علیہم السلام آئے وہ ان مختلف مذہبوں

بالا مناصب میں سے ایک یا دو منصب کیساتھ مبعوث ہوئے، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان تمام منصبوں پر ایک ساتھ مبعوث

ہوئے، اور یہ تمام فنون آپکی واحد ذات میں جمع کر دیئے گئے، اور آپ کو یہ دونوں بعثتیں بھی بکمال استحقاق عطا ہوئیں،

بعثت کیسے کسی قوم | یہ بھی واضح ہو کہ رسول کی بعثت کے لیے حکمت الہی کا اقتضا اس لیے ہوتا ہے کہ عالم کی عمومی تدبیر و نظم

کا انتخاب

و نسق میں جو اضافی خیر معتبر ہے، وہ ان دونوں اُسی رسول کی بعثت میں منحصر ہوتا ہے، اور اس بعثت

کے حقیقی سبب کا علم اُسی دانائے غیب کو ہو، مگر اتنی بات ہم قطعاً جانتے ہیں، کہ کچھ اسباب ایسے ہیں، جو بعثت کیساتھ ضرور

پائے جاتے ہیں، اور اُمت پر اُس رسول کی اطاعت اسی لیے فرض ہوتی ہے، کہ اللہ تعالیٰ دنیا کی تمام قوموں سے

جس قوم کی نسبت یہ جانتا ہے کہ اس میں خدا کی اطاعت و پرستش کی استعداد اور اُپس اللہ تعالیٰ کے فیضان اُٹھانے کی

صلاحیت زیادہ ہو، اُس میں وہ رسول مبعوث ہوتا ہے، اور چونکہ اس قوم کی اصلاح اُسی پیغمبر کی پیروی اور اتباع میں منحصر

ہوتی ہے، اس لیے بارگاہ الہی کا یہ فیصلہ ہوتا ہے کہ اُنکی اطاعت سب پر واجب کیجائے،

بعثت کا زمانہ اس موقع پر چند باتیں اور قابلِ لحاظ ہیں، اگر یہ وقت وہ وقت ہوتا ہو کہ کوئی نئی حکومت اس لیے قائم
 کی جائے تاکہ اُس کے ذریعہ سے اُن دوسری حکومتوں کو جو دنیا میں فساد اور شر کا موجب بنی ہوئی ہیں مٹا دیا جائے، تو
 ایسی حالت میں اللہ تعالیٰ اُس شخص کو بھیجتا ہے جو پہلے اس قائم ہونے والی سلطنت کی قوم کی اصلاح کرے، اور اُس کے
 دین کو درست کرے، تاکہ اُس کے ذریعہ سے دوسری قوموں کی اصلاح ہو جس طرح ہمارے پیغمبر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی
 بعثت ہوئی یا یہ کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کی زندگی کی بقا اور اُس کو اپنا برگزیدہ بنانا چاہتا ہو، تو اُس میں وہ ایک ایسے شخص کو
 بھیجتا ہے جو اُس کی کجی کو دور کر دے، اور اُس کو کتابِ الہی کی تعلیم دیکر اُس کو اس کا ستھی بنادے، جیسے حضرت موسیٰ
 علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بنی اسرائیل میں بعثت ہوئی، یا کسی قوم کے متعلق قضائے الہی کا فیصلہ یہ ہوتا ہو کہ اس کو مزید زندگی ملتی
 ہے، اور اس کا دین و سلطنت برقرار رہے، تو مجددِ دین نبوت پیدا ہوتے ہیں، جیسے بنی اسرائیل کے مختلف زمانوں میں حضرت
 داؤد، حضرت سلیمان اور پیغمبروں کے ایک گروہ کی بعثت ہوتی رہی،

نبی کی قیسی کا میانی | ہر نبی کی بعثت کے دور میں اللہ تعالیٰ کا یہ فیصلہ ہوتا ہے کہ اوسکو اور اُس کے دوستوں کو کامیابی ہو
 اُس کے دشمنوں کو پے درپے ناکامی ہو، (یہاں تک کہ حق ہتوار اور دعوت مکمل ہو جائے) قرآن پاک میں ہر-

وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ اِنَّهُمْ ۚ اور ہماری بات، اپنے پیغمبر کے متعلق پہلے ہی ملے ہو چکی ہو
 لَهُمُ الْمَنْصُورُونَ وَاِنْ جُنْدُنَا لَظَٰلِمُونَ ۚ کہ انھیں کی مدد کی جائیگی، اور ہمارا ہی لشکر غالب ہوگا،

ان دونوں بزرگوں امام غزالی، اور شاہ ولی اللہ صاحب نے اپنے اپنے الفاظ میں جو کچھ کہا ہے، وہ حرفِ حق
 صحیح ہے، اُس کا کرم علیہم السلام کے احوال مبارکہ اور سوانحِ مقدسہ پر چکی نظر عینی وسیع ہوگی، اُس کو ان اصول کے تسلیم
 کرنے میں ذرہ بھر شک نہیں ہو سکتا، اور اُن پر استدلال، واقعات اور حوادث سے اسی طرح کیا جاسکتا ہو جس طرح تحقیق
 اجتماع (سائنس کالوجی آف سیپل) یا نفسیات رہنمائی (سائنس کالوجی آف لیدرشپ) پر واقعات کے تسلسل اور تواتر سے کرتے
 ہیں، اس طرح امام غزالی اور شاہ ولی اللہ صاحب نے اوپر کے صفحات میں جو کچھ کہا ہے، ہم مجازاً کہہ سکتے ہیں کہ وہ نفسیاتِ نبوت
 کے گویا ابواب ہیں،

موجود زمانہ میں خیالات طرز گفتار، اسلوب تحریر، اور طریقہ استدلال، غرض ہر چیز میں فرق ہو گیا ہے، اس لیے ضرورت ہے کہ اہل زمانہ سے انکی اصطلاح میں گفتگو کی جائے، اور جو مہول قائم کیا جائے اس پر قرآن مجید سے بھی ساتھ ساتھ استدلال کیا جائے، کہ عقل نقل و نون درباروں میں کتنے فیلے کی بات کا اعتبار ہو،

غور کرنے سے یہ معلوم ہوگا کہ دنیا کا ذرہ ذرہ جس غرض و مقصد کیلئے پیدا ہوا ہے، وہ اپنے ذاتی ارادہ اور مقصد کے بغیر خود بخود اُس کو پورا کر رہا ہے، اور اُس کے خالق نے اس کے روز پیدائش سے اس کو جو حکم دیدیا ہے، انکی تعمیل سے وہ سر مو انحراف نہیں کرتا، آسمان سے لیکر زمین تک ہر چیز اپنے اپنے کام میں لگی ہوئی ہے، آفتاب دنیا کو گرمی اور روشنی دینے پر مامور ہے، اور وہ ہر آن اور ہر لمحہ آسمان مصروف ہے، زمین کو سرسبزی اور شادابی کا کام سپرد ہے، اور وہ اس کو انجام دیر ہی ہے، ابر کو سیرابی اور گہر بارش کا حکم ہے، اور وہ اس کی تعمیل کر رہا ہے، درخت پھل دینے پر مقرر ہیں، اور وہ اس کام میں لگے ہوئے ہیں، چوٹیا جن کاموں پر مامور ہیں، وہ خوشی اُن کو کر رہے ہیں، لیکن سوال یہ ہے کہ کیا انسان بھی اس دنیا میں کسی کام پر اسی طرح مقرر ہو کر آیا ہے یا نہیں؟ اگر ایسا ہے تو کیا اس کو انجام دیر ہے؟

اُو انسان کو غور سے دیکھیں، بظاہر وہ بھی کھاتا پیتا، چلتا پھرتا، اٹھتا بیٹھتا زندگی گزارتا ہے، اور پھر مر جاتا ہے، کیا اُسکی زندگی کا ایسا ہی قدر مقصد ہے، اگر یہی ہے تو پھر انسان اور حیوان میں کیا پہچان ہے؟ اور فنی ارادہ اور غیر فنی ارادہ میں کیا تمیز؟ اور صاحب عقل اور عقل میں کیا فرق؟ چنانچہ قرآن پاک اسی لیے انسانوں سے سوال کرتا ہے، اور بجا سوال کرتا ہے؟

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّا اَخْلَقْنٰكُمْ عَبَثًا
کیا تم یہ گمان کرتے ہو کہ ہم نے تم کو بیکار پیدا کیا،

(مومنون - ۶)

اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَن يُتْرَكَ سُدًى، (قیامہ - ۲) کیا انسان یہ گمان کرتا ہے کہ وہ بیکار چھوڑ دیا جائے گا،

اس سے معلوم ہوا کہ وہ بھی کسی غرض و مقصد کے لیے پیدا ہوا ہے، لیکن وہ غرض و مقصد کیا ہے؟

انسان کی پوری ہستی اگر کائنات کے صفحہ سے مٹ جائے تو بھی آفتاب چلتا رہیگا، سمندر رُئی طرح اُلتے رہیں گے، ہوائیں اسی طرح چلتی رہیں گی، پانی اسی طرح برستا رہیگا، ہنسنے اُسی طرح اُگتے رہیں گے، اور درخت اُسی طرح

پھلتے زمین کے لیکن اگر درخت نہ پھلین تو انسان کی ہستی معرض خطر میں پڑ جائے، سبزیاں نہ لگیں تو انسان بھوکا مر جائے، پانی نہ برے تو انسان پیاسا تڑپ جائے، اگر ہوانہ چلے تو انسان گھٹ کر مر جائے، اگر زمین نہ ہو تو انسان کو کھڑے ہونے کی جگہ نہ ملے، اگر آفتاب چلے تو انسان کی ہستی کا چراغ فوراً بجھ جائے، سمندر نہ ہو تو پانی برے، نہ سبزیاں لگیں، نہ انسانی غذا میسر آئے، نہ پانی برس کر پھر زمین کو خشک ہونا نصیب ہو، الغرض دنیا کی کوئی اہم ہستی اپنے وجود کے لیے انسان کی محتاج نہیں لیکن انسان اپنے وجود کے لیے کارخانہ ہستی کے ایک ایک پرزہ کا حامل ہے، تو پھر کیا یہ نتیجہ صحیح نہیں، کہ اس کارخانہ کے ہر پرزہ کی غرض و غایت انسان کا وجود اور اس کی بقا ہے لیکن خود انسان کے وجود کی غرض کوئی دوسری ہے، جو دیگر موجودات کے وجود کی غرض سے زیادہ اہم ہے،

قرآن پاک دوسرے موجودات و مخلوقات کی نسبت تو یہ کہتا ہے،

هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مِمَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا (بقراءۃ ۳۰) اُمی نے تمہارے لیے (اسے انسانوں) و سب پیدا کیا جو زمین میں ہے

پھر یہ بھی بتایا،

الَّذِينَ تَدْعُونَ اللَّهَ لِيُخْرِجَكُمْ مِمَّا فِي الْأَرْضِ (اسے انسان) کیا تو غور نہیں کرتا کہ زمین میں جو کچھ ہے اُن سب کو

(رج-۱۹)

تمہارے کام میں اُس نے لگا رکھا ہے،

زمین کے بعد آسمان کی نسبت بھی اُس نے اعلان کیا،

وَسَخَّرَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ (اسے انسانوں) اُس نے رات اور دن کو سورج اور چاند کو

وَالْجُودَ مَسْخَرَاتٍ بِلَاكُمْ (غل-۲۰) تمہارے کام میں لگایا اور تمہارے بھی اُس کے حکم سے کام میں لگو ہیں،

ہستیاں دو ہی ہیں، خالق کی اور اُسکی مخلوقات کی، مخلوقات کے حالات پر غور کرنے سے نظر آتا ہے کہ اُن میں ہر ادنیٰ چیز اپنے سے اعلیٰ چیز کے کام آ رہی ہے، جمادات، نباتات، حیوانات کے اور جمادات اور نباتات اور حیوانات تینوں انسان کے کام آ رہے ہیں، آخر انسان کو بھی اپنے سے کئی اعلیٰ ہستی کے کام آنا چاہیے، مخلوقات میں تو اب اس سے کوئی اعلیٰ ہستی نہیں تو لا محالہ اُسکی تخلیق خود خالق کے لیے ہوئی ہے،

الغرض دنیا کی ساری چیزوں کی غرض غایت بواسطہ یا بلا واسطہ انسانوں کی بقا زندگی اور آسائش ہے، لیکن خود انسان کی زندگی اس کے لیے نہیں، بلکہ خدا کے لیے ہے جیسا کہ وہ خود فرماتا ہے،

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ اور میں نے جن اور انسان کو اس لیے پیدا کیا کہ وہ میری

(ذاریات - ۳)

طاعت کریں،

عقل و فہم اور ارادہ و اختیار کے لحاظ سے مخلوقات کی تین قسمیں ہیں،

۱۔ ایک وہ جو ان صفات سے یکسر محروم ہیں جیسے آفتاب، مانتاب، زمین، مٹی، پتھر، پھل، پھول، درخت،

۲۔ دوسرے وہ جو صرف ابتدائی احساس اور علم و فہم رکھتے ہیں، لیکن فہم و استقرار و تثبیل اور حاضر پر غائب کو فہم

کر کے کسی نئے علم کا استخراج کرنا ان کی قدرت سے باہر ہے، ان کا ارادہ و اختیار بھی صرف ظاہری محسوس اشیاء تک محدود ہے، جیسے حیوانات،

۳۔ تیسری وہ مخلوق ہے جو عقل و ادراک رکھتی ہے، قیاس آرائی کرتی ہے، استقرار و تثبیل کے ذریعہ سے استنباط کرتی ہے،

جزئیات سے کلیات بناتی اور کلیات سے جزئیات پر حکم لگاتی ہے، بدہمیات سے نظریات تک پہنچتی، اور غائب کو حاضر پر قیاس کرتی ہے،

پہلی قسم کی مخلوقات سے جو حرکات اور آثار پیدا ہوتے ہیں، وہ اضطراری اور غیر ارادی ہوتے ہیں اور کبھی ان میں

تخلف نہیں ہوتا، اسی لیے ان کو فطری آثار اور طبعی خصائص کہتے ہیں، جبکہ صدوران مخلوقات سے ہمیشہ یکساں اور بلا

ارادہ ہوتا رہتا ہے، دوسری قسم کی مخلوقات سے جو آثار اور حرکات پیدا ہوتے رہتے ہیں، وہ گوارادہ اور احساس اور

ابتدائی فہم کے ماتحت صادر ہوتے ہیں، لیکن ان کے ہر فرد سے صرف ایک ہی قسم کے افعال و حرکات اور آثار یکساں

سے ظاہر ہوتے ہیں، ان کے خلاف نہیں ہو سکتا، اور نہ ایک دوسرے سے کم و بیش ہو سکتا ہے، ان کے ان افعال و حرکات

اور آثار کو جبلت، فطرت اور طبیعت کہتے ہیں، ان کے صدور میں بھی وہ مخلوقات اپنی فطرت اور طبیعت کے تقاضے سے

مجبور ہیں، جیسے حیوانات کے افعال اور ان کے مختلف انواع کے الگ الگ نوعی کام، کہ وہ ازل سے قیامت تک

یکساں ایک ہی طرح اور وہ بھی کسی غایت اور انجام وصال کے پہلے سے سوچے بغیر ان سے صادر ہوتے ہیں،
 تیسری مخلوق کے بعض افعال کو طبیعت و جبلت کے مطابق ہوتے ہیں جو دیگر مخلوقات کی طرح ویسے ہی بے ارادہ
 اور اضطرار سے ہوتے ہیں، مگر اُس کے اور دوسرے افعال و حرکات تماشائوں کے ارادہ، اختیار اور فہم سے صادر ہوتے
 ہیں، صرف یہی آخری قسم کے افعال وہ ہیں جن پر خیر و شر اور نیک و بد کا حکم جاری ہوتا ہے، اور اس سے بڑھ کر یہ کہ اُس کے
 تمام حالات و کام، عاقبت بینی، انجام اور مال کا رکو خیال کر کے اُس کے ارادہ سے صادر ہوتے ہیں اور یہی اس سے اس کی ذمہ داری
 کا سوال پیدا ہو جاتا ہے،

جن اُن کے علاوہ تمام دوسری مخلوقات خیر و شر کی ذمہ داری سے بری ہیں، جمادات و نباتات تو اس لئے کہ
 اُن کے افعال و حرکات تمام تر مجبورانہ بے ارادہ اور فکر انجام کے بغیر صادر ہوتے ہیں، یا یوں کہو کہ اُن احکام کے بموجب ہمیشہ
 ہوتے ہیں، جو خدا نے اُن کو اول ہی دن دیدیئے ہیں، حیوانات بھی اسلئے اس ذمہ داری سے بری ہیں، کہ اُن کے افعال
 و حرکات بھی تماشائوں کی طبعی ہیں اور وہ جبلت و طبیعت پر مجبورانہ بے ارادہ اور انجام کے خیال کے بغیر عامل ہیں، یا یوں
 کہو کہ وہ اپنے خالق کے احکام پر ہمیشہ اضطرار اعلیٰ پر ہیں، اسی طرح فرشتے بھی اس تکلیف سے سبکدوش ہیں، کیونکہ وہ
 بھی اپنی خلقت اور جبلت سے اطاعت پر مجبور نہیں، اور اسی لئے اُن سے عصیان نہیں سرزد ہوتا صرف ایک انسان
 ایسی مخلوق ہے جو بہت سی باتوں میں ارادہ، اختیار اور علم رکھتا ہے، نیکی، بدی اور خیر و شر ان دونوں پہلوؤں میں سے
 کسی ایک کے اختیار پر قطعی مجبور نہیں ہو، بلکہ وہ عقل و فہم سے سوچ بچ کر خیال کا ر اور انجام پر غور کر کے یا اپنے جذبات
 کے ماتحت کوئی کام کرتا ہے، اس لئے وہی خیر و شر کے امتیاز اور حق و باطل کے فرق کے لیے پیغام الہی کا محتاج قرار پاتا
 ہے، جمادات و نباتات اور دیگر مخلوقات سے احکام الہی کی مجبورانہ اطاعت یعنی جبلت یا فطرت یا خاصیت کو، قرآن
 پاک یوں ادا کرتا ہے،

وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مِنْ
 ذٰلِكَ لَا يَسْجُدُ وَهَلْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ يٰۤاٰخِآءُ
 اور خدا ہی کے آگے سر جھکا دیتے ہیں جو آسمانوں میں جو اور جو زمین میں جو
 جانداروں میں جو اور فرشتے وہ سرکش نہیں کرتے اپنی پروردگار کا اور پست نہ

رَبُّهُمْ مِّنْ فَتْحِهِمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ (نحل)

لکھتے ہیں اور کرتے ہیں جو حکم پاتے ہیں

اس فطری اطاعت الہی کا دوسرا نام فطری وحی بھی رکھ لو جیسا کہ قرآن میں ہے

وَأَوْحَىٰ رَبُّكَ إِلَى النَّحْلِ أَنِ اتَّخِذِي مِنَ الْجِبَالِ
بُيُوتًا وَمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُونَ كُلِّي مِرْت
كُلِّ الثَّمَرَاتِ فَاسْلُكِي سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا

اور تیرے پروردگار نے شہد کی مکھن پر وحی بھی کی کہ پہاڑوں

میں اور درختوں میں اور بنان چھت ڈالتے ہیں اپنے

پے گھر بنائے پھر ہر چل میں سے کھا پھر اپنے پروردگار کی

(نحل-۹)

راہوں پر (مقررہ احکام پر) چل، بطح ہو کر

دیکھو اس آیت پاک میں طبعی الہام کی مجبورانہ پیروی کو اطاعت الہی کہا گیا ہے، اور دوسری جگہ انکی اپنے خالق
اور پیدا کرنے والے کے حکم کی اسی طبعی اطاعت اور فطری تعمیل کو ان کی زبان حال کی نماز اور تسبیح فرمایا گیا ہے

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يَسْجُدُ لَهُ مَن فِي السَّمٰوٰتِ وَ
الْأَرْضِ وَالطَّيْرِ مَخْفٰتٍ أَكْثَرُ قَدْ عَلِمَ صَلَٰ
ةَ وَتَسْبِيحَهُ ۚ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِمَا يَفْعَلُونَ (نحل)

کیا تو نے نہیں دیکھا کہ آسمان اور زمین میں جو کوئی خدا اور اس کے

جانور پر کھوسے اکی یاد کرتے ہیں ہر ایک نے جان بھی ہی پنی

طرح کی نماز اور اس کی پاکی کی یاد اور خدا کو معلوم ہے جو وہ کرتے ہیں

لیکن انسان کو دوسرے موجودات و مخلوقات کی طرح مجبور محض نہیں پیدا کیا گیا ہے بلکہ جیسا کہ بتایا جا چکا وہ اس
اور ارادہ جو جادات میں معدوم نباتات میں محل بحث اور حیوانات میں متحرک ہے وہ انسان میں پوری طرح بیدار
اور کار فرما ہے اسی طرح وہ ارادی قدرت و اختیار جو جادات میں معدوم نباتات میں مفقود اور حیوانات میں محدود ہے
وہ انسان میں ایک حد تک وسیع ہے علاوہ ان میں ہر کام میں عاقبت بینی اور مالی اندیشی صرف انسان کا خاصہ ہے
اسی لیے تمام مخلوقات میں وہی ارادی تکلیف کا مستحق قرار پایا اور غیر ذی ارادہ مخلوقات کی طرح بالاضطرار اور مجبورانہ
اطاعت الہی کے لیے نہیں بلکہ بالارادہ اطاعت کے لیے اسکی تخلیق ہوئی فرمایا

إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ
وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَن يَّحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا

ہم نے اپنی امانت آسمانوں پر اور زمین پر اور پہاڑوں پر

پیش کی تو انھوں نے انکار کیا اور اس سے ڈرے

نَحْنُهَا الْإِنْسَانُ ط (احزاب - ۹) اور انسان نے اُس کو اٹھایا،

یہ امانت، اور سبکی و بدی کی تمیز اور خیر و شر کا فرق ہے جس کے نتیجے کے طور پر شریعت الہی کا نزول ہوا ہے انسان کو اپنی اس امانت سے عہدہ برآ ہونے کے لیے بارادہ اور باختیار افعال میں بھی بے ارادہ اور بے اختیارانہ افعال کی طرح احکام الہی کی اطاعت کرنا ضروری ہے یعنی جس طرح بے اختیارانہ افعال میں فطرت و جبلت کی مجبورانہ اطاعت کر کے حکم الہی کی تعمیل کی جاتی ہے اُسی طرح بارادہ اور اختیاری افعال میں بھی شریعت کی بارادہ اطاعت کر کے حکم الہی کی تعمیل ضروری ہے،

اس مطلب کو دوسرے لفظوں میں یوں ادا کر سکتے ہیں کہ غیر ارادی افعال حرکات میں جس طرح ہم اپنے فطری الہام و وحی کی مجبورانہ پیروی کرتے ہیں، اُسی طرح ارادی افعال میں بھی شرعی الہام و وحی کی بارادہ پیروی کریں، لیکن کسی کی اطاعت اس وقت تک ممکن نہیں جب تک اُس کے احکام و اوامر سے ہم کو واقفیت نہ ہو انبیاء اور رسول وہی ہیں جن پر اللہ تعالیٰ اپنے ان احکام اور اوامر کی شریعت کو وحی کرتا ہے، اور وہ ان ذمی ارادہ بندوں کو اس سے آگاہ و باخبر کرتے اور اُنکی اطاعت کی دعوت دیتے ہیں،

یہ نکتہ کہ انسان کے علاوہ تمام دیگر بے ارادہ مخلوقات خدا کی اطاعت پر طبعاً مجبور اور مجبول ہیں اور کسی قدر باختیار انسان کے افراد اپنے اُسی تھوڑے سے اختیار اور ارادہ کے بل پر اپنے خالق سے سرکشی کرنے پر آمادہ ہیں، خود قرآن پاک کے الفاظ میں موجود ہے، فرمایا،

الَّذِينَ آمَنُوا وَاللَّهُ يَجْعَلُ لَهُمُ فِي السَّمَوَاتِ وَمِنْ فِي الْأَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُومُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالْدَّوَابُّ وَكَثِيرٌ مِّنَ النَّاسِ ط وَ لَسْتَ بِحَقِّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ ط (حج - ۲)

کیا تو نے زمین دیکھا کہ اللہ ہی کے آگے سر جھکتا ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے، اور سورج اور چاند اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور جانور اور بہت سے انسان، اور بہت ہیں (انسان) جن پر عذاب ٹھہر چکا،

دیکھو کہ انسان کے علاوہ تمام دوسری بے ارادہ اور بے عقل مخلوقات کی کئی اطاعت اور سرانگندگی کا اعلان

لیکن خاص با ارادہ اور عقل اور انجام بین انسانوں کی دو قسمیں کردی گئیں، مطیع اور سرکش:

کائنات کے صحیفہ کا تذکرہ ہی مطالعہ کرو تو معلوم ہوگا کہ جمادات، نباتات، حیوانات اور انسان میں جس صنف مخلوق میں احساس ارادہ اور اختیار کی غنی کمی ہو، اسی قدر فطرت اس کی دایہ گری کی خدمات زیادہ انجام دیتی ہے، اور جس حد تک احساس ارادہ اور اختیار کا دائرہ اصناف ہستی میں بڑھتا جاتا ہے، اس قدر معلوم فطرت اپنے فرائض سے کنارہ کش ہوتا جاتا ہے، اور وہ صنف کائنات اپنی ذمہ داری آپ قبول کرتی جاتی ہے، جمادات اپنی نشوونما کے لیے بیرونی غذا کے محتاج نہیں، نباتات زمین ان اوصاف کی ہستی صرف اپنی انگلیں کھولتی ہے، ان کی غذا خود ان کے پانون کے نیچے ہوتی ہو، اور وہ خود اڑ کر اور چل کر ان تک پہنچ جاتی ہے، حیوانات زمین یہ اوصاف جاگ کر کروٹیں بدلتے ہیں، ان کی غذا بے جوتے ہوئے، سپے پٹے کھارے، بن پکے پکائے، ہر قسم پر ہر وقت تیار ملتی ہے، لیکن انسان زمین یہ تینوں اوصاف ٹھیکر حکمران اور کار فرما ہوتے ہیں، اس کے منہ تک غذا کا ایک دانہ بھی اس وقت تک نہیں پہنچ سکتا، جب تک اس کی جدوجہد، محنت، اور جانفشانی کے پسینہ کا گرم قطرہ پیشانی سے چل کر اس کے پانون تک نہیں پہنچتا،

بہر حال احساس ارادہ اور اختیار جیسے جیسے کم ہے، اس قدر طبیعت، فطرت اور جبلت کی اضطراری حکومت قائم ہے، لیکن جیسے جیسے ان تینوں اوصاف کی ترقی و تکمیل ہوتی جاتی ہے، طبیعت، فطرت اور جبلت کی حکومت کا دائرہ تنگ ہو کر احساس ارادہ اور اختیار کی شہنشاہی قائم ہوتی جاتی ہے، اور حرکات اعمال کی باگ فطرت و جبلت کے مضبوط اور نامن تغیر ہاتھوں سے نکل کر اختیار و ارادہ کے کمر اور ہرآن بدل جانے والے ہاتھوں میں آ جاتی ہے، جمادات ہمیشہ وہی کر رہے ہیں، نباتات عموماً وہی نہیں گے جو ان کو بننا چاہیے، حیوانات وہی کام انجام دیں گے جو ان کے سپرد کر دیا گیا ہے، لیکن انسان کسی قدر اختیار اور ارادہ پا کر اکثر اپنی راہ سے ہٹ جاتا ہے، اور حدود و اعتدال سے قدم باہر نکال دیتا ہے، اور اپنے اس اختیار و ارادہ کی ذمہ داری کی امانت کو بھول جاتا ہے، انبیاء اور رسولؐ وہی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس ذی ارادہ اور با اختیار مخلوق کو اس کی اس ذمہ داری کے فرائض سمجھانے کے لیے آتے ہیں،

اس اختیار اور ارادہ کے مرکز کا نام مذاہب کی زبان میں "دل" ہے جو انسان کے سر سے لیکر پاؤں تک کی رگ رگ اور ریشہ ریشہ کی ایک ایک لانی جنٹس و حرکت پر حکمران ہے اور اسی کے حکم سے اس جسم کے اندرونی عالم میں سب کچھ ہوتا اور سرانجام پاتا ہے، انیسا اسی دل کے نظام کو درست کرنے کے لیے آئے ہیں،

انسان کو اپنے وجود، بقا، ترقی اور تکمیل کی ہر منزل میں قدم قدم پر ہزاروں چیزوں کی احتیاج ہوتی ہے، ان چیزوں کے تیار اور تیار کرنے کے لیے ہر انسان میں استعداد و قوت الگ الگ ہوتی ہے، اور یہ استعداد و قوت فیض قدرت کی طرف سے پیدائش بلکہ پیدائش سے پہلے ہی آب و گل کے عالم میں ایمین ودیعت رکھی جاتی ہے، یہی سبب ہے کہ ہر انسان میں جس قسم کا میلان ہوتا ہے، اسی کی استعداد اس میں پائی جاتی ہے، اور پھر بعد کو خاص خاص فنی الہامات کے ذریعہ سے جنکو تم ایجادات اور اختراعات کہتے ہو، ہر پیشہ و دراپنے متعلقہ کام کو بڑھاتا، اور ترقی دیتا ہے، اور تمہاری ضرورت کے مطابق تمہارے لیے سامان فراہم کرتا ہے،

ان مادی ضروریات کے بنانے والوں کے حسب استعداد اور حسب حیثیت مختلف درجے اور مرتبے ہیں بعض ان میں محض مقلد ہوتے ہیں، جو وہی بنا سکتے ہیں، جو بنانا سیکھا ہے، بعض چابکدست اور ذہین ہوتے ہیں، جو اپنے کام گیردن کے صرف نمونوں کو دیکھ کر اچھی چیزیں تیار کر سکتے ہیں، بعض ایسے ذہین اور فطین ہوتے ہیں کہ وہ نئی نئی چیزیں بناتے اور یافت کرتے اور ایجاد کرتے ہیں، اور بعد کے آسمانے واسطے مدت تک انھیں کی تقلید کرتے رہتے ہیں، کاشتکاری کے اصول، اذالہ مرض کی تدبیریں، کھانے پکانے کے طریقہ، سواری کے ضروریات، رہنے سہنے کے سامان پہننے کے کپڑے، لڑنے کے آلات، ان میں سے ہر شے کی ضرورت ہے، اور ان میں ہر ضرورت کے لیے خالق فطرت نے ایک ایک گروہ کو پیدا کر دیا ہے، اور وہ اپنے اپنے کام کو انجام دیتے رہتے ہیں، ان ضرورتوں کے فراہم ہو جانے سے انسان کی مادی زندگی کی تکمیل ہو جاتی ہے، اب اس کے بعد اس کی روحانی اور اخلاقی زندگی کے ضروریات کا جنکو تم اصول تمدن، طریقہ معاشرت، آئین عدل و انصاف، اخلاق حسنہ اور دین و تقویٰ کے نام سے موسوم کرتے ہو، وہ شروع ہوتا ہے، اگر یہ اصول اور تعلیمات انسانوں کے سامنے نہ ہوں، تو آدم کے بیٹوں کی یہ جہت و ذریعہ ہوگا

اور اشرف المخلوقات کی یہ جماعت جانوروں کا گلہ اور درندوں کا جھنڈ بن جائے۔

جو تمھارے لیے غلہ پیدا کرتا ہے، وہ کاشتکار ہے، اور جو اوزار بناتا ہے وہ لوہار ہے، جو زیور گھڑتا ہے، وہ سونار ہے، جو تمھارے کپڑے بناتا ہے وہ جولاہا ہے، جو تمھارے مکان بناتا ہے وہ مہمار ہے، جو تمھاری حفاظت کرتا ہے وہ سپاہی ہے، جو تمھاری نگہبانی کرتا ہے، وہ حاکم ہے، جو تمھارے آپس کے جھگڑے چکاتا ہے، وہ قاضی ہے، جو تمھارے ملک کے اندر امن و امان کا ضامن ہے، وہ بادشاہ ہے، جو تمھاری جہانی بیاریوں کا معراج ہے وہ طبیب ہے، جو اپنی صناعیتوں سے تمھاری ضرورتوں کے لیے کاریگری کی چیزیں بناتا ہے وہ صنعتا ہے اور جو تمھارے لیے مادی کائنات کے پھر سے اسرار کا پروں بٹا کر، تم کو ہر چیز سے باخبر کرتا ہے وہ حکیم ہے،

اسی طرح جو برگزیدہ افراد تمھارے روحانی و اخلاقی و اجتماعی حالات کے معلم و نگران ہیں، ان کی بھی ایک عبت ہے، لیکن جس طرح تمھارے مادی ضروریات کے بنانے والوں کے حسب استعداد اور حسب حیثیت درجے ہیں، اسی طرح ان روحانی ضروریات کے فراہم کرنے والوں میں بھی مرتبے اور درجے ہیں، بعض وہ ہیں جو صرف اگلے روحانی معلمین کی نقل و تقلید کرتے ہیں، یہ عام علما ہیں، بعض وہ ہیں جو اچھے روحانی فنون کو دیکھ کر، خود بھی ان کی عمدہ نقل اتارتے ہیں، اور دوسروں کو بھی بتاتے ہیں، یہ مجددین ہیں، بعض ایسے ہیں جو الہام ربانی سے فیض پا کر روحانیت کے نئے نئے اصول وضع کرتے اور دنیا کے سامنے پیش کرتے ہیں، یہ انبیاء ہیں، ان کے مقدس ہاتھ، تمھارے لیے غلہ پیدا کرنے، مکان بنانے، کپڑا بنانے، اوزار بنانے اور صنعتا کی کرنے کے لیے نہیں، بلکہ ان سے بدرجہا بلند تر اور بہتر کام کے لیے ہیں، ان کی مبارک انگلیاں تمھارے ان تاروں پر پڑتی ہیں، جن سے یہ صد ہا قسم کے نفع نکل رہے ہیں، یعنی تمھارے دل کی رگوں پر، غور کرو کہ یہ اصل مرکز جس پر تمھارے تمام اعمال و افعال اور ہر قسم کے حرکات و سکنات اور ہر طرح کی جدوجہد کا دائرہ ہے، یعنی ”دل“ کیا انبیاء اور ان کے متبعین کے سوا کوئی طبقہ اس کی نشوونما، حفاظت، ترقی، تکمیل، اور اصلاح کے لیے بھی کام کر رہا ہے، اور کیا خالق فطرت کا یہ فرض نہ تھا، کہ وہ تمھاری مادی ترقی و اصلاح کی طرح، تمھاری روحانی ترقی و اصلاح کی بھی فکر کرتا، اور ایسا سمجھنا کہ اس نے اس کی ترقی و تکمیل و اصلاح کی خدمت، انوع انسانی کے کسی کارکن طبقہ

سے متعلق نہیں کی ہے، کیا اسکی شان ربوبیت کیساتھ سو رخن نہیں ہو

یہی وہ طبقہ ہے جو تمام متفرق اور مختلف انسانی طبقوں کو باہم جوڑ کر ایک عام انسانی تمدنی سطح پر لایا ہے اور ان سب کو جو تمہارے لیے روٹی تیار کرتے ہیں، کپڑے بناتے ہیں، جھوڑے بناتے ہیں، اور سامان اور اوزار درست کرتے ہیں، ایک دوسرے کیساتھ مشارکت اور معاونت اور نیکی پر آمادہ کر کے ان میں روحانی برادری پیدا کرتے ہیں، اور مٹی سے پیدا ہونے والے ایک آدم کے بیٹوں کو جنگو دولت و غربت، سوسائٹی اور مجلس، حکومت اور قلم، اور جزائی و قومی تقسیم نے پارہ پارہ کر رکھا ہے، باہم جوڑ دیتے ہیں اور ان تمام مصنوعی امتیازات کو مٹا کر پوری زمین کو ایک ملک، تمام اقوام عالم کو اولاد آدم، اور کل بنسٹ پست طبقوں کو ایک انسانی طبقہ قرار دیتے ہیں، اور ان کے اخلاقی روحانی عالم میں اصلاح و ترقی اور امن و امان پیدا کرتے ہیں، ان کے دلوں سے بغض، کینہ کو نکال کر اخوت و محبت کا نور بھرتے ہیں، ان کے احساس، ارادہ، اور اختیار کی باگ پر ان کے دل کو قابو حاصل کرنے کی تدبیر بتاتے ہیں، اور ان کو اعتدال کی حد بتا کر صحیح و غلط کی تیز عطا کرتے ہیں،

یہی وہ انسانی طبقہ ہے جس کو ہم نبی رسول اور پیغمبر کہتے ہیں، ان کو گویا براہ راست جسم و جسمانیات سے تعلق نہیں ہوتا، بلکہ صرف دل اور قلب و روح کے عالم سے سروکار ہوتا ہے، تاہم اس دل اور قلب و روح کی اصلاح کے لیے جسم و جسمانیات کی کسی قدر اصلاح بھی اس حد تک ان کے فرائض میں داخل ہے، جہاں تک ان کو دل اور قلب و روح کے کاموں کی اصلاح کیلئے انکی ضرورت معلوم ہوتی ہے،

ایک شہد اور اس کا جواب | اس مقام پر ایک شہد یہ ہوتا ہے، کہ افراد انسان کے درمیان، امن و امان اور اطمینان پیدا کرنے کا کام تو بادشاہ بھی کرتے ہیں، اخلاق کا ایک معلم بھی کرتا ہے، ایک فلسفی اور اجتماعیات کا ایک حکیم بھی کرتا ہے، مگر ان کے کاموں کے درمیان جو عظیم انسان فرق ہے، اس کو سمجھ لینا ہی اس شہد کا ارادہ ہے، علمی اصطلاح میں یوں سمجھو کہ مختلف فنون کے ماہر ایک ہی چیز پر مختلف حیثیتوں سے نظر دیتے ہیں، اور اسی اختلاف نظر سے ان کا فن بھی علاحدہ علاحدہ ہو جاتا ہے، کسی جسم کے اجزائے ترکیبی سے اگر بحث کی جائے، تو کیمسٹری ہے، اگر اس کی زندگی اور اسباب

زندگی پر غور کیا جائے تو بیا لوجی (علم الحیات) ہے، اگر اس کے دماغی قومی اور ان کے آثار کی تحقیق کی جائے، تو سائنس بیا لوجی (علم النفس) ہے، اگر اس کے جذبات اور جذبات کے مطابق اس کے شخصی اعمال کے حدود اور ان کے اسباب و علل اور غرض غایت پر نظر ڈالو، تو یہ انٹیکس (فلسفہ اخلاق) ہے، اگر اس کے جماعتی خصائص اور لوازم کی تفتیش کی جائے تو یہ سوشیا لوجی (علم اجتماع و معاشرت) ہے، اگر جسم کی صحت و مرض کے اسباب کی جستجو کی جائے، تو یہ طب ہے، دیکھو کہ ایک ہی جسم یا متعلق جسم پر کتنی حیثیتوں سے بحثیں کی گئی ہیں اور ان سے کتنے مختلف علوم پیدا ہو گئے ہیں، تاہم وہ سب کے سب جسم اور جسمانی ہی سے متعلق اور وابستہ ہیں اور بالآخر ان میں سے ہر ایک علم و فن علیحدہ اور ہر ایک علم و فن کے جاننے والے علیحدہ ہیں،

اسی طرح ایک نبی اور ایک رسول کا کام بھی بادشاہوں، فلاسفوں اور حکیموں کی طرح انسانوں ہی کی اصلاح ہے، مگر ان میں سے کسی ایک کا کام بھی دوسرے سے ملتا جلتا نہیں ہے، بادشاہ صرف اس کا ذمہ دار ہے کہ وہ اپنے زیر و قوت سے بازاروں، گلیوں، آبادیوں، اور میدانوں میں امن و امان اور انصاف کو قائم رکھے، فلاسفہ انسانوں کے تمام اعمال و خیالات کے اسباب و علل کی تفتیش اور ان میں نظم و تسلسل اور علت و معلول کا ربط پیدا کرنے کا کفیل ہو، فلسفہ اخلاق کے علم تمہارے اخلاق و عادات کے اسباب و علل تم کو بتاتے اور ناقابل فہم جذبات کی تشریح کرتے ہیں اس سے آگے ان کا کوئی کام نہیں، حکیم اور واعظ تمہارے اعمال و اخلاق کی اصلاح کے لیے نہایت سیرینا خوشگوار اور ڈھیلے ہوئے فقرے سناتے ہیں، مگر ان میں سے کوئی نہیں جو تمہارے دلوں کا رہنما ہو، جو تمہارے احساس ارادہ اور اختیار کے قدم کو غلط روی سے روک سکے، وہ نہ صرف تمہارے اخلاق و عادات اور جذبات کے اسباب و علل بتائے، بلکہ تمہارے اخلاق و عادات اور جذبات میں خیر و شر کی تمیز کرے اور خیر کے حصول اور شر سے حفاظت کی تدبیر بتائے، بلکہ اس کے ہاتھ اور زبان میں یہ قوت ہو کہ اپنی تعلیم و تحقیق و فیض صحبت سے تمہارے اخلاق و عادات و جذبات بلکہ احساس ارادہ اور اختیار کی غرض غایت بلکہ پورے دل کی قوتوں میں انقلاب پیدا کر دے، اور شر کے تمام گودوں کی سرزمین سے نکال کر خیر کا برگ و بار پیدا کر دے، البتہ نبی یہ تمام کام سہرا انجام دیتا ہے، وہ انسان کو

اس کے احساس ارادہ اور اختیار کی بھولی ہوئی ذمہ داری باوجود اپنی اور ان قومی کے مرکز یعنی دل کو خدا کے حکم سے درست کر دیتا ہے،

وہ بادشاہوں کی طرح صرف بازاروں میں اور بادلوں کا امن و اطمینان نہیں چاہتا، بلکہ وہ لوگوں کے دلوں کے اندر کا امن و اطمینان چاہتا ہے، وہ تعلیم اخلاق کی طرح اسباب و علل کی تلاش و جستجو و تشریح کی پروا نہیں کرتا، بلکہ اخلاق سیدہ خواہ کسی سبب سے ہوں، وہ ان کی نیکی کرتا ہے، اور اخلاق حسہ خواہ وہ کسی علت کے معلول ہوں وہ ان کو انسانوں کے اندر پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے، وہ انسانی اوہام کے ظلم کو توڑ دیتا ہے، اور غلط رسوم و رواج کی بندشوں کو کھولتا ہے، اور انسانوں کو انسانوں کی غلامی سے آزاد کر کے صرف خدا کی غلامی میں دیتا ہے،

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ عَنِ الْمُنْكَرِ
وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ
وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ
عَلَيْهِمْ (اعراف ۱۹)

وہ ان کو بھلائی کا حکم دیتا ہے، اور برائی سے روکتا ہے اور اچھائیوں کو ان کے لیے حلال اور خبیث چیزوں کو حرام ٹھہراتا ہے، اور ان کے اس بندھن اور زنجیروں کو جو ان پر ہوتی ہیں، ان سے اتارتا ہے،

رُسُلًا مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ لَعَلَّكُمْ يَتَّقُونَ
لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ،
(نساء ۲۳)

ایسے رسول بھیجے جو نیکوں کو خوشخبری دیتے اور بدکاروں کو تنبیہ کرتے ہیں تاکہ رسولوں کے اس عطا کردہ دیکر کے بعد پھر انسانوں کو خدا پر لازم دینوں کا موقع نہ ملے کہ ہم بھولے تھے تو خدا نے ہم کو یاد دلایا

لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنزَلْنَا مَعَهُمُ
الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ
(احد ید ۳۰)

ہم نے رسولوں کو کھلی ہدایتیں دیکر بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اتاری اور عدل کی ترازو تاکہ لوگ عدل و انصاف پر قائم رہیں، (اور دنیا امن و اطمینان کی زندگی بسر کر سکیں)

نوع انسانی کے دوسرے تمام خدام اور کارکن اپنے فرائض کو جن اغراض سے انجام دیتے ہیں، ان کا دائرہ موجودہ زندگی کی بھلائی اور برائی سے آگے نہیں بڑھتا، مگر انبیاء اور رسول نوع انسانی کی خدمت کے یہ کام بھی

اس کی موجودہ زندگی کی بھلائی اور برائی کو اس کا خاصہ سامنے رکھ کر کہتے ہیں کہ ان کا اثر اس کی دوسری دائمی و پائدار زندگی پر کیا پڑے گا، وہ جسم کی خدمت جسم کے لیے نہیں بلکہ روح کے لیے کرتے ہیں اور مخلوق کی خدمت خالق کے منشا کے مطابق بجالاتے ہیں، وہ صرف ایک مخلوق کو دوسرے مخلوق ہی سے نہیں بلکہ مخلوق کو خالق سے اور خالق ہی کے لیے ایک مخلوق کو دوسرے مخلوق سے جوڑتے ہیں،

وہ صرف اچھی اچھی اور مٹی مٹی بابتیں لوگوں کو نہیں سناتے، بلکہ خود بہتر سے بہتر عمل کرتے ہیں اور دوسروں کو اس کا عامل بناتے ہیں، وہ خیال آرا شاعروں اور جھوٹے حکیموں کی طرح نہیں ہوتے جو کہتے ہیں اور کرتے نہیں، دماغ ہوتے ہیں مگر دل نہیں ہوتے، زبان ہوتے ہیں، مگر ہاتھ نہیں ہوتے،

وَالشُّعْرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ أَلَمْ تَرَ أَنَّهُمْ فِي كُلِّ وَادٍ يَكْفُرُونَ وَإِنَّهُمْ لَيَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ (شعراء: ۱۱)

اور شاعروں کے پیروکار گم کردہ راہ ہوتے ہیں تم دیکھتے نہیں کہ وہ ہر میدان میں سرمارتے پھرتے ہیں اور وہ وہ کہتے ہیں جو کرتے نہیں

وہ اس دعویٰ کیساتھ انسانوں میں آتے ہیں کہ اُن کے خالق نے جس نے اُن کے ذرہ ذرہ کا سامان حیات فراہم کیا ہے، وہی ان کے قلب و روح کا سامان راحت بھی ہم پہنچاتا ہے، اور ہمیں اس لیے بھیجا ہے کہ ہم اُن کے قلب و روح کو اس سامان کا برتنا سیکھائیں اور اُن کے رب کا پیغام ان کو سنائیں اور بتائیں کہ وہ کیا چاہتا ہے، کہ اس کے بندے اپنے احساس، اپنے ارادہ اور اپنے اختیار کو کس طرح اس عالم میں صرف کریں کہ وہ پریشانی و بے اطمینانی کی تاریکی سے نکل کر سکون و اطمینان اور امن و سعادت کی روشنی میں داخل ہوں،

هُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ عَلَى عَبْدٍ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ وَهُوَ خَدَاةٌ جِوَابُكُمْ (رسول) بندے پر کھلی آیتیں اتارتا ہے کہ تم کو (اے انسانو!) وہ تاریکی سے نکال کر روشنی میں لائے (اور اللہ نے ایسا ہی کیا) کہ وہ تپش و شفت کرنے والا سربراہ ہو

اللَّهُ يَكْفُرُ لَكُمْ وَفِي رَحِيمٍ (حدید: ۱۰)

انبیا بھی ایک بادشاہ کی طرح جاعثوں کا انتظام کرتے ہیں، مگر ملک کے خراج اور زمین کی آبادی کے لیے

انہیں بلکہ خدا کے لیے وہ بھی جان فہل کی حفاظت کے لیے عقین کی طرح قانون بناتے ہیں اور قاضی کی طرح سزا و جزا کا حکم سناتے ہیں، مگر انعام شاہی اور تخریہ ماہانہ پاکر کسی دنیاوی بادشاہ کے فرمان کی تعمیل کے لیے نہیں بلکہ ہم و جان کے شہنشاہ اور کائنات کے مالک کے فرمان کی تعمیل میں وہ بھی خدا مفر کی طرح روز و اسرار کا پردہ فاش کرتے ہیں مگر تجربہ متھرا اور قیاس سے نہیں بلکہ عالم الاسرار کے مہر و علم سے فیض پاکر وہ بھی حکیم و واعظ کی طرح پرہیزگار کام کرتے ہیں مگر ان کے مانند اپنے دل سے جوڑ کر نہیں بلکہ خدا سے منکر اور وہ صرف کئے نہیں بلکہ ہو کئے ہیں وہ کرتے ہیں اور جو کرتے ہیں وہ دوسروں سے کرتے ہیں وہ خدا سے ہیں خدا سے پاتے ہیں اور اسی سے سنتے ہیں اور وہی اور ان کو سناتے ہیں، غرض اوپر آسمان سے ان کو جو کچھ ملتا ہے وہی وہ نیچے زمین پر سب کو بانٹتے ہیں

وَالْجَبْرِ إِذَا هَدَىٰ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوَىٰ
وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُذَكِّرُ
عَلَّمَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ذُوقُوا عَذَابَ الْكَافِرِينَ وَ
هُوَ بِأَعْيُنِنَا أَعْلَىٰ

فَاَوْحَىٰ إِلَىٰ عَبْدِهِ مَا أَوْحَىٰ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا
رَأَىٰ أَفَتَأْتُونَ اللَّهَ عَلَىٰ مَا تُعَلِّمُونَ

مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغَىٰ لَقَدْ رَأَىٰ مِنْ آيَاتِ
رَبِّهِ الْكُبْرَىٰ (الجم)

قُلْ إِنَّمَا أُنْصِتُ مِمَّا يَنْتَشِرُ مِنَ رَبِّي هَذَا
بَصَافٍ مِّنْ مِّنْ رَبِّكَ وَهْدِي ذُرِّيَّتَكَ لِقَابِ

يُنْصِتُونَ (اعلان ۷۴)

وَأَنَّهُ لَئِنْ نَزَّلَ رَبُّ الْعَالَمِينَ نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ
يُوحِي إِلَىٰ عَبْدِهِ مَا يَشَاءُ وَهُوَ يُعْلَمُ سِرَّهُ وَخَشَاةَ رَبِّهِ الْإِيمَانِ

وَأَنَّهُ لَئِنْ نَزَّلَ رَبُّ الْعَالَمِينَ نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ

عَلَيْ قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنْذِرِينَ
لِيَرْبِئَ لَكُمْ وَلَهُمْ أَعْيُنٌ عَلَىٰ ذَٰلِكُمْ مُبْصِرَةٌ

یلسانِ عکبرتی ثبیین (منہاج)

ہن سے ایک ہوا

نکتہ یہ بالکل ممکن بلکہ واقعہ ہے کہ ایک ہی قوم کا کام مختلف لوگ مختلف غرض نیت سے کرتے ہیں کسی قوم کی اصلاح کا کام ہو کہ اس کو مختلف لوگ مختلف غرض نیت سے کرتے ہیں خود غرضی کے غیر مخلصانہ اغراض سے قطع نظر کر کے مخلصانہ اغراض کو لو کوئی یہ سمجھتا ہو کہ قوم کی مالی حالت کی دہشتی سے قوم بن سکتی ہو کوئی اصلاح کی جز تعلیم کو قرار دیتا ہو کوئی رسم و رواج و معاشرت پر زور دیتا ہے کوئی ظاہری تمدن پر مدار رکھتا ہے کوئی جہانی قوت پر بھروسہ رکھتا ہو کوئی سیاسی کامیابی کو قومی اصلاح کا مرکز ٹھہراتا ہے لیکن نسبتیاد کے نزدیک یہ سب ثانوی درجہ کی باتیں ہیں وہ اپنی بنیاد صرف قلب کی اصلاح پر رکھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہی اصلی چیز ہے اور اسی کے بدلنے سے سب کچھ بدل سکتا ہے ان کی غرض خدا کی اطاعت، خدا کی محبت اور خدا کی معرفت ہوتی ہے اور تمام دوسری ترقیوں اور اصلاحوں کو وہ یکسر اسی ایک اصل کی فروع اور اسی ایک جز کی شاخیں جانتے ہیں

یہی سبب ہے کہ ان کی دعوت کی کامیابی سے قوموں کو سلطنت بھی ملتی ہے دولت بھی ہاتھ آتی ہے علم بھی حاصل ہوتا ہے، زور اور قوت بھی پیدا ہوتی ہے اور دنیاوی عظمت و جلال کا ہر نظر خادمانہ اس کے استقبال کے لیے آگے بڑھتا ہے مگر یہ خوب سمجھ لیں سنا چاہو کہ سیاسی مصلحین کی طرح سلطنت مالی مصلحین کی طرح دولت تعلیمی مصلحین کی طرح تعلیم علم و فن جہانی مصلحین کی طرح زور و قوت ان کا ملچ نظر نہیں ہوتا بلکہ جو کچھ ان کے سامنے ہوتا ہے وہ صرف خدا کی اطاعت خدا کی محبت خدا کی خوشنودی ہوتی ہے اور باقی تمام چیزیں ان کی نگاہ میں فرعی ثانوی اور ضعیفی ہوتی ہیں

نبی اور غیر نبی کے امتیازات | سلطہ و بلاست ہو یا سپہ سالاری ان کے امتیازات ان کے کتنا عظیم الشان فرق ہے یہ فرما چاہیں توں سے نمایاں ہو رہے ہیں اور مسیح کا فرق، غرض و غایت کا فرق، طریق دعوت کا فرق اور حکم و عمل کا فرق نبی کے علم کا مبدع ہے، ماضی اور مستقبل ہے جو کچھ وہ تعلیم ربانی شریح صدر اور وحی الہام ہوتا ہو اور حکم کے علم کا ماضی و منہج تعلیم انسانی، گذشتہ تجربہ، استدلال اور قیاس ہوتا ہے یعنی حکم عقل سے جانتا ہے اور نبی خالق عقل سے اسی طرح ایک حکم کے تمام قواعد

اور جدوجہد کا منشا اپنی شہرت طلبی، علم کا اہل رقوم یا ملک کی محبت کی خاطر اسکی اصلاح ہوتا ہے، مگر ایک نبی کا مقصد خدا کے حکم کا اعلان اور خالق کی رضا مندی کے لیے مخلوق کی بھلائی ہوتا ہے، طریق دعوت کا فرق یہ ہوتا ہے کہ حکیم نبی دعوت کی عمارت کو تاجر حکمتوں، مصلحتوں اور غلت و اسباب کے ستونوں پر کھڑی کرتا ہے، مگر نبی اپنی دعوت کو زیادہ تر خالق کی اطاعت، محبت اور رضا جوئی پر قائم کرتا ہے، حکیم کہتا ہے لیکن اس کا کرنا اُس کے لیے ضروری نہیں، نبی جو کہتا ہے، وہ کرتا ہے، اور اس کا کر کے دکھانا اُس کیلئے ضروری ہے، وہ صرف جلوت کے منبر پر آراستہ نہیں ہوتا بلکہ وہ جلوت و خلوت اور ظاہر و باطن میں یکساں حسنات سے آراستہ اور برائیوں سے پاک ہوتا ہے، دنیا میں سقا کا، افلاطون، ارسطو، دیوجانس وغیرہ ایک طرف اور ابراہیم، موسیٰ، عیسیٰ اور محمد دوسری طرف ہیں، اور دونوں کے سوانح اور سیرتیں اور کارنامے بالکل نمایاں اور ایک دوسرے سے اس طرح ممتاز ہیں کہ اُن میں ذرا التباس نہیں،

بادشاہ اپنی تلوار کے زور اور اپنی فوج و لشکر کی قوت سے رعایا کو اپنے قانون کا پابند بناتے ہیں، تاکہ قتل و فساد رک جائے، فلاسفر اپنے دعوؤں کو صرف استدلال کی قوت اور عقل کے خطاب سے ثابت کرنا چاہتے ہیں، تاکہ انکی بات لوگ تسلیم کریں، لیکن پیغمبر اپنے پیروؤں کے قلب کو اس طرح بدل دیتا ہے کہ وہ از خود برائی کو چھوڑ کر نیکی اختیار کر لیں، وہ اگر کبھی قانون وحد و سنرا کو اختیار کرتے ہیں یا ساتھ ساتھ عقل کو بھی مخاطب کرتے ہیں، تو انکا یہ ضمنی یا ثانوی کام ہوتا ہے، اولین نہیں، اُن کی اولین غرض یہ ہوتی ہے کہ اُن کے پیروؤں کو خدا کی قدرت اور اس کے حاضر و ناظر ہونے کا اتنا محکم اور پختہ یقین ہو جائے کہ وہ اس کے حکم اور نصیحتوں کو جو اُن کے ذریعہ آتی ہیں بے چون و چرا تسلیم کر لیں،

دنیا کے بادشاہ اور فاتح اور کشور کشا اپنے زور، بازو اور تلوار کی قوت سے دنیا کے طبقے الٹ دیتے ہیں، انھوں نے کبھی کبھی چار دانگ عالم پر حکمرانی کی، تو مومن کی جان و مال پر اپنا قبضہ اقتدار جمایا، اُن کی تلواروں کی دھاک نے آبادیوں اور مجموعوں کے مجرموں کو روپوش کر دیا، اور بازاروں اور راستوں میں امن و امان پیدا کر دیا، لیکن کیا انھوں نے دونوں کے طبقے بھی اُسے اپنی سلطنت کے دائرہ سے باہر کسی کمزور سے کمزور انسان سے اپنے حکم کو منوا سکے؟

لوگوں کے دلوں کو بھی اپنے قبضہ اقتدار میں لاسکے جو وہ آبادیوں اور مجبوں کے روپوش مجرموں کو بھی فنا کر سکے؟
دلوں کی بستون میں بھی امن امان پیدا کر سکے؟ وہ روجوں کی ملکوت کا بھی نظم و نسق قائم کر سکے؟

حکما اور فلاسفہ جو اپنی عقلِ ساس کے ذریعہ سے عجائباتِ عالم کی ظلم کشائی اور کائنات کے مخفی اسرار کے فاش کرنے کے مدعی ہیں، کیا وہ قلب و روح کے عجائبات کو بھی دریافت کر سکے؟ وہ ماورائے مادہ اسرار و رموز کو بھی حل کر سکے؟
وہ انسانوں کی اصلاح و ہدایت کا بھی کوئی سامان اپنی تحقیق و تفتیش سے فراہم کر سکے؟ ان کی دقیق کلمہ بنجیوں اور خیال آرائیوں کے پیچھے ان کے ذاتی حسنِ عمل کا بھی کوئی نمونہ ہے؟ اسطر نے فلسفہ اخلاق کی بنیاد ڈالی، دوسرے حکما نے اخلاق کے اسباب و علل کے حدود و حدودِ اثر اور نتیجہ کے ایک ایک حرف کی تحقیق کی، مگر کیا اس سے کسی انسان کے دل سے برائی کا تخم دور ہوا؟ اچھائی کے بیج نے نشوونما پائی؟ ان کے اخلاق و تعلیمات کے فلسفیانہ رموز و اسرار کا دائرہ ان کی درگاہوں کی چار دیواریوں سے کبھی آگے بڑھ سکا؟ کیونکہ وہ اپنے درس کے گردن سے نخل کر جب انسانی صحبتوں میں داخل ہوتے ہیں تو ان کی اخلاقی زندگی اور قلبی صفائی عام انسانی افراد سے ایک انچ بھی بلند نہیں ہوتی، حکماء یونان میں سقراط سے بڑھ کر کوئی نہیں، مگر کیا یہ وہی نہیں ہے جو بازار کی فاشنہ عورتوں سے ارتباط رکھتا تھا، اور ان میں ایک پیشہ ور کے فروغ اور کامیابی کے لیے کوشاں رہتا تھا، یہی یونان کے دوسرے حکما کا حال تھا، اور تو حید و خدا پرستی کا درجہ تو اس سے بدرجہا بلند ہے، جس کی ان کو ہوا بھی نہیں لگی تھی،

ان سطرون سے اندازہ ہوا ہوگا کہ ہر شہرین نواد اعطا، ہر نوزلہ بیان خلیب، ہر دقیقہ رس مقنن، ہر کشور کشاف تاج اور ہر نکتہ دان حکیم اس لائق نہیں کہ نبوت رسالت کا اہم اور بلند اور مقدس منصب اُس سے منسوب کیا جائے، اس منصب کے ساتھ کچھ ایسے شروط و لوازم اور خصوصیات بھی وابستہ ہیں جو اس کے ضروری اجزاء اور عناصر ہیں۔
اے سب سے پہلی بات یہ ہے کہ اُس کا تعلق پر اسرارِ عالمِ غیب سے ہو، وہ غیب کی آوازیں سنتا ہو، غیب کی چیزیں دیکھتا ہو، غیب سے علم پاتا ہو، عالمِ ملکوت کی تائید اُس کے ساتھ ہو، روح القدس اُس کا ہمسفر و ہمراہ ہو،
۲۔ اللہ تعالیٰ نے اُس کو تمام بندوں میں سے اس کے لیے چنا ہو، کہ وہ اس بلند منصب پر سرفراز ہو،

۳۔ اُس سے خدا کے حکم سے عجیب و غریب اور حیرت انگیز تصرفات صادر ہوں جن سے اُس کا مقبول ہونا بارگاہِ

ہونا ثابت ہو،

۴۔ فضائلِ اخلاق کے پھولوں سے اُس کا دامن بھرا ہو، اور ہر قسم کے گناہ کے خس و خاشاک سے پاک و صاف

ہو کہ گندہ ہاتھوں سے پیلے کپڑے پاک و صاف نہیں ہو سکتے،

۵۔ وہ لوگوں کو خدا اور عالم غیب پر یقین کی دعوت اور فضائلِ اخلاق کی تعلیم دے، اور روزِ امت کا بھولا

ہو احمد اُن کو یاد دلائے،

۶۔ نہ صرف تعلیم بلکہ اُس میں یہ قوت ہو کہ وہ شریوں کو نیک اور گمراہوں کو راست رو بہا دے، اور جو خدا

سے بھاگتے ہوں، اُن کو پھیر کر پھر اُس کے آستانہ پر لے آئے،

۷۔ اُس سے پہلے خدا کی طرف سے آئے ہوئے صحیح اصول کو انسانی تصرفات سے پاک و صاف کر کے پیش کرے

۸۔ اوہی اس دعوت، جدوجہد اور تعلیم و تلقین سے مقصود کو فی دنیاوی معاوضہ، شہرت، جاہ طلبی و دولتندی،

قیامِ سلطنت وغیرہ نہ ہو، بلکہ صرف خدا کے حکم کی بجا آوری اور خلقِ خدا کی ہدایت،

یہ نبوت و رسالت کے وہ اوصاف اور لوازم ہیں جو دنیا کے تمام پیغمبروں میں یکساں پائے جاتے ہیں

نہ اہلِ عالم کے صحیفوں پر ایک نظر ڈالنے سے حقیقتِ منکشف اور آشکارا ہو جاتی ہے، ہندو و مسلمان پاک نے جو

دنیا کی نبوت کا سب سے آخری اور سب سے مکمل صحیفہ ہے، اور جس نے نبوت و رسالت کی حقیقت اور شرائط و لوازم

کی سب سے بہتر تشریح کی ہے، سورہ انعام میں اکثر پیغمبروں کا ذکر کر کے یہ حقائق ان الفاظ میں بیان کئے ہیں،

وَتِلْكَ حُجَّتُنَا آتَيْنَاهَا إِبْرَاهِيمَ عَلَىٰ قَوْمِهِ ط اور یہی ہماری دلیل جو پہنچے ابراہیم کو اُن کی قوم کے مقابلہ میں

نُفَعُ دَرَجَاتٍ مِّنْ شَأْنِكَ إِنَّكَ رَبُّكَ حَكِيمٌ دی اہم جہ کو چاہتے ہیں، کئی درجے بلند کرتے ہیں، بے شبہ

عَلِيمٌ ط وَوَعَدْنَا لَنُؤْتِيَنَّكَ يٰ إِبْرَاهِيمُ الْوِثْقَ الْغَلِيظَ تیرا پروردگار تدبیر والا خبردار ہے، اور ہم نے ابراہیم کو اس حق

هَذَا يَوْمَئِذٍ جَاهِدُوا مَن قَبْلُ مِن دَرَجَاتٍ اور یہ ایک کو ہدایت دی اور نوح کو اس سے

دَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ وَأَيُّوبَ وَيُوسُفَ وَمُوسَى وَهَارُونَ
 وَكَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ۚ وَرَكَرَبُ يَأْسَجُ وَهَيْسُ
 وَالْيَاسَ أَكُلُ مِنَ الصَّالِحِينَ، وَاسْمِعِيلَ وَالْيَسَعَ
 وَيُوسُفَ وَلُوطًا وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعَالَمِينَ ۚ وَهَمِرُ
 آبَائِهِمْ وَذُرِّيَّتِهِمْ وَإِخْوَانِهِمْ وَاجْتَنِبْنَاهُمْ وَهَدَيْنَاهُمْ
 إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۚ ذَٰلِكَ هُدَى اللَّهِ يَتَّبِعُهُ
 رِجْمٌ مِّنْ تَشَاءٍ مِّنْ عِبَادِهِ ۚ وَلَوْ أَشْرَكُوا لَحِطْنَا بِهِنَّ
 مِمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۚ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ أَنْتِمْ الْكَلْبُ
 وَالْحَلَكُ وَالشُّبُهَاتُ فَإِنْ يَكْفُرْ بِهَا هُوَ لَا فَقَدْ
 وَكَلْنَا بِهَا قَوْلًا لِّئَلَّا يَكْفُرَ بِهَا الْكَافِرِينَ ۚ أُولَٰئِكَ
 الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فِيمَهُمْ هُمْ أَقْتَدَرُ قُلُوبًا
 أَسْأَلُكُمْ عَلَيْكُمْ أَجْرًا إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرِي لِلْعَالَمِينَ
 پہلے ہدایت دی تھی اور انکی اولاد میں اود اور سلیمان اور ایوب
 یوسف اور موسیٰ اور ہارون کو اور ہی طرح ہم نیکو کاروں کو بدلہ
 دیتے ہیں اور زکریا اور یحییٰ اور عیسیٰ اور یاس کو ہر ایک نیکو کاروں
 میں سے اور اسمعیل اور الیسع اور یوسف اور لوط کو ہر ایک کو بزرگی بخشی
 دنیا والوں پر اور انکے باپ دادوں اور بھائیوں میں سے اور ہم نے
 انکو چکر پسند کیا اور انکو سیدھی راہ چلایا یہ انکی ہدایت ہو اس پر وہ علما
 جو بکرو چاہو اگر وہ شرک کرتے تو ان کا سارا کیا برا ہو جاتا یہی
 لوگ ہیں جنکو ہم نے کتاب اور حق باطل میں فیصلہ کرنا حکم اور
 نبوت دی تو اگر کوئی ان باتوں کا انکار کرے تو ہم نے ان
 باتوں پر ایسے دوسرے لوگوں کو مقرر کیا ہے جو ان کا انکار میں
 کرتے یہی لوگ ہیں جنکو ہم نے ہدایت دی ہے محمد اور نبی ان
 کی رہنمائی کی پیروی کرو اور کہہ میں اپنے کام کی تم سے ضرور نبی ہیں
 چاہتا یہ تو دنیا والوں کو یاد دلانا ہی

(الغاف-۱۰)

ان آیتوں میں اکثر پیغمبروں کے نام لیکر ان کے پیغمبرانہ اوصاف گنائے ہیں اگر ہم ان کو یکجا کر دیں تو نبوت و
 رسالت کے عام اوصاف خصوصیات اور لوازم واضح ہو جائیں
 ۱۔ فرمایا "ہم نے ابراہیم کو دلیل دی" اور ہم نے ان کو ہدایت بخشی، جس سے معلوم ہوا کہ ان کے علم اور ہدایت کا حشر
 عالم ملکوت سے ہوتا ہے،
 ۲۔ ارشاد ہوا کہ ہم نے ان کو سیدھی راہ چلایا اور یہ سب نیکو کار تھے اس سے ثابت ہوا کہ وہ معصوم اور گناہوں
 سے بے داغ ہوتے ہیں،

۳۔ برہم بھی کہا کہ ہم نے ان کو چکر پسند کیا اور جس کو چاہیں اپنے بندوں میں سے یہ ہدایت عطا کریں جس سے یہ مقصود ہے کہ یہ منصب سب سے محنت سے نہیں بلکہ خدا کی مرضی اور انتخاب سے ملتا ہے،

۴۔ فرمایا کہ ہم نے ان کو کتاب حق باطل کے فیصلہ کی طاقت (حکم) اور احکام غیب کی تعلیم (نبوت) دی اس سے معلوم ہوا کہ اس منصب الون کو کیا چیزیں عطا ہوتی ہیں

۵۔ حکم ہوا کہ ان کی رہنمائی کی پیروی کر اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ لوگوں کی رہنمائی اور دعوت پر مامور ہوتے ہیں، اور لوگ ان کی پیروی سے نیکو کار اور صالح بنتے ہیں،

۶۔ فرمایا کہ "اے پیغمبر! یہ کہہ دے کہ میں اپنے کام کا کوئی معاوضہ یا بدلہ تم سے نہیں چاہتا، یہ تو اہل دنیا کے لیے نصیحت اور یاد دلانا ہے اس سے ثابت ہوا کہ خالق کی خوشنودی اور اس کے ذریعہ سے مخلوق کی خیر خواہی کے علاوہ ان کا کوئی دوسرا مقصد اور مطمح نظر نہیں ہوتا،

دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام کے علاوہ خاص محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلق و نسبت سے ان حقیقتوں کو قرآن پاک نے کئی دفعہ تبصریح بیان کیا ہے جن میں سے چار باتیں سب سے زیادہ نمایان ہیں،

۱۔ اشیاء غیب امور خیر اور فلاح و سعادت کے اسباب پر اس کا علم خدا کی تعلیم سے کامل ہو،

۲۔ وہ اپنے علم کے مطابق اپنے عمل میں کامل اور راست باز ہو،

۳۔ وہ دوسروں کو ان امور کی تعلیم دیتا ہو،

۴۔ اور ان کو بھی اپنی تعلیم اور صحبت کے فیض سے حسب استعداد کامل بناتا ہو،

قرآن پاک میں متعدد موقعوں پر آپ کی نسبت یہ فرمایا گیا،

يَسْلُكُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِلَيْهِ رُجِعُهُمْ ۝۱

وہ رسول ان پڑھوں کو خدا کی باتیں سناتا اور ان کو پاک

صاف بناتا اور ان کو کتاب و حکمت سکھاتا ہے،

اس مختصر سی آیت میں ان چاروں مذکورہ بالا امور کا کجا ذکر کیا ہے، جاہلون کو آیات الہی پڑھانے اور کتاب

و حکمت سکھانے سے پہلے یہ ضروری ہو کہ خود اس کو آیات الہی پڑھائی اور کتاب و حکمت سکھائی گئی ہوں اور دوسروں کو پاک و صاف بنانے کے لیے ضروری ہے کہ وہ خود پاک و صاف ہو کہ ایک جاہل اپنے ہی جیسے دوسرے جاہل کو عالم اور ایک ناپاک اپنے ہی جیسے دوسرے ناپاک کو پاک نہیں بنا سکتا، ایک دوسری آیت میں ہو:

سَتَفَرِّطُكَ فَلَا تَنْتَفِیْهِ اِلَّا مَا شَاءَ اللّٰهُ اِنَّهُ یَعْلَمُ
ہم تجھے پڑھائیں گے تو تو نہیں سمجھ لیگا، مگر جو اللہ چاہے وہ جانتا
اَجْمُرْ كُمْ مَّا یَكْفُرُ وَیُنْفِیْكَ لِلْیَسْرِ فَاِنْ كَرِهْتَ لَتُفْعَلْ
ہے، پکارا اور چھپا، اور ہم تجھے آہستہ آہستہ آسانی تک پہنچائیں گے
الَّذِیْ كُزِيَ سَبِیْدًا مِّنْ یَّحْشُرُ وِیَحْشُرُهَا اللّٰهُ

اور جو بد بخت ہوگا، وہ اس سے پرہیز کر لیگا،

(اعلیٰ)

ایسا پڑھانا جس میں بھول نہ ہو، پیغمبر کی روحانی تعلیم ہے اور آسانی کی منزل کی طرف اس کو آہستہ آہستہ لے چلنا، اور اس کے لیے اس کٹھن منزل کو آسان کر دینا اس کے ذاتی عمل کو کمال کے درجہ تک، اس طرح پہنچا دینا ہے کہ تمام امور خیر اس سے بہولت از خود صادر ہو سکیں، لیکن پھر اس کو دنیا کے سمجھانے پر مامور کرنا، اس رمز کو آشکارا کرنا ہے کہ دوسروں کی تعلیم و تذکرہ کا منصب اس کا ملا ہے، اس کے بعد یہ فرمانا کہ متقی اس نصیحت سے فیض پائیں گے، اور بد بخت عروم رہیں گے، اس کی تشریح یہ ہے کہ ناقصوں کی تکمیل اور ذی استعداد لوگوں کو انکی استعداد کے مطابق فیض پہنچانا بھی اس کا فرض ہے،

نبوت کے لوازم اور خصوصیات | نبوت کی شرح حقیقت اور اس کے ضروری لوازم اور خصوصیات کے اجمالی بیان کے بعد ضرورت ہے کہ نبوت کے چند اہم خصوصیات پر تفصیل سے گفتگو کی جائے تاکہ وقت کی بہت سی غلط فہمیوں کا سد باب ہو، لیکن ان خصوصیات کے ذکر سے پہلے خود ہم کو خصوصیت کو سمجھنا ہو کہ اس سے مقصود کیا ہے،

دنیا میں ہر نوع اور ہر نوع کے ماتحت ہر صنف میں کچھ نہ کچھ مخصوص صفات ہوتی ہیں، یہ مخصوص صفات اس نوع اور صنف کے ہر فرد میں یکساں پائی جاتی ہیں، انہی کو ہم لوازم اور خصوصیات کہتے ہیں، پھل پھول پھوپھا سہ یہ تشریح اور طریقہ استدلال امام رازی نے اپنی تفسیر اور بعض کتب کلامیہ میں اختیار کیا ہے،

ہندے انسان تمام انواع میں کچھ نہ کچھ ایسی خصوصیات ہیں جو دوسروں میں نہیں پائی جاتیں اور انھیں خصوصیات کی بنا پر ہر نوع دوسرے سے ممتاز اور ہر صنف دوسرے سے علیحدہ ہے۔ گلاب میں خاص قسم کا رنگ، خاص قسم کی خوشبو، خاص قسم کے پتے ہوتے ہیں یہ ناممکن ہے کہ کوئی گلاب ہو اور اس میں یہ چیزیں نہ پائی جائیں، لیکن گلاب کی بھی مختلف صنفیں ہیں اور ان میں سے ہر ایک میں کچھ ایسی لازمی صفات ہوتی ہیں جنہیں گلاب کی ہر صنف (قسم) دوسری صنف (قسم) سے علاوہ الگ نظر آتی ہے،

اسی طرح انسانیت کے کچھ خاص لوازم ہیں دو ہاتھ، دو پاؤں، سیدھا قد، بولنے کی طاقت، سمجھ بوجھ اور غور و فکر کی اہلیت، ایجاد و اختراع کی قوت، انجام دہی اور مال اندیشی کی صلاحیت وغیرہ اس کے خواص ہیں اور جس طرح شہد میں مٹھاس جھنڈ میں کروا پن، آگ میں گرمی اور برت میں ٹھنڈک، نوعی خواص کی حیثیت سے خود بخود پیدا ہو گئی ہیں، اسی طرح انسان میں انسانیت کی مذکورہ بالا حالتیں فطرۃً ودیعت ہیں، لیکن اس وصف انسانیت میں اشتراک کے ساتھ گلاب کے اصناف کی طرح نوع انسانی کے بھی مختلف اصناف ہیں جیسے ہندی چینی چھٹی رومی ایشیائی یورپین، دیکھو کہ ان میں سے ہر ایک صنف میں انسانیت کے اشتراک کے باوجود قد و قامت، پہرہ و رنگ و روغن، صورت و شکل، اخلاق و عادات، وغیرہ بیسیوں چیزوں کا نمایاں امتیاز ہوتا ہے، اور یہ تمام اصناف انسانی جو مختلف آب و ہوا، مختلف مروجہ و رسوم مختلف نسل، اور مختلف ماحول سے تعلق رکھتے ہیں انسان ہونے کے باوجود ایک دوسرے سے صریحاً ممتاز ہیں،

اسی طرح ہر صنف انسانی کے اندر مختلف افراد ہیں، اخلاق و فطرت نے ان میں سے ہر ایک کو مختلف قابلیتیں عطا کی ہیں، شاعری، زبان دانی، فلسفہ، ریاضی، صحافی، باغبانی، تجارتی، پہلوانی، سیکڑوں مختلف قسم کی انسانی استعدادیں اور قابلیتیں ہیں، ان میں سے ہر صنف کی اور ہر صنف میں سے ہر ایک فرد کی قابلیت و استعداد کی خصوصیتیں دوسروں سے الگ ہیں، ایک تخیل پسند شاعر اور ایک حقیقت شناس ریاضی دان میں عظیم الشان فرق ہوتا ہے، ادب و انشا کے خیالی بلند پرواز، عموماً ریاضیات جیسے ٹھوس اور واقعی علوم سے گورے ہوتے ہیں اور واقعات سے لبریز

ریاضیات کے جاننے والے، ادب و شاعری سے بیگانہ، پہلوانی کے جوہر باغبانی سے الگ ہیں اور ایک مناع کی طبیعت ایک فلسفی سے متضاد ہوتی ہے۔

اسی کے ساتھ صنف شعراء میں خاص دماغی قابلیت کا اتحاد ہوتا ہے نظم کی قوت تخیل کی بلندی، حماکت کی قدرت الفاظ کا زور و معانی کا جوش یہ تمام شعراء کی مخصوص صفات ہیں، یہ طرح تمام فلسفیوں کی ایک خاص دماغی کیفیت ہوتی ہے خاموشی، غور و فکر، وقت نظر خارجی عالم سے بے پروائی، تصویریں انہماک، خلوت گزینی، اخلاق کی خشکی، الغرض مرد و بو اور آب و ہوا کے اختلاف کی بنا پر جو اصناف انسانی پیدا ہوتے ہیں اور ان میں جو اختلاف و امتیاز ہوتا ہے اسی طرح دماغی و ذہنی و روحانی اختلاف استعداد کی بنا پر جو اصناف انسانی پیدا ہوتے ہیں ان میں بھی یہ اختلاف و امتیاز نظر آتا ہے ہینبال و پولینیمیور و پیگیڑم کے دم میں آبادی کو ویرانہ اور ویرانہ کو آبادی، پہاڑ کو میدان اور میدان کو پہاڑ بنا سکتے تھے، مگر وہ بٹھکر فلسفہ اخلاق پر چند صفے نہیں لکھ سکتے تھے، افلاطون تنہائی میں بیٹھ کر جمہوریت کا فلسفیانہ خاکہ تیار کر سکتا تھا، مگر آئینہ سر کے تخت پر بیٹھ کر ایک لمحہ حکمرانی کا فرض انجام نہیں دے سکتا تھا، سلطان محمود کے درباری شاعر فردوسی نے اپنی طبیعت کے زور سے سینکڑوں خیالی سومات کے معرکے فتح کیے لیکن تھوڑی ایک پٹان پر بھی کھڑی نہ مار سکا، اس کے برخلاف سلطان محمود فوجوں کے دل بادل کے ساتھ پہاڑوں کو چیرتا، دریاؤں کو پھاڑتا، اور ریگستانوں میں پانی بہاتا ہوا غزنی سے چل کر گرات کے کنارے تک پہنچ گیا، اور سومات کے سنگی قلعہ اور عیسے کو چکنا چور کر ڈالا، مگر فردوسی کی طرح تنہا بیٹھ کر وہ خیالی شاہنامہ کا ایک معرکہ بھی فتح نہیں کر سکتا تھا۔

ان مثالوں سے یہ ثابت ہے کہ نوع انسانی میں اشتراک ہونے کے باوجود اصناف انسانی کی ہزاروں قسمیں ہیں اور ان میں سے ہر قسم و صنف کے الگ الگ خصوصیات، صفات، اور لوازم ہیں، انہیں مختلف اصناف انسانی میں انبیاء علیہم السلام کی بھی ایک صنف ہے، اور نوع انسانی کی اس مقدس صنف کے بھی چند خاص اور خاص خصوصیات، اور لوازم ہیں جو ان کو دوسرے اصناف انسانی سے علائقہ ممتاز بناتے ہیں،

اس نمید کے بعد اب ہم کو اس مسئلہ کی طرف توجہ کرنی چاہیے کہ نبوت رسالت کے اہم لوازم اور خصوصیات کیا ہیں وہی استعداد ان میں سے سب سے پہلی چیز وہی استعداد ہے اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ مختلف انسانوں میں مختلف قسم کی فطری استعدادیں پائی جاتی ہیں اور انہیں کی طرف ان کا طبعی میلان ہوتا ہے اور جسے جیسے وہ آگے بڑھتے جاتے ہیں انکی استعداد اور میلان طبع کا جو ہر بزرگ بار پیدا کرنے لگتا ہے یہاں تک کہ ایک خاص مقررہ مدت میں جا کر وہ پوری طرح ظاہر ہو جاتا ہے جس طرح ہر درخت سے آم کا پھل پیدا نہیں ہو سکتا بلکہ اسی سے ہو گا جس کو خدا نے آم کا درخت بنایا ہے پھر آم کے درخت کے آثار خواص پھل انیس کا مزہ اس کا رنگ و بو خواص جملہ خصوصیات خود اس درخت میں اسی وقت موجود ہوتے ہیں جب وہ ہنوز تخم کی صورت میں ہوتا ہے وہی تخم پودا بنتا ہے پودا بڑھتا ہے کوئل اور شاخیں پیدا کرتا ہے اور چند سال میں پھل دینے لگتا ہے لیکن اپنی ترقی کے ہر دور میں وہ اپنی فطری خصوصیات وہی رکھتا ہے جو ایک دن اس سے آخر میں ظاہر ہونے والے ہیں اور اس پھل کی صفت چھٹی اس میں بالقوہ موجود تھی

اسی تمثیل کے مطابق یہ سمجھنا چاہیے کہ ہر انسان کو شش سے نبی نہیں ہو سکتا بلکہ وہی ہو سکتا ہے جس کو خدا نے نبی بنایا ہے اور نبوت کے یہ آثار خواص اور کیفیات اس میں بالقوہ اور استعداد کی صورت میں اسی وقت سے موجود رہتے ہیں جب وہ ہنوز آب و گل کے عالم میں ہوتا ہے شاید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا کہ میں اسی وقت نبی تھا آدم ہنوز آب و گل میں تھا اسی قسم کا مطلب ہو گا

انبیاء کرام علیہم السلام کی سیرتوں پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جب سے عرصہ وجود میں قدم رکھتے ہیں اسی زمانہ سے آسمان کے واسطے وقت اور ملنے والے منصب کے آثار ان سے ظاہر ہونے لگتے ہیں وہ حسب رتبہ اور سیرت و صورت میں ممتاز ہوتے ہیں شرک و کفر کے ماحول میں ہونے کے باوجود اس کی گندگی سے بچاے جاتے ہیں اخلاق حسنہ سے آراستہ ہوتے ہیں ان کی دیانت امانت سچائی راست گشت تاری مسلم ہوتی ہے اور یہ نمید میں اس لیے لکھ جانے فرمائی مناقب نبوی و مستدرک حاکم مناقب محمدی جلد دوم صفحہ ۱۰۰ پیدا آباد

ہوتی ہیں تاکہ منصب ملنے کے بعد ان کے دعوائے نبوت کی تصدیق اور لوگوں کے میلان خاطر کامیابان پہلے ہی سے موجود رہے۔ حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسماعیلؑ، حضرت اسحاقؑ، حضرت یوسفؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت سلیمانؑ، حضرت یحییٰؑ، حضرت عیسیٰؑ اور حضرت محمد رسول اللہ صلوٰۃ اللہ علیہم کے حالات و واقعات قبل نبوت پڑھو، تو ہمارے اس دعویٰ کی سچائی تم کو نظر آئے گی۔ حضرت ابراہیمؑ کا نبوت پانے سے پہلے ہی سے آسمان زمین کے خالق کی تلاش شروع چاند اور ستاروں پر متفکرانہ نظر اور بت پرستی کے خلاف نفرت کا شدید جذبہ کس بات کی شہادت ہے؟ حضرت سلیمانؑ کا بے آب و گیاہ میدان میں پرورش پانا، چارہ زمزم کا طور آنے جانے والے قافلہ کا اسکی آبادی کی طرف میلان چلنے پھرنے کے قابل ہونے تو مقدس باپ کے ساتھ مقدس سفر کے لیے تیاری، اور اس کسی مین باپ کے خواب کو علی جامعہ پہنانے کے لیے پوری آمادگی اور صبر و شکر اور تسلیم و رضا کا اظہار کس مستقبل کی خبر دیتا ہے؟ حضرت اسحاقؑ کا فرشتوں کی بشارت سے پیدا ہونا، اور پیدائش سے پہلے ہی عَلَیْہِ سَلَام کا خطاب پانا، پھر مقدس باپ کی نشانی اور اورشلیم کی مسجد کی پاسبانی کے لیے انتخاب کس مقصود کا دیباچہ ہے؟

حضرت یوسفؑ کا بچپن میں رویائے صادقہ اور صبر و شکر اور پاک دینی کی گواہی دیتی ہے؟ حضرت موسیٰؑ کی عین خطرہ میں پیدائش، حفاظت، پرورش اور نبوت سے پہلے ہی فرعونوں سے تنہا مجاہدانہ اور شہسوار کی مانند کی خبر ہے؟ حضرت سلیمانؑ کا آغاز عمر میں علم و فہم، فضل و تقدمات کی قوت، کس نتیجہ کے آثار ہیں؟ حضرت یحییٰؑ کی دعا پیدائش بچپن ہی میں ان کی نیکی، سعادتمندی، نرم خوئی، پاک کس مقصد کی تہید ہے؟ حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش اور بچپن ہی میں نیکی، سلامت رومی، تورات کی حقیقت رسی، کس روز روشن کی صبح ہے؟ اور خود محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے دعائے خلیل، نوید مسیحی، رویائے آمنہ، اور احوال ولادت و تربیت، مراسم شریک سے اجتناب، اخلاق حسنہ دینا، امانت، آثارِ خیر و برکت، نبوت سے پہلے ہی تنہائی پسندی، خلوت گزینی، حقیقت کی تلاش اور غور و فکر کس خوشنہایت جہان تاب کا مطلع انوار ہے؟

حضرت اسماعیلؑ کا یہ حال ہے،

فَبَشِّرْهُ بِأَلْحَمٍ ۖ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ
يُنْيَىٰ إِنِّي أَرَىٰ فِي الْمَنَاجِزِ آذَانُكَ فَانْظُرْ
مَا أَذْأَنُرِي قَالَ يَاقُوتَ أَفَعَلَ مَا لَوْ مَرَّ سَجْدَةً
إِلَّيَّكَ اللَّهُ مِنَ الصُّبُرِ (صفت ۳۰)

نوحؑ نے ابراہیمؑ کو ایک بردار لڑکے کی خوشخبری دی، تو جب وہ
اُسکے ساتھ دوڑنے کی عمر کو پہنچا تو اُس نے کہا کہ اے میرے بیٹے! میں
خواب میں دیکھتا ہوں، کہ تم کو میں نے کچھ کر رہا ہوں اُس نے جواب دیا،
میرے پاس کوئی جو تجھ کو لگا، تو مجھے خدا نے چاہا تو صبر کرو لوں میں

حضرت موسیٰؑ کو یہ خطاب ہے،

وَلَقَدْ مَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً أُخْرَىٰ إِذْ أَوْحَيْنَا
إِلَىٰ أُمِّكَ مَا يُكُونُ (طہ ۱۰)

اور ہم نے تجھ پر دوسری دفعہ احسان کیا جب (تیری حفاظت اور
پرورش کے متعلق) تیری ماں کے دل میں وہ وحی الہی جو اُنکی گئی

حضرت عیسیٰؑ کی نسبت یہ ارشاد ہے،

يٰٓعِيسَىٰ خُذِ الْكِتَابَ بِقُوَّةٍ وَآتِنَاهُ الْحَاكِمَ صَبِيًّا
وَحَنَانًا مِّن لَّدُنَّا وَزَكَاةً ۚ وَكَانَ تَقِيًّا ۚ
وَبَرًّا بِوَالِدَيْهِ وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا ۚ
سَلَامٌ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُ ۖ (سورہ ۱۰)

اِسے عیسیٰؑ کتاب (توراة) کو مضبوطی سے پکڑا اور ہم نے اس کو نصیب
کرنے کی قوت عظیم ہی میں دیدی اور اپنے پاس سے رحم ہمراہ کر دیا
اور تقویٰ پر نیکار اور اپنے ان باپ کا فرمان بردار نہ تھا زبردستی
کرنے والا نافرمان سلامتی ہو اس پر جس دن پیدا ہوا،

نیز حضرت عیسیٰؑ کے متعلق ہے،

كَيْفَ تُكَلِّمُ مَن كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا ۚ قَالَ
عَبْدُ اللَّهِ اَللّٰهُمَّ اِنِّى الْكِتَابَ وَجَعَلْنِي نَبِيًّا وَجَعَلْتَنِي
مُبَارَكًا اَيُّهَا كُنْتُ مُرِيمَ (۱۰)

ہم کیسے اُس سے بات کریں جو ہنوز گودارہ میں بچہ ہے عیسیٰؑ نے
کہا میں خدا کا بندہ ہوں اس نے مجھے کتہ اسب الہی دی
اور مجھے نبی ٹھہرایا اور مبارک بنایا میں جان ہوں،

اور کہہ گا اَلَا مِیْنُ تَوْتِی کے پہلے کی اپنی پوری زندگی موقع شہادت میں بے خطر پیش کر دیتا ہے،
فَقَدْ كُنْتُ فِيكُمْ مَّرْمَرًا مِّنْ قَبْلُ ۚ اَفَلَا
تَعْقِلُوْنَ (ہود ۲۰)

تو اس پتھر جیسی (دعویٰ) سے پہلے میں تم میں ایک
مگر گذار چکا ہوں کیا تم نہیں سمجھتے،

انبیاء علیہم السلام کے احوال مبارکہ کے یہ جزئیات، باہم ملکر، اپنی نسبت خود کلیہ بنا کر پیش کرتے ہیں
 عیسیٰ علیہ السلام انبوت کا دوسرا سب سے اہم خاصہ اُس کا غیبی علم ہے، یعنی وہ علم جو عام انسانوں کی طرح وجدان، احساس
 یا عقل و قیاس سے نہیں، بلکہ براہ راست صدائے غیب، یا روایاتِ صادقہ یا فرشتوں کے ذریعہ سے خدا کے پاس
 حاصل ہوتا ہے، اسی کے آغاز سے نبوت کی استعداد بالقوہ کا علی ظہور شروع ہو جاتا ہے، اس مسئلہ کو پوری طرح سمجھنے
 کے لیے کسی تفصیل کی ضرورت ہے،

علم انسانی کے اخذ | علم انسانی کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ جو بلا واسطہ ہوتا ہے، اور دوسرے وہ جو کسی واسطہ سے حاصل
 ہوتا ہے، بے واسطہ علم کی بھی تین قسمیں ہیں،

۱۔ وجدان، انسان کو اپنے جسمانی وجود اور اس جسمانی وجود کے اندرونی کیفیات کا علم سب سے زیادہ یقینی
 طور سے ہوتا ہے، ہر شخص کو اپنے وجود کا یقین ہے، اور اس کے اندر بھوک، پیاس، بیماری، صحت، غم، خوشی، خوف، غور
 اندرونی تغیرات کا علم اُس کو بلا واسطہ از خود ہو جاتا ہے،

۲۔ فطرت، اس میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے، کہ ہر نوع مخلوق کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کچھ ایسی نوعی
 خصوصیتیں عطا ہوتی ہیں، جو دوسری نوعوں میں نہیں پائی جاتیں، اور انہیں سے باہم نوعوں کا اختلاف اور امتیاز
 ظاہر ہوتا ہے، ان نوعی خصوصیتوں کا علم ہر نوع کے افراد کو بلا کسی ذریعہ اور واسطہ کے از خود ہوتا ہے، اور اسی کو بعض
 علماء کی اصطلاح میں فطری یا نوعی الہام اور اہل فلسفہ کی اصطلاح میں جبلت کہتے ہیں، حیوانات کو اپنے متعلق بہت
 سی باتوں کا علم از خود فطرۃً ہوتا ہے، پرندوں کے بچوں کو دانہ چکنا، اور اڑنا، کون سکھاتا ہے، ابلی جانوروں کو تیرنے کی
 تعلیم کون دیتا ہے، شیر کے بچہ کو درندگی کا سبق کس معلم نے پڑھایا، انسان کے بچہ کو پیہ ہونے ہی روننا، سونا، دودھ پینا
 کون سکھاتا ہے،

۳۔ پیدائش اولیہ، انسان کو کچھ ہوش و تیز آنے کے بعد بلا دلیل بعض ایسی باتیں از خود یا بادی
 تاں اس طرح معلوم ہو جاتی ہیں، کہ ان میں پھر کسی قسم کا شک و شبہ راہ نہیں پاتا، دو اور دو چار ہوتے ہیں،

برابر کا برابر ہوتا ہے، ایک ہی وقت میں، ایک ہی چیز سیاہ و سفید دونوں نہیں ہو سکتی، ہر نئی ہونی چیز کا کوئی بنانے والا ہوتا ہے، وغیرہ بہت سے ایسے ضروری مقدمات اور کلیات جنہر انسان کے استدلال کا نام ترمذی رہے، اس کو بدہمتہ معلوم ہو جاتی ہیں،

یہ تو بلا واسطہ علم کی تین قسمیں تھیں، اس کے بعد علم انسانی کی وہ قسمیں ہیں جن کا علم اس کو کسی واسطہ سے ہوتا ہے انسان کے پاس اس قسم کے در واسطے ہیں ایک احساس اور عقل پہلے سے وہ گرد و پیش کی مادی چیزوں کا، اور دوسرے سے ان مادی چیزوں کا جو سامنے موجود نہیں، یا سرے سے خارج ہیں موجود نہیں بلکہ علم غیب میں ہیں یا صرف ذہن میں ہیں علم حاصل کرتا ہے،

۴۔ انسان کے جسم کے اندر پانچ قسم کی جسمانی قوتیں ہیں، باصرہ، سامعہ، شامہ، ذائقہ، لامعہ باصرہ دیکھتی، سامعہ سنتی، شامہ سونگھتی، ذائقہ چکھتی، اور لامعہ چھوتی ہے، انہیں کا نام حواس خمسہ ہے، انسان کے پاس یہی پانچ آلات ہیں جن کے ذریعہ سے وہ ان مادی چیزوں کے متعلق علم حاصل کرتا ہے جو اس کے ان آلات سے آکر نکراتی ہیں، اسی کا نام احساس ہی ہم چمک کر فرہ پاتے، سنکر آواز پہچانتے، دیکھکر صورت جانتے، چھوکر سختی و نرمی دریافت کرتے، اور سونگھ کر بو معلوم کرتے ہیں ان حواس کے ذریعہ بھی جو علم ہم کو ہوتا ہے، وہ اکثر یقینی اور شاذ و نادر غلط بھی ہوتا ہے، کیونکہ وہ کبھی کبھی کسی سبب سے دھوکا بھی کھاتے ہیں، اور دریافت میں غلطی بھی کرتے ہیں، اور دلائل سے اُن کا یہ دھوکا اور اُن کی غلطی ثابت ہوتی ہے، بیماری میں قوت ذائقہ بدل گئی ہے، اور اس نے میٹھے کو کڑوا بتایا ہے، تیز حرکت میں قوت باصرہ نے ہم کو دھوکا دیا ہے، ریل میں ہم کو ساکن اور ٹھہری ہوئی چیز چلتی ہوئی معلوم ہوتی ہے، چلتے ہوئے ہمارے جہاز میں ہم کو ٹھہرا ہوا معلوم ہوتا ہے، متحرک چنگاری کا نقطہ تیز سیدھی حرکت میں ہم کو آتشیں خط اور گول حرکت میں آتشیں دائرہ معلوم ہوتا ہے، آسمان کے چمکتے ہوئے بڑے بڑے ستارے کتنے چھوٹے معلوم ہوتے ہیں لیکن یہی درحقیقت وہ ایسے ہی چھوٹے ہیں،

۵۔ علم بالواسطہ کی دوسری قسم وہ ہے جس کو ہم اپنی عقل و تخیل سے غور، فکر اور استدلال کے ذریعہ سے حاصل

کرتے ہیں ان کی بنیاد حقیقت اور انہیں معلومات پر ہوتی ہے جبکہ علم ہم کو اپنے وجدان، الہام فطری (یا حجت) بدآہستہ اولیہ اور احساس سے پہلے ہو چکا ہے، اور انہیں معلوم شدہ امور پر غیر معلوم امور کو تمثیل یا استقرار کے ذریعہ سے قیاس کر کے ان معلوم شدہ امور کے خصوصیات اور آثار کا حکم ان غیر معلوم لیکن مشابہ و مماثل امور پر لگا کر نتیجہ حاصل کرتے ہیں وہ غیر معلوم امر جس پر معلوم امور کے ذریعہ ہم کوئی حکم لگاتے ہیں اگر مادی ہوتا ہے تو نتیجہ خندان غیر مشکوک نہیں ہوتا، سوائے اس کے کہ جزئیات کا استقرار پورا نہ کیا گیا ہو یا تمثیل تمام نہ ہو یا تجربہ و مشاہدہ نہ دھوکا دیا ہو، یا کوئی اور اصولی غلطی ہوگی، ہو طبعیات، اور سائنس کے مسائل اکثر اسی طرح معلوم کیے گئے ہیں لیکن اگر وہ امر محمول غیر مادی ہے تو مادی امور پر اس غیر مادی کو قیاس کر کے اسکی نسبت جو کچھ کہا جائے گا اس کا مرتبہ ظن و تخمین سے آگے نہیں بڑھتا، مگر یہ کہ وہ تمام تر فطریات، دہرہیات و محسوسات پر علانیہ منتہی ہو، مابعد الطبیعہ اور فلسفہ الہیات کے مسائل اسی طریقہ استدلال سے حاصل ہوتے ہیں اور اسی لیے ان میں اختلافات کی بڑی گنجائش ہوتی ہے کہ ان کے آخری نتیجہ اور ابتدائی بنیادی وجدانی یا بدہی یا حتیٰ مقدمات کے درمیان قیاسات کی کئی منزلیں ہیں اور ان میں سے ہر منزل خطرون سے بھرپور ہے، مشابہت و مماثلت میں دھوکا ہو سکتا ہے، عقلی اور وجدانی اور حتیٰ اشیا کے خواص کے درمیان اختلاف اور فرق ہو سکتا ہے، غور و فکر، بحث و نظر، تحقیق و جستجو اور ترتیب مقدمات جو اس قیاس عقلی کے کارکن اور عامل ہیں وہ اپنے کام میں دھوکا کھا سکتے ہیں، اسی لیے یہ علوم مشکوک و شبہات بھرپور ہیں ذرائع علم کے حصول کے زمانے | سطور بالا سے ہو رہے ہیں، کہ ہمارے سب سے زیادہ یقینی علوم ہمارے وجودی حقائق اور ان کے مراتب | اور فطریات ہیں جو ہم کو قدرت کی طرف سے سب سے پہلے عنایت ہوئے ہیں، کہ ہمارے وجود کی بقا اس علم پر موقوف ہے، جیسے بھوک اور پیاس کا احساس، اور اس علم کا یقینی ہونا ہی ضروری ہے اور نہ ہم اپنا وجود قائم نہ رکھ سکیں گے، ہم کو جو بھوک یا پیاس لگتی ہو، کیا اس کے یقینی اور قطعی علم میں ہم سے غلطی ہو سکتی ہے، او کیا کسی کے شک نہ لاسنے سے کہ ممکن ہو کہ ہم کو بھوک نہ ہو، ممکن ہے کہ ہم کو پیاس نہ ہو، کبھی بھوک کے یا پیاس کے کو اپنی بھوک اور پیاس کے متعلق شک ہو سکتا ہے، اور یہ احساس اور علم وجود کے ساتھ ساتھ انسان کو ملتا ہے، یہاں تک کہ آج کا

پیدا شدہ بچہ بھی اس کا احساس کرنا اور علم رکھتا ہے، ورنہ وہ اپنے وجود کو قائم نہ رکھ سکے۔
 وجدانیات و فطریات کے بعد محسوسات کا علم انسان کو ملتا ہے، دیکھنا، سنا، چکھنا، سونگھنا، چھونا یہ ہمارے
 پانچ حواس ہیں جو ہمارے مادی علم کے آلات ہیں اور جن کے بغیر کوئی باہر کا علم ہمارے اندر نہیں آسکتا، یہ احساسات
 بھی ایک ہی دفعہ نہیں کمال پا جاتے، بلکہ ضرورت کے مطابق حسب استعداد ملتے اور ترقی پاتے ہیں اور پیدائش کے
 چند ماہ بعد یہ تکمیل کو پہنچتے ہیں، کیونکہ وجود کی بقا اور ضروریات کی تکمیل ابھی سے ان پر رفتہ رفتہ موقوف ہوتی جاتی ہے
 محسوسات کے بعد بدھییات اولیہ کا درجہ آتا ہے، انسان کو اپنے اس علم میں بھی وہی اذعان و
 قطعیت ہوتی ہے، دو دو چار ہوتے ہیں، دس پانچ کا دو نا ہے، ایک چیز ایک ہی وقت میں دو جگہ نہیں ہو سکتی
 ایک چیز ایک ہی وقت میں سیاہ و سپید نہیں ہو سکتی، ان بدیہی علوم کو ہر شخص مانتا اور تسلیم کرتا ہے، مگر اس کا علم
 انسان کو بچپن میں نہیں ہوتا، بلکہ تیز و رشد کے بعد ہوتا ہے، کیونکہ اسی وقت اس کی ضرورت پیش آتی ہے، اگر
 یہ علوم اس سن میں اس کو عطا نہ ہوں، تو وہ دنیا کے ضروری کاروبار چلانے کے لائق نہ ہوا، ورنہ دوسرے علوم
 کی دریافت کی اس میں استعداد پیدا ہو، فطری احمق اور بیوقوف انہیں کو کہتے ہیں، جن میں ان بدھییات کا علم
 کم یا بالکل نہیں ہوتا،

سب سے اخیر میں اُس علم کا درجہ آتا ہے جو وجدانیات، فطریات، بدھییات اور محسوسات پر قیاس کے
 ذریعہ سے حاصل ہوتا ہے، اور جنکو مقہولات کہتے ہیں، اسی علم اور اسی کی قوت کی کمی بیشی کا نتیجہ ہے کہ انسانی
 عقلمیں درجہ اور مرتبہ میں تفاوت ہوتی ہیں، ایک طرف تو (کی کی سمت میں) وہ حماقت تک پہنچ جاتی ہے، اور
 دوسری طرف (سمت کمال میں) عقل، عاقلتر اور عاقل ترین طبقہ تک اونچی ہو جاتی ہے، یہاں تک کہ وہ درجہ بھی آتا
 ہے، کہ کسی کی عقل اس مرتبہ تک جا پہنچتی ہے، جہاں کوئی اُس کا دوسرا حریت اور ہمسر نہیں ہوتا، ایک جاہل جلیشی
 سے لے کر ارسطو اور بوعلی سینا تک سب اسی عقلی مدارج کے مختلف انسانی نظائر ہیں، با این ہمہ یہ ظاہر ہے کہ اس
 علم کا طریقہ نہایت پرخطر اور مشہل مقصود و ہمیشہ مشکوک رہتی ہے،

عام طور سے انسانی علم کے یہ پانچ ذریعے اور طریقے سمجھے جاتے ہیں لیکن درحقیقت ایک اور ذریعہ بھی ہے جس کا تعلق تماشراور اسے مادہ سے ہے، غور کیجئے کہ آپ کا سب سے پہلا علم یعنی وجدانیات آپ کے اندرونی حواس کا نتیجہ ہوا دوسرا یعنی فطریات کا علم خالق فطرت خود آپ کے اندر ودیعت رکھتا ہے، تیسرا علم یعنی محسوسات کا علم آپ کے اُن ظاہری حواس کا نتیجہ ہے، جو گویا بہرین اگر آپ کے جسم کے اندر ہیں، آپ کا تیسرا ذریعہ علم یعنی بدہیات اولیہ آپ کے حواس اور ذہن کا ایک مشترک فیصلہ ہیں، چوتھا ذریعہ علم جو آپ کی عقل و ذہن کی قیاس آرائی ہے، وہ آپ ہی کے اندر کے دماغی قوی کا عمل ہے، تھوڑے تامل سے معلوم ہوگا کہ آپ کا علم وجدان سے لے کر ذہن تک بتدریج مادیت سے ترقی کر کے ماورائے مادہ کے قریب تک پہنچتا ہے، وجدان تماشراور ہمارے اندرونی جہانی مادیت ہے جس میں کوئی شک نہیں محسوسات بھی ہمارے ہی جسم کے مادی آلات علم کے نتائج ہیں، بدہیات، ہمارے حواس سے جو مادی ہیں اور ہمارے ذہن سے جو غیر مادی ہو، مشترک تعلق رکھتے ہیں، یعنی بدہیات مادی اور غیر مادی ذرائع علم کے ہیں بین بین، اور مقولات تماشراور ذہنی اور غیر مادی ہیں، تاہم اس غیر مادی قوت کا مرکز ہمارا مادی جسم ہی ہے، اور اس حد تک اس غیر مادی قوت کا مادہ سے تعلق بہر حال ہوتا ہے،

غیر مادی علم | اب اس کے بعد اس علم کا درجہ آتا ہے جس کی سرحد اس کے بعد آتی ہے، اور جس کا تعلق مادہ سے اتنا بھی نہیں ہوتا، جتنا مقولات اور ذہنیات کا ہے، وہ تماشراور مادیات سے پاک ہوتا ہے، اُس کو مادہ سے اسی قدر لگاؤ ہوتا ہے کہ وہ علم مادی ول و دماغ کے آئینہ پر اوپر سے آکر اپنا عکس ڈالتا ہے،

اس غیر مادی علم کے بھی یہ ترتیب مختلف درجے ہیں جنکو فراست، حدس، کشف، الہام، اور وحی کہتے ہیں اور جس طرح انسانی علم کے مذکورہ بالا چاروں ذریعے انسان کے جہانی قوی سے متعلق تھے، اسی طرح یہ غیر مادی ذرائع انسان کے روحانی قوی سے وابستگی رکھتے ہیں، اور جس طرح آپ نے دیکھا ہے کہ وجدانیات سے لے کر عقلیات تک یہ ترتیب ہمارا ذریعہ علم خالص مادی، کامل مادی، کم مادی اور برائے نام مادی تک ترقی کرتا چلا گیا ہے، اسی طرح فراست، حدس، کشف، الہام، اور وحی بھی برائے نام مادی درو حانی سے لیکر پھر روحانی، کامل

روحانی اور خالص روحانی کے ذریعہ تک ترقی کرنا چلا گیا ہو،

فرست کے لفظی معنی "ناز جانے" کے ہیں تاڑ لینے کی قوت ہر شخص میں نمایاں نہیں ہوتی، مگر جس میں نمایاں ہوتی ہے، اُس کی کیفیت ایک ملک کے ذریعہ سے حاصل ہوتی ہے، جو تجربہ کی کثرت اور عمل کی ہمت اور کمال کے بعد انسان کو حاصل ہو جاتا ہے، اور جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کسی چیز کے دیکھنے، سننے، چکھنے، سونگھنے یا بھونے کے ساتھ ہی صرف بعض علامتوں کے جان لینے سے دوسری متعدد ضروری علامتوں پر تفصیلی نظر ڈالے بغیر اس جلدی سے انسان صحیح نتیجہ تک پہنچ جاتا ہے، کہ دیکھنے والوں کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا وہ غیب کی بات بیان کر رہا ہے، حالانکہ اس کا علم تا ستر ظاہری علامتوں اور نشانوں پر مبنی ہوتا ہے، جنکو ہر شخص دیکھ سکتا تھا مگر دیکھتا نہ تھا، ایسے ماہر فن اور ذی فرست اشخاص برابر ہر شخص کے مشاہدہ میں آتے رہتے ہیں جس کو جس چیز پر فن میں یہ ملک پیدا ہو جاتا ہے، اُس کی فرست اُس کو حاصل ہو جاتی ہے، جرائم کے پتہ لگانے والے ماہرین اور جاووس اپنے فن کی فرست میں یہ کمال رکھتے ہیں کہ صورت دیکھی اور تاڑ گئے، اسی طرح ہر علم و فن کے ماہروں کو اپنے اپنے فن کے اندر یہ ملک حاصل ہو جاتا ہے، انجیلا اور نیکو کاروں کو اپنی جماعت کے افراد کے پہچان لینے اور جان لینے کی طاقت بھی اسی طرح حاصل ہوتی ہے، اور اُسی کو ایک حدیث میں ان الفاظ میں ادا کیا گیا ہے،

التقوا فراسة المؤمن فانه ينظروا بنى مراد الله

دیکھتا ہے،

(ترمذی)

۲۔ فرست کے بعد **خندس** کا درجہ ہے، فرست کے ابتدائی مقدمات حواس پر مبنی ہوتے ہیں، لیکن اس کے ابتدائی مقدمات ذہنی اور عقلی ہوتے ہیں اور انھیں ذہنی اور عقلی مقدمات کے غور و فکر و تلاش اور ترتیب سے نتیجہ حاصل ہوتا ہے، مگر فطری کمال یا فن کی حاصل کردہ مہارت کے سبب غور و نظر، فکر و تلاش اور ترتیب مقدمات کے منطقیانہ مرحلوں کو ذہن رسا اس تیزی اور سرعت کے ساتھ طے کر کے آخری نتیجہ تک پہنچ جاتا ہے، کہ خود اس کو بھی اس کا احساس نہیں ہوتا کہ اس نتیجہ کے حاصل کرنے میں اُس نے کوئی دماغی عمل بھی کیا ہے، یہ چیز بھی اکثر

کامل عقل اور صائب الرائے انسانوں کو فطرۃً عطا ہوتی ہے، اور دنیا کے مشہور عقلاء اور دانیانِ روزگار کے واقعات میں اس کی کثرت سے مثالیں ملتی ہیں،

۳۔ کشف، کے لفظی معنی تو کھولنے اور پردہ اٹھانے کے ہیں، مگر اس سے مقصود یہ ہے کہ مادیات کے ظلمانی پردہ کو چاک کر کے مادی چیز روحانی عالم میں مشاہدہ کے سامنے آجاتی ہے، وہ کبھی اصلی صورت میں اور کبھی اپنی مثالی صورت میں نظر آتی ہے، عام لوگوں کے سمجھنے کے لیے اس کی بہترین مثال خواب کی ہے، فرق اتنا ہے کہ خواب عالم خواب کی بات ہو، اور کشف عالم بیداری کی جس طرح عام لوگوں کو خواب میں جب ظاہری حواس بیکار ہو جاتے ہیں، ایسی چیزیں معلوم ہوتی ہیں، جو کبھی کبھی عین واقعہ ثابت ہوتی ہیں، اسی طرح خاص لوگوں پر بیداری ہی میں ظاہری حواس کے تعطل سے ایسا سامان پیش آتا ہے، ہر شخص کے تجربہ میں ایسے متعدد وحیرت انگیز واقعات گذرتے رہتے ہیں،

۴۔ اِلہام کے لفظی معنی ”دل میں ڈالنے“ کے ہیں، اور اس سے مراد وہ علم ہے جو محنت، تلاش، تحقیق، غور اور ترتیب، مقدمات کے بغیر دل میں آجاتا ہے، اور ممکن ہے کہ اس کی صحت بعد کو حتیٰ تجربوں اور عقلی دلیلوں سے بھی ثابت ہو جائے، مگر خود وہ علم پہلے پہل ذہن میں کسی حسی تجربہ یا عقلی دلیل کے نتیجہ کے طور پر نہیں آتا، بلکہ خود بخود دل میں آجاتا ہے، کیونکہ آتا ہے؟ اور کہاں سے آتا ہے؟ اس کے جوابات مختلف ہو سکتے ہیں، مگر یہ واقعہ ہے کہ وہ آتا ہے، اور اس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا، اس کی ابتدائی اور معمولی مثالیں وہ خیالات ہیں جو محققین، علماء، شعراء اور موجدین کے ذہن میں پردہ عدم سے پہلے پہل آتے ہیں، اور وہ اُن کو دنیا کے سامنے اپنی ایجادات کی صورت میں پیش کرتے ہیں،

۵۔ وحی کے لغوی معنی کسی کا اپنے دلی منشا کو لبوں کو جنبش دینے بغیر اخفا اور استیلا کے ساتھ دوسرے پر ظاہر کر دینا ہیں، اور اصطلاحاً اس کے معنی خدا کا اپنے دلی منشا سے اپنے خاص بندوں کو کسی غیبی ذریعہ سے مطلع کرنا ہیں، یہ علم و اطلاع کے روحانی ذریعوں کی آخری سرحد ہے،

جس طرح علم کی تین جہانی قسمیں یعنی وجدانیات، حیاتیات اور بدہیاتیات عام انسانوں کے لیے یقینی ہیں
 اسی طرح روحانی ذرائع علم کے یہ تین ذریعے کشف، الہام اور وحی انبیاء علیہم السلام کے لیے یقینی ہیں، اور جس طرح
 علم کے مادی ذریعوں میں سے یقین کا سب سے پہلا ذریعہ وہ ہے جو تمام نر مادی ہے، یعنی وجدان، پھر حش ظاہر اور پھر
 بدہیاتیات، اسی طرح علم کے روحانی واسطوں میں سب سے زیادہ یقینی وہ ہے جو تواتر روحانی ہے، یعنی وحی، پھر
 الہام، پھر کشف،

ہم نے علم کے روحانی ذرائع کی جو تین قسمیں کی ہیں یعنی وحی، الہام اور کشف، یہ قرآن پاک کی اصطلاحیں
 نہیں ہیں، اس کی اصطلاح میں روحانی ذریعہ علم کا نام مکالمہ الہی (خدا سے بات کرنا) ہے اور اس کی
 حسب ذیل تین قسمیں بیان کی ہیں،

۱۔ وحی (اشارہ) سے بات کرنا، یعنی دل میں کسی معنی کا بغیر آواز اور الفاظ کے آجانا، یہ اگر حالت بیداری
 میں ہے، تو کشف ہے، اور اگر خواب میں ہے تو رویا ہے،

۲۔ خدا کا پردہ کے پیچھے سے بات کرنا، یعنی متکلم لفظ نہیں آتا، مگر غیب سے آواز آتی ہے اور الفاظ سنائی
 دیتے ہیں، اس کو الہام کہہ لو،

۳۔ فرشتہ کے ذریعہ سے بات کرنا، یعنی فرشتہ خدا کا پیغام لے کر سامنے نظر آتا ہے، اور اس کے منہ سے وہ
 الفاظ ادا ہوتے ہیں، جنکو نبی سنکر محفوظ کر لیتا ہے، اسی کو عام طور سے وحی کہتے ہیں، کیونکہ قرآن پاک کا نزول اسی
 آخری طریقہ سے ہوا ہے، لیکن اس شہرت عام کے یہ معنی نہیں ہیں، کہ دو اور دوسرے طریقے وحی کی قسمیں نہیں
 ہیں، وحی کی ان اقسام کا ذکر سورہ شوریٰ میں ہے،

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ
 اُورْکِی اُدْمِی کی یہ تاب نہیں کہ اللہ اس سے بات کرے،

مِنْ قَلْبٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا فَيُوحِيَ
 لیکن وحی (اشارہ) سے یا پردہ کے پیچھے سے یا کسی قاصد کو بھیجے

بِإِذْنِهِ مَا يَشَاءُ إِنَّهُ عَلَىٰ حَكِيمٍ مُّبِينٍ (شوریٰ ۵)
 تو وہ خدا کے حکم سے جو چاہے اور اس کو وحی کر دیتا ہے، بیشک اللہ

مکالمہ الہی کے یہ تینوں طریقے یعنی وحی (اشارہ) سے بات کرنا، پر وہ کے پیچھے سے بات کرنا، اور فرشتہ کے ذریعہ سے بات کرنا، وحی کی یہ تین مختلف قسمیں بھی ہیں، اور پھر ان تینوں کا اجمالاً مشترک نام بھی وحی ہے یعنی یہ قسم بھی اور اپنی تین قسموں میں سے بھی ایک پر اس کا اطلاق ہوتا ہے، اسی آیت میں دیکھو کہ فرشتہ کے ذریعہ سے کلام کو بھی وحی فرمایا گیا، اور تینوں مذکورہ بالا طریقوں میں جس طریقہ سے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو غیبی تعلیم و اطلاع دی گئی ہے، اس کو بھی وحی کے لفظ سے تعبیر کیا ہے، یعنی وہ عام مکالمہ الہی کے مرادف بھی مستعمل ہوا ہے،

مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ
نبی خواہش نفس سے کلام نہیں کرتا، بلکہ وہ وحی ہوتی ہے

(نجم - ۱) جو اس کو کچا پاتی ہے،

الغرض اسی امتیاز کے لیے علمی اصطلاحات میں ان تینوں طریقوں کے لیے کشف الہام، اور وحی کے تین علیحدہ علیحدہ الفاظ وضع کر دیئے گئے ہیں، تاکہ بول چال میں ہر روحانی طریقہ گفتگو دوسرے سے ممتاز ہو جائے، بیکار میں اشارہ سے بات کرنا کشف ہے، اور خواب کے عالم میں رویا ہے، پر وہ کے پیچھے سے آواز کا آنا الہام ہے، اور فرشتہ کی درسیانگی سے بات کرنا وحی ہے۔

مکملہ، اوپر کی آیت میں جہاں اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا کہ کسی بندہ کی یہ تاب نہیں کہ خدا اس سے بات کرے، لیکن ان تین طریقوں سے اس کے آخر میں فرمایا ہے کہ وہ سب سے بلند اور حکیم ہے، یعنی اس کی بلندی و برتری کا اقتضا تو یہ ہے کہ وہ کسی کو اپنے مکالمہ کے شرف کا مستحق نہ سمجھے، مگر اس کی حکمت کا اقتضا یہ ہے کہ وہ اپنے بندگان خاص کو عام بندوں کی ہدایت و رہنمائی کے لیے ان تین غیر معمولی طریقوں میں سے کسی طریقہ سے گفتگو فرمائے، بہر حال غیبی ذریعہ اطلاع کی یہ سب سے بلند قسم جس کو اصطلاح میں وحی کہتے ہیں، اس کا تجربہ عام لوگوں کو نہیں، لیکن اس سے نیچے درجہ کے غیبی ذرائع اطلاع کا تجربہ ہر شخص کو تھوڑا بہت ہے، اور ہر انسان کی زندگی میں

۱۔ ان اصطلاحات کی بحث کیلئے تھوڑی فقہ کی اہم کتابوں کی طرف توجہ کرنی چاہیے، کم از کم اس موقع پر تحریر ابن ہمام المتوفی ۷۸۵ھ کی شرح التقریر و التجرید لابن امیر الحاج المتوفی ۷۹۵ھ جلد سوم ص ۲۹۵ مطبوعہ امیر بیہ بولات مصر ۱۳۱۴ھ دیکھنی چاہیے،

جو بعض پرستار اور ناقابل فہم واقعات پیش آتے ہیں، ان پر غور کرنے سے غیب کے اس اعلیٰ ترین ذریعہ علم کا دھندلا سا خاکہ ذہن میں آسکتا ہے، جس سے غیر جسمانی اور غیر حسی مادی ذرائع علم کے سمجھنے اور باور کرنے میں جو استبعاد معلوم ہوتا ہے وہ دور ہو سکتا ہے، خصوصاً اس عہد میں جسے سائنس کا لوجی کی تحقیقات سے نفس کی بہت سی نامعلوم طاقتوں کا پتہ چل رہا ہے اور آئندہ سچے سچے ملزم کے ذریعہ ارجح سے خطاب و کلام کی سلسلہ جذباتی ہو رہی ہے، اور جدید روحانیات کا فن ایک مستقل سائنس کی صورت اختیار کر رہا ہے۔

انبیاء علیہم السلام کو اپنے کشف الہام اور وحی پر اتنا ہی یقین ہوتا ہے جس قدر عام انسانوں کو اپنے وجدانیت محسوسات، فطریات، اور بدہمیات پر، انبیاء کا یہ روحانی علم ایسا ہی اندرونی ہوتا ہے جیسا عام انسانوں میں وجدانیت، فطریات، اور بدہمیات و محسوسات کا علم ہوتا ہے، جس طرح کسی شخص کو اس علم میں دھوکا نہیں ہو سکتا، کہ اس کو بھو یا بیاس معلوم ہو رہی ہے، یا اس کو غم یا خوشی ہے، اسی طرح نبی کو بھی اپنے روحانی وجدانیت میں دھوکا نہیں ہوتا، اور جس طرح تم کو اپنے فطریات میں یہ مغالطہ نہیں ہوتا، کہ دو اور دو چار نہیں ہوتے، اسی طرح اس کو بھی پیغمبرانہ فطریات میں مغالطہ وقع نہیں ہوتا، اور جس طرح تم کو اپنے محسوسات میں اگر کسی کو سانس دیکھ رہے ہو، یا کسی کی آواز سن رہے ہو، یا شبہ نہیں ہو کرنا، اوسکو بھی اپنے روحانی محسوسات میں شبہ نہیں ہو کرنا، غرض ہ اپنا ان جملہ نبی اور روحانی ذرائع علم میں ہر غرض غریب غلطی سے اس طرح پاک ہوتا ہے، جس طرح تم اپنی وجدانیت، فطریات، محسوسات اور بدہمیات میں غلطی اور غلطی پاک ہوتے ہو، علم غیب اسلام کے عقیدہ میں غیب کا علم خدا کے سوا کسی کو نہیں، قرآن میں بار بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس اعلان کی ہدایت ہوئی ہے۔

فَقُلْ إِنَّمَا الْغَيْبُ لِلَّهِ (یونس - ۲)

تو کہہ دے اسے پیغمبر کہ غیب خدا کے لیے ہے،

قُلْ لَا يَعْلَمُ مَعِيَ الْغَيْبُ

کہہ دے کہ تم سماعت میں اور زمین میں خدا کے سوا کوئی

إِلَّا اللَّهُ (نمل - ۵)

نہیں، جبکہ غیب کا علم ہو،

رسول کہتے ہیں،

وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ (انعام-۶۵) اور میں غیب نہیں جانتا،

لیکن اسی کیساتھ دو موقوف پر یہ بھی کہا گیا ہے، کہ بایں ہمہ خدا اپنے برگزیدہ پیغمبروں کو غیب کی اطلاع دیتا ہے،

سورہ جن میں ہے،

فَلَا يُطْهِرُ عَلَى غَيْبِهِ أَحَدًا إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ
مِنْ رَسُولٍ (جن-۱)

پیغمبر پر جس کو پسند کرے،

دوسری جگہ سورہ آل عمران میں ہے،

وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلَكِنَّ
اللَّهَ يَجْتَبِي مِنْ رُسُلِهِ مَنْ يَشَاءُ

اور نہ تھا اللہ کہ غیب کی باتوں پر تمکو مطلع کرتا، لیکن یہ کہہ

ان دو آیتوں سے واضح ہوتا ہے، کہ اللہ تعالیٰ اپنے برگزیدہ پیغمبروں کو غیب کی باتوں کی اطلاع دیتا ہے اس سے معاف ہوا کہ جن آیتوں میں غیب الہی کی کلمہ اور قطعاً نفی لگائی ہے، ان سے مراد ذاتی اور حقیقی علم ہے، یعنی خدا کے سوا بالذات کسی کو غیب کا علم نہیں، البتہ خدا کے واسطے اور ذریعہ سے اور اس کی تعلیم و اطلاع سے پیغمبروں کو اس کا علم حاصل ہوتا ہے، ساتھ ہی آیت الکبریٰ میں فرما دیا گیا،

وَلَا يَخْطِئُ لِنَبِيِّهِ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا بِمَا شَاءَ
(بقرہ-۲۵۵)

اور وہ خدا کے ایک ذرہ علم کا بھی احاطہ نہیں کر سکتے، لیکن اتنے کا بھٹے کا وہ چاہے،

یعنی اپنے علوم غیب سے جتنا اور جس قدر وہ پسند کرتا ہے، اور مصلحت سمجھتا ہے، وہ ان کو بذریعہ وحی ان سے واقف کرتا رہتا ہے، بایں ہمہ بعض باتوں کی نسبت جیسا کہ سورہ ہود اور لقمان میں ہے، اللہ تعالیٰ نے قطعی طور سے فیصلہ کر دیا ہے، کہ ان کا علم کسی کو نہیں، مثلاً قیامت، بارش، موت، حکم وادین، لڑکا ہے یا لڑکی، کل کیا ہوگا، ان باتوں کو خدا نے تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا، اسی طرح بعض آیتوں میں آنحضرت صلیم کو خطاب کر کے کہا گیا ہے، کہ آپ

کا کو علم نہ تھا جیسا کہ غزوہ تبوک میں عدم شرکت کے بعض عذر خواہ اصحاب کے متعلق سورہ توبہ میں ہے کہ انھوں نے
جھوٹی قسمیں کھا کر اجازت حاصل کر لی، خدا نے فرمایا،

عَفَا اللَّهُ عَنْكَ لِمَ أَذِنْتَ لَهُمْ حَتَّى يُتَيَسَّرَ

لَكَ الْذِينَ صَدَقُوا أَوْ تَعْلَمَ الْكَاذِبِينَ (توبہ)

خدا نے تجھ سے درگزر کیا کیون تو نے ان کو اجازت دی، تاکہ تم کو معلوم

ہو جائے جو سچ بولے، اور جھوٹوں کو جان لیستہ،

انھوں نے پہلے فتنہ پیدا کرنا چاہا، اور تیرے سامنے واقعات

آگے دیئے، یہاں تک کہ حق بات آگئی اور خدا کی بات

کھل گئی اور وہ ایسا نہیں چاہتے تھے،

(توبہ)

اگے چل کر ہے،

مَرْدُو عَلَى الْبِغَاكِ لَا تَعْلَمُهُمْ يَوْمَ تَعْلَمُهُمْ (توبہ)

یہ بھلا پر اڑے ہیں تو ان کو نہیں جانتا ہم جانتے ہیں

ان آیتوں سے یہ واضح ہے کہ پیغمبروں کو غیب کا کئی علم نہیں ملتا، بلکہ ان کو غیب کی اطلاع دیئے جانے

کے موقع کی دونوں آیتوں میں ”رسول“ ہی کا لفظ استعمال کرنا اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ جن غیب

کی اطلاع پیغمبروں کو دی جاتی ہے، ان کا تعلق فریضہ رسالت اور اس کی مصطلحتوں اور اور شریعتوں سے ہے،

غیب کی حقیقت علم غیب کے اس نام پر استہدائے اتنی منزل طے کر لینے کے بعد یہ سوال سامنے آتا ہے کہ قرآن مجید کی

اصطلاح میں غیب کس کو کہتے ہیں؟ قرآن مجید کے اس لفظ کے استعمال کے تمام مواقع پر غور کرنے سے اس کے

اجمالی اور تفصیلی دونوں معنی واضح ہوتے ہیں، اجمالاً اس کا اطلاق ان امور پر ہوتا ہے، جن کا علم انسان اپنے علم کے عام

اور طبعی و فطری ذریعوں سے حاصل نہیں کر سکتا، گزر چکا ہے کہ انسانی علم کے طبعی ذریعے، وجدان، حواس، اور عقل

و استدلال وغیرہ ہیں، ان طبعی ذریعوں سے جو ہر انسان کو ملے ہیں جو علم حاصل نہیں ہوتا، اس کو ”علم غیب“ کہتے

ہیں، یعنی اس شے یا ان اشیاء کا علم جو انسان کے ظاہری و باطنی حواس اور دماغی قوتوں کی نگاہوں کے سامنے سے

غائب ہیں، اور اس کا مقابل لفظ ”شہادوت“ ہے جس کے معنی حاضر ہونے کے ہیں، یعنی وہ اشیاء جو ہر انسان کے

حواس اور قوائے دماغی کے سامنے ہیں، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے کو بار بار عَالَمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ کہا ہے (انعام: ۱۰۷) یعنی انسانوں کے طبعی ذرائع علم کے سامنے جو حاضر ہے اور جو غائب ہے، ان سب کا عالم اور واقعہ کل وہی ہے، الغرض اجمالاً علم غیب اس غیبی طریقہ علم کا نام ہے، جو عام انسانوں کو نہیں ملا ہے،

تفصیلی حیثیت سے قرآن پاک میں تحفیب کا اطلاق چار چیزوں پر ہوا ہے،

۱۔ زمانہ ماضی کے واقعات جن کا علم بعد کو نہ تو حواس کے ذریعہ ہو سکتا ہے، کہ حواس سے صرف شاہد (سامنے موجود) کا علم ہوتا ہے، اور نہ عقل فکر کے ذریعہ ہو سکتا ہے، اگر ہو سکتا ہو تو تحریر و روایت کے ذریعہ، لیکن جس کے لیے تحریر و روایت کا ذریعہ یقینی طور سے مسدود ہو، اُس کے لیے ان کا علم اگر ہو سکتا ہو، تو غیبی ہی ذریعہ سے ہو سکتا ہو،

حضرت نوحؑ کے مختصر قصہ کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہو،

تِلْكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ لَوْ جِئْتَهُم بِالْبَيِّنَاتِ
كُنْتَ تُعْلَمُهُمْ أَنْتَ وَكَانَتْ مُلْكُ مِنْ قَبْلُ
هَذَا (۲۷-۲۸)

غیب کی بعض خبریں ہیں ہم ان کو وحی کرتے ہیں تیری بنا
تو تو ان کو پہلے سے جانتا ہی نہ تھا، اور نہ تیری قوم جانتی
تھی،

حضرت مریمؑ کے قصہ میں ارشاد ہوتا ہے،

ذَلِكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ لَوْ جِئْتَهُم بِالْبَيِّنَاتِ
كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يُلْقُونَ أَقْلَامَهُمْ أَيُّهُمْ
يَكْفُلُ مَرْيَمَ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يَخْتَصِمُونَ
الْعَمَلُونَ (۵)

یہ غیب کی خبروں میں سے ہے اُس کو ہم تیری طرف وحی
کرتے ہیں اور نہ تو ان کے پاس موجود تھا، جب وہ اپنے
قلم (قرعہ کے طور پر) ڈال رہے تھے، کہ کون مریم کو پالے
اور نہ تو ان کے پاس اس وقت تھا جب وہ جھگڑ رہے تھے

دیکھو کہ محسوس واقعات کے علم کا طبعی طریقہ اُس وقت موجود رہ کر دیکھنا اور سننا تھا، اُس کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے
نفی کی گئی، کہ آپ وہاں یقیناً اُس وقت موجود نہ تھے، اب رہ گیا کسی دوسرے انسانی ذریعہ سے سننا، اُسکی بھی نفی
پہلے ہی سے ہے کہ تیری قوم میں سے بھی کسی کو معلوم نہ تھا، اور نہ دوسروں سے معلوم کیا، اب اس کا علم جس غیر طبعی

اسی طرح حضرت یوسفؑ کے پورے واقعہ کے ذکر کے بعد فرمایا،

ذٰلِكَ مِنْ اَنْبِیَاءِ الْغَيْبِ نُنْزِلُہٗ اِلَیْكَ وَ

مَا كُنْتُ لَدَيْكُمْ إِذْ أَجْمَعُوا أَمْرَهُمْ وَهُمْ

کرتے ہیں اور تو اُس وقت اُن کے پاس نہ تھا جب

یَمَكُرُون (بہ سب - ۱۱)

اپنا کام طے کرنے لگے اور چال چل رہے تھے،

اس میں بھی علم شاہد کی نفی کر کے، علم غائب کو ثابت کیا گیا، بہر حال ان آیتوں سے واضح ہے، کہ ماضی کے واقعات کے غیر طبعی طریقہ علم کو بھی علم غیب کہا گیا ہے،

۲۔ اسی طرح آئندہ مستقبل میں جو واقعات ہونے والے ہیں ان کو بھی غیب کہا گیا ہے، ان کا علم دلائل

قیاس کے طبعی فرائع کے علاوہ غیر طبعی ذریعہ سے ہوا ہوا تو اس کو بھی قلم غیب کہیں گے، قرآن پاک میں ایک موقع پر ان کفار کے جواب میں جو نشانہوں کے طالب تھے، یہ کہا گیا،

فَقُلْ إِنَّمَا الْغَيْبُ لِلَّهِ فَاتَّبِعُونِي وَأَطِيعُوا أَمْرَكُمْ
تو کہہ دے کہ غیب کا علم خدا ہی کے لیے ہے، انتظار کرو زمین

مِنْ الْمُنَظِّرِينَ، (یونس ۲)

بھی تمھارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں ہوں،

مستقبل کے منتظرہ واقعات کو اس آیت میں "غیب" کہا گیا ہے، اسی طرح قیامت کو بار بار غیب کہہ کر غیر خدا سے اس کے علم کی نفی کی گئی ہے،

اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَ كَعْلَمُ السَّاعَةِ (لقمان - ۳۰)

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَاعَةِ أَيَّامٍ مُرْسَاهَا قُلْ إِنَّمَا

عَلَمُكَ عَزَّ وَجَلَّ، (اعراف - ۳۳) کے پاس ہے

اسی طرح مستقبل کے دوسرے واقعات کے علم کی بھی انسانوں سے نفی کی گئی ہے،

وَمَا تَذَكَّرْهُ فَنَفْسٌ مَّا ذَاكَ تُكَلِّبُ غَدًا ۖ

کوئی نہیں جانتا کہ کل وہ کیا کرے گا اور نہ کوئی یہ جانتا ہے

مَا تَذَرْنِي لِنَفْسٍ تَأْتِيكَ اَرْضٍ تَمُوتُ (لقمان ۴۷) کہ وہ کس سرزمین میں مرے گا،

۳۔ اُن چیزوں پر بھی غیب کا اطلاق کیا گیا ہے جو گواہی اور مستقبل نہیں، بلکہ زمانہ حال میں موجود ہیں، تاہم انسان کے حواس خمسہ اور عقل کی محدود طاقت سے اُن کا علم نہیں ہو سکتا، ہم کو دیکھنے اور سننے کی طاقت دی ہے، مگر اُس کے لیے کسی نہ کسی مسافت، عدم حجاب اور دیگر چند شرائط کی قید لگا دی گئی ہے جن کے بغیر ہماری یہ طاقت بالکل بے کار ہے، ہم دلی میں بھٹک رہے ہیں، ہمیشہ کے پیش نظر مناظر کو نہیں دیکھ سکتے، اور نہ بغیر آلات کے ہم یہاں سے وہاں کی آواز آج بھی سن سکتے ہیں، اس لیے زمانہ حال کے علم کے لیے بھی جو طبعی شرائط اور قیود ہیں، اُن کے بغیر جو علم حاصل ہو گا وہ غیب ہو گا،

حادثہ عورت سامنے موجود ہے، مگر اُس کے بطن کے پے درپے حجابات کے اندر جنکو آنکھیں چاک نہیں کر سکتیں، کیا ہے؟ کس کو معلوم ہے،

يَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ (لقمان ۴۷) اور اللہ جانتا ہے، رحمون کے اندر جو ہے،

آسمان و زمین میں اس وقت جو کچھ ہے، وہ سب زمانہ حال میں سب کے سامنے موجود ہے، تاہم اُس کا علم ہمارے حواس اور عقل کی محدود دسترس سے اُس وقت تک باہر ہے جب تک ہمارے دیکھنے اور سننے اور جاننے کے لیے خدائے جو طبعی شرائط بنا دیے ہیں، وہ پورے نہ ہوں،

وَاللّٰهُ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (ہود) اور خدا ہی کیلئے ہے آسمانوں اور زمین کا غیب،

اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (بقرہ) بیشک خدا جانتا ہے آسمانوں اور زمین کا غیب،

۴۔ عالم غیب کی آخری چیز وہ امور ہیں، جو غیر مادی ہونے کی وجہ سے ہمارے حواس اور عقل کے تنگ دائرہ علم سے قطعاً باہر ہیں، ہم فرشتوں کو نہیں دیکھتے، خدا کی رویت کی صلاحیت نہیں رکھتے، جنت و دوزخ ہمکو یہاں نظر نہیں آ سکتی، یہ تمام امور بھی غیب ہیں،

اَلَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُم بِالْغَيْبِ (انبیاء ۴۷) جو لوگ اپنے رب کے ڈرتے ہیں غیب میں،

اَلَّذِيْنَ يُؤْتِيْهِ مِّنْ غَيْبٍۭ (بقہ ۱۰) وہ لوگ جو ایمان لاتے ہیں غیب میں

اَلَّذِيْنَ وَعَدَ الرَّحْمٰنُ عِبَادًا بِالْغَيْبِ (سورہ ۱۰) وہ جنت جس کا وعدہ اس مہربان خدا نے اپنے بندوں کی غیب میں
 ”غیب میں“ کے معنی ہیں بے جانے، بے دیکھے، جو اس سے علم حاصل کیے بغیر، اور باوجود اس کے کہ وہ چیزیں
 اس عالم میں دیکھی نہیں جاسکتی ہیں،

پیغمبر کو اللہ تعالیٰ غیب کی جن باتوں سے آگاہ کرتا ہے، وہ ان چاروں قسم کے امور غیب ہوتے ہیں:
 بعض گزشتہ قوموں اور پیغمبروں کے عبرت انگیز اور نصیحت آمیز حالات سے بھی روایت اور تحریر کے ذریعہ کے
 بغیر، وحی کے واسطے سے اُن کو مطلع کرتا ہے، جیسا کہ قرآن مجید کے حوالوں سے اوپر گزر چکا، آئندہ مستقبل میں دنیا
 کے فتنوں، امت محمدیہ کے انقلابات، قیامت کے مناظر، اور اُس کے بعد کے پیش آنے والے واقعات کا علم
 آپ کو دیا گیا، جیسا کہ اول دنیا وی پیشینگوئیوں اور قیامت و آخرت کے اُن مناظر سے ظاہر ہے جو قرآن پاک
 اور احادیث صحیحہ میں تبصریح مذکور ہیں اسی طرح حال کے اُن احوال و مناظر کا علم بھی ثابت ہے، جو باوجود سائنس موجود
 ہونے کے احساس و تعقل کے طبی شرائط نہ پائے جانے کے سبب عام انسانوں کو نظر نہیں آتے، قبروں کا انکشاف
 پس پردہ رویت، دوسروں کے موجودہ احوال سے واقفیت وغیرہ، اس علم غیب میں سے بھی پیغمبر کو عطا ہوتا ہے،
 اور سب سے آخر میں وہ مغیبات ہیں، جن کا احساس و تصور ہمارے مادی ذرائع علم سے قطعاً خارج ہے، تاہم وہ بھی اُس
 کو دکھائے اور بتائے جاتے ہیں، خود خدا کا دیدار، فرشتوں کی رویت، جنت و دوزخ کا مشاہدہ، وغیرہ، ان تمام امور
 غیب میں سے اللہ تعالیٰ جس رسول کیلئے جس قدر مناسب اور سزاوار سمجھتا ہے، اُس کا علم وحی کے مختلف اقسام
 کے ذریعہ سے اُس کو عطا فرماتا ہے،

وحی اور ملکہ نبوت | حکماء اسلام نے وحی کی حقیقت ”ملکہ نبوت“ کے لفظ سے ظاہر کی ہے، اس کی تشریح یہ ہے،
 کہ ترتیب کائنات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے، کہ کائنات میں علم اور تعقل نے پستی سے بلندی کی طرف رفتہ رفتہ
 ترقی کی ہے، جمادات بے حس ہیں، اس کے اوپر نباتات ہیں، جنہیں صرف محدود احساس ہوتا ہے، اور دماغی

قوی، حافظہ، تدبیر اور غور و فکر کی قوت سے وہ محروم ہیں ان سے اونچے حیوانات ہیں، جنہیں یہ تمام قوی ناقص طریقے سے نمودار ہوتے ہیں اور آخر میں ان سے بالاتر، مستی یعنی انسان میں جا کر یہ قوی پورے کمال میں ظاہر ہوتے ہیں ان قوی کی ترقی یہیں تک محدود نہیں ہو بلکہ جس طرح نباتات میں قوت احساس ہے جس سے جمادات محروم ہیں، اور حیوانات میں حافظہ، تصور، تنقل وغیرہ کی وہ قوتیں ہیں، جو نباتات میں نہیں انسان میں وہ دماغی و ذہنی قوی ہیں جو حیوانات میں نہیں اسی طرح انبیاء میں علم و تنقل کی ایک ایسی قوت موجود ہوتی ہے جو عام انسانوں میں نہیں ہوتی، اور اسی کا نام ملکہ نبوت ہے۔

جو اس صرف مادیات کو دریافت کرتے ہیں، دماغی قوی مادیات سے بلند ذہنیات اور عقلیات کو اور ملکہ نبوت اس سے بھی اونچا جاتا ہے، وہ ذہنیات و عقلیات سے بلند تر حقائق یعنی غیبت کیا کو دریافت کرتا ہے، اس ذریعہ علم میں غور و بحث اور منطقیانہ فکر و نظر اور ترتیب مقدمات کی ضرورت نہیں پڑتی، بلکہ حقائق اس طرح سامنے آتے ہیں جس طرح وجدانیات، فطریات، بدہشیات اور محسوسات سامنے آتے ہیں اور انہیں کی طرح وہ یقینی بھی ہوتے ہیں، اور چونکہ اس ذریعہ میں علم انسانی کے عام ذریعے اور طریقے یعنی وجدان، فطرت نوعی، بدہشت اولیہ، احساس اور غور و فکر سے معلومات حاصل نہیں کیے جاتے، بلکہ خود غلام الغیوب، وہ علم ان انسانی وسائل کے بغیر ان کو عطا کرتا ہے، شرع کی زبان میں اسی کو وحی الہام کہتے ہیں، علم کلام کی اصطلاح میں ملکہ نبوت اور عام محاورہ میں اس کو غیبی علم کہہ لیجئے،

لیکن اہل نقل کی اصطلاح میں وحی کی یہ صورت نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ پیغمبروں کو وقتاً فوقتاً احکام اور ارادوں سے براہ راست فرشتوں کے ذریعہ سے مطلع کرتا رہتا ہے، یہی وحی ہے

اسان نظر سے معلوم ہو گا کہ اہل عقل و نقل کے اختلاف کا منشا یہ ہے کہ آیا یہ وحی خود پیغمبر کے مافوق اور غیر معمولی وہی علم و فہم کا نتیجہ ہوتا ہے، یا خود براہ راست وقتاً فوقتاً تعلیم ربانی کا، دوسرے نقطوں میں یہ کہو کہ جس طرح عام انسانوں میں علم و فہم کی قوت آغاز پیدائش ہی میں فطرۃ و ربیت کر دی جاتی ہے، اسی طرح انبیاء میں منشاء لہی

جاننے کی قوت بھی شروع ہی میں فطرۃ ودیعت کر دی جاتی ہے، یا یہ کہ وہ فطرۃ تو ویسے ہی عام انسانی طریقہ کا طبعی علم و فہم رکھتے ہیں، مگر اللہ تعالیٰ نبوت کے بعد اپنے منشاء الہی سے انکو کسی غیبی ذریعہ سے وقتاً فوقتاً آگاہ کرتا رہتا ہے۔ لیکن افسہ یہ ہے کہ حقیقت عقل کی نقل سے اور عقل کی عقل سے علیحدگی میں نہیں، بلکہ اتحاد میں ہے، وہ لوگ جو عقل فطریہ دونوں کے جامع ہیں، وہ ان دونوں کو جمع کرتے ہیں،

یار مایں دار و دوان نیز مہم

ہنسبیا علیہم السلام میں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے بدو فطرت اور آغاز پیدائش سے ان امور کے متعلق جنکا ان کی رسالت و نبوت سے تعلق ہے، اور جن کو دین کہتے ہیں، وہ کئی استعداد اور عمومی فہم ہوتا ہے جس سے غیر انبیا محروم ہیں اور اس پوشیدہ قوت کا عملی ظہور اُس وقت سے شروع ہوتا ہے جب وہ نبوت کے منصب پر عطا فرما ہوئے ہیں، اسی کا نام ”ملکہ نبوت“ ہے، اور اہم امور دین کے متعلق ان کو وقتاً فوقتاً جو غیبی اطلاع ملتی رہتی ہے، اس کا نام ”وحی“ ہے،

آج کل قرآن فہمی اور عقل کے مدعیوں اور نقل کے لفظی پابندوں میں جو اختلاف ہے، وہ دراصل انہیں دو قوتوں کے درمیان تیز کر کے نتیجہ ہے، نقل کے لفظی پابندی سمجھتے ہیں کہ ہر لفظ جو نبی کے منہ سے نکلتا ہے، وہ اسی معنی میں وحی ہے جس معنی میں قرآن ہے، کہ وہ براہ راست خدا کی غیب کی اطلاع ہے، اور عقل کے مدعی یہ سمجھتے ہیں، کہ قرآن بیشک خدا کی براہ راست وحی ہے، مگر اس کے ماسوا رسول جو کچھ کہتا ہے، وہ اس کے پیغمبرانہ نہیں، بلکہ انسانی و بشری علم و فہم کا نتیجہ ہے، لیکن حقیقت ان دونوں کے ماوراء ہے، جیسے وحی قرآنی وحی براہ راست ہے، اویسی طرح نبی کے دوسرے احکام اُس کے عام انسانی و بشری علم و فہم کا نہیں، بلکہ اسکی پیغمبرانہ وہی قوت علم و فہم کا نتیجہ ہیں، جو وحی کی ایک دوسری قسم اس لیے کہی جاسکتی ہے، کہ اُس کا منشاء ”ملکہ نبوت“ کے ذریعہ وحی ربانی کی ترجمانی ہے، اس لیے پیغمبر کی وحی اور ملکہ نبوت دونوں کے احکام واجب الاتباع ہیں،

کتاب اور سنت | اس تقریر کا منشاء یہ ہے، کہ پیغمبر کو جو علم حاصل ہوتا ہے، اُس کی دو قسمیں ہیں، ایک وحی حقیقی یعنی

وہ علم جس کو اللہ تعالیٰ وقتاً فوقتاً اپنے خاص الفاظ میں پیغمبر پر نازل کرتا رہتا ہے، اور جس کے مجموعہ کو کتاب الہی صحیفہ ربانی، تورات، انجیل، زبور اور قرآن کا نام دیا گیا ہے، دوسرا وہ علم جو پیغمبر کے ملکہ نبوت یا نور نبوت، یا فہم نبوت کا نتیجہ ہوتا ہے، پہلا علم اصلی اور دوسرا ضمنی ہے، یا یوں کہو کہ پہلا اصلی اور دوسرا فروعی ہے، یعنی علم اول پیغمبر پر شریعت کے غیر متبدل اور ازلی احکام کلیہ اور قہات کو واضح کرتا ہے، اور دوسرا علم پہلے علم کے غیر متبدل کلی اصول کے ماتحت اس کے مقصود کی صحیح تشریح اور اس کے جزئیات کی ضروری تفصیل کرتا ہے، اور غیر اہم اور متبدل امور کے متعلق ہنگامی اوقات میں مصلحتی احکام بتاتا ہے، اور اسی دوسری قسم کا علم ہے جو روایات اور احادیث کی صورت میں ہے، اور جس کو اہل اصول اصطلاحاً **سنت** کہتے ہیں، کتاب اصولی احکام ہیں، اور **سنت** ان اصولی احکام کی عملی تشریح ہے۔ بیان ہے کہ کتاب براہ راست وحی الہی کا نتیجہ ہے، اور سنت ملکہ نبوت اور فہم نبوی کا کتاب بلفظ وحی ہے، اور سنت یعنی وحی مثلاً اور وحی غیر مثلاً بعض علماء اہل قول نے کتاب اور سنت دونوں کو وحی مانا ہے اور ان دونوں کے درمیان تفریق یہ کی ہے کہ کتاب اس وحی کا نام ہے جس کی تملات کیجاتی ہے، اور سنت اس وحی کو کہتے ہیں جس کی تملات نہیں کیجاتی، اس تشریح کا مقصود حقیقہ تملات عدم تملات کا فرق نہیں ہے، بلکہ یہ ہے کہ کتاب میں معنی کے ساتھ الفاظ بھی وحی کے گئے ہیں، اور وہ الفاظ بھی محفوظ ہیں، ان کا حرف حرک اور نقطہ نقطہ وائالہ لکھا فظون کی پیشینگوئی میں داخل ہے، اور اس لیے اس میں الفاظ کی کمی بیشی اور حذف و اضافہ محال ہے، اور سنت میں الفاظ کی نہیں صرف معانی کی حفاظت ہے، اسی لیے کتاب کی وحی مدون، مکتوب اور محفوظ لگتی، اور نماز میں اس کی قرات کا حکم ہے، اور یہ بھی عام طور سے اس کی تملات مسنون ہے، اور سنت کی وحی بالفاظہا مقصود نہیں، اس لیے اس کی حفاظت قہات کو اتنی اہمیت نہیں دی گئی، اور نہ نماز میں اس کے الفاظ قرات کیے جاسکتے ہیں، اور نہ اس کی تملات کیجاتی ہے، اور نہ ان کو کتاب الہی کہا جاسکتا ہے، مگر معنی مہولی حیثیت سے ان کی حفاظت خود قرآن نے اپنے اندر کر لی ہے، اور جزئیات کی حیثیت سے گو الفاظ میں نہیں، مگر عمل میں خود رسول اور اس کے پیروں اور پھر ان کے پیروں کے مسلسل تعامل سے یہاں تک کہ آج بھی تمام مسلمانوں کے عمل درآمد سے عملی تو اتر کی صورت میں محفوظ ہے، اور

بعد کے اماموں نے اچھی طرح تحقیق کر کے الفاظ اور کتب حدیث کے اوراق میں بھی اُن کو محفوظ کر دیا ہے، سنت کو وحی کہنا اس لحاظ سے ہے کہ اُس کے جزئیات اصولاً وحی حقیقی یعنی کتاب کے اندر داخل ہیں اور اس کی کلیت میں سنت کے تمام احکام مندرج ہیں بنا برین چونکہ سنت وحی کے کلی منشا کے اندر داخل ہے، وہ بھی ضمنی حیثیت سے وحی کہی جاسکتی ہے، لیکن چونکہ اُس میں الفاظ کی تعیین خدا کی طرف سے نہیں، اسلئے وہ غیر منشاء ہے، اس فسق کا راز یہ ہے، کہ کتاب کی اصلی حیثیت کلی قانون کی ہے، قانون کے اصل منشا کی حفاظت اور وضاحت کے لیے نہ صرف اُس کے ایک ایک لفظ کے محفوظ رہنے کی ضرورت ہوتی ہے، بلکہ اُس کے لیے ایک ایک نقطہ، شوثر، وقف، وصل، بفضل، عطف، قطع، تقدم، تاخر، یعنی اچھل کی اصطلاح میں ایک ایک ڈیش اور کونے کی بعینہ حفاظت کی ضرورت ہے، ورنہ ذرا سے تغیر میں قانون کا مطلب کچھ کچھ ہو جاسکتا ہے، اور سنت کی یہ کلی قانونی حیثیت نہیں ہے، بلکہ وہ اُس کلی قانون کی تشریحات، تفصیلات، اور جزئیات ہیں، جو حقیقت اس کلی قانون کے اندر مندرج تھے، مگر چونکہ عام لوگوں کی فہم میں نہیں آتے تھے، یا عام لوگ اُس کو نہیں سمجھتے تھے، اس لیے صحابہ کے دریافت پر یا خود حضور صلیم نے اسکی ضرورت محسوس فرما کر اُس کو کھول کر بیان فرمادیا، کہ پھر اشتباہ نہ رہ جائے،

اسی مقام پر ایک اور نکتہ بھی ہے، کہ کتاب الہی میں جو حکم جن الفاظ میں ادا ہوا ہے، وہ اگر بعض کم فہم لوگوں کی سمجھ میں نہیں آیا، اور انھوں نے آنحضرت صلیم سے اسکی تشریح چاہی، یا انہیں نہیں معلوم ہوا، کہ اس خاص جزئی واقعہ کا کیا حکم ہے، اور قرآن پاک کی کس اصل سے ماخوذ و مستنبط ہوگا، اور اس لیے انھوں نے آنحضرت صلیم سے دریافت کیا، تو اُس کے جواب میں اگر آنحضرت صلیم قرآن پاک کے بعینہ انھیں الفاظ کو بے کم و بیش دہرا دیتے تو یہ بیکار ہوتا، کہ انھیں الفاظ کے نہ سمجھ سکے کے سبب سے تو سوال کی نوبت آئی، اس لیے ضرور تھا کہ آنحضرت صلیم الفاظ کو بدل کر اور طریقہ تعبیر کو تغیر دے کر ان الفاظ کی تشریح فرمائیں، اور یہی احادیث ہیں،

درحقیقت احادیث میں قانون الہی اور کتاب ربانی ہی کے مفہوم و منشا کو رسول اللہ صلیم نے سمجھنے والوں

کی سہولت، مگر ہون کی تکمیل بہت اور اصل منشاء الہی کی پوری توضیح اور کہیں پوری تاکید کی خاطر مختلف لفظوں مختلف عبارتوں اور مختلف تعبیروں سے ادا فرمایا ہے، اس لیے اصل مفہوم و منشا کے لحاظ سے احادیث کے معانی ضنائی ہیں لیکن الفاظ عبارت اور تعبیر کی حیثیت سے یعنی لفظاً وحی نہیں ہیں، بلکہ فہم تبوی، اجتہاد نبوی اور ملکہ نبوت کے غیر خطا پذیر نتائج ہیں، اسی لیے ان کو اصطلاح میں ”وحی غیر متلو“ کہتے ہیں۔

ہم اس فرق کی ایک مثال دیکر اپنے مطلب کو زیادہ واضح کر دینا چاہتے ہیں، قرآن پاک میں والدین کی خدمت اور اطاعت کا حکم ہے اور ساتھ ہی یہ بھی اشارہ ہے کہ والدین کی رضا مندی گناہوں کی مغفرت کا سبب ہے، یہ وحی الہی کا حقیقی منشا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس منشاء الہی کو ان الفاظ اور مختلف تعبیروں سے ادا فرمایا، ان کے پاؤں کے نیچے جنت ہے، لکھی ارشاد ہوا ”رب کی خوشنودی باپ کی خوشنودی میں ہے، ایک صحابی نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ حقدار کون ہے؟ فرمایا ”تیری ماں، تیری ماں“ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے، صحابہ حضوری کے شرف سے ممتاز تھے، کہ زبان مبارک سے یہ الفاظ ادا ہوئے، ”وہ ذلیل ہوا، وہ ذلیل ہوا، وہ ذلیل ہوا“ حاضرین نے عرض کی یا رسول اللہ! ”کون“ ارشاد ہوا، ”وہ جس نے اپنی ماں یا باپ کی ضعفی پائی اور پھر ان کی خدمت گزاری کر کے جنت نہ حاصل کر لی“ ایک اور مجلس میں صحابہ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! صلہ نیکی کے کاموں میں خدا کو سب سے زیادہ کون کام پسند ہے؟ فرمایا ”وقت پر نماز ادا کرنا“ دریافت کیا اس کے بعد فرمایا ”ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرنا“

ان تمام احادیث پر معمولی سی غور و فکر کی نظر بھی یہ راز ظاہر کر دیگی، کہ یہ کل حدیثیں ذیل کی آیتوں کی تشریح بیان ہیں،

وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا (بقرہ ۹۰-۹۱-۹۲)

ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو،

وَلَا تَقُلْ لَهُمَا قَوْلًا

(اسلمیل - ۳)

وہ بوڑھے ہو جائیں تو ان کو اُفت نہ کہو،

وَنَبِّأَهُمْ لَعَنَ سَيِّئَاتِهِمْ (الحق ۲۰) یہ (ان باپکے ضد متگذار) وہ ہیں جنکی بدیوں سے ہم درگزر کرتے ہیں

یہی حال دوسرے قرآنی احکام کے بیانات و تشریحات کا ہے،

احادیث قرآن کا بیان ہیں | قرآن پاک اور احادیث دونوں پر جنکی عمیق و وسیع نظر ہے، اُن کو یہ بر ملا معلوم ہوتا ہے کہ احادیث صحیحہ کے تمام فرعی اور ثانوی احکام قرآن پاک کے عمومی اور کُلّی احکام کے تحت میں مندرج ہیں، انھیں صلعم نے اپنے الفاظ میں صرف اُن کی تشریح فرمائی ہے، اس قسم کی حدیثوں کی عموماً تین شکلیں ہیں، ایک وہ جنہیں آنحضرت صلعم نے اپنے الفاظ میں حکم بیان فرمانے کے بعد خود قرآن پاک کی کوئی آیت اُس کے ساتھ پڑھ دی، اس قسم کی حدیثوں کے بیان ہونے میں کس کو شبہ ہو سکتا ہے؟ دوسری شکل یہ ہے کہ اپنے آیت نہیں پڑھیں مگر خود اُس حکم میں ایک دو لفظ ایسے فرمادیئے ہیں جو کسی آیت کا جزو ہیں جس سے یہ اشارہ ہوتا ہے کہ یہ حکم فلا آیت کی تشریح ہو، اس صورت میں بھی اصل فرع کی تیز اہل علم کے لیے آسان ہے، تیسری شکل یہ ہے کہ اپنے کسی آیت یا اشارہ کے بغیر صرف حکم بیان فرمادیا، اس قسم کی حدیثوں کے ماخذ کی تلاش و دقت نظر کا کام ہے، انھیں پتہ زبان نبوت اور فہم رسالت کے طرز و اسلوب کے سمجھنے و اسے راخین فی العلم ہی پاسکتے ہیں،

الہام و اجتہاد و حکمت | امام شافعی نے کتاب الرسالہ میں احادیث و سنن کی تین قسمیں بیان کی ہیں، ایک وہ جو بعینہ قرآن پاک میں مذکور ہیں، دوسری وہ جو قرآن پاک کے فعل حکم کی تشریح ہیں، تیسری وہ جو نکاح ذکر (بطاہر) قرآن پاک میں نہ تفصیلاً ہے، نہ اجمالاً، یہی تیسری قسم قابل بحث ہے، امام صاحب نے اس کے متعلق ائمہ سلف کے چار نظریے نقل کیے ہیں،

۱۔ اللہ تعالیٰ نے رسول کی کُلّی اطاعت فرض کی ہے، اور اس کے علم میں پہلے ہی سے یہ ہے کہ رسول

لے مجھے پہلے شہ تھا کہ میں اس رائے میں مفرد ہوں، مگر کچھ اللہ کی تلاش و تقص سے ثابت ہوا کہ دیگر متعدد علماء سے رسول کا یہی مسلک ہے، چنانچہ یہ خیال اجمالاً سب سے پہلے امام شافعی کی کتاب الرسالہ (ص ۲۸ و ۲۹ و ۴۲) مطبوعہ علیہ مصر ۱۳۱۶ھ میں اور یہ نظریہ سب سے زیادہ مفصل امام شافعی اندلسی المتوفی ۵۹۹ھ کی اہم تصنیف الموافقات فی اصول الاحکام (جلد اول ص ۱۴۵-۲۲۱) مطبوعہ سلفیہ مصر ۱۳۴۱ھ میں موجود ہے، اور شاہ ولی اللہ صاحب کی حجۃ اللہ الباقیہ میں بھی اسکا ایک باب ہے، ۱۲۸ کتاب الرسالہ امام شافعی صفحہ ۱۲۸

جو کچھ کہے اور کرے گا اس میں رضائے الہی کی توفیق اس کے ساتھ شامل ہوگی اور حاصل یہ ہے کہ پہلے ہی سے رسول کو یہ توفیق ربانی عنایت کی گئی ہے کہ وہ رضائے الہی کو دریافت کرے۔

۲۔ رسول نے کوئی ایسا حکم نہیں دیا ہے جس کی اصل کتاب اللہ میں نہ ہو (مقصود یہ ہوا کہ اس قسم کے حکم بھی دراصل کتاب اللہ ہی سے ماخوذ ہیں اگر بطاہر کم بنیون کو ایسا نظر نہ آئے)

۳۔ تمام احادیث نبوی القاری فی الزرع ہیں (یعنی رسول کے دل میں خدا نے ڈال دیئے ہیں) اور یہ اس حکمت کا نتیجہ ہیں جو آپ کے دل میں ڈالی گئی،

۴۔ اس قسم کے تمام امور جو احادیث میں ہیں کتاب الہی سے جداگانہ مستقل پیغام ربانی کے ذریعہ رسول کو معلوم ہوئے ہیں۔

چوتھے نظریہ کو چھوڑ کر بقیہ تین راہیں میرے خیال میں تقریباً ایک ہی ہیں، پہلے نظریہ کا منشا یہ ہے کہ صریح وحی کے علاوہ جو وقتاً فوقتاً نبی پر آتی رہتی ہو اس کو ابتدا ہی سے ایک توفیق لازمی بھی عنایت ہوتی ہے جس سے وہ پیش آمدہ امور میں رضائے الہی کو دریافت کر کے فیصلہ کرتا ہے، تیسرے نظریہ میں اسی توفیق علم کو اہتمام تھا، فی الزرع اور دلی میں ڈال دینے سے تعبیر کیا گیا ہے اور دوسرے نظریہ کا منشا یہ ہے کہ رسول کے جو احکام بظاہر کتاب اللہ میں نہ ہوں ان کی اصل بھی درحقیقت کتاب اللہ میں ہے اور رسول اسی اصل سے اپنے احکام کو مستنبط کرتا ہو، مگر ظاہر ہے کہ یہ استنباط عام انسانی و بشری فہم سے نہیں ہوتا، ورنہ اس کا غلطی سے پاک ہونا مستبعد رہے گا، بلکہ وہ پیغمبرانہ قوت فہم کا نتیجہ ہوگا، اور جب ایسا ہے تو اس پیغمبرانہ قوت فہم کی تعبیر خواہ اہتمام سے کرو، اتنا سے کہ دو یا تیس کو حکمت نبوی کا نتیجہ کہو یا توفیق الہی کہو بات ایک ہی ہوتی،

میرے نزدیک صحیح مسلک یہ ہے کہ رسول کے تمام صحیح ذبانی احکام بھی ہوئے اس کے صفحہ ربانی سے ماخوذ و مستنبط ہیں اور ان کے جزئیات کتاب الہی کے کلیات کے تحت میں مندرج ہیں اور رسول کا یہ اخذ استنباط اور فہم اس کی اس پیغمبرانہ قوت علم کا نتیجہ ہیں، جبکہ حکم، ملکہ نبوت اور اہل شریعت حکمت، اہتمام اور تشریح صدر وغیرہ

الغافل سے تعبیر کرتے ہیں اور جو خطا اور غلطی سے یکسر پاک ہو،

اجتہاد نبوت | اس موقع پر علمائے اصول کی ایک اور اصطلاح ”اجتہاد نبوی“ کی تشریح ضروری ہے، علمائے اصول لکھتے ہیں کہ جب کوئی نیا واقعہ آنحضرت صلعم کے سامنے پیش آتا، اور وحی نازل نہ ہوتی، تو آنحضرت صلعم فرماتے یعنی گزشتہ وحی شدہ احکام کے مطابق سے آپ حکم دیدیتے تھے، (یہ فقہاء کا طریقہ تعبیر ہے، ورنہ یوں کہنا چاہیے کہ رسول اپنی اس حکمت ربانی کے فیض سے مدد لیکر جو خدا نے اس کے سینہ میں ودیعت رکھی ہے گزشتہ وحی کے کلیات کی روشنی میں اس کا فیصلہ فرماتے تھے) بہر حال خواہ فقہاء کے طریق پر اجتہاد نبوی کو مخصوص قرآنی سورت مستنبط سمجھئے یا شاہ ولی اللہ صاحب کے نظریہ کے مطابق رسول کے علم سینہ اور وحی شدہ اصول کلی کے جزئیات تسلیم کیجئے بہر حال میں وہ نتیجہ امت کے لیے واجب العمل اور خطا سے پاک ہی کیونکہ یہ مقدمہ اپنی جگہ پر ثابت ہے کہ انبیاء گناہوں سے معصوم، ضلالت مگر اہی سے پاک اور ہوائے نفسانی سے مبرا ہوتے ہیں اس لیے امور رسالت اور امور دین میں ان کی کوئی رائے غلط نہیں ہو سکتی، کہ ان کی غلطی سے پوری امت کا غلطی پر قائم ہو جانا مسلم ہے، حالانکہ ان کی بعثت کی غرض ہدایت ہے ضلالت نہیں، ان وجوہ سے ان کا اجتہاد اگر کبھی کسی ایسے نتیجہ پر پہنچ جائے جو مصلحت الہی کے مطابق نہیں ہوتا تو ہمیشہ اللہ تعالیٰ اس پر تنبیہ فرما کر ان کو اپنی مرضی سے مطلع فرمادیتا ہے، (اس کی مثالیں آئندہ آئیں گی) الغرض بعض امور میں خیر کے کسی خاص پہلو کو پیش نظر رکھ کر اس سے بہتر پہلو سے تغافل ہونے یا غیب اور مستقبل سے عدم واقفیت کے سبب نبی کا اجتہادی خطا کرنا ممکن ہے، مگر اس خطا پر نبی کا قائم رکھا جانا ناممکن ہے، ایسی صورت میں نبی کا ہر ایسا اجتہادی حکم جس پر وحی الہی نے فوراً کوئی تنبیہ نہیں کی، یعنی رکھتا ہے، کہ وہ حکم علم الہی کے منشا کے مطابق اور خطا، و غلطی سے مبرا ہے، او اس کے دوسرے معنی وحی حقیقی یا باطنی وحی کے ہیں،

۱۔ سطور بالا میں بتنے جو کچھ لکھا ہو اس کے حوالہ کے لیے دیکھو شرح تشریحات ہام المتوفی ۱۲۸۵ مسمیٰ بہ التقریر والحق للعلامة ابن امیر الحاج المتوفی ۱۲۸۵ ج ۲ ص ۲۹۹-۲۹۸ مطبعہ امیر پور مصر ۱۳۱۲ اور التاویج فی کشف حقائق الشیخ والتوضیح فی حل غوامض الشیخ ج ۲ ص ۲۵۲ مطبعہ مکتب صنائع مقلدین ۱۳۱۲ بحث الرکن الثانی فی السنۃ،

میری رائے میں یہ اصطلاح بھی معنی گذشتہ اصطلاحوں کے قریب قریب ہے، اس لیے اس اجتہادِ نبوی کے معنی انہامِ حکمت، ملکہ نبوت، فہم نبوی، وغیرہ گذشتہ اصطلاحات سے عملاً الگ نہیں کہ اس کی حیثیت بھی حی ثنائی کی قرار پا جاتی ہے،

اس بحث پر شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ الباقیہ میں جو خیال ظاہر فرمایا ہے اُس کا ترجمہ ہم ذیل میں درج کرتے ہیں،

”قوانینِ مبحثِ احیائِ نبوی شریعت کے خاتمِ نبی“

”علومِ نبوی صلیہ کے اقسام“

رسول اللہ صلیہ کی جو روایتیں حدیث کی کتابوں میں جمع کی گئی ہیں، ان کی دو قسمیں ہیں،
۱۔ ایک تو وہ جن کا تعلق تبلیغِ رسالت سے ہو اور یہ آیت،

مَا أَتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا ج (حشر- ۱)
پیغمبر تم کو جو کچھ دے اُس کو لے لو اور جس چیز سے منع کرے اُس سے باز آؤ،

اسی قسم کے متعلق نازل ہوئی ہے،

علومِ معاویہ یعنی قیامت اور آخرت کے احوال، جزا و سزا اور عجائبِ الملکوت (یعنی دوسرے عالم کے احوال و کیفیات) اسی قسم سے تعلق رکھتے ہیں اور ان سب کا دار و مدار صرف وحی پر ہے، اور ان اصول کے مطابق جن کا ذکر اوپر گزر چکا، قوانینِ شریعت، اور عبادات و معاملات کی جزئیات کا ضبط بھی اسی قسم میں داخل ہے لیکن ان میں سے بعض چیزوں کا دار و مدار وحی پر اور بعض کا اجتہاد پر ہے، لیکن رسول اللہ صلیہ کا اجتہاد بھی وحی کی حیثیت رکھتا ہے، کیونکہ خداوند تعالیٰ نے آپ کو غلط رائے قائم کرنے سے محفوظ رکھا ہے، اور یہ ضروری

نہیں ہے کہ آپ کا ہر اجتہاد کسی خاص نص و آیت سے استنباط کا نتیجہ ہو، جیسا کہ خیال کیا جاتا ہے، بلکہ آپ کے اجتہاد کی زیادہ تر صورت یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ نے شریعت اور وضع قانون کے مقاصد انسانوں کی آسانی اور بھلائی اور اصولی مقاصد کا قانون آپ کو تعلیم کر دیا تھا، وہ مقاصد جن کا اخذ وحی تھا، آپ اسی کلی اصولی قانون کے ذریعہ سے جو آپ کو سکھایا گیا تھا، ان کی تشریح فرما دیا کرتے تھے حکمت کی متفرق باتیں اور عام مصلحتیں جن کے لئے آپ نے کوئی وقت مقرر کیا نہ ان کے حدود بتائے، مثلاً اخلاق صالحہ اور اخلاق غیر صالحہ کا بیان بھی تبلیغ رسالت سے تعلق رکھتا ہے، لیکن ان میں اکثر کا دار و مدار اجتہاد پر ہے، جس کے معنی یہ ہیں کہ خداوند تعالیٰ نے آپ کو باہمی معاملات و اجتماع کا کلی قانون تعلیم کر دیا تھا، اور آپ نے حکمت کی باتیں اسی کلی قانون سے جو آپ کو تعلیم کر دیا گیا تھا مستنبط کیں، اور ان کے متعلق ایک کلیہ بنایا، فضائل اعمال اور ان پر عمل کرنے والوں کے مناقب بھی اسی قسم سے تعلق رکھتے ہیں، اور میرے خیال میں ان میں بعض کا دار و مدار وحی پر اور بعض کا اجتہاد پر ہے، ان قوانین کا بیان اور پرگنہ چمکا ہے، اور ہم اسی قسم کی شرح کرنا اور ان کے معانی کو بیان کرنا چاہتے ہیں؛

۲۔ دوسری وہ روایتیں ہیں جو تبلیغ رسالت سے تعلق نہیں رکھتیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ میں صرف ایک آدمی ہوں، جب میں تمہارے دین کے متعلق تم کو کوئی حکم دوں تو اس پر عمل کرو، اور جب میں تم کو اپنی رائے سے کوئی حکم دوں تو یہ سمجھو کہ میں صرف ایک آدمی ہوں، اور چھوہاروں کے جوڑ لگانے کے واقعہ میں آپ کا یہ فرمان کہ میں نے ایک خیال قائم کیا تھا، میرے خیال پر تم لوگ عمل نہ کرو، البتہ جب خدا کی کوئی بات بیان کرو تو اس پر عمل کرو، کیونکہ میں خدا پر چھوٹ نہیں باندھتا، اسی قسم سے تعلق رکھتا ہے، طب کے متعلق حدیثیں اور ان کا یہ ارشاد کہ تم سیاہ رنگ اور ایسے گھوڑے پر سوار ہو جس کی پیشانی میں تھوڑی سی سفیدی ہو، اسی قسم میں داخل ہے، اور اس کا دار و مدار تجربہ پر ہے،

آپ نے جو کچھ عادت کیا، عبادۃ نہیں، اتفاقاً کیا، قصداً نہیں، وہ بھی اسی قسم میں داخل ہے، آپ نے جو واقعات ایسے بیان کیے، جن کا تمام قوم میں چرچا تھا، مثلاً اقم ذرعاً اور خرافہ کے قصہ وہ بھی اسی قسم سے تعلق رکھتے ہیں،

اور اسی بات کو حضرت زید بن ثابتؓ نے جب اُن سے چند لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں بیان کرنے کی درخواست کی، اس طرح بیان کیا ہے، کہ میں آپ کا پڑوسی تھا، اور جب آپ پر وحی نازل ہوتی تھی تو آپ مجھ کو بلا بھیجتے تھے، اور میں آپ کے حکم سے اس کو لکھا کرتا تھا، لیکن جب ہم دنیا کا ذکر کرتے تھے، تو آپ بھی ہمارے ساتھ اس کا ذکر فرماتے تھے، اور جب ہم آخرت کا ذکر کرتے تھے، تو آپ بھی ہمارے ساتھ اس کا ذکر کرتے تھے، اور جب ہم کھانے کا ذکر کرتے تھے، تو آپ بھی ہمارے ساتھ اس کا ذکر کرتے تھے، تو کیا میں ان تمام چیزوں کو بطور حدیث بیان کروں؟“

اسی میں وہ چیزیں بھی داخل ہیں، جنکو اپنے اپنے زمانہ کی جزئی و عام مصلحت کے طور پر کیا ہے، اور وہ تمام امت کے لیے ضروری نہیں ہیں، مثلاً فوجوں کی آراستگی، اور جنگی علامت کی تعیین کے وہ احکام جنکو غلیفہ دیتا ہے، اور حضرت عمرؓ کے اس قول کے کہ اب ہم کوچ میں اگر کر چلنے کی کیا ضرورت؟ ہم ایک قوم (کفار قریش) کے سامنے اس کی نمائش کرتے تھے، لیکن اب خدا نے اس کو ہلاک کر دیا، بھی یہی معنی ہیں کہ وہ اس کو ایک خاص جزئی و عام مصلحت سمجھتے تھے، لیکن چونکہ اپنے اس اجتہاد پر پورا اطمینان نہ تھا، اس لیے اُن کو یہ خوف ہوا، کہ شاید اس کا کوئی اور سبب ہو، اس لیے اس میں دست اندازی نہیں کی، اسی طرح دوسرے احکام بھی اسی پر محمول کئے گئے ہیں، مثلاً آپ کا یہ ارشاد کہ ”جو شخص جسکو قتل کرے اُس کا ہتھیار اسی کا حق ہو، نیز آپ کے مخصوص فیصلے بھی اسی قسم میں داخل ہیں، کہ آپ مقدمات کے ان فیصلوں میں گواہوں اور قسموں کے مطابق فیصلے کرتے تھے، اپنے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے جو یہ فرمایا تھا کہ ”واقعہ میں حاضر جو کچھ دیکھتا ہے اس کو غائب نہیں دیکھتا“ اس کے معنی بھی یہی ہیں، (انتہی کلامہ)

شاہ صاحب کے نظریہ کا خلاصہ یہ ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ جس کا تعلق پیغمبرانہ فرائض، تبلیغ رسالت، اور مہات امور دین سے ہے، یہ تمام باتیں براہ راست وحی و تعلیم الہی سے ماخوذ ہیں، دوسری وہ جو عام انسانی باتیں ہیں، اس کی متعدد صورتیں ہیں،

۱۔ کسی جزئی عارضی مصلحت کی بنا پر کوئی حکم جیسے حج میں اپنے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ قریش کے سامنے اگر کر سچی کریں، تاکہ قریش یہ نہ سمجھیں کہ مدینہ کی آب و ہوائ نے ان کو کمزور کر دیا ہے،

۲۔ وہ امور جنکو دین و رسالت سے براہ راست کوئی تعلق نہیں، بلکہ زمانہ کے حالات کے ساتھ وہ بدلتے رہتے ہیں، مثلاً جنگ کا طریق، ہتھیار کے اقسام، حکومت کے صیغوں کی ترتیب وغیرہ،

۳۔ وہ امور جنکو آپ اپنی شخصی، قومی، یا ملکی عادت کے مطابق کرتے تھے، جن کو دین و رسالت سے کوئی واسطہ نہیں، مثلاً وضع و لباس، فرش پر نشست، کھل اور ڈھنا، دسترخوان اور چوچون کا عدم استعمال، عمامہ باندھنا، تہ بند پہننا، اونٹ پر سوار ہونا وغیرہ،

۴۔ وہ امور جو عرب میں بطور قصہ کے مشہور تھے، اور آپ نے بھی ان کو اُسی طرح تفسیر طبع کے لیے یا کسی اخلاقی نتیجہ کی خاطر بیان فرمایا، مثلاً ام زرع اور اُسکی نو سہیلیوں کی کہانی، خرافہ کی داستان، بنی اسرائیل کی بعض گنجائشیں،

۵۔ عربوں کے بعض تجربی مسلمات، اور علاج و معالجہ کی بعض باتیں،

۶۔ زراعت وغیرہ کے متعلق بعض ذاتی رائے، مثلاً مدینہ میں قاعدہ تھا، کہ فصل کے موقع پر چھوہارون کے پھول مادہ چھوہارون کے درختوں میں ڈالے جاتے تھے، آپ نے یہ طریقہ دیکھا تو اُس کو محض رسمی بات سمجھ کر فرمایا کہ ”اگر ایسا نہ کیا کرو تو کیا ہو؟“ مدینہ والوں نے آپ کے اس ہلکے سے اشارہ کو حکم کے طور پر مانا اور اس سال یہ ترکیب چھوڑ دی، نتیجہ یہ ہوا کہ اُس سال پیداوار کم ہو گئی، لوگوں نے آکر عرض کی، فرمایا میں نے ایسا خیال کیا تھا، ”انکم اعلم بامور دنیا کثرتکم اپنے دنیاوی کاروبار اور معاملات سے زیادہ واقف ہو“ یہ امور تغیر اور رد و بدل کے قابل ہو سکتے ہیں،

الغرض یہ وہ امور ہیں، جنہیں رسول کے ارشادات کی حیثیت، انسانی باتوں کی ہے، لیکن ان کے علاوہ دوسرے امور جنکا تعلق دین و رسالت و نبوت سے ہے، مثلاً عقائد، عبادات، اخلاق اور اخبار معاد اور معاملات کے بعض ضروری حصے، یہ سب کے سب وحی اور تعلیم ربانی سے ہیں، جو دائمی اور ناقابل تغیر ہیں،

ان ناقابل تغیر امور کی تعلیم اطلاق کی دو صورتیں ہیں، براہ راست وحی الہی جو وقتاً فوقتاً پیغمبر کی تعلیم و اطلاق کے لیے خدا کی طرف سے آیا کرتی تھی، اور دوسری اجتہاد نبوی، یہاں بحث اسی دوسری چیز سے ہے، شاہ صاحب اس کے متعلق دو باتیں فرماتے ہیں،

۱۔ ایک یہ کہ اجتہاد نبوی کی صورت و حقیقت مجتہدین کے اجتہاد کی طرح نہیں ہو۔ مجتہدین کا اجتہاد کسی خاص نص سے استنباط کا نام ہے اور پیغمبروں کے اجتہاد کی صورت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اجمالی طور سے شریعت کے کلی اصول و قواعد کا علم منصب نبوت کے ساتھ ساتھ عطا فرمایا ہے، اسی علم کے مطابق آپ وحی کی توضیح احکام منصوصہ کی تفصیل کسی کلی کے جزئیات مسائل کی تشریح، اپنے الفاظ میں فرمادیا کرتے تھے،

۲۔ پیغمبر کا یہ اجتہاد، دوسرے عام انسانی مجتہدین کے اجتہادات کے برخلاف خطا و غلطی سے یکسر پاک و منزہ ہوتا ہے، کیونکہ ان کی رائے خطا و غلطی پر باقی رکھے جانے سے محفوظ بنائی گئی ہے، اسی لیے **اولن کا پیغمبر** اجتہاد بھی بمنزلہ وحی کے ہو۔

”پیغمبرانہ اجتہاد“ کی جو تشریح شاہ صاحب نے فرمائی ہے، اس کو پیش نظر رکھ کر یہ فیصلہ نہایت آسان ہے، کہ دو لوگ، بلکہ نبوت، اہتمام، انکار، حکمت ربانی، فہم نبوی سے جو کچھ مراد لیتے ہیں، اس میں اور ”اجتہاد نبوی“ میں عملاً کوئی فرق نہیں ہے، کہ اس اجتہاد سے مقصود وہ قوت علیہ یا الہامیہ یا نبویہ ہے، کہ جس کو اللہ تعالیٰ خاص پیغمبر سینہ میں ودیعت رکھتا ہے، اس لیے مجتہدانہ اجتہاد اور پیغمبرانہ اجتہاد کے درمیان صرف لفظ کی مشارکت ہو، معنی کی نہیں، مزید بحث آگے آئیگی،

ایک نکتہ کی طرف یہاں اور اشارہ کر دینا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور جتنے صاحب کتاب انبیاء آئے، ان کی وحی کتاب اور نتائج حکمت نبوی میں فرق و امتیاز باقی نہیں رہا، چنانچہ توراۃ و انجیل و زبور میں سب باتیں ملی جلی ہیں، جیسا کہ ان کے پڑھنے سے ہر شخص کو نظر آسکتا ہے، مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ آخری اور غیر منسوخ کتاب لیکر آئے تھے، اس لیے آپ کی کتاب کی ہر طرح حفاظت کی گئی، اور ہر تحلیط اور آمیزش سے محفوظ

رکھی گئی، بلکہ اسی لیے آغاز اسلام میں آپ نے نتائجِ حکمتِ نبوی کی تحریر سے لوگوں کو باز رکھا، تاکہ کتاب کے ساتھ اون کی آمیزش نہ ہو، بعد کو جب یہ خطرہ باقی نہیں رہا، تو اکثروں کے نزدیک یہ ہے کہ آپ نے انکی تحریر کی اجازت دیدی اور بعض متشدد صحابہ اور علمائے کے نزدیک یہ اجازت مخصوص لوگوں کے لیے تھی، عام نہیں، لیکن یہ اختلاف تحریر و کتابت میں ہے، اونکی صحیح طور سے حفاظت و روایت و تبلیغ میں نہیں، اسلئے اس خدمت کو تمام صحابہ نے اپنا بیعت نامہ میں اور تمام علمائے صحابین نے ہمیشہ ادا کیا،

عصمت اور یگانہ پن | نبی کی نمبری اہم خصوصیت، اونکی معصومی اور بے گناہی ہے، یہود میں چونکہ پیشینگو ہونے کے علاوہ نبی کا کوئی صحیح تحمل نہیں، اس لیے ان کی کتابوں میں انبیائے کرام علیہم السلام کی طرف ایسی باتیں منسوب کی گئی ہیں جو ان کی شانِ نبوت کے سراسر منافی ہیں، عیسائیوں میں صرف ایک مسیح کی ذات معصوم مانی جاتی ہے، لیکن اسلام میں یہ عقیدہ ہر نبی اور رسول کی نسبت عام ہے، اُس کے نزدیک تمام انبیا اور رسول گناہوں سے پاک اور معصوم تھے، ان سے تقاضاے بشریت بھول چوک ہو سکتی ہے، مگر اللہ تعالیٰ اپنی وحی سے اونکی ان غلطیوں کی بھی اصلاح کرتا رہتا ہے، نبوت کے متعلق عقلی حیثیت سے بھی جب تک عصمت کا اصول بنا نہ لیا جائے، نبی اور عام حکیم و مصلح میں فرق نمایاں نہیں ہو سکتا، اور نہ نبیوں اور رسولوں کی کامل صداقت و صحت پر اعتبار کیا جاسکتا، اسی لیے اسلام نے اس عقیدہ کا بھی بڑا اہتمام کیا ہے، ایک ایک کر کے تمام پیغمبروں کے مقدس احوال کا تذکرہ کیا ہے، اور ان واقعات کی تردید کی ہے، جو شانِ عصمت کے خلاف ہیں، اور جن کو لوگوں نے ان کے سوانح میں شامل کر دیا ہے،

عرب کے مشرکوں کا یہ عقیدہ تھا، کہ کابین جو غیب کا حال بتاتے ہیں، اور شاعر جو پر جوش اور پرتاثر کلام نظم کرتے ہیں، یہ شیطانوں سے سیکھ کر بتاتے اور کرتے ہیں، اور یہی بات وہ محمد رسول اللہ صلیم کی نسبت بھی رہنوردانہد کہتے تھے، قرآن نے ان کے جواب میں کہا، درخت اپنے پھل سے اور شے اپنے آثار سے پہچانی جاتی ہے،

إِنَّهُ لَيْسَ لَهُ سُلْطَانٌ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَلَىٰ
رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ، إِنَّمَا سُلْطَانُهُ عَلَىٰ
الَّذِينَ يَتَوَلَّوْنَ، وَالَّذِينَ هُمْ بِهِ مُشْرِكُونَ
شیطان کا زور ایمان والوں پر نہیں چلتا، اور نہ اُن پر
جو اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں، اُس کا زور انھیں پر چلتا ہے
جو اس سے دوستی کرتے ہیں، اور اپنے رب کا شریک ٹھہرتے ہیں
اس کے بعد آخر تک اس خیال کی تردید کی ہے، اور پھر خاتمہ اس پر ہے،

وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللَّهِ، وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ
وَلَا تَكُ فِي ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُونَ، إِنَّ اللَّهَ
مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوْا وَالَّذِينَ هُمْ مُحْسِنُونَ،
اور صبر کر۔ اور تیرا صبر کرنا بھی خدا ہی کی مدد سے ہے، اور نہ
تو اُن پر غمگین ہو، اور نہ اُن کے فریب سے تنگدل ہو، بیشک
خدا اُن کے ساتھ ہے، جو پرہیزگار ہیں، اور جو نیکو کار
(نحل - ۱۷) ہیں،

اس آیت سے ظاہر ہوا، کہ انبیائے کرام شیطانوں کے فریب سے آزاد، متقی، پرہیزگار اور نیکو کار ہوتے ہیں
سورہ شعراء میں اسی شبہ کا جواب تمام پیغمبروں کے حالات کو سنا کر آخر میں یہ لکھ کر دیا ہے،
هَلْ أُنَبِّئُكُمْ عَلَىٰ مَن تَسْتَغْلِبُ الشَّيَاطِينُ، كَيْمِينَ تَهَيَّنُ تَبَاوُنُ، كَدِ الشَّيْطَانِ كَسْ بِرَاتَرْتَهُ بَيْنَ، اَوْنِ
تَنْزَلُ عَلَىٰ كُلِّ آفَاكٍ أَثِيمٌ، يُلْقُونَ السَّمْعَ
وَكَتَرْتَهُمْ كَذِبُونَ، (شعراء - ۱۱)
کیا میں تم کو بتاؤں، کہ شیطان کس پر اترتے ہیں، اودن
بر اترتے ہیں، جو جھوٹ گھڑتے ہیں، گنگار ہوتے ہیں
(لوگوں کو یہ یقین دلانے کیلئے کہ وہ غیب کی باتیں سن رہے ہیں،

سورہ جاثیہ میں مخالفین کے جواب میں کہا گیا،
وَلِكُلِّ آفَاكٍ أَثِيمٌ تَكْمَعُ آيَاتِ اللَّهِ تُسْلَىٰ
عَلَيْهِ ثُمَّ يُصْرُ مُسْكَبَرًا كَانَ لَمْ يَسْمَعْهَا
فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ، (جاثیہ - ۱)
بھنگار ہو، ہر جھوٹ گھڑنے والا گنگار ہے، خدا کی آیتوں کو جو
اُس کو ٹپھکھک سنا جاتی ہیں، وہ سنتا ہو اور پھر اپنے غور پر ازار نہ تہ
گویا کہ اُس نے سنا نہیں، تو اس کو دردناک عذاب کی بشارت ہے

اس کے معنی یہ ہونے کہ انبیاء علیہم السلام جھوٹ گھڑنے والے اور گنگار نہیں ہوتے، کہ اگر ایسے ہوں تو وہ شیطانوں کے بجائے وہ شیطانوں کے قرین و رفیق ثابت ہوں، اور اُن کی سچائی اور صداقت متنبہ ہو جائے، اور نیز یہ کہ

نبوت کی حقیقت کذب و گنہگاری کے صریح منافی ہے،

ایک اور موقع پر ارشاد ہوا،

مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُتَىٰ بِهِ إِلَهٌ أَلَيْسَ
وَالْحُكْمُ وَالنُّبُوَّةُ تُعْرَفُونَ لِلنَّاسِ كُفُلًا
عِبَادًا لِّمَنْ دُونِ اللَّهِ. (ال عمران - ۸)

یعنی پیغمبروں کی دعوت کا منشا خدا کی بندگی کا اعلان ہے، نہ کہ لوگوں کو اپنا بندہ اور پرستار بنانا،

یہ گناہ ان سے سرزد نہیں ہوتا،

اور ایک آیت میں فرمایا۔

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يَقُولَ مَنْ يَقُولُ يَأْتِ
بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ثُمَّ تَوَفَّى كُلُّ نَفْسٍ مَّا
كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ، أَفَمَنْ اتَّبَعَ
رِضْوَانِ اللَّهِ كَمَنْ بَاءَ بِسَخَطِ اللَّهِ بِمَا لَدَّ
جَهَنَّمَ وَالْوَاسِطُ الْمَصِيرُ هُمْ دَرَجَاتُ
عِندَ اللَّهِ، وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِمَا يَعْمَلُونَ
لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ
فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ
وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ
وَإِنْ كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ،

کسی پیغمبر کا یہ کام نہیں کہ وہ کچھ چوری سے چھپائے۔ اور جو
چھپائی کا قیامت کے دن لیکر اس کو حاضر ہوگا پھر اس وقت
ہر شخص کو اس کے کام کا پورا بدلہ ملے گا، اور ان پر ظلم نہ ہوگا،
کیا جو خدا کی خوشنودی کی پیروی کرے، وہ اس کے جیسا
ہو سکتا ہو، جو خدا کا غضب کماے، اور اس کا ٹھکانا جہنم ہو،
اور وہ برا ٹھکانا ہو انسانوں کے خدا کے نزدیک کئی درجے میں
اور خدا ان کے کام سے خبردار ہو، بے شک اللہ نے ایمان والوں
پر احسان کیا، کہ ان میں ایک ایسے رسول کو بھیجا جو ان کو
انکی آیتیں پڑھکھڑکاتا ہو، اور ان کو پاک و صاف بناتا ہو،
کتاب اور حکمت سکھاتا ہے، اور وہ بے شک اس سے
پہلے کھلی گمراہی میں تھے،

(آل عمران - ۱۷۰)

ان آیتوں میں گوہر نبی سے غلغلہ (مال چھپانے) کی نفی کی ہے، اور فرمایا ہے کہ نبی جو خدا کی خوشنودی کی ہمیشہ پیروی کرتے ہیں وہ انکے مانند نہیں ہو سکتے جو خدا کی خفگی کرتے ہیں، مگر خصوصیت کیساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ ہے اور بتایا گیا ہے کہ نبی کی یہ شان نہیں کہ اُس سے ایسا جرم سرزد ہو سکے کہ اللہ کی رضا مندی کا طالب، انکی ناخوشی کے کام کا متر نہیں ہو سکتا، اور جو دوسروں کو احکام الہی سنائے، خود اُس سے اُن احکام کی خلاف ورزی ممکن نہیں اور جو دوسروں کو پاک و صاف کرنے پر مامور ہے، وہ خود گنہگار و ناپاک نہیں ہو سکتا،

انبیاء علیہم السلام کے لیے بار بار قرآن نے ”چنکر پسند کرنا“ کا لفظ استعمال کیا ہے، جو سترائے سرون کی عظمت اور گناہوں سے محفوظ و پاک رہنے پر دلالت کرتا ہے، عام پیغمبروں کے متعلق یہ آیت ہے،

اللَّهُ يَصْطَفِي بَيْنَ الْمَلَائِكَةِ رُسُلًا وَمِنَ النَّاسِ خدا فرشتوں میں سے اپنے پیغمبر کو چنکر پسند کرتا ہے،

(ج - ۱۰) اور آدمیوں سے،

چند مخصوص پیغمبروں کی شان میں ہے،

إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ آدَمَ وَنُوحًا وَآلَ إِبْرَاهِيمَ وَالْإِسْمَاقَ اِلٰہ نے آدم، نوح، آل ابراہیم اور آل اسماعیل کو تمام اہل دنیا پر چنکر پسند کیا،

خاص حضرت ابراہیمؑ کے متعلق ارشاد ہوا،

وَلَقَدْ اصْطَفَيْنَا فِي الدُّنْيَا (بقہ - ۱۶) ہم نے اُس کو دنیا میں چنکر پسند کیا،

حضرت موسیٰؑ کی نسبت فرمایا،

إِنِّي اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسَالَتِي وَ مین نے تجھ کو اپنے کلام اور پیغاموں کے لیے لوگوں

پر چنکر پسند کیا، (اعان - ۱۷)

ایک آیت میں پیغمبروں کے لیے اصطفا کے ساتھ خیر (بہتر اور نیکو کار) کی صفت ظاہر کی گئی ہے،

وَإِذْ كُنَّا عِبَادًا لِّإِبْرَاهِيمَ وَإِسْمٰعِيلَ وَيَعْقُوبَ ہمارے خاص بندوں ابراہیم، اسماعیل اور یعقوب کو

اُولٰٓئِكَ لَا يَدْرِي وَالْأَبْصَارُ اِنَّا اَخْلَصْنَاهُمْ
بِخَالِصَةٍ ذِكْرَىٰ الدَّارِ وَانْتَهَمُ عِنْدَ نَالِنِ
المُصْطَفَيْنِ الْاٰخِيَارِ (ص - ۴)
یاد کر وجوہ تھون والے (قوت عمل) اور انکھوں والے
(قوت علم) تھے، ہم نے انکو آخرت کی خالص نصیحت کیلئے غار
کیا، اور وہ ہماری بارگاہ میں پہنچے ہوئے نیکو کاروں میں تھے

سورہ انبیاء میں کثر پیروں کے تذکرہ کے بعد فرمایا،

وَكَلَّا جَعَلْنَا صٰلِحِيْنَ، وَجَعَلْنٰهُمْ اٰيَمَةً
يَقْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَيْنَا اِلَيْهِمْ فَعَلِ
الْخَيْرٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَآتَوْا الزَّكٰوةَ
وَكَانُوا لَنَا عٰبِدِيْنَ (انبیاء - ۵)
اُن میں سے ہر ایک کو ہم نے صالح بنایا اور ہم نے انکو وہ پیمانہ
بنایا جو ہمارے حکم سے لوگوں کو راہ دکھاتے تھے، اور ہم نے انکو
نیک کاموں کے کرنے کی اور نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے
کی وحی کی اور وہ ہمارے پرستار تھے،

کیا اس سے زیادہ اونکی عصمت اور بیگناہی کی شہادت ہو سکتی ہے، کہ وہ امام و پیشوا اور صالح اور خدا کے
پرستار بنائے گئے،

سورہ انعام میں بہت سے پیغمبروں کے نام گنا کر سب کو صالح فرمایا گیا،

كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ، (انعام - ۱۰) یہ سب صالحوں میں تھے،

پھر آگے چل کر فرمایا، كَلَّا فَضَّلْنَا عَلٰی الْعٰلَمِيْنَ (انعام - ۱۰) "ہر ایک کو دنیا والوں پر فضیلت دی"

پھر اُن کا ذکر کر کے فرمایا، وَاجْتَبَيْنَاهُمْ وَهَدَيْنَاهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ وہ اور ہم نے اُن کو برگزیدہ کیا اور

اُن کو سیدھی راہ چلایا "یہ صالح ہونا، برگزیدہ ہونا اور راہ راست پر ہونا، سراسر عصمت اور بے گناہی ہے،

شقی و سعید اور گنہگار و نیکو کار دونوں کی سیرتوں اور زندگیوں کا فرق اتنا نمایاں ہے، کہ اُن میں نیکیاں

اور اشتباہ ممکن نہیں، تاریخ و سیر کی خاموشی اور خلق کی گویا زبانیں سچ چھکرا اس فرق و امتیاز کی منادوی کرتی

رہتی ہیں، اس اصول کو قرآن پاک نے ان الفاظ میں ادا کیا ہے،

اَفَحَسِبَ الدِّیْنُ اِجْتَرَ حُ السَّیِّئٰتِ اَنْ
کیا وہ جو گناہوں کے ترکسب میں، یہ گمان کرتے ہیں کہ

تَجْعَلَهُمْ كَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَوَاءٌ
ہم اوکو اونکی طرح جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے بنائیں گے

فَحَيَا هُودٌ وَمَا تَنْصَحُ سَاءَ مَا يَكُونُ لَكُمْ مِنْهُ (عائہ - ۲)
اُن دونوں کی زندگی اور موت یکساں ہو یہ اُنکا فیصلہ کتنا برا

اس آیت پاک سے معلوم ہوا کہ ان دونوں کی زندگی، اور موت دونوں ممتاز ہوتی ہیں،

انبیاء کے وصف میں فرمایا،

الَّذِينَ يُبَلِّغُونَ رِسَالَاتِ اللَّهِ وَيَخْشَوْنَهُ
جو اللہ کے پیغاموں کو پہنچاتے ہیں، اور اُس سے ڈرتے ہیں

وَلَا يَخْشَوْنَ أَحَدًا إِلَّا اللَّهَ، (احزاب - ۵)
اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت اور بیویوں کو جو عزت اور شرف حاصل ہے، وہ نبوت و رسالت ہی کی
نسبت سے ہے، ازواج مطہرات کی شان میں ہے،

يَا نِسَاءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَأَحَدٍ مِنَ النِّسَاءِ
اے پیغمبر کی بیویو! تم عام عورتوں میں سے کوئی ایک

إِنَّ أَقْبَلَكُمْ لِلْيَقِينِ، (احزاب - ۴)
نہیں ہو، اگر تم متقی ہو،

پھر اہل بیت نبوی کو خطاب کر کے فرمایا کہ ارادہ رہا یہ ہے کہ وہ تم کو برائی سے پاک اور صاف

اور ستھرا بنائے،

إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ
اللہ ہی چاہتا ہے کہ تم سے ناپاکی کو دور کر دے، اے نبی

أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا (احزاب - ۳)
کے گھر والو! اور تم کو بالکل صاف ستھرا بنا دے،

ظاہر ہے کہ اگر انبیاء علیہم السلام کے ازواج و اولاد کی شرافت کے لیے گناہ اور بدی کی بجااست فعل ہے

تو خود انبیاء علیہم السلام کا کیا ذکر ہے، ایک دوسری آیت میں حضرت عائشہؓ کو تہمت سے بری کر کے اللہ تعالیٰ

نے ارشاد فرمایا،

الْحَبِشَاتُ الْخَبِيثَاتُ وَالْحَبِشَاتُ الْخَبِيثَاتُ
گندیاں، گند زدن کے واسطے، اور گندے، گندیلوں کے

وَالطَّيِّبَاتُ الطَّيِّبَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ الطَّيِّبَاتُ
پیسے، اور ستھرا باریں، ستھروں کے واسطے، اور ستھرے، ستھروں کے

اُولَٰئِكَ مُبَرَّذُونَ مِمَّا قِيلُوا لَكَ (نور-۳) کے واسطے یہ اُن کی تہمت سے پاک ہیں،

یہاں طیب، پاک اور تھرے سے ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ ہے، اور اسی سحر اپن، پاک اور طہارت سے ازواجِ مطہرات کے اخلاقی سحر اپن، پاک اور طہارت پر استدلال کیا گیا ہے، انبیاء و حقیقت مقدسہ اور پیشوا، اور نمونہ بنکر اس دنیا میں بھیجے جاتے ہیں، اسی لیے فرمایا، لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ﴿۱۶﴾ تمہارے لیے خدا کے رسول میں اچھی پیروی ہے، نیز اُن کی اطاعت واجب ہے،

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ (ن-۱-۹) ہم نے کوئی نبی نہیں بھیجا، لیکن اس لیے کہ خدا کے حکم اُس کی اطاعت کیجائے،

اور خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت تصریح ہے، کہ آپ کی پیروی، خدا کا محبوب بننے کا مستحق ٹھہرتی ہے، اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ (آل عمران) اگر تم خدا کو چاہتے ہو تو میری پیروی کرو۔ خدا تم کو چاہیگا، کیا کسی گنہگار اور عصیان کار کی زندگی، پیروی، اتباع اور نمونہ بننے کی صلاحیت رکھتی ہے، تاریکی سے روشنی کبھی نکلی، اور گندگی سے پاکی کبھی پیدا ہوئی، اور گنہگاروں کی دعوت سے کبھی نیکو کاری پھیلی ہے؟ برائیوں اور گنہگاروں کا اصلی سرخشاہ اور منبعِ شیطان، یا انسان کی خود قوتِ بشر ہے، لیکن خدا کے خاص بند اُس کے دامِ فریب سے آزاد ہیں،

اِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ وَّ لَوْ كُنِيَ بِدَبِّكَ وَاَكْبَلًا (اسرائیل-۷) یقیناً میرے بندوں پر تیرا (اسے شیطان) کوئی زور نہیں تیرا پورا دگارا اپنی بندوں کی طرف سے کبھی کر دینے کو ہے،

کیا انبیائے کرام علیہم السلام سے بڑھ کر کوئی بندہ رب ہو سکتا ہے،

انسانوں کی گمراہی اور عصیان کاری، دوسرے شیطانی کا نتیجہ ہوتی ہے خواہ یہ شیطان خود اپنے دل کے اندر (خناس) چھپا ہو، یا انسان اور جن کی صورت میں ہو، ہر ایک کے قہنہ سے اُن کی ذات، پاک اور بلند ہے

آنحضرت صلعم کو بعض خود غرض لوگوں نے بعض مشرور دن میں پھسلانا چاہا، مگر خدا نے پھسلنے نہ دیا، اور فرمایا کہ میری جو رحمت اور مہربانی تجھ پر مبذول ہے، وہ ہر وقت تیری دستگیر ہے، اور گمراہی سے تیری نگہبان ہو اور کتاب الہی اور حکمت و دانائی جو تجھے عطا ہوئی وہ تیری پاسبان ہے،

وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهُ لَهَمَّتْ طَائِفَةٌ مِّنْهُمْ أَنْ يُضِلُّوكَ وَمَا يُضِلُّونَ إِلَّا أَنْفُسَهُمْ وَمَا يَضُرُّوكَ مِنْ شَيْءٍ وَأَنْزَلَ اللَّهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُن تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا ۝۱۰

اور اگر تجھے اللہ کا فضل اور مہربانی نہ ہوتی تو ایک گروہ نے تیرے گمراہ کرنے کا ارادہ کیا تھا، اور وہ گمراہ نہیں کر سکتے، لیکن خود اپنے آپ کو، اور تجھے کچھ بھی نقصان نہ پہنچا سکیں گے اور خدا نے تجھے کتاب اور حکمت اتاری ہے، اور اُس نے وہ سکھایا جو تو نہیں جانتا تھا، اور تجھے خدا کا بڑا فضل ہے،

اور یقیناً موقع و محل کی شہادت سے اس سب سے بڑے فضل سے یہاں مراد عصمت ہی، خود نفس انسانی بھی اپنی جھوٹی تمناؤں، خود غرضانہ آرزوؤں اور خوشنما خیالوں سے لوگوں کو دھوکا دیتا ہے، لیکن انبیاء علیہم السلام اس فریبِ تمنا سے بھی پاک ہیں، بشریت کے اقتضا سے یہ تو ممکن نہیں کہ خود اپنے دشمن، اور جس دعوتِ حق کو بیکروہ آئے ہیں، اس کی جلد از جلد کامیابی اور لوگوں کے بسرعت قبولِ ایمان کے متعلق اُن کے دل میں تمنائیں اور آرزوئیں پیدا ہوتی ہوں، لیکن وہ مصلحتِ الہی کے مطابق نہیں ہوتیں، اس لیے اللہ تعالیٰ اُن خیالات اور تمناؤں کو اُن کے دلوں سے نکال دیتا ہے، اور اپنے فیصلہ کو برجا رکھتا ہے، فرمایا

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ وَلَا نَبِيٍّ إِلَّا إِذَا تَمَنَّى أَلْقَى الشَّيْطَانُ فِي أُمْنِيَّتِهِ فَيَلْهِيهِ اللَّهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطَانُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللَّهُ آيَاتِهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝۱۱

اور ہم نے تجھ سے پہلے کوئی نبی یا رسول نہیں بھیجا، لیکن یہ کہ جب وہ خیال باندھتا ہے، تو شیطان اس کے خیال میں کچھ ملا دیتا ہے، تو خدا شیطانوں کی ملاوٹ کو مٹا دیتا ہے، اور اپنے حکم کو مضبوط کر دیتا ہے، اور خدا غالب اور حکیم ہے، الہی،

اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء کے کرام غلط خیال آرائی کے گناہ سے بھی محفوظ رکھے جاتے ہیں،

آنحضرت صلعم کے متعلق فرمایا گیا،

مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوَىٰ (نجم-۱) (اے سہلانو!) تمہارا صاحب نہ گمراہ ہوا، نہ بھٹکا،

اس عدم گمراہی اور عدم ضلالت کا تعلق کسی خاص عہد اور وقت سے نہیں ہے، بلکہ اس آیت میں آنحضرت صلعم کے ہر عہد سابق اور زمانہ ماضی سے ضلالت اور غویت کی پوری نفی کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ آپ کا دامن سدا ان کاٹھون سے پاک رہا،

بعض شہادت کا ازالہ | قرآن پاک میں بعض ایسے الفاظ ہیں جن سے ایک ظاہر میں کو یہ دھوکا ہو سکتا ہے، کہ بعض پیغمبروں کے دامن پر عدم معصومیت کے بھی دلغ ہیں، مگر علمائے محققین نے ان میں سے ہر ایک شہادہ کا تشفی بخش جواب دیدیا ہے، اور خصوصیت کے ساتھ علامہ ابن حزم اندلسی نے الفصل فی الملل والنحل (جلد چہارم) میں اور قاضی عیاض مالکی نے شفادہ ثلث، باب اول، میں خفاجی نے شرح شفا (جلد چہارم) میں اور متاخر میں ملا دوست محمد کابلی نے تحفۃ الاخلاص فی عصمۃ الانبیاء میں ایک ایک شہادہ کو پوری طرح رد کیا جس سے ظاہر میں کا پردہ آنکھوں کے سامنے سے ہٹ جاتا ہو، اور اصل حقیقت ظاہر ہو جاتی ہے، ان میں سے ہر شہادہ کا ذکر کرنا اور ان کا رد کرنا ایک طویل عمل ہے، مختصر اُصولی طور سے یہ کہا جاسکتا ہے، کہ اس مسئلہ میں جو غلط فہمیاں کسی پیش آتی ہیں، ان کے دو اسباب ہیں، اور ان اسباب کی تشریح کر دینا ہی اون غلط فہمیوں کو دور کر دینا ہو۔

۱۔ سب سے پہلی بات یہ ذہن نشین کر لینی چاہئے، کہ انبیاء علیہم السلام کا پایہ بندوں میں بلکہ تمام مخلوقات میں خواہ کسی قدر بلند ہو، اور ان کا دامن گناہ و عصیان کے گرد و غبار سے کتنا ہی پاک ہو، تاہم اوس فوج و الجلال والا کرام کے سامنے ان کی حیثیت ایک عبد، ایک بندہ، اور ایک عاجز مخلوق ہی کی ہے، ایک عبد غلام خواہ کسی قدر اطاعت کیش، کتنا ہی وقار شعار، اور مطیع و فرمانبردار ہو، تاہم اپنے آقا کے سامنے اوسکو اپنے قصور کا مستحق، اپنی تقصیر کا مقصر، اپنی کوتاہیوں پر نچل، اور اپنی فروگزاشتوں پر نادام ہی ہونا چاہیے ہی لہٰذا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نیکی اور پاکی کی شہادت سے قرآن بھرا ہوا ہے، وہ خدا کی عظمت و جلال اور اس کی رحمت و شفقت کے ذکر

میں فرماتے ہیں،

وَالَّذِي جَمَعَ لِي بِعَسْفَرِي خَطِيئَتِي يَوْمَ الدِّينِ
اور وہ خدا جس سے جزائے دن اپنی بھول چوک کی معافی کی

(شعراء-۵) پوری اُمید رکھتا ہوں،

نبی کا یہ اعتراف و اقرار اور خجالت و مذمت، اُس کا نقص نہیں، بلکہ اُس کی بندگی اور عبودیت کا کمال ہے اور آقا کو حق پہنچتا ہے کہ اُس کے غلام، اطاعت و فرمانبرداری کے جس حیرت انگیز رتبہ تک بھی پہنچے ہیں، وہ اُن سے اطاعت کیشی، اور وفا شعار سی کے اُس سے بھی بلند رتبہ کا مطالبہ کرے، کہ اُس کے دربار میں اُن کے عروج و ترقی کی کڑسی اور بھی اونچی ہوتی جائے، بعض ایتوں میں اگر کسی پیغمبر کو خدا سے مغفرت مانگنے کی ہدایت کی گئی ہو تو اُس کا سبب گناہ کا وجود نہیں، بلکہ ہر قدم پر گزشتہ رتبہ اطاعت پر قناعت کر لینے پر تنبیہ اور مزید اطاعت کا مطالبہ ہے، تاکہ وہ اُس کے مزید تقرب کا ذریعہ بن سکے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہوتا ہے،

إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ وَرَأَيْتَ النَّاسَ

يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا فَسَبِّحْ بِحَمْدِ

رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْ لَهُ إِنَّكَ كَانَ تَوَّابًا (فتح)

غور کرو کہ خدائی مدد آنا، فتح ہونا، بُت پرستی کی بجائے، اور لوگوں کا مسلمان ہو جانا کوئی جرم ہے جس سے

کوئی معافی چاہے، اسی طرح سورہ فتح میں فرمایا،

إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُبِينًا لِّئَلْغِفْرِكَ لَئِنَّ اللَّهَ

تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَوَاتَّخَذَ وَبَيْتَهُمْ نَصْرًا

عَلَيْكَ وَيَعِدُكَ بِصِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ وَلِيُخْرِجَكَ

اللَّهُ نَصْرًا عَظِيمًا (فتح-۱)

دوبارہ غور کرو کہ مکہ کی فتح کامل نصیب ہونے کو حضور کی معافی سے بجز اس کے کیا تعلق ہے، کہ اللہ تعالیٰ

اپنے بندہ کے حق خدمت کو قبول فرما کر اپنی خوشنودی کا اظہار فرماتا ہے،

اس استغفار سے مقصود نعوذ باللہ پیغمبر کی گنہگاری کا ثبوت نہیں، بلکہ اُس کی عبادتِ کاملہ کا اظہار ہے،
حضرت عیسیٰ علیہ السلام، جن کے خدا کے بیٹے ہونے کے عیسائی اور فرشتے، جن کی خدا کی بیٹیاں ہونے کے
اہل عرب قائل تھے، اور ان کو خدا کا درجہ دیتے تھے، اُن کے متعلق قرآن نے کہا،

لَنْ يَسْتَنْكِفَ الْمُسِيءُ أَنْ يَكُونَ عَبْدًا لِلَّهِ وَلَا
الْمَلِئِكَةُ الْمُقَرَّبُونَ وَمَنْ يَسْتَنْكِفْ عَنْ
عِبَادَتِهِ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْمِلْ غُرْمَهُ الَّذِي هُمْ أَعْيَاءٌ عَلَيْهِ

سیخ کو ہرگز اس سے عار نہ آئیگا کہ وہ خدا کا بندہ ہوا، اور نہ
مقرب فرشتوں کو اور جو اُس کی بندگی سے عار کر گیا، اور
بڑائی چاہیگا، تو خدا ان سب کو اپنے پاس اکٹھا کر گیا،

اس سے مقصود نعوذ باللہ حضرت عیسیٰ کی توہین نہیں، بلکہ اُنکی عبادت اور بندگی کا اعلان ہے،

الغرض انبیاء کا خدا کے حضور میں اپنی کوتاہی کا اعتراف، اُن کی گنہگاری کا ثبوت نہیں، بلکہ اُن کی عبادت
کا ملہ کا اظہار ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کا کسی پیغمبر کی نسبت یہ فرمانا کہ میں نے تجھے معاف کیا، اوس کی گنہگاری کا اعلان
نہیں، بلکہ اپنی پسندیدگی، رضا، اور قبولِ تام کی بشارت ہے، سورہ فتح کی جو آیتیں اوپر گزر چکی ہیں، اُن کو پڑھو، تو ظاہر
ہوگا کہ چونکہ بیت برستی کی آلائش سے مکہ کی تطہیر اور کل جزیرہ عرب میں حق و باطل کی تیز مکہ کی فیصلہ کن فتح پر موقوف
تھی، جب وہ پیغمبر علیہ السلام اور مسلمانوں کی مسلسل کوششوں اور جانفروشیوں سے حاصل ہوئی تو خدا نے اعلان
فرمایا کہ آج اس فتح سے نبوت کے فرض کی، اور تجھ پر میرے سلسلہ احسانات کی تکمیل ہوئی، پھر خدا آپ سے صراطِ مستقیم
کی طرف ہدایت کا اور اپنی زبردست مدد کا وعدہ کرتا ہے، حالانکہ ان میں سے ہر چیز آپ کو پہلے ہی عنایت ہو چکی
تھی، کیا فتح مکہ سے پہلے آپ صراطِ مستقیم یعنی اسلام پر نہ تھے، یا آپ کو زبردست مدد نہیں مل چکی تھی، یہ سب مرتبہ حاصل
تھے، مگر ان باتوں کے یہاں ذکر سے اللہ تعالیٰ کا مقصود یہ ہے کہ وہ اس موقع پر اس طرح اپنی مزید رضامندی کا اظہار
فرمائے، اور رسول کی اگلی پچھلی تمام فروگزاشتوں پر (اگر ہوں) خطِ عفو پھیرنے کا اعلان کر کے ان کو نیا خلعتِ فاخرہ
عطا، اور نئے مراتبِ جلیلہ عنایت کرے،

عبدیت کامل کا یہی راز دنیا ہے، جو حضرت مسیح کے اس فقرہ میں نمایاں ہے، ایک سرداران کو "اے نیک شاہ" کہہ کر خطاب کرتا ہے، اُس کے جواب میں وہ فرماتے ہیں،

"تو کیوں مجھ کو نیک کہتا ہے؟ کوئی نیک نہیں، مگر ایک یعنی خدا" (لوقا ۱۸-۱۹)

حضرت مسیح کے اس فقرہ سے کسی کا یہ قیاس کرنا کہ وہ نیک نہ تھے، کس قدر غلط ہوگا، اسی طرح حضرت عیسیٰ کا اپنی مشہور دعا میں یہ کہنا، کہ

"اور جس طرح تم اپنے فرستادوں کو بخشتے ہیں، تو اپنے دین ہم کو بخندے" (متی ۶-۱۲)

اُن کی گنگاری کی دلیل نہیں، بلکہ عبدیت کاملہ کے اظہار کا ثبوت ہے،

مکملہ عربی زبان میں گناہ کے لیے مختلف الفاظ ہیں، مثلاً ذنب، اثم، جرم، وغیرہ، ان میں سے ذنب کے سوا دوسرے الفاظ کا اطلاق اُس حقیقی گناہ پر کیا جاتا ہے، جو بال قصد اور جان بوجھ کر کیا جائے، لیکن ذنب کا اطلاق ہر غلط فعل پر ہوتا ہے، خواہ وہ جان بوجھ کر کیا جائے، یا بظن جانے، غلط فہمی سے ہو، یا سوچ سمجھ کر بھول چوک سے ہو، یا قصداً، اور اُن کاموں پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے، جو درحقیقت عام امت کے لیے گناہ نہیں، لیکن انہما کے حق میں اتنی غفلت بھی مواخذہ کے قابل ہے، اسی معنی میں کہا گیا ہے، کہ خُصَاتُ الْاَبْرَارِ سَيِّئَاتُ الْمُقَرَّبِينَ، رَنُیُونَ کِی نِکِیَان، مَقَرَّبِیْن کِی بُرَیْیَان (ہین ع)

جن کے رتبے میں سوا اُن کو سوا شل ہو

انبیاء علیہم السلام کے استغفار کے موقع پر ہمیشہ ذنب کا لفظ استعمال ہوا ہے، جرم، اثم یا جنت کا نہیں، ذنب کا لفظ بھول چوک اور غفلت سے لیکر عصیان تک کو شامل ہے، اس لیے کسی نبی کو اگر خدا کی طرف

لے اس فرق کو عام غفلت نویسون نے ملحوظ نہیں رکھا، مگر جن علماء نے غفلت سے الفاظ کے فرق پر کتنا بھرپور کلمی ہیں انہوں نے اس کی تصریح کی ہو، ہم یہاں پر بیروت کے مشہور عیسائی لغت نویس ادیب، الاب، ہرنکوس لانس کی کتاب فرائد اللغز فی الفروق کی عبارت نقل کرتے ہیں، الاثم الذنب الذی یستحق العقاب علیہ ولا یصفت بہ الا بالجور، و بین الاثم والذنب فرق من حیث ان الذنب سطلق الجرم علیہ کان او سوا، بخلاف الاثم فانه ما یستحق فاعلہ العقاب، یختص بما یکون علی، والجنس ابلغ من الذنب، لان الذنب یطلق علی الصغیر والجنس علی الکبیر، والجنس مطلق الا علی الذنب الخلیط، (صفحہ ۹۷۹) مطلبہ کا ٹولیکہ، ۱۸۸۹ء

سے استغفار و توبہ کی ہدایت کی گئی تو اُس کے معنی صریح عصیان و گناہ کے نہیں، بلکہ یہی انسانی بھول چوک اور فروگزاشت ہے، جس کی اصلاح و توبہ اللہ تعالیٰ اپنے رحم و کرم اور لطف و عنایت سے فرماتا رہتا ہے، اور اسی کیلئے استغفار کا حکم اُن کو ہوتا رہتا ہے،

اسی سے ایک اور نکتہ کی طرف اشارہ ہوتا ہے، کہ بھول چوک، اور بلا ارادہ غفلت، گواہ امت کے حق میں قابلِ مواخذہ نہیں، مگر انبیاء علیہم السلام کے بلند مرتبہ کے لحاظ سے یہ چیزیں بھی گرفت میں آتی ہیں، کیونکہ ان کا قول و فعل شریعت بن جاتا ہے، اس لیے شریعت کی حفاظت کے لیے اُن کے ہر قول و فعل کی حفاظت بھی ضروری ہے، اس بنا پر اگر اُن سے احیاناً کوئی ایسی بات ہو جاتی ہے، تو فوراً اس پر تنبیہ کی جاتی ہے، اور ان کو ہتیار کر دیا جاتا ہے، اور اسی کیساتھ اُن کی یہ چیز معاف کر کے اُن کو بشارت سنادی جاتی ہے، اور اس طرح ہر چھوٹے بڑے، دانستہ اور نادانستہ تمام گناہوں سے اُن کا دامن پاک و صاف رکھا جاتا ہے،

فَتَلَقَّى آدَمُ مِنْ رَبِّهِ كَلِمَاتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ (تہ-۴۰) تو آدم نے اپنے رب سے چند باتیں سیکھ لیں تو وہ اس کی طرف رجوع ہوا

ثُمَّ اجْتَنَبَهُ رَبُّهُ فَتَابَ عَلَيْهِ (طہ-۷) پھر خدا نے آدم کو برگزیدہ کیا، پھر اس کی طرف رجوع ہوا،

لَقَدْ تَابَ اللَّهُ عَلَى النَّبِيِّ (توبہ-۱۳) یقیناً اللہ نبی کی طرف رجوع ہوا،

فَاسْتَجَبْنَا لَهُ وَتَجَنَّبَهُ مِنَ النَّارِ (انبیاء-۹۰) پھر ہم نے یونس کی دعا قبول کی، اور اس کو غم سے رہائی دی

لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا

تَأَخَّرَ، (فتح-۱)

کابل اور عام عفو و مغفرت کا یہ مرتبہ بلند خود بندہ کی زندگی میں، انبیاء کے سوا کسی دوسرے کو نصیب نہیں

۲۔ انبیاء کی معصومیت کے مسئلہ میں غلط فہمی کا دوسرا سبب یہ ہے، کہ انبیاء کی قبل از نبوت اور بعد از نبوت

زندگیوں میں، قوت اور فعل کا جو فرق ہے، اُس کو ملحوظ نہیں رکھا جاتا، علم اور جہل، ضلالت اور ہدایت، اضافی

الفاظ میں سے ہیں، علم کی ہر حد کو علم کے مافوق درجہ کے لحاظ سے جہل اور ہدایت کے بلند سے بلند مرتبہ کو اُس سے

بھی اوپر کے مرتبہ کے لحاظ سے ضلالت کہہ سکتے ہیں،

انبیاء علیہم السلام کی قبل از نبوت اور بعد از نبوت زندگیوں میں قوت اور فعلیت کا فرق ہے جس طرح تخم بین
تام برگ و بار پوشیدہ ہوتا ہے، لیکن وہ اس وقت درخت نہیں ہوتا، اور نہ اُس میں تنہا شاخیں، پتے، پھول اور
پھل ہوتے ہیں، اور نہ اُس کا عالم پناہ سایہ ہوتا ہے، لیکن ایک وقت آتا ہے، جب وہی تخم بڑھ کر ایک نیا درخت
بنجاتا ہے، اُس کے پتے انگھون میں ہریالی پیدا کرتے ہیں، اُس کے پھول شام جان کو معطر کرتے ہیں، اُس کے
پھل کام و دہن میں شہد پکاتے ہیں، اُس کے سایہ میں تھکے ماندے مسافر آرام پاتے ہیں، اسی طرح نبوت کی بقا
اور لاحقہ زندگیوں میں عظیم الشان فرق ہے، اور اسی فرق کی بنا پر اُس کی قبل از نبوت زندگی، ظہور نبوت کے بغیر
تاریکی، اور ضلالت، اور بعد کی زندگی نور اور ہدایت معلوم ہوتی ہے، جس طرح عام افراد کی زندگی اسلام و ایمان
کے بغیر، ضلالت اور اسلام و ایمان کے بعد ہدایت بنجاتی ہے، اسی طرح انبیاء کی زندگی اُن کی نظر میں نبوت کے بغیر
ضلالت اور نبوت کے بعد ہدایت ہوتی ہے، غرض یہ ہے کہ ظہور نبوت سے پہلے کا زمانہ اُن کی ضلالت کا، اور
بعد کا زمانہ اُن کی ہدایت کا عہد کہلاتا ہے، لیکن ضلالت اور ہدایت کا یہ مفہوم اس مفہوم سے بالکل مختلف ہے،
جو غیر انبیاء کے حق میں مستعمل ہے، اللہ تعالیٰ جہاں آنحضرت صلیع پر اپنے احسانات گناتا ہے فرماتا ہے،

اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَآوَىٰ، وَوَجَدَكَ ضَلٰلًا ۝۱۱

فَصَدَّاهُ، وَوَجَدَكَ عَابِلًا ۝۱۲ فَاعْتَنَىٰ رَحْمٰتِي ۝۱۳

سطور بالا سے ظاہر ہے کہ یہاں ہدایت سے نبوت، اور ضلالت سے قبل نبوت کی زندگی مراد ہے جو نبوت
کے بعد کی زندگی کے مقابلہ میں نسبتہ ضلالت ہی ہے،

”ضلالت“ کے معنی عربی میں صرف صریح گمراہی ہی کے نہیں، بلکہ نادانستہ بھولنے، بھٹکنے، اور غفلت کرنے
کے بھی ہیں، عورتوں کی شہادت کے موقع پر ہے،

اَنْ تَصِلَ اِحْدَاھُمْ فَاَنْتُمْ كَرَّ اِحْدٰھُمْ اَلْاٰخِرٰی ۝۱۴

ایک اور آیت میں علم الہی کی تعریف میں ہے،

لَا يُضِلُّ رَبِّي وَلَا يَلْتُمِي (طہ ۲۰)

نہ چوکتا ہے میرا رب نہ بھولتا ہے،

ان آیتوں میں لفظ ضلالت کا استعمال بتاتا ہے کہ فضائل کے معنی عربی زبان اور محاورہ قرآن میں صرف گمراہ کے نہیں بلکہ بھول چوک کے بھی ہیں اسی طرح اُس حالت کے بھی ہیں جن میں گمراہی کو گمراہی معلوم ہوتی ہے، لیکن ہنوز ہدایت الہی کا نور اُس کے سامنے نہیں چمکا، غلطی کا احساس ہوتا ہے، مگر اوس غلطی کی جگہ ہنوز صحت نظر نہیں آتی ہے، جہل کی برائی تو معلوم ہو گئی ہے، مگر ہنوز علم کا دروازہ نہیں کھلا ہے، اور یہی قبل نبوت کی کیفیت ہوتی ہے، حضرت موسیٰؑ نے اپنی نبوت سے پہلے ایک تم شعا قبطی کو گھونسا مارا تھا، جس کے صدمہ سے وہ اتفاقیہ مر گیا تھا، نبوت پاکر جب وہ لوٹے تو فرعون نے اُن کو طعنے دیا، کہ تم تو میرے فراری مجرم ہو، حضرت موسیٰؑ نے جواب دیا،

فَعَلْتُهَا إِذْ أَوَّأْنَا مِنَ الضَّالِّينَ (شعراء ۲۰)

میں نے اُس حالت میں کیا تھا، کہ میں چوکنے والوں میں تھا

اس چوک اور ضلالت سے مقصد صرف یہی ہے، کہ اُس وقت میں نبوت کی عزت سے سرفراز نہ تھا، ورنہ ظاہر ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے نبوت سے پہلے کوئی گمراہی کی بات نہیں کی تھی نہ بُت کو پوجا تھا، نہ فرعون کو سجدہ کیا تھا، نہ کوئی اور شرک کیا تھا، کسی کے ظمانہ سے اتفاقیہ کسی کمزور کا مرجانا، مارنے والے کا کوئی بالقصد گناہ نہیں، جس کو ضلالت کہیں، اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت موسیٰؑ کا اپنے کو اس وقت ضال کہنے سے مراد نبوت سے سابقہ زندگی ہے، اس قبل نبوت کی زندگی کو بعد نبوت کی زندگی کے لحاظ سے جسے یہاں "ضلالت" کہا گیا ہے، دوسری جگہ اس کو "غفلت" (بیخبری) سے بھی تعبیر کیا گیا ہے، حضرت یوسفؑ کے قصہ میں آپ کو خطاب ہے،

لَقَدْ نَقَصُ عَلَيْكَ أَحْسَنَ الْقَصَصِ بِأَوْحَيْنَا

إِلَيْكَ هَذَا الْقُرْآنَ وَإِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهِ

لَمِنَ الْغَافِلِينَ (یوسف ۱)

ہم تجھے بہترین قصہ سناتا ہیں، کیونکہ ہم نے تیری طرف

یہ قرآن اتارا، اگرچہ اس قرآن کی وحی سے پہلے تو

بے خبروں میں تھا، (یوسف ۱)

اس ”بخیری“ کے عالم کی تفسیر دوسری آیت میں ہے، جس میں پیغمبر کی قبل از نبوت اور بعد از نبوت کی زندگی کا فرق ظاہر فرما دیا ہے،

وَكُنَّا لَكَ اَوْحٰیًا اِلٰیكَ رُوحًا مِّنْ اَمْرِنَا
اور اسی طرح ہم نے اپنے (خلوت خانہ) راز سے ایک
مَا كُنْتَ تَدْرِیْ ۚ اَلْكِتٰبُ وَلَا الْاٰیٰمَاتُ
روح تیری طرف وحی کی، تو نہیں جانتا تھا، کہ کتاب
وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا اِهْدٰی بِہٖ مَنْ نَّشَآءُ
کیا ہے، اور نہ ایمان، لیکن ہم نے اُس کو نور بنا دیا،
مِنْ عِبَادِنَا ۚ وَاِنَّكَ لَتَهْدِیْ اِلٰی صِرَاطٍ
جس سے جس کی چاہتے ہیں، اپنے بندوں میں سے ہم
مُسْتَقِیْمٍ، (شوریہ - ۵)

کتاب ”ایمان“ کے نور و ہدایت ملنے سے پہلے کی یہی وہ کیفیت و حالت ہے، جس کو کہیں ضلالت اور کہیں غفلت کہا گیا، اس سے مقصود حقیقی گنہگاری، عصیان کاری، اور باطنی گمراہی نہیں ہے، بلکہ طلبِ حق، تلاشِ معرفت، اور انتظارِ حقیقت ہے، کہ وہی اُن کے حق میں ضلالت اور غفلت کا حکم رکھتا، آخر وہ وقت آتا ہے، جب روشنی چمکتی ہے، روحانی سکون کا چشمہ بہتا ہے، اور منزلِ رسی کے بعد دوسروں کی رہنمائی کا منصب عطا ہوتا ہے، یہ ہدایت کا دور ہے، چنانچہ ایک موقع پر انبیاء کے نبوت ملنے کو ہدایت کے لفظ سے ادا فرمایا گیا ہے،

وَوَهَبْنَا لَہٗ اِسْمٰحٰنَ وَاٰیٰتٍ مُّبٰرَکٰتٍ
اور ہم نے ابراہیم کو اسمحاق اور یعقوب بخشا، اور اُن میں
وَلَوْ جَآءَہٗدِنَا مِنْ قَبْلُ (انعام)

اس ہدایت دینے سے اگر نبوت عطا کرنا مراد ہے، تو ظاہر ہے کہ عدم نبوت کا عہد ”ضلالت“ ہی کہلائے گا، مگر اس سے مقصد صرف وہ حالت ہوگی، جہاں اُن کو ہنوز نبوت نہیں ملی تھی، اور اس مرتبہ بلند کا انتظار تھا، اس تشریح سے یہ واضح ہو گیا کہ انبیاء کے حق میں ضلالت سے مقصود گنہگاری، عصیان کاری اور گمراہی نہیں، بلکہ عدم نبوت کا دور، اور رسالت کی زندگی سے پہلے کا عہد ہے، جو نبوت و رسالت کی ہدایت کے مقابل

میں نسبت ضلالت ہے،

نبی کی بشریت | نبی کی مصونیت اور اُس کے دوسرے مقدس خصوصیات کے باوجود اسلام کی تعلیم یہی ہے کہ نبی خدا کا مخلوق خدا کا بندہ اور آدمی ہی ہوتا ہے، وہ خدا، خدا کا اوتار، دیوتا یا فرشتہ نہیں ہوتا، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ مسئلہ اُن مسائل میں سے ہے، جن کی اصل حقیقت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے افراد و تقریبات کی تاریکی میں گم تھی، اور آپ کے فیض تعلیم سے وہ روشن ہوئی، اسلام سے پہلے یہودیوں کی طرح ایسے اہل مذہب بھی تھے، جو پیغمبر دن کو ایک پیشنگوئی کی صفت کے علاوہ ہر چیز سے متولی انسان سمجھتے تھے، وہ ہر قسم کے گناہ بھی کرتے تھے، وہ بظاہر کے بھی مرتکب ہوتے تھے، وہ کفر بھی کرتے تھے، تاہم وہ پیغمبر بھی جاسکتے تھے، دوسری طرف عیسائی بھی تھے، جو اپنے "نجات دہندہ" کو انسانیت سے پاک، خود خدا، یا خدا کا جز یا "نا سوت و لا ہوت" کا ایک مجموعہ سمجھتے تھے، اور ہندو بھی تھے، جو اپنے رہنماؤں کو دیوتا، اور اوتار، یعنی مجسم خدا، یا انسان کے بھیس میں خدا سمجھتے تھے، اور جن کو ہر قسم کی خدائی طاقتوں کا حامل سمجھتے تھے، اسلام نے اپنی تعلیم ان دونوں کے وسط میں پیش کی، وہ ایک طرف رسولوں کو مخلوق مخلص، صرف انسان اور پورا بندہ اور خدا کے حکم کے سامنے عاجز و رماندہ تسلیم کرتا ہے، لیکن دوسری طرف وہ اُن کو خدا کا برگزیدہ موصوفہ نیک، اور خدا کی قدرت سے فیض پاکر برکتوں، سعادتوں، اور ہدایتوں کا مرکز، اور اس کی اجازت سے عجیب و غریب امور صادر کرنے والا، بتاتا ہے، اور بے اعتدالی کے اُن دونوں خیالات کی جو غلط فہمی پر مبنی ہیں، علانیہ تردید کرتا ہے، اہل عرب بھی ہندو، یونانیوں، اور عیسائیوں کی طرح یہ سمجھتے تھے، کہ انسان کی رہنمائی کے لیے خود انسان نہیں بلکہ انسان سے مافوق ہستی ہونی چاہیے، اور وہ ہستی صرف فرشتوں کی ہے، قرآن نے اُن کے اس خیال کی باہر یازگذیب کی ہے، اور کہا ہے کہ اگر زمین میں فرشتے آباد ہوتے، تو فرشتہ کو اُن کے پاس رسول بنا کر بھیجا جاتا، اور انسانوں میں فرشتہ بھی آتا تو انسانیت ہی کے پیکر میں آتا، تو ایسی حالت میں تم اس فرشتہ کو فرشتہ کہہ مانتے، حقیقت یہ ہے کہ پیغمبرین کے دورِ رخ ہوتے ہیں، ایک طرف تو وہ بشریت کے جامہ میں ہوتے ہیں، اور انسانوں ہی کی طرح کھاتے، پیتے، چلتے، پھرتے، سوتے جاگتے، شادی بیاہ کرتے اور پیدا ہوتے اور مرتے ہیں، ان کو

طرت وہ اپنی روحانیت، بے گناہی، پاکدامنی، اور اختصاص نبوت میں انسانوں سے بلند ترین، یہودیوں کی طرح جن کی نظر ان کے انسانی رُخ پر پڑتی ہے، وہ ان کو ہر طرح معمولی انسان سمجھتے ہیں، اور عیسائیوں کی طرح جنکی نظر ان کے فوق انسانی خصائص پر پڑتی ہے، وہ ان میں الوہیت کے اوصاف ثابت کرنے لگتے ہیں حالانکہ حق ان دونوں کے بیچ میں ہے، وہ اپنے بشری اوصاف کے لحاظ سے بلاشبہ انسان ہوتے ہیں، لیکن اسی کے ساتھ وہ اپنی فوق بشری خصوصیات کی بنا پر فوق البشر ہوتے ہیں، یہی مغالطہ اپنے اپنے پیغمبروں کے متعلق کفار کو ہوتا تھا، پیغمبروں کے سامنے جب اپنی نبوت اور خدا کی طرف سے آنے کا دعویٰ پیش کرتے تھے، تو وہ ان کی بشری خصوصیتوں کو دیکھ کر کہتے تھے، کہ تم تو ہماری ہی طرح آدمی ہو، تم خدا کے قاصد اور پیامبر کیسے ہو سکتے ہو، چنانچہ کفار نے بار بار پیغمبروں کو کہا،

اَبَعَثَ اللّٰهُ نَبِيًّا رَّسُوْلًا (اسرائیل۔۱۰) کیا خدا نے بشر کو قاصد (رسول) بنا کر بھیجا،

وہ بشریت کو رسالت کے منافی سمجھتے تھے، اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں فرمایا،

هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا مِّثْرًا (اسرائیل۔۱۱) میں تو نہیں ہوں مگر انسان رسول،

ان کو شبہ تھا، کہ کیا گمراہ انسانوں کو، انسان ہی رہنمائی کر سکتا ہو،

اَلْبَشَرُ يَهْدِيْ وَنُنَّا (تقابن۔۱) کیا انسان ہماری رہنمائی کریں گے،

یہ وہی شبہ تھا، جس میں پھنک کر عیسائی حضرت عیسیٰ کی انسانیت سے منکر ہوئے، کہ موروٹی گنہگار انسان کو انسان کا بیٹا کیونکر نجات دے سکتا ہے، اور یہ نہیں سمجھے کہ انسان موروٹی گنہگار نہیں، بلکہ وہ گنہگار بھی ہو سکتا ہو اور بے گناہ بھی، بے گناہی اور معصومیت کے لیے انسانیت سے پاک ہونا ضرور نہیں، یہی بات اور کفار کی سمجھ میں بھی نہیں آتی تھی، اور انہی کو ظاہری اور جسمانی طور سے اپنی ہی طرح انسان سمجھ کر، ان کو نبوت کا مستحق نہیں سمجھتے تھے، اور کہتے تھے،

اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا (ابراہیم۔۱۰) تم تو نہیں ہو لیکن ہماری ہی طرح ایک بشر۔

دوسروں کو نبی کے انکار کرنے پر اس طرح آمادہ کرتے تھے کہ

هَلْ هَذَا إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ (انبیاء-۱) نہیں ہے یہ لیکن تمہاری ہی طرح بشر

مَا هَذَا إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ (مومنین-۲) نہیں ہے یہ لیکن تمہاری ہی طرح بشر

انبیاء کے سامنے وہ یہی دلیل پیش کرتے تھے،

مَا أَنْتَ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا (شعراء-۸) تم تو ہماری ہی طرح بشر ہو

مَا أَنْتُمْ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا (یسین) تم لوگ تو ہماری ہی طرح بشر ہو

اور وہ اپنے اس دعویٰ کی صداقت کو ہدایت اور مشاہدہ سے ثابت کرتے تھے،

مَا تَذَكَّرُ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا (ہود-۳) ہم تو تم کو اپنی ہی طرح بشر دیکھتے ہیں،

انبیاء علیہم السلام نے ہمیشہ یہی جواب دیا کہ ہاں تمہاری ہی طرح ہم بشر ہیں، لیکن خدا کے فضل و کرم سے

سرافراز ہیں، اور یہی تم میں اور ہم میں فرق ہو فرمایا،

قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ إِنْ نَحْنُ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ اَوَلَمْ يَكُنْ لَكُمْ رَسُولٌ لَّهُمْ اَوَلَمْ يَكُنْ لَكُمْ بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ اَوَلَمْ يَكُنْ لَكُمْ رَسُولٌ لَّهُمْ اَوَلَمْ يَكُنْ لَكُمْ بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ

وَلَكِنَّ اللَّهَ يُصَوِّتُ عَلَى مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ لَا يَسْمَعُونَ (ہود-۳۱) اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے احسان کرتا ہے،

ان کفار کی نظر صرف ان کے ایک رُخ یعنی عام انسانی پہلو پر پڑتی تھی، انبیاء نے جواب میں اس پہلو کے

ساتھ اپنے دوسرے رُخ کو بھی ان کے سامنے پیش کر دیا، اور کہا کہ ہاں ہم انسان ہیں لیکن ایسے انسان جو پروردگار

کے فضل و کرم کی بارش ہے، یعنی نبوت سے سرافراز اور اسکی خصوصیتوں سے ممتاز ہیں

دوسرے نبیوں کی طرح ختم المرسلین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہ بار بار ارشاد فرمایا، بلکہ وحی الہی نے آپ کی

زبان سے یہ اعلان کر دیا کہ مکہ و مکین تو تمہاری ہی طرح ایک آدمی اور بشر ہوں، اس اعلان نے جو حقیقت

اُس غلط عقیدہ کے مٹانے کے لیے تھا، جو انبیاء کی شان الوہیت کے متعلق عیسائیوں کے اثر سے لوگوں میں پھیل

گیا تھا، اور افسوس ہو کہ اس قسم کا غلط خیال اُس نبی کی امت کے ایک گروہ میں بھی پایا جاتا ہے، جو دنیا میں خدا کی

توحید کامل کا مبلغ بکرایا تھا، دوسری طرف اس اعلان سے ایک تقریباً پسند گوہ نے یہ نتیجہ نکالا، کہ پیغمبر اور عام انسانوں میں کوئی فرق اور امتیاز نہیں، اور نہ پیغمبروں کو عام انسانوں پر کوئی بلندی و برتری حاصل ہے، الایہ کہ پیغمبروں پر وحی آتی رہتی ہے، اور عام انسان اس سے محروم ہیں، گویا اس کا منشا یہ ہے، کہ پیغمبر صرف اُس لمحہ اور اُن میں منصب نبوت کا امتیاز پاتا ہے جب اُس پر کسی قسم کی وحی نازل ہوتی ہے، اور اُس کے پہلے اور اُس کے بعد وہ عام انسان ہوتا ہے، اس سے آگے بڑھ کر اسی لیے ایک اور مختصر سے فرقہ نے یہ دعویٰ کیا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغمبرانہ حکم صرف وہی ہے، جو وحی قرآنی کی صورت میں آیا، اس کے علاوہ آپ کے تمام احکام جو قرآن سے باہر ہیں، وہ صرف حاکمانہ اور انتظامی امور ہیں، جنگی پیروی کرنا نہ اسلامی شریعت ہے، نہ اسلام کا جز ہے، یہ خیالات حقیقت میں دوسرے مغرطانہ فرقہ کے مقابلہ میں تقریباً نہ ہیں، اور دونوں اعتدال کی حد سے باہر اور حقیقت اُن کے بیچ میں ہے،

قرآن پاک میں تین جگہ وہ آیتیں ہیں، جنہیں خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت کا اعلان ہے، مگر ہر جگہ توحید کامل کے بیان اور خدا کے مقابلہ میں رسولوں کی عبادت کی تشریح اور اس عقیدہ باطل کی تردید میں ہے، کہ رسولوں کے ہاتھوں میں یہ قوت ہونی چاہیے کہ وہ خدا سے زبردستی کسی بات کو منوالین اور سعی و سفارش کر کے تصور معاف کرادیں، قرآن کی تعلیم یہ ہے کہ اُن کو جو کچھ حاصل ہے، وہ خدائے تعالیٰ کی اجازت، اذن اور عطا ہے، سورہ کہف میں اُن مشرکوں کا ذکر ہے، جو خدا کے بندوں کو خدا کا شریک ٹھہراتے ہیں،

اَفَحَسِبَ الَّذِينَ كَفَرُوا اَنْ يَتَّخِذُوا عِبَادِي مِنْ
دُوْنِي اَوْلِيَاءَ مَا اَنْتَ اَعْتَدُ لَنَا بِحَقِّهِمْ لَكُفْرِهِمْ
نُزُلًا (کہف - ۱۲)

کیا وہ جنہوں نے کفر کیا، یہ سمجھے ہیں، کہ وہ میرے بندوں کے
اور فرشتوں کو (میرے سوا اپنا حمایتی بنائیں گے ہم نے ان
کافروں کے لیے جہنم تیار کی ہے)

قرآن اس خیال کو کفر قرار دیتا ہے، یہ رکوع کا شروع ہے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے غیر محدود و اوستا و کمالات کا ذکر ہے، پھر ارشاد ہے،

قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحِي اِلَيَّ الْوَحْيُ
اللہ سے کہ میں تو تمھاری ہی طرح ایک بشر ہوں، مجھ پر وحی

کیجاتی ہے، کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہی،

إِلَهُ وَاحِدٌ، (آیت ۱۲۰)

دوسری جگہ یہی تعلیم بعینہ سورہ حم السجدہ (فضلت) میں ہے،

قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُدْعَىٰ إِلَى الْغِيَاثِ إِلَهِكُمْ إِنَّمَا إِلَهُكُمُ اللَّهُ وَاحِدٌ ۖ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ ۖ إِنَّكَ فِی الْغِيَاثِ ۚ

کہ تمہارا معبود ایک ہی ہے، انکی طرف سیدھے ہو، اور اس پر

وَوَيْلٌ لِلْمُصَلِّينَ ۖ إِذَا سَأَلَكَ رَبُّهُنَّ أُمُورًا ۖ لَمْ يَحْضُرُوا ۖ وَلَهُنَّ أُمُورٌ مِّنْ دُونِهَا ۚ فَسَبِّحْ لَهُنَّ وَالْمَلَائِكَةُ بِأَعْيُنِنَ ۚ ذَٰلِكُمْ لِيَذَرَ الْبَاطِلَ ۚ (سجۃ ۱۰۷)

اس آیت کا منشا بھی یہی ہے، کہ خدا تعالیٰ کے مقابلہ میں سول اُسی طرح ایک بندہ ہے، جس طرح خدا کے دوسرے بندے، دعائیں خدا ہی سے مانگنی چاہئیں اور اسی سے اپنے گناہوں کی معافی کی درخواست کرنی چاہیے، یہ اختیارات خاص خدا کے ہیں، بندوں کے نہیں، اس تعلیم سے مقصود حقیقت میں عیسائیوں کے مسئلہ کفارہ اور ان کے اس عقیدہ کی تردید ہے کہ گناہوں کا معاف کرنا حضرت عیسیٰ کے اختیار میں ہوگا، اور مسلمانوں کو اپنے رسول کی نسبت اس قسم کی باطل عقیدہ مندوں سے بچانا ہے، چنانچہ تیسری جگہ قرآن پاک میں جہان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کفار کا یہ مطالبہ مذکور ہے، کہ تم خدا کے پیغمبر ہو، تو میرے لیے سونے کی چھت بنا دو، جہان میں نہیں وہاں نہروں جاری کرو، ہمارے سنان جنگلون کو باغ و بہار بنا دو، اپنے ساتھ جلو میں فرشتوں کے پرے لیکر چلو، ہمارے سامنے آسمان پر چڑھ جاؤ، اور وہاں سے ہاتھ میں کتاب لیکر سامنے اترو،

وَقَالُوا إِنَّا تَوَكَّلْنَا عَلَىٰ آلِهَتِنَا ۚ فَسَبِّحْ لَهُنَّ وَالْمَلَائِكَةُ بِأَعْيُنِنَ ۚ ذَٰلِكُمْ لِيَذَرَ الْبَاطِلَ ۚ

اور انھوں نے کہا کہ ہم تم پر ایمان اور نیت تک نہیں لائیں گے،

يَتَّبِعُونَكَ، أَوْ يَكُونُ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّحِيلٍ ۚ

جب تک تم ہمارے لیے زمین سے ایک چشمہ نہ بہاؤ، یا تمہارے لیے کھجوروں اور انگوروں کا ایک باغ نہ ہو جائے، یا

عَنِ السَّمَاءِ كَمَا زُحَّمَتْ عَلَيْنَا مِثْلَ الْفُجَارِ، أَوْ لَنُفِطِرَ السَّمَاءِ كَمَا زُحَّمَتْ عَلَيْنَا مِثْلَ الْفُجَارِ،

تم کہتے ہو آسمان کو ٹکڑے کر کے ہم پر نہ گراؤ، یا خدا کو اور فرشتوں کو خاں بنا کر نہ لے آؤ، یا تمہارے لیے سونے کا ایک گھر

نہ ہو جائے، یا تم آسمان پر نہ چڑھ جاؤ، اور وہاں تمہارے آسمان پر

رُحُوفٌ أَوْ تَرْقَىٰ فِي السَّمَاءِ ۚ وَلَوْ أَنَّ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا مِن دُونِهِ

لَوْ تَنَزَّلُ عَلَىٰ كُلِّ أَكْبَشٍ لَّا تُفْرَقُوا، چڑھنے کا ہم کو اس وقت تک یقین نہ آئے گا جب تک تم وہاں

(نبی اسرائیل - ۱۰) سے ایک نوشتہ نہ ہم پر اتار دلاؤ، جس کو ہم پڑھ لیں،

یہ امور مشکل و محال نہ تھے، لیکن نبوت کے اوصاف کو ان بازگو انداز تماشوں سے تعلق نہ تھا، اور اس سے زیادہ یہ کہ اس غلط عقیدہ کا ابطال کرنا تھا کہ پیغمبرین براہ راست کچھ خدائی اختیارات ہوتے ہیں اس لئے آپ کو یہ جواب سکھایا گیا کہ آپ فرمائیں،

قُلْ يُبَيِّنُ لَكُمْ رَبِّي هَلْ كُنْتُ إِلَّا بَشَرًا مِّثْلُكُمْ، اُھد سے اسے پیغمبر سبحان اللہ میں تو ایک بشر ہوں رسول

وَمَا أَسْأَلُ النَّاسَ أَنْ يُؤْتُوا مِنِّي إِلَّا مَا هُمْ يُعْطُونَ اور لوگوں کو کہیں آپ کے پاس ایسا ہے تو آئی، ایمان لائے تو باز نہیں کیا،

إِنَّمَا أَنْتَ مُبَشِّرٌ ۚ اللَّهُ بُشِّرْ مُوسَىٰ إِذْ قَالَ لَوْ كُنْتُ فِي الْأَرْضِ مَلِكًا لَّيُفْسِدُنَّ فِی الْأَرْضِ مَلَائِكَةٌ مُّشْرِقُونَ مگر اس خیال سے کہ کیا خدا نے بشر کو رسول بنا کر بھیجا ہو کہ

کہ اگر زمین میں فرشتے ہوتے تو ہم ان پر آسمان سے فرشتے کو

لَنَزَّلُنَا عَلَیْهِمْ مِنَ السَّمَاءِ مَلَائِكَةً مِّثْلُكُمْ (اسرا - ۱۱) رسول بنا کر ان پر اتارتے،

آنحضرت صلعم سے حکم خدا بجز اس سے بھی صادر ہو سکتا، اور ان کی حیرت انگیزی کو انہوں نے تسلیم بھی کیا، پھر بھی یہ خیال

کہ ایک بشر رسول کیونکر ہو سکتا ہے قائم رہا،

کھار نے ہجرات دیکھنے کے بعد بھی یہی کہا،

هَلْ هَذَا إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ أَفَتَأْتُونَ السَّاعَةَ وَأَنْتُمْ تُبْصِرُونَ ہل تو تمہاری ہی طرح بشر ہے، کیا تم دیکھ بھال کر بھی جاؤ

کے پاس آتے ہو، (انبیاء - ۱)

ہجرات کی حیرت انگیزی کو جادو و کھڑکھڑت تسلیم کیا، مگر پھر بھی ان کو بشریت، رسالت کے منافی ہی معلوم ہوئی،

اور یقین کیا گیا کہ نبوت و رسالت کے اوصاف و خصائص تم سے زیادہ ان کو معلوم ہیں، جبکہ تم سے پہلے آسمانی کتابیں

عطا ہوئیں، یعنی یہود، ان سے پوچھ لو کہ رسول اور نبی بشر ہی ہوتے آئے ہیں،

وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ إِلَّا رِجَالًا نُّوْحِي إِلَيْهِمْ اور ہم نے نہیں بھیجا رسول بنا کر تم سے پہلے لیکن انسانوں

فَسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ (النبي)

یہی حکم وحی کرتے تھے، جانوروں سے پوچھو، اگر تم نہیں جانتے

یہی جواب سورہ یوسف میں دیا گیا،

وَأَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ إِلَى رِجَالٍ أَنْ يُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ مِنْ

اور ہم نے تم سے پہلے جو رسول بھیجے وہ بشری تھے ابا دیون

أَهْلِ الْقُرَىٰ (یوسف ۱۲)

کے رہنے والے ہم ان پر وحی کرتے تھے،

اس سے زیادہ تفصیل سورہ نحل میں ہے،

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا رِجَالًا نُوْحِي إِلَيْهِمْ

اور ہم نے نہیں بھیجے تم سے پہلے لیکن انسانوں کو جنکی نظر

فَسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ،

ہم وحی کرتے تھے، تو پوچھ لو کتاب انوں سے اگر تم نہیں

بِالْبَيِّنَاتِ وَالزُّبُرِ، وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ

جانتے کھلی نشانیاں اور کتابیں پیکر، اور ہم نے تم پر کتاب

لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ

رذکر (ذکر) اتاری تاکہ تم کھول کر بیان کرو، جو ان کی نظر

يَتَفَكَّرُونَ، (نحل-۶)

اتاری گئی، اور تاکہ وہ سوچیں،

ہر شخص جو مشیت اور بشریت کی ان آیتوں پر ایک نگاہ ڈالے گا، وہ یہی سمجھے گا، کہ ان آیتوں میں جس قسم کی

مشیت اور بشریت کا ذکر ہے، اُس کا تعلق ظاہری جسمانی اور جسمانی قوی اور مخلوقیت سے ہے، ورنہ اخلاقی، روحانی، دماغی،

علمی اور عقلی حیثیت سے وہ انسان رہ کر بھی غیر نبی انسانوں سے بلند تر اور علانیہ ممتاز ہوتا ہے، نبی اور غیر نبی میں

وحی کے امفارق ہونے کے یہ معنی نہیں ہیں، کہ نبی القائے ربانی سے متصف ہونے کے علاوہ بقیہ تمام اوصاف و کمالات

یا عیوب و نقائص میں عام انسانوں کے برابر ہوتا ہے، یہ کہنا ایسا ہی ہے، جیسے اگر کوئی یہ کہے کہ عالم و جاہل میں

علم کا فرق ہے، ورنہ دونوں برابر کے انسان ہیں، تو اس کے معنی یہ نہیں، کہ علم و جاہل کے علاوہ علم و جاہل کے علاوہ

ممتاز و متمضاد اوصاف میں بھی وہ دونوں برابر ہیں، اور ان میں عقل، اخلاق، تہذیب، سلیقہ، راسے اور حکمت و

دانائی کا کوئی فرق نہیں، حالانکہ ان میں علم و جاہل کا فرق کمکر، و حقیقت ان دونوں کے درمیان علم و جاہل کے

سیکڑوں اوصاف، لوازم، اور خصائص کا فرق و امتیاز تسلیم کرنا ہے،

اسی طرح نبی اور غیر نبی میں وحی کا فرق مانکر وحی والے اور بے وحی والے انسانوں میں خود وحی اور عدم وحی کے سینکڑوں لوازم، خصائص اور اوصاف کا فرق تسلیم کرنا پڑے گا، وحی و رسالت کو چھوڑ دو، دوسرے انسانی کمالات کو مثلاً لا تو بھی یہی ماننا پڑے گا، انسان کے لیے جتنے اوصاف و کمالات ممکن ہیں ان سب کی اعلیٰ سے اعلیٰ جانب کمال تک پہنچنا ممکن ہو اور جو وہاں تک پہنچ جاتے ہیں، وہ اپنے جسمانی اوصاف و خصائص کے لحاظ سے انسان ہونے کے باوجود، اپنے دوسرے قویٰ میں عام انسانوں سے یقیناً بلند اور ممتاز ہوتے ہیں، کوئی کہہ سکتا ہے کہ جسمانی قوت کا ایرانی ہیرو رستم انسان نہ تھا، علم و عقل کا یونانی مجسمہ ارسطو، انسانیت سے پاک تھا، اور موجودہ دنیا کی بہت سی حیرت انگیز ایجادوں کا مخترع اڈین بشر نہیں، لیکن اس انسانیت اور بشریت کے اشتراک کے باوجود، اپنے دائرہ میں، وہ عام انسانوں سے بلند تر اور ممتاز تر ہیں، اور با انہم وہ اپنے جسمانی خصائص، چلنے پھرنے، اٹھنے بیٹھنے، کھانے پینے، سونے جاگنے، دیکھنے بھالنے، صورت شکل، ہاتھ پاؤں، ہر ایک چیز میں وہ ویسے ہی انسان ہیں اور مخلوق انسان بلکہ مجبور انسان ہیں، جیسے دوسرے کمزور، جاہل اور بلید الذہن انسان، یہی مثال ایک معنی میں انبیاء کرام علیہم السلام کی بھی ہے، کہ وہ غیر نبی انسانوں کے ساتھ بہت سے انسانی اوصاف میں شریک ہوئے کے باوجود، وحی اور اس کے خصائص اور لوازم میں ان سے صریحاً الگ، بلند اور اعلیٰ بلکہ بعض جسمانی خصائص میں بھی ان سے ممتاز ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صوم وصال کہتے دیکھ کر جب صحابہ بھی آپ کی پیروی میں کئی کئی دن تک کا متصل روزہ رکھتے ہیں، تو آپ ان کو منع کرتے ہیں، اور اپنی نسبت فرماتے ہیں، اِنَّكُمْ مِثْلِي ابْتِ يَطْعَمُنِي رُبِّي وَ لَيْسَ بَيْنِي وَ تَمِّمُنْ كَوْنِ مِثْلِي مِثْلُ هُوَ، میں رات گزارتا ہوں، تو میرا رب مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے، کیا عام انسانوں کو بھی یہ روحانی غذا اور روحانی سیرابی میسر آتی ہے، اور وحی کے علاوہ بعض دوسری حیثیتوں سے بھی مثلیت کی اس میں نفی نہیں ہے؟

اسی طرح نیند کی حالت میں بھی نبی کے قلب اور اس کے احساسات کا غافل نہ ہونا صحیح حدیثوں سے ثابت ہے

لے صبح بخاری کتاب الصوم،

آپ نے فرمایا میری آنکھیں سوتی ہیں لیکن دل نہیں سوتا؛ وَكَذَلِكَ الْأَنْبِيَاءُ تَنَادُوا عَيْنُهُمْ وَلَا تَنَادُوا قُلُوبُهُمْ، اور اس کی طرح انبیاء کی آنکھیں سوتی ہیں مگر ان کے دل نہیں سوتے؛ کیا یہی کیفیت عام انسانوں کی نیند کی بھی ہو؟ آنحضرت صلیم لوگوں کو نماز میں صفوں کو درست رکھنے کی تاکید کرتے ہیں، تو فرماتے ہیں کہ میں تم کو اپنی پیٹھ کے پیچھے سے بھی دیکھ ہی دیکھتا ہوں جیسے سامنے سے؛ کیا عام انسانوں کی قوت بصارت کا یہی عالم ہوتا ہے، قرآن پاک میں ہے اَنْتُمْ عَلٰی مَا تَدْرٰی، کیا پیغمبر جو دیکھتا ہے تم اس میں اس سے جھگڑتے ہو، وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِينِ، اور اس نے مشرق و آسمان کے کناروں میں دیکھا؛ کیا عام انسان بھی یہ مشاہدہ کرتے ہیں، آنحضرت صلیم کے انتساب سے اُمّات المؤمنین تو جو شرف حاصل ہوا، اس کا اقتضایہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اُمّات المؤمنین کو خطاب کر کے فرمایا، یٰۤاَيُّهَا النَّبِیُّ لَسْتُمْ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَاءِ اِنَّ الْفَیْثُ (احزاب - ۴) اسے پیغمبر کی بیویو! تم ایسی نہیں ہو جیسی ہر عورت اگر خدا کا ذرہ رکھو، تو اگر پیغمبر کی بیویان تقویٰ کے بعد عام عورتوں کی مثل نہیں ہیں، تو خود پیغمبر تو بدرجہا اس کا سزاوار ہے کہ وہ کَاَحَدٍ مِّنَ الرِّجَالِ، نہ ہو، اور اپنے خصائص میں عام انسانوں سے بدرجہا بلند تر اور ممتاز ہو،

الفرض نبی اور غیر نبی میں صرف وحی و نبوت کا جو فرق ہو، اس کے بھی معنی ہیں کہ ان دونوں میں وحی و رسالت کے تمام لوازم خصوصیات اور ضروری اوصاف میں فرق و امتیاز ہے، اس لیے کسی انسان کو صاحب وحی ماننے کے ساتھ ہی اس کو ان تمام اوصاف و لوازم اور خصوصیات کا مالک بھی ضروری ماننا پڑے گا،

اجتہاد نبوی میں خطا | شبہ کا ایک اور سبب یہ ہے کہ قرآن مجید میں بعض جگہ آنحضرت صلیم کو آپ کی چند فروگزاشتوں پر تنبیہ عطا کیا ہے، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ خاص وحی الہی کے علاوہ آپ اپنی عقل و مصلحت سے جو حکم دیتے تھے، وہ غلطیوں سے پاک نہیں ہوتا تھا، اس سلسلہ میں یہ بات تمام مسلمانوں کو تسلیم ہے کہ جن بعض امور میں آپ پر وحی قرآن نازل نہیں ہوتی تھی، ان میں آپ اپنے پیغمبرانہ علم و حکم اور فہم نبوی سے فیصلہ فرماتے تھے، لیکن غور کے قابل یہ بات ہے کہ اگر آپ کو آپ کے اس فیصلہ پر خدا نے تعالیٰ کی طرف سے کبھی کوئی تنبیہ نہ ہوئی ہوتی، تو یہ کہا جاسکتا تھا کہ آپ کے

لے صحیح بخاری باب الاسراء.

تمام فیصلے صحیح اور منشاء الہی کے مطابق ہوتے تھے، مگر یہ بھی کہنے والا کہہ سکتا تھا کہ اجتہاد نبوی کے فیصلوں کی صحت و خطا کی ذمہ داری خدا نے نہیں لی تھی، اس لیے تنبیہ نہ فرمائی گئی، مگر واقعہ ان دونوں کے خلاف ہے، صورت یہ ہے کہ بعض فیصلوں پر تنبیہ لگائی ہے، اور بعض پر نہیں، اس سے بدانتہہ ثابت ہوتا ہے کہ اجتہاد نبوی میں غلطی ہو جانا ممکن ہے، مگر اس غلطی پر خید لجنوں کا قرار بھی ممکن نہیں، ادھر لغزش ہوئی، اور ادھر علام الغیوب کی بے خطا وحی نے اس کی تنبیہ اور اصلاح کی، اس واقعہ سے دوسرا نتیجہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ تمام امور و احکام جن کو اپنے اپنے پیغمبرانہ اجتہاد و علم و حکمت سے ارشاد فرمایا، یا ان پر عمل کیا، اور وحی الہی نے ان پر خاموشی برتی، تو منشاء الہی نے گویا ان کی صحت و صداقت پر اپنی خاموشی سے مہر کر دی، اور ان کی حیثیت بمنزلہ وحی کے ہو گئی،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی عمر ۲۳ سال ہو، ان پورے تیس سالوں میں ہزاروں واقعات اور امور پیش آئے جن پر اپنے اجتہاد اور شرح صدر سے فیصلے صادر کئے، مگر ان میں سے کل پانچ باتیں ایسی ہیں، جن پر وحی الہی نے تنبیہ کی، اور عجیب تر یہ ہے کہ ان میں سے کوئی بات بھی ایسی نہیں ہے جس کا تعلق حکم دینی، شریعت ابدی، اعتقاد عبادات یا شرعی معاملات سے ہو، بلکہ وہ کل کے کل ایسے امور ہیں، جنکی حیثیت ہاں شریعت یا جنگی ہے، اس سے بھی یہی نتیجہ برآمد ہوتا ہے، کہ دین و شریعت میں آپ کے پیغمبرانہ اجتہاد ہی فیصلے خطا و غلطی سے ہاں متراپا کرتے تھے اس خطا کے معنی عام انسانوں کے اجتہادات میں جن اسباب غلطیاں واقع ہوتی ہیں، وہ یہ ہیں کہ جن مقامات پر ان کا اجتہاد مبنی ہوتا ہے، وہ غلط ہوتے ہیں، یا ان کا علم، ان کو قطعی طور سے نہیں ہوتا، یا استقرار تام نہیں ہوتا، یا یہ پوری نہیں ہوتی، علت مشترکہ صحیح نہیں معلوم ہوتی، مگر یہ تمام صورتیں اجتہاد نبوی میں منتفی ہیں، کیونکہ اجتہاد نبوی نہ ان طریقوں پر مبنی ہوتا، نہ وہ غور و فکر و استدلال، اور استقرار و تمثیل کے منطقی و اصولی ذرائع پر قائم ہوتا ہے، بلکہ وہ نور رسالت، فہم نبوت، حکمت ربانی اور شرح صدر پر مبنی و قائم ہوتا ہے، جنہیں یہ بیچ کی منزلیں سرے سے نہیں ہوتی ہیں، اسی لیے لفظ اجتہاد جو عام طور پر پہلے معنی میں مستعمل اور مشہور ہو، اس سے اس مقام پر الباس کی بچنے کی خاطر احتراز کرنا بہتر ہے، ایک اور نکتہ بھی پیش نظر ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغمبرانہ اجتہاد میں اگر غلطی ہوتی ہے تو اس غلطی کا مفہوم

یہ نہیں ہے کہ اپنے جو پہلو اختیار فرمایا، وہ کوئی گناہ، یا بدی، یا بد اخلاقی کا پہلو تھا، بلکہ یہ ہے کہ وہ بہتر راستوں میں سے اپنے بہترین راستے کو چھوڑ کر بہتر راستے کو اختیار کیا، اس پر اللہ تعالیٰ نے تنبیہ فرمائی، اور بہتر کی جگہ بہترین کی تلقین کی اس قسم کے جو چند واقعات پیش آئے ہیں، ان پر ایک نظر ڈالنے سے یہ حقیقت منکشف ہو جاتی ہے کہ بہترین کو چھوڑ کر جس بہتر کو اپنے اختیار فرمایا، اس کا منشا ہمیشہ امت پر رحم و کرم اور شفقت کی نگاہ تھی، اللہ تعالیٰ نے اس ظاہری یا عارضی رحم و کرم و شفقت کی جگہ ان احکام کی تلقین فرمائی، جنہیں گونا گونا گویا معلوم ہوتی ہے، مگر علام الغیوب کی دائمی مصلحت کا تقاضا یہ تھا کہ وہی سخت پہلو اختیار کیا جائے،

ذیل میں ہم ان اجتہادی امور کی تشریح کرتے ہیں، جن پر وحی الہی نے تنبیہ کی ہو،

چار اجتہادی امور پر تنبیہ الہی جن اجتہادی امور پر وحی الہی نے تنبیہ کی ہو ان میں،

۱۔ پہلا واقعہ یہ ہے کہ ہجرت کے قبل مکہ معظمہ میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دعوت کی تبلیغ فرما رہے تھے، تو ایک دن قریش کے بڑے بڑے رؤساء آپ کی مجلس میں آکر بیٹھے، آپ انکو سمجھا بھجھا رہے تھے، بت پرستی کی برائیاں اور توحید کی خوبیاں ان پر ظاہر فرما رہے تھے، اور دل سے چاہتے تھے کہ وہ اس دعوت کو قبول کر لیں، کہ اتنے میں ایک مخلص لیکن غریب اور نابینا مسلمان عبداللہ بن ام مکتوم بھی آکر بیٹھ گئے، اور کچھ دریافت کرنا چاہا، قریش کے یہ رؤساء بے مغرور اور خود پسند تھے، وہ آپ کے جلسوں میں صرف اس لیے آنا پسند نہیں کرتے تھے، کہ آپ کی مجلس میں بد حال بے حیثیت اور ادنیٰ درجہ کے لوگ آیا کرتے ہیں، اس لیے اس موقع پر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو، ان رمیون کی اثر پذیری کے کچھ امکانات نظر آ رہے تھے، عبداللہ بن ام مکتوم کا آجانا اور پوچھنا ناگوار ہوا، کہ ان کے آنے سے ان رمیون کی فوجی اور بڑائی کے جذبہ کو اشتعال ہوا، اور راستہ سے بدک گئے،

عبداللہ بن ام مکتوم کی آمد اور دریافت پر یہ ناگواری جو بالکل نیک نیتی سے تھی، یعنی اس لیے تھی کہ آپ سچے تھے، کہ عبداللہ بن ام مکتوم تو مسلمان ہی ہیں، اس وقت ان کی بات کے جواب نہ دینے میں چنداں ہرج نہیں لیکن ان رمیون کی ناگواری پورے باشندگان مکہ پر اثر انداز ہوگی، اگر یہ مسلمان ہو گئے، تو مکہ میں اسلام کی اشاعت

ٹی راہ میں پھر کوئی روک باقی نہیں رہی۔ یہ سمجھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بے اتفاقات ہو کر ان رئیسوں کی تبلیغ و معنیت کی طرف سرتاپا متوجہ رہے، اس پر وحی الہی نے حسب ذیل الفاظ میں تنبیہ کی،

عَبَسَ وَتَوَلَّىٰ اَنْ جَاءَهُ الْاَعْمٰی وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّہٗ
يُرْسِلُکَ اَوْ یَدْعُکَ لِتَفْقَهُ الَّذِیْ کُرِی، اَمَّا مِنْ شِئْنِکَی
فَاَنْتَ لَمْ تَصَدِّقْ، وَمَا عَلَیْکَ الْاَلَمِیْرُکَی، وَتَا
مَنْ جَاءَکَ یَسْعٰی، وَهُوَ یَخْشٰی فَاَنْتَ عَنْہُ تَلٰی،
کَلَّا اِنَّہٗمَا تَذٰکِرَۃٌ فَعِنَّ شِءٌ ذَکَرُہٗ، (یس۔ ۱)

توڑی چڑھائی، اور نہ پتہ چلا کہ وہ اندھا آیا، اور تجھے کیا خبر کہ نہایت
وہ منور آیا سوچتا تو (تھارا) سمجھنا کام آتا، وہ جو پروا نہیں کرتا
سو تو اس کی فکر میں ہی اور اس کے دستور نے کا تجھ کوئی ازم
نہیں اور جو تیرے پاس دوڑ آیا، اور وہ (خلاصے) ڈرتا ہے
تو اس سے تغافل کرتا ہے یوں نہیں، یہ تو نصیحت ہی جو

ان آیتوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اجتہاد پر کہ ایک پرانے لیکن غریب مسلمان کی مزید ہدایت سے قریش کے رئیسوں کا سمجھنا زیادہ بہتر ہے تنبیہ کی گئی، اور اس نکتہ کو ذہن نشین کیا گیا کہ اسلام کی اصولی بنیادوں میں سے ایک یہ ہے کہ اُس کے نزدیک امیر و غریب، آقا اور غلام اونچے اور نیچے، کی کوئی تمیز نہیں، اسکی نگاہ میں بنیا اور نامنیا دونوں برابر ہیں، یہ نکتہ تو اس وقت کے فیصلہ میں آپ کے پیش نظر رہا کہ ایک مسلمان اندھے کی دجوئی سے اپنا رئیسوں کی جائز دجوئی کر کے اُن کو اسلام کی طرف مائل کرنا زیادہ بہتر ہے، مگر یہ نکتہ نظر انداز ہو گیا کہ اس طرز عمل سے خود اسلام کی بنیادی تعلیم پر کیا اثر پڑے گا، اسیلئے وحی الہی نے تنبیہ کی کہ اسلام کا یہ پیغام دنیا کے لیے صلائے عام ہے جو چاہے قبول کرے، اس میں کوئی تمیز و تخصیص نہیں، علاوہ ازیں اس کا بھی اشارہ کیا کہ یہ رؤسائے قریش جن کے مسلمان ہونے کی آپ اس قدر کوشش فرما رہے ہیں، وہ ایمان سے محروم ہی رہینگے، اس لیے ان کی طرف مزید بڑے سودھے، اور ظاہر ہے، کہ آپ اُن کے حق میں دانا سے غیب کے اس فیصلے سے پہلے اگاہ نہ تھے، اس لیے آپ اپنے موجودہ علم کے مطابق اپنے فعل کو صحیح سمجھ رہے تھے،

دوسرا واقعہ اس سے پہلے لڑائی میں مسلمانوں کے مال غنیمت حاصل کرنے اور بدر کے قیدیوں سے زبردستی قبول کرنے کا ہے، اس وقت تک ظاہر ہے کہ مال غنیمت اور فدیہ کا قانون نازل نہیں ہوا تھا کہ ابھی اس کا موقع ہی نہیں آیا تھا۔

مسلمانوں کو مدنیہ منورہ اگر سب سے پہلے سر پہ غلامین مال غنیمت ہاتھ آیا، اس کے بعد ہی بدر کے معرکہ میں پھر مال غنیمت ملا، اور ساتھ ہی قریش کے ستر قیدی بھی ہاتھ آئے، جنہیں اکثر کدہ کے دولتمند اور شرفاء تھے ان قیدیوں کی نسبت مسلمانوں کی مختلف رائیں تھیں، بعضے ان کو آگ میں زندہ جلا دینا چاہتے تھے، کچھ لوگ فدیہ لے کر ان کو چھوڑ دینا چاہتے تھے جس سے ان کو چالیس ہزار درم ملنے والے تھے، نفسیات کے ماہر جانتے ہیں، کہ جو قوم مدت سے ہر قسم کی مصیبت اور تکلیف اٹھاتی رہتی ہے، وہ بیکسی مظلومیت، مغلوبیت، اور غربت کے دور سے نکل کر جب پہلے پہل غالب اور دولتمند ہوتی ہے، اور اس کو ملکی و مالی قوت پر دسترس حاصل ہوتی ہے، تو وہ لمحہ اُس کی زندگی میں اخلاقی حیثیت سے بڑا ہی نازک ہوتا ہے، غلبہ، قوت، اور دولت پا کر بھی اس کے نشہ میں وہ سرشار نہ ہوا، اور اپنے دل و دماغ پر قابو رکھے یہ بڑا ہی مشکل کام ہے، جو مظلوم تھا، وہ غالب ہو جائے، اور جو ظالم تھا، وہ مغلوب ہو جائے، اور اُس وقت ردِ عمل اپنا کام کر کے مظلوم غالب کو اپنے ظالم مغلوب سے شدید انتقام لینے کا جذبہ نہ پیدا کرے، یہ کوئی آسان کام نہیں، سیاسی و مذہبی تاریخین اسکی متعدد مثالیں موجود ہیں، کہ ایسا نہ ہو سکا، خود عیسائی قوم کو دیکھیں جس نے یہودیوں اور بت پرست رومیوں کے ہاتھوں سے تین صدیوں تک برابر سخت سی سخت تکلیفیں اٹھائیں لیکن قسطنطنیہ کے زمانہ میں جب دفعۃً جو مظلوم تھے، وہ غالب اور جو ظالم تھے وہ مغلوب ہو گئے، تو عیسوی قوم کا پچھلا جو ہر ایک ایک کر کے رخصت ہو گیا، اور ان لوگوں نے جو پہلے مظلوم تھے، اس نشہ میں چور ہو کر یہودیوں اور رومی بت پرستوں کیساتھ وہ کچھ کیا، جس سے اخلاق انسانی کی تاریخ آج بھی شرماتی ہے، غزوہ بدر کی غیر متوقع فتح نے مظلوم و بیکس مسلمانوں کے لیے تاریخی دور کا وہی نازک موقع پیدا کر دیا غریب و تنگ دست مسلمانوں کو جو سالہا سال سے کسب معاش سے محروم، اور غیر معمولی ضروریات کے بوجھ سے دبے ہوئے تھے، ان کو غنیمت اور فدیہ کی دولت ہاتھ آئی، اور وہی قریش جن کے ظلم و ستم سے ان کے بدن زخمی اور ان کے سینے داغدار تھے، وہ دفعۃً مغلوب ہو گئے، ان کے بڑے بڑے سردار، ان کے ہاتھوں سے لڑائی میں مارے گئے، اور ان کے ہاتھوں میں قید ہو کر ستر سردار صرف ان کے رحم و کرم پر زندہ تھے،

اب تک مسلمان نہایت یکدلی بچتی، اور خلوص سے اپنی راہ طے کر رہے تھے، اور یہ اخلاقی جو ہر مظلوموں کی برادری میں اکثر پیدا ہو جاتے ہیں، لیکن دولت اگر ان کے بجائے ان میں اختلاف، تفریق اور حرص و طمع اور ذاتی اغراض کے جذبات پیدا کر دیتی ہے، اس اتفاقی دولت اور غیر متوقع فتح و غلبہ نے صحابہ کرام کے لیے امتحان کا وہی نازک موقع پیش کر دیا، اور دنیا کے سب سے بڑے رہنما کی قوت رہنمائی کے اظہار کا بھی یہی موقع تھا، چنانچہ اس وقت مال غنیمت، زبرد فیہ اور قیدیوں کے ساتھ برتاؤ کے متعلق غالب فاتح مسلمانوں میں اختلاف رائے رونما ہو گیا، آنحضرت صلعم کے سامنے اس وقت اہم ترین کام تھا، اپنے امرا وں کی طرف توجہ فرمائی، کہ مظلوم فاتح قوت پا کر اپنا جو ہر نہ کھو بیٹھیں، چنانچہ حضرت عمر فاروقؓ نے ان قیدیوں کے قتل کی جو تجویز پیش کی تھی، اپنے رد فرمایا اور حضرت ابو بکر صدیقؓ کی تجویز کہ فدیہ لے کر ان کو رہا کر دیا جائے، قبول فرمائی، اور ان سے فرمایا کہ اسے ابو بکر تھارے مثال ابراہیم اور عیسیٰ کی ہو، اور اسے عمر تمہاری مثال نوح اور موسیٰ کی ہے، آپ نے حضرت ابراہیمؑ کی بنک دلی اور حضرت عیسیٰؑ کی رحم دلی کی مثال کی پیروی کی، اور بدر کے ان قیدیوں کی جان بخشی فرمائی، اور قتل کے سچے زبرد فیہ ادا کر دینے پر رہائی کا حکم دیدیا، اور جو ان میں نادار تھے، ان کو چند مسلمان بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھانے پر ناز دہی کا فرمان جاری کر دیا، اور صحابہ کو تاکید کی، کہ ان کے ساتھ بہتر سے بہتر سلوک کریں، چنانچہ بعضوں کا یہ حال تھا کہ وہ خود کچور پر قناعت کرتے تھے، اور اپنے قیدیوں کو روٹی کھلاتے تھے،

لیکن وحی الہی کی نگاہ میں اس سے زیادہ اہم پہلو ان غریبوں کا دفعۃً مال و دولت کی حرص و طمع میں مبتلا ہو جانا تھا، چنانچہ یہی صورت پیش آئی، مال غنیمت کے فراہم کرنے والوں نے دعویٰ کیا، کہ اس پر ہم نے لڑائی قبضہ کیا ہے، اس لیے ہمارا ہے، لڑنے والے نوجوانوں نے دعویٰ کیا، کہ ہماری تلواروں سے فتح حاصل ہوئی ہے، اس لئے اسکے اصلی حقدار ہم ہیں، جو لوگ رسول اللہ صلعم کی حفاظت کر رہے تھے، وہ کہتے تھے کہ سب نازک اور خطرناک فرض ہمارا تھا، اس لیے ہم کو ملنا چاہیے، یہی اختلاف زبرد فیہ کی ملکیت کی نسبت بھی ہوا ہوگا، جیسا کہ سورہ انفال طے شدہ حاکم ج ۳ ص ۱۸۱، حاکم بن حذافہ، حیدر آباد کن ملکہ سیرت ابن ہشام، ذکر انبیاء بیدر والا ساری ج ۱ ص ۳۹۱ مطبوعہ محمد علی، مصر

کی ابتدائی آیتوں سے ظاہر ہوتا ہے،

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَ
الرَّسُولِ فَاَتَقُوا لِلّٰهِ مَا تُصَلُّوْنَ اَزَاتٍ بَيْنَكُمْ وَاٰخِلًا
اللّٰهُ وَرَسُولَهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (الانفال - ۱)

حضرت عبادہ بن صامتؓ سے پوچھا گیا، کہ سورۃ انفال کے نزول کی کیا وجہ ہے، تو کہا،

فِيْنَا اَصْحَابُ بَدْرٍ نَزَلَتْ حِيْنَ اَخْتَلَفْنَا فِي الْاَنْفَالِ
وَسَاءَلَتْ فِيْهِ اَخْلَاقَنَا فَرَعَا اللّٰهُ مِنْ اَيْدِيْنَا
فَجَعَلَ اللّٰهُ اِلٰى رَسُوْلٍ اللّٰهُ صَلَّيْمْ فَنَقَسَهُ رَسُوْلُ
صَلَّيْمْ بَيْنَ الْمُسْلِمِيْنَ عَنْ سَلَاةٍ

یہ سورہ ہم بدر والوں کے متعلق نازل ہوئی جب مالِ غنیمت
بنے باجم اختلاف کیا، اور اس میں ہمارے اخلاق برے ہو گئے
تو خدا نے اُس کو ہمارے ہاتھوں سے چھین لیا، اور رسول
صلعم کے اختیار میں دیدیا، تو آپؐ نے تمام مسلمانوں کے مابین برابر

یہی وہ تنبیہ ہے جو وحی الہی نے آنحضرت صلیعم کے اس فیصلہ پر کی اور آیت اتری،
مَا كَانَ لِتَيْبِيْ اَنْ يَّكُوْنَ لَكَ اَنْتَ رِىْ حَتّٰى يَخْرُجَ
فِي الْاَرْضِ طَرْدِيْنٌ وَنَ عَمْرَضُ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ
يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ط وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ط لَوْ لَا كَتَبَ
بَيْنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فَاِذَا اَخَذْتُمْ عَذَابًا
عَظِيْمًا ط فَكُلُوْا مِمَّا عَدٰىكُمْ مِّمَّا لَمْ يَحِلَّ لَكُمْ يَسَّوْا
اَتَّقُوا اللّٰهُ ط اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (الانفال - ۹)

اسی قدر نہیں بلکہ اُن قیدیوں کو جن سے زبردیہ وصول ہوا یا وصول کیا جا رہا تھا، اس کے بعد ہی یہ آیت نازل ہوئی

لے سیرت ابن ہشام، ذکر الفتنی بدر و الاساری ج ۱ ص ۳۹۱ مطبوعہ محمد علی، مصر
لے سیرۃ ابن ہشام ج ۱ ص ۳۹۱

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِمَنْ فِي أَيْدِيكُمْ مِنَ الْأَسْرَى
 اِنْ يَعْلَمِ اللَّهُ فِي قُلُوبِكُمْ خَيْرًا لِّأُولَئِكَ خَيْرًا مِّمَّا
 أُخِذَ مِنْكُمْ لِعَفْوِ اللَّهِ عَفْوَ رَحِيمٍ
 اسے پیغمبر تمہارے ہاتھوں میں جو قیدی ہیں اُن سے کہو
 کہ اگر اللہ تمہارے دلوں میں نیکی جانچا، تو تم کو اُس سے بہتر
 چیز دیگا جو تم سے لیگئی، اور تم کو معاف کریگا، اور اللہ بخشنے والا
 (انفال ۱۰۰) کرنے والا اور رحم والا ہے،

بعضوں کو یہ شبہ ہوا ہے کہ یہ تنبیہ قیدیوں کے زبرد فیہ لیکر رہا کرنے اور قتل نہ کیے جانے پر ہوئی، حالانکہ ظاہر ہے کہ جن قیدیوں سے زبرد فیہ لیے جانے پر اللہ تعالیٰ نے اُن سے ہمدردی فرمائی اور اگر وہ حن نیت سے ظاہر فرمیں، تو اُن کی مغفرت کا وعدہ، اور اس دنیاوی خزانہ ریزہ سے، جو اُن سے بطور فدیہ لیا گیا، اُن کو بہتر دولت دیئے جانے کی امید دلائی، کیا اُن کا قتل زبرد فیہ لینے سے کم سزا ہوتی؟ اور جن سے فدیہ لیا گیا، اُن کے قتل کیے جانے پر ان کے قاتلوں پر اس سے زیادہ سزائش، اور ان مقتولوں سے اس سے زیادہ ہمدردی نہ کی جاتی،

بہر حال وہی مال غنیمت اور زبرد فیہ جن کو اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف و صریح وحی آنے سے پیشتر قبول فرمایا تھا، اور جیسے تنبیہ ہوئی، وہ آخر کار ”اجتہاد نبوی“ کے مطابق مناسب موقع پر جائز اور حلال و طیب ہی ٹھہرایا گیا، اور غلطی غلطی باقی نہیں رہی، مال غنیمت لینے کے متعلق کُلُّوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ کا حکم اسی وقت آگیا، اور فدیہ لینے کی اجازت اِمَّا مَتَابَعِدُ وَاِمَّا فِدَاءُ کے الفاظ میں بعد کو مناسب زمانہ میں آگئی، اور اس مال و دولت کی حرص و طمع سے اس وقت جو بد اخلاقی پیدا ہونے والی تھی اُس کا ازالہ ہمیشہ کے لیے اس طرح کر دیا، کہ اسکی تقسیم کا ابدی قانون بنا دیا گیا، اور اُس میں تمام ضروری مستحقین کے حصے لگا دیئے گئے،

تیسرا واقعہ | تیسرا واقعہ یہ ہے کہ آپ غزوہ تبوک کیلئے جا رہے تھے، جس میں بکثرت مسلمانوں کی شرکت کی ضرورت تھی، کہ مقابلہ رومیوں کے دل بادل فوج سے تھا، اور کسی منظم سلطنت سے ٹکر کھانے کا یہ پہلا موقع مسلمانوں کو پیش آیا تھا، اور موسم بھی نہایت گرم اور سخت تھا، تین ہزار مسلمانوں کی جمعیت روانہ ہو گئی، مگر کچھ غلبہ سلمان مجبوراً چھوڑے۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھو سیرۃ النبی جلد اول میں غزوہ بدر کا بیان،

گئے، اور اکثر منافقین نے جان بوجھ کر اس کی شرکت سے جی چڑایا، آپ واپس آئے، تو عدم شرکت کے قصور وار منافقین
آ کر جھوٹی جھوٹی قیمن کھا کھا کر اپنے عذرات بیان کرنے لگے، آپ نے ان کا اعتبار کر کے، رحم فرما کر، ان کے قصور سے
درگزر کیا، اس پر تنبیہ ہوئی،

سَيَعْلَمُونَ بِاللَّهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ يُهْلِكُونَ
الْأَنفُسَ هُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ، عَفَا
عَنْكَ لَمَّا أَذْنَتْ لَهُمْ حَتَّى يَتَّبِعَنَّ لَكَ الَّذِينَ
صَدَقُوا وَلَعَلَّ الْكَذِبِينَ (قرآن ۷۷-۷۸)

وہ خدا کی قیمن کھا ئیں گے کہ اگر ہم مقدور رکھتے تو ضرور تمہارے
ساتھ نکلتے، اور اللہ جانتا ہے کہ وہ جھوٹے ہیں، اللہ بخیر سمجھتا ہے تو
ان کو رخصت کیوں دی، جب تک تجھ پر یہ کھل جاتا جو ان
سچ بولے اور تو جان لیتا جھوٹ بولنے والوں کو،

ظاہر ہے کہ آپ علم غیب سے آگاہ نہ تھے، اور ان کے واقعی حالات سے بیخبر تھے، اس لیے بظاہر ان کے قول پر اعتبار
ہی کرنا تھا، اور وہی آپ نے کیا، مگر علام الغیوب نے حقیقت بحال سے باخبر فرما کر، ان کے جھوٹ کا پردہ چاک کیا، بہر حال
سیان بھی منشاء سے خطا، اگر خطا بھی جائے، تو وہی ترحم کی شان تھی،
چوتھا واقعہ | منافقین کی نسبت آپ کو اطلاع دیدی گئی تھی، کہ ان کے حق میں آپ کی دعائے مغفرت قبول نہ ہوگی، اور
فرمادیا گیا تھا، کہ

اسْتَغْفِرُ لَهُمْ أَوْ لَا اسْتَغْفِرُ لَهُمْ إِنَّ اسْتَغْفَرَ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً
فَلَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ، ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ
وَرَسُولِهِ (قرآن ۱۰۷-۱۰۸)

تو ان کی مغفرت کی دعا مانگے، یا نہ مانگے، اگر ستر دفعہ بھی انکی
مغفرت کی دعا مانگے تو ہرگز ان کو خدا نہ بخشے گا، یہ اس لیے کہ
انہوں نے خدا کا اور اس کے رسول کا انکار کیا،

اس حکم کے آنے کے بعد عبداللہ بن ابی بن سلول کا انتقال ہوا، یہ منافقوں کا سردار تھا، اس کا لڑکا مخلف
مسلمان تھا، اس نے اگر آپ سے نماز جنازہ پڑھانے کی درخواست کی، جس کو آپ فرط کرم سے رد نہ فرما سکے، حضرت
عمرؓ نے عرض بھی کی کہ یا رسول اللہ! اس کے عدم مغفرت کے متعلق تو حکم ہو چکا ہے، فرمایا میں ستر دفعہ سے بھی زیادہ
اس کی مغفرت کی دعا مانگوں گا، بہر حال آیت بالا میں گو آپ کے مغفرت مانگنے اور نہ مانگنے دونوں کو بیکار نہ ہو

بتایا گیا تھا، مگر ان کے حق میں سرے سے دعائے مغفرت نہ مانگنے کی کوئی ہمانست نہ تھی، اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت شفقت سے اس بیکار فرض کو انجام دیا، تاکہ اُس کے غلصہ مسلمان فرزند کی دشمنی نہ ہو، اور اس پہلو سے تغافل فرمایا، کہ گو ایک مسلمان کی دجوتی تو ہوگی، مگر مسیون منافقین کو اپنے چھپانے میں کامیابی ہو جائیگی، اور وہ مسلمانوں کے اندر رہ کر قتلوں کے باعث بنیں گے، اس لیے حکم ہوا،

وَلَا تُصَلِّ عَلَىٰ أَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّتَّاتٍ أَبَدًا ۖ
اور نہ کبھی اُن میں سے کسی کے جنازہ کی نماز پڑھ، اور نہ اُس کی
سَلَامُتُمْ عَلَىٰ قَبْرِهَا إِنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ
قبر پر کھڑا ہو، بیشک انھوں نے خدا اور اس کے رسول کا
وَمَا تَقُولُوا لَهُمْ فَبِشَقْوَاتٍ (تعبہ-۱۱)

پانچواں واقعہ | اس کی تفصیل یہ ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بعض بیویوں کی خوشنودی اور رضامندی کے لیے کرمیاح چیز کو جو آپ کو بہت مرغوب تھی، اپنے اوپر حرام کر لیا تھا، یعنی اُس کے کبھی نہ استعمال کرنے کا عہد فرمایا تھا، ظاہر ہے کہ ہر شخص پر مباح چیز کا کھانا فرض نہیں، اور سکو حق حاصل ہو کہ وہ اپنی خوشی سے یا کسی دوسرے کی رضامندی کیلئے اُس کے نہ کھانے کا عہد کرے۔ اس لیے اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض بیویوں کی خاطر جن کو وہ شے پسند نہ تھی، اُس کو اپنے اوپر حرام کر لیا، تو ظاہر ہے کہ آپ کا اپنی بعض بیویوں کی خاطر داری کے لیے ایسا کرنا الزام کے قابل نہیں، کہ آپ نے بحیثیت شوہر کے اُن کی اتنی دجوتی کو بھی عورتوں کے ساتھ عدل انصاف کے مناسب سمجھا، مگر اس مسئلہ کی ایک دوسری حیثیت بھی تھی، اور وہ یہ کہ بحیثیت ایک پیغمبر کے، ایک حلال و جائز چیز کو اپنے اوپر حرام کر لینے اور اس کے نہ کھانے کا عہد کرنے سے آپ کی اقتدائین امت کے عام افراد بھی اُس کو ناجائز نہیں تو نا پسند ضروری کرتے اور یہ ایک طرح سے شریعت الہی میں تبدیل و تحریف کا مڑوٹ ہو جاتا، اس لیے حکم آیا، کہ ان امور میں پیغمبر کو کسی کی دجوتی اور خاطر داری کی پروا نہ چاہیے، فرمایا،

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ تَبْتَغِي مَرْضَاتِ أَزْوَاجِكَ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ (تحریم ۱)
اپنے پیغمبر کو اللہ نے میرے لیے حلال کیا ہے، اُس کو حرام کیوں کرنا
ہو، اپنی بیویوں کی مرضی چاہتا ہوں اور خدا بخشنے والا مہربان ہے

اس موقع پر اللہ تعالیٰ کا آپ کو نبی مقرر کرنا یہ واضح کرتا ہے کہ بحیثیت ایک انسان اور شوہر ہونے کے آپ ایسا کر سکتے تھے، مگر پیغمبر کی حیثیت سے آپ کو یہ اختیار نہیں،

الغرض یہی وہ پانچ واقعے ہیں جنہیں آپ کی اجتہادی خطا ثابت کی گئی ہو، مگر تفصیلات سے معلوم ہو گیا ہوگا،
 ۱۔ ان کو خطا کہنا درحقیقت مجاز ہے، کہ پیغمبر کی بلندی اور معصومی کو پیش نظر رکھ کر اس کو اس مجازی خطا کی بھی اجازت نہیں، اور اسی لیے وحی الہی نے ان میں سے ہر موقع پر تنبیہ کی، اور اپنے صحیح فیصلہ سے رہنمائی فرمائی، اب کیا کاشمیرہ یہ بھی ہو کہ جس طرح آنحضرت صلیم کو یہ معمولی مسامحات پیش آئے، جنکی تنبیہ اصلاح ہر وقت وحی الہی نے کی، ایسے ہی ممکن ہے، کہ آپ کو اور بھی ایسے مسامحات پیش آئے ہوں جنکی تنبیہ صحیح کی حکمت الہی نے پرواہ کی اور خاموشی برتی، اگر کسی کو یہ شبہ ہے تو وہ درحقیقت رسالت و نبوت کی مرتبہ شناسی اور دین الہی و شریعت ربانی کی حقانیت اور اللہ تعالیٰ کے طرق رشد و ہدایت کی معرفت سے کو سون دور ہے، رسولوں کی بعثت اس لیے ہے کہ وہ غلط کار انسانوں کو، اذن کی غلطی سے نکال کر حق و جواب کی تعلیم دیں، نہ اس لیے کہ ان کے ذریعہ اُلٹے ہدایت کے بجائے مزید ضلالت کا اضافہ ہو، استغفر اللہ، ثم استغفر اللہ، اس لیے ناممکن ہے کہ رسولوں کے ہاتھوں اور زبانوں سے کوئی ایسا کام یا حکم صادر ہو جو حکمت الہی کے مطابق نہ ہو، اور پھر وہ اسکی تصحیح اور رہنمائی سے تغافل برتے، اور انسانوں کو خود اپنے رسولوں کے ذریعہ گمراہ ہونے دے،

پیغمبرانہ اجتہاد اور اسے علم کا وہ کوثر ہے، جس کی دھارین دماغ سے نہیں، بلکہ دل کے سرخسہ سے بہتی ہیں، جو انسانی رائے و تجربہ سے نہیں، بلکہ احسان الہی، القائے ربانی، حکمت یزدانی، فہم رسالت، ملکہ نبوت سے ماخوذ ہیں، اور جس کی نسبت محرم اسرار شریعت عمر فاروق بر سر منبر یہ فرماتے ہیں،

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ الرِّأْيَ أَشْمَكَ كَانَتْ مِنْ
 رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
 وَأَشْمَهُ مِنْهَا الظَّنُّ وَالْكَتْفُ (ابوداؤد، کتاب التفسیر)
 اے لوگو! آنحضرت صلیم کی رائے غلطی سے پاک تھی، کیونکہ اللہ تعالیٰ
 آپ کو وہ رائے دکھاتا تھا، اور ہماری رائے ہر لاگمان اور
 از خود کہنا ہے،

وہ اسے نبوی، جو خدا کے بتانے اور دکھانے سے قائم ہوئی ہو، ظاہر ہے کہ منزلہ وحی کے ہے، اور اس کا نام بشری اجتماع اور انسانی رائے نہیں، بلکہ نبوی اجتماع اور پیغمبرانہ رائے ہے، جو علما و وحی الہی کی ہم مرتبہ اور کلام ربانی کی ہم پایہ ہے، حضرت عمرؓ نے اس خطبہ میں جو کچھ کہا ہے، درحقیقت وہ خود کلام پاک سے مستنبط ہے، قرآن پاک میں ہے:

إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ
بِمَا أَرَادَ اللَّهُ وَأَوْلاَهُ أَتَاكَ لِنَفْسٍ نَارٍ خَصِيمًا

ہم نے تجھے کتاب بھائی کے ساتھ اتاری، تاکہ لوگوں کے درمیان جو اللہ تجھ کو سوجھائے فیصلہ کرے، اور تو نہ ہو دغا بازوں کی

(نساء-۱۶) طرف سے جھگڑنے والا،

اس سے ظاہر ہوا کہ آنحضرت صلیم کو جو دکھایا، سوجھایا، اور اسے پیدا کرائی جاتی تھی، وہ خدا کی طرف سے ہوتی تھی، یہی وہ پیغمبرانہ رائے ہے جسکی نسبت خود آنحضرت نے ارشاد فرمایا،

إِنَّا قَضَىٰ بَيْنَكُمْ بِرَأْيِي فِيمَا كُنْتُمْ فِي شَكٍّ مِنْهُ لِنَفْسٍ نَارٍ خَصِيمًا

میں تم لوگوں کے درمیان اس مسئلہ میں جسکی نسبت مجھے وحی نہیں ہوئی، اپنی رائے سے فیصلہ کرتا ہوں،

(ابوداؤد-القضیہ)

یہ فیصلہ اگر غلط ہوتا تو فوراً وحی الہی دست گیری کرتی، اور صحیح راستہ پر لے آتی، جیسا کہ گذشتہ پانچوں اوقات ظاہر ہے،

ایک غلط استدلال | اس آیت پاک سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے، کہ مقدمات کے فیصلوں میں آپ کو ارادت الہی ہوتی تھی، یعنی خدا کی طرف سے آپ کو رائے سوجھائی جاتی تھی، اور ظاہر ہے، کہ ارادت الہی (خدا کی طرف سے سچایا جانا) تاکہ آپ کتاب الہی کے مطابق فیصلہ کریں غلط نہیں ہو سکتی، لیکن ابوداؤد وغیرہ میں ایک حدیث ہے کہ آنحضرت صلیم نے اہل مقدمہ سے فرمایا،

”میں ایک بشر ہوں، تم لوگ میرے پاس اپنے جھگڑے لیکر آتے ہو، اور شاید تم میں سے بعض زیادہ زبان آور ہوں، جو اپنی دلیل کو خوبی سے بیان کر سکتے ہوں، تو میں جیسا سنتا ہوں، ویسا فیصلہ کر دیتا ہوں، تو میں اگر کسی کو وہ حق لاؤں جو اس کا نہیں، بلکہ اس کے بھائی کا ہو، تو وہ نہ لے کہ میں اس کو آگ کا ٹکڑا کاٹ کر دے رہا ہوں“ (کتاب الاقصیہ)

اس سے ایک غلط فہم یہ استدلال کر سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے ہمیشہ غلطی سے پاک نہیں ہوتے تھے۔
 اس لیے امت آپ کے قضایا اور فیصلوں کی پیروی پر مجبور نہیں لیکن ایسا خیال کرنا سراسر مغالطہ ہے، اصل یہ ہے
 کہ مقدمات میں دو چیزیں ہوتی ہیں ایک واقعہ کی اصلی رو داد جس کو ہر مدعی اور مدعا علیہ اپنے دعویٰ کے مطابق
 بنا کر اپنے رنگ میں بیان کرتا ہے، اس کے بعد دوسری چیز اس بیان کردہ رو داد کے مطابق صحیح اور عادلانہ
 حکم اور فیصلہ ہے جو تاثر مقدمہ کی اس رو داد پر مبنی ہوتا ہے، جو حاکم و قاضی کے سامنے بیانات اور شہادتوں کے
 ساتھ پیش ہوتی ہے، یہ بات کہ واقعہ کی اصلی رو داد کیا ہے اور ان میں سے کون صحیح کہہ رہا ہے، علم غیب سے تعلق
 رکھتا ہے، جس کا دعویٰ کسی نبی کو نہیں، اور اگر ہو بھی تو یہ دعویٰ بجائے خود مسلم ہے کہ قاضی کا ذاتی علم و انسانوں کے
 درمیان فیصلہ کا نبی نہیں قرار پاسکتا، اس کے لیے فریقین کے بیانات شہادتیں اور دلائل ہی بکار آمد ہیں، آنحضرت
 صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے یہ ظاہر ہوتا ہے، کہ امراؤں کے متعلق عموماً آپ کو غیب کا علم عطا نہیں ہوا، لیکن دوسری چیز
 یعنی جس رو داد کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحیح باور کیا، اس کے مطابق آپ کا فیصلہ کبھی صحیح و صواب اور عادلانہ نہیں
 ہوتا تھا، یہ کہنا رسول و نبی کی شان کی توہین و تحقیر ہے، اور اس ارادت الہی کے خلاف ہے، جس کا شرف مقدمات
 کے فیصلہ میں آپ کو بخشا جاتا تھا اس لیے جو غلطی فیصلوں میں آپ سے ہو سکتی تھی، وہ فریقین میں سے کسی ایک کی دلیل
 شہادت کو سنکر اس کے صحیح یا غلط، مطابق واقعہ یا مخالف واقعہ سمجھنے میں، لیکن جسکو آپ صحیح باور فرمایا اس کے
 مطابق مناسب و صحیح حکم و فیصلہ کرنے میں آپ سے کبھی غلطی نہ ہوئی، اور نہ ہو سکتی تھی، اور امت آپ کی پیروی آپ
 کے ان قضایا اور فیصلوں میں کرتی ہو نہ کہ نزاع مذکور کے گذشتہ واقعات اور گذشتہ مقدمات کے صحیح یا غلط باور
 کرنے میں فشتان بینہما،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اعلان میں نکتہ یہ ہے، کہ شاید فریقین میں سے کوئی غلط بیان یا جھوٹا یا برسرِ طلب
 جو اپنے مقدمہ کی رو داد زیادہ خوبی سے بنا کر، آپ کی عدالت سے موافق فیصلہ حاصل کرے، یہ سمجھے کہ گو حقیقت
 میں میرا حق نہ تھا، لیکن جب عدالت نبوی نے میرے حق میں فیصلہ کر دیا، تو میری ملکیت ثابت ہو گئی، اور غصب

حق کے گناہ سے برات ہو گئی، تو اس کا ایسا سمجھنا صحیح نہ ہوگا اگر تو اس حکم نافذ ہو جائیگا، مگر خداوند برسر حق تھا اور
حق ہی رہیگا، اور جو برسر باطل تھا، وہ باطل ہی رہیگا، اور جو اصل مالک تھا، وہی مالک رہیگا، اور جو غاصب ہے وہ غاصب
ہی ٹھہریگا، اسی اعلان کا اثر تھا، کہ جب آنحضرت صلعم نے ایک مقدمہ میں فریقین کو اس حقیقت سے مطلع فرمایا تو
دونوں روپے، اور دونوں ایک دوسرے کے حق میں دست بردار ہونے پر آمادہ ہو گئے،

آنحضرت صلعم رو داد مقدمہ کو سامنے رکھ کر جو فیصلے فرماتے تھے وہ تمام تر حق، انصافانہ اور صحیح ہوتے تھے اور
ان کی اطاعت سے انحراف، کفر و نفاق تھا، اسی لیے ارشاد ہوا کہ

فَلَا وَرَيْكَ لَا يُؤْمِنُونَ شَيْءًا يَكْفُرُونَ فِيمَا
سُوقَ بِهِ تَبَرُّعِ رَبِّكَ وَهُوَ مَعَكُمْ يَوْمَ تَكُونُ
شُجْرَتُهُمْ ذُرًّا رَاكِبًا وَفِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا
حُكْمٌ نَافِلٌ مِنْهُمْ يَوْمَ تَكُونُ مِنْهُمْ حَرْجًا
وَمَا كَانَ لِمَنْ يَمُوتُ أَنْ يَأْتِيَهُ مِنْ شَيْءٍ (ذِ الْقَضَاءِ)

اور ان کو تسبیل کرین،
کسی ایماندار مرد یا عورت کا یہ کام نہیں کہ جب اللہ اور اس کا
رسول کی بات کا فیصلہ کر دے، تو بھی اس کو اپنے کام کا
اختیار رہے، اور جو خدا اور اس کے رسول کے حکم
چلا، وہ صریح گمراہ ہوا، (احزاب - ۵)

کیا امت کو رسول کی اطاعت اور اس کے فیصلہ کے بچوں و چرا قبول کر لینے کا خدا کی طرف سے تاکید
حکم برسر باطل پہلو پر ہو سکتا ہے؟ چنانچہ دوسری آیت میں اسکی تصریح کر دی گئی ہے، کہ آپ کا کوئی فیصلہ کبھی ظالمانہ
اور غلط نہیں ہو سکتا،

وَإِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولٍ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ
رَسُولُ اللَّهِ وَرَسُولُكَ فَإِنْ تُكُنْ تَحْتَهُمْ
وَإِنْ تُكُنْ تَحْتَهُمْ وَرَسُولُكَ فَإِنْ تُكُنْ تَحْتَهُمْ

الْحَقُّ يَا نُورُ الْيَكْمُ مِنْ عَيْنَيْنِ، اَفِي قُلُوبِهِمْ شَرٌّ
 اَمَّا زَانِبُو اَمَّا يَحْفَافُونَ اَنْ يَحْبِثَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ
 وَرَسُولُهُ بَلْ اُولٰٓئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ، (نور، ۶)

عقل بشری | اس میں بھی شک نہیں کہ وحی اور ملکہ نبوت کے علاوہ نبی میں نبوت و رسالت کے فرائض سے باہر کی چیزوں میں اس کی عقل رہی ہوتی ہے، جو عام انسانوں کی ہوتی ہے، اور جس میں اجتہادی غلطی کا ہر وقت امکان ہے، شاہ ولی اللہ صاحب کے نزدیک اجتہاد کی یہی وہ دوسری قسم ہے جس میں نبی سے بھی غلطی ہو سکتی ہے کہ اس کا مدار وحی و الہام اور ملکہ نبوت پر نہیں، بلکہ انسانی علم و تجربہ پر ہوتا ہے، اور یہی وہ قسم ہے جس کا اتباع پیروں پر واجب نہیں، اور اس کی بہترین مثال کھجور کی کاشت کا واقعہ ہے،

صحیح مسلم میں ہے کہ آنحضرت صلعم مدینہ منورہ کے بعض باغوں میں گزرے تو دیکھا کہ کچھ لوگ کھجوروں کے درختوں پر چڑھ کر کچھ کر رہے ہیں آپ نے دریافت فرمایا کہ یہ کیا کر رہے ہیں، ایک ہمارے ہی نے کہا کہ یہ مادہ کھجوروں میں زکھجوروں کے پھول ڈالتے ہیں، کہ پھل زیادہ آئیں، فرمایا: "میں تو نہیں سمجھتا کہ اس سے کچھ فائدہ ہوگا، ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا: "اگر ایسا نہ کرتے تو بہتر ہوتا،" اُس نے جا کر باغ والوں سے آپ کا یہ فقرہ بیان کر دیا، اچھا، نے جو سہرا پا اطاعت تھے، اُس پر عمل کیا، اور ایسا کرنا چھوڑ دیا، پھل اُس سال کم آئے، یا کم ٹھہرے، آپ کا پھر گزر ہوا، تو اُن لوگوں نے صورت حال عرض کی، آپ نے فرمایا میں نے تو یونہی ایک بات سمجھ سے کہہ دی تھی، اگر اُن کو اس عمل سے فائدہ ہوتا ہے تو کریں، پھر فرمایا،

اِنَّمَا اَنَا نَبِيٌّ اِذَا امْرُتُكُمْ نَبِيٌّ مِنْ دِيْنِكُمْ
 فَخُذُوا بِرَاٰ اَمْرُتُكُمْ نَبِيٌّ مِنْ رَاٰ فَاَنَّا
 اِنَّا نَبِيٌّ،

میں تو ایک آدمی ہی ہوں، جب تمہارے دین کا کوئی حکم دوں تو اس کو قبول کرو، اور جب اپنی رائے سے کچھ کہوں تو میں ایک آدمی ہوں،

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں،

اَنْتُمْ اَعْلَمُ بِاَمْرٍ دُنْيَاكُمْ
تم اپنے دنیا کے کام کو زیادہ جانتے ہو

تیسری روایت کے یہ الفاظ ہیں :-

اَنْتُمْ اَخْلَنْتُمْ ظَنًّا فَلَا تَأْخُذُوْنِي بِالظَّنِّ وَلٰكِنْ
میں نے ایک گمان سا کیا تھا گمان پر جھکو نہ پکڑو، ہاں جب
اِذَا حَدَّثَكُمْ عَنِ اللّٰهِ فَسَبِّحُوْهُ خَلْقًا وَابَدًا
خدا کی طرف کوئی بات کہوں تو اس کو لو کہ میں خدا پر جھوٹ
لَنْ اَكْذِبَ عَلٰی اللّٰهِ،
نہ کہوں گا،

ان تینوں روایتوں میں آپ نے اپنے اس ارشاد کو ظن (گمان) رائے اور امر دنیا سے تعبیر فرمایا ہے
اس سے یہ کلیہ بھی مین آتا ہے، کہ امور دین و شریعت میں آپ کا حکم واجب اور من جانب اللہ ہے، لیکن کھیتی
باڑی، علاج و معالجہ وغیرہ خالص دنیاوی امور میں اگر آپ نے کچھ کہا ہے تو اس کی حیثیت فقط مشورہ اور
رائے کی ہے، یہی سبب ہے کہ صحابہ کرام جن باتوں میں اپنا مشورہ آپ کو دینا چاہتے تھے، پوچھ لیتے تھے، کہ یا رسول
اللہ! یہ وحی سے ہے یا رائے ہے، آپ جب فرمادیتے تھے کہ رائے سے ہے، تو وہ اپنا مشورہ پیش کرتے، اور اللہ
فرماتے تو قبول فرماتے، غزوہ بدر میں آپ نے ایک مقام پر پڑاؤ ڈالنا چاہا، ایک صحابی نے اگر عرض کی یا رسول
اللہ! اس مقام کا انتخاب وحی سے ہے یا رائے سے؟ فرمایا میں رائے سے ہے تو عرض کی کہ جنگی نقطہ نظر سے یہ مقام بہترین، فلان
مقام بہتر ہے آپ نے انکی رائے پسند کی اور اپنی رائے کو اس طرح صلح و جنگ اور حکومت کے دوسرے معاملات میں بھی
صحابہ سے مشورہ لیا، اور عمل فرمایا، اور اسی میں خود حضور صلیم کو دشمنوں کی لاکھوں توپوں اور حکومت، یا نام اور زمین صحابہ سے
میلو کا حکم خدا کی طرف سے پہنچا، غزوہ احزاب میں خندق کو دینے میں سلمان فارسی کی رائے پر عمل کیا، لیکن امور جنگ و سیاست میں بھی
جس بات کا حکم عقل و شریعت سے نہیں، بلکہ وحی الہی یا فہم نبوی سے ہوا تھا، اس میں آپ نے نہ کسی سے مشورہ لیا، اور
نہ کسی کے مشورے کو قبول فرمایا، صلح حدیبیہ کے شرائط اور دفعات جو سر امر مصلحت الہی اور حکمت ربانی پر مبنی تھے، اور
بدنے پر حضرت عمرؓ اور دوسرے صحابہ نے کیا کیا زور نہیں لگایا، مگر آنحضرت صلیم نے کچھ التفات نہ فرمایا، اور آخر میں
لے تینوں صحیح مسلم باب جو بامثال ما قالہ شہر عا دون ما ذکرہ صلعم من معاش الدنیا علی سبیل الراہ ج ۲ ص ۳۵ مصر میں ہیں،

نے بتا دیا کہ فہم نبوت سرسری سمجھتی تھی اسی طرح غزوہ احد جیسے نازک موقع پر عبداللہ بن ابی کاتین سو آدمیوں کے ساتھ چہر جانا گوارا کیا، مگر مدینہ سے باہر جا کر صاف آراہونے سے باز نہ آئے، اور پھر مستقبل نے مصلحت الہی کے راز کو فاش کیا،

ایک ادنیٰ سا تامل عقلی حیثیت سے بھی یہ راز بتا دیگا کہ دنیا میں ہر صاحب فن کی ایک نہیں دو عقلیں ہوتی ہیں، ایک اُس فن کے متعلق جسکی استعداد اُس کے اندر رکھی جاتی ہے، اور پھر تعلیم و تربیت، مشق اور کثرتِ عمل سے وہ اتنی بلند اور پختہ ہو جاتی ہے کہ وہ اس فن کے بڑے بڑے عمیق اور مشکل وقائع کو ایک نظر میں معلوم کر رہے ہے، اور اُس کے لایخل عقد دن کو اشارہ دن میں حل کر دیتی ہے، لیکن اوس دائرہ کے باہر اوسکی دوسری عقل عام انسانوں ہی کی طرح معمولی ہوتی ہے، ایک شخص جو فنِ تعمیر کی مہارت اور ہندسہ اور انجینئرنگ کی مہارت میں غیر معمولی عقل و ذہانت رکھتا ہے، بالکل ممکن ہے کہ کچھ اور کی کاشت میں اوسکی عقل معمولی انسانوں سے بھی کم درجہ ہو، ایک فلسفی جو اپنے زورِ فکر سے افلاطون و ارسطو کی غلطیاں نکالتا ہو، وہ تعمیر کے فن میں ایک معمولی مزدور سے بھی زیادہ کم عقل ہو، یہ روزمرہ کی پیش آنے والی مثالیں ہیں، اسی طرح وہ برگزیدہ انسان جو روزانہ کے اسرار، معرفتِ ربانی کے حقائق، تزکیہ نفس کے رموز، اخلاق و معاشرت کے آداب، اور حقوق و شریعت کے مسائل میں دقیقہ رس فہم، اور نکتہ دان عقل رکھتا ہو، اوسکو تعمیر و کاشتکاری کے مسائل میں محض معمولی درجہ ہو، بلکہ بالکل نہ ہو،

اسی طرح انبیاء علیہم السلام امورِ دین و شریعت میں وحی اور ملکہ نبوت سے جو کچھ فرماتے ہیں، وہ عین مصلحت عین حکمت، خطا اور غلطی سے سرتاپا متبرا اور پاک ہوتا ہے، لیکن دوسرے امور مثلاً پہننے اور سننے، کھانے پینے، رہنے سہنے، سلطنت و سیاست، نظم و نسق، صلح و جنگ، سامان و اسلحہ، موکب و سواری، صنفیت و حریت طبیب، علاج، وغیرہ دنیاوی امور کی نسبت کلی تاملات میں تباہ و جزئیات کی تفصیل سے انھوں نے احتراز فرمایا، اور کسی قطعی فیصلہ کا مسلمانوں کو پابند نہیں کیا، پہننے اور سننے کے متعلق، صرف تین باتیں فرمائیں، پہلی یہ کہ وہ لباس

اور طرز لباس نہ اختیار کیا جائے، جس سے ستر عورت نہ ہو، دوسری یہ کہ مرد، وہ لباس اختیار نہ کریں، جو عورتوں کے لیے زیبہ ہے، نہ عورتیں وہ لباس اختیار کریں جو مردوں کے لیے مناسب ہے، تیسری بات یہ ہے کہ وہ لباس پسندیدہ نہیں، جس سے غرور و نخوت نمایاں ہو، کھانے پینے میں چند حرام چیزوں کے سوا کسی کی مانست نہیں نظم و نسق اور نظام حکومت و سلطنت میں چند کلی اصول تعلیم فرمائے، شہنشاہانہ اور جابرانہ حکومت نہ ہو، لوگوں میں مساوات ہو، اور اہم امور میں اہل حل و عقد کا باہمی مشورہ ہو، و علیٰ ہذا القیاس،

الغرض یہی وہ امور ہیں جنہیں زمانہ اور تمدن کی ترقی کے ساتھ ساتھ تغیر و انقلاب ہوتا ہے اس لئے اُن کو ہمیشہ کے لیے محدود کر دینا مصلحت الہی کے خلاف تھا،

ملکہ نبوت عقل نبوت | گذشتہ مباحث سے یہ امر واضح ہوتا ہے کہ نبی میں علم و فہم کے تین ذریعے ہیں، وحی، ملکہ نبوت
کاشعری ثبوت | اور عام عقل بشری، ان میں سے اول آخر کے ثبوت کے لیے اب کسی استدلال کی ضرورت

نہیں کہ اول تو یہ مسلمات سے ہیں، اور دوسرے اوپر کے تشریحات میں متقبل طور سے اُن پر نشین ہو چکی ہیں، لیکن اب تک ہم نے دوسری چیز یعنی ملکہ نبوت کیلئے کوئی شرعی دلیل پیش نہیں کی ہے، اس سلسلہ میں سب سے پہلی بات یہ کہنی ہے کہ جن علمائے اس کی حقیقت ظاہر کی ہے، انھوں نے اپنے اپنے مذاق کے مطابق اس کے لیے الگ الگ اصطلاحیں قائم کی ہیں، مگر مفہوم معنی کے لحاظ سے وہ دراصل ایک ہیں، سلف صالحین میں سے بعض نے اس کو اتقار فی الرفع (دل میں ڈالنا) نبی کی حکمت قلبیہ، توفیق ازلی، اور قوت تبیین سے تعبیر کیا ہے، امام غزالی و امام رازی اور دوسرے متکلمین نے اس کو ملکہ نبوت سے ادا کیا ہے، شاہ ولی اللہ صاحب اور علمائے اصول نے اس کو پیغمبرانہ قوت اجتہاد کہا ہے، اور صوفیہ کی عام پسند اصطلاح میں اس کو علم لدنی کہا جاتا ہے، مگر ان سب کے معنی تقریباً ایک ہی ہیں یعنی نبی کے اندر کی وہ پیغمبرانہ عقلی قوت جو بشری عقل سے فوق ہے، جس کے ذریعہ سے وہ وحی کی تشریح، اسرار شریعت کا بیان اور دقائق حکمت کی اپنی زبان سے توضیح کرتا ہے،

سہ ماہی تمام الفاظ امام شافعی کی کتاب لرسالہ میں مذکور ہیں۔

انبیائے کرام کے اُن ربّانی انعامات کی فہرست پڑھیے، جنکا تذکرہ قرآن نے جا بجا کیا ہے، تو وحی کی مخصوص نعمت کے بعد سب فہرست جو چیز نظر آئیگی، وہ علم نبوت ہے جس کو کہیں ذکر (یا دواشت) کہیں حکم (حق و باطل میں تمیز کا حکم) کہیں حکمت (دہائی) کہیں تشریح صدر (سینہ کا کھول دینا) کہیں تفہیم (سمجھ بوجھ دینا) کہیں تعلیم (دکھا دینا) کہیں آراء (دکھا دینا سوچھا دینا) کہا گیا ہے، ان سب مختلف الفاظ کا مفہوم وحی سے نیچے اور عقل بشری سے اوپر عقل نبوی کے سوا اور کیا ہے؟ ان سے مراد وحی تو اس لیے نہیں کہ ان کا ذکر وحی سے الگ ہوتا ہے، اور عقل بشری اس لیے نہیں کہ عقل بشری خاص نبی پر کوئی انعام نہیں، کہ یہ نعمت تو ہر انسان کو کچھ نہ کچھ ملی ہے، اس بنا پر اس سے مراد عقل نبوی اور حکمت نبوی کے سوا کچھ اور نہیں ہو سکتا،

حکمت | انبیاء علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو نعمتیں عطا ہوتی ہیں، ان میں ایک خاص نعمت کا ذکر قرآن پاک میں بار بار آتا ہے، اور وہ حکمت ہے، آلِ ابراہیم پر اللہ تعالیٰ نے جو احسانات کئے ان کا ذکر وہ ان الفاظ میں فرماتا ہے،

۱۔ فَقَدْ آتَيْنَا آلَ إِبْرَاهِيمَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ
وَأَتَيْنَهُمْ مُلْكًا عَظِيمًا، (نساء: ۸)

تو بے شک ہم نے ابراہیم کی اولاد کو کتاب اور حکمت دی،
اور ان کو بڑی سلطنت بخشی،

حضرت لقمان کی نسبت ہے،

۲۔ وَلَقَدْ آتَيْنَا لُقْمَانَ الْحِكْمَةَ (لقمان: ۲)

اور یقیناً ہم نے لقمان کو حکمت دی،

حضرت داؤد کی شان میں ہے،

۳۔ وَشَدَدْنَا مُلْكَهُ وَأَتَيْنَاهُ الْحِكْمَةَ وَ
فَضْلَ الْخِطَابِ، (ص: ۲)

اور ہم نے داؤد کی سلطنت مضبوط کی، اور اس کو حکمت اور
قول فیصل عطا کیا،

۴۔ وَقَتَلَ دَاوُدُ جَالُوتَ وَآتَاهُ اللَّهُ الْمُلْكَ
وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهُ مَا يَشَاءُ، (بقرہ: ۲۴۷)

اور داؤد نے جالوت کو مارا، اور خدا نے داؤد کو سلطنت اور
حکمت بخشی، اور جو چاہتا ہے، اس میں سے کچھ سکھایا،

حضرت عیسیٰ فرماتے ہیں:-

۵۔ قَدْ جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ وَلِأُبَيِّنَ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِي تَخْتَلَفُونَ فِيهِ (زخرف-۶)

۵۔ میں تمہارے پاس حکمت لیکر آیا ہوں تاکہ جن باتوں میں تم باہم اختلاف رکھتے ہو کچھ باتیں ان میں سے کھول دوں،

خود اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ پر اپنا احسان جتا رہا ہے، تو فرماتا ہے،

۶۔ وَإِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْحِيدَ ۚ وَإِذْ أَنْجَلْتَكَ مِنَ الْيَتَامَىٰ وَالتَّقْوَىٰ ۚ وَإِذْ عَلَّمْتَكَ مَا كُنْتَ لَا تَعْلَمُ ۚ وَإِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْحِيدَ ۚ (ال عمران-۱۵)

۶۔ اور یاد کر جب میں نے تجھ کو کتاب اور حکمت اور توحید اور انجیل کی تعلیم دی،

عام انبیاء کے متعلق ہے،

۷۔ وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ لَمَا آتَيْنَاهُمْ ۖ وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ لَمَا آتَيْنَاهُمْ ۖ (ال عمران-۹)

۷۔ اور جب اللہ نے نبیوں سے وعدہ دیا کہ جو میں تم کو کوئی کتاب

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کی یہ دعا مانگی تھی،

۸۔ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ ۚ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (البقرہ-۱۲۹)

۸۔ ہمارے پروردگار! اور ان میں ایک سول بھیج، جو ان کو پیری آئین سنائے، اور ان کو کتاب اور حکمت سکھائے، انکو سنوارے، بیشک تو غالب اور حکمت والا ہے،

اللہ تعالیٰ نے انکی یہ دعا قبول فرمائی۔

۹۔ كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِّنكُمْ يَتْلُو عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُم مَّا كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ (البقرہ-۱۲۹)

۹۔ جس طرح اس نے تم میں ایک سول بھیجا، وہ تمکو ہماری آیتیں سناتا اور تمکو سنوارتا ہے، اور تمکو کتاب اور حکمت سکھاتا ہے، اور وہ سکھاتا ہے جو تم نہیں جانتے تھے،

اس دعا سے ابراہیمی کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کا احسان اللہ تعالیٰ نے سورہ آل عمران میں ہم پر

جسایا ہے،

۱۰۔ لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْ أَنْفُسِهِمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ (آل عمران - ۱۰)

۱۰۔ یقیناً اللہ نے ایمان والوں پر احسان کیا، کہ اُن میں انھیں سے ایک رسول بھیجا، جو اُن کو اُن کی آیتیں پڑھکراتا ہو اور اُن کو سنواتا ہو اور اُن کو کتاب اور حکمت سکھاتا ہو اگرچہ وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے،

اللہ تعالیٰ نے اپنا یہی احسان انھیں الفاظ میں سورہ مجملہ میں دہرایا ہے،

۱۱۔ هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ (جمعا)

۱۱۔ وہی اللہ جس نے اُن پڑھ لکھوں میں انھیں میں سے ایک رسول بھیجا، جو اُن کو اللہ کی آیتیں سنا رہا ہے اور اُن کو کتاب و صاف کرتا رہا ہے اور کتاب اور حکمت سکھاتا ہو اور وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے،

خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے اپنا یہ احسان اُن پر ظاہر فرمایا ہے،

۱۲۔ وَلَوْ لَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهُ لَفُتَّتْ ظَافِنَهُ مِنْهُمْ أَنْ يُضِلُّوكَ وَمَا يُضِلُّونَ إِلَّا أَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ ذَلِكَ مِنْ شَيْءٍ أَنْزَلَ اللَّهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا (نساء - ۱۱)

۱۲۔ اور اگر خدا کا فضل و کرم تجھ پر نہ ہوتا، تو اُن میں سے ایک بھٹا ارادہ کر چکی تھی کہ وہ تجھے گمراہ کر دے اور وہ گمراہ نہیں کرتے لیکن اپنے آپ کو اور تجھے کچھ نقصان نہ پہنچا سکتے، خدا نے تجھے کتاب اور حکمت اتاری اور تجھ کو وہ سکھایا جو تو نہیں جانتا تھا اور تجھ پر خدا کا بڑا فضل تھا،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے،

۱۳۔ ذَلِكَ بِمَا أَوْحَى إِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ (اسرائیل - ۷۷)

۱۳۔ یہ وہ ہے جو خدا نے حکمت کی باتوں میں سے تیرے دھڑکی کی ہے،

عام مسلمانوں سے ارشاد ہے،

۱۳۔ وَاذْكُرُوا اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ وَاَنْزَلَ عَلَيْكُمْ
۱۳۔ اور اللہ کا جو احسان تم پر ہے، اور اُس نے تم پر جو کتاب عطا

بَيْنَ الْكُتُبِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ فِيْهَا (نقہ- ۲۹)
انہی میں ہوا، انکو یاد کرو، خدا تم کو اس سے سمجھاتا ہے،

خاص طور سے ازولج، طہرات کو خطاب ہے،

۱۵۔ وَاذْكُرْ مَا بَدَا لِيْ فِيْ بُيُوتِكُمْ مِنْ اٰيَاتِ اللّٰهِ
۱۵۔ اور تمہارے گھروں میں اللہ کی جو آیتیں اور حکمت کی جو باتیں

وَالْحِكْمَةِ (احزاب- ۴۷)
سنائی جاتی ہیں، اُن کو یاد رکھو،

یہ نعمت حسب استعداد عام مسلمانوں کو بھی ملا کرتی ہے،

۱۶۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِذْكُرْ اللّٰهَ الَّذِيْ
۱۶۔ اور خدا جس کو چاہتا ہے حکمت بخشتا ہے، اور جس کو حکمت بخشنے

الْحِكْمَةَ فَقَدْ اَوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا (نقہ- ۳۰)
اوسکو بڑی دولت (بھلائی) دے گی،

اسی کے ذریعہ تبلیغ و دعوت کا حکم بھی ہوتا ہے،

۱۷۔ اِذْ عَلِمْنَا اَنَّ مِّنْ دُوْنِكُمْ سُلٰطَةً
۱۷۔ اپنے پروردگار کے راستہ کی طرف، تو حکمت اور چمک نصیحت

اَلْحَسَنَةَ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ (نمل- ۱۷)
ذریعہ سے بلا، اور اُن سے عمدہ طریقہ سے مناظرہ کر،

ایک جگہ قیامت اور عبرت کے واقعات پر حکمت کا اطلاق ہوا ہے،

۱۸۔ وَلَقَدْ جَاءَكُمْ مِنْ اَنْبِيَآءٍ مَا فِیْهِ مَزِدٌ مِّنْ
۱۸۔ اور اُن کو اتنے احوال جتنے میں ڈانٹ ہو سکتی ہے، پہنچ چکے ہیں،

حُكْمٍ بِالْفَتْحِ فَمَا لَنْفَعِ النَّاسُ (نمل- ۱۸)
مؤثر حکمت، تو اُن کو ڈرسانے والے فائدہ نہیں پہنچا سکتے

اور یہی سطور ہیں وہ تمام آیتیں لکھی ہیں، جنہیں حکمت کا لفظ آیا ہے، ان آیتوں میں ”حکمت کا لفظ

کہیں تنہا آیا ہے اور کہیں کتاب کے بعد کتاب کے دوسری قرآن میں آئے ہیں، ایک صحیفہ ربانی کے

متنی میں، اور یہ اکثر آیا ہے، اور دوسرے نوشتہ الہی اور علم الہی کے معنی میں، جیسے دوسرا کتاب میں اللہ سبق

(اگر خدا کا نوشتہ، یا علم پہلے نہ ہوتا) ان سابقہ آیتوں میں کتاب سے تو بے شبہ آسمانی کتاب اور صحیفہ ربانی،

یا یوں کہو کہ وحی کتابی، جیسے تورات و قرآن وغیرہ مراد ہے، لیکن ”حکمت“ کا مفہوم ان آیتوں میں کیا ہے؟

حکمت کے لغوی معنی تو "دانا ئی کی بات اور کام کے بین، مگر یہاں اس سے مقصود کیا ہے؟ اس تحقیق کے لیے ضرورت ہے کہ مستند اہل لغت، اور ماہرین قرآن کے اقوال نقل کر کے تبصرہ کیا جائے، سب سے قدیم لغت نویس ابن درید التوفی ۳۲۰ھ اپنی کتاب جمہرۃ اللغۃ میں "حکمت" کے حسب ذیل معنی لکھتا ہے،

کُلُّ کَلِمَةٍ وَعَظْمُکَ اَوْ زَجْرُکَ اَوْ دَعْوُکَ
ہر وہ بات جو تجھ کو سمجھائے، یا تجھ کو تنبیہ کرے، یا کسی اچھی
الی مکرمة اَوْ نَفْثَکَ مِنْ قَبْلِکَ فِی حِکْمَةٍ و
کی طرف بلائے، یا کسی بری چیز سے روکے وہ حکمت اور
حکمر، (جلد ۲ ص ۱۸۶ - حیدرآباد)

نفت کا امام جوہری، اپنی صحاح اللغۃ میں لکھتا ہے،

الحکمة من العلم والحکیم العالم وصاحب
حکمت یعنی علم اور حکیم یعنی عالم اور حکمت والا، اور حکیم کا معنی
الحکمة والحکیم المتقن للاصول (جلد ۲ ص ۲۶۷)
کو خوبی سے کرنے والا،

عربی لغت کی مبسوط و مستند کتاب لسان العرب میں ہے،

والحکمة عبارة عن معرفة افضل الاشياء بافضل
اور حکمت بہترین چیز کو بہترین علم کے ذریعہ سے جاننے
العلوم، (ج ۱ ص ۳۰۰ مصر)
سے عبارت ہے،

نفاۃ قرآن کے مشہور امام رغبہ منہاجی مفردات القرآن میں کہتے ہیں،

والحکمة اصابة الحق بالعلم والعقل، فالحکمة
اور حکمت، علم اور عقل سے سچی اور صحیح بات کو جاننا، تو
من الله تعالى معرفة الاشياء وایجادها علی
اللہ تعالیٰ کی حکمت، چیزوں کا جاننا اور ان کو کمال خوبی
غایۃ الاحکام ومن الانسان معرفة
پیدا کرنا ہے، اور انسان کی حکمت موجودات کو جاننا
الموجودات وفعل الخیرات (ص ۱۲۶ - مصر)
اور اچھی باتوں کا کرنا ہے،

یہ تو عربی لغت کے اماموں کی تصریحات تھیں، اب اُن ہرگز گون کے اقوال پر غور کرنا ہے، جو زبان دینی
کے ساتھ قرآن اور شریعت کے استدلالات اور محاوروں سے بھی کمال طور سے آگاہ تھے، ابن حبان اندلسی

نے اپنی تفسیر بحر المحیط میں ان کے اکثر اقوال کو یکجا کر دیا ہے،

- ۱۔ قال مالك والبرزین: الحكمة الفقه في الدين والفهم الذي هو حجة ونور من الله تعالى،
۱۔ امام مالک اور البرزین کا قول: حکمت، دین میں سمجھ اور اُٹھ
فہم کو کہتے ہیں جو ایک فطری ملکہ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نوری
- ۲۔ وقال مجاهد: الحكمة فہم القرآن،
۲۔ مجاہد کا قول: حکمت یعنی قرآن کا فہم،
- ۳۔ وقال مقاتل: العلم والعمل به لا يكون الرجل حكما حتى يجمعهما،
۳۔ مقاتل کا قول: حکمت، علم اور علم کے مطابق عمل کو کہتے ہیں کسی شخص
کو حکیم اس وقت تک نہیں کہہ جاتا جب تک کہ علم اور عمل دونوں کا جامع نہ ہو
- ۴۔ وقيل: الحكم والقضاء،
۴۔ بعضوں کا قول: حکمت فیصلہ کرنا،
- ۵۔ وقيل: ما لا يعلم الا من جهة الرسول،
۵۔ کسی کا قول: حکمت وہ جو رسول کے سوا کسی اور ذریعہ سے معلوم نہ ہو
- ۶۔ وقال ابو جعفر محمد بن يعقوب: كل صواب من القول ورت فعلا صحيحا فهو حكمة،
۶۔ ابو جعفر کا قول: ہر وہ صحیح بات جو صحیح عمل پسند کرے، حکمت ہے،
- ۷۔ وقيل وضع الاشياء مواضعها،
۷۔ کسی کا قول: چیزوں کو اپنی جگہ پر رکھنا حکمت ہے،
- ۸۔ وقيل: كل قول وجب فعله،
۸۔ ایک اور کا قول: ہر وہ بات جس کا کرنا ضروری ہو،

امام ابن جریر طبری نے اپنی تفسیر میں حسب ذیل اقوال لکھے ہیں:

- ۱۔ قال (مالك): المعرفة بالدين والفقه في الدين والاتباع له،
۱۔ مالک کا قول: دین کی معرفت اور دین میں سمجھ اور اس کی پیروی،
- ۲۔ قال ابن زيد: الحكمة الدين الذي لا يعرفونه الا به صلعم يعلمهم اياها، قال الحكمة العقل في الدين وقدره "ومن يؤت الحكمة"
۲۔ ابن زید کا قول: حکمت دین کا وہ حصہ ہے جو صرف رسول سے معلوم ہوتا ہے، وہی اس کو سکھاتا ہے، نیز انہیں کا
عقل فی الدین وقدرہ "ومن يؤت الحكمة" قول ہے کہ حکمت، دینی عقل کا نام ہے اور اس پر آیت پڑھی

لہ زیاربت والفت فیہم رسول لا منہم الا یرج اص ۳۹۳، مابوہ سعادت مصر،

فَقَدْ أَوْفَى خَيْرًا كَثِيرًا" وقال عيسى "وَلْيُعَلِّمُوا" کہ جس کو حکمت دی گئی اس کو بڑی دولت دی گئی اور خدا نے حضرت
 الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَاللَّهُ مَرَاتٌ وَالْإِنْجِيلَ وَقُرْآنَ ابْنِ زَيْدٍ "وَأَمَّا الَّذِينَ اتَّبَعُوا فَاُولَٰئِكَ
 نَزِيلًا عَلَيْهِمْ نَبَأُ الَّذِي آتَيْنَاهُ آيَاتِنَا فَاسْتَكْبَرُوا" کہ ان کو اسکا حال سناؤ جو کہنے
 وَنُهَايَا قَالَ لَمْ يَنْتَفِعْ بِالْآيَاتِ حِينَ لَمْ تَكُنْ مَعَهُ حِكْمَةً اہم بن تو وہ ان سے الگ ہو گیا یعنی ان آیتوں سے نفع نہیں اٹھایا کہ
 قَالَ وَالْحِكْمَةُ شَيْءٌ يَجْعَلُهُ اللَّهُ فِي قَلْبِ مَنْ يَشَاءُ لَمْ يَبْرُكْ اُن کے پاس حکمت نہ تھی حکمت وہ چیز ہے جو کہ اللہ تعالیٰ بندہ کے قلب میں

۳۔ من قتادة: والحكمة هي السنة ۳۔ قتادہ: حکمت بنی سنت نبوی،

آخرین امام طبری اپنا فیصلہ سناتے ہیں،

۴۔ قال ابن جرير الطبري: والصواب من القول عندنا في الحكمة انها العلم باحكام الله التي لا يدل ذلك علمها الا ببيان الرسول صلعم و المعرفة بها وما دل على ذلك من نظائرها وهو عندى ما اخذ من الحكمه للذي بمعنى الفصل بين الحق والباطل،

۴۔ ہمارے نزدیک صحیح بات یہ ہے کہ حکمت اُن احکام الہی کے علم کا نام ہے جو صرف رسول کے بیان (تشریح) سے معلوم ہوتے ہیں اور اُن کی اور جواوہن کی مثالیں اور نظیریں ہیں اُن کی معرفت کو کہتے ہیں، اور "حکمت" کا نظام نزدیک "حکم" سے ماخوذ ہے، جس کے معنی حق و باطل میں تیز کرنے کے ہیں،

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصنیف کتاب الرسالہ میں قتادہ کے مسلک کو پسند کیا ہے، لکھتے ہیں
 ۵۔ وسمعت من ارضي من اهل العلم بالقرآن ۵۔ میں نے قرآن کے اہل علم سے جب کو پسند کرتا ہوں یہ
 يقول: الحكمة سنة رسول الله صلعم (ص ۲) سنا کہ حکمت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا نام ہے،
 امام شافعی اسی کتاب میں آگے چل کر بعضوں کا قول نقل کرتے ہیں،

وسنة الحكمة التي اتى في روي عنه عن الله اور آپ کی سنت وہ حکمت ہے جو آپ کے دل میں خدا
 عن ريجل (ص ۲۸) کی طرف سے ڈالی گئی،

ائمہ لغت اور علمائے قرآن کے ان تمام اقوال پر ایک غائر نظر ڈالو تو معلوم ہوگا کہ یہ کل کے کل ایک ہی
 مفہوم کی مختلف تعبیریں اور ایک ہی حقیقت کی متعدد تفسیریں ہیں، حکمت عقل و فہم کی اُس کامل ترین حقیقت کا
 نام ہے، جس سے صحیح و غلط، صواب و خطا، حق و باطل اور خیر و شر کے درمیان تمیز و فیصلہ، بذریعہ غور و فکر، دلیل و
 برہان اور تجربہ و استقراء کے نہیں، بلکہ منکشفانہ طور سے ہو جاتا ہے اور اُسی کے مطابق اُس صاحب حکمت کامل
 بھی ہوتا ہے،

ہر فن کے واقفکار و وقف کے ہوتے ہیں، ایک وہ جو کسی فن کو باقاعدہ حاصل کرتے، اوس کی مشق کرتے
 اور اُس میں مارت اور کمال ہم پہنچاتے ہیں، دوسرے وہ جو اُس فن کی فطری استعداد اور قابلیت رکھتے ہیں
 اور تجربہ و دلیل کے بغیر خود اپنی فطری صلاحیت، صحیح و جہان اور سلیم ذوق سے اوس فن کی کسی شے کو دیکھنے
 کے ساتھ اُس کے متعلق سچی تلی رائے دیتے ہیں، اور حرف حرف صحیح دیتے ہیں، اسی کا نام آپ صحت و جہان اور
 سلامت ذوق رکھتے ہیں، شاعری، انشا پر داری، اور دوسرے فنون لطیفہ میں اوسکی مثالیں بکثرت دیکھی اور
 سنی جاتی ہیں، اسی طرح بعض لوگوں میں اشیاء کے حق و باطل اور افعال کے خیر و شر کی تمیز کا صحیح و جہان،
 اور صحیح ذوق ہوتا ہے، اُس کے دقیق سے دقیق مسئلہ کے متعلق اپنے ربانی ذوق و جہان سے صحیح رائے دیتے
 ہیں، جو دوسرے لوگ وسیع مطالعہ اور غور و فکر کے بعد بھی نہیں دیکھتے، یہی وہ معرفت اور نور الہی ہے جو جہد
 اور سعی و محنت سے نہیں، بلکہ عطا و بخشش سے حاصل ہوتی ہے، اور اسی کا نام حکمت ہے،

دوسری ربانی استعداد و فن اور فطری بخشش کی طرح حکمت کا عطیہ بھی سب کو یکساں نہیں ملتا، بلکہ
 حسب استعداد معمولی حکمت سے لیکر اعلیٰ ترین اور کمال ترین حکمت تک عطا ہوتی ہے، اس کے مختلف درجے
 اور مراتب عام انسانوں کو مل سکتے ہیں، اور ملتے ہیں، لیکن اسکا اعلیٰ ترین اور کامل ترین درجہ اور مرتبہ صرف انبیاء
 علیہم السلام کو ملتا ہے،

مگر یہ نکتہ یاد رکھنا چاہیے کہ جس طرح اس ربانی عطیہ، آسمانی فہم، دینی عقل اور نورانی قوت پر حکمت کا

اطلاق ہوتا ہے، اُسی طرح اس قوتِ حکمت کے آثار و نتائج اور اُس کی تعلیمات پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے، چنانچہ دوسری آیت جس میں حضرت لقمان کو حکمت دیے جانے کا بیان ہے، اُس کے بعد اس حکمتِ نقانی کی حسبِ ذیل تعلیمات کا ذکر ہے، اللہ کا شکر ادا کرنا، شرک کی مانعت، والدین کی خدمت، انہوں کی پیروی، خدا کا ہمہ گیر علم، نماز کا حکم، صبر، فقر و غرور کی مانعت، تہیہ نہ روی، آہستہ بولنا، اسی طرح تیرہویں آیت میں حکمتِ محمدی کی حسبِ ذیل تعلیمات کی تفصیل ہے، شرک کی مانعت، والدین کے ساتھ احسان، قربتِ دار و دن اور بیگنون سے نیک سلوک، اسراف کی برائی، نرمی کی بات کرنا، تہیہ نہ روی، اولاد کے قتل کی مذمت، کسی کی جان نہ لینا، مقتول کا بدلہ لینا، یتیم کے ساتھ اچھا برتاؤ، عہد پورا کرنا، ناپ تول ٹھیک کھنا، بے جانی چیز کی پیروی نہ کرنا، فقر و غرور کی مذمت، ان تمام باتوں کو بیان فرما کر اللہ کہتا ہے،

ذٰلِكَ جَآءَ اَوْحٰی اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ (اسلام)

حکمت کی ان بعض باتوں کی تفصیلات سے اندازہ ہوتا ہے کہ حکمت کے مظاہر اور نتائج کس قسم کی باتیں ہوتی ہیں، یہ عموماً وہی باتیں ہوتی ہیں جنکی عالمگیر صداقت اور سچائی کو خود فطرتِ انسانی اور حسِ اخلاقی تسلیم کرتی ہو، اور یہی سبب ہے کہ تیسری اور چوتھی آیت میں حکمت کا اطلاق نہ پورا پر اور پانچویں اور چھٹی آیت میں اکچل پچل ہوا ہے، کہ ان میں اسی قسم کی دلائل و برہانوں اور عالمگیر صداقتوں کی تعلیم ہے، اور خود قرآنِ پاک نے بھی اپنی ”حکمت والا قرآن“ ظاہر کی ہے، تِلْكَ اٰیٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ (لقمان: ۲۷) وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ (یسین: ۲) وَالَّذِيْ كَرَّمَ (ال عمران) ان آیتوں سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ ”حکمت“ کی بعض اہم تعلیموں اور باتوں کو وحیِ الہی خود اپنے اندر بھی شامل کر کے ان کو آبِ معطر بنا دیتی ہے، یہ چیز نبیاء کو کتاب کی وحیِ الہی کیساتھ عام طور سے ملتی ہے، فرمایا،

وَاِذْ خَلَقْنَا اللّٰهَ مِنْ شَاقِ النَّبِيِّنَ كَمَا اَنْتُمْ مِّنْكُمْ (اور یاد کرو جب خدا نے پیغمبروں سے عہد لیا کہ اللہ جو ہیں

کِتٰبٌ وَحَكْمَتِيْہ (ال عمران: ۹)

تم کو کتاب اور حکمت دون،

بہر حال حکمت کی قوتِ انبیاء علیہم السلام کو بدرجہ اتم حاصل تھی، اور اسی کا نتیجہ تھا کہ ان کی ہر بات و نائی

اور ان کا ہر کام دانشمندی پر مبنی تھا، اور یہ قوت ان کو حاصل تھی، تو اس قوت کے آثار و نتائج بھی اقوال و اعمال کی صورت میں ظاہر ہوئے، اور ان نبوی حکیمانہ آثار و نتائج کا اقرار و اعتراف اور ان پر عمل بھی نبوت کی تصدیق کے اندر داخل ہوا، پس رہوین آیت میں ہے،

وَلَا تُكْرِمُوا مَائِلًا فِي بَيْتِي تَكُنْ مِنْ آيَةِ اللَّهِ وَحِكْمَةٍ (اور اسے محمد رسول اللہ کی بیوی ہو،) تمہارے گھر دن میں خدا کی

جو آیتیں اور حکمت کی باتیں سنائی جاتی ہیں، ان کو یاد رکھو، (احزاب-۴۱)

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات کو آیاتِ الہی کے علاوہ کس حکمت کے یاد رکھنے کا حکم دیا گیا، ظاہر ہے کہ وہ خود محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکمت و دانائی کی باتوں کو یاد رکھنے کا حکم ہے، اب اگر وہ باتیں امورِ دین سے متعلق نہ ہوتیں، تو ان کے لیے ان کا یاد رکھنا کیوں ضروری قرار دیا جاتا، اسی طرح اٹھویں، نویں، دسویں، اور گیارہویں آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت میں ہے،

يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ، (جمہ-۱) وہ مسلمانوں کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے،

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کتاب کے بعد کس حکمت کی تعلیم دیتے تھے؟ ظاہر ہے کہ خود اپنی حکمت کی، تو جس حکمت کی تعلیم وہ دیتے تھے، وہ خود ان کے اندر بھی تھی، کہ جو چیز ان کے پاس نہیں، وہ دوسروں کو کیا بخشے، تو جب یہ قوت آپ کے پاس تھی، تو اس کے آثار و نتائج بھی اقوال و افعال کی صورت میں ہون گے، جنکی وہ تعلیم فرماتے تھے، اور اپنے ان امورِ حکمت کی تعلیم سے آپ کا مقصد بھی یہی ہو سکتا ہے، کہ مسلمان ان پر عمل کریں، پانچویں آیت میں ہے، کہ حضرت عیسیٰ فرماتے ہیں،

قَدْ جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ وَلِأُبَيِّنَ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِي

تَخْتَلِفُونَ فِيهِ (ذخرف-۶۰) تم باہم اختلاف رکھتے ہو کچھ باتیں ان میں سے کھول دوں،

اس لفظ بتیلی سے کسی کو شبہ نہ ہو کہ وہ کتاب کے لیے خاص ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کتاب کا کوئی صفحہ پڑھ کر نہیں سناتے تھے، بلکہ الفاظِ الہی کو ربانی اد فرماتے تھے، اسے قرآن پاک میں حرفِ عِلْم سے قبل واو آیا کرتا تھا، جیسے وَلَيَأْتِيَنَّ مِنَ الْمُتَّقِينَ یہ حرفِ عطف نہیں،

اس سے معلوم ہوا کہ حکمت کا ایک فرضیہ تسبیح بھی ہے، یعنی کسی محل، دو معنیوں اور مختلف فیہ مسئلہ کی تشریح و تفصیل جس سے وہ اجمال اور اختلاف جاتا رہے، اور اصل مقصود کی تشریح ہو جائے، چنانچہ حضرت علی علیہ السلام نے تورات کے بعض احکام کی جنہیں یہود مختلف الزائے تھے، تفصیل فرمائی، اور انکی غلطی دور کی، بارہویں آیت میں ہے،

وَلَوْ كُنَّا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهُ لَكَمَتَّ
ظَافِرَةً مِنْهُمْ أَنْ يُضِلُّوكَ وَمَا يُضِلُّونَ
إِلَّا أَنْفُسَهُمْ وَمَا يَصُدُّونَكَ مِنْ شَيْءٍ أَنْزَلَهُ اللَّهُ
عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ
تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا (نساء)

اور اگر خدا کا فضل و کرم تجھ پر نہ ہوتا تو اون میں سے ایک گروہ نے
چاہا تھا کہ تجھ کو گمراہ کرے، اور وہ گمراہ نہیں کرتے لیکن اپنے آپ کو
اور تجھے ذرا سا بھی نقصان نہیں پہنچائیں گے، اللہ نے تجھے
کتاب اور حکمت اتاری اور تجھ کو سکھایا جو نہیں جانتا تھا اور
اللہ کا فضل تجھ پر بڑا ہے،

ان آیتوں میں بیان ہے، کہ منافقین کا ایک گروہ آپ کو غلط رائے دیکر بہکانا چاہتا تھا، مگر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، کہ ان کی یہ چال کار گنہ ہوئی، اور وہ تجھ کو بہکانہ سکے، اس کی وجہ یہ تھی کہ اللہ کا تجھ پر فضل و کرم ہے، اور وہ فضل و کرم یہ ہے کہ اُس نے تجھ پر کتاب اور حکمت اتاری، اور تجھے وہ علم بخشا، جو پہلے نہ تھا، اس سے ظاہر ہوا، کہ گمراہی سے آپ کی یہ حفاظت، خطا سے یہ عصمت، اور علم کی پیشکش آپ کو کتاب اور حکمت کے ملنے کے سبب حاصل ہوئی ہے، الغرض اس حفاظت و عصمت کے حصول میں کتاب الہی کیساتھ حکمت ربانی کے انعام کو بھی دخل کا مل جائے، یہ تو وہ نبوی حکمت ہے جس کا سرختمہ صرف سینہ نبوت ہے، لیکن یہ فیض حسب استعداد ان کے اتباع میں دوسروں کو بھی ملتا ہے، جس کا یہ اثر ہوتا ہے، کہ وہ سچی اور صحیح بات کو بہت آسانی سے سمجھ لیتے، قبول کر لیتے، اور اس پر عمل کرتے ہیں،

تبلیغ اسلام کے تین ذریعہ ہر حکمت، برعظمت، اور خوش خلقی کے مناظرہ میں سب سے اول اوی کو
جگہ دینی،

أَدْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ
تو اپنے رب کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کیساتھ دعوت دے

الْحُسْنَىٰ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ (مغل-۱۶) اور اُن سے مناظرہ بطریق احسن کر،

سچی صحیح اور صاف بات دل تک پہنچ جاتی، اور بہت جلد اپنا اثر دکھاتی ہے، فرمایا،

حِكْمَةٌ بِالْعَمَلِ (قصر-۱) دل تک پہنچ جانوالی حکمت،

یہ حکمت ہر نیکی کی جڑ اور بھلائی کی اصل ہے، پھر اس سے بڑھ کر دنیا میں اور کیا دولت ہو سکتی ہے، اسی لیے

ارشاد ہوا،

وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا
جس کو حکمت دی گئی اوس کو بڑی نیکی (دولت)

دی گئی، (لقمان-۳۷)

اس سلسلہ میں دو مشہور و مستند حدیثوں کا حوالہ بھی مناسب ہے، جس سے حکمت کی حقیقت واضح

ہوگی، اور کم از کم قرن اول میں اس لفظ کا مفہوم ظاہر ہوگا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وفد کے ایک خطیب کا بیان

سنکر فرمایا،

إِنَّ مِنَ الشَّعْرِ لِحِكْمَةً وَإِنَّ مِنَ الْبَيَانِ لَسُحْرًا
بعض شعر حکمت ہیں اور بعض تقریریں جادو ہوتی ہیں

اس حدیث میں بعض اشعار کو حکمت اور بعض تقریر و بیان کو جادو کہا گیا ہے، اس تقابل سے ظاہر ہے

کہ اس عربی حکمت کا مفہوم اردو حکمت کے مفہوم سے بلند تر ہے، یعنی سحر و جادو کے مافوق انسانی تصور کی طرح

حکمت کے عربی مفہوم میں کوئی مافوق بشری تخیل ضرور ہے، اسی سے سمجھ میں آسکتا ہے کہ عربی میں "حکمت" کے

معنی عقل و فہم وغیرہ مراد الفاظ سے کوئی بلند اور غیر معمولی حقیقت ہے اور دو میں اس حقیقت کو "حکمت"

کے ساتھ لفظ الہامی "بڑھا کر ادا کیا جاسکتا ہے" یعنی "الہامی حکمت"

حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ ایک موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، ارشاد فرمایا،

جائز ہے تو صرف دو شخصوں پر ایک اُس پر جس کو مال کی دولت ملی، تو وہ اُسکو صحیح مصرف میں لٹاتا ہے،

دوسرے رجل آنا لا اللہ الحکمة فهو تقضی بہا ویعلمہا (صحیح بخاری، کتاب علم) اس شخص پر جس کو حکمت ملی ہے، تو وہ اس کے ذریعہ سے فیصلہ کرتا ہے، اور دوسروں کو سکھاتا ہے، اور اس میں معلم ہونے کی شان پیدا ہوتی ہے، یہ عام انسانوں کا درجہ ہے، تو انبیاء علیہم السلام کو یہ دولت کس بہتات سے ملی ہوگی اور وہ یقیناً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حصہ میں بھی آئی، اب اس حصول دولت یعنی عطائے حکمت کا نتیجہ بھی آپ کے ظاہر ہونا چاہیے اور وہ فیصلہ اور تعلیم ہے، آپ کے یہ لہانہ فیصلے اور حکیمانہ تعلیمات تمام تروجی ربانی کی علی اور ربانی شرح اور بیان ہے، کتاب و حکمت کی تعلیم | اوپر کی چار آیتوں ۸-۹-۱۰-۱۱ میں خیف سے تغیر کے ساتھ حسب فیل آیت ہے،

يَتْلُو عَلَيْهِنَّ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ (جمہ - ۱)
(وہ رسول) اُن (اُن پڑھوں) کو خدا کی آیتیں سناتا اور اُن کو سنواتا اور اُن کو کتاب اور حکمت سکھاتا ہے،

ان آیتوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تین کاموں کا ذکر ہے،

۱- خدا کی آیتوں کو پڑھنا، اور دوسروں کو سنانا،

۲- اُن کو شرک اور بد اخلاقی کی نجاستوں سے پاک و صاف کرنا اور سنوارنا،

۳- اُن کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دینا،

سوال یہ ہے کہ پہلی اور تیسری آیتیں ایک ہی معنی رکھتی ہیں، یا دو، اگر ایک معنی رکھتی ہیں، تو اس بیسود اسکو رکافائدہ کیا ہو یا کیون نہ دوسری جگہ بھی یَتْلُو یعنی تلاوت ہی کا لفظ رکھ دیا گیا، اور اگر دو الگ الگ معنی رکھتی ہیں، جیسا کہ ہر صاحب نظر سمجھ سکتا ہے، تو ان دونوں معنوں میں کچھ نہ کچھ فرق ہوگا، اگر رسول کا فرض محض دینی کی زبان سے سنی ہوئی آیتوں کو پڑھ کر دوسروں کو سنانا ہے، اور اسی پر اسکی تبلیغ کا فریضہ ختم ہو جاتا، تو اسکا تیسرا فرض الفاظ کی تلاوت سے آگے بڑھ کر کتاب اور حکمت کے سبق کی تعلیم کو نہ کر دیا جاسکتا، بالکل ظاہر ہے کہ تعلیم کا مہنوم تلاوت سے بہت کچھ زیادہ ہے، خصوصاً جبکہ لفظ تعلیم تلاوت کے بعد آتا ہے، دینی کے الفاظ کو سنانے سے تلاوت کا فرض ادا ہو جاتا ہے، مگر تعلیم کا فرض ہنوز باقی رہ جاتا ہے، کتاب کی تعلیم

کے معنی تلاوت کی طرح کتاب کے الفاظ کا سنا دینا اور پڑھا دینا اور دوسروں کو یاد کر دینا نہیں، بلکہ الفاظ قرآنی کی تلاوت کے بعد جو آپ کا پہلا کام تھا، اُس کے مشکل مطالب کو حل کرنے بھل معانی کو سمجھانے اور اپنی زبان اور عمل سے انکی شرح و تفصیل کر دینے کا نام "کتاب و حکمت کی تعلیم" ہے، اور یہ آپ کا دوسرا تفسیر فریضہ تھا، اور یہی وہ تعلیم تھی جسکا ان اتیون میں بار بار ذکر ہے، اب جب ان مطالب و معانی کی شرح و تفسیر بھی آپ کے فرائض نبوت میں داخل تھی، تو اس پیغمبرانہ شرح و تفصیل کی حیثیت بھی دینی ہوگی، اور اس کی تفصیل بھی امت کے لیے ضروری ہوگی، آپ کی اسی زبانی و علمی شرح و تفصیل کو صحابہ اور تابعین نے اپنی روایت و عمل سے محفوظ رکھا، اور وہ احادیث و سنن کے نام سے موسوم ہے،

اس تفصیل کے بعد حکمت کے اوتن معنوں پر ایک نظر دوبارہ ڈال لیجئے، جو انہ لغت اور علمائے قرآن نے بیان کیے ہیں، تو آپ کو یقین آجائگا کہ وہ کل ایک ہی حقیقت کی مختلف تعبیریں، اور ایک ہی معنی کی متعدد تعبیریں ہیں، انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال جنکے اصطلاحی نام احادیث و سنن ہیں، کتاب الہی کی علمی و زبانی تشریح ہیں، کتاب الہی وحی ربانی کا نتیجہ ہے، اور احادیث و سنن، سینہ نبوی کی ملانہ حکمت کا اس مقام پر امام شافعیؒ کی تحقیق پیش نظر ہے،

وَسَمِعْتُ الْحَكَمَةَ الَّتِي اتَّقَى فِي رُوحِهِ عَنِ اللَّهِ اور آپ کی سنت وہ حکمت ہے جو آپ کے قلب میں خدا

عز وجل (کتاب الریالہ ص ۲۸ مصر) کی طرف سے ڈالی گئی،

اور اسی مفہوم کو چچا اہداس طرح ادا کرتے ہیں، کہ الْحَكْمَةُ فَضْلُ الْقَدَرِ، حکمت فہم قرآن کا نام ہے دوسری عبارت میں یوں کہو کہ قرآن کے معانی و مطالب کی تشریح حکمت ہے، اور اس تشریح کا نام جو رسول کی دست و زبان سے ادا ہوئی، سنت ہے، اور اس معنی کو امام مالک اور ابو زین اور ابن جریر وغیرہ دوسری صدی کے علمائے قرآن ان عبارتوں میں ادا کرتے ہیں کہ "حکمت، معرفت دین، فقہ دین اور اس دینی علم کو کہتے ہیں جس کو رسول نے بیان کیا، اور حکمت اُس نور کا نام ہے جو اللہ تعالیٰ کسی قلب میں پیدا کر کے

اُس کو منور کر دیتا ہے۔

خلاصہ بحث یہ ہے کہ اصل حکمت نبوی وہ نور نبوت اور الہامی معرفت ہے، جو اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کے قلب و سینہ میں ودیعت رکھا تھا، اور چونکہ آپ کے سنن و اقوال آپ کی اسی ودیعت شدہ حکمت نبوی کی پیداوار تھے اور نتائج ہیں، اسیلئے اُن پر بھی حکمت کا اطلاق جائز ہے، اس تفصیل کے بعد ظاہر ہو گا کہ بعض اماموں اور عالموں نے حکمت کی تشریح میں اصل معنی کی طرف توجہ کی ہے، اور بعض نے ثانوی معنی کو بیان کیا ہے، اور دونوں ہی پر ہیں،

علم | علم کے نبوی معنی جاننے کے ہیں، مگر ہر فن کے تعلق سے جاننے کی نوعیت اور معلومات کی حیثیت مختلف ہوگی، انبیاء کے تعلق سے اس کا جب استعمال ہوگا، تو اس سے طبعاً امر اور خدا کی توحید، ذات و صفات، دین و نبوت کے احکام اور اخلاقی تعلیمات ہوگی، حضرت ابراہیم توحید پر استدلال کر کے اپنے باپ سے فرماتے ہیں،
يَا بَتِّ اِنِّي قَدْ جَاءَنِي مِنَ الْعِلْمِ مَا لَكَ يَا بَتِّ
اے میرے باپ! میرے پاس علم کا وہ حصہ آیا ہے جو
(میرید - ۳) تیرے پاس نہیں آیا،

حضرت خضر کے متعلق ہے،

وَعَلَّمْنَاهُ مِنْ لَدُنَّا عِلْمًا رُكْعًا - ۹) اور ہم نے اپنے پاس سے اس کو علم سکھایا،

خدا کے پاس سے تو ہر چیز ہے، پھر ”اپنے پاس سے علم سکھانے“ کا مفہوم کیا ہے، ہر وہ شے جو انسان کی ذاتی محنت، کوشش، جدوجہد وغیرہ معمولی ذرائع کے بغیر حاصل ہوتی ہے، وہ مخائب اللہ کی جاتی ہے، اسی طرح خدا کے پاس سے علم عطا ہونے کے معنی اُس علم کے ہیں، جو انسان کے طبعی ذرائع علم و استدلال اور تلاش و تحقیق کے بغیر خود بخود عطا ہو، وہی علم خدا داد ہے، اور اسی لیے صوفیہ کی اصطلاح میں اس کو علم لدنی (پاس والا علم) کہتے ہیں،

حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام کی نسبت ہے،

وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ عِلْمًا (نمل-۲) اور بے شک ہم نے داؤد اور سلیمان کو علم عطا کیا،

حضرت یوسفؑ کے آغاز نبوت کے موقع پر ہے،

وَكُنْ لَكَ يَحْيَىٰ نَبُوءٌ مِّنْ نَّبِيٍّ وَلِيَعْلَمَنَّ مَن تَقَاتِلُ
اور اسی طرح تیسرا پروگرام تجھ کو نوازیگا، اور تجھ کو باتوں کی حقیقت

الْأَحَادِيثِ رَيْثَمٌ نَّعْمَتُهُ عَلَيْكَ (یوسف-۱) (تاویل) سکھائیگا، اور تجھ پر انعام پورا کرے گا،

ان آیتوں میں اس علم کا ذکر نہیں ہے جس کا منشأ وحی موقت ہے، کیونکہ ان میں سیاق کلام سے علم کے یکبارگی دیئے جانے کا ذکر ہے، جو وحی موقت کی شان نہیں، خصوصاً آخری آیت میں تاویل احادیث کا علم بیک دفعہ دیئے جانے کا تذکرہ ہے، اسی لیے حضرت یوسفؑ ایک خواب کی تفسیر بیان کر کے دوسرے موقع پر کہتے ہیں،

ذَلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِي رَبِّي (یوسف-۵) یہ وہ ہے جو میرے پروردگار نے مجھے سکھایا ہے،

یہ بیان نہیں ہے، کہ خواب کی تفسیر کے وقت ان پر وحی اگر حقیقت سے ان کو مطلع کرتی تھی، بلکہ خود ان کے اندر یہ علمی قوت ہمیشہ کے لیے ودیعت کر دی گئی تھی، اسی قسم کا وہ علم ہے جس کی نسبت سے بعض

انبیاء کو یحییٰ مِّنْ عِلْمِهِمْ (جاسنہ واسے) کا خطاب ملا،

وَبَشِّرْهُ بِالْعِلْمِ عَلِيمٍ (ذاریت-۲) اور بشارت دے کہ اس کو ایک بڑے صاحبِ علمِ فرزندی خوشخبری دی

إِنَّا نَبْشِرُكَ بِالْعِلْمِ عَلِيمٍ (تہ-۲) ہم تجھے ایک بڑے صاحبِ علمِ فرزندی خوشخبری دیتے ہیں،

یہاں لفظ عِلْمِ اختیار کیا گیا ہے، عالم نہیں، جو لفظ عالم سے علم پر زیادہ دلالت کرتا ہے، ان آیتوں سے ظاہر ہوا کہ وحی موقت جو گاہ گاہ آتی ہے، اس کے علاوہ علم کا ایک دائمی عطیہ بھی نبی کی شان ہے،

علم و حکم بہت سے انبیاء کے متعلق علم کے ساتھ حکم کا عطا ہونا بھی بیان ہوا ہے، حکم کے معنی لغت میں فیہد اور حق و باطل میں تمیز کرنے کے ہیں، جس کا ترجمہ اردو میں سمجھ اور بوجھ کے نتیجے میں فیہد کہہ کر سکتے ہیں، اہم و شایع احسنانی مفردات القرآن میں لکھتے ہیں،

والحکم بالشیء ان تقضی بالشیء بانہ کذا
 کسی نے پر حکم کرنا یہ فیصلہ کرنا ہے، کریشی ایسی ہے یا نہیں
 اولیس کذا سواء الزمت ذلک غیرہ اولہ
 ہے، امام اس سے کہ اس فیصلہ کا تم دوسرے کو پابند کر سکو
 تلزمہ (۱۲۶- مصر)
 یا ذکر سکو

عربی لغت کی مشہور کتاب لسان العرب میں ہے،

الحکم العلم والفقه والقضاء بالعدل (۱۵۵-۱۵۶)
 حکم کے معنی علم، سمجھ اور منصفانہ فیصلہ کرنا،

ان انبیاء علیہم السلام کو جنکو کسی کتاب کا ملنا ثابت نہیں اس علم اور حکم کا اعطا ہونا ثابت ہے، اس سے یہ
 معلوم ہوا کہ وحی کتاب کے علاوہ کسی اور عطیہ علم و حکم کی طرف اشارہ ہے۔ چنانچہ حضرت یوسفؑ کی شان میں
 وَلَمَّا بَلَغَ أَتَيْنَهُ نَاثِنَهُ حُكْمًا وَعِلْمًا،
 اور جب یوسف جوانی کی قوت کو پہنچا تو ہم نے اس کو حکم
 (یوسف- ۳)
 اور علم دیا،

حضرت لوطؑ کے متعلق ہے،

وَلَمَّا أَتَيْنَهُ حُكْمًا وَعِلْمًا (انبیاء- ۵)
 اور لوط کو ہم نے حکم اور علم دیا،

حضرت داؤد اور سلیمانؑ کے ذکر میں ہے،

فَقَضَيْنَاهُ إِلَيْكُمْ حُكْمًا وَكَلَّمْنَا تِلْكَ الْأَشْيَاءَ حُكْمًا وَعِلْمًا
 تو ہم نے سلیمان کو وہ فیصلہ سمجھا دیا، اور ہر ایک کو اپنے حکم
 اور علم دیا تھا، (انبیاء- ۶)

حضرت یحییٰؑ کی نسبت ہے،

يُحْيِي سَمْعًا الْكِتَابَ بَقِيَّةً وَآتَيْنَهُ الْحُكْمَ
 اسے نئی کتاب (توراة) کو مضبوطی سے پکڑا اور ہم نے اس کو
 حکم پہنچا، (مریم- ۱)

ایک جگہ اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل پر اپنی نعمتیں ان الفاظ میں شمار کرتا ہے،

وَلَقَدْ آتَيْنَا بَنِي إِسْرَءِيلَ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ
 اور بلاشبک ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب اور حکم اور

وَالنَّبُوءَةُ (جائیدہ - ۲)

نبوت دی،

اس سے معلوم ہوا کہ کتاب اور حکم اور نبوت تین چیزیں ہیں، یہاں کسی کو یہ شبہ نہ ہو کہ ان آیتوں میں حکم سے مراد دنیاوی حکومت اور سلطنت ہے، کہ اس معنی میں یہ لفظ خالص اور قدیم عربی میں نہیں آیا، یہ اہل عجم کا نیا ورہ ہے، قرآن نے ہر جگہ اسکو فیصلہ اور قوت فیصلہ کے معنی میں استعمال کیا ہے، جیسے

فَاَحْكُم بَيْنَنَا بِلُحْيٍ (ص - ۱۰) ہمارے درمیان حق کیساتھ فیصلہ کر،

فَاَحْكُم بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ (ص - ۲) تو لوگوں کے درمیان حق کیساتھ فیصلہ کر،

وَإِنْ حَكَمْتَ فَاَحْكُم بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ (مائدا - ۷) اور اگر تو ادا کن کے درمیان فیصلہ کرے تو انصاف کیساتھ فیصلہ کر،

حضرت داؤد اور سلیمان ایک مقدمہ کا فیصلہ کرتے ہیں،

وَدَاوُدُ وَسُلَيْمَانُ إِذْ يَحْكُمُونَ فِي الشَّجَرِ، اور داؤد اور سلیمان کو جب وہ دونوں کھیت کا

(انبیاء - ۶) فیصلہ کر رہے تھے،

وَمَا اخْتَلَفْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَنَحْكُمُهُ إِلَى اللَّهِ، اور جس کسی چیز میں تم نے اختلاف کیا، تو اس کا فیصلہ

(شوری - ۲) اللہ کی طرف ہے،

سب بڑھکر یہ کہ یہی تین باتیں سورہ انعام میں بہت سے پیغمبروں کے نام گنا کر الگ الگ دہرائی گئی ہیں،

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنَّبُوءَةَ (انعام - ۱۰) یہ وہ لوگ تھے جنکو ہم نے کتاب اور حکم اور نبوت بخشی،

جن پیغمبروں کے نام اوپر گناے گئے ہیں، اور جنکی طرف وہ لوگ لکھوا اشارہ کیا گیا ہے، یہ ہیں ابراہیم، اسحاق، یعقوب، نوح، داؤد، سلیمان، ایوب، یوسف، موسیٰ، ہارون، زکریا، یحییٰ، عیسیٰ، ایسا، اسماعیل، الیسع، یونس، نوح علیہم السلام، ان اٹھارہ ناموں میں ”حکم“ بمعنی حکومت و سلطنت (اگر ہو) تو اس

کے متقی صرف دو ہیں، سلیمان اور داؤد، اور چاہے کسی طرح کسی تاویل سے یوسف اور موسیٰ کو بھی شامل کر لیں
باقی چودہ نام ان پیغمبروں کے ہیں، جنکو اس کا کوئی حصہ نہیں ملا تھا، اس لیے لامحالہ حکم کا لفظ قرآن میں بت
کے اصلی اور صحیح و صریح معنی میں مستعمل ہے اور اس لفظ سے خدا کا جو مقصود ہے، وہ کتاب کے ساتھ ساتھ ان
پیغمبروں کو براہ حقیقت میں ملا تھا، غلط فہمی کا پورا پردہ چاک کرنے کے لیے ایک اور آیت کریمہ پر نظر ڈالیں،
مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُؤْتِيَهُ اللَّهُ الْكِتَابَ وَ
الْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُولَ لِلنَّاسِ كُونُوا
عِبَادًا لِي مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَكِنْ كُونُوا
رَبَّانِيْنَ بِمَا كَانُوا يَعْلَمُونَ الْكِتَابَ وَ
بِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُونَ (ال عمران - ۸۰)

والے نبی،

ان آیتوں میں مخاطب اہل کتاب ہیں، اور جس مقدس بشر کا ان میں ذکر ہے، بظاہر اس سے مراد
حضرت عیسیٰ ہیں، وہ نہ ہوں تو خود محمد رسول اللہ صلی علیہ وسلم ہیں اور یہ اس وقت کی بات ہے، جب یہودی پوری
قوت مدینہ کے اطراف اور حجاز میں موجود تھی، اور اسلام ہنوز ان کے مقابلہ میں کمزور نہ تھا، ایسی صورت میں
جس حکم کے ملنے کا ذکر ان آیتوں میں ہے، وہ کتاب اور نبوت ہی کی جنس کی کوئی خیر ہو سکتی ہے، کہ حضرت
عیسیٰ کو تو حکومت و سلطنت کا ادنیٰ شائبہ بھی عطا نہیں ہوا تھا، اور آنحضرت صلی علیہ وسلم کو اس وقت تک جنگ
بنی اسرائیل اپنی ممتاز قوت کیساتھ مدینہ اور حجاز میں موجود تھے، یہ رتبہ نہیں ملا تھا، آیت ان الْحُكْمُ بِاللَّهِ
میں بھی حکم سے مراد ہی فیصلہ اور قضائے ربانی ہے، حکومت و سلطنت نہیں، تسکین کے لیے اس آیت
کے آگے پیچھے کے الفاظ پر نظر ڈالو،

قُلْ اِنِّيْ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّنْ رَبِّيْ وَكَذَّبْتُمْ بِهٖ
مَا عِنْدِيْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ ۗ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا

اُمم سے (ای پیغمبر!) کہ میں اپنے پروردگار کی کھلی دلیل پر ہوں
اور تم اسکو جھٹلاتے ہو، میرے پاس وہ نہیں جسکی تم جلدی

لِلّٰهِ طَيِّفُصُّ الْحَقِّ وَهُوَ خَيْرُ الْفَاضِلِيْنَ، کرتے ہو، فیصلہ کسی کا نہیں لیکن اللہ کا وہ حق بیان کرتا

(الغافر - ۷)

ہے اور سب فیصلہ کرنے والوں سے وہ بہتر ہے،

ان وجوہ سے اس میں کوئی شک نہیں رہتا کہ انبیاء علیہم السلام کو منصب نبوت اور وحی کتاب کیسے حکم کی سند بھی ملتی ہے، جس کے صاف و صریح معنی کلام عرب، اور لغت، اور قرآن کے قرینوں سے علم، فہم، فیصلہ اور حق و باطل میں تیز ہے، اور اس لیے رسول کی اس قوت و طاقت کے نتائج بھی ہمارے لیے واجب العمل ہیں،

شرح صدر ربانی علم و معرفت کا ایک اور مقام شرح صدر ہے، شرح صدر کے معنی "سینہ کھولتے ہیں" عام خیال یہ ہے کہ سینہ کی تنگی اور ضیق، جہل و نادانی کی علامت، اور سینہ کی کشادگی اور فراخی، علم کی وسعت اور معرفت کی فراوانی پر دلالت کرتی ہے، اسی لیے شرح صدر کے اصطلاحی اور مجازی معنی علم کی کثرت اور گہائی کی وسعت کے ہیں، اور خاص طور سے اُس علم و معرفت اور اطلاع و آگاہی پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے، جو کسی دقیق اور مشکل مسئلہ کے متعلق دفعہ اور یک بیک قلب میں وارد ہو جاتی ہے، اور اس حل سے اس کی تسکین ہو جاتی ہے، اور اس کے شکوک و شبہات دور ہو کر اُس کو یقین کی راحت و مسرت حاصل ہو جاتی ہے،

جمہور ابن درید میں ہے،

والشرح من قولهم شرح لك الامور - شرح، اہل عرب کے اس محاورہ سے جو کہ "میں نے تیرے لیے بتا

..... ای اوضحتہ و کشفتمہ، و شرح اللہ صدہ کی شرح کر دی یعنی واضح کر دیا، اور کھول دیا، اور اللہ نے اس کے

فانشرح اذا تسع لبقول الحنیر (۲-۱۱۷) سینہ کو کھول دیا، تو وہ کھل گیا، یعنی جب کسی کے قبول کرنے کیلئے

صحاح جوہری میں ہے،

الشرح الکشف تقول شرح الغامض شرح یعنی کشف و کھولنا، تم کہتے ہو میں نے اس پوشیدہ

اذا فسرته، مسئلہ کی شرح کر دی، یعنی اس کی تفسیر کر دی،

سان العرب میں ہے،

الشرح الکشف يقال شرح فلان امرًا اى شرح یعنی کشف، کہا جاتا ہے کہ فلان نے اس کی بات کی شرح
اوضحه وشرح مسئلةً مُشكلةً بَيَّنَّها، شرح کردی، یعنی اس کو واضح کر دیا، اور مشکل مسئلہ کی شرح کر دی
الثنی بيشرحه شرحًا وشرحَه ففهمه بَيَّنَّه یعنی اس کو بیان کر دیا، اور کسی چیز کی شرح کرنا یعنی تفصیل
وكتشفه وكل ما فتح من الجواهر فقد شرحه کردی اور کھول دیا، اور جو اہرمن سے جو کھولا جائے وہ اس کی
تقول شرحت الغامض اذا افسترته شرح کی گئی، پوشیدہ مسئلہ کی شرح کر دی یعنی تفسیر کر دی
... وشرح الله صدره لقبول الخیر شرحہ اور خدا نے اس کے سینہ کو کھول دیا کہ نیک
شرحًا فالشرح وسعه لقبول الحق فالتسع بات کے قبول کرنے کیلئے تو وہ کھل گیا، یعنی اس کو قبول ہی کیلئے
قال ابن الاعرابی: الشرح المحفظ والشرح الفقه والشرح البیان، والشرح الفهم کرنا، سمجھنا،

قرآن مجید میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نبوت کے منصب ملتے وقت دعا مانگی،
رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي وَيَسِّرْ لِي أَمْرِي وَخَلِّ عَقْدًا ثَمَنًا لِّسَانِي يُفْقَهُ أَقُولُ، (طہ - ۲) اسے میرے رب! میرے سینہ کو میرے لہو کو کھول دے، اور میرے کام کو
میرے لہو آسان کر دے اور زبان کی گرہ کھول دے کہ گوئی میری بات کو
دعا کے پہلے جملہ میں حضرت موسیٰ نے اپنے لیے شرح صدر کی استدعا کی ہے، اور آخر میں فصاحت بیان
کی یعنی اول میں صحیح معانی کے الفاظ اور آخر میں ان کے لیے صحیح الفاظ کے انتخاب کی دعا ہے، تاکہ اس کی
دعوت و تبلیغ کو مخاطب سمجھ سکیں، لیکن یہ دولت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بن مانگی ملی، خدا نے فرمایا،
أَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ، وَوَضَعْنَا عَنكَ وَزْرَكَ، کیا ہم نے (اسے محمد!) تیرے لیے تیرے سینہ کو کھول نہیں
دیا، اور تیرے بوجھ کو تجھ سے اتار دیا، (الشراح - ۱)

شرح صدر اور سینہ کھولنے کی جو تشریح احادیث صحیحہ میں مذکور ہے، اس کے لیے عام اصطلاح صحیحہ

کی ہے، یعنی عالم رویا یا بیداری میں فرشتوں نے اگر سینہ مبارک کو نشانگان کیا، اس کو آب زمزم سے دھویا اور سونے کے طشت میں ایمان اور حکمت بھر کرائے، اور ان سے سینہ مبارک کو مہمور کر کے نشانگان کو برابر کر دیا اگر یہ واقعہ اپنی ظاہر حقیقت پر محمول کیا جائے، تو بالکل کھلی ہوئی بات ہے، کہ سینہ مبارک کو واقعاً چاک کر کے اور زمزم کے پانی سے پاک و صاف کر کے ایمان اور حکمت اس میں بھرا گیا، اور اگر تیشیل کے نگ میں لیا جائے، تو بھی حقیقت مانتی پڑے گی، کہ سینہ صافی ایمان و حکمت سے مہمور کیا گیا، بہر حال شرح صدر کی حقیقت ایمان اور حکمت کی رہنمائی بخشت ہے،

شرح صدر کے اس مذکورہ بالا معنی کو جوش صدر کے واقعہ کی تفصیل سے واضح ہے، اگر کوئی تسلیم کرنے پر آمادہ نہ ہو تو محمد اللہ کی تسکین کا سرمایہ بھی قرآن پاک میں موجود ہے، سورہ زمر میں ہے،

أَفَنُشْرِحُ صَدْرَكَ لِلْإِسْلَامِ فَهَوْ

عَلَى نُورٍ مِّنْ رَبِّهِ (زمر- ۲)

اپنے پروردگار کی طرف سے ایک روشنی میں ہے،

اسلام کے لیے سینہ کے کھول دینے سے مقصود یہ ہے، کہ اسلام کی حقیقت مؤثر طریقہ سے اس پر اس طرح ٹھل گئی، کہ اس کو اسلام کی سچائی کا پوری طرح یقین آگیا، اور اس کو اپنے اس یقین پر کامل تسکین حاصل ہو گئی، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس کو اپنی منزل مقصود کے ہر قدم پر اللہ کی روشنی حاصل ہے، یہی شرح صدر کی حقیقت ہے، اس روشنی کی کمی و بیشی درجوں اور منصوبوں کے مطابق ہوگی،

اس سلسلہ میں حدیث کے دو ایسے موقعوں کا ذکر کرنا ہے، جن سے لفظ "شرح صدر" کے معنی کی پوری تشریح ہو جاتی ہے، یہاں یہ نکتہ پیش نظر ہے کہ ان حدیثوں سے معنوی احتجاج یہاں مقصود نہیں، بلکہ صدر اول کے کلام عرب سے شرح صدر کے محاورہ کی تشریح مقصود ہے،

صحیح بخاری، صحیح مسلم، و نسائی، ابواب معراج و اسرار و فرض الصلوٰۃ و مسند احمد بروایت انس بن مالک و سنن ترمذی، تفسیر سورہ انشراح،

۱۔ پہلا واقعہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد عرب کے بعض قبیلے زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کرتے ہیں، حضرت ابوبکر صدیقؓ اُن پر فوج کشی کا ارادہ کرتے ہیں، حضرت عمر فاروقؓ اُن کو عرض کرتے ہیں، کہ یا خلیفہ رسول اللہ! اُن سے جہاد کیونکر ممکن ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس نے لا الہ الا اللہ کہا اُس نے جان و مال مجھ سے بچا لیا، حضرت صدیقؓ نے جواب دیا، خدا کی قسم! میں اُس سے لڑوں گا، جو زکوٰۃ اور نماز میں فرق کرتا ہے، نماز خدا کا حق ہے، اور زکوٰۃ بندوں کا حق ہے، اگر وہ بکری کا ایک بچہ بھی جس کو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں دیتے تھے، اب نہ دیں گے، تو میں اُن سے لڑوں گا،

قَالَ اللَّهُ مَا هُوَ إِلَّا أَنْ قَدْ شَرَحَ اللَّهُ صَدْرَهُ
أَبُو بَكْرٍ فَعَرَفَتْ أَنَّهُ الْحَقُّ (بخاری۔ کتاب الزکوٰۃ) کے سینہ کو، تو میں نے جان لیا کہ وہی حق ہے،

دوسرا واقعہ یہ ہے کہ جنگ یمامہ میں قرآن کے بہت سے حافظ شہید ہوئے۔ اُس وقت حضرت عمرؓ نے اگر حضرت ابوبکر صدیقؓ کو مشورہ دیا کہ قرآن پاک کو ایک ترتیب کا غز پر لکھا لیا جائے، حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا، کہ میں وہ کام کیونکر کروں جبکہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا، لیکن حضرت عمرؓ اپنے مشورہ کے پتھر ہونے پر اصرار کرتے رہے، یہاں تک کہ حضرت ابوبکرؓ کی سمجھ میں بھی بات آگئی، اُس موقع پر حضرت ابوبکرؓ نے

فَلَمْ يَزَلْ عَمَّ بِرَأْيِهِ حَتَّى شَرَحَ اللَّهُ صَدْرَهُ
تَوَعَّرَ بَارِبَارٍ مَجْهُوسٍ كَيْتُهُ رَهْبٌ يَمَانُ تَمَكُّ كَخَدَائِهِ

لَذَلِكَ وَرَأَيْتُ فِي ذَلِكَ الَّذِي رَأَيْتُ عَمَّ
کے لیے میرے سینہ کو کھول دیا، اور میں نے بھی وہی

(صحیح بخاری۔ جمع القرآن) دیکھا جو عمرؓ دیکھتے تھے،

ان دونوں موقعوں پر لفظ شرح صدر اپنے استعمال کا محل اور اپنی حقیقت کو ظاہر کر رہا ہے، یہی شرح صدر ہے، جس کو قرآن نے جیسا کہ اوپر سورہ زمر کے حوالہ سے گزرا، ٹھوس و پختہ یا ذریعہ بصیرت کہا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شرح صدر کی جو وسعت عطا ہوئی تھی، اُس کے سمجھنے سے پہلے بلاغت کا ایک مسئلہ سمجھ لینا چاہیے، جب کوئی لفظ متعلقات کے صلہ اور مقول کے ساتھ متفقہ ہو کر بولا جاتا ہے تو اُس سے معنی کی

تخصیص و تحدید ہو جاتی ہے، لیکن وہی لفظ جب تعلقات کے صلہ اور مفعول کی قید کے بغیر بولا جائیگا، تو وہ
 عموم کے ساتھ فعل کے ثبوت کا فائدہ دیگا، مثلاً علم (جانتا) مفعول کو چاہتا ہے، جس چیز کا علم ہوتا ہے، اور اسکو
 عبارت میں مفعول بناتے ہیں اور اس عبارت میں اس علم سے مقصود اسی خاص شے کا علم ہوگا جبکہ مفعول
 بنایا ہے، لیکن اگر مفعول حذف کر دیں تو اس کا مقصد کسی خاص چیز کے علم کے بجائے مطلق اور عام علم کا ثبوت
 ہوگا، ایک جگہ قرآن میں یَعْلَمُونَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (روہ) "وہ حیات دنیا کا ظاہری پہلو جانتے
 ہیں" ظاہر ہے کہ اس علم کا تعلق صرف ایک چیز کے علم سے ہے یعنی دنیا کی ظاہری زندگی کے علم سے، عام علم
 سے نہیں، لیکن دوسری جگہ ہے هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُونَ "کیا جو جانتے ہیں اور
 جو نہیں جانتے (یعنی جو علم رکھتے ہیں اور جو علم نہیں رکھتے) دونوں برابر ہو سکتے ہیں، یہاں یہ ذکر نہیں کہ اس
 خاص بات کو جانتے ہیں، بلکہ مقصود عام علم ہے، تو یہاں معنی یہ ہونگے کہ "جو ہر طرح کے علم والے ہیں اور جو
 مطلق بے علم ہیں دونوں برابر نہیں ہو سکتے" بلاغت کی کتابوں میں هُوَ يٰۤاْمُرُوْهُمْ بِطٰىعٍ وَنٰهِيْهُمْ
 عَنِ الْفٰحِشٰتِ وَابْسِلْ اِلٰی شٰلَوْنَ سے اس مفہوم کی توضیح کی گئی ہے،

اس تہید کے بعد شرح صدر کے گذشتہ استعمالات اور مثالوں پر نظر ڈالیے، ہر جگہ آپ کو یہ معلوم ہوگا،
 کہ جس بات کے سمجھنے کے لیے سینہ کھولا جاتا ہے، اس پر لام آتا ہے، یا قرینہ سے سمجھا جاتا ہے، مثلاً اسلام کیلئے
 سینہ کھول دیا جمع قرآن کے لیے سینہ کھول دیا، مانعین زکوٰۃ کے قتال کے لیے سینہ کھول دیا، مگر حضرت موسیٰؑ اور
 آنحضرت صلیع کے لیے قرآن میں جس شرح صدر کا ذکر ہے، اس میں اس بات کا ذکر نہیں ہے، جس کے لیے ان
 انبیاء علیہم السلام کے سینے کھولے گئے، اس سے یہ مقصود ہے کہ ان انبیاء کو امور دین میں مطلق اور عمومی شرح صدر
 عنایت ہوئی، اور یہیں سے عام امت اور انبیاء کے فرق مراتب کا اظہار ہوتا ہے، کہ امت کے عام افراد کو خاص
 خاص امر کے سمجھنے کے لیے شرح صدر ملتی ہے، اور انبیاء کو اپنے دائرہ میں کلی اور عمومی حیثیت سے یہ چیز عنایت
 ہوتی ہے،

ایک اور لطیف پہلو بھی یہاں ذکر کے قابل ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا، اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر احسان دونوں موقعوں پر لکھی اور لکھی ہے، حضرت موسیٰ کہتے ہیں: ”میرے لیے میرے سینہ کو کھول دیا“ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خدائے تعالیٰ فرماتا ہے کہ ”کیا میں نے تیرے لیے تیرے سینہ کو کھول نہیں دیا؟“ سو یہ ہے کہ ”میرے لیے“ اور ”تیرے لیے“ کے اضافہ کی ضرورت، اور اس ”لام“ کی حاجت کیا تھی؟ مفسرین میں امام زعفرانی نے اس سوال کے جواب دینے کی کوشش کی ہے، اور لکھا ہے کہ یہ صرف تاکید کے لیے جو حالانکہ یہ لام تملیک کے بجائے لام افادہ ہے، جیسا کہ خَلَقَ لَكُمْ مِمَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا میں ہے، مقصد یہ ہے کہ یہ صریح کی دولت تجھ کو تیرے لیے ملی ہے یعنی تیرے کشفِ علم کے لیے، یا تائید کے لیے، یا فائدہ کے لیے اور یہ کشفِ علم اور شرح صدر خود تیری ذات کے لیے ہے، کہ وہ کامل سے کامل تر ہو کر ظاہر ہو

اب آخری سوال یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دین کی جو یہ عمومی شرح صدر عنایت ہوئی، اس کا کوئی اثر و نتیجہ بھی تو نمایاں ہو گا؟ تو دراصل اسی کے یہ آثار و نتائج ہیں جو ”انفال“ و ”اقوال“ اور ”احادیث و سنن“ کی صورت میں ہمارے سامنے ہیں،

تیسرے کتاب | آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں جس شریعت کو لے کر آئے، وہ آخری اور ابدی تھی، اور ایسی آخری اور ابدی شریعت کے لیے یہ ضروری تھا کہ وہ زیادہ تر زور شریعت کے کلی اور ابدی اصول و مبادی پر دے، چنانچہ اس آخری وحی الہی نے اپنی کتاب الہی کو صرف اصول و کلیات تک محدود رکھا، اور جزئیات کے لیے اپنی آیتوں میں ایسے اشارے رکھے جن کے سہارے وہ دل جو علم و معرفت سے پر نور اور حکمت سے معمور، اور شرح صدر اور تائید ربانی سے فیضیاب ہوں وہ ملی قدر مراتب جزئیات کو صحیح طور سے جان لین چنانچہ یہ رتبہ سب سے پہلے خود نبی کو ملا، اور چونکہ وہ خطائے معصوم ہے، اس لیے اُس کے اس منصب کے نتائج بھی خطائے محفوظ ہیں، پھر رسول کے وسیلے سے یہ رتبہ خلفائے راشدین، اکابر صحابہ، ائمہ تابعین و تبع تابعین و محدثین عظام اور علمائے اعلام کو ہمیشہ کے لیے ملتا رہا، اس کا اصطلاحی نام اجتهاد ہے جس کو ہر زمانہ کے

فیضیاب علوم نبوت اور حاملین اسرار شریعت، خدا کی دی ہوئی بصیرت کے مطابق، اس کی وحی کی روشنی میں ہمیشہ انجام دیتے رہے ہیں، اور دیتے رہیں گے، یہی سبب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کی توضیح و تفسیر کی ذمہ داری بھی خود اپنے اوپر لی ہے، فرمایا،

لَا تَحْرُكَ بِهِ لِسَانُكَ لِتُحْجِلَ بِهِ إِنَّ عَلَيْنَا
جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ فَإِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ
ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ،

تو قرآن کی وحی کیساتھ اپنی زبان کو اس غرض سے حرکت
نہ دے، تاکہ اس کی تلاوت و اشاعت میں جلدی کرے ہم
پر جو قرآن کو جمع کرنا اور اس کا پڑھانا، اور جب ہم نے اس کو
پڑھا دیا، تو تو اس پڑھائی کی پیروی کر، پھر ہم پر اس کی تشریح

(قیامہ - ۱)

اس بیان اور تشریح کی ذمہ داری کبھی بذریعہ وحی ادا ہوئی ہے، جو قرآن میں مذکور ہے، اور کبھی رسول
کی تقریر و عمل سے پوری ہوئی ہے، جو عملی تو اترے منقول اور احادیث و سنن کے مستند دفتر میں موجود ہے
یہ امر کہ اس بیان و تشریح کی طاقت، اور اس تشریح و بیان کا اختیار رسول کو خدا کی طرف سے عطا
ہوا تھا، حسب ذیل آیت سے ثابت ہے،

وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ
إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ، (نحل - ۶)

”بیان“ اور تبیین کے لفظی معنی کھولنے اور واضح کرنے کے ہیں، اور ان کا استعمال و معنوں میں ہونا
ہے، ایک اعلان اور اظہار کے معنی میں، یعنی اخفا کے مقابل، دوسرے توضیح و تفسیر کے معنی میں، قرآن
پاک میں یہ لفظ تبیین اپنے دونوں معنوں میں آیا ہے، اب یہ تمیز کہ کس آیت میں کیا معنی مراد ہیں، سیاق و
سباق اور موقع و محل سے ہو سکتی ہے، مثلاً ایک جگہ قرآن پاک میں ہے،

يَا هَلْ أَلَبَسَ قَدْ جَاءَ لَكُمْ رَسُولُنَا كَيْفَ
لَكُمْ كِتَابًا تَتْلُونَ تَخْفُونَ مِنْ أَلَبَسَ
اے کتاب والو! تمہارے پاس ہمارا رسول آیا، کہ کتاب
کی جو باتیں تم چھپاتے تھے، وہ ان کو تمہارے لیے

لَيَعْلَمَنَّ الْكَافِرُ، (مائتہ ۳۰)

ظاہر کرنے اور بہت سی باتوں سے درگزر سے،

یہاں تبیین صریح طور سے اختلاف کے مقابلہ میں ہے، اس لیے یہاں تبیین کے معنی یقینی طور پر اظہار و اعلان کے ہیں، لیکن یہی نقطہ دوسری جگہ سورہ نحل میں اس طرح آیا ہے،

وَمَا أُنزِلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ إِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ
الَّذِي اخْتَلَفُوا فِيهِ وَهُدًى وَرَحْمَةً
تَقْوُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ، (نحل - ۱۰)

اور ہم نے تجھے کتاب نہیں اتاری، لیکن اس لیے تاکہ تو واضح

کر دے، اوس کو جس میں انھوں نے اختلاف کیا، اور

ایمان والوں کیلئے رہنمائی اور رحمت بنا کر اوس کو اتارا،

اختلاف کے مقابلہ میں اظہار اور اعلان کی نہیں، بلکہ توضیح و تشریح کی ضرورت ہے، کہ جس امر میں اختلاف ہو، وہ اس توضیح و تفسیر کے بعد دوہو جائے، اب پہلی آیت پر غور کرنا چاہیے جو اسی سورہ میں آئی اور مقام پر ہے،

وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ
إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ،

اور ہم نے (اسے پیغمبر) تیری طرف نصیحت کی کتاب (نزل)

کو اتارا تاکہ لوگوں کی طرف جو اتارا گیا تو اوس کو ان کیلئے

کھول کر بتا دے، شاید کہ وہ سوچیں،

(نحل - ۶)

سوال یہ ہے کہ اس آیت پاک میں بیان کرنے کا مفہوم ظاہر کرنے کے ہیں یا تشریح و تفصیل کرنے کے ہیں، ہمارا دعویٰ ہے، کہ ظاہر کرنے کے بجائے یہاں غور و فکر کی مناسبت اور قرینہ کے سبب تشریح و تفصیل کے معنی لینا صحیح ہو، امر مخفی کا اظہار سننے اور ماننے کے تو مناسب ہو سکتا ہو، مگر سوچنے کے نہیں سوچنے اور غور و فکر کرنے کے لیے یہاں تشریح و تفصیل کی ضرورت ہے، نہ کہ اظہار و اعلان کی، اب جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تفصیل و تبیین کا منصب خدا کی طرف سے ثابت ہے، تو اس تفصیل و تبیین کی پیروی اور اتباع بھی خدا ہی کے احکام کی پیروی ہوگی، اور آپ کی پیروی و تشریح آپ کے نور حکمت کا فیضان ہوگا جس کے انشائے خود کتاب الہی کے اندر اوس کو موجود نظر آتے ہیں،

اِذَا رَأَيْتَ اِنْسَانِي الْفَاطِمِيْنَ يَهْدِيْكَ اِلَى سَبِيْلِ رَحْمَتِيْ ۖ اِنَّ اِسْمَ الْفَاطِمِيْنَ هُوَ اَسْمُ الْبَرِّ ۚ
 اختلافِ فہم سے محفوظ رہے، اور دوسری طرف اُس میں یہ وسعت ہو کہ تمام آئندہ پیش آنی والے واقعات پر جتنے
 جزئیات کی کوئی حد نہیں پوری طرح حاوی ہو، لیکن فہم انسانی کے اختلاف کے جو تقاضے قانون میں ہوتے
 ہیں، گو اُن کو تواتر و در نہین کیا جاسکتا تھا، اُن کو کم کیا جاسکتا ہے، اسلام نے اپنے قانونِ الہی سے جو بہر حال
 انسانی بول چال کے الفاظ میں ہے، اس اختلافِ فہم کے نقص کو کم کرنے کے لیے یہ کیا کہ اپنے رسول کی معرفت
 زبانی اور عملی طور سے اسکی تشریح و تبیین کر دی، گو انسانی ذرائعِ حفظ و روایت کی فطری کمزوریوں کے سبب سے
 اس تشریح و تبیین میں بھی اختلافِ فہم پیدا ہو گیا، مگر یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ اگر یہ تشریح و تبیین نہ ہوتی تو اختلافات
 کی فلیج اس سے بھی زیادہ عمیق اور وسیع ہوتی،

روزِ مرہ کے پیش آتے رہنے والے جزئیات کے فیصلہ کی یہ صورت رکھی گئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عدالت
 میں روزانہ اس قسم کے واقعات اور مقدمات پیش ہوتے رہتے، اور آپ وحی کتاب کے اصول و کلیات کے
 ماتحت اپنے نورِ بصیرت اور فہمِ حکمت سے اُن کے فیصلے فرماتے رہتے، خلفائے راشدین نے اپنے اپنے عہد
 میں ان نو بنوا و تازہ بہ تازہ واقعات کے فیصلوں کے لیے اولاً وحی کتابی کو، اور اُس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے
 ان قضایا اور فیصلوں کو جو فہمِ نبوت، نورِ بصیرت، اور ارادتِ الہی کے ذریعہ فیصل ہوئے تھے، اپنا ماخذ قرار
 دیا، اور یہی اصول بعد کے فقہاء اور مجتہدین نے اختیار کیا، اور ہر نئے واقعہ کو وہی کتاب، اور فیصلہ نبوی کے
 معصوم و مسلم معیار پر جانچ کر اُن میں سے کسی نہ کسی ماثل اور مشابہ فیصلہ پر قیاس کر کے اپنے فیصلے دیے،
 اور جو چیزیں اُن میں نہ ملیں، اُن کو معمولی عدل و انصاف، رسم و رواج، عقل و فکر و استحسان وغیرہ کے اصول
 پر سمجھ کر اُن کا فیصلہ کیا، یہی مجموعہ آج فقہِ اسلامی کہلاتا ہے،

وحیِ الہی قرآنِ پاک میں ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قضایا اور فیصلے احادیث و سنن کی صحیح روایتوں
 میں محفوظ ہیں، وحیِ الہی کی صداقت میں تو کلام نہیں ہو سکتا، اب رہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قضایا اور فیصلوں

کی پیروی، تو اس کے متعلق بھی وحی الہی ناطق ہو،

إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ

بَيْنَهُمْ (نساء-۱۶) ہم نے اسے پیغمبر (تیری طرف سے) کے ساتھ کتاب اتاری تاکہ تو لوگوں کے درمیان جو جھگڑا اٹھ سوجھائے اُس کے ذریعہ فیصلہ کرے۔

اس کتاب الہی کے نزول کی غرض ہی یہ بتائی گئی ہے کہ تو اسے پیغمبر! اس کے احکام اور قوانین کو لیکر اُس فہم کے ذریعہ جو اللہ تعالیٰ تجھ کو سوجھائے، اور دکھائے، تو لوگوں کے درمیان فیصلہ اور انصاف کر اللہ تعالیٰ کا اپنے پیغمبر کو یہی سوجھانا اور دکھانا جو کچھ تھا، وہ آپ کے عمل اور قضایا اور فیصلوں کی صورتوں میں محفوظ رہی، اور اسلام کے قانون کا وحی الہی کے بعد دوسرا ماخذ ہے۔

آنحضرت صلی علیہ وسلم کے عدل و انصاف پر خود منافقین تک کو بھروسہ تھا، چنانچہ اُن کا قاعدہ تھا، کہ جب اُن کا حق کسی پر ہوتا تو وہ دوڑے ہوئے عدالت نبوی میں حاضر ہوتے، کیونکہ سمجھتے تھے، کہ یہ حق آپ ہی کی عدالت سے ہم کو ملے گا، لیکن جب اُن پر کسی کا حق نکلتا تو وہ ٹال جاتے اور دوسرے طریقہ سے فیصلہ چاہتے، اس پر اللہ تعالیٰ نے اُن کی سرزنش کی،

وَإِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ

إِذَا فَرَّغُوا مِنْهُمْ فَعَبَثُوا وَإِنْ تَكُنْ لَهُمُ حُكْمٌ

يَأْتُوا إِلَيْهِمْ مُدْعَيْنِينَ، إِنْ قُلُوا بِحُكْمِ رَسُولٍ

أَمْ لَا تَأْتُوا أَمْ يَحْجِزُونَ أَنْ يَحْكُمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ

وَرَسُولُهُ، بَلْ أُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ

إِنَّمَا كَانَ قَوْلُ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ

وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَنْ يَقُولُوا سَمِعْنَا

وَأَطَعْنَا وَإِنْ أُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ وَمَنْ

اور جب اللہ تعالیٰ اور رسول کی طرف بلا جائیں کہ رسول اُن کے

درمیان فیصلہ کر دے، تو اُن میں سے کچھ لوگ منہ موڑتے

اور اگر ان کو کچھ حق پہنچتا ہو، تو فرمان بردار بن کر رسول کے پاس

چلے آئیں، کیا اُن کے دل میں بیماری ہی، یا وہ شک ہیں

یا وہ ڈرتے ہیں، کہ خدا اور اس کا رسول ان کے ساتھ ہے انہیں

کر لگا، بلکہ وہی لوگ بے انصاف ہیں، ایمان ان کی بات

تھی کہ جب ان کو خدا اور رسول کی طرف بلا جائے، تاکہ وہ ان کے

درمیان فیصلہ کر دے، تو وہ کہیں کہ ہم نے سنا اور مان لیا

يُطِيعُ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيُخِشِ اللَّهَ وَيَتَّقِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ.

انہیں لوگوں کو بھلا ہے، اور جو کوئی اللہ کے اور اس کے رسول کے حکم پر چلے، اور اللہ سے ڈرتا رہے، اور اللہ سے

(نور - ۷) بچ کر نکلے، وہی لوگ ہیں مراد کو پہنچے،

ان آیات سے معلوم ہوا کہ رسول کے تمام فیصلے منصفانہ ہوتے تھے، اور رسول کے فیصلوں کی اطاعت خود خدا کے حکم کی اطاعت ہے، بلکہ ایمان کی دلیل اور نشانی ہے،

فَلَا وَرَيْبَ لَكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يَخْرُجُوا مِنْكُمْ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي الْأَنْفُسِ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا (نساء - ۶)

تو تم ہے تیرے رب کی، وہ مومن نہ ہونگے جب تک وہ تجھے اپنے جھگڑوں کا منصف نہ بنائیں اور پھر جو فیصلہ کرے، اس سے ان کے دل میں خفگی نہ پائیں، اور پوری طرح تسلیم کریں،

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا لِمُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَىٰ اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ جَلَدًا كَثِيرًا وَلَا يَزِدُّهُمُ اللَّهُ جَلَدًا (احزاب - ۵)

اور مومن مرد یا مومن عورت کا یہ کام نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول فیصلہ کر دے، تو ان کو اپنے کام کا اختیار رہے، اور جس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی وہ کھلا گمراہ

ہوا،

یہ اطاعت، اور مطلقاً سرفکندگی، اور تمام فیصلوں کا قطعی حقی اور منصفانہ فیصلہ ہونے کی رہائی ذمہ دار ہر حاکم وقت، اور سلطان زمانہ کے لیے نہیں، یہ انبیاء کے لیے خاص ہے، دو شخصوں کے باہمی جزئی و شخصی منکارت کا فیصلہ ظاہر ہے کہ خود اللہ تعالیٰ وحی قرآنی کے ذریعہ نہیں کرتا تھا، بلکہ رسول کے فہم نبوت، نور نبوت، فیض شریعت، صدر تبیین حقیقت اور ارادت (دکھانا اور سوچانا) کے ذریعہ فرماتا تھا۔ لیکن کلیات کی حیثیت سے وہ یقیناً وحی قرآنی کے مطابق ہوتا تھا، اور ان کلیات کے مطابق ان جزئیات کا فیصلہ خود اللہ تعالیٰ آپ کو سوچھاتا تھا،

آپ کے ان قضایا اور فیصلوں کی رضامندانہ اطاعت ہر مسلمان پر قیامت تک ضروری ہے آپ کی

زندگی کے بعد ان فیصلوں کی اطاعت یہ ہے کہ اس قسم کے مقدمات اور معاملات میں ہم وہی فیصلے جاری کریں جو آپ نے اپنی زندگی میں ان میں کیے، کہ آپ کے فیصلے حکم خدا غلطی سے پاک، ظلم سے بری، اور بے انصافی سے منزہ تھے، اور دنیا میں رسول کے سوا کسی انسان کو اس بے گناہی اور عسکت کا درجہ اور تہ حاصل نہیں،

رسول کا وجود مستقل ہے اور اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کو امام و پیشوا اور ہادی و رہنما فرمایا ہی، یعنی نبوت اور وحی سے سرفراز ہونے کے بعد ان کی ذات مجسم ہدایت و رہنمائی، اور امامت و پیشوائی کے لیے خاص ہو جاتی ہے، ان کی بعثت اسی لیے ہوتی ہے کہ وہ لوگوں کی رہنمائی فرمائیں، اور ان کو فضالت و گمراہی سے بچائیں جس امت میں مبعوث ہوتے ہیں، اُس کے سامنے ہدایت و رہنمائی کے دو چراغ روشن ہوتے ہیں، جن دونوں کی روشنی مل کر ایک ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو جھین یہود اپنی شرارت اور سازش سے گمراہ بنا نا چاہتے تھے، خطاب کر کے فرماتا ہے،

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَطِيعُوا فِرْعَانَ مِّنَ
الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ يَرُدُّكُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ
لِلْكَافِرِينَ، وَكَيْفَ تَكْفُرُونَ وَأَنْتُمْ تُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ
آيَاتُ اللَّهِ وَفِيكُمْ رَسُولُهُ (آل عمران: ۱۰۰)

اے مومنو! اگر تم اہل کتاب کی گمراہی کرو گے تو وہ تمہارے
لاچکے بعد تمہیں مرتد کر کے کافر بنا دیں گے، اور تم کو کفر کا
کرنا چاہیے، درحالیکہ تم کو اللہ کی آیتیں سنائی جاتی ہیں،
اور تم میں اللہ کا رسول موجود ہے،

آیت کے آخری ٹکڑے سے ثابت ہوا کہ کفر سے بچانے والی دو مستقل چیزیں مسلمانوں کے پاس تھیں
ایک تو آیات الہی جو ان کو سنائی جاتی تھیں، اور دوسری خود رسول کا مستقل وجود جو اپنی تعلیم و تہذیب
صحبت، اور اثر سے ان کو بہکنے نہ دیکھا، اور فضالت سے مانع آئے گا، اگر صرف کتاب الہی اس کتاب کو انجام
دیکھتی تو رسول کے ذکر کی حاجت، بلکہ خود بعثت کی ضرورت کیا تھی، اس سے یہ واضح ہوا کہ اللہ کی کتاب
صامت (قرآن) اور اس کی کتاب ناطق (رسول) سے مل کر اپنے فریضہ کو انجام دیتی ہے،

تذکیہ | انبیاء علیہم السلام کا عموماً اور انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خصوصاً ایک اور امتیازی وصف تذکیہ ہے، تذکیہ کے معنی پاک و صاف کرنے کے ہیں، نبوت محمدیہ کے اس وصف کا ذکر ان آیتوں میں ہے، جنہیں آپ کی یہ توصیف لگائی ہے، ایک رسول جو لوگوں پر خدا کی آئین تملادت کرتا ہے، اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہو اور ان کو پاک و صاف کرتا ہے، ظاہر ہے کہ آپ کا یہ تیسرا وصف، دو پہلے اوصاف سے الگ ہے، یہ پاک و صاف کرتا ہے، آیات الہی کی تلاوت، اور کتاب و حکمت کی تعلیم کے بعد نبی کی عملی کیفیت کو ظاہر کرتا ہے، کہ آپ کی تعلیم و تربیت فیضانِ صحبت، حسنِ اخلاق، پسند و عنایت، اور تبلیغ و دعوت کی تاثیر سے بُرے، اچھے، بد، نیک اور شراب اختیار نہ جاتے ہیں،

انبیاء علیہم السلام کی ہر تاریخ اس واقعہ کو ظاہر کرتی ہے، کہ وہ گمراہ اور بدکار قوموں میں مبعوث ہوئے ہر طرح کی اذیتیں اور ٹھانین، تکلیفیں سہین، مصیبتیں جھیلین، اور آخر تاریکی کو روشنی سے، جہالت کو علم سے، اور کفر کو توحید سے بدل کر رہے، اور مدت تک اُن کی تاثیر کا فیض جاری رہا، اُن کا یہ وصف تذکیہ وحی و الہام کے علاوہ اُن کے جسم و جان اور زبان و دل کی کیمیا اثری کا نام ہے، خواہ ادنیٰ زبان اوس وقت وحی الہی سے مستغرق ہو یا خاموش، ہر آن آفتاب حق کی کرنیں مطلعِ نبوت سے نکل نکل کر دلوں کی سرزمین کو روشن کرتی رہتی تھیں،

اور اسی لیے نبوت کا سینہ، صدق و صفا کا آئینہ ہوتا ہے، نبی کا مجسم پیکر ظلمتِ کدہ عالم کا چراغ، اور علم و ہدایت کا مطلع انور ہوتا ہے، جس طرح اس کا ہیضہ الہامی اور وحی ربانی نور ہوتا ہے، وہ خود بھی سراپا نور ہوتا ہے، جس سے اندھے دیکھتے، گمراہ راہ پاتے، اور حق کے طالب روشنی حاصل کرتے ہیں، خود آپ کو مخاطب کر کے فرمایا گیا،

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَهِيدًا وَمُبَشِّرًا

وَنَذِيرًا وَذَاعِياً إِلَى اللَّهِ بِآذَانِهِ وَسِرَّاجًا

اے نبی! ہم نے تجھ کو بتانے والا، خوشی سنانے والا،

چوکنا کرنے والا، اور روشن کرنے والا چراغ بنا کر بھیجا،

مُشِيرًا، (احزاب - ۶)

یہ اس پاس کی چیزوں کو روشن کرنے والا چراغ خود رسولؐ کی ذات ہے، سوال یہ ہے کہ اگر آپ کے جسم و جان، زبان و دل، خلق و عمل، علم و فہم میں روشنی نہیں تو آپ کی ذات جو انھیں چیزوں کا مجموعہ ہے، روشن چراغ کیونکر ثابت ہوگی، اور جب آپ کی ذات مبارک کی یہ تمام چیزیں انوار الہی ہیں تو ان انوار میں سے ہر نور کی روشنی میں چلنا ہدایت ہے، اور ان میں سے کسی سے قطع نظر کرنا بھی ظلمت کے ایک گوشہ میں قدم ڈھنسا کر آیت و ملکوت کی رویت جس طرح انبیاء علیہم السلام اپنی قوتِ سامعہ سے مذائے غیب کو سنتے اور صدائے وحی کو سماعت کرتے ہیں، اسی طرح ان کی آنکھیں بہت کچھ دیکھتی ہیں جو عام انسان نہیں دیکھتے، حضرت ابراہیمؑ کے ذکر میں ہے،

وَكَذَلِكَ نُرِي إِبْرَاهِيمَ مَلَكُوتَ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنُ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ (انعام - ۹)

اور اسی طرح ہم ابراہیمؑ کو آسمانوں کی اور زمین کی مملکت دکھاتے تھے، تاکہ وہ یقین کرنے والوں میں ہو،

استعدادِ نبوت کی تربیت اور نشوونما کے لیے یہ رویت و بصیرت کی مافوق قوت اور ان کو عطا ہوئی حضرت موسیٰؑ کو طور پر جو کچھ نظر آیا، وہ جلوہ گریِ حق و عشق کی شہرہ گمانی ہے، آنحضرت صلیم کے مشاہد روحانی کا تذکرہ معراج کے تعلق سے ان الفاظ میں کیا گیا ہے،

لِسُرِّيَّةٍ مِّنْ اٰیٰتِنَا (اسرائیل - ۱)

تاکہ ہم اُس (رسولِ بندہ) کو اپنی نشانیاں دکھائیں،

دوسری جگہ ہے،

مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰ، اَفَتُؤْمِنُوْنَ عَلٰی مَا يَرٰی
وَلَقَدْ رَاٰ نَزْلَةَ الْخُبْرِی، (نجم - ۱)

دل جھوٹ نہیں بولا جو اُس نے دیکھا، اُس پر اُس سے جھگڑتے ہو، اور دوسری بار اُس کو اترتے دیکھا،

مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی، لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ
رَبِّهِ الْكُبْرٰی، (نجم - ۱)

نگاہ نہ بہکی، اور نہ سرکش ہوئی، اُس نے اپنے رب کی بڑی نشانیاں دیکھیں،

ایک اور مقام پر ہے،

آئے اس کو ہٹا دینا، اور ان کی اس ساری کوشش و کوش کا مقصد خدا کی رضا مندی، مخلوق کی خیر خواہی اور اپنے فرض رسالت کی ادائیگی کے سوا کچھ نہیں ہوتا،

یہ ہے انبیاء کی تبلیغ و دعوت کا مفہوم، دنیا میں جب قدر بغیر آئے، انھوں نے اپنے فرض کو اسی ایشیاء اور قربانی کے ساتھ انجام دیا، اور ایک لمحہ بھی اپنے فرض کے ادا کرنے میں کوتاہی نہ کی، اور آج دنیا میں جو کچھ خدا کی محبت، بھائیوں کا پیار، انسانوں کی ہمدردی، بیکسوں کی مدد، غریبوں کی اعانت، اور دوسری نیکیوں کا اس سطح زمین پر موجود ہے، وہ سب بلا واسطہ یا بلا واسطہ دانستہ یا نادانستہ انھیں کی دعوت و تبلیغ اور خیر و جہد کے اثر اور نتیجے ہیں،

دنیا کے بڑے سے بڑے مفکر، بڑے سے بڑے شاعر، بڑے سے بڑے حکیم اپنا فرض خود سمجھ لینا، یا دنیا سے زیادہ دوسروں کو سمجھا دینا، سمجھتے ہیں، لیکن انبیاء علیہم السلام جس صداقت کو پاتے ہیں، اس کو دوسروں کے سمجھانے، اور ہر ممکن طریق سے اس کے پھیلانے، اور اہل دنیا کو اس کے باور کرانے میں اپنی پوری قوت صرف کر دیتے ہیں، اور ہر مشکل کو جھیل کر نافرمانوں کو حقیقت سمجھاتے اور اندھوں کو راہ راست دکھاتے ہیں، انبیاء علیہم السلام کی تعریف میں خدا فرماتا ہے،

الَّذِينَ يُبَلِّغُونَ رِسَالَاتِ اللَّهِ وَيَخْشَوْنَهُ وَلَا

جو اللہ کے پیغاموں کو پہنچاتے ہیں، اور اُسی سے ڈرتے ہیں

يُحْشِنُونَ أَحَدًا إِلَّا اللَّهَ وَكَفَى بِاللَّهِ حَسِيبًا (ہو)

اور اُس کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے، اور اللہ بس ہے،

حضرت موسیٰ کو حکم ہوتا ہے،

اِذْ هَبْ اِلٰی فِرْعَوْنَ اِنَّهُ طَغٰی (طہ - ۱)

فرعون کے پاس جا کہ اوس نے سرکشی کی،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوتا ہے، کہ پیغام ربانی کی بے محابا تبلیغ کرو، اور دشمنوں سے نہ ڈرو، کہ تمھاری حقانیت

کا خود دشمن شاہ عالم ذمہ دار ہے،

يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ

اے پیغمبر! پیغمبر! سب کے پاس سے جو تیری طرف آ رہے

وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ وَاللّٰهُ
اوس کو پہنچا دے، اور اگر یہ نہ کیا تو، تو نے اوس کے پیغام پہنچانے

يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ (مائدہ - ۱۰)

کے فرض کو ادا نہیں کیا، اللہ تجھ کو لوگوں سے بچائے گا،

ان کی تبلیغ و دعوت میں تشریر اور انداز و دونوں ہوتا ہے، تشریع یعنی بشارت دینا، اور خوشخبری سنانا،

انداز یعنی خدا کے جلال سے ڈرانا، عذاب الہی کا خوف دلانا، اور ان کو اہل کے انجام بد سے آگاہ کرنا، اور
اونکی آمد اس شان سے اس لیے ہوتی ہے کہ خدا کی حجت بندوں پر تمام ہو جائے،

رُسُلًا مُّبَشِّرِينَ وَمُنْذِرِينَ لِئَلَّا يَكُونَ
یہ سب پیغمبر خوشخبری سناتے اور ڈرنا دہشدار کرتے ہوئے آئے

لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ (نساء - ۲۳)

تاکہ پیغمبروں کے آنے کے بعد لوگوں کیلئے خدا پر کوئی حجت نہ رہے

ان سب پیغام الہی پہنچانے کے ساتھ اپنی خیر خواہی، دلسوزی و اخلاص مندی کا اعلان کیا،

اُبَلِّغُكُمْ رِسَالَتِ رَبِّيْ وَاَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اٰمِيْنٌ،
میں تم کو اپنے رب کے پیغام پہنچاتا ہوں، اور میں تمہارا

(اعراف - ۹)

امانت دار خیر خواہ ہوں،

يَقُوْمُ لَقَدْ اَبَلَّغْكُمْ رِسَالَةَ رَبِّيْ وَفَصَّحْتُ
اسے میرے لوگو! میں نے اپنے رب کا پیغام تم کو پہنچا دیا، اور تمہاری

لَكُمْ وَلَكِنْ لَا تُحِبُّوْنَ النَّصِيْحَةَ (اعراف - ۱۰)

خیر خواہی کر چکا، لیکن تم خیر خواہوں کو پیار نہیں کرتے،

يَقُوْمُ لَقَدْ اَبَلَّغْكُمْ رِسَالَتِ رَبِّيْ وَفَصَّحْتُ
اسے میرے لوگو! میں نے اپنے رب کے پیغام تم کو پہنچا دیا

لَكُمْ وَلَكِنْ اَسَى عَلَيَّ فَاَنْتُمْ كَافِرِيْنَ۔
اور تمہاری خیر خواہی کر چکا، تو پھر کیسے نہ ماننے والے لوگو

(اعراف - ۱۱)

پر میں غم کھاؤں،

یہ بھی فرمایا کہ،

لَا اَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِنْ اَجْرِيْ اِلَّا عَلٰی
میں اپنی نصیحت کی تم سے مزدوری نہیں مانگتا، میری

فَطَمَئِنِّيْ (ہود - ۵)

مزدوری تو خدا پر ہے، جس نے تجھ کو پیدا کیا،

لَا اَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا اِنْ اَجْرِيْ
میں اپنی تبلیغ کے بدلہ تم سے مال و دولت کا خواہاں

ایک شبہ کا ازالہ | اس سلسلہ میں ہجو ایک اور غلط فہمی کو دور کرنا ہے، جو بعضوں کو حضورؐ کی صفت تبلیغ کے سمجھنے میں پیش آئی ہے، قرآن مجید میں متعدد آیتیں اس معنی کی آئی ہیں کہ رسول کا فرض صرف پیغام پہنچانا (البلانغ) ہے، اس سے آج کل کے بعض کوتاہ بینوں کو یہ دھوکا ہوا کہ رسول کا فرض صرف دجی الہی کی تبلیغ ہے، یعنی قرآن پاک کے الفاظ کو انسانوں تک بعینہ پہنچا دینا اس کا کام ہے، اس کے معانی کی تشریح اور مطالب کی توضیح کا نہ اس کو منصب ہے، اور نہ حق ہے، اُن کے نزدیک مبلغ رسول کی حیثیت صرف ایک قاصد اور نامہ بر کی ہے جو ایک جگہ سے دوسری جگہ خط تو پہنچا دیتا ہے، مگر اُس خط کے مفہوم و معنی کی تشریح کا اس کو حق نہیں ہوتا، بلکہ اس کو یہ بھی نہیں معلوم ہوتا کہ اس بند لفاظہ میں کیا ہے،

شاید اُن کو یہ دھوکا اس آیت کے علاوہ لفظ "رسول" سے بھی ہوا ہے، جس کے لفظی معنی پیغامبر اور قاصد کے ہیں، لیکن وہ لوگ یہ خیال نہیں کرتے کہ جہاں اُس کو رسول کہا گیا ہے، نبی (خبر پانے والا) بھی تو کہا گیا ہی، بشر (نو شخصری سنانے والا) (نذیر (ڈرانے والا) (سراج منیر (روشن چراغ) (صاحب حکمت) (صاحب خلق عظیم، صاحب مقام محمود و مجتبیٰ (مقبول) (مصطفیٰ (برگزیدہ) (ہمتین) (بیان اور شرح کرنے والا) (معلم (سکھانے والا) (مزکی رہا پاک و صاف کرنے والا) (داعی الی اللہ (اللہ کی طرف بلانے والا) (حاکم (فیصلہ کرنے والا) (مطاع (واجب اطاعت) (امر (حکم دینے والا) (اویابی (روکنے والا) بھی تو کہا گیا ہے، کیا یہ اوصاف و القاب اس کی اسی حیثیت کو ظاہر کرتے ہیں، کہ وہ صرف ایک پیغام پہنچانے والا قاصد ہے، جس کو اصل پیغام کے مفہوم و معنی سے ایک معمولی قاصد اور نامہ بر کی طرح کوئی سروکار نہیں؟ اُس کے پیغام کے مفہوم و معنی کی تشریح و تفسیر کا آج تو ہر عربی دان کو حق حاصل ہے، اور اس کی اصل تحقیق تک پہنچ جانے کا ہر مدعی کو دعویٰ ہے، مگر خود صاحب پیغام کو اپنی پیغامبری کے وقت یہ مفہوم و معنی کا علم تھا، اور نہ اس کی تشریح کا اس کو حق تھا، اِنَّ هَذَا الْعَجَابُ، ہم نے پچھلے صفحات میں جو کچھ لکھا ہے اس سے

اس غلط خیال کی پوری تردید ہو جاتی ہے۔

اون کے اشتباہ کی ایک اور وجہ یہ ہے کہ اسلام میں شرع اور وضع قانون کا حق صرف اللہ تعالیٰ کیلئے تسلیم کیا گیا ہو کہ وہی اصلی شارع ہے، اب اگر رسول کو بھی وحی کتابی سے الگ شرع بنانے کا حق تسلیم کیا جائے تو خدا کے سوا ایک اور شارع تسلیم کرنا ہوگا، لیکن اس کا پہلا جواب تو یہ ہے کہ ہم رسول کو شارع نہیں، شارع قرار دیتے ہیں، کیا عدالت کی کرسی پر بٹھکر جج جب حکومت کے قانون کی توضیح و تشریح کرتا ہے تو وہ اپنے اس عمل سے سلطان وقت بن کر وضع قانون کا منصب حاصل کرتا ہے، یا صرف قانون کے مفہوم کا شارح ہوتا ہے؟ یہی حیثیت آسمانی عدالت کے اوس قاضی کی ہے جس کو ہم نبی اور رسول اور معلم اور مبین کہتے ہیں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ہر پیام اور مقصد اور مفہوم اور فیصلہ سے صرف وحی کے اوسی طریق خاص کے ذریعہ اپنے پیغمبر کو مطلع نہیں فرماتا، جس طریق خاص سے قرآن مجید نازل ہوا ہے، بلکہ وہ اپنی تینوں قسموں کے ذریعہ سے اپنے اغراض اُس رسول پر واضح کرتا ہے، اور ان میں سے ہر طریق کی وحی کی اطاعت تمام امت پر فرض ہے، خواہ وہ وحی ہو، جو الفاظ الہی کی قید کیساتھ آئی ہو جس کو قرآن کہتے ہیں، یا ربانی مفہوم و معنی رسول کے الفاظ میں ادا ہوں، جس کو حدیث و سنت کہتے ہیں، الغرض خواہ وہ کتاب الہی کے ذریعہ سے ہو، یا حکمت ربانی کے فیض سے ہو،

قرآن مجید کی وہ آیتیں جنکے معنی یہ ہیں، کہ "ہمارے رسول پر صرف پیغام پہنچانا ہے" یہ نشانہ نہیں کہ وہ صرف پیغام پہنچانے والا ہے، خوشخبری سنانے والا نہیں، ہتھیار و سیار کرنے والا نہیں، پیغام الہی کے اظہار سنانے کے بعد ان کی تعلیم دینے والا نہیں، آیات الہی کی تفسیر و تشریح کرنے والا نہیں، رہنما اور رہبر الہی نہیں، بنیاستوں سے پاک و صاف کرنے والا نہیں، ایسا کہ قرآن کا انکار اور عقل و فہم کا ماتم ہے تو ان میں کئی جگہ ہے،

اِسْمَاَنْتَ مُنْذِرٌ (ص، رعد، نازعات) تو تو صرف ڈر سنانے والا ہے،

ایک جگہ ہے،

إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ (ص-۵)

میں تو صرف ڈر سنانے والا ہوں،

کیا ان آیتوں کا مفہوم یہی ہے کہ ڈر سنانے کے سوا رسول کا کام بشارت اور خوشخبری سنانا نہیں، اور وہ

صرف مُتَذَكِّرٌ ہے، مُبَشِّرٌ نہیں، اصل یہ ہے کہ اس قسم کی آیتوں

إِنَّمَا عَلَى رُسُلِنَا الْبَلْغُ الْمُبِينُ (مائتہ ۱۲) ہمارے رسول پر صرف پیغام پہنچا دینا ہے،

کا مفہوم یہ نہیں ہے کہ وہ صرف پیغام رسان اور قاصد ہے، مُبَشِّرٌ اور شاریح نہیں، بلکہ یہ ہے کہ اس کا

کام صرف خدا کا پیغام پہنچا دینا ہے، زبردستی لوگوں کے دلوں میں اس پیغام کا اتار دینا نہیں، بزور لوگوں

کو مسلمان بنا دینا نہیں، جبراً منوالینا نہیں، اور نہ پیغام پہنچا دینے کے بعد تمہارے کفر و انکار و عدم ایمان

کی ذمہ داری اس پر ہے، قرآن میں جہاں جہاں اس معنی کی آیتیں آئی ہیں، ان کا منشا یہی اور صرف یہی

ہے، قرآن پاک کی تیرہ مختلف آیتوں میں یہ بات کہی گئی ہے، اور ہر جگہ ہی ایک مفہوم ہے،

۱- وَقُلْ لِلَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَالْأُمِّيِّينَ کتاب والوں اور ان پڑھوں سے کہدے، کیا تم نے اسلام

عَاسَلَمْتُمْ فَإِنْ أَسْلَمْتُمْ فَقَدْ اهْتَدَوْا قبول کیا، اگر کیا تو ہدایت پائی، اور اگر منہ پھیرا تو بھیر

وَأِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلْغُ وَاللَّهُ (اسے رسول) صرف پیغام پہنچانا ہے، اور اللہ نیکو

بَصِيرٌ قَالِ الْعِبَادِ (ال عمران-۲) کا دیکھنے والا ہے،

مفہوم بالکل ظاہر ہے، کہ اسلام کی ہدایت قبول کرنے میں کوئی زبردستی نہیں، اگر لوگ قبول کریں

تو انھوں نے حق کی راہ پائی، اور اگر انکار کیا تو رسول کا کام صرف پیغام پہنچا دینا تھا، وہ اُس نے پہنچا دیا

اُس کا فرض ادا ہو چکا، اب خدا جانے، اور اُس کے بندے جانیں،

فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلْغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ تو میرا فرض صرف پیغام پہنچا دینا ہے، اور ہمارا فرض

اُن سے حساب لینا ہے

(معد-۶)

اس کی مزید تفصیل سورہ غاشیہ میں ہے،

فَذَكِّرْهُمْ لِمَا أَنتَ مُذَكِّرٌ لَّسْتَ عَلَيْهِم بِمُصَيْطِرٍ
 اَلَا مَنْ تَوَلَّى وَكَفَرَ، فَيُعَذِّبُهُ اللّٰهُ الْعَذَابَ
 اَلَا كِبْرُ اِنَّ اِلَيْكُمُ اِيَّا بَعْضُ ثَمَرَاتِ عَلَيْنَا
 جَسَا بَعْضُهُمْ (غاشیہ - ۱)
 (تو اے پیغمبر!) تو نصیحت کر، تو صرف نصیحت کرنے والا ہے
 اُن پر دار و نہ نہیں، لیکن جس نے منہ پھیرا اور انکار کیا، تو خدا
 اُس کو بڑی سزا دیگا، بے شک پھر ہماری ہی طرف لوگو
 آتا ہے اور میں پر اُن کا حساب لینا ہے،

یہی مفہوم سورہ شوریٰ میں ہے کہ رسول کا کام صرف سمجھانا اور تبلیغ کرنا ہے، وہ سلطان کا فرما دار نہ
 اور فرمانروا بنا کر نہیں بھیجا گیا، کہ لوگوں سے بزور اپنی بات منوائے،
 فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَمَا اَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا،
 اِنْ عَلَيكَ اِلَّا الْبَلٰغُ (شوری - ۵)
 تو اگر وہ انکار کریں تو ہم نے تجھ کو اُن پر نگہبان بنا کر نہیں
 بھیجا، تیرا کام صرف پہنچا دینا ہے،

کافروں نے جب بھی رسولوں کو جھٹلایا، انھوں نے یہی کہا کہ ہمارا کام پہنچا دینا ہے، ماتے نہ ماتے کا
 اختیار ہے،

قَالُوْا مَا اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَمَا اَنْزَلَ الْغَيْثُ
 مِنْ سَمٰوٰتٍ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَكْذِبُوْنَ، قَالُوْا رَبُّنَا
 يَعْلَمُ اَنَّا اِلَيْكُمْ لَمَرْسَلُوْنَ، وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا
 الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ (یسین - ۱۰)
 کافروں نے کہا تم تو ہماری ہی طرح آدمی ہو، خدا نے کچھ نہیں
 اتارا، تم جھوٹ کہتے ہو، رسولوں نے جواب دیا ہمارا پروردگار
 خوب جانتا ہے، کہ ہم بھیجے ہوئے ہیں، اور ہمارا فرض
 صرف کھول کر پہنچا دینا ہے،

خود اللہ تعالیٰ نے بھی رسولوں کو تسلی دی ہے، کہ ان منکروں کے انکار سے دل شکستہ نہ ہو، اگلے پیغمبر
 کے منکروں نے بھی یہی کیا تھا، تمہارا فرض اُن کو منوانا نہیں، اُن تک ہمارا پیام پہنچانا ہے،

وَقَالَ الَّذِيْنَ اٰثَرُوْا لَوْ شَاءَ اللّٰهُ مَا عٰبَدْنَا
 مِنْ دُوْنِهِ مِنْ شَيْءٍ نَّحْنُ وَاٰبَاؤُنَا وَاَلَا
 اور شرکوں نے کہا اگر خدا چاہتا تو ہم اس کے سوا کسی اور
 کو نہ پوجتے نہ ہم اور نہ ہمارے باپ دادا اور نہ اس کے

حَرَمْنَا مِنْ دُونِهِ مِنْ شَيْءٍ كَذَلِكَ فَعَلَ اللَّهُ
مِنْ قَبْلِهِمْ فَهَلْ عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ
الْمُبِينُ. (نحل-۵)

حکم کے بغیر کسی چیز کو حرام کرتے، (خدا کہتا ہے کہ) ایسا ہی
کیا تھا ان کے پہلوں نے، کیا ہمارے پیغمبروں پر
پہنچانے کے سوا کچھ ہے؟

وَإِنْ تَكْذِبُوا فَقَدْ كَذَّبَ أَمَمٌ مِنْ قَبْلِكُمْ
وَمَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ (علیہ السلام)

اگر تم جھٹلاؤ، تو کیا ہے تم سے پہلے بھی تو میں جھٹلا چکی ہیں
اور رسول پر نہیں لیکن کھول کر پہنچا دینا۔

رسول کا کام پہنچا دینا ہے، باقی علام الغیوب جو چاہے سو کرے،
مَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا
تُبْدُونَ وَمَا تَكْتُمُونَ. (مائکہ ۱۲)

رسول پر نہیں ہے، لیکن پہنچا دینا، اور اللہ جانتا ہے جو تم
ظاہر کرتے ہو، اور جو چھپاتے ہو،

بَقِيَةُ آتِينَ حَسْبُ ذِيلٍ مِنْ، جَوَّابُكَ هِيَ مَفْهُومُ كَوَادِرْتِي هُنَّ،
وَاطِيعُوا اللَّهَ وَاطِيعُوا الرَّسُولَ وَاحْذَرُوا
فَإِنْ كُنْتُمْ لَكُمْ فَرْجٌ فَأَعْلَمُوا إِنَّمَا عَلَى رَسُولِنَا الْبَلَاغُ
الْمُبِينُ (مائکہ ۱۲)

اور اللہ کا فرمان اور رسول کی بات مانو اور بچو، اور
اگر تم نے منہ پھیرا تو جان لو کہ ہمارے رسول پر صرف
کھول کر پہنچا دینا ہے،

قُلْ طِيعُوا اللَّهَ وَاطِيعُوا الرَّسُولَ فَإِنْ تَوَلَّوْا
فَأِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَا حُمِّلْتُمْ وَإِنْ
تَطِيعُوا فَنَعِدْكُمْ وَما عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا
الْبَلَاغُ الْمُبِينُ. (نور-۷)

کہہ دے اے پیغمبر! اللہ کی اطاعت کرو، اور رسول کی اطاعت کرو
پھر اگر وہ منہ پھیریں، تو رسول پر وہ ہے جس کا اوپر بوجھ ہے، اور تم پر
وہ ہے جس کا ابھیرا ہے، اگر اس کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پاؤ گے
اور رسول پر نہیں لیکن کھول کر پہنچا دینا،

كَذَلِكَ يُبْعَثُ عَلَيْكُمْ تُسَلِّمُونَ
فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ الْمُبِينُ (نحل-۱۱)
وَاطِيعُوا اللَّهَ وَاطِيعُوا الرَّسُولَ فَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ

اسی طرح اللہ پر اپنا احسان پورا کرنا، تاکہ تم مسلمان ہو جاؤ اور اگر
انہوں نے منہ پھیرا تو تجھ پر ہوا اس کے کچھ نہیں کہ کھول کر پہنچا دے
اور خدا کا فرمانو، اور رسول کی فرمانبرداری کرو، اگر تم نے

فَاِنَّمَا عَلٰی رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ (تغابن ۲) منہ پھیرا تو ہمارے رسول پر صرف کھڑکھچا دینا ہے،

پیغمبر کا قول ہے،

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ مَا اُرْسِلْتُ بِهٖ اِلَيْكُمْ تو اگر تم منہ پھیر دو تو میں جو پیام دے کر تمہارے پاس بھیجا گیا

(ہی ۵-۵) وہ میں نے تم کو پہنچا دیا، (یعنی میرا فرض ختم ہو چکا)

ان تمام آیتوں کا تعلق نبوت کے منکروں سے ہے، یہاں پر یہ نکتہ بھی لحاظ کے قابل ہے کہ جو لوگ ہنوز نبوت کے منکر ہوں، ان سے رسول کا تعلق صرف تبلیغ و نصیحت، پسند و موعظت، اور سمجھانے کا ہی، لیکن جو خوش قسمت افراد نبوت کی سعادت کو حاصل کر لیں، تو ان کا تعلق رسول سے پھر اتباع و پیروی و اطاعت کا ہو جاتا ہے، اور اس کے بعد رسول اوس کو تبلیغ ہی نہیں، بلکہ امر و نہی بھی کرتا ہے، کوئی حکومت، دوسرے ملک کے کسی باشندہ کو زبردستی اپنی رعایا نہیں بناتی، لیکن اگر کوئی شخص از خود اس حکومت کی رعایا بن جائے تو پھر اس کے قانون کی پیروی پر زور مجبور کیا جائے گا، کہ رعایا بننے کے معنی ہی اوس کے قانون کے قبول کرنے کے ہیں،

انبیاء کی تعلیم کا امتیازی عقیدہ | دنیا میں جس قدر پیغمبر آئے، وہ ایک ہی دین اور ایک ہی عقیدہ لیکر آئے، وہی توحید و ہی نبوت، وہی عبادت، وہی اخلاق، وہی جزا و سزا، اور عمل کی پرش، اس لحاظ سے انبیاء کی تعلیم میں کوئی اصولی فرق نہیں اس لیے فرمایا کہ شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ مَا وَصَّى بِهِ نُوحًا اِلٰیہِ، یعنی خدا نے تمہارے لیے وہی دین شروع کیا، جو نوح وغیرہ دوسرے پیغمبروں کو دیا، اور اسی کا نام اسلام ہے، لیکن انبیاء کی تعلیم کا اہم اصول اور سب سے ضروری جزو توحید ہے، اور وہی نبوت کے سارے اصولی اور ازلی ترانہ ہے،

ممکن ہے کہ دنیا میں اسلام سے پہلے بہت سے اچھے لوگ گذرے ہوں اور ان کی دعوت بھی مفید ہو، ان کے اخلاقی و غلط بھی دل پسند ہوں، وہ یونان کے حکم ہوں، یا ہندوستان کے اوتار، لیکن ان کی تعلیم میں اگر توحید کی دعوت شامل نہیں، تو وہ نبوت کے رتبہ کے قابل نہیں، کہ پیغمبرانہ تعلیم کی پہچان ہی توحید کی دعوت

ہے، اگر یہ نہیں تو نبوت بھی نہیں فرمایا،

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا نُوحِيْ
اِلَيْهِ اَنْتَ لَا اِلَهَ اِلَّا اَنَا فَاعْبُدْنِيْ (انبیاء)
اور ہم نے تجھ سے پہلے کوئی رسول نہیں بھیجا لیکن اُنکو یہ وحی
کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں، میری ہی پرستش کرو،
وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اِنْ اَعْبُدُوْا
اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ (محل - ۵)
اور ہر قوم میں ہم نے ایک رسول بھیجا، کہ خدا کی عبادت
کرو اور بتوں سے پرہیز کرو،

اس سے معلوم ہوا کہ تعلیمی حیثیت سے نبوت کی شناخت اسی سے ہو سکتی ہے، اسلام سے پہلے جس علی
نبوت کی تبلیغ کا اہم ترین جزو توحید نہیں، اوسکو دعوائے نبوت کا کوئی حق نہیں،
نبوت کی غرض غایت انبیاء علیہم السلام کی آمد کی غرض و غایت کہ شاعرانہ زبان، اور خطیبانہ جوش بیان میں بہت کچھ
بتایا جاسکتا ہے، لیکن یہاں مقصود یہ ہے کہ ان اغراض کو گنایا جائے، جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی مبارک
کی زبان سے ادا ہوئے ہیں، اصل دعویٰ وہی ہے، جس کو مدعی ظاہر کرتا ہو، نہ کہ گواہ،

انبیاء کی بعثت کی سب سے پہلی غرض اُس روزِ راست کے بھولے ہوئے اذلی عہد و پیمانِ بندگی کی یاد دہانی
وَ اِذْ اَخَذْنَا مِنْ رَبِّكَ مِنْ نَبِيِّ اٰدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ
دُرِّيْتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ
بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى شَهِدْنَا اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ
الْقِيٰمَةِ اَنَا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ (اعراف ۲۲)
اور جب تیرے رب نے بنی آدم کی پیٹھوں سے اُنکی نسلوں سے
عہد لیا، اور اُنکو خود اپنے اوپر آپ گواہ کیا، کہ کیا میں تمھارا پروردگار
نہیں ہوں، انھوں نے کہا کیوں نہیں تو بے ہم نے گواہی دی
کہ قیامت کے دن یہ نہ کہو کہ ہم اوسکو بھول گئے تھے،

اس لیے ضرور ہوا کہ ان کو موقع بموقع اُن کا یہ وعدہ یاد دلایا جائے،
یہی وجہ ہے کہ رسول کی بعثت کی ایک غرض یہ بھی بتائی گئی ہے، کہ اُن کا وجود بنی آدم پر تمام حجت ہو،
مکن ہو کہ آدم کے فرزند یہ بجائے کرین کہ ہم کو کوئی یاد دلانے والا نہیں آیا تو فرمایا،
رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ
رسول خوشخبری سنانے والے اور ڈرانے والے، تاکہ رسولوں

لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ (ن-۲۲) کی آمد کے بعد لوگوں کے لیے خدا پر کوئی حجت باقی نہ رہے،
 تذکرہ کے بعد نبی کا فرضِ اولین ہدایت اور رہنمائی ہے، کہ وہ حقیقت اللہ تعالیٰ کی صفتِ ہادی کے
 منظر اور موردِ بین، اسی لیے ایک آیت میں نبی اور رسول کے لیے ہادی کا لفظ آیا ہے، فرمایا
 وَبِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ (رعد-۱) اور ہر قوم کے لیے ایک راہ دکھانے والا آیا،

سورہ شوریٰ میں فرمایا:

وَإِنَّكَ لَتَهْدِي إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ (شوریٰ) اور تو اسے پیغمبرِ سیدھی راہ دکھاتا ہے،

سورہ انبیاء میں بہت سے پیغمبروں کے ذکر کے بعد ہے،

وَجَعَلْنَاهُمْ آيَةً يُهَدُّونَ بِأَمْرِنَا (انبیاء) اور ہم نے ان پیغمبروں کو پیشہ بنایا، جو ہر قوم کے راہ دکھاتے تھے
 اسی طرح ان آسمانی کتابوں کو جو ان کو دیکھی تھیں، بار بار ہدایتی (ہدایت) کہا گیا ہے، اور کہیں ان
 کو ضیاء اور نور (روشنی) کے الفاظ سے ادا کیا گیا ہے،

اس ہدایت اور رہنمائی کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ وہ بندگانِ الہی کو باطل کے اندھیرے سے نکال کر حق
 کی روشنی میں لاتے ہیں، انسان جن فاسد خیالات، بیہودہ افکار بے سود اعمال کی تاریکیوں میں پھنس کر نظر
 بصیرت اور روحانی معرفت کے نور سے محروم ہو جاتا ہے، انبیاء ان اندھوں کے ہاتھ پکڑ کر ان کو ظلمات سے
 انوار میں لاتے ہیں، ان کو شک کی جگہ یقین، جہل کی جگہ علم، باطل کی جگہ حق، اور ظلمت کے بجائے نور عطا کر

هُوَ الَّذِي يُنْزِلُ عَلَى عَبْدٍ مَّا آتَتْ بَيِّنَاتٍ دہی اللہ جو اپنے بندہ پر کھلی آیتیں اتارتا ہے، تاکہ وہ تم کو

يُخْرِجَكُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ (حدیدہ-۱) تاریکیوں سے نور میں لائے،

اس دنیا کی نجات صرف اعتدال میں ہے، جب کبھی مزاجِ انسانی کی طرح اوس کے اون عناصر
 میں چنے او سکی ترکیب ہوئی ہے، افراط و تفریط پیدا ہوگی، روئے زمین پر فساد رونما ہوگا، انسانی جماعتوں
 اور قوموں میں بھی یہ ترازو جب اعتدال کے معیار پر پوری نہ ہوگی، کبھی دونوں پہلے برابر نہ ہوں گے، آسمان

سے زمین تک ایک ایک ذرہ اعتدال کی ترازو میں تلا ہوا ہے، کیمسٹری اور علم الفلک کا واقفکار اس ترازو کو اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے، اور حیرت کرتا ہے کہ کہیں ایک ذرہ کی کمی بیشی نہیں ہے جس طرح اس مادی دنیا میں یہ حیرت انگیز توازن ہے، ٹھیک اُسی طرح روحانی اور اخلاقی دنیا میں بھی اس توازن کی ضرورت

ہے، عقائد ہوں کہ عبادات، اخلاق ہوں کہ معاملات، اسی توازن کا نام **حق** اور **عدل** ہے، فرمایا،

وَالشَّمَاكَةُ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيزَانَ ۚ أَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيزَانِ ۚ وَأَقِيمُوا الصُّلُوفَ بِالْقَيْسِطِ ۚ وَلَا تَخْسِرُوا الْمِيزَانَ ۚ (رحمن - ۱)

اور آسمان کو اونچا کیا، اور ترازو رکھی، کہ اس ترازو میں کمی بیشی نہ کرو، اور تول کو ٹھیک رکھو، اور ترازو کو گھٹاؤ نہیں،

یہ توازن اور برابر تول جو بے ارادہ اور بے اختیار دنیا کے ذرہ ذرہ میں اور اس کی ایک ایک حرکت اور ایک ایک کام میں خالق فطرت کے اندازہ اور تقدیر سے قائم ہے، یہی توازن اور برابر کا تول رسولوں کے ذریعہ آئی ہوئی میزانِ شریعت کے مطابق ذی ارادہ اور خود اختیار انسانوں کی ایک ایک حرکت، اور ایک ایک جنبش میں ہونا چاہئے، بے ارادہ دنیا کی میزان کا نام **قانونِ فطرت** ہے، اور بارادہ دنیا کی میزان کا نام **قانونِ شریعت** ہے، بے ارادہ دنیا کا نظام عدل اسی خدائی میزانِ فطرت سے چل رہا ہے، اگر اس میزان میں ایک ذرہ بھی کمی بیشی ہو جائے، تو عالم کا نظام درہم برہم ہو جائے، اسی طرح انسانی دنیا کی سکینت، طمانیت، اور امن و امان کا نظام اسی میزان کے ذریعہ قائم ہو سکتا ہے، اگر یہ نہ ہو تو اس کا نظام بھی درہم برہم ہونا لازمی ہے، فرمایا،

لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومُوا النَّاسَ بِالْقَيْسِطِ (حدید - ۳)

ہم نے بے شبہ اپنے پیغمبروں کو کھلی دلیلین دے کر بھیجا، اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان اتاری، تاکہ لوگ عدل کو قائم کریں،

انبیاء کی بعثت کی یہ غرض و غایت کہ لوگ شریعت کی میزان کے مطابق **عدل** اور توازن کو قائم کریں،

اس موجودہ دنیا ہی کے نظام کی امن و سلامتی کے لیے ہے، آج یورپ کے اتحاد کی گونج نے دنیا کے گوشہ گوشہ کو پرتھور بنا دیا ہے، آج رسولوں کی اہمیت اور ان کی تعلیمات کی ضرورت پر شکوک و شبہات کی زلزلہ باری ہو رہی ہے، لیکن وہی و خیالی مباحث سے قطع نظر کر کے عملی حیثیت سے دنیا کی ایک ایک اہم اور ایک ایک اہم آبادی کا جائزہ لو، آج جہاں کہیں بھی سچائی کی کوئی روشنی اور حقیقت کی کوئی کرن نکلتی ہے، وہ اسی مطلع خورشید سے چھنکر نکلتی ہے، کوئی دیندار ہو یا ملحد، خوش عقیدہ ہو یا بے عقیدہ، یونان کا حکیم ہو یا افریقہ کا جاہل، یورپ کا تمدن ہو یا صحرائی کا وحشی، رومی ہو یا زنگی، عیسوی ہو یا موسوی، بت پرست ہو یا موجد، مسیحی ہو یا ہندو، مسلم ہو یا غیر مسلم، شہری ہو، یا دیہاتی، ہالیوڈ کی چوٹی پر آباد ہو، یا زمین کی گہرائی میں کہیں بھی ہو، کوئی بھی ہو، اگر وہ اللہ کے نام کی عظمت سے واقف ہے، اور نیکی اور بدی کی تمیز سے آشنا ہے، تو وہ خدائی رسولوں اور ربانی پیغمبروں کے علاوہ کس معلم کی کوششوں کا ممنون ہے؟ آج جہاں بھی عدل و میزان کا وجود ہے، وہ کسی یونانی حکیم، یا یورپین فلاسفر کی تعلیم و تصنیف و تقریر و خطبہ کا اثر نہیں ہے، بلکہ طبقہ انبیاء ہی کی بے واسطہ یا بواسطہ تعلیمات کا نتیجہ ہے، آج دنیا کے گوشہ گوشہ میں کیسے ہی بدترین مبتلع سہی مگر نیکی، عدل، احسان، ہمدردی، نیکو کاری، حسن خلق کی تعلیم، تسلیج اور دعوتِ اومنین کی زبانوں سے ہو رہی ہے، جو رسولوں کے پیروں اور پیغمبروں کے تابع ہیں، جو عقیدہ کے طہرین، اہل حق کی بھی نیکو کاری اور اومنین پیغمبروں کے نادانستہ فیضانِ تعلیم کا نتیجہ ہے، اس بنا پر جو لوگ ذہنی طور سے پیغمبروں کے منکر ہیں، وہ بھی عملی طور سے ان کی تعلیم کے مقصد اور مقصد ہیں، اسی لیے انبیاء کا وجود تمام دنیا کے لیے رحمت بنکر ظاہر ہوا ہے، اور قرآن نے آسمانی کتابوں کو بار بار رحمۃ و ہدائی، رحمت اور رہنمائی کی غرض سے بھیجے کا جو اعلان کیا ہے، وہ تامل سے غرض و غایت کی تشریح ہے، اور اسی لیے خاتم نبوت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفات تمام عالم کے لیے رحمت بنکر آئی، فرمایا

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ، اور ہم نے تجھ کو (اے محمد) تمام دنیا کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے،

تائید و نصرت | انبیاء علیہم السلام جو مقصد لے کر آتے ہیں، خواہ کسی قدر مشکلات پیش آئیں، کتنی ہی رکاوٹیں ہوں
کتنی ہی تکلیفوں اور زحمتوں کا سامنا ہو، بالآخر وہ مقصد کامیاب ہی ہوتا ہے، پیغمبروں کی سیرت اور ان کی
دعوت کی تائید، خود اس دعویٰ پر گواہ صادق ہے، قرآن نے کہا،

وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ اِنَّهُمْ
لَهُمْ الْمُصْطَوُّونَ وَاِنْ جُنْدُنَا لَهُمْ
الْغَالِبُونَ، (الصافات - ۵)

اور ہماری بات اپنے رسول بندوں کے لیے پہلی ہی ط
ہو چکی ہے، کہ یقیناً انھیں کی مدد ہوتی ہے، اور ہماری
شکر غالب ہوتا ہے،

نہ صرف اس دنیا میں بلکہ آخر کے دن بھی انھیں کو اور ان کے ذریعہ اہل ایمان کو کامیابی ہوگی،
اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ
الدُّنْيَا وَيُؤْتُوْنَهُمْ قِيٰمًا اَشَدُّ، يَوْمَ لَا يُنْفَعُ
الظَّالِمِيْنَ مَعٰذِرَتُهُمْ وَ لَهُمْ الْعَذَابُ
لَهُمْ سَعٰءُ الدَّارِ، (سومن - ۶)

اور بے شک ہم اپنے رسولوں کی اور ایمان والوں کی مدد
اس دنیا میں کرتے ہیں، اور اُس دن بھی جب گواہ کھڑے
ہونگے جس دن گنہگاروں کو ان کے بہانے کام نہ دیئے
اُن پر پھٹکار ہوگی، اور ان کیلئے برا گھر ہوگا،

پیغمبروں پر ایسے بھی سخت وقت آتے ہیں، جب اپنی قوم کے قبول ہدایت کی طرف سے پوری سی
ہو جاتی ہے، اور اُمید کی روشنی کسی طرف سے دکھائی نہیں دیتی، اور عذاب میں دیر ہونے کے سبب ان کے منکر یہ سمجھنے
ہیں کہ ان کو عذاب کی دھکی جھوٹ دی گئی، تو دفعۃً اُمید کا دروازہ کھلتا ہے، اور خدا کی تائید و نصرت کے پر
آتے اس طرح دکھائی دیتے ہیں، کہ صالح لوگوں کے دل قبول کے لیے کھول دیئے جاتے ہیں، اور جان
پر کسی نہ کسی طرح عذاب اگر ان کا استیصال ہو جاتا ہے، فرمایا،

حَتّٰى اِذَا اسْتَأْذَنَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْا اَنْهُمْ
قَدْ كُذِّبُوْا جَآءَهُمْ نَصْرُنَا، (یوسف - ۱۲)

یہاں تک کہ جب پیغمبروں کو (اپنی قوم کے ایمان) یا دوسی
لگی اور ان کے منکر دن کو یہ خیال ہو گیا کہ ان کے جھوٹ کیا گیا تو

اللہ تعالیٰ کی اسی تائید و نصرت اور حفاظت و دعوت کا یہ یقین ادل کو ہوتا ہے، کہ وہ مشکل کو اس ر

میں جھیل لیتے ہیں اور اپنے سروں کو تھیلیوں پر لیے پھرتے ہیں، مخالفوں کی فوج و لشکر تیغ و خنجر اور خود
 خطر کے باوجود اپنی دعوت و تبلیغ کے فریضہ سے باز نہیں آتے اور کسی دامن پر بھی مخالفوں سے صلح پر آمادہ نہیں
 ہوتے، منکروں کو شروع شروع میں اون کی ظاہری پیچاری اور تنہائی کو دیکھ کر ان کی ناکامی کا گمان ہوتا ہے
 لیکن اللہ تعالیٰ ان کے سوا ظن کی تردید کر کے فرماتا ہے،

فَلَا تَحْسَبَنَّ اللَّهَ مُخْلِفًا وَعْدًا رُسُلُهُ، سوزت خیال کر کہ اللہ اپنے رسولوں سے وعدہ غلامی

(ابراہیم - ۷) کرے گا،

ازل کے دن ہی یہ قانون بن چکا ہے، کہ سچائی کے ان پکارنے والوں ہی کی آخر حیت ہوگی،

كُتِبَ اللَّهُ لَا أُخْلِفَنَّ أَنَا وَرُسُلِي (مجادلہ - ۳) اللہ لکھ چکا کہ میں ہی غالب ہو گا، اور میرے رسول،

فائدہ اس تفصیل اور تشریح سے مقصود ناظرین کو نبوت کے اصلی کمالات کا ایک جلوہ دکھانا تھا،

فلسفی را از پیرو شناس	آبگینہ را ز گوہر و شناس
آبگینہ را نہ پنداری بدست	جز دمیکہ گوہرے آری بدست
چون گمراہ بدست شب چراغ	آبگینہ شد سپہ چون پر زاع
فلسفی اندر بن چاہ نژند	ز دیوان دارد بخور شید بلند
ز دباش می برد تا چند ارش	پس بچاہ افتد نگون گشتہ سرش
وان پیمر خود ز بارم آسمان	رشتہ افکنده سوئے خاکیان
رشتہ جان را بدین رشتہ تباب	پس بر آ، تا بار گاہ آفتاب
ز آسمان پیغمبر آواز ت دہد	فلسفی از خاک پرواز ت دہد
این زود و رت رہنماید سو جان	وان بخواند خود ترا از کوئے جان

شبِ ظلمت

پیغمبرِ اسلام کی بعثت کے وقت دنیا کی ہمدردی اور اخلاقی حالت

اگر یہ سچ ہے کہ دنیا کی ہر شے اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے، بارش کی تشنگی سخت مس کے بعد ہی زیادہ خوشگوار معلوم ہوتی ہے، روشنی کی پوری قدر شبِ تاریک ہی میں ہوتی ہے، اور فضا جس قدر تاریک ہو، بجلی کی چمک اتنی ہی زیادہ درخشان نظر آتی ہے، تو اس میں شبہ نہیں کہ ہر اصلاحی تحریک کی وقعت اور عظمت کے جانچنے میں یہ غلط رکھنا چاہیے کہ دنیا اس وقت کتنی گمراہی میں مبتلا اور اصلاح کی محتاج تھی، اور یہی اصلاح کی محتاج تھی، جس کے لیے پیغمبرِ انہ دست و بازو کی حاجت تھی، اور وہ بھی ایک ایسے پیغمبر کے دست و بازو کی جس کے متعلق خود خدا یہ فرما سکے،

إِنَّ الدِّينَ يُبَايِعُكَ إِنَّكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ
جو تیرے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں، وہ خدا کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں، اور ان کے ہاتھوں کے اوپر خدا کا ہاتھ ہے، (فتح - ۱)

اسلام یا محمد رسول اللہ صلعم کے پیغام اور تعلیم کے متعلق ہمارا یہ دعویٰ ہے، کہ وہ دنیا کی ایک عظیم الشان روحانی اخلاقی معاشرتی دعوت تھی، اس بنا پر ہم دیکھنا چاہیے کہ ظہورِ اسلام کے وقت دنیا کی کیا حالت تھی؟ اس وقت کی دنیا کے متعلق اگر یہ کہا جائے، کہ وہ ایک ایسا کرہ ارضی تھا، جس پر آفتاب نہیں چمکتا تھا، تو بالکل سچ ہوگا، تمام دنیا میں سچے اور صحیح عقیدہ کا کہن وجود نہ تھا، تو حید کی روشنی سے دنیا کا ذرہ ذرہ شروع ہوا، یونان و روم میں، سورج، چاند، اور مختلف تیاروں اور ستاروں کی خدائی تھی، انہیں کے معبود تھے، اور ان کے ناموں پر بے گناہ انسانوں اور جانوروں کی قربانیاں چڑھائی جاتی تھیں، ہر جگہ پتھر کی مورتوں اور مٹی

کی صورتوں اور سونے چاندی اور جو اس ہمت کے بتوں کی پوجا کی جاتی تھی،

اس وقت کی دنیا میں اخلاق کے تین معلم تھے، رواقی، عیسائی اور بودھ مت کے پیرو اور یہ تینوں کے تینوں تجربہ، رہبانیت، اور جوگی پن میں مبتلا ہو کر اس طرح غصہ محفل ہو گئے تھے، کہ دنیا کا دست بستی نسل ہو کر رہ گیا تھا، اور ایسی سخت سنگد لائے ریاضتوں کو نیکی اور عبادت کا مراد سمجھ رہا تھا، کہ آج انکی تفصیلات سننے سے بھی رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں،

یہ سچ ہے کہ مسیح نے چھ صدی قبل از کریستیس کے کچھ درس دیئے تھے، لیکن مدت ہوئی، دنیا اس کو بھلا چکی تھی، یہ بھی سچ ہے کہ موسیٰ نے اس سے بھی پیشتر ہدایت و نجات کی ایک شمع جلائی تھی، لیکن قہقہوں اور ہنگاموں کی آمدھی میں یہ چراغ طور بھی جل کر گل ہو گیا تھا، اور پھر یہ بھی سچ ہے، کہ مدت مدید ہوئی کہ زرتشت نے روحانیت کی آگ سلگائی تھی، لیکن یہ شعلہ بھی انسانی غوغا کی جھینٹوں سے سرد ہو چکا تھا، یہ بھی سچ ہے، کہ اس کے بھی پہلے بودہ نے آریہ ورت کے پہاڑوں اور غاروں میں روح کا دارالامن ڈھونڈ نکالا تھا، مگر حوادث کے طوفان نے ان پہاڑوں کو بے نام و نشان صحرا اور ان غاروں کو درندوں کا بھٹ بنا دیا تھا، ہر قوم دوسری قوم سے برسرِ بیکار اور ہر قبیلہ دوسرے قبیلہ کے خون کا پیاسا تھا، حرص و طمع اور کشت و خون کی گرم بازاری تھی، نفس انسانی کی ملکوتی طاقت جذبات خبیثہ کے دیوتا کے سامنے پامال ہو چکی تھی، عدل رستی اور پاکبازی و پارسائی کے عطرِ معبر کی خوشبو انسان کے جانہ خاکی سے اڑ چکی تھی، توحید اور خدا پرستی کا نور دیوتاؤں، دیسیوں، ستاروں، شہیدوں، دیوتوں، اور مجسموں کی پرستش کی عالمگیر تاریکی میں چھپ گیا تھا، غرض دنیا کے حالات ہر طرح سے اس ضرورت کے متقاضی تھے، کہ کوئی عالم کا معلم، اخلاق کا معلم، حق کا داعی، کوئی نجات دہندہ، آخری بار وجود میں آئے، اور وہ انسانیت کے شیرازہ میں، جو عرصہ دراز سے پراگندہ و منتشر ہو رہا تھا، چلن و انتظام پیدا کر دے، اور روحانیت و خدا پرستی کے خزان رسیدہ بانگ کو از سر نو پربہار بلکہ سدا بہار اور دنیا کے ظلمت گاہ کو بچھڑا کر مطلعِ انوار بنا دے،

یہ اس عہد کی دنیا کی حالت کا ایک اجمالی خاکہ تھا تفصیل کے لیے ہمیں مختلف قوموں اور ان کے مذہبوں کی تاریخ پر ایک ایک کر کے نظر کرنی چاہیے،

ظہور اسلام کے وقت دنیا کی تمدنی اور مذہبی حالت افسانہ پارینہ بن چکی تھی، خود عرب و مضافات عرب میں جو نامور حکومتیں کبھی تھیں مثلاً

نابتی، حمیری، بابائی وغیرہ مدت گزری کہ ان کا خاتمہ ہو چکا تھا،

اس موقع پر صرف یہ دیکھنا مقصود ہے کہ صبح سعادت کے طلوع کے وقت میں کون کون تو میں دنیا پر حکمران تھیں اور ان کی مذہبی و اخلاقی حالت کیا تھی، اور دنیا کے مذاہب اس وقت کی روحانی حالت کے سنبھالنے کی کمان تک استطاعت رکھتے تھے، اس وقت روئے زمین کی اہم طاقتیں دو ہی تھیں فارس اور روم فارس کا مذہب مجوسیت تھا، جس کا دائرہ عراق سے لیکر ہندوستان کی سرحد تک محیط تھا، اور روم کا مذہب عیسوی تھا، جو یورپ، ایشیا اور افریقہ کے تینوں براعظموں کو گھیرے تھا، لیکن مذہبی حیثیت سے دو اور قومیں بھی ذکر کے قابل ہیں، جن میں سے ہر ایک کو اپنی اپنی جگہ قدامت کا دعویٰ ہے، اور وہ یہود اور ہندو ہیں،

مجوس فارس عرب کی پہلی ہمسایہ سلطنت فارس تھی جس کے تمدن کا ستارہ ایک زمانہ میں اوج کمال پر تھا مگر عہد بعثت سے سو ڈیڑھ سو برس پہلے سے ساسانی شان و شوکت اور کیانی جاہ و جلال ٹٹتے ٹٹتے سایہ سار گھٹتا مسلسل بغاوتوں، سفاکانہ خونریزیوں اور سیاسی بدامنیوں نے اس کو تہ و بالا کر دیا تھا، بادشاہوں کے ظلم و ستم اور امراء کی غیاشیوں اور خود غرضیوں نے صداقت، اخلاص اور ہر قسم کے اخلاقی جوہر کو جن کے خمیر سے قوم کی زندگی تعمیر ہوتی ہے افنا کر دیا تھا،

ایران میں بابل کے اثر سے ستارہ پرستی بہت عام تھی، اسی کا اثر ہے کہ فارسی لٹریچر میں افلاک اور ستاروں کی کار فرمائی آج تک نمایاں ہے، زردشت نے اس تاریکی میں اپنی آگ روشن کی، اور نور و

ظلمت یا خیر و شر کے دو خالق یزدان و اہرمز اُسکے دو خدا اور اگ اوسکی مسجد بنی، اسلام سے کچھ صدیاں پیشتر ہی
 نے مسیحیت اور مجوسیت کی آمیزش سے مذہب کا ایک نیا مرقع تیار کیا تھا، جس میں نور و ظلمت کے فلسفہ کا
 ایسا گور کھ دھندلایا تھا جس سے اخیر آخر تک اس قوم کو نکھنا نصیب نہ ہوا، اوسکی تعلیم یہ تھی کہ دُنیا سے گوشہ گیر
 کر کے اُس کو دیران و برباد اور ترک از و ولج سے نسل انسانی کو منقطع کر دیا جائے، تاکہ بدی کا خاتمہ ہو جائے
 اخلاقی حیثیت سے خمرات کا وجود ہمیشہ اُن کے ہاں مختلف فیہ رہا، باپ کا بیٹی کو، اور بھائی کا بہن کو اپنی زود
 میں پسند و ہاں کوئی غیر معمولی بات نہ تھی، یہ سنکر کس قدر حیرت ہوگی، کہ یزدگرد ثانی جو پانچویں صدی عیسوی کے
 وسط میں وہاں کا بادشاہ تھا، اس نے اپنی بیٹی سے اپنا عقد کیا، اور پھر اوس کو قتل کر ڈالا، عورتوں کو اس قسم
 اور اس مذہب میں جو حیثیت حاصل تھی، وہ اُن افسانوں اور مقولوں سے ظاہر ہے، جو ایرانی ادبیات کا
 اب بھی جزو ہیں، اور جو شاہنامہ کے اوراق میں اب بھی ہر شخص کو نظر آسکتی ہے، عورتوں کی بیوفائی، بغض
 اور اُن پر عدم اعتماد پرانے ایرانی تمدن کا سب سے بڑا جزو تھا،

سلاطین اور امراء درجہ بدرجہ رعایا کے خدا اور دیوتا تھے جن کو سجدے کیے جاتے تھے، اُن کی اُلوہیت
 کے گیت گائے جاتے تھے، اُن کے دربار میں کوئی بیٹھ نہیں سکتا تھا، اُن کے خلاف کوئی کُشتی
 جرات نہیں کر سکتا تھا، اُن کے جرائم پر اُن کو سزا نہیں دی جاسکتی تھی، رعایا اُن کے مظالم کے سامنے دم نہیں
 مار سکتی تھی،

ملک کا بڑا حصہ رومی عیسائیوں کی دائمی جنگ سر پریشان حال تھا، اور گرجاؤں اور آتشکدہ دن کی
 باہمی آویزش کا غیر مختتم سلسلہ قائم تھا، جب رومی فاتح ہوتے، تو آتش خانے ٹوٹ کر کلیسے بناتے اور جب ایرانی

۱۔ کتاب الفہرست ابن ندیم ذکر مانی، و کتاب البیہ، و التاریخ مقدسی فرقہ نازیہ ۳۵۰ تا تاریخ غر اخبار الفرس ثعلبی، مطبوعہ پیرس
 صفحہ ۵۰۲، ۳۵۰ ایضاً صفحہ ۳۵۰، ابو داؤد دین ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ میں حکم دیا کہ جو سین کو اس فصل شیع سے باز رکھا جائے
 کتاب الخراج والامارۃ و الفی جلد دوم صفحہ ۲۶
 ۲۔ مورخوں کی تاریخ عالم ج ۸ ص ۸۴، ۳۵۰ غر اخبار الفرس ثعلبی، صفحہ ۵۰۲ پیرس،

غالب آتے، تو کلیسے ٹوٹ کر آفتاب دیوتا کے معبد اور آتش خانے تعمیر ہو جاتے، یہودیوں کا جو مظالم توڑے جاتے اُس کا ایک مختصر مرقعہ توراتہ کے قصہ ایسٹرین نظر آتا ہے، اور بعد کو مفتوح عیسائیوں پر وہ جس جس طرح ظلم کرتے تھے، اُسکی تفصیل کین کے اوراق میں منتشر طور پر ملے گی،

بعثت سے پہلے جہانپانی کا قرعہ قباد اول بن فیروز کے نام پڑا، بیرونی حملوں اور اندرونی بد نظمیوں کا سلسلہ روز بروز بڑھتا گیا، آخر رعایا نے قباد کو قید کر دیا، قباد نے قید خانہ سے بھاگ کر تازیوں کے پاس پناہ لی، اور ان کی اعانت سے دوبارہ تاج مہل کیا لیکن ملک پر اس سے بھی زیادہ مصیبت یہ نازل ہوتی ہے کہ اس کے عہد میں مزدک نام ایک شخص پیدا ہوتا ہے، جو اس امر کی تعلیم دیتا ہے کہ دولت اور عورت کسی خاص شخص کی ملک نہیں، بلکہ اُن کو تمام جماعت میں مشترک ہونا چاہیے، چنانچہ ایک شخص کی بیوی مزدک کے عقائد کی رو سے ہر شخص کے ساتھ ہم بستر ہو سکتی تھی، عیش پرست اور ہوس ران امراء اور عوام دونوں نے اُس کو خوشی خوشی قبول کیا، اس مذہب نے بہت جلد شاہی سایہ میں ترقی حاصل کی، اور خود قباد نے اس دین کی ترویج و اشاعت میں نمایاں حصہ لیا، قوم کی اخلاقی حالت پر اس تعلیم کا جو اثر پڑ سکتا ہے، وہ ظاہر ہے نتیجہ یہ ہوا کہ سارا ملک عیش پرستی اور ہوس رانی کے نشہ میں سرشار ہو گیا،

۵۳۱ء میں قباد کی جگہ خسرو نوشیروان نے لی، ایرانیوں میں اس کی عدل پروری اب تک مشہور ہے مگر اس کو یہ مبارک لقب اپنے عزیزوں اور افسردن اور ہزاروں بے گناہوں کے قتل کے بدولت ملا، مزدک فتنہ کو اُس نے تلوار کے زور سے دبانا اور کیش زور دہشتی کو دوبارہ فروغ دینا چاہا، مگر خود اُس کا بیٹا نوشیروان شلیٹ پرستی کی طرف مائل تھا، اس کے پاداش میں قید ہوا، اور قید سے بھاگ کر ایک عیسائی فوج کے کر زوروشیو سے صفت آرا ہوا اور مارا گیا،

۵۷۹ء میں نوشیروان نے وفات پائی، اور ایران کا تخت، ہرمز چہارم کے حصہ میں آیا، اغیار کی

۱۵ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا طبع یا زہم جلد ۲۱ ص ۲۲۳، غوراجا الفرس شاہی صفحہ ۵۵۰ پیرس،

دست اندازیوں کیساتھ اندرونی نظمی اور باہمی خانہ جنگی، بادشاہوں کی متغافل شکاری، امرا کی عیش پرستی اور عوام کے اخلاقی انحطاط میں برابر ترقی ہی ہوتی گئی، یہاں تک کہ ۶۳۲ء میں مجاہدین اسلام کی فتح مندی کے طوفانی صحرے کے سامنے ملک فارس کی ٹٹمٹاتی ہوئی شمع ہمیشہ کے لیے بجھ گئی،

اوپر کے بیانات سے معلوم ہوا ہوگا کہ ایران کی سرزمین نعمت و حمید سے کبھی گوش آشنا نہیں ہوئی، اخلاق کے متعدد ابواب میں جو ادون کے آئین میں کبھی دخل نہیں ہوئے، یزدان و اہرمین، نور و ظلمت اور خیر و شر کی بھول بھلیوں نے ان کو ہمیشہ سرگردان رکھا، حکومت اور شاہی کے متعلق ان کا تخیل خدائی کا مرتبہ تھا، اسلام و فارس کی جنگ میں مغیرہ بن شعبہ مسلمانوں کی طرف سے سفیر بنکر جب سپہ سالار ایران کی بارگاہ میں گئے، اور آزادی کے ساتھ جا کر برابری سے بیٹھ گئے، تو ایرانی امیرون کو اس میں اپنے نائب السلطنہ کی توہین نظر آئی، اور ان کو سامنے سے ذلت کے ساتھ اٹھا دیا، اونھوں نے جواب میں کہا: ہم عربوں کا یہ دستور نہیں کہ ایک خدا بنکر بیٹھے اور دوسرے اُس کے سامنے غلامی اور بندگی کریں!

آنحضرت صلعم کی ولادت سے تقریباً ڈیڑھ صدی پیشتر سے ایران میں جس قسم کا سیاسی انحطاط شروع ہو گیا تھا، وہ روز بروز بڑھتا ہی گیا، اس سے بخوبی واضح ہوتا ہے کہ فارس کے روحانی تشکدہ میں اب زندگی کی کوئی چرنگاری باقی نہیں رہ گئی تھی، اسی لیے جب اسلام کا نور طلوع ہوا، تو اس کے شعور کے لیے کوئی دوسرا پردہ پنج میں نہ ہوا، ہرجان ملک جن کا مسیحی تعصب، عساکر اسلامی کو ان کی زبان سے "قرقان عرب" کا لقب دلاتا ہے، فتح فارس کے متعلق حسب ذیل رائے دیتے ہیں:-

یزدجرد ثالث کا عہد حکومت اس لیے یادگار ہے کہ اسی زمانہ میں فارس کی مسلم نشانی

کا تختہ برہنہ تن "سوسمار نوارون" کے ایک ستہ نے الٹ دیا کہ اسی تختہ آئینہ لقب کیساتھ عرب قبائل

کے یہ مغرور ہمایہ ان کا ذکر کرتے تھے، اس انقلاب عظیم کی علت کوئی مہولی سبب نہیں ہو سکتا

(مسلمان) فارسی مورخین، کچھ تو اپنے حب وطن اور کچھ اپنی دہم پرستی کی بنا پر اس واقعہ کو ایک عجیب و غریب خیال کرتے ہیں، جس کے ذریعہ سے خدا نے محمدؐ کی صداقت کو ظاہر کر دیا، لیکن جو لوگ دنیاوی حیثیت سے اس واقعہ پر غور کرتے ہیں، انھیں فوراً نظر آجاتا ہے، کہ فارس کی ایسی سلطنت، جو عیش پرستی کے ہاتھوں لالچ و تحفہ ہو چکی ہو، جس میں اندرونی منافقات کے باعث بد نظمیان پھیلی ہوئی ہوں، جو بیرونی محاربات سے بیکھرستہ و ناتوان ہو، اور جو اپنی لکڑی اور نقابست سے قعر و مال کی جانب غیبہ پشت ہو، اس کے لیے پرجوش قزاقان عرب کی مدافعت کرنا سخت دشوار تھا۔

مگر سوال یہ ہے کہ پاک نثر دساسانیوں کی خستگی و ناتوانی، نقابست کمزوری "قزاقان عرب" ہی کی ترقی کی کیون تہید بنی؟ کیا نئے عربوں کے پاس اس سے زیادہ سامان جنگ اور سپاہی تھے، جو عراق و ایران کے اخیر خیر معرکوں میں بھی ایرانی عربوں کے مقابلہ میں لاتے رہے؟ واقعہ یہ ہے، کہ زرتشت کی آگ میں اب گری نہیں باقی رہی تھی، نور و ظلمت، خیر و شر، نیکی و بدی کے فلسفہ نے ایران کی ہر قسم کی علی طاقت فنا کر دی تھی، "یزدان" اور "اہرمین" کی دو علی حکومت نے روحانی امن و امان کی سلطنت برباد کر دی تھی، مسیون چھوٹے بڑے فلسفیانہ مذاہب فرستے پیدا ہو گئے تھے جنہیں سب سے اہم مانوی فرقہ تھا، جو عیسائیت اور مجوسیت کا محض کرب تھا، آخر میں مزدکی فرقہ کی ہیمنانہ تعلیم نے ایران کی اخلاقی رُوح کو اور بھی موت کے قریب کر دیا، نوشیروان نے تلوار کی نوک سے اس فرقہ کو دبایا، اور اس کے صلہ میں بادشاہ عادل و دادگر کا خطاب بھی پایا، تاہم ایران کی روحانی زندگی ان خون کی چھینٹوں کے بعد بھی اسی طرح تشنہ لب رہی، جس طرح پہلے تھی، اور منتظر تھی کہ دنیا کے خشک صحرائے عرب سے چشمہ اہل کرادھر آئے تو وہ اپنی پیاس بجھائے۔

عیسائی روم | آغاز اسلام کے وقت جس قدر ایران کی جہانی دروہانی شہنشاہی کے اوراق منتشر و پراگندہ تھے،

روم کی قبائے سلطنت اس سے کچھ کم کرم خوردہ نہ تھی، حالانکہ یہ وہی رومۃ الکبریٰ ہے جو یونان کے زوال کے بعد دنیا کی سب سے بڑی سلطنت سمجھی جاتی تھی اور جس کے ایک تاجدار جو یس سیزر کا نام ہمیشہ کے لیے قیصر کی صورت میں بادشاہ و شہنشاہ کا مراد بن گیا، حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اسی سلطنت میں مبعوث ہو کر دنیا کو امن و سلامتی کا پیام سن کر رخصت ہوئے، اُن کے رفیع و صعود کے بعد ہی اُن کے شاگردوں میں فرقہ آرائیان شروع ہوئیں، اور بالآخر پال نے جو ایک نو عیسائی یہودی تھا، اس طرح عیسائیوں پر غلبہ پایا کہ اس کے بدعات کی خاک میں اصلی عیسویت ہمیشہ کے لیے دفن ہو گئی، اور باپ، بیٹے روح القدس کا مشترک نہ عقیدہ اس میں داخل ہو گیا، اور تورات جس کا کوئی نقطہ خود حضرت عیسیٰ بھی مان نہیں سکتے تھے، وہ اُن کی روحانی شاگردی کے مدعی (پال) کے ہاتھوں ہمیشہ کے لیے لعنت قرار پائی، ۳۲ء میں رومی سلطنت کے مشرقی و مغربی دو حصے ہو گئے، مشرقی حصہ کے تاجدار قسطنطین اعظم نے عیسائی مذہب اختیار کیا، اور رفتہ رفتہ پوری رومی حکومت میں یہ مذہب پھیل گیا، مگر حقیقت اُس مشرقی تاجدار روم کے اس قبول مذہب کا جذبہ اخلاص و صداقت سے زیادہ سیاست اور سلطنت کی مصلحت پر مبنی تھا، نتیجہ یہ ہوا کہ اب باپ، بیٹے، اور روح القدس کی تثلیثی الوہیت میں ہر نیا ملک جو فتح ہوتا، اس کا دیوتا کسی نہ کسی نام اور رسم سے اس مذہب میں شامل ہو جاتا، تخت سلطنت کے غیر متوقع حصول نے مذہبی خاکساروں میں یہ حوصلہ پیدا کر دیا، کہ کلیساؤں نے مذہبی شہنشاہی کا خواب دیکھنا شروع کر دیا، اس کے لیے عقائد کی وہ لڑائیاں کھڑی کی گئیں، کہ شاہانہ سایہ میں بیٹھ کر بھی کونساو نے خدا کے دین کا خاکہ تیار نہیں کیا، اتحاد اور اجتماع کی ہر نئی کوشش نئی مذہبی تفریق کا پیش خیمہ ثابت ہوئی، اور ایک عیسوی مذہب ایک صدی کے اندر اندر بیسیوں فرقوں میں تقسیم ہو گیا،

۳۳۷ء میں قسطنطین کی وفات پر مذہبی خانہ جنگیوں کے ساتھ ساتھ رومیوں کی سیاسی خانہ جنگیوں کی زیر خاکستر آگ بھی زور شور سے شعلہ زن ہوئی، اعیان سلطنت میں مختلف گروہ بن دیان ہو گئے، اور با

۱۵۰-۱۴۰-۵۰ء یہ مضامین عیسائیوں کی انجیل کے حصہ اعمال اور خطوط میں جا بجا متصریح مذکور ہیں،

الغرض چھٹی صدی عیسوی کے خاتمہ پر یعنی خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے دو چار سال بعد روم بقول
 گبن کے اپنے زوال کے سب سے ترن نقطہ تک پہنچ گیا تھا، اور (گبن کی زبان میں) اس کی مثال بیہوش
 عظیم انسان درخت کی ہو گئی تھی، جس کے سایہ میں ایک وقت تمام اقوام عالم آباد تھیں، مگر اس پر ایسی خزانہ تھی
 کہ برگ مبارک کے ساتھ اس کی شاخیں اور ٹہنیاں بھی رخصت ہو گئی تھیں، اور اب خالی تنہ خشک ہو رہا تھا،
 خود پایہ تخت کے اندر غنیم کے گھس آنے کا ایسا خوف تمام آبادی پر چھایا ہوا تھا، کہ تقریباً کل کاروبار بند ہو گئے
 تھے، وہ بازار اور تماشگاہیں جہاں دن رات پھل پھل رہتی تھی، اب ویران اور سنان پڑی تھیں، عیشیہ
 کا یہ عالم تھا کہ لوگ ایک عرصہ سے تامل کے بجائے تجربہ کی زندگی زیادہ پسند کرتے تھے، تاکہ زیادہ آسانی اور
 آزادی کے ساتھ اپنے شہوانی جذبات کی تسفی کر سکیں۔

ملک کی عام سیاسی و اخلاقی حالت سے قطع نظر کر کے، جب ہم مذہبی پہلو پر نظر کرتے ہیں تو اس سے
 بھی زیادہ دلخراش تصویر نظر آتی ہے، بہت پرست رعایا کو چھوڑ کر جو ستاروں، دیوتاؤں اور بتوں کی پوجا میں
 بدستور مصروف تھیں، اور جنہوں نے عیسائیت قبول بھی کر لی تھی، وہ باپ، بیٹا، روح القدس اور مریم کی خدا
 کے متفقہ تھے، حضرت عیسیٰ اور مریم روح القدس کی شخصیت اور مرتبہ کی تعیین نے عیسویوں فریق پیدا کر دیے
 تھے، جنہیں زبانی مناظروں سے گذر کر جنگ و جدل کی نوبت آ گئی تھی، یہاں تک کہ ۵۱۴ء میں خود عیسائیوں
 کے دو گروہوں کے درمیان ایک عظیم انسان مذہبی جنگ چھڑی جنہیں ۶۵۰۰۰ عیسائیوں کو خارج البلد
 ہونا پڑا، اس جنگ عظیم کے علاوہ ہمہ وقت ہر فریق دوسرے فریق کے خون کا پیاسا رہا کرتا، اور بار بار
 بھوٹی چھوٹی باتوں پر کشت و خون کی نوبت آ جاتی، پادریوں نے اپنے منصب مذہبی کو حصول جاہ کا ایک
 ذریعہ قرار دے لیا تھا، اور اس بنا پر محض حب جاہ کی خاطر وہ ہر طرح کی ناجائز کوششوں میں مصروف رہتے
 ان پادریوں کے ایک استغف اعظم سینٹ سرل نے جو جو سفایاں کی ہیں، ان کی تفصیل کے لیے ایک

پوری کتاب درکار ہے، ایک مرتبہ اُس نے اپنے مریدوں کو ہمراہ لیکر غیر مسلح یہودیوں پر دھاوا کیا، اور ان سب کو جلاوطن کر دیا، ان کا مال اسباب سہل کے مریدوں کے ہاتھ لگا، اور ان کے معاہدہ زمین کے برابر کر دیئے گئے، ہر کا حریف اسٹس نامی پادری تھا، ایک روز جب اسٹس راستہ سے گزر رہا تھا، تو ۵۰۰ راہبوں کی جماعت اس پر ٹوٹ پڑی اور اپنی سنگ باری سے اُس کو خون میں نہلا دیا، سہل کی ایک خاتون دوست ملیشیا نامی تھی ایک روز وہ اپنی درگاہ سے واپس آرہی تھی کہ راہبوں کے ایک بہت بڑے گروہ نے اس پر حملہ کر دیا، گاڑی سے اتار کر برہنہ کی گئی اور اس حالت میں تمام شہر کی سڑکوں پر گھسٹے ہوئے اُسے کلیسا میں لائے، جہاں پہنچ کر پاپا پیٹر کے گریز سے اس کا خاتمہ کر دیا گیا، قتل کے بعد اس کا گوشت ڈیون سے جدا کیا گیا، نقش کے ٹکڑے ٹکڑے کئے گئے، اور آلاشِ جسم کو آگ میں ڈال دیا گیا، یہ واقعات ایسے ہیں جنکے ذکر سے آج قلم رزنا ہے، مگر عیسائی مذہب کے علمبرداروں کا سب سے روشن کارنامہ ہے، یہی حالت ان تمام ملکوں کی تھی جہاں روہیوں کے زیر سایہ عیسوی مذہب پھیلا ہوا تھا، یعقوبی، نستوری، اور دوسرے فرقے جو سرکاری عیسوی مذہب الگ تھے، وہ دراز صوبوں اور ملکوں میں اپنی پناہ ڈھونڈتے تھے، تائیس کی کونسل کے بعد آریوس اور اُس کے حریفون میں جو معرکہ آرمیاں ہوئیں، انھوں نے اس حقیقت کو واضح کر دیا کہ شہزادہ امن کا مذہب ان جنگ جوؤں کے ہاتھ تباہ و برباد ہونے سے بچ نہیں سکتا،

مسٹر مارٹن، جو پیغمبر اسلام کو، نعوذ باللہ، بہت بڑا مکار قرار دیتے ہیں، اپنی تاریخ ہندوستان میں ضمناً ایک موقع پر تحریر کرتے ہیں :-

”اس نازک موقع پر (یعنی ظہور اسلام کے وقت) ان بے باکانہ بدعات کے درمیان جو چرچ

پونجس کر رہے تھے، اور اختلافات کے اس غیر منقطع سلسلہ کے درمیان، جو چرچ میں ایک پل

ڈالے ہوئے تھے، اگرچہ مشرق میں اہل مسیحیت کی شمع نظر آتی تھی، لیکن بہت ہی مدہم، روم کے

تیسرون کی قوت کچھ تو اندرونی نزاعوں اور کچھ بیرونی حملوں کے باعث اپنی بنیاد سے اکھڑ کر غیر
 فنانکی طرف تیز رفتاری کے ساتھ جا رہی تھی، یہودی بے صبری کے ساتھ گیلی کے اس فقیر شخص کے
 مذہب پر نظر کر رہے تھے، جس کے دین کو اب شاہ قسطنطین کے مسیحی ہو جانے کے بعد پوری نینا
 و شوکت اور شاہی عظمت حاصل ہو گئی تھی، اور ہر اس تحریک کی مدد کے لیے تیار تھے جو ایسے قابل
 نفرت مذہب کا خاتمہ کرنا چاہے۔۔۔۔۔ اہل فارس نہایت غیظ و غضب کے ساتھ ان پر جوش
 و نار وادار مستند عیسائیوں کو دیکھ رہے تھے جنہوں نے ان کے معبود آتش شمس کی بے حرمتی کی
 تھی، اور شرک کی ساری دنیا اپنے برباد شدہ معبودوں اور ڈھٹے ہوئے معبودوں پر ماتم کر رہی
 اور ان کے انتقام کے لیے آمادہ اور مستعد تھی۔

مارس صاحب واقعات کی نقشہ کشی میں خواہ کتنا ہی مسیحی رنگ بھرن لیکن نفس واقعات کی صحت انکو
 شاید ہم سے بھی زیادہ ملم ہے،

بہر حال مؤرخین کا بیان ہے، کہ تیسری صدی سے لیکر ساتویں صدی تک مسیحیت کی جو حالت رہی
 ہے، وہ اس کے لیے باعث تنگ ہے، مشرکانہ رسوم نے مذہب کی جگہ لے لی تھی، اصل رومی بت پرستانہ
 عقیدوں نے مسیحی مذہب کا روپ بھر لیا تھا، حضرت مسیح کے ناسوتی اور لاہوتی دو عنصروں کی تحلیل و تھوڑا
 بین لانے کے لیے لگی، جس سے حضرت مسیح کے ”دو ہی ایک“ ہونے کی تعلیم ہمیشہ کے لیے ان کے مذہب سے مٹ گئی
 ضعیف الاعتقادی اس درجہ بڑھ گئی تھی، کہ قبر پرستی عام ہو گئی تھی، اور ہر بڑے پادری سے اسکی وفات کے بعد
 دعا مانگی جاتی تھی، ملک شام میں جو بڑے پادری اور بطریق تھے، ان کے معتقد ان کو سجدے کرتے تھے،
 مسیح و مریم روح القدس اور حواریین اور مسیحیت کے دیگر اساطین کے مجسمے بنا کر ان کی پرستش اس کثرت سے
 ہونے لگی، کہ اس کی نظیر زمانہ مابعد کے رومن کیتھولک فرقہ کی بت پرستی میں بھی نہیں ملتی،

سیل صاحب ترجمہ قرآن کے دیباچہ میں لکھتے ہیں :-

”گر جا کے پادریوں (CLERGY) نے مذہب کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے تھے اور اس میں محبت اور نیکی کو منقود کر دیا تھا، اصل مذہب کو بھول گئے تھے اور اس کے متعلق اپنی خیال آرائیوں پر جھگڑتے تھے، اسی تاریک زمانہ میں اکثر وہ توہمات جو رومن چرچ کے لیے باعث ننگ بن مذہبی صورت میں قائم کیے گئے، خصوصاً ولیوں اور مجتہدوں کی پرستش نہایت بے شری سے ہونے لگی، نیس کی کاؤنسل کے بعد مشرقی چرچ روزانہ کے مناظرات میں مشغول ہو گیا، اور ایرینیس سہلمنس بسطور نیس، اور یوٹیکنس کے جھگڑوں میں ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا، انصاف علانیہ ختم کیا جاتا تھا اور ہر طرح کی بد عنوانیاں ہوتی تھیں،

مغربی چرچ میں ڈیسیس اور اسی نیس نے بشارت کی جگہ حاصل کرنے کے لیے قتل تک پہنچا دی اور آخر ٹیوٹس کی فتح ہوئی، اس موقع پر کہا جاتا ہے کہ سیمی نیس (SICININUS) کے گرجا میں ایک روز میں ۱۳۷ آدمی قتل کئے ہوئے پائے گئے، اور کوئی حیرت نہیں کہ یہ لوگ ان جگہوں کے اس قدر خواہاں ہوتے تھے، اس لیے اس ذریعہ سے ان کو گراں بہا سمجھتے تھے، اپنی گاڑیوں پر نہایت تزک و احتشام سے نکلتے تھے، اور ان کے دسترخوان پر بادشاہوں سے زیادہ شان و شوکت ہوتی تھی،

ان منافقات کا سبب زیادہ تر شہنشاہ ہوا کرتے تھے، جسٹینین کے وقت میں حالت اور زیبا خراب ہو گئی، اس کے نزدیک اپنے عقیدہ کے مخالفوں کو مار ڈالنا کوئی جرم ہی نہ تھا، بادشاہوں اور پادریوں میں عقائد اور اخلاق کی جو خرابیاں پھیلی ہوئی تھیں اس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ عوام کی حالت بھی مبتذل ہو گئی، ان کا مقصد صرف روپیہ پیدا کرنا رہ گیا خواہ کسی ذریعہ سے ہو اور اس روپیہ کو وہ نفاست اور عیاشی میں اڑاتے تھے،

تصفیہ کے لیے حکومت کو بار بار دست اندازی کرنا پڑتی تھی، رفتہ رفتہ رشوت ستانی کا بازار گرم ہو گیا، اور یہ حالت ہو گئی کہ جو شخص کسی بڑے دنیاوی عہدہ دار کے پاس جتنا رسوخ و تقرب حاصل کر سکتا اسی نسبت سے اس کو بڑی دینی خدمت ملتی تھی؛

یہ تو مسیحی دنیا کے مشرقی حصہ کا حال تھا، مغربی حصہ کی حالت اس سے بھی زیادہ خراب تھی، یہاں ^{من} مسیحیوں کی ماتحتی میں مذہبی مناصب کے لیے کشت و خون ایک عام و معمولی واقعہ تھا، یہاں تک کہ بعض دفعہ مقتولین کی تعداد کسی سخت خونریز جنگ کے مقتولوں کے مساوی پہنچ جاتی، چنانچہ ایک مرتبہ جب ایک اعلیٰ مذہبی عہدہ کے لیے دو پادریوں کے درمیان مقابلہ ہوا، تو صرف ایک دن میں، ۱۳ آدمی کام آئے، اس سفاکانہ جدوجہد کا باعث صرف یہ تھا کہ اس زمانہ کے مذہبی عہدے اکتساب زر، حصول لذت، اور کسب جاہ کے بہت بڑے ذرائع تھے، چنانچہ جتنی نفیس غذاؤں پادریوں کے دسترخوان پر رہتی تھیں، اتنی بادشاہوں کو بھی نصیب نہیں ہوتی تھیں؛

سلاطین اور مذہب کے حاکمین کے اخلاق کا پر تو عام رعایا اور پیروں پر لازمی طور پر پڑتا ہے، نتیجہ یہ ہوا کہ بد اخلاقی، اسراف اور ہوس پرستی، مسیحی دنیا کی آب و ہوا میں سرایت کر گئی، لوگ ہر طرح کے ناجائز وسائل سے روپیہ کماتے، اور کمال بیدروی کے ساتھ اپنے مسرفانہ لہو و لعب اور عیاشی میں اڑا ڈالتے،

پوپوں نے اور ارون کے بعد درجہ بدرجہ مذہبی عہدہ داروں نے اپنی اپنی جگہ پر ہمتا ہانہ بلکہ خدائی کے اختیارات اپنے ہاتھ میں لے لیے تھے، جو وہ زمین پر کھولتے تھے وہ آسمان پر کھولا جاتا تھا، اور جو یہاں بند کرتے تھے وہ وہاں بھی بند ہو جاتا تھا قرآن مجید نے اونکی اسی حالت کا ذکر اس آیت میں کیا ہے کہ اَتَّخِذُوا اَحِبَّاءَہُمْ وَرُہْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُونِ اللّٰہِ انھوں نے خدا کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور درویشوں کو اپنا خدا بنا لیا تھا

دینداری کا سب سے اہم جز تجربہ کی زندگی اور رہبانیت تھی، ہر قسم کے آرام و آسائش سے جسم کو محروم کر کے ہر قسم کی تکلیف و عذاب میں اپنے کو تمام عمر مبتلا رکھنا بہترین عبادت تھی، کسی نے تمام عمر غسل نہ کرنے کی قسم کھائی تھی، کسی نے اپنے کو دلہل میں ڈال دیا تھا، کوئی اپنے کو بوجھل زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھا، کسی نے سایہ بیٹھنے کو اپنے اوپر حرام کر لیا تھا، کسی نے اپنے کو اندھیری کوٹھری میں بند کر لیا تھا، ماں باپ، عزیز و قریب اہل و عیال، دینداری و تقویٰ شکاری کی راہ کے کاٹے تھے، ان سے پرہیز بلکہ ان سے نفرت کمال تقویٰ سمجھا جاتا تھا، اور اسی پر فخر کیا جاتا تھا۔

ہندوستان | دنیا کے دن متدن ملکوں میں جہاں کوئی با اثر مذہب قائم تھا ایک ہندوستان بھی جو ہندوستان کے کچھ پانچ مختلف دور گزرے ہیں، ایک اصلی ہندو ویدک عہد جو دو ہزار سال ق م سے لیکر تقریباً چودہ سٹائل ق م تک رہا، دوسرا اور جنگ، یعنی جس میں کورون اور پانڈون وغیرہ کے مناقشات رہے، اور جو چودہ ق م سے لیکر تقریباً ایک ہزار قبل مسیح تک رہا تیسرا دور عقلیت جس میں حکماء و عقلمین کا دور دورہ تھا، اور جو ۱۰۰۰ قبل مسیح سے لیکر تقریباً تیسری صدی قبل مسیح کے نصف تک رہا، چوتھا دور بودھ، جس مذہب کا عروج تقریباً دو سو پچاس قبل مسیح سے لیکر پانچویں صدی عیسوی کے خاتمہ تک رہا، پانچواں دور، پراکرت جہین بجائے وید یا گوتم بدھ کی تعلیمات کے پرانوں کی تلقین پر عمل درآمد تھا، اور یہ عہد تقریباً پانچویں صدی عیسوی کے آخر سے لیکر مسلمانوں کے داخلہ ہند تک قائم رہا،

مورخین کا اجماع ہے کہ قدیم ہندوستان کی تاریخ میں سب سے زیادہ تاریک اور نقائص سے معمور آخری دور ہے، جو تقریباً سنہ ۵۰۰ سے شروع ہوتا ہے، اس دور کے نمایاں خصوصیات حسب ذیل تھیں،

(۱) شرک جو ابتدا ہی سے ہندوستان کی خمیر میں داخل تھا، اب وہ حد اعتدال سے خارج ہو گیا، چنانچہ

وید میں جو ۳۳ دیوتاؤں کی تعداد تھی، وہ اب بڑھتے پڑھتے ۳۳ کروڑ دیوتاؤں تک پہنچ گئی،

۱۵ تاریخ اخلاق یونانی کی دوسری جلد میں یہ واقعات مفصل لکھے ہیں، ۱۶ اسی وقت کی "ہندوستان قدیم" جلد ۲ صفحہ ۳۲

(۲) ویدک عہد میں اصنام کی پرستش کا رواج نہ تھا، لیکن اس زمانہ میں مندروں کے اندر بت پرستی
 علی العموم رائج ہو گئی۔

(۳) مندروں کے محظنین بد اخلاقی کے سرخسہ تھے، ہولاکھون کروردن ناواقف پرستش کرنے
 والوں کو مذہب کے نام سے خوب لوٹے۔

(۴) ویدک عہد میں ساری ہندو قوم میں یگانگی تھی، لیکن اب ذات پات کی تفریق شروع ہو گئی،
 جو نظام معاشرت کی تباہ کن تھی۔

(۵) عورتوں کو محکومیت و غلامی کا درجہ دیا گیا۔

(۶) قوانین اس قدر غیر معقول و نامنصفانہ وضع کئے گئے، جن سے علانیہ بعض ذاتوں کی پاسداری
 و حمایت اور بعض پر جبر و ستم مقصود تھا، مثال کے لیے چند قوانین درج ذیل ہیں،
 (الف) برہمن کو کسی حالت میں، خواہ وہ کتنے ہی سنگین جرائم کا مرتکب رہ چکا ہو سزائے موت
 نہیں دی جا سکتی،

(ب) کسی اونچی ذات کے مرد کا کسی نیچی ذات کی عورت کے ساتھ زنا کرنا کوئی جرم نہیں،

(ج) کسی بودھ راہبہ تک کی عصمت دری کی سزا کچھ جرمانہ کافی تھی،

(د) اگر کوئی اچھوت ذات کا شخص کسی اعلیٰ ذات والے کو چھو لے تو اس کی سزا موت ہے،

(ه) اگر کوئی نیچی ذات والا اپنے سے اونچی ذات والے کو مارے، تو اس کے اعضاء قطع کر ڈالنے

اگر اسے گالی دے تو اس کی زبان کاٹ ڈالنی چاہیے، اور اگر اسے تعلیم دینے کا دعویٰ کرے تو گرم تیل سے
 منہ میں ڈالنا چاہیے،

(۷) راجاؤن کے محل میں بادہ نوشی کثرت سے رائج تھی، اور رانیان اسی حالتِ خمار میں جائے عصمت امار ڈالتی تھیں۔

(۸) شاہراہوں پر آوارہ گرد و جراثیم پیشہ افراد کا مجمع لگا رہتا تھا،

(۹) خدا کی تلاش آبادیوں اور بازاروں میں کرنے کے بجائے جنگلون اور پہاڑوں میں کی جاتی تھی،
جسم کو سخت سے سخت ایذا اور تکلیف اُن کی بہترین عبادت تھی،

(۱۰) اوہام و خیالاتِ فاسدہ، بھوتوں، پلٹتوں، اور سیکڑوں قسم کے ظنون و اوہام اُن کا مذہب تھا، اور آسمان سے لیکر زمین تک ہر چیز اُن کا خدا تھی، اور ہر ایک کے سامنے سر بسجود ہونا اُن کا دھرم تھا، بتوں، دیوتاؤں، دیویوں کا شمار اندازہ و قیاس سے باہر تھا، اور اُن کے افسانوں کا گیت اُن کا ترانہ حمد تھا، ظہور اسلام کے بعد بھی جو عرب سیاح یہاں آتے رہے، انھوں نے پیشیا کرنے والے جو گیون کے وڈاؤں حالات لکھے ہیں، جنکو پڑھ کر اُن کی حالت پر رحم و افسوس آتا ہے، اور اسی طرح اُن میں سے وہ سیاح جو سندھ اور دکن کے شہروں اور ساحلوں سے گذرے ہیں، اُن کے معبدوں میں پجاری عورتوں اور لودا سیوں کی جو اخلاقی کیفیتیں لکھی ہیں، وہ حد درجہ شرمناک ہیں، اور اس سے زیادہ شرمناک یہ ہے، کہ یہ سب خدا کی خوشنودی اور مذہبی عقیدہ کے رو سے انجام دیا جاتا تھا،

عورتیں جو اُن میں ہاری جاتی تھیں، ایک عورت کے کئی کئی شوہر تھے، وہ بیوہ ہو کر زندگی کی لڑائی سے عمر بھر کے لیے قانوناً محروم کر دی جاتی تھیں، اور اسی لیے شوہر کے مرنے پر بعض عورتیں زندہ در آتش ہونا پسند کرتی تھیں، لڑائی میں شکست کے خوف کی صورت میں اُن کو خود اُن کے باپ بھائی اپنے ہاتھوں سے قتل کر دیتے تھے، یہاں کے بعض فرقوں میں عورتیں مرد کو، اور مرد عورتوں کو ننگا کر کے اُن کی پوجا کرتے تھے، اور

۱۷۸۱ء آری، دت کی ہندوستان قدیم صفحہ ۶۹۹ء لکھنؤ، ہندوستانی کا سفر نامہ صفحہ ۱۱۵ اور ۱۱۸ء پیرس وٹا رالبلاد و قزوینی صفحہ ۸۱۷ء سفر نامہ ابوزید صفحہ ۱۳۰
احسن التقاسیم صفحہ ۸۲ء مہاجرات کے قصہ کا آغاز پڑھو ۱۷۸۱ء ستیا رتھ پرکاش سمولاس گیارہ صفحہ ۱۷۹ اور ۱۸۰ء مطبوعہ سیوک سٹیم پریس لاہور ۱۹۱۲ء

نذہبی تہوار دن میں شراب پی پی کر ایسے بدست ہوتے تھے کہ پھر انھیں مان بہن، بیٹی اور اپنی اور پرانی
 کی تیز باقی نہیں رہتی تھی، اور اس کو وہ نیکی کا کام سمجھتے تھے، شور و رون کے نام سے ایک پوری قوم کی قوم
 ایسی غلامی میں مبتلا تھی کہ تعلیم و تربیت، تہذیب و اخلاق اور دین و ایمان ہر چیز سے محروم رہنا اس کا فرض تھا
 وید کی آواز بھی اس کے کان میں نہ پڑ جائے تو اُس میں سیسہ گھلا کر ڈال دینے کا حکم تھا،
 راجاؤں کی بیویوں کی کوئی تعداد قانوناً مقرر نہ تھی، قانون کی بنیاد مساوات انسانی پر نہیں، بلکہ ذات
 پر تھی، عورتیں فروخت کی جاتی تھیں،

اس مختصر خاکہ سے معلوم ہوا ہوگا کہ بدعہ اسلام سے ایک صدی پیشتر سے دیوتاؤں کی یہ جنم بھومی بھی
 شیطانوں کے اُس جال میں گرفتار تھی، جس کے سُٹکار فارس و روم ہو رہے تھے،
 یہود | دنیا کی آبادی اور اصلاح کی سب سے زیادہ امید اُس قوم سے ہو سکتی ہے، جو سام کی اولاد میں سب سے
 پہلے وحی الہی کی امانت دار بنی، اسی لیے قرآن نے اُن سے کہا کہ تَكُونُوا اَوَّلَ كَافِرِيْهُمْ (بقہ ۵-۶) اور
 سب سے پہلے تم ہی پیغام الہی کے منکر نہ بنو، مگر یہ قوم سخت جانی کے ساتھ سنگدل بھی ثابت ہوئی، اس نے
 پتھروں کے سینوں کو پھٹتے، اور اُن کی چھاتیوں سے میٹھے پانی کا دودھ بہتے دیکھا اور پیا مگر کچھ بھی اوسکے
 سینہ کا دل پتھر ہی رہا، قرآن نے اپنے زمانہ میں اسکو طعنہ دیا،

فَهِىَ كَالْجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً (بقہ ۸-۹) اُنکے دل پتھروں کے مانند بلکہ اُن سے بھی بڑھ کر سخت ہیں
 اُس نے مختلف زمانوں میں اپنے پیغمبروں کو جھٹلایا، اُن کو تکلیفیں دیں، بلکہ اُن کو قتل تک کر دیا
 حضرت موسیٰ اور اُن کے بعد کوئی پیغمبر اُن میں ایسا نہ آیا، جس نے اُن کی سنگدلی کا ماتم نہ کیا ہو، اور اُنکی
 سرکشی پر اُن کے حق میں بددعا نہ کی ہو، چنانچہ خود قرآن مجید نے کہا،

لَعَنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ بَنِي اِسْرٰٓئِيْلَ عَلٰی لِسٰنِ دَاوُدَ وَعِيسٰی ابْنِ مَرْيَمَ ذٰلِكَ بِمَا
 بَنِي اِسْرٰٓئِيْلَ مِنْ سَعٰی جَهَنَّمَ لَعْنَةُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَلَمْ يَكْفُرْ بِآٰتِیْهِمْ اَنۡ یُّرٰٓدُوْا
 مَرِیَمَ كَیۡ تَبٰی عِیْسٰی كِیۡ زَبٰنٍ سَۤیۡغَتٍ كِیۡ كُنَّ یٰۤاٰیۡہِ السَّیِّئِیۡنَ

تیرے درمیان کوئی دوسرا معبود ہو تو کسی اجنبی معبود کو سجدہ نہ کرنا، خداوند تیرا خدا میں ہوں جو تجھے
 مصر کی سرزمین سے باہر لایا، اپنا منہ کھول کہ اوسے بھرد دنگا، پر میرے لوگوں نے میری آواز
 پر کان نہ دھرا اور اسرائیل نے مجھے نہ چاہا، تب میں نے اُن کے دلوں کی سرکشی کی ^{چٹھو}بھری
 بہت سے بنی اسرائیل جو حضرت داؤد سے باغی ہو کر لڑنے پر آمادہ تھے، حضرت داؤد نے اُن کے
 متعلق یہ بددعا کی،

”کہ تو وہ خدا نہیں جو شہادت سے خوش ہو، شریر تیرے ساتھ رہ نہیں سکتا، وہ جو شیخی
 باز میں تیری آنکھوں کے سامنے کھڑے نہیں رہ سکتے، تو سب بد کرداروں سے عداوت
 رکھتا ہے، تو اُن کو جو جھوٹ بولتے ہیں، ناپود کر دیگا۔ اے خداوند اپنی
 صداقت میں میرا مہربان ہو، میرے دشمنوں کے سبب میرے سامنے اپنی راہ کو سیدھا کر
 اُن کے باطن میں سراسر کھوٹا پن ہے۔ اے خدا تو انھیں
 ملزم جان ایسا ہو کہ وہ اپنی مشورتوں سے آپ ہی گرجائیں، اُن کو اُن کے گناہوں
 کی کثرت کے سبب نکال پھینک، کہ اُنھوں نے تجھ سے سرکشی کی ہے،“ (زبور۔ ۵)
 حضرت عیسیٰ نے بھی انجیل میں بنی اسرائیل کو لعنت کی اور فرمایا،

”اے ریاکار فقہو اور فریسیو! تم پرافسوس کہ تم سفیدی پھیری ہوئی قبروں کے مانند ہو جو باہر سے
 بہت اچھی معلوم ہوتی ہیں، پر پھتیر مڑو دن کی ہڈیوں اور ہر طرح کی ناپاکی سے بھری ہیں
 اسی طرح تم بھی ظاہر میں لوگوں کو راست باز دکھائی دیتے پر باطن میں ریاکار اور شرارت
 سے بھرے ہو،“

اے ریاکار فقہو اور فریسیو! تم پرافسوس کیونکہ نبیوں کی قبریں بناتے، اور راست باز
 کی گوریں سنوارتے ہو اور کہتے ہو کہ اگر ہم اپنے باپ دادوں کے دنوں میں ہوتے تو ان

کے خون میں اُن کے شریک نہ ہوتے، اسی طرح تم اپنے اوپر گواہی دیتے ہو کہ تم نبیوں
کے قاتلون کے فرزند ہو، پس اپنے باپ دادون کا پیمانہ بھرو، اے سانپو! اور اے
سانپون کے بچو! تم جہنم کے عذاب سے کیونکر بھاگو گے، (متی ۲۳-۲۴-۳۳)
بعینہ یہی الزام قرآن نے بھی اُن کو دیا ہے،

وَيَقْتُلُونَ النَّبِيَّاتِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ط ذَٰلِكَ بِمَا
عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ، (بقرہ-۵)
اور وہ ناحق پیغمبرین کو مار ڈالتے ہیں، اس لیے کہ وہ
نافرمان اور حد سے بڑھنے والے ہیں،
قُلْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوهُنَّ أَنْبِيَاءَ اللَّهِ مِنْ قَبْلُ إِنْ كُنْتُمْ
مُؤْمِنِينَ، (بقرہ-۶-۱۱)
کہہ کہ پھر کیوں اللہ کے نبیوں کو پہلے تم قتل کرتے رہے
اگر تم مومن تھے،

آل عمران میں اس سبھی بڑھکر ہر حق کے داعی اور خیر کے مبلغ کے قتل کر دینے کا اُن پر بجا الزام ہے،
إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ
النَّبِيَّاتِ بِغَيْرِ حَقٍّ وَيَقْتُلُونَ الَّذِينَ يَأْمُرُونَ
بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ
بیشک وہ لوگ جو اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے اور پیغمبرین
کو ناحق قتل کرتے، اور ہر اُس شخص کی زندگی کے دشمن
بناتے ہیں جو اُن کو عدل و نیکی کی بات سمجھاتے تو اُن کو
(الاعمران-۳)
در دنیا سزا کی خوشخبری سنا دے،

سورۃ بقرہ اور آل عمران میں یہودیوں کے ایک ایک عیب کو کھول کھول کر بیان کیا گیا ہے،
سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے دین و ملت کا قوم کتنا بگڑ گیا تھا، اُن کی مذہبی سنگدلی اور تعصب کا سب سے
در دنیا سناخہ وہ ہو جو اسلام سے ۵۰۰ برس پہلے سین میں پیش آیا کہ یہودی جمیروں نے نجران کے عیسائیوں کو
گڑھوں میں آگ جلا کر اُن میں جھونک دیا، اور وہ کنارے بیٹھے اس حسرتناک منظر کا تماشا دیکھتے رہے چنانچہ
قرآن مجید نے اس پر رد و استہسان کو ان لفظوں میں انہیں یاد دلایا،

قُلْ أَصْحَابُ الْأُحُدِ وَإِنَّ النَّارَ ذَاتِ الْوَقُودِ
گڈھے والے لوگ مارے گئے، بھڑکتی آگ کے گڈھے،

اِذْهُمْ عَلَيْهِمْ قُودٌ وَهُمْ عَلَىٰ مَا يَفْعَلُونَ
 جب وہ ظالم اُن کے کنارے بیٹھے ایمان والوں کیشتا
 بِالْمُؤْمِنِينَ شُهُودٌ وَمَا نَقَمُوا مِنْهُمْ اِلَّا
 جو کر رہے تھے اس کو دیکھ رہے تھے، اُن کا گناہ یہی تھا
 اَنْ يُّؤْمِنُوا بِاللّٰهِ الْعَزِيزِ الْحَمِيدِ (برج - ۱)
 کہ وہ غالب اور خوبون والے خدا پر ایمان رکھتے تھے،

جزئیات کو چھوڑ کر کلی طریقہ سے ان میں حسب ذیل تقاضے تھے،

۱۔ ان کو اپنے محبوب خدا، اور خاص خدا کے کتبہ ہونے پر بے اتہا غور تھا، وہ سمجھتے تھے کہ ہم کچھ کریں
 ہم سے قیامت میں مواخذہ نہ ہوگا،

لَنْ اُنْبِئُكَ اللّٰهَ وَاَحْبَاؤُكَ (مائدہ - ۱۳)
 ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں،
 وَقَالُوا لَنْ تَمْسَنَا النَّارُ اِلَّا اَيَّامًا مَّعْدُودَةً
 اور کہا کہ ہم کو دوزخ کی آگ ہرگز نہیں چھوئے گی، لیکن
 (بقہ ۸-۹) چند روز،

وہ سمجھتے تھے کہ جنت کی نعمتیں صرف انہیں کے لیے خاص ہیں، قرآن نے کہا،

قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمْ الدّٰرُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ
 کہہ دے کہ اگر آخرت کا گھر تمام لوگوں کو چھوڑ کر صرف
 خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَقْنَطُوا لِمَوْتِ
 تمہارا ہی ہے تو موت کی آرزو کیوں نہیں کرتے
 اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ، (بقہ ۸-۱۱)
 اگر تم سچے ہو،

وہ سمجھتے تھے کہ نبوت اور رسالت صرف اُن کے گھر کی چیز ہے، کسی دوسرے کا اس میں حق نہیں
 قرآن نے اُن کے جواب میں کہا،

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَن يَّشَآءُ، (جمعہ ۱)
 یہ خدا کی مہربانی ہے، وہ جس کو چاہے دے،

جوان میں پڑھے لکھے عالم تھے، وہ خدا کے احکام کو اپنے منشا اور دوہندوں کی خوشنودی کے لیے
 اپنی باطل تاویلوں سے ادا لے رہے تھے، اور اپنی تصنیفات اور اجتماعات کو کتاب الہی کا درجہ دیتے
 یُحْمِلُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهِ، (مائدہ ۷۶)
 وہ نظروں کو اپنی مناسب جگہ سے ہٹا دیتے ہیں،

مردہ حکم کو زندہ کر دینا، (صحیح بخاری مؤلف کتاب الحدود، والوداؤد و باب رجم الیہودین)
 آپس میں قتل و غوریزی کا بازار ان میں گرم تھا، ان میں ایک طاقتور قبیلہ دوسرے کمزور قبیلہ کو گھر سے باہر
 کر دیتا تھا، اور پھر کوئی گرفتار ہو جاتا تو فدیہ دے کر اس کو چھڑا بھی لیتے تھے، قرآن نے کہا،

ثُمَّ اَنْتُمْ هُمْ لَا تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَتَخْرُجُوْنَ
 پھر تم ہی لوگ آپس میں ایک دوسرے کو قتل کرتے اور باہر
 قَرْيَاتِكُمْ مِنْ دِيَارِهِمْ تَطْهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ
 گروہ کو ان کے گھر دن سے نکالتے ہو، اونکے برخلاف گناہ
 بِالْاَيْمَنِ وَالْعُدْوَانِ اِنْ يَأْتُواكُمْ اِسْلَامًا
 اور ظلم سے مدد کرتے ہو، اور اگر وہ تمہارے پاس قیدی بن کر آتے
 فَقَدْ دُهِمَ وَهُوَ مُحَرَّرٌ عَلَيْكُمْ اِحْبِسْهُمْ
 تو تم فدیہ دیکر چھڑاتے ہو حالانکہ ان کا نشان تم پر حرام تھا،
 اَفْتَقْتُمْ مِنْهُمْ بَعْضَ الْكُتُبِ وَتَكْفُرُ مِنْهَا
 کیا تم کتاب کے کچھ حکموں کو مانتے، اور کچھ کا انکار
 بَعْضُ (بقرہ - ۱۰)

کرتے ہو،

۲۔ دوسری چیز مال و دولت کی حرص و طمع تھی، اس کی وجہ سے ان میں ہر قسم کی لالچ اور اخلاقی کمزوری
 پیدا ہو گئی تھی، کسی بڑے کام کی خاطر وہ اپنی راحت و آرام اور جسم و جان کو قربان نہیں کر سکتے تھے،

وَلَيَحْبِبْنَهُمْ اٰخَرُونَ النَّاسِ عَلَى حَبِئَةٍ مِنْ
 ان کو سب لوگوں سے زیادہ زندگی کا لالچی پاؤ گے، مشرکوں
 الَّذِيْنَ اَشْرَكُوا بِرَبِّهِمْ ذَا اَحَدٍ هُمْ لَوِ يَفْقَهُوْنَ
 سے بھی زیادہ ان میں ایک ایک چاہتا ہے کہ اس کو ہزاروں
 اَلْفَ سَنَةٍ (بقرہ - ۱۱)

کی زندگی ملے،

عربوں کے ساتھ ان کے لین دین کے تجارتی تعلقات قائم تھے، مگر وہ سخت نادہندہ تھے، اور سمجھتے
 کہ عربوں کیساتھ جس طرح سختی اور بددیانتی کے ساتھ بھی برتاؤ کیا جائے وہ مذہباً منع نہیں، قرآن نے اس معاملہ
 میں عیسائی اہل کتاب کی تعریف کے بعد اسرائیلی اہل کتاب کی نسبت فرمایا،

وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنَّا بِدِيَارِ الْاَيُّدِ
 کتاب والوں میں بعض ایسے ہیں کہ اگر ان کو ایک دینا بھی
 الْيَتِ الْاِمَادِمَتْ عَلَيْهِ قَائِمًا ذٰلِكَ يَوْمًا
 امانت رکھنے دو، وہ تم کو اس وقت واپس نہ دیں، جب

قَالُوا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْأُمُورِ شَيْءٌ وَكَفَى لَوْ
 عَلَى اللَّهِ الْكَذِبُ وَهُمْ يَعْلَمُونَ (ال عمران - ۸۰)

تم اونکے سر پر کھڑے نہ رہو یہ اس لیے کہ وہ کہتے ہیں کہ ان جابل
 عربوں کا ہم پر حق نہیں اور وہ جان بوجھ کر خدا پر جھوٹ بولتے
 تورات میں ”اپنے بھائی“ کے علاوہ ”اجنبی“ سے سود لینے کی اجازت کا مطلب وہ یہ لیتے تھے کہ یہودیہود سے
 نہ لے، اور اہل عرب جو یہود نہ تھے، ان سے بھاری بھاری شرح سود وصول کرنا جائز سمجھتے تھے، اور تعجب پر تعجب
 یہ تھا کہ ان کے علماء اور ان کو اس سے باز نہیں رکھتے تھے، اس حرام خوری اور ان کے علماء کی اس خاموشی پر انکو
 قرآن نے بار بار ٹوکا،

وَتَرَى كَثِيرًا مِنْهُمْ يُسَارِعُونَ فِي الْأَثْمِ
 وَالْعُدْوَانِ، وَأَكَلِهِمُ الشَّهْتِ طَلَبُ مَسَا
 كَانُوا يَعْمَلُونَ، لَوْ لَا يَنْصَحُهُمُ الرَّبُّ بَيْنُونَ وَلَا
 عَنْ قَوْلِهِمْ إِلَّا تُمْ وَأَكَلِهِمُ الشَّهْتِ طَلَبُ مَسَا
 مَا كَانُوا يَصْنَعُونَ، (مائدا - ۹)

سَمِعُونَ لَكَلِّذِبِ أَكَلُونَ لِلشَّهْتِ ط (مائدا - ۹)
 وَأَخَذِهِمُ الرِّبَا وَقَدْ نُهُوا عَنْهُ وَأَكَلِهِمْ مَوَا
 النَّاسِ بِالْبَاطِلِ (نساء - ۲۲)

اسی لیے وہ تورات کی آیتوں میں تحریف، اور ان کے معنوں میں تاویل کر کے ایسے فقہی حیلے تراشتے
 تھے کہ وہ ہر حکم کو اپنے مطلب کے مطابق بنا لیتے تھے، خدا نے فرمایا،

إِنَّا أَنْزَلْنَا التَّوْرَةَ فِيهَا هُدًى وَنُورٌ مُبِينٌ
 بِهَا النَّبِيُّونَ الَّذِينَ أَسْلَمُوا لِلَّذِينَ هَادُوا
 وَالرَّبَّائِيُّونَ وَلَا جُحَارٍ بِمَا اسْتَفْضَلُوا اسْرُ

ہم نے تورات اتاری، جس میں ہدایت اور روشنی ہے، اسکی
 مطابق نبی جو تابعدار تھے، یہودیوں کا فیصلہ کرتے تھے،
 اور ان کے درویش دعا میں بھی خدا کی تسبیح جن حصوں کو

کِتَابِ اللّٰهِ . . . (مائدا ۷۷) انہوں نے بچا رکھا تھا، اُن میں سے فیصلہ کرتے،

اس کے بعد اس کے احکام کے اجراء اور خاص کر قصاص کا ذکر کیا اور فرمایا،

وَمَنْ لَّمْ يَجِدْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ (مائدا ۷۷)

وہی کافر ہیں،

ان میں مشرکانہ بت پرستی کے بھی بعض اثرات پیدا ہو گئے، وہ جہت اور طاغوت کی پریش میں مبتلا تھے قرآن اُن کو خطاب کر کے کہتا ہے،

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا الْكُتُبُ آمِنُوا بِمَا نَزَّلْنَا

مُصَدِّقًا لِّمَا سَعَكُمْ إِنَّ اللّٰهَ لَا

يَغْفِرُ أَنْ تُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ

لِمَنْ يَشَاءُ . (نساء ۷۷)

اے کتاب والو! ہم نے جو اتارا جو تمہاری کتاب کی

تصدیق کرتا ہے، اس پر ایمان لاؤ خدا

شرک کو معاف نہیں کرتا، اور اس کے سوا جس کو چاہے

معاف کرے،

یہ کتاب اُن کو نہیں دے گی جو ان کو نہیں دیکھا جن کو کتاب کا

ایک حصہ دیا گیا، وہ بتوں اور شیطانوں پر ایمان رکھتے ہیں

اور کہتے ہیں کہ یہ کافر مسلمانوں سے زیادہ صحیح

راستہ پر ہیں،

مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا سَبِيلًا (نساء ۷۷)

اوہام و خرافات پر ان کا ایمان تھا، توحید گمراہ، جادو اور عملیات پر فریقہ تھے، اور سمجھتے تھے کہ یہ حضرت سلیمان کی تعلیم ہے، (بقرہ ۱۲۰) البیداء عصم وغیرہ مدینہ میں بہت سے عامل تھے، جو کنگھیوں اور بالوں میں منتر پڑھ کر بھروسے کرتے تھے،

عرب باہر یہودی، یونانیوں اور رومیوں کی حکومتوں میں یورپ، افریقہ اور ایشیا کے مختلف ملکوں

اور شہرون میں اس طرح پرگندہ اور منتشر تھے کہ عرب کے باہر دنیا کی قوموں میں اُن کا کوئی شمار نہ تھا، عرب کے اندر جو یہود زمانہ دراز سے آباد تھے، ان کا بڑا شغل زراعت اور تجارت تھا، سودی کاروبار کرتے تھے، غریب عربوں کو اپنے گران شہر سود اور قرضوں کے بار میں اس طرح دباؤ تھے کہ اُن کی حالت اُن کے سامنے غلاموں کی سی تھی، اس سلسلہ میں صرف ایک واقعہ کا ذکر پوری حالت کے اندازہ کے لیے کافی ہوگا،

محمد بن مسلمہ انصاری اور اُن کے رفقاء جو مدینہ کے یہودی سردار کعب بن اشرف کے قتل پر مامور ہوئے تھے، وہ اس سے ملنے اور بات چیت کرنے گئے، انھوں نے اس سے کہا: اے کعب! اس شخص (محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) نے تو صدقہ وصول کر کے تم کو دق کر ڈالا، اب میں تم سے کچھ قرض لینے آیا ہوں، اُس نے کہا خدا کی قسم مجھے معلوم تھا کہ تم اُس سے آخری راہ ہو جاؤ گے، انھوں نے کہا، میں نے او کی پیروی اختیار کی ہے، لیکن میں اُس کو چھوڑنا نہیں چاہتا، انتظار ہے کہ معاملہ کی صورت کس رخ ملتتی ہے؟ میں تم سے کچھ غلہ قرض لینے آیا ہوں، اس نے کہا، مگر تم کفالت میں کیا چیز ہن رکھو گے، انھوں نے کہا، تم بناؤ تم کیا چاہتے ہو، اُس نے کہا اپنی بیویاں گرو رکھو، انھوں نے جواب دیا، ہم اپنی بیویاں کیسے گرو رکھ سکتے ہیں کہ تمام عرب میں تمہارے جان جو اب نہیں، بولا اچھا تو اپنے لڑکوں کو گرو رکھو، کہا ہم اپنے لڑکوں کو کیسے گرو رکھیں، اُن کی کوئی بے عزتی نہ کرے، یہ ہمارے لئے بڑی شرم کی بات ہے، ہاں ہم اپنے ہتھیار گرو رکھ سکتے ہیں۔

اس سوال و جواب کے اندازہ ہوگا کہ یہودی کی اخلاقی حالت کتنی پست اور ذلیل ہو چکی تھی، کوئی غیر عورت اگر اُن کے بازار کی طرف جا نکلتی تو اس کی عزت بچی مشکل ہو جاتی، کسی بچہ کو ذرا ستہ زیور کے لالچ میں موقع پاتے تو بیدری سے قتل کر کے زیوراتار لیتے، علماء اور پیشوایان دین کی وہی کیفیت تھی جس کا نام اُس وقت سے چھ سو برس پیشتر حضرت عیسیٰ نے کیا تھا، لفظی مؤسکافیوں اور ظاہری دینداری کے سوار روح و اخلاق کا جو ہر گز

کھو گیا تھا، اسلام جو ابراہیم حنیف کے ترانہ توحید موسیٰ کی صدائے طور کی آواز بازگشت تھی، وہ اُن کے نزدیک عرب کے بت پرستوں کے جاہلانہ مذہب سے زیادہ بڑا تھا، وہ کہتے تھے کہ اُن مسلمانوں سے یہ مشرک زیادہ راہ راست پر ہیں، اسلام کی اس مصالحانہ دعوت

يَا هَلْ أَكْتَلِبُ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنِنَا
وَبَيْنَكُمْ لَا نَعْبُدُ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكُ
بِهِ شَيْئًا وَلَا يَخِذْ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ
دُونِ اللَّهِ (آل عمران - ۷۰) بنائیں،

اے کتاب والو! آؤ اس ایک بات پر ہم سب متحد ہو جائیں،
جو ہم میں تم میں مشترک ہو کہ ہم خدا کے سوا کسی کو اپنا معبود نہ بنائیں
اور نہ ہم خدا کو چھوڑ کر ایک دوسرے کو اپنا رب

میں بھی عداوت اور دشمنی ہی کی جھلک نہ کھائی دیتی تھی، اس لیے مدینہ میں اسلام کی صلح کی ہر کوشش کو دھککا
رہے، کیونکہ روحانی عظمت کے مقابلہ میں اس دعوت کے قبول میں اونکو اپنی قومی و مالی و تجارتی عظمت کی
بربادی نظر آتی تھی،

عیسائیوں کی نقل میں وہ بھی عویر (عورا) کو خدا کا بیٹا کہتے تھے، وَقَالَتِ الْيَهُودُ دُعَاؤُ ابْنِ اللَّهِ،
(توبہ - ۵) اپنی دولت و ثروت کے غرور میں وہ کہتے تھے، يَدُ اللَّهِ مَغْلُولَةٌ (مائدا - ۶۴) خدا کے ہاتھ
بندھے ہوئے ہیں، قرآن کی دعوت کے جواب میں کہتے تھے کہ ہم پر اس دعوت کا اثر نہیں ہو سکتا کہ ہمارے
دل نامشغول ہیں، وَقَالُوا قُلُوبُنَا غُلْفٌ، (بقرہ - ۱۱) ان فرقوں سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ وہ اب دنیا میں
نیا بت الہی کے منصب کے قابل نہیں رہے تھے،

عرب کے باہر یہودیوں کی پرانہ لڑیاں مختلف سلطنتوں کے سایہ میں پناہ گزین تھیں، اُن کا مذہبی مرکز
اُن کے ہاتھ سے نکل چکا تھا سیاسی اہمیت وہ مدت ہوئی کہ کھو چکے تھے، ابراہیم و یحییٰ کے خدا کے بجائے، ہر جگہ
سونے چاندی کے ڈھیر ہی کو خدا بنائے تھے، اُن کے مذہبی فرقوں کی تعداد بڑھتی جاتی تھی، جنہیں باہمی عداوت

تاکم تھی، اور اُس وقت سے چھ سو برس پہلے کی طرح بنی اسرائیل اب پھر ایک نبی اعظم کی بعثت کا بیتابانہ انتظار کر رہے تھے، (لقرہ - ۱۱) خود عرب میں یہود اس وقت اُس نبی کے جلد پیدا ہونے کی بشارت کا اپنی مجلسوں میں تذکرہ کرتے رہتے تھے، جسکی پیشینگوئیوں سے تورات کے صحیفے بھرے تھے، اور انھیں سے سُن سُن کر قریب کے اوس و خزرج ایک نبی کی آمد کی پیشینگوئی سے باخبر تھے،

دنیا کی ان مختلف قوموں کے حالات پر ایک اجمالی نظر ڈالنے کے بعد ضرورت ہے کہ اُس قوم کے حالات پر ایک تفصیلی نظر ڈالی جائے جس کے اُفق نبوت سے صبح سعادت طلوع ہونے والی تھی،

ظہور اسلام کے وقت عرب کی مذہبی و اخلاقی حالت

مِیْن مین جب وہ مشہور سیلاب آیا، جس کی بلندی سطح زمین سے ایک سو بیس فٹ اوپر تھی تو پائے تخت یعنی مآرب اور اسکے اضلاع دفعہ برباد ہو گئے، یہ دوسری صدی عیسوی کا واقعہ ہے، قرآن مجید نے اسی سیلاب کو سبیل غرق کہا ہے، اس سیلاب کا ایک نتیجہ ہوا کہ اٹھ بڑے بڑے خاندان، جلاوطن ہو کر ادھر ادھر نکل گئے، جس سے نظام سلطنت میں ضعف آگیا، چھٹی صدی عیسوی میں یہاں کے فرمانروا، ذونواس سے جو مذہب یسوی تھا رہا نے بغاوت کی اور شاہ حبش سے اعانت چاہی، اس نے ۵۲۹ء میں ایک فوج بھیجی، جس نے ذونواس کو مغزول کر دیا، اور اس خاندان کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا، ۵۲۹ء میں قبیلہ حمیر کے ایک باوصہ شخص ڈویرین نے فارس کی مدد سے اپنا ملک واپس لیا، لیکن چند روز کے بعد وہ قتل کر دیا گیا، اور مین شاہنشاہی فارس کا ایک معمولی صوبہ رہ گیا،

جو قبیلہ مین سے نکلے ان میں سے ایک نے دوسری صدی عیسوی میں ہیرہ مین، جہان اب کوفہ

۱۔ سیرۃ ابن ہشام ذکر بعیت عقبہ،
۲۔ اس بند کے اندام کی تاریخ کی تعیین مشکل ہے اور اسی لیے اسکی تعیین میں کئی نظریے ہیں، کوئی اسکو اگر دوسری صدی عیسوی کا واقعہ بتاتا ہے، تو دوسرا پانچویں صدی عیسوی کا، اصلیت یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس بند کے مختلف حصے مختلف زمانوں میں منہم ہوتے رہے، اور بنے رہے، آخری دفعہ پانچویں صدی عیسوی میں بالکل برباد ہو گیا، (سیلان)

آباد ہے ایک سلطنت قائم کی، لیکن وہ فارس کے زیر اثر اور مذہبی خیالات میں قجوس سے متاثر تھی، دوسرا یہ
شام میں جا کر آباد ہوا، جو عثمانی خاندان کہلاتا ہے، چونکہ یہ خاندان رومیوں کے زیر اثر تھا اس لیے رفتہ رفتہ
عیسائی ہو گیا، اور اسلام کے زمانہ تک عیسائی رہا،

غرض عرب کے اصلی تمدن پر بیرونی اثر جو کچھ پڑا تھا وہ مجوسیت یا نصرانیت کا تھا، یہودی معتقدات اور خیالات
کا اثر بھی بہت کچھ تھا جسکی وجہ یہ تھی کہ عرب کا ایک بڑا حصہ یعنی وادی القریٰ اور خیمہ و فدک تمامتر یہودی آباد
تھا، اور خود مدینہ میں یہودی ہی صاحب اقتدار اور صاحب حکومت تھے، باقی تمام ملک میں مشرک کا یہ عہد جاری اور جاہلانہ
مذہب پھیلے تھے، لوگ بتوں، پتھروں، درختوں، ستاروں، فرشتوں اور جنوں کی پرستش کرتے تھے،
خدا کا اعتقاد اس ہم آہین شبہ نہیں کہ عرب جو بائبل کہلاتے ہیں ان کے ناموں کے ساتھ اللہ کا لفظ بھی شامل ہوتا تھا
جو قدیم کتبائے دستیاب ہوئے ہیں، ان پر اللہ کا لفظ خدا کے معنی میں لکھا ہوا ہے، البتہ اسکا املا اللہ نہیں بلکہ
ہلہ ہے، عرب شمال کے عرب جو بائبل کہلاتے ہیں ان کے ناموں کے ساتھ اللہ کا لفظ بھی شامل ہوتا تھا
مثلاً زید اللہ، عبد اللہ، خود قرآن مجید میں خدا کفار کی نسبت کہتا ہے،

وَلَكِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ
لَيَقُولُنَّ اللّٰهُ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ (نحلہ - ۱۳)
اور جو تم انے پوچھو کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا
تو بول اٹھیں گے کہ خدا نے، تم کہو کہ خدا کا شکر ہے،

یہ اصل میں حضرت ابراہیم کی تعلیم تھی، لیکن رفتہ رفتہ شرک کا اعتقاد پیدا ہوا، یعنی یہ کہ خداے اعظم کے
سوا اور بھی چھوٹے چھوٹے خدا ہیں گو اللہ ان سب میں بڑا ہے، یہ اعتقاد اس قدر راسخ ہو گیا کہ اور معبودوں کے
انکار سے ان کو اس قدر رنج ہوتا تھا جس قدر خود خدا کے انکار سے ہو سکتا تھا، بلکہ چونکہ ان کے نزدیک دنیا کا
کاروبار اور روزمرہ کی ضرورتیں انھی چھوٹے چھوٹے خداؤں سے انجام پاتی تھیں اور کام اکثر انھی خداؤں سے

لے کر نکلتے انساب کا بیان یہی ہے کہ یہ قبائل میں سوائے تھے لیکن میں نے ارض القرآن میں بدلائل اس سے اختلاف کیا ہے،
لے مذاہب اخلاق کی انسائیکلو پیڈیا، جلد اول، صفحہ ۶۶۷، بحوالہ پروفیسر تولدیک،
(ریٹا)

وَجَعَلُوا لَهُ مِنْ عِبَادٍ جُزْءًا إِنَّ الْإِنْسَانَ لَكَفُورٌ
 مُبِينٌ ۚ وَإِذْ أَخَذْنَا مِمَّا خَلَقُوا بَيْتًا وَاصًّا كُمْ
 بِالْبَيْنِينَ، وَجَعَلُوا الْمَلَائِكَةَ
 الَّذِينَ هُمْ عِبَادُ الرَّحْمَنِ إِنَّا شَاهِدُوا
 خَلْقَهُمْ ۖ وَسَتُنَظِّرُ شَهَادَتَهُمْ يُسْمِعُونَ وَقَالُوا
 لَوْ شَاءَ الرَّحْمَنُ مَا عَبَدْنَاهُمْ ۚ (زخرف-۲۰)
 فَاسْتَفْتِهِمْ أَلِرَبِّكَ الْبَنَاتُ وَلَهُمُ الْبُيُوتُ
 أَمْ خَلَقْنَا الْمَلَائِكَةَ إِنَاثًا وَهُمْ شَاهِدُونَ
 أَلَا إِنَّهُمْ مِنْ فِتْنِهِمْ لَيَقُولُونَ وَلَوْلَا اللَّهُ
 وَابْتِغَاءُ لَكَ بِنَاتٍ، (صافات-۵)
 کے اولاد ہوئی، اور وہ جھوٹے ہیں،

اُن کا یہ بھی اعتقاد تھا کہ یہ فرشتے خدا کے ہاں اپنے پرستاروں کے سفارشی نہیں گے، خدا نے اس کی تردید میں کہا،

وَكَمْ مِنْ مَلَكٍ فِي السَّمَوَاتِ لَا تُفْنِي شَيْئًا
 شَيْئًا إِلَّا بِإِذْنِهِ (نجم-۲)
 اور آسمانوں میں کتنے فرشتے ہیں کہ ان کی سفارش خدا کی جانت
 بغیر کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتی،
 قیامت میں فرشتوں سے پرس ہوگی کہ یہ مشرک تمہاری پوجا کرتے تھے،
 ثُمَّ يَقُولُ لِلْمَلَائِكَةِ أَهْلُوا آيَاتِي أَكُمُ
 كَانُوا يَعْبُدُونَ (سبا-۵)
 پھر خدا فرشتوں سے کہے گا کہ کیا یہ انسان تمہیں کو پوجتے
 تھے،

جنات کی الوہیت | فرشتوں کی طرح وہ جنات کو بھی خدا کے عزیز و قریب سمجھتے تھے اور خدا کے ادن سے رشتے لگاتے تھے،

وَجَعَلُوا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجَنَّةِ لَبًّا (صافات-۵) اور مشرکوں نے خدا و جنوں کے درمیان شتہ واری بنائی

اسی لیے وہ جنات کو خدا کی خدائی میں شریک کرتے تھے،

وَجَعَلُوا لِلَّهِ شُرَكَاءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوا لَهُ بَنِينَ (انعام-۱۲) اور انھوں نے جنوں کو خدا کا شریک بنایا اور وہ خدا کی

بنائے بغیر علیہ (انعام-۱۲) مخلوق ہیں، اور بن جانے والے کیلئے بیٹے اور بیٹیاں نکلتی ہیں

اور جب وہ خدا کے رشتہ دار اور خدائی کے شریک ٹھہرے، تو ان کی عبادت اور پرستش بھی ضروری ہوئی

چنانچہ جاہلیت میں اہل عرب ان جنوں کی بھی پوجا کرتے تھے، بل کانُوا لِعَبْدُوْنَ الْجِنَّ ۚ اَكْثَرُهُمْ يَحْمِمْ مُؤْمِنِينَ (سباہ-۱۲) بلکہ یہ جن کو پوجتے تھے اور ان میں سے اکثر انھیں پر ایمان رکھتے تھے، مسافر جب راستہ میں کہیں قیام

کرتے تھے، تو پہلے وہاں کے جنوں کی وہائی پکارتے تھے، قرآن میں ہے، وَ اِنَّ كَانَ مِنْ جِجَالٍ مِّنْ الْاِنْسِ يَعُوْذُ بِجِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ هُمْلاً ۚ (جن-۱) اور جنات یہ تھی کہ کچھ انسان بعض جنوں کی وہائی مانگا کرتے

تھے، اور انھوں نے ان کو اور مغرور بنادیا، چنانچہ بعض خوفناک مقامات میں خاص طور سے ان کے نام کی قربانی کی جاتی تھی ان میں سے ایک مشہور مقام دراہم تھا، جہاں کے رہنے والے جنوں (سكان الدراهم) پر جانور

ذبح کر کے چڑھائے جاتے تھے، تاکہ قربانی کرنیوالے انکی شرارت سے محفوظ رہیں، قبیلہ خزاعہ کی شاخ بنو لیح خاص طور سے جنوں کی پوجا کرتی تھی، اور کلبی کا بیان ہے کہ انھیں کے متعلق یہ آیت اتری ہے،

اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَلُكُمْ (اعراف-۲۴) خدا کو چھوڑ کر تم جنکو پکارتے ہو وہ تمھاری ہی طرح

بندے ہیں،

عِبَادٌ اَمْثَلُكُمْ (اعراف-۲۴)

بہت سستی جن خداؤں کو یہ لوگ مانتے تھے، ان کے بت بنائے تھے، اور جا بجا عظیم الشان بتکدے قائم ہو گئے تھے، یہ رواج اس قدر عام ہو گیا تھا کہ جہاں کوئی خوبصورت چہرہ مل گیا اٹھالیا اور اسکی پرستش شروع کر دی، اس

سے صحیح علم کتاب تفسیر،

سے سان العرب لفظ "سکن"

سے کتاب الاصل نام ہشام انکلی مطبوعہ مصر ص ۳۴

زیادہ خوبصورت ملگیا تو اُس کو پھینک دیا اور اسکی پرستش کرنے لگے، جہاں کوئی پتھر نہ ہاتھ آیا خاک کا ایک تودہ بنا،
ایک بکری لا کر، اسکا دودھ اُسپر دھوایا، پھر اُس کے گرد طواف کیا، اور اب وہ ایک معبود بن جاتا تھا، چنانچہ صحیح بخاری
کتاب المغازی، باب وفد بنی حنیفہ میں، یہ پوری تفصیل مذکور ہے،

اس بت پرستی کی ابتداء یوں ہوئی کہ قبیلہ خزاعہ کا ایک شخص جسکا نام عمرو بن لُحی تھا، اور جو قبیلہ جرہم کو
شکست دیکر کعبہ کا ستون بن گیا تھا، ایک دفعہ بھاگ گیا، وہاں لوگوں کو بت پرست دیکھ کر بت پرستی کی طرف مائل ہو
اور وہیں سے ایک بت لا کر کعبہ میں نصب کیا، چونکہ اس کا اثر تمام عرب پر تھا، اس لیے تمام عرب نے بت پرستی
قبول کر لی، اور گھر گھر بتجانے بن گئے، انہیں ہیل سب بڑا تھا، اس سے اتر کر منات، لات، اور عتے تھے،
منات مدینہ منورہ سے سات میل پر تھا، انصار کے قبیلے یعنی اوس و خزرج اور ادراپاس پاس کے
قبائل اُسی کج کرتے تھے، کعبہ کج بھی جب یہ لوگ کرتے تھے تو احرام پہین اُکرتا کرتے تھے، حلیفہ معاہد
بھی پہین ہوتے تھے، عبدالعزیٰ مزیٰ کہتا ہے،

اِنِّیْ حَلَفْتُ یَمِیْنِ صِدْقٍ بَرٍّ

بِمَنَاةَ عِنْدَ حَلِّ آلِ الْخَزِرَجِ اہل خزرج کے احرام اتارنے کی جگہ کے پانا

لات، قبیلہ ثقیف کا معبود تھا جو مقام طائف میں نصب تھا، اہل طائف اس کو کعبہ کے برابر
تسلیم کرتے تھے،

عرتے ایک درخت تھا، اُسکے پاس ایک بت تھا، یہ قبیلہ غطفان کا بت تھا، لیکن قریش بھی
اُسکی نہایت عزت کرتے تھے اور اسکی زیارت کو جاتے تھے، قریش جب کعبہ کا طواف کرتے تھے تو یہ پڑھتے
وَاللّٰتِ وَالْعُزَّىٰ وَمَنَاةَ الثَّالِثَةِ الْاُخْرٰی لات، عزثی، اور تیسرا منات، یہ بڑے برگزیدہ ہیں،

۱۔ یہ پوری تفصیل معجم البلدان، لفظ منات میں ہے،
۲۔ معجم البلدان، لفظ لات و کتاب الاضنام للکلبی مطبوعہ دارالکتب المصریہ ۱۳۴۳ھ صفحہ ۱۹

اَنْصَحُ الْغُرَابِيْنَ الْعُلَىٰ وَ اِنْ شَفَاعَتَهُنَّ لَشَرِّ حَاجٍ اور انکی سفارش کی خدا کے ہاں ایسا ہو۔

بت پرستی نے رفتہ رفتہ اور بہت سی برائیاں پیدا کر دیں، جانوروں سے گذر کر انسانی قربانیان اُن کی چڑھائی جانے لگیں، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے جدِ امجد عبد المطلب نے جو اپنے صاحبزادہ (عبداللہ) کی قربانی کرنی چاہی تھی اسی رسم کی تقلید تھی،

بحیرۃ، سائبہ، حام کے نام سے بتوں کے نام پر ساند پھوڑتے تھے، کعبہ کے سامنے جو قربانی کرتے تھے اس کا خون، کعبہ کی دیواروں پر ملے لٹتے تھے، بتوں کے سامنے شگون کے تیر رہتے تھے، ان میں سے ایک پر ”ہان“ ایک پرنان لکھا رہتا تھا، جو کام کرنا چاہتے پجاری سے کہتے کہ فال نکالے، ”ہان“ کا تیر نکلتا تو اس کا کو کرتے ورنہ باز رہتے،

جاہلیت میں جن چیزوں کی پرستش کی جاتی تھی، وہ مختلف قسموں کی تھیں، اصنام و اوثان، انصاب، اور بتوت، اصنام و اوثان جنکا واحد صنم اور شن ہے، یہ انسانی شکل و صورت کے بت تھے، اگر وہ لکڑی کے ہوتے تو نجیم کہلاتے، اور اگر رنگ اور مسالے سے بنے تو ان کو دُمیہ کہتے، انصاب اور نصب بن گھڑے پتھر ہوتے تھے، جنکو کھڑا کر کے اُن پر چڑھا دے پڑھاتے اور جافور ذبح کرتے تھے، بتوت جبکا واحد بتوت ہے، چند گھڑے، جیسے رضاء، رنام، قلیس وغیرہ، جنہیں بت پرستانہ رسوم ادا کئے جاتے تھے، جن بتوں کے ارد گرد چکر لگاتے تھے، اُن کو دوار کہتے تھے، اور ان پر جو قربانی کی جاتی تھی، اوسکو بقیہ کہتے تھے، پتھروں کا ڈھیر لگا کر اس کے چاروں طرف چکر لگاتے تھے، اس ڈھیر کو رجمہ کہتے تھے، جاہلی شاعر کہتا ہے،

کما طاف بالرحمة المرتجم جیسے پتھروں کے ڈھیر کا طواف لگانے والا طواف کرتے،

جن بتوں کی پرستش کی جاتی تھی انکی کوئی انتہاء تھی، ع

”قبیلہ قبیلہ کا ایک بت جدا تھا“

سہ نیل المرام فی تفسیر آیات الاحکام صفحہ ۱۱۰ و ۱۱۱ ۱۱۵ ان الفاظ کے لیے دیکھو سان العرب،

خاص خانہ کتبہ اور اُس کے اطراف میں تین سو ساٹھ بکرت تھے، ان میں سے قرآن پاک میں جن کے نام بتائے گئے ہیں وہ یہ ہیں، لالت، عوئی، مناتہ، یغوث، یعوق، نسر، وڈ، سواع، بعل، لیکن جاہلیات کے پرانے مورخون اور لغت نویسوں نے جاہلیت کے شخصی ناموں اور شعراء کے اشعار سے بہت سے نام ذکر کیے ہیں، ہشام کلبی کی کتاب الاصلہ میں جو اس موضوع پر پہلی کتاب ہے، اور جواب مقررین چھپ بھی گئی ہو تقریباً تیس بتوں کے نام ہیں، علامہ زکی پاشا جنھوں نے کلبی کی اس کتاب کو ۱۳۴۳ھ میں تخریج اور تکمیل کے بعد شائع کیا ہے، اپنے تکرار میں چھیالیس نام اور بڑھائے ہیں، میں اور جازمین آثار قدیمہ کے محققون نے عہد جاہلیت کے جو کتبے پڑھے ہیں، اُن میں اتمہ، عتار، نکرہ، قینان وغیرہ بہت سے اور ناموں کا پتہ لگایا ہے، میں نے ارض القرآن کی دوسری جلد میں جو ۱۳۲۶ھ میں چھپی ہے، ان معلومات کو یکجا کر دیا ہے،

ذیل میں ہم اُن بتوں کی فہرست درج کرتے ہیں، جنکے نام اب تک معلوم ہو چکے ہیں،

بتوں کے نام | قبیلوں کے نام جو اُن کو خاص طور سے پوجتے تھے،

لات -	ثقیف.
عوئی -	قریش، و بنو شیبان بن جابر،
مناتہ -	اوس خزیج اور عام عوب،
یغوث -	بنو مذحج و اہل جریش،
یعوق -	بنو ہمدان و اہل حیان،
نسر -	حمْیَر،
وڈ -	بنو کلب،
سواع	بنو نضیر،
اساف،	بُت، جسر، جین قربانی ہوتی تھی،

نائله ، بُت - سپهر حج بین سربانی ہوتی تھی ،
 اقصیٰ ، قضاعہ و تخم و جذام ، و عالمہ و غطفان ،
 باجر ، ازد و طی و قضاعہ ،
 ذوالخلصہ ، بنو امامہ ، خشم ، بجالہ ، ازد اسرہ ،
 رضا ، یار رضی ، بنو سبیہ کا بتخانہ ،
 رنام ، خمیر کا بت خانہ ،
 سیمہ ،
 سعد ، بنی ملک بن کنانہ ،
 سعیر ، غنہ
 ذوالشری ، بنو حارث ،
 عام ، ازد اسرہ ،
 عم اس (یا عجمیاس) ، خولان ،
 قلس ، طی ،
 ذوالکفین ، بنو وس ،
 مناف ، قریش ،
 نهم ، مزینہ ،
 نبیل ، قریش ،
 نبیل ، قبائل بنی عدنان ،
 یعوب ، جدیلہ بن بنی طی ،

شہل	بنو عبد الشہل
اول	بکر بقلب
بس	غطفان کا بُت خانہ
بسم	ایک لکڑی کا بُت
بلج	ایک بُت
جسم	”
جریش یا جَریش	ایک بُت جس کی طرف عبد جَریش کی نسبت ہے
جلد	ایک بت کا نام
چسار	ہوازن کا معبود
دار	بنو عبد الدار
دوار	ایک بُت کا نام
ذوالرحل	حجاز کا ایک بُت
شارق	ایک بت کا نام جس کی طرف عبد الشارق کی نسبت ہے
شس	بنو عبد شس
صدا	عاد کا بت
صمودا	”
ضمار	عباس بن مرد اس سلی کا قبیلہ
ضمیرن	منذر اکبر
عجب	قضاہ

عوض،	بکر بن وائل،
عوت،	ایک بت کا نام،
غبنب،	اس پر جانور ذبح کئے جاتے تھے،
قراض،	سعد الغنیمہ،
کشمی،	جدیس و ظم،
ثعم،	ایک بت کا نام،
مخرق،	بکر بن وائل،
مدان،	عبدالمدان،
مرحب،	حضرت موت،
منہب،	ایک بت کا نام،
ہبا،	عاد،
ذات الودع،	ایک بت کا نام،
یالیل،	عبد یالیل،

ستار پرستی | عرب میں ستارہ پرستوں کا بھی ایک گروہ تھا، مختلف قبیلے مختلف ستاروں کی پوجا کرتے

تھے، اُن میں ربیعہ اہم سورج اور چاند تھے، اسی لئے قرآن پاک نے خصوصیت کیساتھ کہا،

لَا تَسْجُدْ لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ (حم السجدة - ۵) نہ سورج کو سجدہ کرو، نہ چاند کو،

یسن میں سبا کی قوم سورج ہی کو دیوی مانتی تھی، (نمل - ۳) یسن کے بادشاہ شرمیر عرش نے سورج

دیوی کا مندر بنوایا تھا، سورج اور چاند کے بعد ستاروں میں شعریٰ کی بڑی قدر و منزلت تھی، ایسے قرآن پاک

سہ ماہیج ملک الارض حمزہ اصفہانی مہملا، کلکتہ،

نے کہا،

وَإِنَّهُ مُرَوِّبُ الشَّعْرَى (نغم- ۳) اور وہی خدا شعری کا مالک ہے،

صاعدانڈی المتوفی ۱۲۶۲ھ نے اپنی کتاب طبقات الامم میں عرب کے حسب ذیل قبیلوں کو مختلف ستاروں کا پرستار بتایا ہے،

قبیلہ حمیر سورج کو پوجتا تھا، کنانہ چاند کو، تمیم دبران کو، لخم اور جذام مشتری کو، طیہیل کو، قیس شعری عبور کو، اور اسد عطار کو،

جن اور شیاطین اور بہت پلٹ جن اور شیطان کی نسبت عرب کے عجیب عجیب اعتقاد تھے، وہ جن شیطان اور بہت پلٹ، سب کو ایک ہی جنس سمجھتے تھے، گو اختلاف صورت اور اشغال کی وجہ سے ان کے الگ الگ نام پڑ گئے تھے، جو آجہنگلوں اور میدانون میں رہتے تھے، اور مسافروں کو اپنی صورتیں یا لباس بدل کر دیکھکا دیتے تھے ان کا نام غول تھا یہ مذکور بھی ہوتے تھے اور نوٹ بھی،

عبد بن ایوب الغیری،

وغول قفصرۃ ذکر وانثہ اور بیابان کے دو غول مرد بھی اور عورت بھی
سكان علیہما قطع الجباد گویا کہ ان دونوں پر کس کے ٹکڑے پڑے ہیں،
نوٹ کو سحلاۃ کہتے تھے،

انثہ وسحلاۃ وغول بقفصرۃ میں پھسلتا ہوں اور چڑیل اور غول بیابان میں
اذا اللیل واری الجن فیہ ارنثہ جب رات پرن پوش ہوتی تھی تو بہت ٹہن آواز دیتے تھے
عمر بن یربع ایک ممتاز شخص تھا اس نے سحلاۃ سے نکاح بھی کیا تھا اور اس سے اولاد بھی ہوئی
تھی، راجز کہتا ہے،

۱۔ طبقات الامم قاضی صاعدانڈی، ص ۲۳، بیروت،

یا قاتل اللہ بسنے السعلاة خدا سلاۃ کے فرزندوں کو مارے،

بقیس، ملکہ مین سعلاۃ ہی کے پیٹ سے تھی،

یہ اکثر گائے بجاتے تھے اور اہل عرب ان کے نعموں سے محفوظ ہوتے تھے،

کمر جبٹ دونک من بهما مظلمة گنتی اندھیری گھپ راتوں میں، میں سننے

تہ اذا ما مغنے جنلا سمر ا صحر کو قطع کیا جب ہان کے جٹا کا منفی انسان کوئی کر تھا،

صحرائین بدوون کی جھگڑوں میں شریک ہوتے تھے، جاڑوں میں جب بدواگ جلا کر بیٹھتے تھے تو

یہ بھی آگ تاپنے کو آجاتے تھے، لیکن جب ان کو کھانے پر بلاتے تھے تو وہ عذر کرتے تھے کہ ہم آدمیوں کی غذا نہیں کھا سکتے،

التواناری فقلت منون انتم وہ لوگ رات کو میرے پاس آتے تو میں نے کہا تم کوئی

فقالوا الجحقت عمو اظلاما انھوں نے کہا ہم جن میں ہیں کیا اس تاریکی میں خوش ہو

دعوت الی الطعام فقال منهم میں نے ان کو کھانے کیلئے بلایا، تو ان میں سے ایک سے وارنے کہا

زعیم نخسدا لانس الطعاما ہستم انسان کے کھانے پر حسد کرتے ہیں۔

یہ زیادہ تر جہان آباد تھے ان موضوعوں کے نام، بدی، بقار، اور عبقر تھے،

ع جن البدی واسیا اقداما بدی کے جن، جن کے قدم جمتے تھے۔

ع تحت السنور جنة البقار زہون کے نیچے بقار کے بھوت تھے،

ع علیہن فسیان کجنتہ عبقر اور ان پر شہسوار جو ان عبقر کے بھوت معلوم ہوتے تھے۔

ان کے اقامت حسب ذیل تھے،

جو آدمیوں کے ساتھ بل جُل کر رہتے تھے ان کو عامر کہتے تھے،

جو بچوں کو ساتتے تھے ان کا نام رُوح تھا،

جو زیادہ شریعتے اُن کو شیطان کہتے تھے،

اس درجہ سے بڑھکے جو شریعت پھوٹا تھا اسکو عسرت کہتے تھے،

یہ اکثر بچپن اور جوانوں کو اٹھالے جاتے تھے، حضرت علیؑ کے ایک بھائی طالبؑ تھے، اُن کو اٹھا لینگے اور پھر اُن کا پتہ نہ لگا، عمرو بن عدیؓ لُحی جو عرب کا بادشاہ تھا اس کو بھی اٹھا لے گئے تھے، لیکن کئی برس کے بعد، جذیمہ ابرش کو لا کر دے گئے،

اسی طرح خرافہ کا قصہ ہے جس کو جن اٹھا لے گئے تھے، مدت کے بعد وہ واپس آیا، تو عجیب عجیب باتیں بیان کرتا تھا،

ان اجنبی یا شیطین سے جن لوگوں کے تعلقات زیادہ بڑھ گئے تھے ان میں سے تائب شراً، اور ابوالہو
طوسی زیادہ مشہور ہیں، طوسی نے ایک دفعہ ایک بھوت کو مار ڈالا تھا اس کے واقعات ایک نظم میں لکھے ہیں
لَقِيتُ الْغُولَ تَسْرِي فِي ظِلَالِهِ مِِنْ غَوْلٍ بَرِيَا بَنِي سَلاَ جَوَارِتِ كَوْلَدِ سَيِّدِيْنَ حَلِيْمِيْنَ

فَصَدَّتْ وَانْتَحَيْتُ لَهَا بَعْضُ ب تو اس نے روکا، اور میں کین کی بنی ہوئی ایل تلوار لیکر

حِصَاہِ غَيْرِ مَوْتَشَبِ يَمَانِي اُس کی طرف بڑھا،

فَنَقَدْتُ سِرَاتَهَا وَالْبَرْدَ مِنْهَا تو اُسے اُسکے سر کو اور اُس کی زربون کو کاٹ ڈالا

فَخَرَّتْ لِّلْيَدَيْنِ وَلِلْجُفْرِانِ اور وہ دونوں ہاتھوں اور سینہ کے بھل زمین پر گر پڑا

انھیں اجنبی اور شیطین کا زور توڑنے کے لیے قرآن نے قیامت کے اس سوال و جواب کا انداز اختیار کیا، کہ اُن کے دوست انسان وہاں بھی اونکی دوستی کا دم بھرتے جائیں گے، اس سے اندازہ ہو گا کہ

سَلِّ شَمْلُكَ تَزِيدِي بَابَ اسْتِزْ یہ تمام تفصیل کتاب ایحوان، جاحظ سے ماخوذ ہے، اس نے کئی درج میں نہایت تفصیل

سے یہ واقعات لکھے ہیں، دیکھو کتاب مذکور، صفحہ ۸۰، جز ہشتم، مطبوعہ مطبع سعادت، مصر،

جاہل عربوں پر ان کا کس قدر استیلا تھا،

يَمْشِي الْجِنُّ قَدِ اسْتَكْبَرُوا مِنْ بَنِي اِنْسٍ
وَقَالَ اُولَئِكَ لِيُصْصِمُنَّ اِنْسٌ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ
بَعْضُنَا بِبَعْضٍ (النعام- ۱۵)

اسے جنوں کے گروہ! تم نے انسانوں سے بہت کچھ دیکھا
کیا، اور ان کے دوستدار انسان بولے، اسے ہمارے
رب! ہم میں سے ایک نے دوسرے کا کام نکالا،

کہانت اکہانت ایک سخت بلا تھی، جو تمام ملک میں پھیلی ہوئی تھی، ہر جگہ ایک یا کئی کاہن ہوتے تھے، جو ان واقعات کی پیشین گوئی کرتے اور آسمانی خبریں بتاتے تھے، اہل عرب کا اعتقاد اور خود کا ہنوں کا عقیدہ تھا کہ ان کے ساتھ ایک ایک جن رہتا ہے اور وہی انکو اتھا کرتا ہے، وہ اپنی شکل و صورت ایسی بناتے تھے کہ پہچان لیے جاتے تھے، چنانچہ ایک بار حضرت عمرؓ کے پاس سے ایک آدمی گذرا، انھوں نے قیافہ سے پہچان لیا کہ وہ کاہن ہے، اوسکو بلا کر پوچھا کہ "تیرے جن نے تجھ سے سب سے عجیب تر بات کیا بیان کی؟" اس نے کہا کہ میں ایک روز بازار میں پھر رہا تھا کہ میرا جن گھبرایا ہوا آیا، اور کہا،

الہ تترالی الجن وابلہا ویاہا من بعد
انکاسہا و لحد قہا بالقلاص و حلاصہا
کیا تم جنوں کی سرگئی دنگی نا! میدی اور انکے کاروبار
کی اتہری نہیں دیکھتے،

حضرت عمرؓ نے فرمایا سچ کہتا ہے، میں ایک روز زمانہ جاہلیت میں بتوں کے پاس سویا ہوا تھا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک آدمی نے ایک گوسالہ لاکر ذبح کیا اس کے بعد ایک شخص زور سے چلایا،

یا جلیج! امز یجیج رجل فصیح یقول لا الہ الا اللہ
اے جلیج، کامیاب امز ایک فصیح شخص لا الہ الا اللہ
کہتا ہے،

اس کے چند ہی دنوں کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی، صحیح بخاری (تفسیر سورہ الفتح) میں روایت ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کچھ علیل ہو گئے اور دو تین دن رات کو عبادت کے لیے نہیں اُٹھے

۱۔ کتاب البیان والنبیین ج ۱ ص ۱۳۱ مطبوعہ مطبعہ علمیہ مصر ۱۳۵۰ صحیح بخاری جلد اول ص ۵۲۵

اس پر ایک عورت (یہ ابواب کی زوجہ تھی) نے اگر آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) سے کہا،

انی ارجوان لیکن شیطانک قد ترکک میل خیال ہو کہ تیرے شیطان نے تجھ کو چھوڑ دیا،

یہ وہی خیال تھا، چونکہ کفار آپ کو کاہن خیال کرتے تھے، اس لیے اُن کو خیال تھا کہ آپ کے ساتھ کوئی

جن یا شیطان رہتا ہے، قرآن پاک نے اسی کی تردید اس آیت میں کی ہے،

هَلْ اُنَبِّئُكُمْ عَلٰی مَنْ تَنَزَّلُ الشَّيْطٰنُ ۝

کیا میں تمہیں بتاؤں کہ شیطان کس پر اترتا ہے، شیطان

تَنَزَّلُ عَلٰی كُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيمٍ ۝ یَلْقَوْنَ السَّمْعَ

ہر جھوٹے گنگار پر اترتا ہے، جو سنی سنائی بات اٹھا کرتے

وَاَكْثَرُهُمْ كَذِبُوْنَ ۝ (شعراء - ۱۱) ہن، اور وہ اکثر جھوٹے ہوتے ہن،

یہ کاہن تمام مقدمات اور نزاعات کا فیصلہ بھی کرتے تھے اور اس بنا پر تمام ملک پر اُن کا اثر چھایا ہوا تھا

ان میں سے حازمی، ثقی، سلح، عزمی، بہت مشہور تھے، جا حظ نے اُن کے کاہنہ فقرے، کتاب بیان میں

نقل کئے ہیں،

وَالْاَرْضُ وَالسَّمَاءُ، وَالْعَقَابُ وَالصَّبْعَاءُ

قسم ہے زمین اور آسمان کی اور عقاب اور آفتاب کی

وَاَقْعَةُ بَبْعَاءٍ، لَقَدْ اَفْرَأَ الْمَجْدُ بَنٰی

میدان میں واقع ہوا کہ بزرگی جو عشر، یہ غالب آگئی

الْعَشْرُ الْمَجْدُ وَالنَّسَاءُ،

بوجہ بڑائی اور بلندی کے،

یہ کاہن جو خبریں بتاتے یا تلقین کرتے وہ بڑے تکلف کے مقفی اور مستمع فقرے ہوتے، اس لیے جب

ایک دفعہ آنحضرت صلعم کے سامنے ایک ساقط اکل بچہ کا مقدمہ پیش ہوا، اور آپ نے اس کی دیت کا فیصلہ کیا تو ایک شخص نے

جو بچے دستور کے مطابق اعتراض کیا،

ارأیت من لا شرب ولا اکل ولا صا ح

غور فرمایا کہ جس بچے نے نہ کھا یا نہ پیا نہ چخا نہ رویا کیا اسکا

فاستحل الیس دمہ یطل

خون معاف نہ ہوگا،

آپ نے فرمایا یہ کاہنوں کے بھائیوں میں سے ہے، (صحیح مسلم و صحیح بخاری باب الکھانہ)

یہ کہن بجانوں میں رہتے تھے، اور کسی خاص بُت کے پجاری ہوتے تھے جب لوگ اُن سے غیب کی بات پوچھتے، یا وہ خود آئندہ کے متعلق پیشینگوئی کرنے لگتے، تو ایک خاص کیفیت اپنے اوپر طاری کرتے مرد بھی کہن ہوتے تھے، اور بعض عورتیں بھی ہوتی تھیں، جو کاہنہ کہلاتی تھیں، یہ مصیبتوں اور بلاؤں کے دور کرنے کے لیے بت پرستانہ علاج اور تدبیر بتاتے تھے، یہ اپنی کہانت کی اجرت میں بڑی بڑی رقم اور تدارنے وصول کرتے تھے، اسلام کے بعد ان میں جو مسلمان ہو گئے تھے، وہ علانیہ اپنے خدع و فریب کا اعتراف کرتے تھے، اُن کو نذر و نیاز اور اجرت کی جو رقم یا تحفہ ملتا، اُس کا نام حلوٰں الکاہن تھا، یعنی کاہن کے منہ میٹھا کرنے کے لیے تحفہ، اسلام نے اُس کو روک ڈیا،

غرض ان کاہنوں نے عوام فوری کا بڑا جال پھیلا رکھا تھا، اور یہ انہی کا اثر تھا کہ ملک کا ملک سیکرو قسم کی وہم پرستیوں میں مبتلا ہو گیا تھا،

شعرا کی نسبت بھی عرب کا خیال تھا کہ ہر شاعر کے ساتھ ایک شیطان رہتا ہے اور وہی اُس کا شاعرِ افا کرتا ہے، چنانچہ مخمل شاعر کی شیطان، عمر و کی بیٹی تھی، اور اُسے جو عرب کا مشہور شاعر تھا، اس کے شیطان کا نام سُحل تھا، اُسے خود کہتا ہے،

دَعَوْتُ خَلِيلِي مَسْحًا وَدَعَا لِي مِثْنُ نَفْسِي دَعَا لِي
بَجَهَنَّمَ يَدْعِي لِّلْهَجِينِ الْمَذْمُومِ اُسْكَ لِي هَجْنًا مَّوْجِبًا رَا
حَبَانِي اِسْتَحْيَا لِحُجَّتِي نَفْسِي فِدَا عَا مَحْكَوْمِي رَجَا دَوَسْتِي نَفْسِي جَانِ اُسْپَرِ فِدَا
بَا قَبْلِهِ حَيَا شَا اَلْهَشِيَا تِ مَرْجُمِ شَاوْنِ كِي قُوْتِ رَسْمِي رَجَا مَارِيوْ اَوْرَسَتْ تَحْرُكِي
جو اعلیٰ درجے کا شاعر ہوتا تھا اس کا شیطان یا جن مذکور ہوتا تھا، ابو النجم کہتا ہے،

لے بخاری جلد اول صفحہ ۱۷۱ کتاب الطب باب الکلمات ص ۱۷۱ بخاری لیسٹہ نئی کے دیوان مطبوعہ دیاناصفہ ۱۷۱ میں صرف پہلا شعر ہے اور اس کا بھی دوسرا مصرع اس طرح ہے، جھنار جھنار اللہ جین المذموم،

انی وکل شاعر من البشر ہر شاعر کا شیطان تو مونت ہے
شیطانہ انٹے وشیطانی ذکر مگر میرا شیطان مذکر ہے
شتقان اور شیبان، روساے شیاطین تھے جو شاعری سکھاتے تھے، ایک شاعر کو اس پر فخر تھا کہ
اس کا معلم اسی شیبان کی اولاد سے ہے،

ولی صاحب من بنی الشیصبان میرا ساتھی شیبان کی اولاد ہے
فطوراً اقول وطوراً اھو کا تو کبھی مین شعر کہتا ہوں کبھی وہ،

اوہام پستی | سانپ کو قتل نہیں کرتے تھے، یہ اعتقاد تھا کہ سانپ مارا جائے تو اس کا جوڑا اگر بدلہ لیتا ہے، یہ
اعتقاد تھا کہ مرنے کے بعد روح ایک پرند بن کر اڑتی رہتی ہے، اسکو ہامہ کہتے تھے، یہ اعتقاد تھا کہ پیٹ مین ایک
سانپ رہتا ہے جو بھوک کے وقت کاٹتا ہے، جو کام کرنا چاہتے تھے پہلے شگون لے لیتے تھے، مثلاً قسوت
کوئی پرند دہنی جانب سے اڑا تو مبارک سمجھتے تھے اور یا مین جانب سے اڑا تو اسوقت اس کام سے باز رہتے
تھے، بکری کے جب بچہ پیدا ہوتا تو اگر زہر ہوتا تو بت پر چڑھا دیتے، اونٹنی جب دس بچے جن لیتی اسکو چھوڑ دیتے
وہ ساند کی طرح چھوٹی پھرتی،

کسی شخص کے پاس جب اونٹوں کی تعداد ہزار تک پہنچ جاتی تو ایک اونٹ کی ایک آنکھ پھوڑ دیتے
تہ نظر نہ لگجائے، جب کبھی قحط پڑتا تو بیٹھیا دتہ کی دم مین گھانسن پھونس باندھ کر آگ لگا دیتے اور سمجھتے کہ اس سے
پانی برسیگا، سفر مین جاتے تو کسی درخت مین ڈورا وغیرہ باندھ کر گرہ لگا دیتے، واپس آکر دیکھتے اگر گرہ کھل گئی ہے
تو سمجھتے کہ انکی بیوی نے بدکاری کی، سفر مین راستہ بھول جاتے تو کپڑے الٹ کر پہن لیتے اور سمجھتے کہ اس سے
راستہ مل جاتا ہے، یہ خیال تھا کہ جو شخص لات و عزیمتی کو گالی دیتا ہے اس کو برص یا جذام ہو جاتا ہے، ہاتھوں
مین پتل کی انگوٹھی پہنتے تھے اور سمجھتے تھے کہ اس سے ضعف جاتا رہتا ہے،

لے ابو داؤد مطبوعہ بغداد جلد ۱ ص ۳۷۲ یہ باتیں بلوغ العرب اور الطوار العرب فیہ کتا بون بن مذکور بن لے مسند دارمی ص ۱۷۵ لے ابن ماجہ جلد ۱ ص ۱۰۰

اس قسم کے سیکڑوں اوہام پھیلے ہوئے تھے، جہاں شمار نہیں ہو سکتا، یہ تو اُن کے مذہبی حالات و خیالات تھے، انکی اخلاقی کیفیت بھی ایسی ہی ہست تھی، اُن کے اخلاقی متناہی میں سب سے نمایاں چیز انکی جنگجوئی تھی، جس نے اُن کو حد درجہ خونخوار، سنگدل اور سفاک بنا دیا تھا، جنگجوئی اور اُرداسی بات پر لڑنا، اور ایک دوسرے کا سر کاٹ لینا اُن کے نزدیک کوئی بات ہی نہ تھی، قبیلہ دوسرے قبیلہ سے، اور ہر خاندان دوسرے خاندان سے برسرِ پیکار تھا، ہر بچہ اپنے باپ اور عزیزوں کے قاتل سے انتقام لینے کے جذبہ میں پرورش پاتا تھا، اور جوان ہو کر اس مقدس فرض کو انجام دیتا تھا، اور اس طرح ایک لڑائی کا سلسلہ برسوں تک قائم رہتا تھا، انھیں لڑائیوں کو مورخین اور اہل ادب ایام العرب کہتے ہیں، جنگی تعداد سینکڑوں سے متجاوز ہے، میدانی نیشاپوری المتوفی ۱۱۸۵ھ نے کتاب الامثال میں اُن کا ۳۲ لڑائیوں کے نام بتانے کے بعد یہ لکھا ہے،

هذا الفن لا يتقصا ولا يحصا فاقصرت
 یہ فن شمار کا استقصا نہیں کر سکتا، اسلئے جو کچھ میں نے بیان
 علی ما ذکرک (جلد ۴ ص ۳۷ خیر مصر) کیا ہے، اسی پر میں نے قناعت کی،

یہ تمام لڑائیاں وہ ہیں جو اسلام سے چالیس پچاس برس پیشتر سے اسلام تک ہوئیں، اُن میں سب سے مشہور لڑائی عبس و ذبیان کی ہے، جس کا واقعہ یہ ہے کہ ان دو قبیلوں کے دو گھوڑے وحش اور غمیر اکٹھا ہی مقابلہ تھا، ان میں سے ایک فریق نے گھوڑے دوڑ کے قواعد کی خلاف ورزی کی، اور لڑائی ہو پڑی، یہ لڑائی ان دونوں قبیلوں میں پورے چالیس برس تک قائم رہی، دوسری مشہور لڑائی حرب لبوس ہے، اس کا واقعہ یہ ہے کہ لبوس نامی ایک قبیلہ کی عورت کی اونٹنی، کلیب بن وائل کے چراگاہ میں جا پڑی، کلیب نے اپنے تیر سے اس کے تھن کو زخمی کیا، اس بات نے قبیلہ میں آگ لگا دی، کلیب جان سے مارا گیا، اور بکرو و تغلب میں خونریز جنگ ہوئی، عکاظہ کے میلہ میں سلیم اور غطفان کے سرداروں میں کچھ منافقہ ہوا، چند روز کے بعد موقع پا کر ایک قتل کر دیا گیا، اس کے انتقام کے لیے خون کی ندیاں بہیں، بکرو و تمیم میں ایک چراگاہ کے مقابلے

میں خوزیر لڑائی ہوئی، اوس و خزیج مدینہ کے دو قبیلوں میں جو ہولناک لڑائیاں ہوتی رہیں، ان میں سب سے مشہور یوم بُعاث ہے، جہیں دونوں قبیلوں کے اکثر سردار کام آئے، اس لڑائی کا خاتمہ انصارِ مدینہ کی بیعت پر ہوا، قریش کی مشہور لڑائیوں کا نام ایامِ فجار ہے، ایک اور مشہور لڑائی کا نام وُوی قار ہے، الغرض معمولی سے اشتعال سے قتل تک نسبت پہنچتی تھی، قتل سے انتقام کا جذبہ پیدا ہوتا تھا، اور لڑائیوں کا ایک غیر منقطع سلسلہ قائم ہو جاتا تھا، ان میں لڑنا، اور مرنا اور مارنا جاہلیت کا شرف، اور قبیلہ کی آن سمجھی جاتی تھی، اور اس خون آشامی کا ذوق ان کی فطرتِ ثانیہ بن گئی تھی، ان لڑائیوں میں سفاکی، بیرحمی، اور قتل و غارت کی بدترین مثالیں پیش آتی رہتی تھیں،

شرابِ خوری | شراب جو ہر قسم کے فسق و فجور اور مظالم اور بدکاری کا سرچشمہ ہے، عربوں میں اس کا اس قدر رواج تھا کہ ہر گھر ایک میکہ بن گیا تھا، اس کا نہ پینا اس قدر ناموس بات تھی کہ جن چند آدمیوں نے اسلام سے پہلے اس کے پینے سے پرہیز کیا تھا، ان کے نام یاد رکھے گئے ہیں، دوست و احباب کسی گھر میں جمع ہوتے، شراب کا دُور چلتا، ساتھ ہی جوئے کھیلتے، ان میں اونٹوں کی ہار جیت ہوتی، جو حیتارہ جیتے ہوئے اونٹوں کو اسی وقت ذبح کر کے لوگوں کو کھلا دیتا، کبھی نشہ میں سرشار ہو کر خود صاحبِ خانہ اٹھ کھڑا ہوتا، اور اپنے اونٹوں کو کاٹ کاٹ کر ڈھیر کر دیتا، لوگ گوشت بھونٹتے، کباب لگاتے، اور کھاتے اور کھلاتے، اور اپنی اس بیجا فیاضی پر فخر کرتے، سامنے فاحشہ مغنیہ عورتیں گاتیں بجاتیں، اور اسی مخموری کے عالم میں بشرعی کی باتیں کرتے، جاہلیت کا مشہور شعارِ ظفر کہتا ہے،

وان تبغنی فی حلقة القوم تلفنی وان تقنننی فی الحوائیت تصطد
اگر تو مجھے لوگوں کے حلقہ میں ڈھونڈے تو پایکا اور اگر شراب خانوں میں مجھ کو شکار کرنا چاہے تو کر سکتا ہے،
منی تائنہ اصیحت کا سارویۃ وان کنت عنہا غائباً فاعن وازد

لہٰذا ان لڑائیوں کے مفصل حالات کے لیے دیکھو عقد الفریدا بن عبد ربہ جلد ۱۳ اور امثال میدانی لفظ "یوم"

جب بھی تو میرے پاس آئے ہیں تجھ کو شراب کا سیرپ یا لہ پلاؤں گا، اور اگر تو اس سے نیاز ہو کر نہ آئے، جا اور بے نیازی کر
 ند، امای بیض کا لہجہ وقینہ تروح الیہنا بین یدرد و مجسد
 میری نعل شراب کے ہنشین ستاروں کی طرح گورے چٹے ہیں ایک غنیہ جو شام کو ہار پائی تھی چٹا اور غریبی کپڑوں میں آتی ہے
 رحیب قطاب الجیب متھار فیکہ بجس النداسی لخصۃ المتجسرد
 اُس کے گریبان کا رنگ بڑا ہے، شرابی رفیقوں کی دست درازی سے مانوس اور اُس کے بدن کے برہنہ ہوتے لطیف ہیں
 اذ انحن قلنا اسمعینا انبرت لنا علی رسلہا مطر وقۃ لہ تشدد
 جب ہم کہتے ہیں کہ ہمیں سناؤ، تو آہستہ آہستہ ۔۔۔ نزاکت کے ساتھ آگے بڑھتی ہے،
 و ما زال تشرابی الخفق ولذتی وبیسی وانفاقی طریفی ومتلدی
 میری شراب نوشی اور لذت اندوزی اور اپنی مٹھلی کردہ اور موروٹی دولت کو خرچ کرنا میرا شعار رہا
 فلوک ثلاث هن من لذۃ الفسۃ وسجدت لہم اسفل متی قاهر عوقدی
 اگر تین باتیں نہ ہوئیں، جو ایک شریف کا لطف ذوق ہیں، تو تین اپنی مورت کی پروا نہ کرتا،
 فمنہن سبق العاذلات بشریۃ لعمیت متی ما نعل بالماء تنزید
 ان میں سے ایک تو نصیحت کرنے والیوں کی بات کا خیال کرے بغیر سرخ و میا رنگ شراب کا پیالہ پی لیا کہ جن فیالہ نہ ہو تو
 و تقصیر یدہا لدجن والدجن معجب بیہنکتہ تحت الحباء المعمد
 اور دوسری ہاتھ لگ کر گھٹائے دن کو اور وہ کیسا پر لطف نہ تھی کسی بلند خیمہ کے نیچے حسین مشرق سے لطف اندوزی میں چھو کرنا،
 کریم یروی نفسہ فی حیۃ ستعلم ان متناقدا ایئنا الصدی
 میں وہ فیاض ہوں جو اپنی زندگی میں اپنے آپ کو شراب پلا کر سیراب کرتا ہوا موت کے بعد معلوم ہو گا کہ ہم میں کیا کتنا
 و بزرگ بھو قد اتارت ہذا فحقی بولاد یوما اشتوی بعض سبب مستحرم
 کہنے سے بڑھے اوتار تھے، کہ میرے خون نے اس کے اکوڑ کو ڈرا دیا جب میں تنگی تلوار لے کر چلا

فسرت کھاتا ذات خیف جلالة عقيلة شیعہ کا الویل بلند

تو ایک موٹی اونٹنی جو ایک بڑے کی جو لٹھ کی طرح جھگڑا رہی تھی، قیمتی چیز تھی، سامنے آگئی

وقال الاما ذاترون بشارب شدید علیہا بغیہ متعدد

(تو اسے کو بچ کاٹ کر اسکو گرا دیا) تو اس بڑے نے کہا کہ اس بدست کو دیکھو جو جان بوجھ کر ظلم کر رہا ہے

فطل الاماء یمتلن حوارها وقسے علیہا بالسدیف المسرہا

تو نوڈیاں اس کے بچے کو بھوننے لگیں اور چربی دار کوہان کا گوشت لیکر روڑنے لگیں،

لبید بن ربیعہ جو عرب کا مشہور شاعر، اور سیدہ علقمہ کی محفل کا چوتھا ممبر ہے کہتا ہے،

بل انت لاتدرین کم من لیلۃ طاق لذید لھوھا وندامھا

بلکہ تو نہیں جانتی کہ کتنی کھلی ہوئی راتیں، جن کی دلچسپی اور منوشی پر لطف تھی

قد بیت سامرھا وغایۃ تاجر وافیت اذ ارفعت وعزمدامھا

میں اُن کا قہقہہ گو تھا، اور شراب فروش کی منزل میں آتا جا تا رہا جب شراب کی قیمت زیادہ، اور شراب گران ہو گئی

اُغلی السباء بکل ادکن عاتق او جنة قدحت وفض ختامھا

میں اس کی قیمت کو اور گران کر رہا تھا پانی خالی گنگ کی شک یا تم کو خرید کر چوپائیں بھری جاتی، اور اس کی ہر ٹوڑی جاتی،

وصبح صافیۃ وجذب کرینۃ بموت ترتتالہ ابھامھا

اور کتنی صبح کی صاف شراب، اور مغنیہ کا عود کو کھینچ کر، اپنے انگوٹھے سے دباننا

بادرت حاجتھا الدجاج بسحرة لاعل منها حین ہب نیا مھا

میں شراب کی ضرورت مرغ سحر سے پہلے پوری کی، تاکہ میں اسکے سونے والوں کے جاگنے سے پہلے دہراؤں،

تخلب ان قبیلون میں تھا جنہوں نے عیسائی مذہب قبول کر لیا تھا، لیکن اس مذہب نے بھی عربوں

کو اس بری عادت سے باز نہیں رکھا تھا، بلکہ شراب کی درآمد زیادہ تر انہیں عیسائیوں کے ملک شام سے ہوتی

سہی بنگلہ کا سب سے بڑا شاعر، اپنے فخریہ میں کہتا ہے:

الاهبی بصحنك فاصحينا ولا يتقى خموسا لاندرينا
 ہاں اپنا پیالہ لیکر اٹھ جا، اور مجھے صبح کی شراب پلا، اور اندر کے دشمنی کا وودن کی کوئی شراب بھی نہیں ہے
 مشعنة كأن الحصى فيها اذا ما الماء خالطها سبخينا
 پانی میں ملی ہوئی گویا آئین کو سم کے پھول پڑے ہیں، جب گرم پانی اُس میں ملاؤ،
 تجو ربذی اللبانة عن هواه اذا ما ذاقها حثي تلبينا
 غرضند عشق بھلا دے، اگر اس کو چکھ لے، یہاں تک کہ اس کو نرم کر دے
 ترى اللعز الشهيح اذا اُمرت عليه لماله فيها مهيينا
 تنگ دل بخیل پر بھی اگر اُس کا ایک دو رو گزاریا جائے تو وہ اپنی دولت کو ٹٹا دے
 صبت الكاس عناقر عمرى وكان الكاس يجرها اليمين
 اے عمر کی ماں! تو نے ہم سے پیالہ ہٹایا، حالانکہ پیالہ کا دور داہنی طرف تھا
 وما شرا الثلثة اهرى بصاحبك الذى لا تصبحينا
 حالانکہ تیرا وہ ہم نشین جس کو تو نہیں پلاتی، تین میں سب سے بدتر نہیں،
 وكاس قد شربت ببعلبك واخرى في دمشق وقاصرينا
 اور ایک وہ پیالہ جسکو بعلبک میں پیا، اور دوسرا وہ جو دمشق اور قاصرین میں پیا،

ان اشعار سے اندازہ ہو گا کہ جاہلیت میں شراب نوشی کا کیا عالم تھا، شراب فروشوں کی دوکانیں
 کسی ممتاز مقام پر ہمیشہ کھلی رہتی تھیں، اور نشان کے لیے وہاں جھنڈا اوڑا کرتا تھا، جسکو غایت کہتے تھے،
 (دیکھو اوپر لیبید کا دوسرا شعر) انتہا یہ ہے کہ تجارت کا لفظ "شراب فروش" کامرواف بن گیا تھا، ایک
 جاہلی شاعر عمرو بن قیسہ کہتا ہے،

اذا سعب الریط والمروط الی ادنی تجاری والفض المصا

(حماسہ)

یاد دہوہ دن جب میں اپنی چادر گھسٹتا ہوا قریب ترین شرابخانہ میں جاتا تھا اور اپنے گیسو ون کو جھاڑتا تھا

بدترین قریش کے جو دو لہتمند رُوسا مارے گئے تھے، ان کے مرثیہ میں قریش کا ایک شاعر خاص طور
ان کی بزم شراب، اور مجلس رقص و سرود کی بربادی کا ماتم کرتا ہے،

وماذا بالقلب قلب بدر من القینات والشرب الکراہ

بدگدھے میں رحیم مقولین کی لاشیں ڈالی گئی تھیں (ناپختہ والیون اور فیاض شرابیون کا ماتم)

شراب کے رواج عام کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ عربی زبان میں شراب کے ڈھائی سونام ہیں
اور علامہ مجد الدین فیروز آبادی نے خاص ان ناموں پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے، تمام گھرون میں شراب
کی مجلسیں قائم ہوتیں، گھر کی عورتیں اور چھوٹے بچے ساقی بنتے تھے، یہ شعرا پر گزر چکا ہے جس میں شاعر اپنی
بیوی سے کہتا ہے،

صنبت الکاس عناً ادم حمیرا اے ام عمر! تو نے شراب کا پیالہ ہم سے ہٹایا

وکان الکاس مجراھا الیمینا حالانکہ پیالہ کی گردش داہنی طرف سے تھی

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ اسلام لانے سے پہلے میں اپنے باپ (عباس) کی زبان سے کم سن
میں یہ سنا کرتا تھا، استقنا کاساً دہاقاً "شراب کا ایک لبریز پیالہ ہم کو پلا"

صحیح بخاری کتاب الاشریہ میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ جب شراب حرام ہوئی تو اُس وقت ایک مجلس
تھی جس میں حضرت ابو دجانہ، ابو طلحہ، ہبیل بن ابیہ، شریکؓ تھے اور میں جو کہ سب کچھ سن تھا ساقی گری کی خدمت انجام دے رہا تھا،
شراب سب تکلفی سے پی جاتی تھی، کس درجہ کے لوگ پیتے تھے، کس قسم کے افعال اس حالت
میں سرزد ہوتے تھے، اس کا اندازہ صحیح بخاری کی ایک روایت سے ہو گا جو حرمت شراب سے قبل کا واقعہ ہے:

صحیح بخاری، باب الحجۃ، جلد اول، ص ۵۵، صحیح بخاری باب ایام الحجۃ جلد اول، ص ۵۵، ایضا کتاب الغزوات، غزوہ بدر، ص ۵۵

غزوہ بدر میں حضرت علیؓ کو مالِ غنیمت میں سے ایک اونٹنی ملی تھی، خمس میں سے ایک اور اونٹنی آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے عطا فرمائی، حضرت علیؓ کا نکاح حضرت فاطمہؓ سے ہو چکا تھا، اور وہ دعوتِ ولیمہ کی طیارہ کر رہے تھے، ارادہ تھا کہ جنگل میں جا کر ذخیرہ (ایک گھنٹس کا نام ہے) لائین اور زرگرون کے ہاتھ فروخت کرے، اس ارادہ سے باہر نکلے تو دیکھا کہ ان کی اونٹنیوں کے کوہان کسی نے کاٹ لیے ہیں اور پیٹ چاک کر کے کلیجہ نکال لیا ہے، لوگوں سے پوچھا کہ یہ کس کا کام ہے؟ معلوم ہوا کہ پاس ہی ایک گھرمین حضرت حمزہؓ چند انصا کیسے شراب پی رہے تھے، ایک مہینہ نے گاتے گاتے یہ مصرع گایا،

اَلَا يٰ اَحْسَنُ لِلشَّرَابِ
اَسَے حمزہ! موئی اونٹنیوں کے لیے،

حضرت حمزہؓ تنوار لیکر اٹھے اور اونٹنیوں کے پیٹ چاک کر کے، ان کے کلیجے نکال لیے، حضرت علیؓ نے جا کر، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کو خبر کی اور یہ ماجرا بیان کیا، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے چادر اوڑھی اور حضرت علیؓ کو لیکر حضرت حمزہؓ کے پاس گئے، حضرت حمزہؓ مخمور تھے، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا، اور کہا تم سب میرے غلام ہو۔ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ حالت دیکھ کر چلے گئے، حضرت حمزہؓ نے سترہ من شہادت پائی ہے، اس وقت تک شراب حرام نہیں ہوئی تھی، شراب کی حرمت جس تدریج سے نازل ہوئی، اس سے اندازہ ہوگا کہ تمام ملک کس طرح اس میں مبتلا تھا، کس طرح وہ مقبول عام ہو چکی تھی کہ اس کی حرمت کی طرف ذہن منتقل نہیں ہوتا تھا، اور کیا یہ اور اشارہ سے گذرے جب تک صاف صاف ممانعت نہیں کر دی گئی لوگ سمجھ نہیں سکے،

ابوداؤد، کتاب الاثمہ میں روایت ہے کہ جب شراب کی ممانعت نازل ہوئی تو حضرت عمرؓ نے کہا،

”اے خدا! شراب کے بارہ من ہم کو صاف صاف بتا دے۔“ ان کے اصلی الفاظ یہ ہیں،

اللّٰهُمَّ بَيِّنْ لَنَا فِي الْخَمْرِ بَيِّنَاتٍ شَفَاءَ۔ اے خدا! شراب کے بارے میں ہمارے لیے شافی بیا کر دے۔

اس پر سورہ بقرہ کی یہ آیت اتری،

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ
 قُلْ فِيهِمَا آثَمُ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ
 لِلنَّاسِ وَإِنَّهُمْ لَكَاثِرُونَ مِّنْ نَّفْعِهِمَا
 لوگ تھے شراب اور قمار بازی کی نسبت سوال کرتے
 ہیں، تو کہہ دو کہ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے، اور
 لوگوں کے لیے فائدے بھی ہیں، لیکن فائدہ سے
 (بقرہ-۲۴)

اس آیت کے اترنے کے بعد بھی لوگ شراب پیتے پلاتے رہے، یہاں تک کہ ایک دفعہ ایک انصاری
 نے حضرت علیؓ اور حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ وغیرہ کی دعوت کی شراب کا دور چل رہا تھا کہ مغرب کی نماز کا وقت
 آگیا، ایک صاحب نے امامت کی، مگر نشہ کے خمار میں قل یا ایہا الکافرون کے سورہ کو کچھ کچھ پڑھ گئے، اس پر
 یہ آیت اتری،

اسے شراب کی حرمت کی یہ تدریجی صورت حضرت عمرؓ (ترمذی تفسیر مائده و البوداؤد کتاب الاشربة) حضرت ابوہریرہؓ (مسند احمد ج ۲ صفحہ ۲۵۱)
 اور حضرت علیؓ (البوداؤد کتاب الاشربة) سے مروی ہے، یہ بات کہ وہ کون صحابی تھے جنھوں نے نشہ کی حالت میں غلط سلا سو پڑھ
 دی تھی، روایات سے صاف طور سے ظاہر نہیں ہوتی، ایک روایت میں حضرت علیؓ کا نام ہے، دوسری میں عبدالرحمان بن عوفؓ کا
 نام اور تیسری میں کوئی مابعد مذکور ہے، حضرت الاستاذ نے سیرۃ جلد دوم (تاریخ احکام ذکر حرمت شراب) میں البوداؤد کتاب الاشربة
 کے حوالے سے حضرت علیؓ کا نام لکھ دیا تھا، مگر مزید تحقیق سے یہ نسبت مشکوک معلوم ہوتی ہے، اس خاص روایت کا مرکزی راوی عطاء
 بن اسائب عن ابی عبدالرحمن اسلمی ہے، ابو عبدالرحمن اسلمی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتا ہے، اس سے یہ روایت مختلف
 طریقوں سے آتی ہے، اور ہر ایک میں شراب پینے والوں، اور حالت نشہ میں نماز پڑھانے والے کے نام کا اختلاف ہے، چنانچہ ہر
 روایت کے اصل الفاظ یہ ہیں:-

وہ روایتیں جن میں حضرت علیؓ کا نام ہے،

۱- عن ابی جعفر الرازی عن عطاء بن السائب
 عن ابی عبد الرحمن السلی عن علی بن ابی
 طالب قال صنع لنا عبد الرحمن بن عوف
 طعاماً فداونا وسقانا من الخمر فاخذت
 الخمر منا و حضرت الصلوٰۃ فقد مونی
 فقرأت قل یا ایہا الکافرون لا تعبدوا
 ابو جعفر رازی نے عطاء بن سائب عطاء نے ابو عبد الرحمن
 اسلمی سے ابو عبد الرحمن اسلمی حضرت علی بن ابی طالبؓ سے روایت
 کی کہ ہم کو انھوں نے فرمایا کہ عبد الرحمن بن عوفؓ نے ہمارے لئے
 کھانا تیار کر لیا اور ہم کو مدعو کیا اور شراب پلائی، جب ہم شراب کے نشہ
 میں چور ہو گئے اور نماز کا وقت آیا تو لوگوں نے مجھ کو امام بنایا اور
 میں نے قل یا ایہا الکافرون کا اعلان کیا

لَا تَقْرُبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَارَى
حَتَّى تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ (نساء ۴۳)

نشہ کی حالت میں نماز نہ پڑھو، یہاں تک کہ تم جو کہو
اُسکو سمجھ سکو،

اس کے بعد جب نماز کا وقت آتا تو منادی اعلان کرتا تھا کہ کوئی مخمور نماز میں شامل نہ ہونے پائے۔

بقیہ حاشیہ ۲۱) ونحن نعبد ما تعبدون، فانزل الله
يا ايها الذين امنوا لا تقربوا الصلوة و
انتم سُكَارَى (ترمذی تفسیر نساء)

و نحن نعبد ما تعبدون، پڑھی، (پس خدا نے یہ آیت نازل
”یا ایہا الذین امنوا لا تقربوا الصلوة و انتم سُكَارَى“
یعنی مسلمانو! نشہ کی حالت میں نماز نہ پڑھو،

۲۔ عن سفیان حدیثنا عطاء بن السائب عن
ابی عبد الرحمن السلی عن علی بن عبد الرحمن
علیہ السلام ان رجلاً من الانصار
دعاه وعبد الرحمن بن عوف فسقاها
قبل ان تحرم الخمر فاتهم على في المغرب
فقهر قل يا ايها الكافرون فخط فيهما فزلت
لا تقربوا الصلوة و انتم سُكَارَى حتى تعلموا
ما تقولون (ابوداؤد کتاب الاشریہ)

۲۔ سفیان نے عطاء بن سائب سے عطاء بن ابوعبدالرحمان
سلی سے ابو عبدالرحمان سلی نے حضرت علی بن عبد الرحمن
روایت کی جو کہ انصار کے ایک شخص نے ان کو اور عبدالرحمان
بن عوف کو مدعو کیا اور تحریم شراب پہلے ان دونوں کو سزا
پلائی، پھر علی نے نماز مغرب کی امامت کی اور قل یا ایہا
الکافرون پڑھا، لیکن اس میں گڑبگڑ دیا، پس یہ آیت اتری
”لا تقربوا الصلوة و انتم سُكَارَى“ حتی تعلموا ما تقولون
نشہ کی حالت میں نماز کے پاس نہ جایا تاکہ کچھ کہتے ہو اُسکو جان

وہ روایتیں جن میں عبد الرحمن بن عوف کا نام ہے،

۳۔ عن سفیان عن عطاء بن السائب عن ابی
عبد الرحمن السلی عن علی بن عبد الرحمن
قال دعانا رجل من الانصار قبل ان تحرم
الخمر فقعد وعبد الرحمن بن عوف و
صلی یصوم المغرب فقهر قل يا ايها الكافرون
فالتبس عليه فنزلت لا تقربوا الصلوة و انتم
سُكَارَى، الاية (مسند رکھاکہ کتاب الاشریہ)

۳۔ سفیان نے عطاء بن سائب سے عطاء بن ابوعبدالرحمان
ابوعبدالرحمان سلی نے حضرت علی بن عبد الرحمن سے روایت
کی جو کہ تحریم شراب پہلے انصار کے ایک شخص نے حکم دیا
کیا تو عبدالرحمان بن عوف نے امامت کی اور انکو مغرب
کی نماز پڑھائی اور قل یا ایہا الکافرون پڑھا، لیکن اس میں
خلط ہو گیا، پس یہ آیت اتری لا تقربوا الصلوة و انتم سُكَارَى
الایہ، نشہ کی حالت میں نماز نہ پڑھو،

۴۔ سفیان عن عطاء بن السائب عن ابی
عبد الرحمن السلی عن علی بن عبد الرحمن
کان هو وعبد الرحمن ومثل اخر یشران

۴۔ سفیان نے عطاء بن سائب سے عطاء بن ابوعبدالرحمان
سے، ابن عبدالرحمان نے حضرت علی بن عبد الرحمن سے روایت
کی جو کہ وہ اور عبدالرحمان بن عوف اور ایک دوسرا آدمی شرب

لیکن چونکہ اب بھی مانعت کا کوئی عام حکم نہ تھا، اس لیے نماز کے علاوہ اور اوقات میں لوگ پیتے پلاتے رہتے تھے، حضرت عمرؓ نے پھر دعا کی، اتفاق سے اسی زمانہ میں بعض انصار نے حضرت سعد وقاصؓ کی دعوت لی، اُس میں شراب کا دور بھی چلا، یہ پی کر بدستی میں کہنے لگے کہ مہاجر انصار سے بہتر ہیں، اسپر بات بڑھی، اور مارت تک نوبت پہنچی، اس پر یہ حکم آیا، (صحیح مسلم فضائل سعد بن وقاص)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۱۶) الحکم فصلی بضم عبد الرحمن بن عدت فقه قل یا ایہا الکافرون فخلط فیہا فنزلت لا تقربوا الصلوۃ الایہ (مستدرک حاکم کتاب الاشریہ)

پی رہے تھے اور انکو عبدالرحمان بن عوف نے نماز پڑھائی اور "قل یا ایہا الکافرون" پڑھا جس میں خلط ملا کر دیا، اُس پر یہ آیت اتری، "لا تقربوا الصلوۃ" الایہ،

۵۔ خالد بن عبد اللہ عن عطاء بن السائب عن ابی عبد الرحمن ان عبد الرحمن صنع طعاما فانا من اصحاب النبی صلعم فیہم علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فقر قل یا ایہا الکافرون لا تعبدوا ما تعبدون ونحن عابدون ما عبدتم پڑھی، اس پر یہ آیت اتری "لا تقربوا الصلوۃ" (مستدرک حاکم کتاب الاشریہ) وہ روایت جہین نام کی تعین نہیں،

۵۔ خالد بن عبد اللہ عن عطاء بن السائب عن ابی عبد الرحمن ان عبد الرحمن صنع طعاما فانا من اصحاب النبی صلعم فیہم علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فقر قل یا ایہا الکافرون لا تعبدوا ما تعبدون ونحن عابدون ما عبدتم پڑھی، اس پر یہ آیت اتری "لا تقربوا الصلوۃ" (مستدرک حاکم کتاب الاشریہ)

۶۔ سفیان عن عطاء بن السائب عن ابی عبد الرحمن عن علی رضی اللہ عنہ قال دعا نازج من الانصار قبل تحویل الخمر فحضرت صلوۃ المغرب فتقدروا رجل فقتر قل یا ایہا الکافرون فالتبس علیہ فنزلت لا تقربوا الصلوۃ الایہ (مستدرک حاکم تفسیر سار) الزچہ روایتوں میں مختلف قسم کے اختلافات ہیں،

۶۔ سفیان عن عطاء بن السائب عن ابی عبد الرحمن عن علی رضی اللہ عنہ قال دعا نازج من الانصار قبل تحویل الخمر فحضرت صلوۃ المغرب فتقدروا رجل فقتر قل یا ایہا الکافرون فالتبس علیہ فنزلت لا تقربوا الصلوۃ الایہ (مستدرک حاکم تفسیر سار)

پہلی اور پانچویں روایت میں ہے کہ داعی عبدالرحمان بن عوف تھے، دوسری تیسری اور چھٹی میں ہے کہ داعی کوئی انصاری تھے، چوتھی میں دعوت کے بغیر مجلس شراب کا ذکر ہے،

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ
وَالْأَنصَابُ وَالْأَزْوَاجُ حَرَامٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ
فَاجْتَنِبُوا لَعَلَّكُمْ تَفْلَحُونَ (مائده: ۱۲)

اسے ایمان والو! بیشک شراب، جواہت اور پانے
ناپاک اور شیطان کے کام ہیں، تو ان سے بچو،
تاکہ فلاح پاؤ،

اس کے بعد شراب قطعاً حرام ہو گئی، حرمت شراب کی یہ آخری آیت جس وقت اتری ہے، حضرت
ابو عبیدہ امین، اور ابی بن کعب جو سید القراء تھے، ابو طلحہ کے گھر میں جماع تھے، اور شراب کا دور چل رہا تھا،

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۱) ۲۔ پہلی اور دوسری مین جو کہ امام حضرت علیؑ تھے جنھوں نے نشہ میں کچھ کا کچھ پڑھ دیا، تیسری چوتھی اور پانچویں
مین ہے کہ وہ امام عبدالرحمان بن عوفؓ تھے، اور چھٹی مین حضرت علیؑ سے روایت ہے کہ کوئی آدمی امام تھا،
۳۔ اور روایتوں میں ہے کہ اس دعوت کی مجلس میں شراب تھی، چھٹی مین شراب کا مطلق ذکر نہیں ہے، بلکہ وہ شخص جو امام
بناتا تھا، وہی شاید کہیں سے پی کر آیا ہو، گو کہ حرمت شراب پہلے پینا کوئی شرعی جرم نہیں، تاہم حضرت علی رضی اللہ عنہ کا پینا جو کچھ
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت و تربیت میں پل کر جو ان ہوئے، قیاس کے خلاف ہی، خصوصاً اس آیت کے بعد، قُلْ فِيْهِمَا اَلْاَشْرَارُ
(کہدے کہ شراب اور جوئے میں بڑا گناہ ہے) حضرت علیؑ کا پینا، اور بھی زیادہ واقفہ کی صحت میں شک پیدا کرتا ہے، پھر جب یہ دیکھا
جاتا ہے کہ اس روایت میں مختلف قسم کے ایسے اختلافات ہیں جو ناقابل تطبیق ہیں،

ان اختلافات کا راز اس وقت کھل جاتا ہے، جب ان کے راویوں پر نظر ڈالی جاتی ہے، سب پہلا راوی ابو عبدالرحمانؓ
جس کا نام عبداللہ بن حبیب ہے، وہ پہلے حضرت علیؑ کا طرفدار و حامی (شیعہ) تھا، بعد کو عثمانی (بنی امیہ کا طرفدار) اور حضرت علیؑ کا عین
ہو گیا، پھر اس کا یہ دعویٰ کہ اُس نے حضرت علیؑ سے سنا ہے، محدثین میں مسلم نہیں، بخاری نے اس کو مانا ہے، لیکن ابن ابی حاتم
نے اس سے انکار کیا ہے، روایت کے دوسرے راوی عطاء بن السائب کا حافظہ خراب ہو گیا تھا، اس لیے لوگوں نے اُس کو چھوڑ
دیا تھا، گو سفیان کی اس سے روایتیں حافظ کی خرابی سے پہلے کی سمجھی جاتی تھیں، مگر اوپر کی روایتوں میں دیکھو کہ خود سفیان کی
روایتوں میں بھی وہی ناقابل تطبیق اختلاف موجود ہے، ان وجوہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مختلف فیہ چیزیات غیر مسلمین اور واقعہ
کی اصلی صورت وہی ہے جو چھٹی روایت میں ہے، کہ وہ مجلس محض دعوت کی تھی، جہیں حضرت علیؑ اور دوسرے صحابہ موجود تھے، کہ
ناز کا وقت آگیا، اور ایک صاحب جو غمور تھے، ناز پڑھانے کھڑے ہو گئے، اور آیتین غلط سلط پڑھ دیں، چونکہ اس واقعہ کے راوی
حضرت علیؑ تھے، اور وہ دعوت میں بھی شریک تھے، اس لیے یا تو ابو عبدالرحمانؓ کی عثمانی نے فرقہ داری کے جذبہ میں یا عطاءؓ نے ذرا
بھول میں، واقعہ کی نسبت اودھر سے اودھر کر دی،

اس آخری چھٹی روایت کی تائید حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے ہوتی ہے، جس کی سند اس پورے سلسلہ سے الگ اور
مستقل ہے

عن ابی ہریرۃ قال سمعت النضر بن سواد قال سمعت رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم یقولون الخمر والیسر فسالوا رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم فانزل اللہ علی نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم یسئلونک

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا کہ
شراب تین بار میں حرام کی گئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
لائے تو لوگ شراب پیتے تھے، اور جوئے کا مال

ساتی گری کی خدمت حضرت انسؓ سے متعلق تھی، چنانچہ صحیح بخاری، کتاب الاشرار میں، خود حضرت انسؓ کی زبانی روایت ہے،

كُنْتُ اسْقِى اباعبیدة واباطلحة و
ابنکعب۔۔ فجاءهم ات فقال ان
الخمر حرام۔۔

حرام ہو گئی،

بقیہ تمام (۱) عن الخمر والمیسر قل فیہما اثم کبیر
ومنافع للناس واتھما اکبر من نفعھما
الاۃ فقال الناس ما حرّم علینا انھما
قال فیہما اثم کبیر وکانوا یشریون
الخمر حتی اذا کان یوم من الایام وصلے
رجل من امھاجرین اذ اصبحا برفی
المغرب خلط فی قراءتہ فانزل اللہ
فیہا ایتۃ اعظمتھما یا ایھا الذین امنوا
لا تقرّبوا الصلوٰۃ وانتم سکاوی حتی تعلوا
ما تقرّبون، وکان الناس یشریون حتی
یاقی احدہم الصلوٰۃ وہو مفیق، ثم انزلت
آیت اعظمت من ذلک یا ایھا الذین امنوا انھما
الخمر والمیسر ولا زکاة رجس من عمل
الشیطان فاجتنبوا لعلکم تفلحون۔ فقالوا
انتھینا ربنا (مسند احمد جلد ۲ ص ۳۵)

اس میں حضرت علیؓ کا کہیں ذکر بھی نہیں، حضرت علیؓ جیسے قرآن کے صاحب فہم کی نسبت یہ خیال کرنا کہ پہلی آیت کے اشارہ سے وہ شراب کی حرمت کو نہ سمجھ سکے تھے، قبول کے قابل نہیں، محدثین میں حاکم نے مستدرک میں چھٹی روایت کو لکھ کر بیان کیا کہ اس واقعہ میں حضرت علیؓ کا نام شامل کرنا خواجہ کی کارستانی ہے جس کی تردید اس روایت سے ہو جاتی ہے جس کو خود حضرت علیؓ

کہ اس جلسہ میں گیارہ بزرگ شریک تھے جن میں حضرت معاذ بن جبل بھی تھے، اس موقع پر لحاظ کے قابل بات ہے، کہ اگرچہ یہ مدتوں کی عادت تھی، اور اس وقت بھی سب نمازین جہوم رہے تھے، تاہم چون ہی یہ آواز آئی کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے شراب کی ممانعت کر دی، کسی نے پوچھا گچھا تک نہیں اور دفعہ جام و سبوتوڑا لے، یہ صرف ابو طلحہ کے گھر کا حال نہ تھا، بلکہ تمام مدینہ کے گلی کوچوں میں شراب کی ندیاں گہنیں، بخاری، باب المظالم میں ہے،

فَجَرَتْ فِي سِكَكِ الْمَدِينَةِ مَدِينَةٍ كَلْبُونَ مِنْ شَرَابٍ بَتِي بِهَرْتِي تَقِي

ان ندیوں کی روانی سے اندازہ ہوگا کہ عرب میں شراب نوشی کی کثرت کا کیا عالم تھا، قمار بازی | شراب خواری کے ساتھ ساتھ ان میں قمار بازی کا بھی عام رواج ہو گیا تھا، عرب کے مال دولت کا ماتر سرمایہ اونٹوں کے چند گلوں تک محدود تھا، اس لیے جو ابھی انھیں کے ذریعہ سے کھیدا جاتا تھا، چنانچہ ایک جاہل شاعر اپنے حریف سے کہتا ہے،

أَعْيَرْتَنَا الْبَاخِضَ وَالْحَصَا وَذَلِكَ عَادِيَانِ رِيْطَةَ ظَاهِر

کیا تو ہم پر عیب لگاتا ہو کہ ہم اونٹ کا دودھ اور گوشت کھاتے ہیں اور ان کی ریٹھ پر عیب نہیں لگ سکتا

نَحَابِي بِهَا الْكُفَاءُ نَا وَفَعَيْنَهَا وَنَشْرَبُ فِي انْتِمَائِهَا وَنَقَامِصُ

ہم نکو اپنے ہسٹرن کو بطور عطیہ کے دیتے ہیں اور انکو ہماری میں صرف کرتے ہیں انکی قیمت خریدتے اور جو کھیتے ہیں

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۱۹) روایت فرماتے ہیں، حاکم کہتے ہیں،

وَفِي هَذَا الْحَدِيثِ فَايِدٌ تَا كَثِيرَةٌ وَهِيَ

الْحُجَابِجُ تَنْسِبُ هَذَا السُّكْرَ وَهَذَا الْقَهَاءُ

إِلَى امِيرِ الْمُؤْمِنِينَ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ وَنَا

غَيْرَ لَا وَفَدَ بَرَاءَةُ اللَّهِ مِنْهَا، فَاِنَّهٗ رَاوِي

هَذَا الْحَدِيثِ (مُسْتَدْرَكُ تَفْسِيرِ جُمُوحِ ۲ ص ۳۲)

اور اس حدیث میں بہت بڑا نکتہ ہے اور وہ یہ ہے کہ

خوارج نے اس نشہ اور اس فساد قرأت کو امیر المؤمنین

علی بن ابی طالب ہی کی طرف منسوب کیا تھا، تو خدا نے

ان کو اس سب الزام سے بری کر دیا کہ وہی اس

حدیث کے راوی ہیں،

مفسر

در حقیقت، وہ واقعہ صرف راوی تھے، لیکن عثمانی اور خارجی راوی نے خود حضرت علی کو صاحبِ واقف بنادیا، اس طرح ابی جہل و انصار

طبع اول صفحہ ۳۳۰ بحوالہ روایت ابی جہل

اس غرض سے اونٹوں کو ذبح کر کے ان کے گوشت کو دس ٹکڑوں میں تقسیم کر دیتے تھے اور ان ہی ٹکڑوں پر پانچ ڈالتے تھے، ان پانسوں کی صورت یہ تھی کہ دس تیر مقرر کر لیے تھے، جن کے نام یہ ہیں: قذ، توام، رقیب، حلس، ہسل، مقل، مناض، منیج، سفیج، وند، ان میں ہر تیر کے مختلف حصے معین کر لیے تھے اور جب جو اکیلے تھے تو ان کو ایک تھیلے میں ڈال کر ایک منصف شخص کے ہاتھ میں دیدیتے تھے، وہ اول کہ گڈ کر کے ایک ایک تیر کو ایک ایک شخص کے نام پر نکالتا جاتا تھا، جس کے نام پر وہ تیر نکلتے تھے جن کے حصے مقرر تھے وہ کامیاب ہوتے تھے، اور جن تین تیروں کا کوئی حصہ نہ تھا، وہ جس کے نام پر نکلتے ان کو ناکامیابی ہوتی تھی، اس طرح گوشت کے جو ٹکڑے جمع ہو جاتے تھے، ان کو فقیروں اور محتاجوں اور دوستوں پر تقسیم کر دیتے تھے، چونکہ یہ فیاضی کے اظہار کا ایک طریقہ تھا، اس لیے قمار بازی کی مجلسوں میں شریک نہ ہونا ایک قومی عار تھا، اور اس قسم کے لوگوں کو نہایت بخیل خیال کرتے تھے، اور ان کو "برم" کا خطاب دے رکھا تھا جو لوگ یہ خطاب حاصل کر لیتے تھے ان سے شادی بیاہ کرنا تنگ عار خیال کیا جاتا تھا، چنانچہ ایک جاہلی شاعر اپنی بی بی کو وصیت کرتا ہے ۷

واذا هلكت فلا تریدي عاجزا غساولا برما ولا معزلا

اور اگر میں ہلاک ہو جاؤں تو عاجز، کمزور، اور جوے میں نہ شریک ہونے والے اور فقیر قوم سے مل کر رہنے والے نہ بن کر رہا

جوے کی ایک صورت جس کو "رہان" کہتے تھے یہ تھی کہ کسی شرط پر بازی لگاتے تھے اور جب وہ شرط پوری نہیں ہوتی تھی تو جس چیز پر بازی لگائی جاتی تھی او سکولے لیتے تھے، چنانچہ جب رومیوں اور ایرانیوں میں جنگ ہوئی اور بادجود رومیوں کی شکست کے قرآن مجید نے پیشین گوئی کی کہ ان کو چند سال میں ایرانیوں پر غلبہ حاصل ہو جائے گا، تو کفار نے حضرت ابو بکرؓ سے اسی قسم کی شرط لگائی، اور اس فتح کے لیے چھ برس کی مدت مقرر کی، چنانچہ جب یہ مدت گزر چکی اور رومیوں کو فتح و ظفر نصیب نہیں ہوئی، تو حضرت ابو بکرؓ نے

۷ یہ پوری تفصیل تفسیر کبیر جلد ۲ ص ۱۱۳ میں ہے،

کو بازی ہار جانا پڑی، رفتہ رفتہ اس قمار بازی کا مذاق ان میں اس قدر عام ہو گیا تھا کہ لوگ مالی دولت
ٹھوچکنے کے بعد بی بی اور بال بچوں پر بازی لگا دیتے تھے، یہ قمار بازی اور وہ بھی شرب کی بدستی کے عالم
میں اکثر اپٹ اور لڑائی پر ختم ہوتی تھی، عیس و ذبیان کی چل سالہ جنگ گھوڑ دوڑ ہی کی قمار بازی کا نتیجہ تھی
حصول دولت اور کسب شہرت کے اس غلط طریقہ سے خاندان کے خاندان تباہ ہو جاتے تھے،

سود خواری | عرب میں سود خواری کا عام رواج تھا، تمام دولت مند سود پر لین دین کرتے تھے، حضرت عباس ^{علیہ السلام} بن عبد
نے جو قریش کے سردار اور آنحضرت ^{صلی اللہ علیہ وسلم} کے چچا تھے، تجارت کا کاروبار نہایت وسیع پیمانے پر پھیلا رکھا تھا،
اور اس تعلق سے سود خواری میں نہایت شہرت رکھتے تھے، چنانچہ آنحضرت ^{صلی اللہ علیہ وسلم} نے جب حجۃ الوداع
میں سود کی حرمت کا اعلان کیا، تو سب سے پہلے ان ہی کے سود کو باطل قرار دیا، حضرت عثمان اور خالد بن ولید
سود پر قرض دیتے تھے، سعود ثقفی طائف کا مشہور رئیس تھا، اور اس کے بھائی عبدیاسیل بھی بن رسیہ نہایت
دولتمند تھے، بنو مغیرہ ان ہی لوگوں میں سود پر دوا دوسند کرتے تھے، چنانچہ جب طائف فتح ہوا، اور یہ چاروں
بھائی اسلام لائے، تو انھوں نے مغیرہ سے سود کا تقاضا کیا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی،

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِن كُنتُمْ مُؤْمِنِينَ (بقہ ۳۸) چھوڑ دو،
مسلمانو! خدا سے ڈرو اور بقیہ سود کو، اگر تم مسلمان ہو، تو

ان کے علاوہ طائف ایک سرسبز اور دولت مند شہر تھا، اس لیے وہاں کے لوگ عموماً سود پر بیوی ہار
کرتے تھے، چنانچہ آنحضرت ^{صلی اللہ علیہ وسلم} نے ان سے جن شرائط پر مصالحت کی ان میں ایک ضروری شرط
یہ بھی تھی کہ وہ لوگ سود خواری نہ کریں گے، اسی طرح یمن کے خبرانی سود اگر بھی سودی کاروبار کرتے تھے،
ان سے بھی یہی شرط لگی ہے،

۱۔ ترمذی ۱۰۱۱۰ جو ہے کسی اس صورت کو یہاں کہتے تھے، اور اب تک وہ حرام نہیں ہوئی تھی، ۲۔ تفسیر کبیر جلد ۲ ص ۳۱،
۳۔ ایضاً ص ۵، ۴۔ فتوح البلدان طرازی فتح طائف، ۵۔ البداؤد کتاب الامارۃ،

سود کا عام اور متداول طریقہ تو یہ تھا کہ ایک معین شرح پر قرض دیتے تھے اور اس المال کے ادا کرنے کے لیے میعاد مقرر کر دیتے تھے جب میعاد گزر جاتی تھی تو اس کا تقاضا کرتے تھے، اگر دیون اس کو ادا نہیں کر سکتا تھا، تو میعاد میں اور اضافہ کر دیتے تھے، اور اس کے عوض میں شرح سود بڑھا لیتے تھے، لیکن اس نے رتی کر کے ایک نہایت ظالمانہ صورت اختیار کر لی تھی، جو سود در سود سے بھی زیادہ خطرناک تھی، یعنی ایک میعاد متعینہ کے لیے کسی کو مثلاً سو روپیہ دیتے تھے، لیکن مدت گزر چکی اور تقاضا کرنے پر دیون اس رقم کو ادا نہیں کر سکتا تھا تو میعاد اور بڑھا دیتے تھے، لیکن اس کے معاد ضمن میں اس المال میں بھی اضافہ کر دیتے تھے، یہاں تک کہ کبھی کبھی یہ اضافہ دو گنی چو گنی مقدار تک پہنچ جاتا تھا، اس طرح اضافہ ہوتے ہوتے دیون کی کل جائداد مستغرق ہو جاتی تھی، یہ معاملہ زیادہ تر غریبوں اور کاشتکاروں کے ساتھ پیش آتا تھا جس کا نتیجہ یہ تھا کہ غریبوں اور کاشتکاروں کا تمام طبقہ چند دو لاکھ روپے اور خصوصاً یہودیوں کے ہاتھ میں گرا

قرآن مجید کی یہ آیت اسی طریقہ سود کو مٹانے کے لیے نازل ہوئی،

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبُخْلِ ۖ وَمَنْ يَخْشَ الْيَوْمَ الْآخِرَ ۖ فَغَنَىٰ
مُضَاعَفَةٌ ۖ وَالَّذِينَ لَا يَدْرِكُونَ ۖ وَلِلَّهِ كَلِمَةُ الْآخِرِ ۚ

مسلمانو! دونا چار گنا سود نہ کھاؤ اور خدا سے ڈرو، یقین ہے کہ تم کامیاب ہو جاؤ،

سود کے علاوہ قرض کے متعلق اور بھی مختلف قسم کی ناجائز بخیلتان پیدا ہو گئی تھیں، مثلاً اگر راہن سہنا متعینہ پر مال مرہونہ کو چھڑانہ سکتا تھا، تو مرہون اس کا مالک ہو جاتا تھا، مال و دولت سے گذر کر غریبوں اور بال بچوں تک کو رہن رکھواٹے،

لوٹ مار عرب میں روز کی لوٹ مار نے اگرچہ ہر قبیلہ کو عارت کر اور راہن بنادیا تھا، تاہم بعض قبائل میں اس قسم کے خاص خاص جھگڑے قائم ہو گئے تھے، جنہوں نے راہن کو اپنا بالکل ذریعہ معاش اور عام مشغلہ بنالیا تھا، اس قسم کے لوگوں کو ”لصوص“ کہتے تھے، اور قبیلہ سطلہ کو عرب میں عام طور پر بد شہرت حاصل

سلطہ موطا امام مالک رحمہ اللہ ۳۱۵ بخاری، قتل کعب بن اشرف،

تھی، وہ اسی گروہ کی بدولت تھی،

یہ گروہ شہر سے باہر میدانوں میں جھگڑوں میں، پہاڑ کے کھوون میں رہتا تھا، اور ادھر سے جو مسافر یا قافلے گزرتے تھے ان کو لوٹ لیتا تھا، ان کا استیصال صرف ایک پرزور نظام حکومت ہی سے ہو سکتا تھا جو عرب میں مفقود تھا، چنانچہ قبیلہ طے کے عیسائی سردار عدی بن حاتم مسلمان ہو کر جب آپسے ملنے آئے اور اپنے ان سے یہ پیشین گوئی کی کہ وہ دن آئیگا جب حیرہ سے ایک پردہ نشین عورت بے خوف و خطر حضرت کا سفر کریگی تو چونکہ وہ قبیلہ طے کے ایک رئیس تھے اور ان کو اس قبیلہ کے ڈاکوؤں کا حال معلوم تھا، اس لیے ان کو تعجب ہوا کہ میں طے کے لصوص کیا ہو جائینگے؟

ہر قبیلہ دوسرے قبیلہ کے مال و دولت، مویشی، بلکہ اہل عیال تک پر ڈاکہ ڈالنے کے لیے تیار رہتا تھا، تاجروں اور سوداگروں کے قافلے بغیر کسی بھاری انعام کے کسی میدان سے سلامت گزر نہیں سکتے تھے، ایک قبیلہ دوسرے قبیلہ کی عورتوں اور بچوں کو پکڑ کر کسی دوسرے کے ہاتھ فروخت کر دیتا تھا، اور مویشیوں کو ہانک کر لے جاتا تھا، صبح کا وقت جبکہ رات بھر چلنے کے بعد مسافر آرام کرتے تھے اس کام کے لیے مخصوص ہو گیا تھا، چنانچہ ”صبح“ کا لفظ عربی میں لوٹنے کے معنی میں جاہلیت میں عام طور سے بولا جاتا تھا، کامیاب ڈاکو اپنے کارناموں کو نظم کرتے تھے، اور غزیر پڑھتے تھے، ایک قبیلہ کا شاعر حارث نامی ڈاکو کے سلامت نکل جانے پر کہتا ہے،

یا لھف زیابۃ للحارث الصالح فالغانم فلائب

اے زیابہ کا افسوس حارث کے لیے جو صبح کو ڈاکہ ڈالنے والا، پھر لوٹنے والا پھر سلامت واپس جاؤ والا ہے

حج کے تین مہینوں میں بہتہ وہ اس پیشہ سے باز رہتے تھے، لیکن اس سے زیادہ مدت پر وہ صبر نہیں کرتے تھے، اور چونکہ ہر قبیلہ دوسرے قبیلہ کے مال و دولت اور مویشی پر موقع پا کر اسی طرح تصرف کرتا تھا، اس لیے وہ اس کو عیب نہیں، بلکہ بہادری کا کام سمجھتے تھے، اور اس طرح ملک میں مسلسل قتل و غارت اور لوٹ مار کا طریقہ

چونکہ یہ چوری عربوں کی اقتصادی کمزوری کا نتیجہ تھی اس لیے اس کیلئے غیر وسیع پیمانہ کی تخصیص نہ تھی بلکہ اس کا اثر عزیزو اقارب، ہمسایہ، دوست و آشنا، خاندان، غرض سب پر پڑتا تھا، چنانچہ مدینہ میں، بشر، بشیر، بشر بن آدمی تھے، جنکو بنو اسیرق کہا جاتا تھا، ان میں بشر منافق تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جوہن شعر کہہ کر دوسروں کی طرف منسوب کر دیتا تھا، یہ لوگ نہایت تنگ دست اور فاقہ مست تھے، انھوں نے رفاعہ نامی ایک شخص کے بالا خانہ سے جبین ہتھیار، تلوار، اور زرہ وغیرہ بھی رکھی ہوئی تھی، نقب لگا کر چوری کی، اپنے رفاعہ کے ہتھیار واپس دلا لیکن رفاعہ نے اُن کو خدا کی راہ میں وقف کر دیا اور بشیر بھاگ کر مشرکین سے جا ملا،

مردوں کے علاوہ عورتیں بھی اس مرض میں گرفتار تھیں، اسی لیے قرآن پاک نے عورتوں سے معیت لینے وقت یہ عہد لینے کی بھی تاکید کی کہ اَنْ لَا یَسْرِقْنَ (ممتحنہ ۲) یعنی وہ چوری نہ کریں گی، شرفاء اگر اس الزام میں پکڑے جاتے تو وہ چھوڑ دیئے جاتے تھے، اس لیے یہ برائی رکھنے نہیں پاتی تھی، چنانچہ اسلام کے بعد بھی جب قبیلہ مخزوم کی ایک عورت نے چوری کی تو اس پر قریش کو سخت تردد ہوا اور لوگوں نے کہا، اس کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کون سفارش کریگا؟ لوگوں نے اسامہ بن زید کو منتخب کیا، جنکو آپ بہت پیار کرتے تھے، انھوں نے سفارش کی تو آپ نے فرمایا "تم حدود اللہ کے متعلق سفارش کرتے ہو؟ پھر کھڑے ہو کر خطبہ دیا، اور اس میں فرمایا کہ گذشتہ تو میں، صرف اس لیے ہلاک ہو گئیں کہ جب شریف آدمی چوری کرتا تھا تو اس کو چھوڑ دیتے تھے، اور ضعیف چوری کرتا تھا تو اس کو سزا دیتے تھے، خدا کی قسم اگر فاطمہ بنت محمد بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ کاٹ لیتا،

خود شہر کے اندر اس قسم کے واردات کی یہ حالت تھی کہ صفوان بن امیہ ایک روز ایک بیش قیمت چادر ڈھک کر سو رہے تھے، ایک شخص نے موقع پا کر اس کو اڑا لیا، وہ گرفتار کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لایا گیا، تو آپ نے اُس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا صفوان کو اُس پر رحم آیا، اور اگر عرض کی کہ یا رسول اللہ ایک چادر کے لیے

ایک عرب کا ہاتھ کاٹا جائے گا، آپنے فرمایا میرے پاس لانے سے پہلے ہی اسکا خیال رکھنا تھا، حاکم تک پہنچنے کے بعد کسی کو سفارش کا حق حاصل نہیں ہے،

سفاکی ویرجی و دشت | رات دن کی لوٹ مار اور کشت و خون سے رندوں کے تمام اوصاف پیدا ہو گئے تھے، زندہ اونٹ اور دنبہ کے کوہان اور چپستان کا ٹکڑا بک لگاتے اور یہ انکی بڑی مرغوب غذا تھی،

زندہ جانوروں کو درخت وغیرہ سے باندھ دیتے اور ان پر تیر اندازی کی مشق کرتے لڑائیوں میں جانور عورتوں کے پیٹ چاک کر ڈالتے، مقتولوں کے ناک کان کاٹ لیتے اور عورتیں ان کے ہار بنا کر پہنتیں، منت مانتے کہ دشمن کو قتل کرینگے تو اسکی کھوپری میں شراب پیگیے،

سزا دینے کا ایک یہ طریقہ تھا کہ مجرم کو دو درختوں کی ٹہنیوں میں جھکا کر اس کے اعضا ان میں باندھ دیتے، اور پھر ٹہنیوں کو چھوڑ دیتے، مجرم کا بدن چمک کر ٹہنیوں کے ساتھ رہ جاتا،

کبھی کبھی عورتوں کو گھوڑے کی دم سے باندھ کر گھوڑے کو سرپٹ ڈال دیتے، اس کے بدن کے ٹکڑے اڑ جاتے، اس قسم کی سزائیں اکثر عرب کے سلاطین اور رؤسا دیا کرتے تھے،

کبھی آدمی کو کسی کو ٹھہری میں قید کر کے اس کا کھانا پانی بند کر دیتے تھے، یہاں تک کہ وہ اسی طرح بھوک اور پیاس سے تڑپ تڑپ کر مر جاتا تھا، اس طریقہ سزا کا نام ان کے ہاں صبر تھا، مردوں کی قبر پر باندھ دیتے تھے، اور اسکو کھانے کو نہیں دیتے تھے، وہ چند روز میں مر جاتا تھا، سمجھتے تھے کہ یہ مردے کی سواری بنیگا، اس اونٹ کو "بلیہ" کہتے تھے،

زنا اور فواحش | زنا اور فحش و فجور عام تھا، اور یہ واقعات، فحشہ اشعار میں بیان کیے جاتے تھے، امرا انھیں عرب کا سب سے بڑا شاعر تھا، اس کے ساتھ شاہزادہ اور والی ملک تھا، اس نے اپنی پھوپھی زاد بہن غیزہ اور اور عورتوں کے ساتھ جو افعال شنیعہ اور بیجا بیان کیں، قصیدہ لایہ میں فخر کے ساتھ تفصیل سے لکھی ہیں، باوجود اس کے

اس قصیدہ کے اشعار عرب میں بچہ بچہ کی زبان پر تھے،

ابن عباس سے روایت ہے کہ اہل جاہلیت کو بالا اعلان زنا کو جائز نہیں سمجھتے تھے، لیکن چھپے چوری کرنے کو جائز سمجھتے تھے، اور کہتے تھے کہ کھلم کھلا کرنا تو مکینہ پن ہی، لیکن چھپ کر کرنے میں مضائقہ نہیں، فاحشہ عورتیں گھر و کے سامنے جھنڈیاں لگا کر بیٹھتی تھیں اور صاحب لڑیاات کہلاتی تھیں، انکی اولاد اصلی اور حلالی اولاد کے برابر سمجھی جاتی تھی، اسلام سے پہلے ایسی عورتیں خود کو مکہ معظمہ میں تھیں، ان میں سے ایک کا نام عناق تھا، مرنہ عنق نے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) سے اجازت مانگی کہ میں عناق سے نکاح کروں، اُس پر یہ آیت اتری،

وَالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَا الْكَلْبُ لَا زَانٍ وَلَا زَانِيَةٌ (نور) اور زانیہ عورت سے زانی یا شرک ہی نکاح کرتے ہیں،

بڑے بڑے دوسا گھر کی لونڈیوں کو یہ حکم دیتے تھے کہ بدکاری کے ذریعے سے جا کر کچھ کمالائیں، اور انکی نذر ٹرین، عبداللہ بن ابی، مدینہ کا رہیں تھا، اور اس درجہ کا شخص تھا کہ ہجرت سے پہلے تمام انصار نے تلج بنو الیاء تھا کہ اسکو بادشاہ بنا کر پہنائیں گے، چنانچہ صحیح بخاری میں یہ واقعہ منقول ہے عبداللہ بن ابی کی دو لونڈیاں تھیں، ایک کا نام میکہ اور دوسری کا نام امیمہ تھا، وہ ان دونوں کو زنا کاری کرنے پر مجبور کرتا تھا، اس پر قرآن مجید کی یہ آیت اتری،

وَلَا تَكْرِهُوا فَتِيَاتِكُمْ عَلَى الْبِغَاءِ (سورہ نور: ۴) اپنی لونڈیوں کو زنا پر مجبور نہ کرو،

موجودہ طریقہ کے علاوہ، نکاح کی اور چند قسمیں جاری تھیں، جو حقیقت میں بدکاری ہی کی قسمیں تھیں، ایک یہ کہ کوئی شجاع اور بہادر شخص ہوتا تو اپنی عورت کو اس کے پس بھجیتے کہ اس سے بہتر ہو، بچہ پیدا ہوتا تھا تو سمجھتے تھے کہ امین بھی وہی اوصاف آجائینگے جسکا یہ نطفہ ہے، دوسرا طریقہ یہ تھا کہ چند آدمی جنکی تعداد ایک وقت دن سے زیادہ نہیں ہوتی تھی، کسی عورت کے

پاس جاتے اور سب اس سے مصححت ہوتے جب وہ حاملہ ہو جاتی اور بچہ جنمی تو سب کو بلوا بھیجتی اور کسی ایک سے لیتی تھی کہ یہ بچہ تمہارا ہے، اسکو قبول کرنا پڑتا، اور پھر وہ اسکا بیٹا سمجھا جاتا،

تیسرے طریقہ یہ تھا کہ فاشہ عورتیں جو سر بازار جھنڈیاں لگا کر بیٹھتی تھیں، اُن کے لڑکا پیدا ہوتا تو قیافہ شناس کو بلوا بھیجتیں، وہ صورت شکل دیکھ کر بتاتا کہ فلاں شخص کا لفظ ہے، عورت اسکو بلا کر کہتی کہ یہ تمہارا بچہ ہے، صحیح بخاری کتاب النکاح میں یہ تینوں طریقے تفصیل سے مذکور ہیں،

ایک اور قسم ہاراضی نکاح کی جاری تھی اور وہ یہ تھی کہ کسی عورت سے مدت متعینہ کے لیے نکاح کر لیتے تھے، اُس مدت کے گزرنے کے بعد اسکی اجرت دیکر اسکو الگ کر دیتے تھے، اسکو مٹھہ کہتے تھے، اسلام نے شروع میں اسکو ضرورۃً چندے باقی رکھا، پھر ہمیشہ کے لیے اس کو حرام کر دیا،

بشری و بیحالی شرم و حیا کا وجود نہ تھا، حج کعبہ میں ہزاروں لاکھوں آدمی جمع ہوتے لیکن (قریش کے سوا) باقی سب مادرِ زاد تنگے ہو کر کعبہ کا طواف کرتے، عورتیں جب تنگی ہو کر طواف کرتیں تو لوگوں سے کہتیں کہ کوئی ہم کو اتنا کپڑا دیتا کہ ستر عورت ہو جاتا، پھر یہ شعر پڑھتیں،

اليَوْمَ يَبْدُو بَعْضُهُ اَوْ كَلَّةٌ آج بدن کا کچھ حصہ کھلے گا یا سارا

فَمَا بَدَا مِنْهُ فَلَا اُحْلَهُ اور جو کھلا ہو اس لطف اٹھانے کی میں جا نہیں پتی،

صحیح مسلم باب التفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے یہ روایت نقل کی ہے،

نہاتے وقت اوٹ نہیں کرتے تھے، کھلے میدان میں بے ستر ہو کر نہاتے تھے،

پاخانہ پشیا ب کے وقت پردہ نہیں کرتے تھے، جلدوں میں ہٹھکتے تو بیویوں سے ہم صحبتی کے تمام دوا

بیان کرتے،

سوتیلی ماؤں پر ورانہ قبضہ کر کے بیوی بناتے،

لے فرائی باب الاستسار عند الغسل لے ابو داؤد کتاب الطہارۃ لے ابو داؤد کتاب النکاح باب پاکہ بن کر ارحل یا کیوں میں احادیث

عورتوں پر ظلم | عورتوں کی حالت نہایت خراب تھی، مویش کے مترادف میں سے ان کو کچھ نہیں ملتا تھا، عوب کا قول تھا کہ میراث اسکا حق ہے جو تلوار پر کڑ سکتا ہو، اسی بنا پر چھوٹے بچے بھی وراثت سے محروم رہتے تھے، لڑائیوں میں مفتوحہ قبیلہ کی عورتیں، عین میدان جنگ میں، فاتحین کے تصرف میں آجاتیں، اگر صلح ہو جاتی اور عورتیں واپس دیدیجاتیں، تو باد جو داس کے کہ سب کے ناموس برباد ہو چکے ہوتے، بدستور گھروں میں لے لیجاتیں، اور یہ کوئی غیب نہیں خیال کیا جاتا تھا، فاتحین اس تصرف پر فخر کرتے اور اشعار میں ادا کرتے، بنو جثہ نے جب بنو عامر پر فتح پائی تو ان کی عورتوں کو عین میدان جنگ میں رسوا کیا، فردوق نے اس شعر میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے،

فطلت وظلت یرکبون ہبیرھا تو لوگ عورتوں پر متصرف ہو گئے،
ولیس لھم الا عوالہما ستر اور اگر کوئی پردہ بیچ میں تھا تو صرف بستر تھے،
قبیلہ قیس اور بنو دادم میں جو معرکہ ہوا جو جر حان کے نام سے مشہور ہے اسکی نسبت جریر کہتا ہے۔
فکحت نساء ہم بغیر مھوسر ان کی عورتوں سے بغیر نہر کے نکاح کیا،
عمر و معدیکرب، عرب کے مشہور بہادر اور شاعر تھے، ان کی بہن ریحانہ کی عصمت اسی طرح جب برباد ہوئی تو عمر و نے کہا،

امن ریحانۃ الداعی السميع کیا ریحانہ کی طرف سے کوئی پکارنے والا سننے والا؟
یوترقنی واصحابی ہجوع جس نے گو مجھے بے خواب کھا ہی لیکن میرا جاب سوتے ہیں
اذا لم تستطع امرافدعہ اگر تم کسی کام کو نہ کر سکو تو اس کو چھوڑ کر،
وجا و نزل الی ما تستطیع وہ کرو جو کر سکتے ہو،
طلاق کے لیے کوئی مدت اور عدت نہ تھی، یعنی جب تک شوہر چاہے، عورت نہ شوہر کے پاس رہ سکتی تھی، نہ کسی اور سے شادی کر سکتی تھی،

مکاح کی کوئی حد نہ تھی، غیلان بن سلمہ ثقفی جب اسلام لائے تو انکی دہلیز بیویاں تھیں، وہ سب اس نے اسلام قبول کیا تو آٹھ بیویاں ان کے عقد نکاح میں تھیں۔

دو حقیقی بہنوں سے ایک ساتھ نکاح کرتے، باپ مرجاتا تو اسکی کل بیویاں (بجز حقیقی ماں کے) بیٹے کے تصرف میں آتیں اور اسکی جائز بیویاں سمجھی جاتیں،

ایام کے زمانہ میں، عورتوں کو الگ کر دیتے، اور ان کے ساتھ کھانا پینا چھوڑ دیتے،

عورت جب بیوہ ہو جاتی تو گھر سے باہر ایک نہایت تنگ کوٹھری رہنے کو اور خراب سے خراب کپڑا پہننے کو دیے جاتے، خوشبو وغیرہ کی قسم کی کوئی چیز استعمال نہ کر سکتی، اس حالت کے ساتھ جب پورا سال گزر جاتا تو ایک بکری یا گدھا لاتے، اس سے وہ اپنے جسم یا... کو مس کرتی، پھر کوٹھری سے باہر نکلتی اور اسکے ہاتھ میں مینگنی دی جاتی، وہ مینگنی کو پھینک دیتی اسوقت سوگ سے نکل آتی اور قدیمی حالت قائم ہوتی عورت کا جو ہر مقرر ہوتا وہ باپ کو ملتا، عورت کو اس سے سروکار نہ ہوتا،

غرض مجموعی حیثیت سے، عورت، بدترین مخلوق، اور ہر قسم کی جبر و تعدی کا تختہ گاہ بنتی تھی، رفتہ رفتہ یہاں نوبت پہنچی کہ جس کے گھر میں لڑکی پیدا ہوتی اسکو سخت سزا دیتے، اور شرم کے مارے لوگوں سے چھپتا پھرتا،

وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُمْ بِالْأُنْثَىٰ ظَلَّ

وَجْهَهُ سُودًا أَوْ هُوَ كَظِيمٍ يَتَوَارَىٰ

مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوءِ مَا بُشِّرَ بِهِ

أَيُّسِرُكُمْ عَلَيْهِ هَؤُلَاءِ إِذْ يَدْعُ

فِي التَّرَافِطِ (سورہ نحل - ۷)

اسکو قبول کرے یا زندہ زمین میں دفن کر دے،

ابو حمزہ ایک رئیس تھا، اُس کے لڑکی پیدا ہوئی تو اس نے گھر میں رہنا چھوڑ دیا، اس پر اسکی بیوی یہ شعر

سے ابو داؤد، کتاب النکاح، ص ۱۷۰ ابو داؤد، کتاب النکاح، باب احوال المتوفی عنہا زوجہا،

پڑھ پڑھ کر بچی کو لوریان دیتی تھی،

مَآلَی حَمْرَہ لَآ یَا نَبِیْنَا ابو حمزہ کو کیا ہو گیا ہے کہ ہمارے پاس نہیں آتا
بَیْتُ فِی بَیْتِ اللّٰہِی تَلٰمِیْنَا اور ہمایہ کے گھر میں رات بسر کرتا ہے،
غَضَبَانَ الْاَمْلٰہِ الْبَیِّنَا اسپر ناراض ہو کہ ہم بیٹے نہیں جانتے
تَاللّٰہِ مَا ذَاکَ بَایِدَیْنَا خدا کی قسم یہ ہمارے اختیار کی بات نہیں،
وَنَحْبُکَ الْزَّرْعَ لِزَارِعِیْنَا ہم بطور کھیت کے ہیں،
نَنْبِتُ مَا قَدْ زَرَعُوْا فِیْنَا ہم میں جو بویا جائے گا وہی اگے گا،

رفقہ رفقہ دختر کشی کی رسم جاری ہو گئی، لڑکی پیدا ہوتی تو اسکو میدان میں لپکا کر زمین کھودستے اور زندہ گاڑ دیتے،
اس کو عربی میں فاد کہتے ہیں،

ایک صاحب نے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں آکر ظاہر کیا تھا کہ انھوں نے اپنے ہاتھ سے
آنحضرت کو زندہ دفن کیا ہے،

عورت کو وراثت کا کوئی حصہ نہیں ملتا تھا، ان کا قانون تھا کہ وراثت کا حق اُمّی کو ہے جو تلوار چلائے،
عورت بیوہ ہونے کے بعد اپنے شوہر کے وارثوں کی ملک سمجھی جاتی تھی، وہ اگر اگر بیوہ پر چادر ڈالتا تو وہ اسکی
جائزہ خولہ بن جاتی،

وحشت و جہالت | حرام حلال کی کوئی تمیز نہ تھی، ہر چیز اور ہر جانور جو کھا سکتے تھے کھاتے تھے، خمرات الارض
عام غذا تھی، چھکلی تک کھا جاتے تھے، خون کو کھا لیتے اور قاشین تراش کر کھاتے، مردہ جانور کھانا عام بات
تھی، پچھڑے کو آگ میں بھون کر کھاتے، زندہ جانور کا گوشت کھا کر کھا لیتے تھے، گردن مڑو کر کڑکڑ سے سے مار کر،

۱۔ تفسیر ابن جریر وابن کثیر تفسیر سورہ فاذا الشمس کسرت، تفسیر سورہ یوسف ص ۱۸۸، فاذا کبر الذاکون شل سقا لا ننبین ۳۱ تفسیر
۲۔ کلا تفسیر سورہ، ۳۔ ایضا النزول سہوٹی آیت، ۴۔ وحوش ص ۱۸۸، ۵۔ علیہ السلام، ۶۔

زندون کا مارا ہوا، سب کھاتے تھے، گدھے کا گوشت بھی کھاتے تھے،

عرب کا مشہور جاہلی شاعر اُمّی مہیون جس نے آغاز اسلام کا زمانہ پایا ہے اور اہل ادب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں اسکا ایک قصیدہ نقل کیا ہے، اُس میں وہ اسلام کی تائید میں اہل عرب کو حین باتوں کی طرف متوجہ کرتا ہے، وہ یہ ہیں،

وَأَيُّكَ وَالْمِثْلُ لَا تَاكُلْتُمْهَا وَلَا تَأْخُذُونَ سِمْكَاتِهَا الْقَصْدَا

مرداروں سے پرہیز کرو اور اُن کو نہ کھا، اور نہ تیرے جانور کو قصد و گیر مار کر کھا،

وَذَا النِّصْبِ الْمَنْصُوبِ لَا تَسْكُنْتُمْهُ وَلَا تَعْبُدُوا أَوثَانًا وَاللَّهُ فَاعْبُدَا

اُدھر کھڑے کئے ہوئے بتوں پر قربانی کر اور نہ بتوں کی پوجا کرو اور اللہ کی عبادت کرو،

وَالسَّائِلِ الْمَحْرُومِ لَا تَرْكَنْتُمْهُ لِعَاقِبَةٍ وَلَا الْاَسِيرِ الْمُقْتَدِ

اور محروم بھیکے مانگنے والے کو کسی انجام کو نہ چھوڑو اور نہ زنجیر میں بند رہنے والے سے قیدی کو،

وَلَا تَسْخَرْنَ مِنْ بَالِسٍ ذِي ضَرَاةٍ وَلَا تَحْسَبَنَّ الْمَرْءَ يَمَّا عَجَلَا

اور نہ کسی مصیبت زدہ نفس سے ٹھٹھا کرو اور نہ کہی یہ سمجھو کہ آدمی ہمیشہ رہنے والا ہے،

وَلَا تَقْرَبْنَ جَارَةَ اَنْسَبِهَا عَلِيكَ حَرَامٌ فَانْكَحْنِ اَوْ تَابِدَا

اور نہ اپنی ہمسایہ خاتون سے بدکاری کرو وہ تجھ پر حرام تو یا نکاح کرے اور یا کنوارا جاوے



عربوں کے خصوصیات

خیرالائم بننے کی اہلیت

لیکن ان تمام مفاسد اور برائیوں کے باوجود اہل عرب میں کچھ ایسی خصوصیتیں بھی تھیں جو دنیا کی تمام قوموں میں انھیں کے ساتھ مخصوص تھیں اور انکی انھیں فطری اور طبعی خصوصیات و امتیازات کا اثر تھا کہ خلاق فطرت نے ان کو اپنی تہوت و رسالت اور تعلیم و شریعت کا اہل سمجھا، اور ان کو اپنے اس خلعت خاص سے سرفراز کیا، صحت نسب | ان خصوصیات میں سب سے پہلی چیز انکی صحیح النسب ہے، شمالی عرب کے تمام قبیلے حضرت ابراہیمؑ کی اولاد اور انکی نسل سے تھے اور یہ بات ایسی مشہور و متواتر روایتوں سے ثابت تھی کہ کسی نے انکی تردید کی ہمت نہیں کی تو ان نے حضرت ابراہیمؑ کی جن اولادوں کے نام بتائے ہیں ان میں سے ایک ایک نام کا سراغ عرب کی پرانی آبادیوں میں ملتا ہے، چنانچہ ریورنڈ فارسٹر نے ۱۸۷۷ء میں عرب کا جو تاریخی جغرافیہ لکھا ہے، اس میں پوری دلیل اور تفصیل اور شہادتوں کے ساتھ ان آبادیوں کا پتہ لگایا ہے، اور انکی جگہیں متعین کی ہیں، قدیم یہودی مورخ یوسفوس نے بھی یہی لکھا ہے، اور آجکل ایک یہودی فاضل ڈاکٹر اسرائیل ولفسون نے تاریخ الیہود فی بلاد العرب ایک کتاب لکھی ہے، اس میں بھی اُس نے اس واقعہ کو تسلیم کیا ہے، اور انکی صحت پر ویلین پیش کی ہیں، اور بعض حال کے مناظر عیسائیوں کے علاوہ اس واقعہ کے تواتر میں کسی نے شک نہیں کیا ہے، اور غالباً اسی پلے سینٹ پال نے اپنے خطوط میں عرب کی ہجرہ کی تائید کی ہے، اور قرآن پاک نے اہل عرب اور قریش کو خطاب کر کے صاف کہا ہے،

۱۔ ترجمہ انگریزی ص ۲۲، جلد اول صفحہ ۲۵، تاریخ الیہود فی بلاد العرب لا اسرائیل ولفسون مطبوعہ مطبعۃ الاعمال مصر ۱۹۱۵ء
۲۔ سینٹ پال لکھتیوں کے نام باب ۴-۲۵،

مسئلہ آبیکھا ابراہیم (ج) تمہارے باپ ابراہیم کا مذہب

حضرت ابراہیم تک نام بنام سلسلہ نسب کے پہنچے ہیں پتھون کی کمی نشی، یا نامون کا گھٹنا بڑھنا ممکن ہے، مگر مجموعی حیثیت سے یہ دعویٰ کہ حضرت ابراہیم کی اولاد تھے کسی حیثیت سے مشکوک نہیں ہے، خصوصاً جب اس کے ساتھ خارجی تہذیب پر بھی نظر کر لیا جائے کہ وہی تمدن اور طرز معاشرت جو تورات میں حضرت ابراہیم اور ان کے اہل و عیال کی نظر آتی ہے، اسلام کے عہد تک بلکہ آج تک وہ اسی طرح عربوں میں قائم و باقی ہے، وہی خیمے ہیں، وہی مہاجر ہیں، وہی مویشی ہیں، وہی بدویانہ زندگی ہے، وہی رسوم و رواج ہیں، جبکہ اسلام نے اگر اور زیادہ نکھار دیا، وہی بیت اللہ حج اور قربانی کی عبادتیں ہیں، اور یہ ایسا کھلا قرینہ ہے جو آج بھی یورپ کے محققوں کی نگاہوں کے سامنے ہے، مشہور جرمن محقق نولڈیک کہتا ہے،

”اور نیز عربوں میں قدیم سامی کیرکٹراں نے خالص رنگ میں باقی سمجھا جاتا ہے، اور انکی زبان اہل زبان کے بہت قریب ہے۔“

اہل عرب کو اپنے حسب و نسب کی حفاظت کا جو خیال و لحاظ تھا اس کے ذکر سے عرب کی تاریخیں معلوم ہوتی ہیں چنانچہ نسب پر فخر کرنا انکی شاعری کا اور نسی مفاخرت انکی تقریر کا سب سے بڑا موضوع تھا، اپنے باپ و ادوں کے سلسلہ ناموں کو یاد رکھنا ان کا خاندانی فرض سمجھا جاتا تھا، یہاں تک کہ انسانوں سے ہٹ کر جانوروں (گھوڑوں) تک کے نسب نامے وہ محفوظ رکھتے تھے قبائل کے نسب و تعلقات کو یاد رکھنے والے خاص خاص ہر قبیلہ میں موجود رہتے تھے اور یہی سبب ہے کہ آج بھی ان کے اکابر اور مشاہیر کا سلسلہ نسب آپ کو معلوم ہو سکتا ہے، اور اس پر بہت سی اہم کتابیں لکھی گئی ہیں، اور یہ وہ خصوصیت ہے جو دنیا میں صرف اہل عرب کیساتھ مخصوص ہے، یہود اور بنی اسرائیل بھی گو حضرت ابراہیم ہی کی نسل سے تھے، مگر وہ بھی اس خصوصیت میں انکی برابری نہیں کر سکتے کہ دوسری قوموں کے اختلاط اور میل جول اور کسی خاص وطن نہ ہونے کے سبب انکی اکثر خاندانی خصوصیتیں مٹ گئیں۔

لے انسانیکلو پڈیا یا ریختہ طبع یا زوہم، مضمون ”السنہ سامیہ“ میں نے ارض القرآن جلد اول صفحہ ۱۸۱ پر مدلل بحث کی جو اور علی یورپ کے حوالے کیا کر رہے ہیں،

نسب بجائے خود کوئی فخر کی چیز نہیں، اسی لیے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمل کے مقابلہ میں نبی فخر کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کر دیا، لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد کی ہدایت کے لیے جو دعا کی تھی، اور ان کو جس بیت اللہ کی پاسبانی سپرد کی تھی اور ان میں ایک نبی کی بعثت کی جو دعا مانگی تھی، اور خدا نے ان کی نسل میں دینی اور دنیاوی برکات کے عطا کرنے کا جو عہد کیا تھا، ان سب کے پورا ہونے اور ان کے حقیقی مصداق بننے کے لیے نسل ابراہیم کی صحیح النسب کی ضرورت تھی، اور اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان کو اس شرف کے ساتھ مخصوص کیا،

کسی پہلے مذہب میں نفل تھے | اسی طرح ان کو ان تمام اثرات سے محفوظ رکھا جو قوموں کے عادات و اخلاق اور استعداد کو بدل دیتے ہیں، مثلاً وہ باوجود اس کے کہ ہر چار طرف سے مختلف بڑے بڑے مذہبوں سے ٹکرا رہے تھے، مگر کوئی مذہب ان کو فتح نہیں کر سکا تھا، جو نیست خلیج فارس سے لیکر مین تک حکمران تھی، یہودیت میں اور حجاز کے تجارت گاہوں پر قابض تھی، عیسائیت اپنی فوج و لشکر، اور راہبوں اور قیسوں کے دل بادل کے ساتھ، مین سے لیکر شام کے حدود تک پھیلی تھی، اور بعض افراد اور بعض قبیلوں کو وہ برے نام عیسائی بنا بھی چکی تھی، مگر پورا عرب بدستور اپنی خاص حالت پر باقی تھا، عرب میں جو نیک طبع اور دیندار لوگ ہوتے تھے، وہ مجوسی یا یہودی یا عیسائی ہونے کے بجائے اپنے کو دین ابراہیمی کا پیرو کہتے تھے، اور اسی لیے اپنے مذہب کا نام دین حنیفی رکھتے تھے، اور یہ سب اس لیے ہو رہا تھا تا کہ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ دین ابراہیمی کی دعوت و تجدید کا راستہ کھلا رہے،

محکوم نہ تھے | عرب کا ملک تخلیق عالم کے آغاز سے اسلام تک، ہر غیر قوم کی حکومت سے ہمیشہ آزاد رہا، شمالی عرب نے کبھی کسی قوم کی غلامی نہیں کی، بابل کے تخت نصر نے بنی اسرائیل کو زیر و زبر کر دیا، مگر عرب کی طرف آنکھ نہ اٹھا سکا، یونانیوں اور رومیوں نے مصر سے لیکر عراق کی سرحد تک صدیوں تک حکومت کی، مگر خاص عرب کے اندر قدم نہ رکھ سکے، سکندر نے اور اس کے بعد کے رومی سپہ سالاروں نے جب ادھر نظر اٹھائی تو فطرت نے ہمیشہ ان کو شکست دی، عرب کا ملک دنیا کی دو عظیم شان حکومتوں، یعنی ایران اور روم کی سرحد پر واقع تھا، مگر وہ دونوں اپنے حرص و آز کا ہاتھ او کی طرف بڑھانے سے قاصر رہیں گے، تاریخ عیسائی جشیون نے مین خراج کرنے

کے بعد ہاتھیوں کے جھڑپ کیساتھ مکہ معظمہ پر چڑھائی کی، مگر قدرت الہی نے اُن کو تباہ کر دیا یہ تمام اہتمام و انتظام اسیلئے تھا کہ کوئی دوسری جابرانہ قوت اُن کے دل و دماغ کی استعداد کو برباد نہ کر سکے، انکی آزادی کی رنج برقرار اور انکی فاشیائے طاقت بدستور قائم رہے، تاکہ یہ مخفی خزانہ خدا کے آخری مذہب کی حکومت کے قیام و بقائیں کا رآمد ہو۔

کتابی فاضلہ سے نا آشنا تھے جس طرح وہ خارجی اثرات سے پاک تھے، اسی طرح صحیفہ فطرت کے سوا ہر قسم کے کتب الہی علم سے وہ نا آشنا تھے یعنی اس ذریعہ سے بھی وہ دوسری قوموں کے دماغی اثرات سے محفوظ تھے اور علم کی جاہلانہ اور کج بحثانہ ذہنیت سے پاک تھے، وہ امی تھے تاکہ ایک امی معلم کی ربانی تعلیم کے قبول کرنے کے لیے ہر طرح تیار رہیں،

زمین کے وسط میں آباد تھے عرب کا ملک پرانی دنیا کے وسط میں واقع ہے، ایک طرف ایشیا، دوسری طرف افریقہ، اور تیسری طرف یورپ کا راستہ اُس سے قریب ہے پھر بحری جاسے وقوع نے اسکو جزائر اور دور دراز ملکوں سے قریب کر دیا تھا اس لیے عرب کے نکل کر وہ ایک طرف عراق ہو کر ایران، ترکستان، خراسان، ہندوستان تک پہنچ گئے، اور دوسری طرف شام ہو کر مصر، افریقہ، الجزائر، یونان، مراکش اور اسپین تک جا پہنچے، اور بحری راستوں سے ایک طرف سے تمام جزائر افریقہ، حبشہ، زنجبار، پھو، اور جزائر ہند، جاوا، سلاوا، اور چین تک اور اُس طرف ساہیرس، کریٹ اور سیلی تک، یہ تمام مواقع اس لیے میسر آئے کہ عرب کی جائے وقوع اس دعوت کے لیے مناسب مرکز تھا فرض کرو کہ اگر اس دعوت کی جگہ ہندوستان یا چین ہوتی تو اسپین اور سیلی تک پہنچنے کے لیے کتنا عرصہ درکار ہوتا، پھر یہ کہ اسوقت تک دنیا میں دو مشرقی اور مغربی طاقتوں کے زیر فرمان تھی، ان دونوں کے زور کو برابر طور سے اور ایک ساتھ توڑنے کیلئے عرب کے سوا دنیا میں کوئی جگہ نہ تھی، جہاں سے دونوں پر ایک ساتھ حملہ کرنا، اور دنیا کو اُن کے خون آشام پنجوں سے نجات دینا باسانی ممکن ہوا، بعض اخلاقی خوبیاں ان کے علاوہ اہل عرب کو خیر الائم بننے اور عالم کے لیے شاہد نمونہ اور منسلح جہنم کے لیے کچھ اور اخلاقی خوبیوں کی بھی ضرورت تھی اور وہ اُن میں بدرجہ اتم موجود تھیں ان خوبیوں کے بغیر وہ اسلام کی

عظیم الشان تحریک کے علم بردار نہیں ہو سکتے تھے، اور نہ وہ دنیا کی رہنمائی کا فرض انجام دے سکتے تھے۔
 شجاع و بہادر تھے | وہ حد سے زیادہ شجاع و بہادر تھے، وہ خطرات سے بخوف تھے، وہ لڑائی کو کھیل سے زیادہ ^{قدرت} نہیں دیتے تھے۔ یہی سبب ہے کہ وہ تمام دنیا کی قوموں اور سلطنتوں کے مقابلہ میں تہنا کھڑے ہوئے اور کسریٰ اور قصر کو انھوں نے ایک ساتھ چیلنج دیا، اور اس تحریک کے پھیلانے میں تھوڑی تھوڑی غیر مسلح جمیعتوں سے ہزاروں اور لاکھوں کی فوج کا بے خطر مقابلہ کیا، اور کامیاب ہوئے،

پرجوش تھے | ساتھ ہی وہ پرجوش بھی تھے، اس لیے جس دعوت اور تحریک کو لیکر اٹھے، اس کو پوری کوشش، عزم، اور جوش کے ساتھ دنیا کے گوشہ گوشہ میں پھیلا دیا، اُن کے عزم اور جوش کو نہ پہاڑ روک سکا اور نہ سمندر، ہر جگہ وہ توحید کا علم لیے بحر و بر وشت و جبل میں پھیل گئے، اور اپنے عزم راسخ سے ارکانِ عالم کو متزلزل کر دیا،
 حقائق تھے، | اُن کی جسمانی شجاعت و بہادری نے اُن کو دل کا شجاع اور بہادر بھی بنا دیا تھا، جو بات اُن کے دل میں ہوتی تھی، وہی اُن کی زبان پر تھی، اہل بدینہ میں جو نفاق کا عنصر پیدا ہو گیا تھا، وہ یہود کے اثر کا نتیجہ تھا، اور نہ ^{نیش} اور عام اہل عرب میں یہ بات نہ تھی، یا تو وہ کھلے دشمن تھے، یا کھلے دوست، اپنے نزدیک وہ جس کو حق سمجھتے تھے اُس کے ظاہر کرنے میں اُن کو کسی کا باک نہیں ہوتا تھا،

عقل و دانش والے تھے | باوجود اس کے کہ وہ عموماً ظاہری فوشت و خاوند سے عاری تھے، مگر فطرت کے عطیہ عقل و دانش سے وہ کافی طور پر بہرہ مند تھے، حضرت ابوبکر صدیقؓ، عمر فاروقؓ، عثمان غنیؓ، علی رضی اللہ عنہ، رضی اللہ عنہ، زبیرؓ، خالدؓ، عبیدہؓ بن جراحؓ، وغیرہ سینکڑوں ہزاروں صحابہؓ نے علم، مذہب، اخلاق اور سیاست میں جو نکتہ سمجھیا، کین وہ خود انکی عقل و دانش کی گواہ ہیں، روم و ایران کی تمدن قوموں سے جس طرح انھوں نے معاملہ، مراسلہ اور نامہ و پیام کیا، اور علم و سیاست کے اچھے سے اچھے ہوئے مسئلہ کو جس طرح سلجھایا وہ خود اسی نتیجہ کو ظاہر کرتا ہے، اُن کے شعرا کے کلام، اُن کے مقررین کی تقریریں، انکے نصحاء کے مقولے سنئے تو اُن کی اس فطری ^{جست} حسرت کا اندازہ ہوگا کہ ظاہری تعلیم کے بغیر کون کونسا عمل و گہر وہ اپنے منہ سے اگل سکے،

ذہن اور حافظہ کے تیز تھے فطرت کا قاعدہ ہے کہ اگر اُس کے بعض قوی بیکار رہیں، تو انکی قوت دوسرے ذریعہ قوی کو وہ منتقل کر دیتی ہے، اور جس عضو سے زیادہ کام لیا جاتا ہے، اسکی قوت کو وہ ترقی دیتی رہتی ہے، اسی اصول کے موافق ظاہری تعلیم اور نوشت و خواند سے محروم ہونے کے سبب سے جہان اُن کے بعض قوی بیکار ہو رہے تھے، وہاں اُنکو اپنی یادداشت کے لیے تحریری اوراق اور سفینوں پر بھروسہ کرنے کے بجائے خود اپنے دل و دماغ پر بھروسہ کرنے کی عادت تھی، اس کا نتیجہ یہ تھا کہ اُن کا ذہن اور حافظہ بہت قوی تھا، یہی سبب ہے کہ اُن کے شعرا اپنے بڑے بڑے قصیدوں کو زبانی پڑھتے تھے، اور جو کچھ کہتے تھے اس کو بزبان یاد رکھتے تھے، اور اُن کی اسی قوت کا فیض تھا کہ اُن میں کا بڑا طبقہ تحریر کے بغیر قرآن پاک کی بڑی بڑی سورتوں کو یاد رکھتا تھا، اور بہتر سے ایسے تھے جو پورے قرآن کو یاد رکھتے تھے، اور یہ انھیں کی تقلید ہے کہ دنیا کے ہر حصہ میں ایسے ہزاروں مسلمان پائے جاتے ہیں جو پورے قرآن کے حافظ ہوتے ہیں، اور اہل عرب کی اسی خصوصیت کا مظہر یہ بھی تھا کہ احادیث و سیر اور واقعات کا بڑا سرمایہ تحریر کے علاوہ زبانی ایک دوسرے کو پوری ذمہ داری اور حفاظت کیساتھ منتقل ہوتا رہا، اور سینکڑوں اصحاب ایسے تھے جو ہزاروں لاکھوں احادیث کو حرفِ عرب اور لفظ لفظ کی پابندی کے ساتھ یاد رکھتے تھے، اہل عرب کی اس خصوصیت نے اسلام کی حفاظت اور شاعت کا نہایت اہم فرض انجام دیا،

فیاض تھے | اہل عرب کی ایک خاص امتیازی صفت انکی فیاضی تھی، مہمان نوازی اُن کی سب سے بڑی خصوصیت تھی، ہمسایوں اور پناہ گزینوں کی امداد میں وہ اپنی جان تک لڑا دیتے تھے، اپنی شہرت اور ناموری کیلئے اونٹوں کو ذبح کر کے کھلا دینا، یا جوے میں جھپتی ہوئی دولت کو اجاب کے جلسہ دعوت میں اڑا دینا، اور اُس پر فخر کرنا، انکی قومی رسم تھی اور یہی اوصاف اُن کی شاعرانہ مدح میں سب سے زیادہ نمایان نظر آتے ہیں، اسلام نے اُن کی اسی صفت کو تھوڑی سی اصلاح کے بعد خدا کی راہ میں خیرات و صدقات و زکوٰۃ سے بدل دیا، اور اسلام کی مشکل کشائی میں اُس نے سب سے زیادہ مدد دی،

سادات پسند تھے | چونکہ وہ کبھی کسی دوسری قوم کے محکوم نہیں ہوئے تھے، اور نہ وہ کسی ایک مطلق العنان شخص ہی بادشاہ کے تابع فرمان بنے تھے، اس لیے انکی خودداری کا جذبہ بیدار تھا، وہ غلام بننا نہیں جانتے تھے، وہ اپنے کو ذلیل کرنا پسند نہیں کرتے تھے، اور وہ بڑے سے بڑے شخص کے سامنے برابری کے ساتھ بے باکانہ ہٹھکراتے تھے۔
عرب میں بیسیوں لڑائیاں صرف اسی خودداری کی حفاظت میں پیش آئی تھیں، جبکہ ایک منظر سب سے متعلقہ کے آخری تصدیق نظر آتا ہے، اہل عرب کے اس جذبہ نے حاکموں کی مساوات اور جمہوریت پسندی، وغیرہ اسلامی تعلیمات کے پھیلانے میں بڑی مدد دی،

علی تھے، اہل عرب کے فطری اخلاق و کردار کی آخری دفعہ یہ ہے کہ وہ طبعاً علی اور علیت پسند تھے، وہ اہل ایران اور اہل ہند کی طرح محض تخیل پسند خیال آرا اور نظریہ باز نہ تھے، وہ محکم عمل تھے، اور علیت کو پسند کرتے تھے، چونکہ وہ چاروں کیسے اور کیونکر کے فلسفیانہ الجھنوں سے پاک تھے، وہ دنیا کے کاروباری آدمیوں اور سپاہیوں کے طرح چند بھی باتوں کو قبول کر کے ان پر فوراً عمل بناتے تھے، یہی سبب ہے کہ عجیبانہ نکتہ آفرینی اور بال کی کھال نکال کر اوس کی الجھنوں کے سلجھانے میں وہ کبھی گرفتار نہیں ہوئے، وہ ہمہ تن عمل اور صرف عمل تھے، اسی بنا پر شارع علیہ السلام نے ان کے سامنے ایک علی مذہب کو پیش کر کے ان کو سرتاپا علی بنادیا، اور جو کچھ وہ تسلیم لائے، اس کا منجم پیکر بیکر چند سال میں دنیا کے سامنے پیش کر دیا، دور دور سے بدوی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آتے تھے، اور شک و محبت اور مناظرہ و فیصلہ و قتال کے فرائض و اخلاق کی علی تعلیم حاصل کر کے اپنے قبیلہ میں واپس چلا جاتے تھے، اور بالآخر اپنی علی دعوت سے اپنے پورے قبیلہ کو مسلمان بنا لیتے تھے، وہ اگر مکر اور مکر و نامکین کی بحث میں نہیں پڑتے تھے، وہ تعلیم کو دیکھتے تھے اور سنتے تھے، وہ اچھی معلوم ہوتی تو اس کو قبول کرتے، اور اس پر عمل کر کے دینی اور دنیاوی فوائد اور نتائج کے حصول کا یقین کرتے تھے، اور اسی غیر متزلزل یقین اور ایمان کے ہمراہ وہ مشکل سے مشکل اور خطرناک سے خطرناک کام کر گزرتے تھے، اہل عرب کی اسی خصوصیت نے اسلام کی سادگی کو برقرار رکھا، اور غریبی و فلسفیت و نظریات سے پاک و متبرک رکھا، اور ساتھ ہی چند ہی سال کے اندر اندر مغرب

شرق، شمال و جنوب میں اسلام کا پھر برا آسمان پر اڑنے لگا،

ان اوصاف کی مصلحت اہل عرب کے ان تمام فطری و طبعی اوصاف و اخلاق کو دیکھ کر یہ یقین کرنا پڑتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری دین کی اشاعت اور حفاظت کے لیے جس قوم کا انتخاب کیا تھا، وہ ازل سے اس کے لیے منتخب ہو چکی تھی، باوجود ان کی ہر قسم کی گمراہیوں کے یہ چند اچھے اوصاف اس لیے اُن میں ودیعت کئے گئے تھے، تاکہ جب خدا کی بادشاہی کا دن آئے تو ان کی فطری استعداد کا یہ سرمایہ، اوسکی امداد و اعانت کے لیے خزانہ غیب کا کام دے، یہی وہ سرمایہ تھا جو اس وقت نہ ہندو عجم میں تھا، نہ روم و فرنگ میں تھا، اور نہ ترک و زنگ میں تھا۔ وہ عرب اور صرف عرب میں تھا، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی آخری نبوت کے لیے اسی قوم کو برگزیدہ کر کے یہ امانت اُس کے ہاتھ میں سپرد کی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے ابراہیمؑ کی اولاد میں اسماعیلؑ کو پسند کیا، اور اسماعیلؑ کی اولاد میں بنی کنانہ کو، اور بنی کنانہ میں سے قریش کو، اور قریش میں سے بنو ہاشم کو، اور بنو ہاشم میں سے مجھ کو" ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ "میں عبد المطلب کے بیٹے عبد اللہ کا بیٹا ہوں، اللہ نے تمام لوگوں کو پیدا کیا تو مجھے اس نے اُن سب میں سب سے بہتر نسل میں رکھا، انکو دو جھون میں (عرب و عجم میں) تقسیم کیا، تو مجھے اس جھون میں یعنی عرب میں بنایا، جو سب سے بہتر تھا، اس جھون کو بھی قبیلوں میں تقسیم کیا تو مجھے اُس قبیلہ میں پیدا کیا، جو سب سے بہتر تھا، پھر اس قبیلہ کو گھرانوں میں تقسیم کیا، تو مجھے سب سے بہتر گھرانے میں پیدا کیا، پھر اس گھرانے کو افراد پر تقسیم کیا تو مجھے اس گھرانے کا سب سے بہتر فرد بنایا۔"

صبحِ سعادت

دنیا اور عرب کی سرزمین اس ظلمت میں تھی کہ صبحِ سعادت نمودار ہوئی اور خورشیدِ نبوت کے طلوع کا غلغلہ برپا ہوا، ظلمتِ شب کا فور ہوئی، اور تھوڑی دیر میں ذرہ ذرہ سورج کی کرنوں سے پر نور ہو گیا یہ ظاہر ہے کہ یہ سورج کو دنیا کو روشن کرنے نکلا تھا، لیکن وہ نکلا عرب ہی کے اُفق سے تھا، اس لیے ضروری تھا کہ اُس کے نور سے پہلے اسی ملک کی تہذیب روشن ہو،

ایک قوم کا انتخاب | سرورِ کائنات کو گو خدا نے تمام عالم کی اصلاح کے لیے بھیجا تھا اور اس بنا پر ایک ایسی شریعت کامل عطا کی جو نہ صرف عرب بلکہ تمام عالم کے لیے ابد تک کافی ہے، لیکن کوئی شریعت کوئی قانون کوئی دستور العمل تک مفید اور کارآمد نہیں ہو سکتا جب تک اس کے ساتھ ایسا گروہ موجود نہ ہو جو اس شریعت کی عملی تصویر ہو اور جسکی ہر بات ہر ادا، ہر جنبش، عملی خطیب بن کر گردش کو اپنا ہم زبان اور ہم عمل بنائے،

اس بنا پر خاتمِ انبیاء کا سب سے اہم مقصد ایک خاص قوم کو تربیت دیکر اصلاحِ عالم کے لیے تیار کرنا تھا، دنیا کی اور تو میں باری باری اس منصب پر ممتاز ہو چکی تھیں، ایک زمانہ تھا جب بنی اسرائیل جیسی قوم جو آج تمام دنیا

سے شاہ ولی اللہ صاحب لکھے ہیں کہ جو پیغمبر تمام عالم کے لیے مبعوث ہوتا ہے وہ علاوہ ان اصول کے جو اور مذاہب میں ہیں چند اور نئے اصول اختیار کرتا ہے جن میں سے ایک یہ ہے،

وہ ایک قوم کو سنتِ راشدہ کی طرف دعوت دیتا ہے انکو پاک اور درست کرتا ہے، پھر ان کو اپنا دست و بازو بناتا ہے اور ان کو دنیا میں پھیلا دیتا ہے اور ان کے ذریعہ سے مجاہد کرتا ہے، جیسا کہ خدا نے کہا تم بہترین امت ہو جو دنیا کے لیے پیدا کئے گئے ہو،

يَدْعُو قَوْمًا إِلَى السَّنَةِ الرَّاشِدَةِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُصْلِحُ
شَأْنَهُمْ ثُمَّ يَخِذُّهُمْ بِمَنْزِلَةِ جَارِحَةٍ فِيْمَا هَدَى
بِهِمْ أَهْلَ الْأَرْضِ وَيُفَرِّقُهُمْ فِي الْبِلَادِ وَهُوَ قَوْلُهُ
تَعَالَى لَكُمْ خَيْرٌ مِمَّا أُوْحِيَ إِلَيْكُمْ لِلنَّاسِ رَحْمَةً
اللّٰهُ الْبَالِغُ صَفْحہ ۱۲۳ مطبوعہ مہند

میں خوار اور ذلیل ہے، اپنی فضیلت کو علیٰ العالمین (ہم نے تم کو تمام دنیا کی قوموں پر فضیلت دی) کا تاج پہن چکی تھی لیکن اوپر بہ تفصیل گزر چکا کہ اب تمام قوموں میں صلاحیت کا مادہ مقود ہو چکا تھا، ایران تین ہزار برس تک ناز و نعمت میں پل کر ترقی کی روح فنا کر چکا تھا، ورمیون کے تمام قوائے عمل بوسیدہ ہو چکے تھے، ہندوؤں کا دل دماغ صرف دہم پرستی کا کام دینے کے قابل رہ گیا تھا، صرف ایک عرب تھا جو بن حنیٰ کی طرح مادہ ہائے نشو و نما سے لبریز تھا اور ایک لوح سادہ کی طرح ہر قسم کی نقش آرائیوں کے قابل تھا، مشیت ایزدی نے اسی کوتاہی اور خیر روز میں وہی عرب جو سرتاپا اہل ہمت و پادشہ اور سرتاپا درندہ پن تھا، کُنْتُمْ خَيْرَ امَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ کا منظر بن گیا،

ان لوگوں کا حلیہ و جمال اور خط و خال یہ تھا،

الَّذِينَ اِنْ مَلَكْنَاهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا
الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَآمَرُوا بِالمَعْرُوفِ
وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ (رج-۶)

وہ لوگ کہ ہم جب ان کو دنیا میں اقتدار دینگے تو وہ
نماز قائم کرینگے، زکوٰۃ دینگے، اچھی باتوں کا حکم دینگے اور
بری باتوں سے روکین گے،

اصلاح و ہدایت کی ہر قوم کی اصلاح و ہدایت میں اول سخت اور متعدد مشکلات پیش آتی ہیں لیکن ان کی نوعیت ایک دو سے زیادہ نہیں ہوتی، لیکن عرب کی اصلاح میں ہر نوع، ہر حیثیت، ہر

مشکلات

جہت کی گونا گوں اور لاعلاج مشکلات تھیں اور ایسی تعین جنہیں سے ایک کاحل کرنا بھی قدرتِ انسانی سے بالاتر تھا، بنو اسرائیل ایک مدت سے مصر میں، قبطیوں کی غلامی کر رہے تھے، اور قبطیوں کے جو رولم کا طوفان ان کے سر سے گزر چکا تھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان پر یہ احسان عظیم کیا کہ فرعون کے پنجہ ستم سے ان کو چھڑا کر، مصر سے نکال لائے، لیکن غلامی میں رہتے رہتے ان کی طبیعت میں اس قدر ذلت پسندی گئی تھی کہ جب ان سے کہا گیا کہ آگے کنعان کی زمین ہے، اُس کو لڑ کر لو، اور اسی پر تختِ سلطنت بچھاؤ تو انھوں نے حضرت

صلوٰۃ پرست قوم ہو جو انسانوں کے لیے (پروردہ عدم سے) پھر لائی گئی، جو نیکوین کا حکم دیتی اور برائیوں سے روکتی ہے،

موسیٰ سے صاف کہہ دیا کہ تم اور تمہارا خدا، دونوں جا کر رُود، ہم تو یہاں سے آگے قدم نہیں بڑھاتے، یہ ایک امتداد معاشرت کا اثر تھا، جو مرتے مرتے ان لوگوں کی طبیعت سے نہیں گیا، اور جب تک یہ نسل پوری اپنی موت سے مرکز مقرر نہیں ہو گئی، بنو اسرائیل کو کفان کی زمین میں قدم رکھنا نصیب نہیں ہوا، یہ صرٹ ایک شکل کی مثال تھی اب عرب کی مشکلات کا اندازہ کرو،

اجالت | عرب کی قوم آئی محض تھی، الوہیت، رسالت، کتاب، معاد، عبادت ان میں سے کوئی چیز ایسی نہ تھی جس سے اُن کے کان آشنا ہوں، اسلام کا ہر لفظ جو اُن کے کان میں پڑتا تھا اُن کو ایک تعجب انگیز اور بالکل بیگانہ آواز معلوم ہوتی تھی، قرآن مجید نے ان کے اس جاہلانہ حیرت و استعجاب کو متعدد آیتوں میں ذکر کیا ہے،

لَیْسَ، وَالْقُرْآنِ الْحَکِیْمِ ۝ اِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ
قرآن حکیم کی قسم، تو بیشبہ پیغمبروں میں سے ہے، اور راستہ
عَلٰی صِرَاطٍ مُسْتَقِیْمٍ ۝ تَنْزِیْلِ الْعَزِیْزِ الرَّحِیْمِ
بہیہ قرآن رحمت والے غالب خدا کے پاس سے اترا ہے،
لَتَنْزِیْلٍ رَّقِیْقٍ مَّا اَنْزَلْنٰ سِرًّا وَّ اَوْھَمَ فَھَمٍ
تاکہ تو اُس قوم کو گاہ کرے، جگہ اسات کو گاہ نہیں کیا گیا
غُفْلُوْنَ ۝ (یسین-۱)

اور اس لیے وہ غفلت میں پڑے ہیں،

یہ نبوت کے شرف سے محروم قوم ایک آسمانی مذہب کے تمام خصائص سے محض بیگانہ تھی،

وَجَعَلُوْا اَنْ جَاءَھُمْ مُنْذِرٌ مِّنْھُمْ ۚ وَ قَالَ
اور انھوں نے تعجب کیا کہ اُن میں ایک پیغمبر ہو کر اُن کے پاس
اَلْکٰفِرُوْنَ هٰذَا سِحْرٌ کَذٰبٌ ۝ اَجَعَلْنَا
ایا کافروں نے کہا یہ دروغ و جادوگر ہے اُس نے اسے خدا
اَلْمَلٰٓئِکَۃَ وَاٰحٰدًا اِنَّ هٰذَا الشَّیْءَ عَجَابٌ ۝ وَالطَّلَاقُ
کو ایک خدا بنا دیا عجیب بات ہو، اُن کے پنج اٹھ کھڑے ہو
اَلْمَلٰٓئِکَۃُ مِّنْھُمْ اِنْ اٰمَنُوْا وَ اصْبِرُوْا عَلٰی اِلْحٰتِلٰکُمْ
کہ چلو اور اپنے معبودوں پر چمے رہو، اس میں اس کی پیغمبر کی
اِنَّ هٰذَا الشَّیْءَ یُرٰدُہٗ مَا سَمِعْنَا بِھٰذَا فِیْ اٰیۃٍ
کوئی غرض ہو، ہم نے تو سابق مذہب میں یہ نہیں سنا
اَلَا یُخٰیِرُہٗ اِنَّ هٰذَا اِلَّا اِخْتِلَافٌ (ص-۱)
گھڑی ہوئی بات ہے،
بَلْ جَعَلُوْا اَنْ جَاءَھُمْ مُنْذِرٌ مِّنْھُمْ فَقَالَ
بلکہ اُن کو تعجب ہو کہ انہیں میں سے ایک اُن کے پاس

الْكَافِرُونَ هَذَا شَيْءٌ مُحْجِبٌ (ق-۱)

پیغمبر بنا کر آیا، کافروں نے کہا یہ تو بڑی تعجب کی بات ہے،

صفات الہی، آثار نبوت، احوال معاد، ان میں سے ہر بات کو سن کر وہ اسی طرح سرتاپا حیرت بخاتے تھے، نبوت کے متعلق یہ سمجھتے تھے کہ انسان تو اس کے سزاوار نہیں اس منصب پر تو فرشتوں کو ممتاز ہونا چاہئے تھا

وَقَالَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا لَوْلَا أُنْزِلَ

جو ایک دن ہمارے سامنے آنے کے سن کر ہیں وہ کہتے ہیں کہ

عَلَيْنَا الْمَلِكُ (فہتان ۳)

فرشتے پیغمبر بنا کر ہم پر کیوں نہ اتارے گئے،

إِذْ جَاءَهُمُ الرُّسُلُ مِنْ بُيُوتٍ أَيْدِيهِمْ وَمِنْ

پیغمبر جب ان کے پاس سامنے سے اور پیچھے سے آتے ہیں کہ

خَلْفِهِمْ لَا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ قَالُوا لَوْ شَاءَ

ایک خدا کے سوا کسی اور کو نہ پوجا تو وہ کہتے ہیں کہ خدا اگر کسی کو

رَبًّا لَأَنْزَلَ مَلَائِكَةً فَإِنَّا بِمَا أُرْسِلْتُمْ بِهِ

پیغمبر بنا کر بھیجنا چاہتا تو فرشتوں کو اتارتا، ہم تو تمہاری باتوں

كَافِرُونَ (فصلت ۲)

کا انکار ہی کرینگے،

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ أَنْ يُؤْمِنُوا إِذْ جَاءَهُمْ

ہدایت آنے کے بعد صرف اس شبہ نے لوگوں کو ایمان لانے

الْهُدَى إِلَّا أَنْ قَالُوا أَبَعَثَ اللَّهُ بَشَرًا رَسُولًا

سے باز رکھا ہو کہ کیا خدا نے آدمی کو پیغمبر بنا کر بھیجا ہے، جواب

قُلْ لَوْ كَانَ فِي الْأَرْضِ مَلَائِكَةٌ يَمْشُونَ

میں کس دو اگر زمین میں فرشتے چلتے پھرتے بستے

مُطَهَّرِينَ لَدَرْنَا عَلَيْهِمْ مِنَ السَّمَاءِ مَلَكًا

ہوتے تو ابستہ ہم آسمان سے کسی فرشتہ کو پیغمبر

رَسُولًا، (بنی اسرائیل ۱۱)

بنا کر بھیجتے،

نبوت کا تخیل اگر ان کے ذہن میں کبھی آتا تھا تو بشریت سے ماوراء صورت میں یعنی یہ کہ وہ انسانی ضرورتوں سے منزہ ہو، اس کے پیچھے خدا کا اور فرشتوں کا پورا ہو، آسمان اور زمین کے خزانے اس کے دست قدرت میں ہو

وَقَالُوا لَنْ نَقِيَّكَ مِنْكَ حَتَّى تَقْرَأَ لَنَا مِنَ

انفون نے کہا اے پیغمبر ہم تجھ پر سو قہر ایمان نہ لائینگے

الْأَرْضِ يَتَّبِعُونَ عَاهُ وَتَكُونَ لَكَ جَنَّةٌ

جب تک زمین سے ہمارے لیے تو چشمہ نہ بہا دے، یا میری

مِنْ تَخِيلٍ وَعَنْبٍ فَتَقْجِرَ الْأَنْهَارُ خِلَافًا

ملکیت میں کھجور دن اور انگوروں کا کوئی باغ نہ ہو جنہیں

تَفْجِيرُهُ أَوْ تَسْقِطَ السَّمَاءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْكَ السَّعَا
نہیں جاری کر دی ہوں ایسا کہ تو نے کہا ہو ہر پادول کا
اَوْ تَأْتِي بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا اَوْ يَكُوْنُ لَكَ
کوئی ٹکڑا گراوے، یا خدا اور فرشتوں کو پرانا کرنے لے اُسے، یا
بَيَّتَ مِّنْ ذُرِّيَّتٍ اَوْ تَرْفَىٰ فِي السَّمَاءِ ط (نبی اسلمیل)
تیرے پاس کوئی سونے کا گم نہ ہو یا تو آسمان پر نہ چڑھ جائے،
وَقَالُوا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيُشْرِي
انہوں نے کہا یہ عجیب پیغمبر ہے، یہ تو کھاتا پیتا ہے، بازاروں
فِي الْاَسْوَاقِ مَا كُوْلًا اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنُ
میں چلتا پھرتا ہے اس پر کوئی فرشتہ کیون نہ اتر جو اس کیسٹ
مَعَهُ نَذِيْرًا اَوْ يُلْقٰٓى اِلَيْهِ كَنزٌ اَوْ تَكُوْنُ لَهُ
ملکہ لوگوں کو ڈراتا، یا اسکے پاس کوئی خزانہ کیون نہیں ڈال دیا گیا یا
جَنَّةٌ يَّاْكُلُ مِنْهَا، (فرقان - ۱)
اس کیلئے خاص کوئی باغ ہوتا جس سے یہ کھاتا،

پیغمبری کے لیے اُن کے خیال میں یہ بھی ضروری بات تھی کہ وہ بڑا دولت مند ہو، اُس کے قبضہ میں کوئی بڑی جائیداد
ہو، بیویوں کے ہرے بھرے باغ اور سونے چاندی کے خزانے اُس کے پاس ہوں، چنانچہ گذشتہ آیت میں کفار کے
اس خیال کی طرف بھی اشارہ ہے، کہ اور طائف کے چور و سار و لٹمنہ تھے وہ اس منصب کے سب سے زیادہ
ستھی سمجھے جاتے تھے،

وَقَالُوا لَوْلَا اُنْزِلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰٓى رَجُلٍ مِّنَ
وہ کہتے ہیں کہ یہ قرآن مکہ یا طائف کے کسی بڑے آدمی پر
الْقَرَّتَيْنِ عَظِيْمٍ (زخرف - ۳)
کیون نہیں اترتا،

کسی کتاب کے نازل ہونے کے معنی اُن کے خیال میں یہ تھے کہ آسمان سے کاغذ دن میں ایک لکھی لکھائی
ترشی ترشائی، جلد بندھی ہوئی ایک کتاب سب کے سامنے مجمع میں اتر آئے،

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا اُنْزِلَ عَلٰٓیہِ الْقُرْاٰنُ
کافروں نے کہا اس پر قرآن کیسے بارگی کیون نہیں
جُمْلَةً وَّاحِدَةً (فرقان - ۳)
اُترتا،

وَلٰكِنْ تُلَوِّحُ بِاَیْمِنِكَ حَتّٰی تُنْزِلَ عَلٰیْنَا
اور (کافروں نے کہا) ہم تیرے آسمان پر چڑھ جانے کے بھی قوت رکھتے ہیں
کِتَابًا بِالْقُرْءَانِ ط (نبی اسلمیل - ۱۰)
نہیں ہونگے جب تک ہم پر کوئی ایسی کتاب اتار لے جو ہم پر لکھی نہ ہو

وَلَوْ نَزَّلْنَاهُ عَلَىٰ كُلِّ فَتٍ حَاسٍ فَلَمْ يَسْمَعْهُ
 بَائِدٌ بِهِمْ لَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنَّ هَذَا
 السَّحَرَةُ مُبِينٌ ۝ (العام - ۱)

اور اگر کاغذوں میں لکھا ہو کوئی قرآن آسمان سے تم پر اتارتے جس کو
 اپنے ہاتھ سے ٹول بھی سکتے تو کاغذ ہی کہتے کہ یہ تو کھڑا ہوا

جادو ہے،

غرض ایک آسمانی مذہب کی کیفیت سے بالکل بے خبر تھے، اہمیت اور صفات الہی کے اسرار نبوت کے
 خصائص نزول کتاب کی حقیقت، ہر چیز ان کے لیے حیرت اور استعجاب کا سرمایہ تھی،

أَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ أَمْ جَاءَهُمْ مَا لَمْ يَأْتِ
 آبَاءَهُمْ الْأَوَّلِينَ أَمْ لَمْ يَعْرِفُوا رَسُولَهُمْ
 فَهُمْ لَهُ مُنْكَرُونَ (من مینون - ۴)

کیا انھوں نے بات پر غور نہیں کیا، یا ان کے پاس وہ تعلیم
 آئی ہے جو ان کے اسلاف کے پاس نہیں آئی، یا انھوں نے
 ان پر رسول کو نہیں پہچانا، تو اس کے منکر ہیں،

اس بنا پر عرب کے مشرکین اور کفار کو ایک مدت تک صدائے نبوت سے گوش آشنا ہونے کی حاجت تھی اور
 اس میں کئی برس صرف ہو گئے، لیکن وہ لوگ جو اس صدائے نامانوس نہ تھے ان تک آواز پہنچنے کی دیر تھی کہ
 وہ سرتاپا الٹیک تھے، حصہ اول میں گزر چکا ہے کہ سابقین اسلام عموماً وہی لوگ تھے جو اہل کتاب یا خفار کے
 اغوش پروردہ تھے، اشخاص کے علاوہ قبائل کا بھی یہی حال تھا، مشرکین کلام الہی کا جواب خندہ تحقیر سے دیتے
 تھے اور موزنبوت کے دانا چشم پریم اور دل پر کیف سے،

إِنَّ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهِ إِذَا بُشِّرَ
 عَلَيْهِمْ يَخِرُّونَ لِلْأَذْقَانِ سُجَّدًا ۚ وَيَقُولُونَ
 سُبْحَانَ رَبِّنَا إِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعًا ۚ
 وَيَخِرُّونَ لِلْأَذْقَانِ يَسْكُونُونَ وَيَزِيدُهُمْ
 خُشُوعًا ۚ (نہ اسرئیل - ۱۱)

جس کو اس سے پہلے علم دیا گیا ہو (یہود و نصاریٰ) جب ان کو قرآن
 کی آیتیں سنائی جاتی ہیں تو منہ کے بھلے سجدے میں گر پڑتے
 ہیں اور کہتے ہیں کہ پاک ہو ہمارا پروردگار ہم سے (ایک غمخیز
 اخراج زمان کے بھیجے گا) جو وعدہ کیا تھا وہ ضرور پورا ہوگا اور
 وہ منہ کے بھلے گرتے ہیں اور یہ ان کے خضوع کو اور بڑھاتا ہے
 ان میں سے زیادہ مسلمانوں کے ساتھ محبت رکھنے والے

وَلَيَجِدَنَّ أَقْرَبَهُم مَّوَدَّةَ الَّذِينَ آمَنُوا

الَّذِينَ قَالُوا إِنَّا نَصَارَىٰ ۖ هَٰذَا الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ
 قَسِيمٌ ۖ وَهُوَ هَبَانٌ ۖ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ
 وَإِذْ أَسْمِعُوا مَا أُنْزِلَ إِلَى الرَّسُولِ تَرَىٰ
 أَعْيُنُهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ مَعَاعِرِفًا
 مِنَ الْحَقِّ ۖ يَقُولُونَ رَبَّنَا آمَنَّا فَاكْتُبْنَا
 مَعَ الشَّاهِدِينَ ۚ (مائده: ۱۱)

وہ ہیں جو اپنے کو نصاریٰ کہتے ہیں، سب یہ کہہ کر ان میں
 قیس اور اہب ہیں اور وہ تکبر نہیں کرتے اور جب وہ
 کلام سنتے ہیں جو پیغمبر پر اترا ہے، تو انکی آنکھوں کو توڑ کھا
 کہ حق کو پہچان کر انوہاتی ہیں اور کہتے ہیں کہ خدا یا ہم کو
 لائے کہو بھی حق کی شہادت دینے والوں میں لکھو

مذہب کے یہود جو اسلام سے سیاسی اور دینی کینہ اور تعصب رکھتے تھے اور اس بنا پر اسلام کے مقابلہ میں
 زبان سے اپنی کور باطنی کا اظہار وہ اپنا فرض سمجھتے تھے، تاہم ختم دل کو سنش حق سے باز نہیں رکھ سکتے تھے،
 الَّذِينَ اتَّيْنَهُمُ الْكِتَابَ يَعْرِفُونَ كَمَا
 يَعْرِفُونَ آبَاءَهُمْ وَإِنَّ فَرِيقًا مِّنْهُمْ
 لَيَكْتُمُونَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ (بقرة: ۱۷)

جنکو ہم کتاب دیکھے ہیں وہ اس پیغمبر کو اسی طرح پہچانتے
 ہیں، جس طرح وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں، ان میں سے
 کچھ لوگ جان کر حق پوشی کرتے ہیں،
 وَلَمَّا جَاءَهُمْ كِتَابٌ مِّنْ عِندِ اللَّهِ
 مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ وَكَانُوا مِن قَبْلُ
 يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا ۖ فَلَمَّا
 جَاءَهُمْ مَا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ ۚ (بقرة: ۱۱)

اور جب خدا کے پاس سے پیغمبر وہ کتاب لیکر آیا جو خود اُنکی
 آسمانی کتابوں کو سچ کر رہی ہو، تو باوجود اس کے کہ وہ
 کافروں کو اس سے پہلے اسی کے نام سے دباتے تھے،
 اب حق پہچان کر اس کا انکار کرتے ہیں،

قرآن مجید کی شہادتوں سے قطع نظر کر کے، اگر واقعات پر غور کیا جائے تب بھی یہ حقیقت منکشف
 ہو جائے گی، مجرد دعوت حق سننے کے ساتھ جن اشخاص اور جن قبائل نے اسلام کو لبیک کہا، ان کے حالات
 پیش نظر کر لینے کے بعد صاف ثابت ہوتا ہے کہ اسلام اپنے لیے صرف اثر پذیر دل اور ذوق آشنا نگاہ کا جو یا
 تھا، حضرت سعد بن زید، عثمان بن مظعون، صہیب زومی، ابوذر غفاری، سلمان فارسی وغیرہ جو سابقین اسلام

ہیں، اسی قسم کے لوگ تھے، ابولہب، ولید بن مغیرہ، عاص بن وائل وغیرہ، قریش کے مشرکین خدا کا کلام تیرہ برس
بہت متصل سنتے رہے، لیکن ان کے دل کی سنگینی میں کوئی فرق نہ آیا، ورنہ مکہ کا قریشی عیسائی صرف ایک
قرآن سنتا ہے اور ناموس اکبر کی آواز پہچان لیتا ہے، مکہ کے مشرک ٹرپن برس تک آپ کے چہرہ کو دیکھتے رہے
لیکن نور الہی کو نہ پہچان سکے، اور عبد اللہ بن سلام یہودی عالم نے صرف ایک دفعہ جمال پر انوار کو دیکھا اور پکار
اٹھے کہ یہ حق کی تجلی ہے، روسائے قریش ہر روز اپنی آنکھوں سے نزول وحی کا تماشا دیکھتے ہیں اور جنس نہیں
کرتے اور نجاشی حکومت کی سند پر اور ہر قریب شہنشاہی کے تخت پر بیٹھ کر غائبانہ کلام اللہ کی چند آیتیں سننے ہیں
اور ٹرپ جاتے ہیں، قریش کے گھریہ دولت خود اتارتی ہے، اور وہ اس کو ٹھکرا دیتے ہیں، لیکن مدینہ سے بھی
کے پڑوسی جو ان کی زبان سے آخری نبوت کی بشارت سن چکے تھے، اتفاقاً مکہ آتے ہیں اور اس دولت آباد
کو اپنے گھر اٹھا لیجاتے ہیں، طائف کے سنگدل جاہل، بنی پرستہ برساتے ہیں، اور انکی منسی اڑاتے ہیں، اور بخرا
کے عیسائی عالم مناظرہ کی غرض سے مدینہ آتے ہیں، لیکن چہرہ پر پیغمبری کی معصومیت دیکھ کر دل جاتے ہیں اور
صلح کا ہدیہ پیش کرتے ہیں،

قریش، اور حجاز کے رازِ نبوت کے نامحرم دعوتِ حق کا جواب اکس برس تک تیغ و سنان سے دیتے ہیں
لیکن شہر، حبر، یمن، عمان، اور بحرین کے بڑے بڑے اور عظیم الشان قبائل جو یہود، نصاریٰ اور مجوسیوں کے
اثر سے ان رموز سے کسی قدر آگاہ ہو چکے تھے، وہ آوازِ حق پہنچنے کے ساتھ دفعۃً مسلمان تھے،

آبائی دین و رسوم کی پابندی | ہر نئی تحریک کو غور سے دیکھو تو معلوم ہو گا کہ اس کے قبول کرنے میں جو چیز سب سے پہلے
عائق ہوتی ہے، وہ قومی رسم و رواج اور آبائی دین و مذہب کی پابندی ہے، انسانیت کے پاؤں میں اس
سے بھاری کوئی زنجیر نہیں، دوست و آشنا کا چھوٹنا، ماں باپ سے علیحدگی، آل و اولاد سے کنارہ کشی، مال و
جائداد سے دست برداری، جماعت کی مخالفت، قوم سے انقطاع، وطن سے دوری، ایسی چیزیں نہیں ہیں
جنکو ہر انسان آسانی سے برداشت کر سکے، بلکہ رسم و رواج کی دیرینہ محبت، اور آبائی کنش و آئین کی موروثی

الغٹ، حق و باطل کی تمیز، اور نیک و بد کی پہچان کی حس مٹا دیتی ہے، عام دنیا کی فطری حالت کے علاوہ عرب کی قوم، قدامت پسندی، اور قدیم حالت پر بقا اور استحکام میں خاص شہرت رکھتی ہے، دنیا کمان سے کمان بدلتی چلی گئی، پرانی سامی نسل کی بدویانہ خصوصیتیں جو تو راہ میں پڑھتے ہیں، وہ تمام سامی قوموں سے مل گئیں، مگر عرب میں اس وقت بھی نمایاں تھیں، اور آج بھی نظر کے سامنے ہیں، دین ابراہیم کے چند اصول، حج، قتلہ، اور قربانی، وغیرہ ہزاروں برس کے بعد بھی عرب میں ملتا کر باقی رہ گئے تھے، اور ان سے نہیں چھوڑے تھے، ان کے شعرو شاعری اور فروع و مباہات کا سب سے پر جوش مضمون آباء و اجداد اور نام و نسب پر فخر و غرور تھا، جبکہ چھوڑنا ان کے نزدیک اپنی پرانی عزت و عظمت کی دیوار کو خود گرا دینا تھا،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مکہ میں دین حق کی منادی شروع کی، تو اسکی شدید مخالفت جس بنا پر سب سے زیادہ کی گئی، وہ یہی دینِ آباء کے ترک کا مسئلہ تھا، اور یہی دینِ جدید کے بطلان کی سب سے مستحکم دلیل ان کے پاس تھی، چنانچہ قرآن مجید نے بار بار ان کے اس قول کو دہرایا ہے، اور اسکی نفی کو ظاہر کیا ہے،

وَإِذْ يَقُولُ لَكُمْ أَتَبْعُونَ مَا أَنزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا الْفَرِيقَانِ عَلَيْهِ أَبَاءُ نَاوَأُولُو كَانِ
أَبَاؤُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ نے جو اتارا ہے اسکی پیروی کرو کہتے ہیں (نہیں) بلکہ ہم اسکی پیروی کریں گے

جس پر اپنے باپ دادا کو ہم نے پایا کیا اگرچہ ان کے پاس دادا نہ کچھ سمجھتے ہوں اور نہ راہ راست پر ہوں (تب بھی)

بلکہ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے بزرگوں کو ایک روش پر پایا ہے اور ہم انھیں کے نقش قدم پر چل کر رہنا ہی پائیں گے اور اسی طرح ہم نے اسے پیغمبر تم سے پہلے کسی آبادی میں کرنا

پیغمبر نہیں بھیجا لیکن اس کے دو امتدوں نے یہی کہا کہ ہم نے اپنے بزرگوں کو ایک روش پر پایا ہے، اور ہم

(بقرہ ۸۰-۸۱)

بَلْ قَالُوا إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَىٰ أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلَىٰ آثَرِهِمْ مُّقْتَدُونَ وَكَذَٰلِكَ مَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ فِي قَوْمٍ مِّنْ نَّذِيرٍ إِلَّا قَالُوا مُتَرَفِّقُ هَآ
إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَىٰ أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلَىٰ آثَرِهِمْ مُّقْتَدُونَ قُلْ أَوَلَمْ يَهْدِ يَٰ هَآ

رَجَدْتُ عَلَيْهِ اَبَاؤُكُمْ قَالُوا اَبَا بَٰرِئًا

بِهِمْ كُفْرًا ۝

(زخرف-۲)

انھیں کے نقش قدم کے پیرو ہیں، کہو بے پیغمبر کیا اگرچہ میں

روش سے جس پر تم نے اپنے بزرگوں کو پایا زیادہ سیدھا رہا

لیکر تمھارے پاس کیوں نہ آؤں (تب بھی تم انھیں کی پرکھ

کر دو گے) انھوں نے کہا کہ ہم تو جو دیکر تم بھیجے گئے ہو، اسکا

انکار ہی کرتے رہیں گے،

وَ اِذَا فَعَلُوْا فَاجِسْتَهُ قَالُوْا وَحَدُّ نَاعِلِيْهٖمَا

اَبَاؤُنَا وَ اللّٰهُ اَمْرُنَا بِمَا قُلْنَا اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي

بِالْفَحْشَاءِ اَتَقُوْلُوْنَ عَلٰى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ

(اعراف-۳)

اوجھ وہ کوئی بے شرمی کی بات کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ

نے اپنے بزرگوں کو اسی پر پایا، اور اللہ نے ہم کو اسی کا

دیا ہے، اہل دوسے پیغمبر کہہ اللہ تو بے شرمی کی بات کا بھی

حکم نہیں دیتا، کیا تم اللہ پر وہ تہمت باندھتے ہو جو تم نہیں جانتے

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ نے جو اتارا ہے اُس کے

پاس اور رسول کے پاس آؤ تو کہتے ہیں، ہم نے اپنے باپوں

کو جس پر پایا ہے، وہی ہم کو کافی ہے، کیا ان کے باپ دادا

کچھ نہ جانتے تھے اور نہ سیدھے راستہ پر ہوں (تب بھی انھیں کی

وَ اِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ اِلٰى

الرَّسُوْلِ قَالُوْا احْسَبْنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اَبَاؤُنَا

اَوْ لَوْ كَاْن اَبَاؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْئًا وَّ

لَا يَهْتَدُوْنَ (مائدہ-۱۴)

کچھ لوگ ایسے ہیں جو علم ہدایت، اور روشن کتاب کے بغیر

اللہ کے بارہ میں جھگڑا کرتے ہیں، اور جب ان سے کہا

جاتا ہے کہ اللہ نے جو اتارا ہے اسکی پیروی کرو تو کہتے

ہیں، بلکہ ہم ہی کی پیروی کریں گے، جس پر ہم نے اپنے باپ

دادوں کو پایا، کیا اگرچہ ان کو شیطان و دوزخ کے عذاب

ہی کی طرف کیوں نہ پکارے (تو وہ اُسی کی پیروی کریں گے)

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّ

لَا هُدٰى وَّ لَا كِتٰبٍ مُّنبِئٍ وَّ اِذَا قِيلَ لَهُمْ

اَتَّبِعُوْا مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا اَبْلَ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا

عَلَيْهِ اَبَاؤُنَا وَاَوْ لَوْ كَاْن الشَّيْطٰنُ يَدْعُوْهُمْ

اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ

(لقمان-۲۳)

کفار کے یہ سوال وجواب خود ظاہر کرتے ہیں کہ اُن کو اپنے آبائی رسوم کا چھوڑنا کس درجہ محال نظر آتا تھا؟ آپ نے نبوت کے تین برس بعد جب بت پرستی کی علانیہ مذمت شروع کی، تو قریش کی عدالت میں آپ پر سب سے بڑا جرم یہی قائم کیا گیا کہ یہ خاندانی دیوتاؤں کی تحقیر بزرگوں کی توہین اور آبائی رسم و رواج کی مذمت کرتے ہیں۔ مکہ میں جب آپ نے علی الاعلان لوگوں کو اسلام کی دعوت دی، اور بہت سے نیک لوگوں نے اس دعوت پر لبیک کہا، تو قریش کے بڑے بڑے رئیسوں نے ابوطالب کے پاس جا کر آپ کے خلاف جو الزامات قائم کیے، وہ یہ تھے "اے ابوطالب! تمہارا بھتیجا ہمارے دیوتاؤں کو برا کہتا ہے، ہمارے مذہب کی توہین کرتا ہے، ہم کو بیوقوف اور نادان کہتا ہے، اور ہمارے باپ دادوں کو گمراہ بتاتا ہے، تو یا تو تم ان کو روکو، یا ہمارے اس کو چھوڑ دو کہ باہم سمجھ لیں۔"

یہ اُن کی عدالت کا پہلا مطالبہ تھا، ابوطالب نے اُن کو سمجھا بھجا کر واپس کیا، تو کچھ دنوں کے بعد انہوں نے پھر اپنا مطالبہ ان الفاظ میں پیش کیا: "اے ابوطالب! تم نے اپنے بھتیجے کو اب تک منع نہیں کیا، اب خدا کی قسم ہم اپنے بزرگوں کی برائی، اپنی نادانی، اور اپنے دیوتاؤں کی جو نہیں سن سکتے، تو یا تو اس کو باز رکھو اور باہم سے لڑنے پر آمادہ ہو جاؤ" اس اعلان جنگ سے کام نہ چلا تو وہ تیسری دفعہ ابوطالب کے پاس جاتے ہیں اور کہتے ہیں "اے ابوطالب! ولید کا بیٹا عمارہ کیسا خوش رو جوان ہے، تم اُس کو تہنیتی بنا لو، اور اپنے بھتیجے کو قتل کے لیے ہمارے حوالہ کر دو، کہ اُس نے تمہارے اور تمہارے بزرگوں کے دین و مذہب کی مخالفت کی ہے، تمہاری قوم کی جماعت کو براگندہ کر دیا ہے، اور ان کو بے وقوف اور نادان کہتا ہے" سب سے آخری دفعہ قریش کے رئیسوں نے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مل کر گفتگو کی اور کہا، کہ "اے محمد! تمہارے سوا کسی قوم میں کوئی ایسا آدمی نہیں ملا، جو اپنی قوم پر وہ مصیبت لایا ہو، جو تم لائے ہو، تم نے باپ دادوں کو برا کہا، ہمارے مذہب کی تحقیر کی، دیوتاؤں کو گالی دی، ہم کو بے وقوف اور نادان بنایا، اور جماعت میں فقرہ ڈالا، غرض کوئی ایسی برائی تمہی جو تمہارے ہمارے مذہب کی سب سے زیادہ مخالفت بنی ہو، اور اس کی تمام باتوں میں تفصیل مذکور ہیں،

ان الزامات کی فہرست کی ایک ایک فقہ پڑھو معلوم ہو گا کہ آبائی دین، موروثی رسم و رواج اور خاندانی دیوتاؤں کی غلامی سے آزاد ہونا، ان پر کتنا بار تھا؟ اور وہ اس جرم کو کتنا سنگین سمجھتے تھے، موسم حج میں آنحضرتؐ مسلم جب لوگوں کے پاس جا جا کر توحید کا پیغام سناتے تھے، تو ابولہب آپ کے اثر کو باطل کرنے کے لیے آپ کی تقریر کے بعد آپ کے پیچھے پیچھے صرف یہ کہتا جاتا تھا "لوگو! یہ وہی ہے جو تم کو تمہارے باپ دادوں کے مذہب سے برگشتہ کرنا چاہتا ہے"

ابوطالب جنھوں نے ہر موقع پر آنحضرتؐ مسلم کی حمایت کی تھی اور وہ آپ کو اپنے جان و دل سے زیادہ عزیز رکھتے تھے وہ بھی آپ کی دعوت حق کو اپنے دین آبائی کے مقابلہ میں پذیرائی کے قابل نہ سمجھے، بھتیجے نے بار بار کہا، "چچا جان! بکلمہ شہادت، ایک دفعہ کہ قیامت میں آپ کی شفاعت کی ایک سند مجھے ہاتھ آجائے" ابوطالب نے جواب دیا "جان پدر! سب کچھ تمپر نشا، لیکن بزرگوں کے مذہب کو نہیں چھوڑ سکتا" عین اس وقت جب ابوطالب دنیا سے رخصت ہو رہے تھے، اور نزع کی حالت تھی، آپ ان کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا کہ "چچا جان! اب تو لا الہ الا اللہ کہہ دیجیے کہ میں خدا کے ہاں آپ کے ایمان کی شہادت دوں" ابو اور عبداللہ بن امیہ نے جو ان کے پاس بیٹھے تھے، کہا "ابوطالب کیا تم (اپنے باپ) عبدالمطلب کے دین سے پھر جاؤ گے؟" آپ بار بار لا الہ الا اللہ پڑھنے کی درخواست کرتے تھے اور یہ دونوں ان کو وہی عبدالمطلب کے دین سے علیحدگی پر شرم دلاتے تھے، بالآخر ابوطالب نے یہی کہا کہ "میں عبدالمطلب کے دین پر مڑتا ہوں" اور لا الہ الا اللہ نہیں کہا، صحیح بخاری کی روایت ہے، صحیح مسلم میں اس کے بعد ہے کہ ابوطالب نے کہا کہ بھتیجے جو فقرہ تم کہتے ہو میں کہہ کر تمہاری آنکھیں ٹھنڈی کر دیتا، لیکن قریش کہیں گے کہ ابوطالب موت سے ڈر گیا، ابن اسحاق میں ہے کہ انھوں نے اسبہ سے وہ فقرہ کہہ دیا، بہر حال اس واقعہ سے جو دکھانا ہے وہ یہ ہے کہ اس

۱۔ مستدرک حاکم ج ۱۔ ص ۱۸۷ کتاب الایمان، ۲۔ کتاب الجنائز، باب اذا قال المشرك عند الموت لا الہ الا اللہ، ۳۔ صحیح مسلم کتاب الایمان باب ۹ ص ۱۸۷ ابن ہشام، وفات ابی طالب،

حالت میں بھی غافلین کے پاس اسلام سے باز رکھنے کے لیے اس سے زیادہ پر زور اور پراثر دلیل نہ تھی کہ ابوطالب
 کیا ابائی مذہب کو چھوڑ دو گے؟ اس سے معلوم ہو گا کہ اسلام کی اشاعت کے راستہ میں یہ تخیل کتنا بڑا پتھر تھا،
 تو ہم پرستی | عرب کی اصلاح و ہدایت کی راہ میں ایک اور عائق عرب کی توہم پرستی تھی، ہر قوم میں جاہلون کا جبر
 طرح یہ اعتقاد ہوتا ہے کہ فلان دیوتا یا فلان پیر کے خلاف اگر کچھ زبان سے نکلا تو فوراً بلائیں آکر ہم کو لپیٹ
 جائیگی، عرب میں گھر گھر سینکڑوں بت اور میسوں صنم خانے تھے، دنیا کے تمام کام انہیں اہنام اور بتوں سے
 متعلق سمجھے جاتے تھے، مدتوں سے یہ خیال راسخ چلا آتا تھا کہ فلان بت کی پرستش یا خدمتگزاری میں اگر کوتاہی
 لگائی تو آسمان سے پانی برسنا بند ہو جائے گا، فرزند زنیہ پیدا نہ ہو گا، باغون میں پھل نہ آئیں گے، اسی بنا پر اسلام
 کے نام سے ان کو لزہ آتا تھا، اور یہ تخیل صرف اسی وقت پیدا نہیں ہوا تھا بلکہ ایک مدت سے عرب میں چلا
 آتا تھا، حضرت ہود کی دعوت کے جواب میں ثمود نے کہا،

إِنْ تَقُومُوا إِلَهُآءَآ غَيْرَ كَلَّا بَعْضُ الْيَحْتَنَابِ سُبُحٍ

ہم تو اس کے سوا کچھ اور نہ کہیں گے کہ ہمارے کسی دوتا
 نے تم کو آ کے ستایا ہے،

(ہود: ۵)

ابتداءً جب آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے بتوں کے خلاف وعظ کہنا شروع کیا تو اکثر لوگوں نے
 (نفوذ باللہ) پاگل سمجھ لیا، جاہلیت کے زمانہ کے بعض کافر احباب ہمدردی کی راہ سے جھاڑ پھونک کرنے
 آئے، ضام بن ثعلبہ ایک صحابی تھے، وہ مسلمان ہو کر اپنے قبیلہ میں جب واپس گئے، اور لات و عنزی کی مذمت
 شروع کی، تو تمام قبیلہ خوف سے کانپ گیا کہ "ضام! ان کو برا نہ کہو، دیکھو کہ میں تم کو برص، جنون یا جذام نہ پہنچاؤں"
 حضرت زنیہ مسلمان ہونے کے بعد بصارت سے محروم ہو گئی تھیں، انھوں نے کہا شروع کیا کہ "لات و عنزی
 نے ان کو اندھا کر دیا ہے" حضرت طفیل بن عمرو دسی مسلمان ہو کر جب اپنے وطن تشریف لے گئے اور اپنی

ابن کثیر از تفسیری، ابن حبان، بغوی وغیرہ تمام مفسرین نے لکھا ہے، اللہ دیکھو تفسیر آیہ وما آتتہم بضعۃ ربک بمعجونین و زنیہ
 ماریہ بنت جحش رحمہم اللہ صحیح مسلم باب تخفیف الصلوۃ و الخطبہ لکے مسند واری کتاب العملاق، اللہ اس دعا کا ترجمہ حضرت زنیہ، و سیرۃ
 ابن ہشام و ذکر متضعفین مسلمین،

یوی کو اسلام کی دعوت دی، تو انھوں نے کہا: "دیکھو ذوالشری (بت) کہین برباد نہ کر دے،"

فتحِ مکہ کے بعد جبکہ دیوتاؤں کے زور و قوت کا زرافشا ہو چکا تھا، اور اکثر قبائل نے اسلام قبول کر لیا تھا تاہم لات، عزی، منات، ذی الکفن، سواع کے بتانوں کو وہ اپنے ہات سے نہ توڑ سکے، خاص مدینہ سے راسخ الایمان مسلمان بھیجے گئے جنھوں نے اس فرض کو انجام دیا، پوجاریوں نے کوئی مزاحمت نہ کی، وہ سمجھتے تھے کہ ان دیوتاؤں کو کون توڑ سکتا ہے، جو اس گستاخی کا ارادہ کر چکا وہ خود تباہ و برباد ہو جائیگا،

تو ہم پرستوں میں کسی مذہب کی صحت و بطلان کی دلیل شواہد عقلی نہیں ہیں، بلکہ دنیا کے ظاہری مادی فوائد اور جانی و مالی خیر و برکت، لیکن قوانینِ گاہِ عالم میں ایک مذہب پرست بھی اسی طرح الام و مصائب گزرتا ہو سکتا ہے، جس طرح ایک غیر مسلمان، عرب کے بد و اعراب ابتدائے مسلمان ہونے کی ہمت بھی کرتے تھے تو معایہ توقع بھی کر لیتے تھے، کہ اب وہ ہر قسم کے آفاتِ ارضی و سماوی سے محفوظ ہیں، اس بنا پر اگر کبھی اونکی اس توقع کو صدمہ پہنچتا تو دفعہ وہ متزلزل ہو جاتے تھے، صحیح بخاری کتاب التفسیر میں ہے،

كان الرجل يقدر المدينة فان ولدت امرأته غلاما ونجت خيله قال هذا دين صالح وان لم تلد امرأته ولم تنج خيله قال هذا دين سوء،
 باہر کا جو شخص مسلمان ہو کر مدینہ آتا تھا اونکی یہ حالت تھی کہ اگر اونکی بیوی لڑکا جنمی اور اونکی گھوڑی بچہ دیتی تو کہتا کہ یہ نہایت عمدہ مذہب ہے، لیکن اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ کہتا کہ یہ نہایت برا مذہب ہے،

قرآن مجید کی یہ آیت اسی قسم کے لوگوں کی شان میں نازل ہوئی ہے،

وَمِنَ النَّاسِ مَن يُعْبِدُ اللَّهَ عَلَى حَرْفٍ فَإِنْ أَصَابَهُ خَيْرٌ اطْمَأَنَّ بِهِ وَإِنْ أَصَابَتْهُ فِتْنَةٌ انْقَلَبَ عَلَى وَجْهِهِ (ج ۱۶)
 اور بعض لوگ وہ ہیں جو خدا کی بندگی کنارہ کھڑے ہو کر کرتے ہیں یعنی دل سے نہیں کرتے اگر انکو فائدہ پہنچتا تو انکو مطمئن ہو جاتا، لیکن اگر فتنہ صیبت ہو تو فوراً روگردان ہو جاتے ہیں،

۱۔ اسبابہ ذکر طفیل بن عمرو دوسی، ۲۔ ابن سعد و طبری، ذکر ہرم اصنام، ۳۔ تفسیر سورہ حج جلد ثانی صفحہ ۶۹۱، ۴۔ صحیح بخاری تفسیر سورہ حج،

ہجرت کے بعد جب مسلمان مدینہ آئے اور اتفاق سے ایک عرصہ تک کسی مسلمان گھرانے میں کوئی لڑکانہ پیدا ہوا تو دشمن اس واقعہ کو اپنی بد دعاؤں کا نتیجہ سمجھتے تھے اور خوش ہوتے تھے، آخر چھ مہینے کے بعد عبداللہ بن زبیر پیدا ہوئے اور مسلمان بے انتہا مسرور ہوئے، سور اتفاق یہ کہ اول اول جو لوگ مدینہ میں آتے تھے، ان کو وہاں کی آب و ہوا اس نہیں آتی تھی، ابتداً ہجرت میں جب حضرت ابو بکرؓ و حضرت بلالؓ آئے تو سخت بیمار ہو گئے، حضرت طفیل بن عمروؓ نے جب مدینہ کو ہجرت کی تو انکو بھی مدینہ کی آب و ہوا ناموافق ہوئی، اگرچہ مخلصین اور بابائے فہم پر اس قسم کی عارضی ناگوار یوں کا کوئی اثر نہیں پڑ سکتا تھا، تاہم عام لوگ جنکی ہم پرستی فطرت ثانیہ ہو گئی تھی، اس قسم کے اتفاقی واقعات ہی پیدا ہوتے تھے، چنانچہ جب عکل و عنینہ کے چند لوگوں نے مدینہ میں آکر اسلام قبول کیا اور آب و ہوا کی ناموافقیت کے سبب بیمار ہو گئے اور آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے تبدیل آب و ہوا کی غرض سے ان کو اونٹوں کی چراگاہ میں بھیج دیا تو گوہر صبح ہو گئے تاہم مرتد ہو گئے، اسی طرح ایک بدو نے آکر آپ کے دست مبارک پر بیعت کی، لیکن سور اتفاق سے دوسرے دن بخار میں مبتلا ہوا تو اپنی بیعت توڑنی چاہی، آپ نے تین بار منع فرمایا، لیکن اس کے اصرار سے آخر بیعت فسخ کر دی اور فرمایا،

المدینۃ کالکیر تنفی خبثھا وتنصع طیبھا مدینہ ایک کھٹی جڑی بوٹی کی طرح ہے جو ہر کوٹھلے کو کھینچتا ہے
انہی اسباب کی بنا پر آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مدینہ کے متعلق یہ دعا فرمائی،

اللھم حبیب الینا المدینۃ کجنا مکۃ خداوند مکہ کی طرح یا اس سے زیادہ ہمارے لیے مدینہ کو
اوشد، اللھم وحیہا وبارک لنا فیہا محبوب بنادے، اسکو امراض سے صحت کرنے کے لیے
وصاعہا وانقل حماہا فاجعلہا بابا لحفۃ میں برکت دے، اور اس کے بخار کو جہنم میں منتقل کر دے،

قبائل کی خانہ جنگیاں | اسلام کی اشاعت کا ایک بڑا مانع عرب کی باہمی خانہ جنگیاں تھیں، جو عرب کے انھیں

۱۔ مستدرک حاکم جلد ۳ و اصحابہ ذکر عبداللہ بن زبیرؓ صحیح بخاری کتاب المرضی و باب مقدم النبی صلی اللہ علیہ وسلم کتاب الاطعمۃ
۲۔ صحیح بخاری کتاب الحارثین، ۳۔ صحیح بخاری جلد ۲، ۴۔ کتاب الحج، فضائل مدینہ، و باب اعظام السنۃ ۵۔ صحیح بخاری باب مقدم النبی صلی اللہ علیہ وسلم کتاب المذنبین

قومی کا عنصرِ عظیم بن گئی تھیں، یہ خانہ جنگیان ہزاروں برس سے چلی آتی تھیں، اور انکی وجہ سے قبائل میں ایسے نماؤں ثابت الاساس انتقامی جذبات پیدا ہو گئے تھے، جن کا منشا قریباً محال تھا، انھی لڑائیوں نے شمار (انتقام خون) کی رسم پیدا کر دی تھی، جبکا ذکر اوپر گذر چکا ہے، یہ رسم ایسی سخت اور شدید الاثر تھی کہ ایک شخص کے خون کے لیے قبیلہ کا قبیلہ مٹ جاتا تھا، ہزاروں برس کے خون قومی قرض کی طرح باقی چلے آتے تھے جو درجِ حربہ ہوتے رہتے تھے، اور بچہ بچہ کی زبان پر ہوتے تھے، جو بچہ پیدا ہوتا تھا وہ ہوش سنبھالنے کے وقت سب سے پہلے شمار کا لفظ سنتا تھا، یعنی خاندان میں فلاں شخص قتل کیا گیا ہے اور اس کے خون کا انتقام اب تک باقی ہے، اس لیے بچہ بچہ کا نصب العین ابتدائے زندگی سے یہی شمار ہوتا تھا،

اس بنا پر ایک شخص یا ایک خاندان جس خلوص اور عقیدت مندی کے ساتھ اسلام کی طرف جھکتا تھا، اسی زور اور قوت کے ساتھ دوسرا فریق اسلام کی مخالفت اور اس سے سرکشی پر آمادہ ہو جاتا تھا، مکہ میں اسلام کی مخالفت کا صرف یہی راز تھا، کہ خدا نے نبوت کے لیے ہاشم کا گھرانہ چن لیا تھا، بنو امیہ کی مخالفت اس کے لیے لاجالہ ہوتی تھی،

مدینہ میں اوس و خزرج دو قبیلے تھے، اسلام سے پہلے دونوں لڑ لڑ کر تھک گئے تھے، اسلام کی آواز آنی تو گو دونوں نے ایک ساتھ لبیک کہا، تاہم قبیلہ اوس کا ایک ایک فرد اگر بہت تن اخلاص و جوش تھا، تو خزرج میں بیسیوں منافق تھے، انتہا یہ ہے کہ ابتدائے اسلام میں ہجرت سے پہلے دونوں قبیلوں کی نماز کی ہمت کے لیے باہر سے ایک تیسرے قبیلہ کا آدمی بلوایا گیا تھا، کہ خدا کے سامنے بھی ایک کو دوسرے کے پیچھے کھڑے ہونے سے عار تھا،

خزاعہ اور بنو بکر باہم شدید دشمن تھے، اور انہیں باہم پرانی عداوت چلی آتی تھی، مدینہ آنے کے بعد آنحضرت ﷺ نے ان کو صلح کا پیام اور اسلام کی دعوت دی، خزاعہ نے اسلام کی دعوت قبول کی، اسکا لازمی نتیجہ

سید ابن ہشام ذکر بیعت عقبہ،

یہ ہوا کہ بنو بکر قریش کے حلیف بن گئے،

خوب غور کرو، انصار اسلام لاکر ہمہ تن نیکو کاری اور پاکیزہ نفسی کے پیکر بن گئے، لیکن ثار کے جذبات کس طرح
آسانی سے دفتہ مشتعل ہو جاتے تھے، ایک موقع پر ایک یہودی نے جنگِ بعاث کا تذکرہ چھیڑ دیا، تو انصار کے
دونوں قبیلوں (اوس اور خزرج) کی تلواریں میان سے نکل آئیں، اور بڑی شکل سے آنحضرت صلیم نے اُنکے
جوش کو فرو کیا،

حضرت عائشہؓ کے واقعہ افک میں جب آنحضرت صلیم نے منبر پر کھڑے ہو کر اسکی شکایت کی اور حضرت
سعد بن معاذؓ نے کہا یا رسول اللہ! اگر وہ (تہمت لگانے والا) ہمارے قبیلہ کا ہے تو میں اوسکی گردن اڑا دیتا
ہوں، اور اگر ہمارے بھائی خزرج کے قبیلہ سے ہے تو آپ حکم دین، میں بجالاؤں گا۔ اس پر سعد بن عبادہ جو قبیلہ
خزرج کے رئیس تھے، دفعہ کھڑے ہو گئے، اور کہا،

لذبت لعمر الله لا تقتله ولا تقدر علی قتله ولو كان من رهطك ما احببت ان يقتل
خدا کی قسم، تو جھوٹ کہتا ہے، تو اوسکو نہ قتل کریگا، نہ
کر سکتا ہے اور وہ شخص اگر تیرے قبیلہ کا ہوتا تو تو اُسکو
قتل کیا جانا پسند نہ کرتا،

اس پر اوس اور خزرج دونوں قبیلوں کے لوگ اٹھ کھڑے ہوئے، یہاں تک کہ قریب تھا کہ جنگ چھڑ جائے،
چنانچہ صحیح بخاری حدیث افک میں ہے،

فقال الحیان الاوس والخزرج حتی صعدوا
پس دونوں قبیلے اوس اور خزرج مشتعل ہو گئے، یہاں تک
ان یقتتلوا، ورسول الله قائم علی المنبر،
کہ دونوں کشت و خون پر آمادہ ہو گئے اور آنحضرت صلیم
اُس وقت منبر پر کھڑے تھے،

۱۔ اصحاب جلد ۱ مطبوعہ مصر صفحہ ۱۸۸ مع صفحہ طبرانی میں بھی ایک اور اسی قسم کا واقعہ مذکور ہے، معجم عبد اللہ،
۲۔ صحیح بخاری کتاب المغازی باب حدیث الافک،

ایک بار معلم بن جنامہ لیشی نے عہد اسلام میں قبیلہ بنی نضیر کے ایک شخص کو قتل کر ڈالا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے مقدمہ پیش ہوا، قبائل کے تعلقات کی بنا پر عیینہ نے مقتول اور اقرع بن حابس نے قاتل کی طرف سے وکالت کی، بات بڑھی، اور سخت شور و شغب ہوا، تو آپ نے عیینہ سے فرمایا: "دیت کیوں نہیں قبول کر لیتے؟" اُس نے کہا: "میں نے اس قسم اس وقت تک دیت نہ قبول کر دینا جب تک اس کی بی بیوں کو اس قدر نہ ستاؤں جب قدر اس نے ہمارے بی بیوں کو ستایا ہے" اس پر اور شور و غل ہوا، آپ نے پھر یہی الفاظ فرمائے اور عیینہ نے وہی پہلا جواب دیا، چونکہ یہ اسلام کا ابتدائی زمانہ تھا، اور قتل کا یہ پہلا مقدمہ تھا، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش ہوا تھا، اس لیے قبیلہ بنو لیشی کے ایک شخص نے جو مسلح کھڑا تھا، کہا کہ: "ابتداءً اسلام میں اس واقعہ کی مثال بکری کے اُس ریوڑ کی سی ہے کہ اُس کے پہلے حصہ کو تیرا گیا، تو دوسرا بدک کے بھاگ گیا، یعنی اگر قاتل کے موافق فیصلہ کیا گیا تو لوگ سمجھیں گے کہ اسلام قصاص کو دیت سے بدل دینا چاہتا ہے اور چونکہ دلوں میں اب تک انتقام کے جذبات تازہ ہیں اور لوگ دیت لینا پسند نہیں کرتے اس لیے اُن کو اسلام کے قبول کرنے میں تاثر ہوگا، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ سفر میں تھے، اس لیے دیت میں ۵۰ اونٹ اُسی وقت دیئے اور مدینہ پہنچ کر ۵ اونٹ کا وعدہ فرمایا، اہل عرب میں یہ جذبہ استقدر ترقی کر گیا تھا کہ گو اپنے فتح مکہ میں امن عام کی منادی کر دی، اور تلوار کے میان میں کر لینے کا حکم دیا، تاہم انتقام کا جوش اب تک تازہ تھا،

قبیلہ بنو لیشی کا ایک شخص اسلام لانے کی غرض سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جا رہا تھا، اُس نے زمانہ جاہلیت میں قبیلہ خزاعہ کا کوئی جرم کیا تھا اور وہ لوگ انتقام کے لیے اُس کو ڈھونڈ رہے تھے، سو اتفاق سے وہ راہ میں مل گیا، اور اُن لوگوں نے اُس کو فوراً قتل کر دیا کہ اگر بارگاہ نبوت میں نہ پہنچتا تو پھر اس کا موقع تھا نہ آتا، آپ کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو سخت برہم ہوئے، ان لوگوں نے حضرت عمر، حضرت ابو بکر، حضرت علی رضی اللہ عنہم سے سفارش کی درخواست کی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے بعد ایک خطبہ دیا جس کے الفاظ یہ تھے،

لے ابو داؤد و جلیل صفحہ ۵۵ کتاب البیات،

خدا نے مکہ کو دار الحرام بنایا ہے، آدمیوں نے نہیں بنایا ہے، خدا نے کل چنگھٹوں کے لوگوں کو میرے لیے حلال کر دیا تھا، لیکن آج اس کی قدیم حرمت دوبارہ لوٹ آئی ہے، اور خدا کے سب سے نافرمان بندے تین آدمی ہیں ایک وہ جس نے حدودِ حرم میں کسی کو قتل کیا، دوسرا وہ جس نے اپنے قاتل کے سوا کسی دوسرے شخص کو مار ڈالا، تیسرا وہ جس نے زمانہ جاہلیت کا انتقام لیا، تم نے جس شخص کو قتل کر ڈالا ہے میں اس کی دیت دوں گا۔

چنانچہ اپنے اس کی دیت ادا فرمائی،

بنو نعلبہ کے ایک آدمی نے جاہلیت میں اوس خرنسج کے ایک آدمی کو قتل کر دیا تھا، بنو نعلبہ اسلام لا کر جب مدینہ آئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے، ایک انصاری بے اختیار چلا اوٹھے کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ ہمارے مجرم ہیں، ان سے قصاص دلوایئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ اٹھا کر فرمایا لا اھلجینی والد علی دلہ، یعنی لڑکے کے جرم کا بدلہ باپ سے نہیں لیا جائیگا،

ان واقعات سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ تارک کا جذبہ کس طرح رگ رگ میں سرایت کر گیا تھا، اور اس جذبہ کا شعل ہو جانا کقدر آسان ہوتا تھا،

خانہ جنگیوں پر ختم نہیں، یوں بھی تمام قبائل رقیب اور حریف متقابل تھے، دو مختلف قبیلوں کے آدمیوں میں کسی ذاتی معاملہ پر بھی نزاع ہو جاتی تھی اور ان میں کوئی اپنے قبیلہ کا نام پکارتا تھا، تو قومی جنگ کا سامان ہو جاتا تھا، ایک دفعہ ایک مہاجر نے ایک انصاری کو تھپڑ مار دیا، انصاری نے یا للاحضار (انصاری کی دعا) پکارا، مہاجر نے بھی یا اللہ مہاجرین کا نعرہ مارا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی، آپ نے نکل کر فرمایا کہ یہ کیا جہالت کی پکار، یا بال دعوی الجاہلیۃ، یہ کیا جہالت کا دعویٰ ہے،

لوگوں کو معلوم تھا کہ اسلام اس فعلِ شیع کا سخت دشمن ہے اس لیے جب تک وہ اپنا انتقام نہ لے لیتے

۱۔ مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ صفحہ ۳۱، ۲۔ دار قطنی جلد ۲ صفحہ ۳۰۸، ۳۔ صحیح بخاری جلد ۴ صفحہ ۴۹۹، ذکر نبی دعوت جاہلیہ،

ان کو اسلام لانے میں تامل ہوتا تھا، عمرو بن عائش ایک صاحب تھے وہ آنحضرت صلیع کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام سے متاثر اور اس کے قبول کرنے کے لیے ہر طرح آمادہ تھے، لیکن ایک عائق تھا جو اس راہ میں حائل تھا یعنی مازوہ جانتے تھے کہ اسلام لا کر اس خاندانی فرض کے ادا کرنے کی اونکو اجازت نہیں مل سکتی، ابن مندہ نے ان کے حال میں لکھا ہے،

وكان له تارفي الجاهلية وكراه ان يسلم
ان كان اتقام زمانه جاهليت من باقى ره گیا تھا جب تک
حتی یاخذہ،
نہ لے لیں انھوں نے مسلمان ہونا پسند نہ کیا،

اسی طرح حضرت عمرو بن مالک جب آنحضرت صلیع کی خدمت میں اسلام لا کر اپنے قبیلہ میں پس گئے تو اسلام کی دعوت دی تو قبیلہ والوں نے کہا، بنو عقیل پر ہمارا نار (انتقام) باقی ہے وہ نے لیں تو اسلام لائیں چھوٹے انھوں نے اسی وقت بنو عقیل پر جو مسلمان ہو چکے تھے حملہ کیا، اور اس فرض سے سبکدوش ہوئے۔

سیاسی مشکلات | جہالت، وحشت، پابندی رسوم، آبائی اثر وغیرہ وغیرہ ان میں سے ایک چیز بھی مانع صلاح نہ ہوتی تاہم صرف سیاسی اسباب ایسے جمع تھے کہ قریش یا دیگر قبائل سب کبھی اسلام کے آگے سر نہیں جھکا سکتے تھے، مکہ میں دو خاندان برابر کے رقیب تھے، امیہ اور ہاشم، اور آنحضرت کی بعثت سے پہلے امیہ کا پلڑہ بیچ ملائیمہ گران ہو چکا تھا، آنحضرت صلیع نے جب بعثت کا اظہار کیا، تو سب سے پہلے امیہ کے خاندان نے سرکشی کی اور سب تک یہی خاندان تھا، جو تمام لڑائیوں اور معرکہ آرائیوں کا علمبردار تھا، بنو امیہ کے بعد اور خاندان تھے اور وہ بھی حرم کے مناصب دہ گانہ (رفادۃ وغیرہ) کے ممتاز حصہ دار تھے، ان میں سے ہر ایک دیکھ رہا تھا کہ اس جدید انقلاب میں ان فوائد اور اقتدار کا بالکل خاتمہ ہے، ابوہل سے جب ایک شخص نے کہا کہ محمد کی دعوت اسلام کی نسبت تمہاری کیا رائے ہے؟ تو اس نے صاف کہا کہ میں کیا کہوں، محمد کے خاندان نے عتوت و شرف میں برتری کا دعویٰ کیا، اور ثبوت میں دعوتیں کھلائیں، اس کے جواب میں ہم نے

لے اسلام الغابہ صفحہ ۸۰ جلد ۴، ۵ اصحابہ فی احوال الصحابہ ذکر عمرو بن مالک،

اسی شان کی دعوتیں دین، انھوں نے خون بہا دیئے، ہم نے بھی دیئے، انھوں نے زرباشیان کین ہم نے بھی کین، ہم دونوں دوش بدوش ہو چکے تھے کہ دفعۃً اُن کی طرف سے یہ دعویٰ پیش ہوا کہ ہمارے خاندان میں نبوت اور آسمان سے وحی بھی آگئی، اب ہم کہاں تک برداشت کریں، خدا کی قسم ہم کبھی محمد پر ایمان نہیں لا سکتے، یہی ابوہل جب انصار کے ہات سے قتل ہوا تو اُس نے مرتے وقت حسرت سے کہا کہ کاش مجھ کو کاشنگاروں کے سوا کسی اور قوم نے قتل کیا ہوتا،

تھا۔
خوب غور سے دیکھو بدر، اُحد، حمر، الاسد، احزاب وغیرہ تمام لڑائیوں میں یہی اموی عنصر تھا جو کام کر رہا قریش کے قبیلہ سے باہر جو بڑے بڑے قبیلے تھے، مثل غطفان، اسد، وغیرہ وہ یا اہل مکہ ہی کے خاندان کی کوئی شاخ تھی یا قریش کے حلیف، ہم عہد تھے، خیبر میں یہود تھے جو قوم کے کاٹا سے قریش سے الگ تھے لیکن جو تجارتی حیثیت سے تمام تر انہی کے زیر بار تھے، انہی سے قرض وام لیتے تھے، انہی کے ہاں مال متاع رہن رکھتے تھے، خیبر اور غطفان ایک مدت دراز سے باہم حلیف تھے، اس طرح مکہ سے لیکر خیبر اور نجد تک ایک سلسلہ اتحاد میں مربوط تھا،

کعبہ تمام عرب میں قبلہ گاہِ اعظم تھا، ہر سال تمام ملک حج کرنے کے لیے آتا تھا، اور آستانہ کعبہ پر چھڑکتا تھا، کعبہ کے مجاور معمولی پنڈ دے نہ تھے، بلکہ خیمہ و خرگاہ، تیغ و سپر، جاہ و خشم، غرض ریاست و مارت کے تمام سرور سامان رکھتے تھے، اس لیے تمام عرب میں اُن کی شہنشاہی قائم تھی، یہی بات ہے کہ جب تک مکہ فتح نہیں ہوا، اسلام چین سے نہیں بیٹھ سکا، لیکن اسلام کی مخالفت، صرف قریش کی متابعت پر محدود نہ تھی، بلکہ بڑا سبب یہ تھا کہ اسلام سے خاص قریش کو جو نقصان پہنچ سکتا تھا، براہِ راست وہی تمام روسائے قبائل کو پہنچتا تھا، عرب کا ملکی نظام یہ تھا کہ تمام ملک میں قبائل پھیلے ہوئے تھے، اور ہر قبیلہ کا ایک رئیسِ اعظم ہوتا تھا جو تمام قبیلہ پر حکمران ہوتا تھا، اور مالی غنیمت سے چوتھ وصول کرتا تھا، جس کو مزیع کہتے تھے، اُس کے علاوہ، غنائم میں

سے ابن ہشام حصہ اول، ص ۱۰۸ مطبوعہ مصر، طبع اول، سنہ صحیح بخاری واقعہ بدر، سنہ طبری واقعہ خیبر

جو عورت، یا اور کوئی عمدہ چیز اس کو پسند آتی تھی اس کو چھانٹ لیتا تھا، اسکا نام صفی تھا، یہ گویا چھوٹی چھوٹی مچھوٹی مچھوٹی
تھیں، جو تمام ملک میں پھیلی ہوئی تھیں، یہ ریاست خاندانی اصول پر چلتی تھی، باپ کے مرنے کے بعد، بیٹا رئیس
منتخب ہوتا تھا، قبیلہ کے تمام معاملات، ذاتی نزاعیں، قصاص، یا خون بہا کے فیصلے سب، رئیس کے ہاتھ سے
فیصل ہوتے تھے، یہ رؤساء عام قوم سے بہت سے حقوق میں ممتاز ہوتے تھے،

قبائل میں یہی اہم ترین مراتب تھا کہ جو قبائل زیادہ شریف مانے جاتے تھے، ان میں سے ایک ایک
کو اگر کوئی دوسرا قبیلہ قتل کر دیتا تھا، تو اسکا خون دوسرے قبیلہ کے دو خون کے برابر سمجھا جاتا تھا، اور اس لیے
ایک کے بدلہ میں دو کو قتل کرتے تھے، یہ امتیاز اور فرق مراتب اس حد تک پہنچ گیا تھا کہ جب غزوہ بدر میں قریش
کی فوج میں سے عقبہ و شیبہ میدان میں آئے اور مبارز طلب ہوئے اور انصار ان کے مقابلہ کو نکلے تو عقبہ
نے اس بنا پر ان کے مقابلہ سے انکار کر دیا کہ قریش اور انصار کا جوڑ نہیں،

حضرت عمرؓ کے زمانہ میں جبکہ بنی الاہم خاندان عثمان کا اخیر فرمانروا اسلام لایا، اور مکہ میں آیا، ایک دن
طواف میں اسکی چادر کسی شخص کے پانوں کے نیچے لگی، جبکہ نے اس کے گال پر تھپڑ کھینچ مارا، اس نے بھی
برابر کا جواب دیا، جبکہ نے حضرت عمرؓ کے پاس جا کر شکایت کی، حضرت عمرؓ نے واقعہ سن کر کہا اس کا کیا تصور
ہے، تم نے جو کیا اسکی جزا پائی، جبکہ نے کہا میرا یہ تہہ ہے کہ کوئی مجھے ہاتھ اٹھاتا تو قتل کر دیا جاتا، حضرت عمرؓ نے کہا
کہ ہاں زمانہ جاہلیت میں یہی قاعدہ تھا، لیکن اسلام نے اس کا خاتمہ کر دیا، جبکہ نے کہا جو مذہب شرفاء کو ذلیل
کر دیتا ہے میں اس سے باز آتا ہوں، یہ کہہ کر چوری سے روم چلا گیا اور عیسائی ہو گیا،

عرب کا ہر رئیس قبیلہ درحقیقت چیلیم تھا اور اسلام قبول کرنے کے وقت اس کو یہی منظر نظر آتا
تھا، اسلام ان تمام واقعات اور خصوصیات کو مٹاتا تھا، اس کے دربار میں شاہ و گدا، رئیس و عامی، شریف و
حقیر کا ایک درجہ تھا، اس لیے عرب میں تمام رؤساء قبائل کو صاف نظر آتا تھا کہ اسلام کا پھیلنا، ان کے
ہر قسم کے فخر و امتیاز کا مٹ جانا ہے،

عرب میں ایک دوسری حریف طاقت یہودیوں کی تھی، جو حجاز سے لیکر شام کے دروازوں تک پھیلے تھے، اُن کے ہاتھ میں بڑے بڑے مضبوط قلعے تھے، فن جنگ سے واقف تھے، سامان و اسلحہ وافر رکھتے تھے، دولت کی بہتات تھی، باغون اور زمینوں پر اُن کا قبضہ تھا، عرب کے تمام مادی ذرائع معاش کے وہ تنہا اجارہ دار تھے پھر اسلام آیا تو اس طرح کہ اس نے یہودیوں کی ایک ایک برائی کو پشت از بام کیا، اور اُن کے مذہبی وقار کے کھوکھلا پن کو علی الاعلان ظاہر کیا، اس لیے انھیں صان نظر آتا تھا کہ یہ نئی طاقت ملک میں جبر پکڑ کر اون کو بیخ و بنیاد سے اڑکھاڑ دیگی، چنانچہ قرظیہ، بنی نضیر، بنی قینقاع، اور شریہ، خیبر، فدک، تیمار وادی القریٰ وغیرہ کے یہودی زمیندار، سوداگر، مہاجرین اور قلعہ نشین اُن سے چاہتے تھے کہ اس قوت کو کسی طرح ابھرنے نہ دیں اور آخر طرانیائیں اُن میں اور دین توحید کے مقابلہ میں اہل شرک کا ساتھ دیکر خندق و احزاب و غطفان کے معرکے پیش کیے، عرب کے مختلف قبیلوں اور سرحدی صوبوں پر ایران اور روم کی سلطنتیں، فرمانروائی کرتی تھیں، عراق، یمن اور بحرین پر ایران کی حکومت تھی، اور حجاز کے شمالی حدود پر قیصر کا قبضہ تھا، عرب کے مختلف ہمسایہ قبیلے انھیں دو میں کسی ایک سلطنت کی حفاظت کا دم بھرتے تھے، اور یہ دونوں سلطنتیں اس بیچ کے سرحدی ملک کی ایک ایک حرکت اور جنبش پر نظر رکھتی تھیں، اس لیے اس ملک میں اتنی بڑی ایک عظیم الشان تحریک کا قوت پکڑنا اُن کو کسی پسند نہیں آسکتا تھا، اسی لیے عرب میں اسلام کی قوت کا ان کو جب احساس ہوا، تو انھوں نے اس کی دادرسی کرنی چاہی، کسراے ایران نے یمن کے اپنے ایرانی گورنر کو لکھا، کہ اس نے مدعی کو پکڑ کر ہمارے سامنے حاضر کرو، اور قیصر نے تو کھلم کھلا حملہ کی تیاری ہی کر دی تھی، جس کے باعث تبوک کی فوج کشی ہوئی، اور آخر انھیں صلح کے بعد اسلام کو ان دونوں ہمسایہ طاقتوں سے نبرد آزما ہونا پڑا،

ذریعہ معاش | اسلام لانے کا ایک بڑا مانع یہ تھا کہ عرب کا ذریعہ معاش عموماً قافلون پر حملہ آوری اور سلب ہوا اور رہنری تھا، اوپر ہم امالی قالی سے نقل کر آئے ہیں کہ عرب کا ذریعہ معاش غارتگری تھا اور چونکہ حج کے چار مہینے تک جنگ و غارت سے باز رہنے میں اُن کے ذرائع معاش مسدود ہو جاتے تھے، اس ضرورت سے

وہ حج کے مہینوں کو بدل کر لیا کرتے تھے،

اندر ونی عرب، تمام تر دشت و صحرا اور بالکل ویرانہ ہے، زراعت یا تجارت کی کوئی صورت نہیں، باوجود اس کے لاکھوں نفوس آباد ہیں، اس لیے اُن کو غارتگری کرنی پڑی اور امتدادِ زمانہ سے یہ عادت اُن میں رائج ہو گئی تھی، رفتہ رفتہ ٹھگی، رہزنی، اور سرقت تمام ملک میں پھیل گیا تھا، یہاں تک کہ بڑے بڑے نامور شعراء جو راور رہزن ہوتے تھے،

اکثر بڑے بڑے جتھے اس لیے قائم ہوتے تھے کہ بنجارے جو ملک میں پھر کر غلہ کی تجارت کرتے تھے انکو لوٹ لیا کریں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو تہہ بجنڈل پر جو سریہ بھیجا تھا، اسی کے اندر ادکی غرض سے بھیجا تھا، دو تہہ مدینہ منورہ سے پندرہ منزل کے فاصلہ پر ہے، تاہم یہ لوگ اس قدر فاصلہ سے خود مدینہ پر چھاپہ مارنے کی تدبیر کر رہے تھے کہ آپ کو خبر ہو گئی اور حفظِ مقررہ کے لیے خود وہاں تک گئے اور چند روز قیام کر کے ان اطراف کا بندوبست کیا،

حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے اسلام لانے سے پہلے چند شخصوں کو قتل کر کے اُن کا مال چھین لیا تھا، چنانچہ جب اسلام لائے اور اس واقعہ کا اظہار کر کے لوٹ کا مال بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا تو آپ نے فرمایا کہ

اما لا سلام فاقبل واما المال فليست اسلام تو میں نے قبول کیا، لیکن مال سے مجھ کو کسی

منہ فی شئ، (صحیح بخاری کتاب الفروط ذکر صلح حدیبیہ) قسم کا واسطہ نہیں،

ایک نکتہ یہاں خاص طور پر لحاظ کے قابل ہے، حدیثوں میں جو وارد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اکثر بیعت اسلام کے وقت جن باتوں کا اقرار لیتے تھے، ان میں ایک یہ بھی ہوتا تھا کہ "جو ری نہ کرینگے، اسکی یہی وجہ تھی کہ ان جرائم کا رواج تھا ورنہ آج اگر شرعاً سے بیعت کے وقت یہ اقرار لیا جائے تو لوگوں کو تعجب ہو گا کہ بیعت لینے کی کیا چیز ہے،

اسلام قبول کرنے کے ساتھ ان تمام جرائم سے توبہ کرنا ہوتا تھا، اس لیے عرب کو اسلام قبول کرنے کے وقت یہ نظر آتا تھا کہ وہ تمام ذرائع معاش سے مجبور ہو جاتے ہیں، وہ قافلون پر حملہ نہیں کر سکتے کہیں ڈاکہ نہیں ڈال سکتے کسی کا مال نہیں چھین سکتے، تو اب ان کے لیے کیا باقی رہ جاتا ہے،

قریش خود رہن اور غار نگر نہ تھے وہ شہر کی تمدن زندگی بسر کرتے تھے، تاہم دیگر اسباب کیساتھ ان کے اسلام نہ قبول کرنے کی وجہ یہ بھی تھی، کہ قبول اسلام کا اثر ان کے وسائل معاش پر بھی پڑ سکتا تھا، قریش کا ذریعہ معاش صرف ان تجارتی تعلقات تک محدود تھا، جو انھوں نے باضابطہ طور پر دوسرے قبائل اور ممالک سے قائم کر رکھے تھے، اور یہ تمام قبائل اور ممالک مذہبی حیثیت سے اسلام کے دشمن اور حریف مقابل تھے، اس بنا پر قریش کو خوف تھا، کہ اگر وہ اسلام کے حلقہ میں داخل ہو جائیں گے تو ذوق یہ تمام تجارتی تعلقات منقطع ہو جائیں گے، چنانچہ علامہ ابن تیمیہ الحجاب الصحیح لمن بدل دین المسیح (صفحہ ۳۸ جلد ۴) میں امام شافعی کی روایت سے لکھتے ہیں،

قال الشافعی کانت قریش تنتاب الشام	امام شافعی کا بیان ہے، کہ قریش شام میں اکثر تجارتی
انتبیا با کثیرا وکان کثیر من معائشھا	حیثیت سے آمد و رفت رکھتے تھے، اور ان کی معاش کا
منہ، و تاتی العراق، فیقال لما دخلت فی	تعلق زیادہ تر اوسے سے تھا، اور اس غرض سے وہ عراق
الاسلام ذکرک للنبی صلعم فیھا	میں بھی آتے جاتے تھے، تو کہا جاتا ہے کہ جب قریش
من انقطاع معائشھا بالتجارة من الشام	کے لوگ اسلام لائے تو آنحضرتؐ سے ان ذرائع معاش
والعراق اذا فارقت الکفر ودخلت فی	کے منقطع ہو جانے کا خوف ظاہر کیا، اور شام و عراق
الاسلام، وخلاف ملک الشام والعراق	بادشاہوں کی اُس مخالفت کا ذکر کیا جو ان کو اہل اسلام
لاھل الاسلام، فقال النبی صلی اللہ	کے ساتھ تھے، اس پر اپنے فرمایا کہ جب کسری ہلاک ہو جائے گا
علیہ وسلم اذا هلك کسری فلا کسری	تو پھر اس کے بعد دوسرا کسری نہ ہوگا، چنانچہ عراق
بعد فلا یمیق بارض العراق کسری یشیت	کسری کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا، اور اپنے فرمایا کہ جب

لہ امر بعد ذل قال اذا هلك قيصر
قیصر ہلاک ہو جائیگا، تو پھر دوسرے قیصر کا وجود نہ ہوگا چنانچہ
فلا قیصر بعد ذل فلم یکن بارض الشا
ارض تمام مین پھر کوئی قیصر نہیں ہوا، جسکی وہاں حکومت ہو
قیصر فاجابہم علی ما قالوا،
اس لحاظ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جواب اون کے

رفع شک اس موقع پر ایک غلطی کا ذکر کرنا ضرور ہے، جو عام طور پر یورپ مین پھیلی ہوئی ہے، اہل مغرب
کا خیال ہے کہ اسلام کی اشاعت کی وجہ زیادہ تر یہ ہوئی کہ اس مین عرب کی ہر قسم کی خواہش ہائے نفسانی
کے پورے کرنے کا سامان موجود تھا، عرب جنگ و جدل اور لوٹ مار کے شائق تھے، اسلام نے انھی چیز
کو جہاد و غنیمت کی صورت مین بدل دیا، عرب سخت نفس پرست تھے اسلام نے چار بیویاں، اور غیر محدود
لوٹ لٹ کی اجازت دیدی، اہل عرب زاہدانہ زندگی سے بالکل آشنا نہ تھے، اسلام نے بھی رہبانیت کی
تحقیق کی، اب کیا چیز تھی جو اہل عرب کو اسلام سے روک سکتی تھی،

لیکن یہ خیال تمام غلط ہے، جہاد اور تعدد ازواج اور سرکاری کی بحث کتاب کے دوسرے حصوں
مین آگئی یہاں اس قدر بیان کر دینا کافی ہے کہ جہاد یا تعدد ازواج جو کچھ بھی تھا قدیم آزادی سے کوئی نسبت
نہیں رکھتا تھا، جہاد صرف کافروں سے جائز تھا، فرض کر دیا کہ قبیلہ نے اسلام قبول کر لیا تو اس پر کوئی
شخص ہتھیار نہیں اٹھا سکتا تھا، اور اس کے مال و متاع سے تعرض نہیں کر سکتا تھا، لیکن قدیم رسم کے لحاظ
سے اتحاد و مذہب کوئی روک نہ تھی، تمام قبائل بت پرستی مین متحد تھے، لیکن ہمیشہ ایک دوسرے کو ٹوٹتے رہتے
تھے، جہاد کے لیے اور بہت سی پابندیاں تھیں جو پہلے بالکل نہ تھیں، جہاد مین صرف پاس پاس کے قبائل
شریک ہوتے تھے، دور دور کے قبائل اس سے کیا فائدہ اٹھا سکتے تھے، جہاد مین جو لوٹ لٹ یاں گرفتار ہوتی
تھیں، ان سے اس وقت تمتع جائز ہوتا تھا، جب ایک مہینہ کی مدت گزر جائے یا اگر حاملہ ہے تو بچہ پیدا ہو چکا
لیکن اسلام سے پہلے فتح کے ساتھ ہی عورتوں کو تصرف مین لے آتے تھے، اور اس پر فخر کرتے تھے، پہلے
کناح کے لیے تعداد کی کوئی قید نہ تھی ایک ساتھ آٹھ آٹھ دس دس شادیاں کرتے تھے اب چار کی قید ہو گئی

اور وہ بھی اس سخت شرط کے ساتھ کہ سب میں عدل و مساوات رہے، اس لیے یہ کہنا کہ اسلام عرب کے مرغوبات کو قائم رکھتا تھا تا مگر غلط ہے، برخلاف اس کے عرب کی ایک ایک چیز روایات قدیمہ، بھارتی عادات، رسوم، نفس پرستی ہر چیز اسلام کے قبول کرنے کی مانع تھی،

ہر قوم پر جو چیز سب سے زیادہ سختی کے ساتھ حکمران ہے، وہ قدیم عادات اور رسوم اور خیالات ہیں، آج یورپ علوم و فنون اور آزادی خیال میں اس حد تک ترقی کر گیا ہے لیکن جو یہود و تعجب انگیز رسمیں پہلے قائم تھیں اب بھی قائم ہیں، یا تو لغو کی وجہ سے ان کی برائیاں سرے سے نظر ہی نہیں آتیں یا آتی ہیں تو عوام کی حکومت کے مقابلہ میں آزادی خیال اور علوم و فنون سب عاجز ہو کر رہ جاتے ہیں،

عرب میں جب قدر رسمن قومی عاداتیں تھیں جو ان کی ہستی کی عناصر بن گئی تھیں، اسلام ایک ایک کا دشمن تھا، ثار، یعنی انتقام خون، عرب کے جذبات کا سب سے بڑا منظر تھا، اسلام نے اسکو بالکل مٹا دیا، خاندانی فخر و مباہات ان کی قومی زندگی کی روح تھی فنا کر دی گئی، ابوسفیان رئیس العرب کو بلالؓ (جو حبشی غلام تھے) کے ساتھ بیٹھنا پڑا، یا تو قریش کو انصاف کے مقابلہ میں تلوار اٹھانے سے بھی عار تھا، یا اب قریش کی لڑکیاں غلاموں کے (زید و سالم وغیرہ) گھر میں لگئیں، عکاظ وغیرہ کے میلے جہاں عرب سال کے سال جمع ہو کر اپنے مفاخر کی داستانیں سناتے تھے، سر دڑ گئے،

اسلام ایک طرف تو عرب کے تمام مفاخر کو خاک میں ملاتا تھا دوسری طرف خود اس میں ہولے نفس اور تفریح طبع کا کوئی سامان نہ تھا، اسلام قبول کرنے کیساتھ پانچ وقت کی نماز گلے کا ہار بن جاتی تھی، جو آزاد مزاجوں پر سخت گران تھی،

وَاللَّكْبِيرَةُ الْاَعْلَى الْخَاشِعِينَ (بقیہ ۵) اور وہ (نماز) خاشعین کے سوا، اور وہ پر یقیناً گران ہے،

روزہ یعنی تین دن تک متصل کھانا چھوڑ دینا کوئی آسان کام نہ تھا، زکوٰۃ ایسا سخت ٹکس تھا کہ محض اس کے ادا کرنے پر حضرت ابو بکرؓ کے زمانہ میں عام بغاوت ہو گئی، صرف حج ایک ایسا فرض تھا جو بظاہر زندہ دلی کا

سامان رکھتا تھا، لیکن اب حج وہ جاہلیت کا حج نہیں رہا تھا، طوافِ عریان کی اجازت نہیں ہی، بڑی لچپی کی چیز بت تھے وہ ایک ایک کر کے حرم سے نکال دیئے گئے، مقامِ منیٰ میں خاندانی واقعات کی رجز خوانی کا جو طریقہ چلا آتا تھا بند کر دیا گیا، یہ فرائض اور اوامر کا حال تھا، اسی کے ساتھ محرمات اور نوہی کی وہ عالمگیری تھی کہ اُن کے جاہلانہ خیال کے مطابق زندگی، زندگی نہیں بلکہ زندانِ ننگی تھی، زنا حرام، شراب حرام، قمار حرام، سونا چاندی حرام، ظلس و حریر حرام، چنگ و عود حرام، تصویر حرام، پھر زندہ دلی اور لطفِ زندگی کے لیے باقی کیا رہ جاتا ہے،

خوب غور سے دیکھو، تمام دیگر مذاہب نے عبادتوں میں بھی لچپی کا سامان رکھا ہے، عیسائیوں کی نماز گاہ کو ادا کیجاتی ہے، پارسیوں میں زمرہ ہوتا ہے، ہندو بھی عبادت کے وقت بھجن گاتے ہیں اور سامنے دلفریبت ہوتے ہیں، لیکن اسلام میں بظاہر دلاؤیزی اور دلفریبی کی ایک چیز بھی نہیں، مذکورہ بالا واقعات کی بنا پر یورپ کا یہ اعتراض کس قدر غلط اور تباہ کن ہے کہ اسلام اس لیے پھیلا کہ وہ نفس پرستی کی ترغیب دلاتا اور اس کے سامان مینا کرتا تھا، پھر کیا تھا؟ اس کا جواب آگے آتا ہے؟



تبلیغِ نبوی

اور

اُس کے اصول و اُس کی کامیابی کے سبب

تمام گذشتہ موافق، عوائق، مشکلات، اور دشواریوں کی دیواریں آہستہ آہستہ ایک ایک کر کے ٹوٹی گئیں، اسلام پھیلا اور اس طرح پھیلا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دنیا کو چھوڑا، تو تمام عرب میں ایک بھی بت پرست نہ تھا، اس لیے پہلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس کے اسباب کیا تھے؟ مخالفین کے نزدیک تو اس کا جواب صرف تلوار ہے، لیکن کار لا کے بقول نیتے اور یکہ دستہ اسلام کے ہاتھ میں یہ تلواریں تلوار کے زور سے آئی؟ لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ تلوار صرف اسلام کی تبلیغی دعوت تھی، اس سے پہلے کہ ہم آگے بڑھیں، اسلام کی اس طاقت کی تشریح کر دینا مناسب ہے،

فرضیت تبلیغ [تبلیغ کے لفظی معنی پیغام پہنچانے کے ہیں، اور اصطلاح میں اس کے معنی یہ ہیں کہ جس چیز کو ہم اچھا سمجھتے ہیں، اُس کی اچھائی اور خوبی کو دوسرے لوگوں اور دوسری قوموں اور ملکوں تک پہنچائیں، اور اُن کو اُس کے قبول کرنے کی دعوت دیں، قرآن پاک میں تبلیغ کے ہم معنی چند اور الفاظ بھی ہیں، جن میں سے ایک لفظ اُذکار ہے، جس کے معنی ہتھیار اور آگاہ کرنے کے ہیں، دوسرا لفظ دَعْوۃ ہے جس کے معنی بلانے اور پکارنے کے ہیں اور تیسرا لفظ تَذْکیر ہے، جس کے معنی یاد دلانے اور نصیحت کرنے کے ہیں، بعثتِ نبوی کے وقت دنیا میں دو قسم کے مذہب تھے، دو ایسے جو تبلیغی تھے، یعنی عیسائیت اور بودھ مت، باقی زیادہ تر ایسے ہی تھے جو تبلیغی نہیں، جیسے یہودیت، جوتھیت، ہندوویت، جو دو تبلیغی سمجھے جاتے تھے، اُن کی نسبت یہ فیصلہ مشکوک ہے کہ آیا یہ تبلیغ

۱۷ ہیر و زامینڈ ہیر و در شپ رچڈ

اُن کے اہل مذہب کا حکم تھا یا بعد کے پیروں کا عمل ہے؟ کیونکہ اُن کے مذہبی صحیفوں میں اس تعظیم دعوت کی کھلی ہوئی ہدایتیں اور اُن کے بانیوں کی زندگی میں اوکی علی مثالیں نہیں ملتی، تمام مذاہب میں صرف اسلام ایک ایسا مذہب ہے، جس نے تبلیغ کی اہمیت کو سمجھا اور اُس کے متعلق اپنے صحیفہ میں کھلے احکام دیئے اور اُس کے داعی و حامل علیہ السلام نے اپنی زندگی میں اوکی علی مثالیں پیش کیں،

جن مذہبوں نے تبلیغ کو اپنا اصول نہیں ٹھہرایا، اُن کے ایسا کرنے کی اصلی وجہیں دو ہیں، ایک یہ کہ اُن کے نزدیک اس حق کے قبول کرنے کی عزت کا استحقاق پیدائش سے حاصل ہوتا ہے، کوشش نہیں دوسرا سبب یہ ہے کہ جو حق اُن کے پاس ہے، وہ اُن کے نزدیک اتنا پاک و مقدس ہو کہ اونکی خاص پاک و بزرگ و محترم نسل قوم کے علاوہ، دوسری تمام قومیں جو ناپاک و نجس و کتر ہیں، اُن تک اپنے پاک مذہب کو لچانا، خود اُس مذہب کی پاکی کو صدمہ پہنچانا ہے، یہی سبب ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے ایک دفعہ جب ایک کنعانی (متی ۱۵) یا یونانی (مرقس ۷) عورت نے اُن سے برکت چاہی تو فرمایا: میں اسرائیل کے گھر کی کھوئی ہوئی بھینٹوں کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا۔ (متی ۱۵-۲۵) پھر فرمایا: مناسب نہیں کہ ترکوں کی روٹی (یعنی اسرائیل کا مذہب) کتوں (غیر اسرائیلی قوموں) کو بھینک دین (۲۷) پھر فرمایا: غیر قوموں کی طرف نہ جانا، اور سامریوں کے گھر میں داخل نہ ہونا، بلکہ پہلے اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھینٹوں کے پاس جاؤ، اور چلتے ہوئے منادی کرو (متی ۱۰-۶) پھر ارشاد فرمایا: وہ چیز جو پاک ہے، کتوں کو مت دو، اور اپنے موتی سوروں کے آگے نہ پھینکو (متی ۶-۱۰) ہندوؤں نے اپنے مذہب کو تمام قوموں سے جو چھپا کر رکھا، اوسکا بھی یہی سبب تھا کہ وہ اپنا پاک مہرم چھپھون اور اچھوتوں کو سکھا کر اوسکو ناپاک نہیں کرنا چاہتے تھے، یہودیوں کا بھی یہی خیال تھا کہ نامختون اس نعمت کے اہل نہیں،

تبلیغ کی اہمیت | آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کی تمام قوموں کو برابری اور مساوات کی ایک ہی سطح پر لا کر کھڑا کیا، اور خدا کے پیغام کی منادی کا سب کو یکساں مستحق قرار دیا، اس لیے اپنی تبلیغ کے لیے قریش و غیر قریش، حجاز و یمن

عرب و عجم، ہند و روم کی شخصیں نہیں فرمائی، بلکہ دنیا کی ہر قوم، ہر زبان، اور ہر گوشہ میں صدائے الہی کا پہنچانا ضروری قرار دیا، ابتدائی وحی میں انجانوں کو شہساز اور بخبروں کو آگاہ کرنا سب سے پہلا حکم تھا، یَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَأَنْذِرْ (مدثر) ”اے چادر پوش! اٹھ کھڑ ہو، اور شہساز و آگاہ کر“ پھر بار بار حکم ہوتا رہا کہ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ جَوِّ مِثْرٍ اِتَّارَاگیا اوسکو اور تک پہنچا ”فَادْعُ وَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ (شوری) لوگوں کو دعوت دے اور مضبوط قائم رہ“ جس طرح تجھے حکم دیا گیا ”فَذَكِّرْ إِنْ نَفَعَتِ الذِّكْرَى (اعلیٰ) لوگوں کو نصیحت کر اگر نصیحت فائدہ مند ہو“ وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرَى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِينَ (ذاریات-۳) ”اور نصیحت کر کہ نصیحت اہل ایمان کو فائدہ پہنچاتی ہے“ فَذَكِّرْ بِالْقُرْآنِ مِنْ بَيْنَاتٍ وَبَعِيدٍ (ق-۲) قرآن سے سمجھاؤ اوسکو جو میری دھکی سے ڈرتا ہو، اور ان کے علاوہ بیسیوں آیتوں میں اس فرض کی اہمیت ظاہر کی گئی، حضرت علیؑ سے آنحضرت صلیعہ نے فرمایا کہ ”اے علیؑ! تمہاری کوشش سے ایک آدمی کا بھی دین حق کو قبول کر لینا دنیا کی بڑی سے بڑی دولت سے بھی بڑھ کر ہے۔“

اس سے زیادہ یہ کہ اسلام نے اپنے ہر پروردگار کی دعوت، امر بالمعروف نہی عن المنکر اور تو اسی باقی یعنی باقی ایک دوسرے کو سچائی کی نصیحت کرنا، ضروری قرار دیا ہے، اور مسلمانوں کا یہ فرض بتایا ہے کہ وہ اپنے ساتھ دوسروں کو بھی تارکی سے نکالنے کی جدوجہد کریں،

آنحضرت صلیعہ کو حکم ہوتا ہے کہ ہر قسم کے خطرات سے بے پروا ہو کر پیام الہی لوگوں تک پہنچائے، اور اگر ایسا نہ کیا تو رسالت کا فرض انجام نہ دیا،

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ ۚ اے خدا کے پیغام پہنچانے والے، تیرے پروردگار کے

وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ ۗ وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ (مائدا-۱۰)

اے پیغمبر! اگر تو نے خدا کا پیغام نہیں پہنچایا، اور تجھ کو خدا

اسی وصیت اس کے بعد اس فریضہ تبلیغ کی وسعت کی بحث ہے، پیغام الہی، سچائی کا ایک بہت اہم حصہ ہے جو آسمان

اہستہ قدرتی رفتار سے پہلے اپنی قریب کی زمین کو پھر آگے کو پھر اُس سے آگے کو سیراب کرتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ وہ زمین کے کناروں تک پہنچ جاتا ہے، آنحضرت صلم کو اس تبلیغ کا حکم اسی تدبیر کے ساتھ ہوا، سب سے پہلے خاص اپنے گھر اور خاندان کے لوگوں کو سمجھانے کا حکم ہوا،

وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ (شعراء-۱۱) اور اپنے سب سے نزدیک کے اہل خاندان کو آگاہ و ہشیار کر،

اس کے بعد یہ دائرہ بڑھ کر شہر مکہ اور اُس کے اطراف کی آبادیوں تک پہنچتا ہے،

لَتُنذِرَ أُمَّ الْقُرَىٰ وَمَنْ حَوْلَهَا (نساء-۱۱) تاکہ تو مکہ اور جو اُس کے اُس پاس کے بدوی ہیں اور انکو

(شوریہ-۱) آگاہ و ہشیار کرے،

تب تبلیغ کا دائرہ اس سے بھی آگے بڑھتا ہے اور ہر زندہ روح یعنی سمجھ بوجھ، احساس و عقل و غیرہ حقیقی زندگی کی علامتیں جیسے مومن اور کافر کی مخاطب ہوتی ہے،

إِنْ هِيَ إِلَّا ذِكْرٌ وَقَدْ آتَيْنَاكَ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ (نساء-۱۱) یہ قرآن تو صرف ایک نصیحت اور صاف صاف خدا کا کلام ہے تاکہ وہ اسکو ہشیار کرے جو زندہ ہے،

پھر جس تک بھی وہ آواز پہنچ جائے سب سے اس کا خطاب ہے،

لَا تَنْذِرُكَ رَبِّهِمْ وَمَنْ يَبْلُغْ (الغاف-۱۲) تاکہ میں تمھیں آگاہ و ہشیار کر دوں، اور انکو جس تک میری یہ آگاہ

(الغاف-۱۲) و ہشیار کرنے والی آواز پہنچے،

پھر تمام انسانوں تک اسکی وسعت ہوتی ہے،

هَذَا بَلَاغٌ لِلنَّاسِ (ابراہیم-۱) یہ قرآن تمام انسانوں کے لیے پیغام ہے،

آنحضرت صلم کو خطاب ہوا،

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا حَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا (سبا-۳) اور ہم نے تم کو تمام انسانوں کے لیے خوشخبری سنانے والا

وَذَنْبِيرًا (سبا-۳) اور ہشیار کرنے والا بنا کر بھیجا،

آپ کو حکم ہوا کہ تمام انسان کو خطاب کر کے یہ اعلان فرمادین،
 قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ
 جَمِيعًا (اعراف-۱۹)
 اے لوگو! میں تم سب کی طرف خدا کا پیغام دے کر
 بھیجا گیا ہوں،

اس سے زیادہ یہ ہے کہ تمام کائنات آپ کی دعوت و تبلیغ کے دائرہ میں داخل ہے، فرمایا،
 تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَى عَبْدِهِ ۖ
 يَكُونُ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا ۚ يَا لَدُنِّيْ كَسْ
 مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَٱلْأَرْضِ
 برکت والا ہے وہ خدا جس نے حق اور باطل میں امتیاز
 بتانے والی کتاب اپنے بندہ (محمد) پر نازل کی تاکہ وہ
 دنیا جہان کے لیے ہتھیار و آگاہ کرنے والا ہو، وہ خدا جس
 کی ملکیت میں آسمانوں کی اور زمین کی سلطنت ہے
 (فرقان-۱)

اس سے بھی زیادہ اہم بات یہ ہے کہ اس تبلیغ و دعوت کی وسعت، اور اس میں کامیابی کی خوشخبری عین
 اسی وقت دید گئی تھی، جب مسلمانوں کے دلوں میں ایک قسم کی مایوسی چھائی ہوئی تھی، چنانچہ یہ آیت نازل
 ہوئی،

إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ، وَكَتَعْلَمُتْ نَبَأُ
 يَهُدَىٰ حَبِيبٍ (ص-۵)
 یہ قرآن تو دنیا کے لیے نصیحت ہے، اور تم ایک
 زمانہ کے بعد اس کی خبر جانو گے،

انبیاء اور بنیاد مذہب کے علی نمونوں اور مثالوں کی تلاش اور جستجو کرو تو یہ حقیقت اور زیادہ واضح
 ہو جائے گی، کہ اسلام کے سوا اور جو مذہب تبلیغی سمجھے جاتے ہیں، وہ حقیقت میں تبلیغی نہیں، خود بدوہ
 نے ہندوؤں کے علاوہ کسی کو اپنی نجات کا راستہ نہیں بتایا، اور نہ اس کا حکم دیا، حضرت عیسیٰؑ نے اسرائیل کے
 علاوہ کسی دوسری قوم کو نہ اپنا وعظ سنایا، اور نہ ان کو اپنا مخاطب بنایا، اور نہ ان میں سے کسی کو اپنا شاگرد
 کیا، نہ کسی دوسری قوم میں اپنی زندگی میں اپنا واعظ اور مبلغ بھیجا، حالانکہ فلسطین میں رومیوں اور یونانیوں
 کی بڑی جماعت موجود تھی،

آنحضرت صلعم نے مکہ میں رہ کر مکہ اور اس کے آس پاس کے لوگوں کو بیدار و ہشیار کیا، حج کے موسم میں عرب کے ایک ایک قبیلہ کو جا کر حق کا پیغام پہنچایا، اور اسی زمانہ میں یمن اور حبشہ تک اپنی آواز پہنچ گئی، اور لوگ تلاش حق کے لیے آپ کے پاس آئے، مدینہ منورہ آئے تو قریش کو برسوں تک دوسرے قبیلوں تک اسلام کے پہنچنے میں سدا رہا بنے رہے، پھر بھی مبلغ اور داعی بھیج بھیج کر قبیلوں تک آواز پہنچائی گئی، اور بالآخر قریش کے خاندان اس لیے تلوار اٹھائی گئی کہ اسلام کو تبلیغ کی پُر امن آزادی ملے، پھر برس کے جنگ و جدل کے بعد حدیبیہ میں قریش نے اسلام کے اس مطالبہ کو تسلیم کیا، اور تبلیغ کی آزادی عطا کی، قرآن نے اسلام کی اس اوحانی فتح کو فتحِ ممیز قرار دیا، اور اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُبِينًا نازل ہوا، اس کے بعد ہی عرب اور بیرون عرب میں اسلام کے داعی، قاصد اور مبلغ بھیجے گئے، اور دنیا کے امراء اور سلاطین کو دعوتِ اسلام کے خطوط لکھے گئے، اور عربوں کے علاوہ دیلم، ایران، حبش اور روم کے طالب آئے، اور فیضانِ حق سے سیراب ہوئے، مشرکین عرب، یہود، عیسائی اور پارسی سب نے آپ کے زمانہ ہی میں آپ کے نور سے روشنی حاصل کی،

لیکن نفس تبلیغ کی فرضیت و اہمیت سے بھی زیادہ اہم چیز تبلیغ کے اہول ہیں،

تبلیغ کے اہول | ایک نکتہ کہ کس طرح لوگوں کو کسی سچائی کے قبول کی دعوت دینی چاہیے، دنیا میں پہلی دفعہ محمد رسول اللہ صلعم کی زبان وحی ترجمان سے ادا ہوا، وہ مذہب بھی جو تبلیغی ہونے کے دعویٰ رکھتے ہیں، نہیں کہہ سکتے کہ ان کے صحیفوں نے ان کے لیے تبلیغ کے اہم اصول کی تشریح کی ہے، لیکن صحیفہ محمدیؐ نے نہایت اختصار لیکن پوری تشریح کے ساتھ اپنے پیروں کو یہ بتایا ہے کہ پیغامِ الہی کو کس طرح لوگوں تک پہنچایا جائے اور ان کو قبولِ حق کی دعوت دیجائے،

ادْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ (نمل-۱۱) نصیحت کے ذریعہ سے بلا، اور ان سے مناظرہ کر۔

صحیح مسلم باب صلح الحدیبیہ،

تبلیغ و دعوت کے یہ تین ہول مسلمانوں کو سکھائے گئے عقل و حکمت، مو عظمہ حسنہ اور مناظرہ بطریق احسن
 مسلمان مستحکموں نے بیان کیا ہے کہ تبلیغ و دعوت کے یہ تین ہول وہی ہیں جو منطقی استدلال میں عموماً کام میں
 لائے جاتے ہیں یعنی ایک تو پرہیزگاریاں جنہیں یقینی مقدمات کے ذریعہ سے دعویٰ کے ثبوت پر دلیلین
 لائی جاتی ہیں، دوسرے خطابیات ہیں جنہیں مؤثر اور دلپذیر اقوال سے مقصود کو ثابت کیا جاتا ہے
 اور تیسرے جدلیات جنہیں مقبول عام اقوال اور فریقین میں مسلم مقدمات سے استدلال کیا جاتا ہے، قرآن
 پاک نے پہلے طریقہ کو حکمت، دوسرے کو مو عظمہ حسنہ، اور تیسرے کو جدال سے تعبیر کیا ہے،
 اور استدلال کے یہی وہ تین طریقے ہیں، جنہے ایک شخص دوسرے کے سامنے اپنے مدعا کو ثابت کرتا ہے،
 خیر یہ تو فلسفیانہ نکتہ آفرینی ہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ جب ہم کسی کے سامنے کوئی نئی بات پیش کر کے
 اُس کے قبول کی دعوت دیتے ہیں، تو عموماً تین طریقے برتتے ہیں، یا تو اُس بات کے ثبوت اور تائید میں
 کچھ دلنشین دلیلیں پیش کرتے ہیں، یا اُس کو مخلصانہ نصیحت کرتے ہیں، اور مؤثر انداز سے اسکو نیک و بد اور
 نسیب و فزائے آگاہ کرتے ہیں، یا یہ کرتے ہیں کہ اوسکی دیلون کو مناسب طریقہ سے رد کر کے اوسکی غلطی کو اُس پر
 واضح کرتے ہیں، پہلے طریقہ کا نام حکمت، دوسرے کا نام مو عظمہ حسنہ، اور تیسرے کا نام جدال بطریق
 احسن ہے، تبلیغ و دعوت کے یہی تین طریقے اسلام نے بتائے ہیں۔

قولِ لیلین | حکیمانہ استدلال ہو، یا وعظ و نصیحت ہو، یا جدال و مناظرہ ہو، ضرورت یہ ہے کہ داعی نرمی و خیر خواہی سے
 باتیں کرے، کہ سختی اور شدت کا طریق دوسرے کے دل میں نفرت اور عداوت کے جذبات پیدا کرتا ہے کیونکہ
 ہی اچھی اور سچی بات ہو لیکن اس قسم کے جذبات اوس کے قبول کی استعداد اُس سے سلب کر لیتے، اور سننے
 والے میں اپنی غلطی پر ضد اور ہٹ پیدا کر دیتے ہیں، جس سے دعوت کا فائدہ اور نصیحت کا اثر باطل ہو جاتا ہے
 اسی لیے قرآن پاک نے اپنے پیغمبروں کو اپنے مخالف سے مخالفت دشمن کو بھی نرمی ہی سے باتیں کرنے کی
 تاکید کی ہے، حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون کو فرعون جیسے سرکش کے سامنے پیغام ربانی لے کر جانے

کی ہدایت ہوتی ہے، تو ساتھ ہی ارشاد ہوتا ہے،

إِذْ هَبَّ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَىٰ، فَفُتُّ لَالَهُ فُتُّ لَالَهُ

لَيْسَ لَعَلَّهُ يَنْدَكُرُ وَيُخْتَلَىٰ، (طہ-۲) تو اس سے نرم گفتگو کرنا، شاید وہ نصیحت قبول کرے یا خدا اور

دعوت و تبلیغ میں رفق نرمی اور لطف و تحمل کی تعلیم کی اس سے بہتر مثال نہیں ہو سکتی کہ نہ کوئی داعی اور واعظ پیغمبروں سے بہتر ہو سکتا ہے، اور نہ فرعون سے بڑھ کر کوئی مجرم ہو سکتا ہے، پھر ایسے مجرم کے سامنے اس لطف و نرمی سے وعظ و نصیحت کی تعلیم جب پیغمبروں کو ہوتی ہے، تو عام داعی و مبلغ و واعظ کو عام مخالفین، مجرموں اور سرکشوں کے ساتھ بدرجہا زیادہ رفق و ملامت سے اپنا فرض ادا کرنا چاہیے،

اعراض اور قول تبلیغ | آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان منافقوں کے بارہ مین جو اپنی نافرمانی کے جرم کے ترکب ہوئے تھے، یہ حکم ہوتا ہے،

فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُلْ لَهُمْ فِي

الْأُفْسِصِمْ قَوْلًا بَلِيغًا، (نساء-۹) تو ان سے درگزر کر، اور ان کو نصیحت کر، اور ان سے

اس تعلیم میں تین ہدایتیں ہیں، اول یہ کہ دعوت و تبلیغ میں مخالف کی بد سلیقگی، بد ہمتی، اور دشمنی کو درگزر اور برداشت کرنا چاہیے، دوسرے یہ کہ ان کو نصیحت کرنا اور سمجھانا چاہیے، اور تیسرے یہ کہ گفتگو کا وہ مؤثر طرز و انداز اختیار کرنا چاہیے جو دل میں گھر کرے،

تیسرے تشریح | انہیں ربانی ہدایتوں کی تعمیل میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبلؓ اور ابوسلمہؓ کو مین اسلام کی دعوت و تبلیغ کیلئے متعین فرمایا، تو رخصت کرتے وقت یہ نصیحت فرمائی، ایترا ولا تقبیرا ویشرا ولا تنفرا، ”دین الہی کو آسان کر کے پیش کرنا، سخت بنا کر نہیں، لوگوں کو خوشخبری سنانا، نفرت نہ دلانا“ یہ وہ تبلیغی اصول ہیں جو ایک داعی و مبلغ کی کامیابی کی جان ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کے سامنے، اور

صحابہ نے عام مسلمانوں کے سامنے اسی اصول کے مطابق دین الہی کو پیش کیا، اور کامیابی حاصل کی، دین کی جائز آسانی اور سہولت کو پیش کرنا اور اُس کو سخت، درشت اور مشکل نہ بنانا ہی اُس کے قبولِ عام کی راہ ہے، ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کے لطف و شفقت، رحم و کرم اور مہر و محبت کی دلنوا صدائوں سے دلوں کو پرامید اور مسرور بنانا اس سے بہتر ہے کہ بات بات پر خدا کی قہاری و جباری، اور ہیبت و جلال کا ذکر کر کے دلوں کو خوفزدہ اور مایوس بنایا جائے،

تدریج | تبلیغ کا ایک اور اصول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تعلیم فرمایا کہ کسی نئی قوم کو دعوت دیتے وقت شریعت کے تمام احکام کا بوجھ ایک دفعہ اُسکی گردن پر نہ ڈالا جائے، بلکہ رفتہ رفتہ وہ اُس کے سامنے پیش کئے جائیں، پہلے توحید اور رسالت کو پیش کرنا چاہیے، اس کے بعد عبادات کو، عبادات میں بھی اہم پھر اہم کے اصول کو پیش نظر رکھنا چاہیے، عبادات میں سب سے اہم نماز ہے، پھر زکوٰۃ ہے، پھر دوسرے فرائض ہیں، حضرت معاذ بن جبلؓ کو مین بھیجے وقت آپ نے فرمایا: تم یہودیوں اور عیسائیوں کی ایک قوم کے پاس جاؤ گے، تو ان کو پہلے اُسکی دعوت دینا کہ خدا کے سوا کوئی خدا نہیں، اور محمدؐ اسکا رسول ہے، جب یہ مان لیں تو انکو بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے اُن پر دن رات پانچ وقت کی نمازین فرض کی ہیں، اور جب یہ بھی مان لیں تو انکو بتاؤ کہ خدا نے اُن پر صدقہ فرض کیا ہے، یہ صدقہ اُنکے دولت مندوں سے لیکر اُنکے غریبوں کو دیدیا جائے، جب یہ اسکو تسلیم کر لیں تو دیکھو صدقہ میں چن چکر اُنکے بڑھیا مال کو نہ لینا، اور ہاں مظلوم کی بددعا سے ڈرتے رہنا، کہ اس کے اور خدا کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہے۔

تالیفِ قلب | تبلیغ و دعوت کے سلسلہ میں اسلام نے ایک اور طریقہ کو بھی پیش کیا ہے، جسکو تالیفِ قلب کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے وَالْمُؤَلَّفَاتِ قُلُوبُهُمْ (توبہ - ۸۰) اس کے لفظی معنی ہیں، دلوں کو ملانا، اور اس سے مقصود اُس شخص کے ساتھ جس کو اسلام کی طرف مائل کرنا ہو، لطف و محبت، امداد و اعانت، اور غمخواری و ہمدردی کرنا ہے، کیونکہ انسان طبعاً شریفانہ جذبات کا ممنون ہوتا ہے، اور یہ ممنونیت عناد اور ضد کے خیالات کو دور

کر کے قبولِ حق کی صلاحیت پیدا کر دیتی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے لوگوں کو اپنے اس اعجاز سے اسلام کا حلقہ بگوش بنالیا تھا، چنانچہ مکہ کے بعض رئیس اسی جذبہ سے متاثر ہو کر اسلام لائے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حنین کی غنیمت کا سارا مال انہیں کو تقسیم کر دیا تھا، نتیجہ یہ نکلا کہ پھر حق کے خلاف اُن کی گردنیں نہ اٹھ سکیں، جو اسلام کے سخت مخالف اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نہایت بغض رکھتے تھے، وہ کہتے ہیں: ”کہ مجھ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا جتنا دیا، اور مجھے اُن سے سخت بغض تھا، لیکن آپ کے ان احسانات نے مجھے ایسا متاثر کیا، کہ اب میری نگاہیں اُن سے زیادہ کوئی پیارا نہیں ہیں“ ایک دفعہ ایک بدو نے اگر کہا کہ ان دونوں پہاڑوں کے درمیان بکریوں کے جتنے ریوڑ ہیں، مجھ کو عنایت کیجئے، آپ نے اس کو وہ سب دیئے، یہ فیاضی دیکھ کر ایسا اُس پر اثر پڑا کہ اس نے اپنے پورے قبیلہ کو اگر کہا، ”بھائیو! اسلام قبول کرو کہ محمدؐ اتنا دیتے ہیں کہ اُن کو اپنے فقر و افلاس کا ڈر ہی نہیں ہے“

ایک یہودی کا لڑکا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرتا تھا، وہ بیمار پڑا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کی عیادت کے لیے نذر لے گئے اور جا کر اُس کے سرہانے بیٹھے، پھر فرمایا کہ لڑکے اسلام قبول کر لے، اُس نے مستفسرانہ نگاہ سے باپ کی طرف دیکھا، اُس نے کہا ابو القاسم (اپنی کنیت) کی بات مان لے، چنانچہ وہ مسلمان ہو گیا، اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے اٹھے تو زبانِ مبارک پر یہ فقرہ تھا کہ اُس خدا کی حمد جس نے اس کو دوزخ سے بچا لیا۔

دعوتِ عقل | اسلام نے تبلیغ و دعوت کے جو اصول بتائے ہیں، اُن کا لازمی نتیجہ یہ ہونا چاہیے کہ وہ ایک استدلالی اور عقلی مذہب ہو، کہ بغیر اس کے حکمت و دانشمندی، وعظ و نصیحت اور جدال و مناظرہ کی بنیاد قائم نہیں رہ سکتی، اس بنا پر مذاہبِ عالم کی تاریخ میں نبوتِ محمدیہؐ سے پہلی زبانی آواز ہے، جس نے حاکمانہ قانون (توراة) یا شرع قانون کے الٹ پھیر (انجیل) یا راجاؤں کے احکام (وید) کے بجائے عقلِ انسانی کو مخاطب کیا، غور و فکر کی دعوت دی، فہم و تدبیر کا مطالبہ کیا، اُس نے اپنی ہر تعلیم کے ساتھ اپنی تعلیم کی خوبی، مصلحت اور حکمت خود ظاہر کی، اور باری خالقون کو آیاتِ الہی میں غور و فکر کی ہدایت کی، فرمایا،

۱۔ صحیح مسلم باب جوہر صلی اللہ علیہ وسلم جلد دوم صفحہ ۲۹۰، مصر، ۱۵۷۵، ایضاً، ۳۵ صحیح بخاری کتاب الجنائز،

قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوا لَنَا
 اِنْ تَتَّبِعُونَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَخْصُمُونَ
 قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ (العنكبوت ۱۸-)

نیز ارشاد ہوا،

لِيَهْلِكَ مَن هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَغَيَّبَ مَن
 حَقَّ عَنْ بَيِّنَةٍ وَاِنَّ اللّٰهَ لَسَمِيعٌ عَلِيمٌ (التغافل)
 غفلت شعرا کافروں کی نسبت فرمایا،

وَكَآيِنٌ مِّنْ آيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
 يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُونَ
 اور آسمانوں میں اور زمین میں (خدا کی توحید کی کئی
 نشانیاں (دلیلین) ہیں جن پر وہ گزر جاتے ہیں اور
 اُن پر غور نہیں کرتے۔ (یوسف ۱۱)

غور و فکر کرنے والے اہل ایمان کی تعریف میں فرمایا،

اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاٰخِلَافِ
 اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولٰٓئِیْ الْاَلْبَابِ الَّذِیْنَ
 یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِیَٰمًا وَقُعُوْدًا وَّ عَلٰی جُنُوْبِهِمْ
 وَیَتَفَكَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
 رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۝ (ال عمران ۲۰)

کہ) اے ہمارے پروردگار تو نے (یہ عالم) بیکار نہیں بنایا
 اس سے زیادہ عقلی، اور علمی استدلال کی دعوت اور کیا ہوگی، مگر بہر حال یہ خارجی استدلال تھا، اندر
 استدلال کی بھی اُس نے دعوت دی، فرمایا،

وَفِیْ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تَنْصُرُوْنَ (ذاریات ۳)

اور خود تمہارے اندر نشانیاں ہیں، تم دیکھتے نہیں،

صحیفہ محمدی کی نسبت ہر جگہ یہ الفاظ فرمائے،

بَصِيرَةً وَذِكْرِي لِكُلِّ عَبْدٍ مُنِيبٍ (۱) یہ بصیرت اور نصیحت ہی ہر رجوع ہونے والے بندہ کیلئے،

هَذَا الْبَصَائِرُ مِنْ رَبِّكُمْ (اعراف ۲۴) یہ تمہارے پروردگار کی طرف سے بصیرتیں ہیں،

هَذَا الْبَصَائِرُ لِلنَّاسِ (جاثیہ ۷) یہ لوگوں کے لیے بصیرتیں ہیں،

أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ الْقُرْآنَ (نساء-۱۱) کیا یہ قرآن میں تذکرہ نہیں کرتے،

أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ الْقُرْآنَ أَوْ عَلَى قُلُوبٍ أَفْعَالُهَا (معدہ ۲) کیا یہ قرآن میں غور نہیں کرتے یا دلوں پر انکے نامے میں،

وَالْقُرْآنِ الْحَكِيمِ (یس ۱) حکمت والے قرآن کی قسم،

تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ الْحَكِيمِ (یونس لقمان ۱) چھکمت والی کتاب کی آیتیں ہیں،

نہ صرف اسی قدر بلکہ خدا کا وجود، توحید، رسالت، قیامت، جزا و سزا، عبادت، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، اخلاق وغیرہ ہر تعلیم کی تلقین کرتے وقت اس نے اسکی صداقت کی عقلی دلیل پیش کی ہیں اور ہر مسئلہ کی عقلی حکمتیں علی الاعلان ظاہر کی ہیں، آئندہ صفحوں میں ہر قدم پر اسکی دلیلیں آپکھلیں گی،

مذہب میں زبردستی نہیں | آج یہ وہ حقیقت ہے جس کی صدا ہر دور و دیوار سے آتی ہے لیکن شاید لوگوں کو معلوم

نہیں کہ دنیا میں اس حقیقت کا اعلان سب سے پہلے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی زبان مبارک سے ہوا، اور ظاہر

ہے کہ جو مذہب اپنی اشاعت کے لیے صرف دعوت و تبلیغ کا راستہ رکھتا ہو جس نے اس کے ہول تباہ

ہوں، جس نے عقل و بصیرت اور فہم و تدبر کا ہر معاملہ میں لوگوں سے مطالبہ کیا ہو، ہر قدم پر عقلی استدلال اور

مصلحت و حکمت کا اظہار کیا ہو، وہ کیونکر جبر و اکراہ اور زور و زبردستی کے طریق کو اختیار کر سکتا تھا، اسلام نے

نہ صرف یہ کہ مذہب کی جبری اشاعت کو ناپسند کیا، بلکہ اسکا فلسفہ بتایا کہ مذہب زبردستی کی چیز نہیں، کہ اسلام

میں مذہب کا اولین جز ایمان ہے، ایمان یقین کا نام ہے، اور دنیا کی کوئی طاقت کسی کے دل میں یقین کا

ایک ذرہ بھی بزور پیدا نہیں کر سکتی، بلکہ تیز سے تیز تلوار کی نوک بھی کسی لوح دل پر یقین کا کوئی حرف نقش

نہیں کر سکتی فرمایا۔

سَلَامٌ عَلَيْكَ فِي الدِّينِ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ
دین میں کوئی زبردستی نہیں، ہدایت گمراہی سے لگ
مِنَ الْغَيِّ، (لقہ ۲۴-۲۵) ہو چکی،

یہ وہ عظیم الشان حقیقت ہے جس کی تلقین انسانوں کو صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے ہوئی
دوسری جگہ فرمایا،

وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِرْ
اور کہہ دے کہ حق تمہارے پروردگار کی طرف سے ہے،
وَمَنْ شَاءَ فَلْيُكْفِرْ، (رکعت ۴) تو جو چاہے قبول کرے، اور جو چاہے انکار کرے،

ایمان اور کفران دو میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے پر کوئی زبردستی نہیں ہے، عقل و بصیرت والے
اسے خود قبول کرینگے، اور نا فہم اس سے محروم رہیں گے، اسی لیے بار بار یہ واضح کیا گیا، کہ رسول کا کام لوگوں
تک خدا کا پیام پہنچا دینا ہے، زبردستی منوانا نہیں۔

أَنَّمَا عَلَيَّ رَسُولٌ لَنَا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ
ہمارے رسول پر تو یہی فرض ہے کہ وہ صاف صاف
(مائتہ ۱۲-۱۳) ہمارا پیام پہنچا دے،

انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو قریش کے اعراض و مخالفت سے حد درجہ ملگین تھے، تسکین دیکٹی،

إِنْ عَلَيْكَ إِلَّا الْبَلَاغُ (شعری-۵)
اے پیغمبر ترا فرض صرف پیام پہنچا دینا ہے،
أَتَمَّا أَنْتَ مُذْكَرٌ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيِّطٍ
اے پیغمبر تو تو صرف نصیحت کرنے والا ہی، تو ان پر داروغہ
(غاشیہ-۱) بنا کر نہیں بھیجا گیا،

فَإِنْ أَعْرَضُوا فَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ
پھر اگر وہ اسلام کی دعوت سے انکار کریں تو اے پیغمبر
حَفِظْنَاهُ إِنْ عَلَيْكَ إِلَّا الْبَلَاغُ
ہم نے تحفظ کیا، اگر تم پر گناہ ہے بنا کر نہیں بھیجا، تیرے ذمہ
صرف پیغام کا پہنچا دینا ہے، (شعری-۵)

کسی دین کو زبردستی پھیلانا اسلام کی نگاہ میں ایک ایسا فعل ہے جس سے رسول کی شان کو اُس نے
بہت بلند سمجھا ہے، فرمایا،

وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَهَبَّتْ مِنْ فِي الْأَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيعًا
أَفَأَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتَّى يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ
(یونس ۱۰)

اور اگر تیرا پروردگار چاہتا کہ (لوگوں کو زبردستی مومن بنائے)
تو زمین کے سب لوگ ایمان لے آتے، تو کیا اسے پیغمبر
تو لوگوں پر زبردستی کرے گا کہ وہ ایمان لے آئیں،

اسلام میں حق کی حمایت اور باطل کی شکست کے لیے لڑنا جائز ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی مجبور الزام
پڑا، اس سے مخالفوں نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ یہ لڑائی صرف اس لیے تھی کہ اسلام کو تلوار کے زور سے لوگوں میں
پھیلا یا جائے، حالانکہ قرآن میں ایک آیت بھی ایسی نہیں جہاں کسی کافر کو زبردستی مسلمان بنانے کا حکم ہو،
اور نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں کوئی واقعہ ایسا ہے، جہاں کسی کافر کو زبردستی تلوار کے زور سے مسلمان بنایا
گیا ہو، بلکہ اگر ہے تو یہ ہے،

وَإِنْ أَحَدٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَأَجْرُكَ
حَتَّى يَخْرُجَ مِنْ دَارِهِ ثُمَّ أَبْلُغْهُ مَا مَنَعَهُ
ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَعْلَمُونَ (توبہ - ۱۱)

اور اگر (لڑائی میں) کوئی مشرک تجھ سے پناہ کا طالب
ہو تو اس کو پناہ دے، یہاں تک کہ وہ خدا کا کام مٹے،
پھر اس کو وہاں پہنچا دے جہاں وہ بخیر ہو، کہے گئے
یہ نہیں کہا کہ جب تک وہ مسلمان نہ ہو جائے اس کو پناہ نہ دو، بلکہ یہ فرمایا کہ اس کو پناہ دیکر اس کو اس کی جانچنا

تک پہنچا دو،

حقیقت یہ ہے کہ ہر ایک کی شریعت میں ظالموں کی حمایت، جلاوطنوں کے حق دلائے، حج کا راستہ کھولنے اور
عقیدہ کی آزادی حاصل کرنے کے لیے تھی جیسا کہ اس کا مفصل بیان کتاب میں کمین آئیگا، قرآن کی اس آیت میں
وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ
الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ (الأنفال ۶)

اور ان کافروں سے لڑو یہاں تک کہ فتنہ نہ رہے، اور دین
پورا اللہ کے لیے ہو جائے،

”فتنہ“ سے مراد عقیدہ اور مذہب کی آزادی نہ ہونا ہے، حضرت ابن عمر صحابہ کی خانہ جنگیوں میں شریک نہ تھے، ایک شخص نے ان سے اکر کہا کہ کیا خدا نے فتنہ کے مٹانے کے لیے لڑنے کا حکم نہیں دیا، اور اوپر کی آیت پیش کی، انھوں نے جواب دیا کہ ہم یہ فرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ادا کر چکے، جب مسلمان کم تھے، تو انسا اپنے دین کے سبب سے فتنہ میں مبتلا کیا جاتا تھا، یا اس کو لوگ مار ڈالتے تھے، یا قید کر لیتے تھے، یہاں تک کہ مسلمانوں کی تعداد بہت بڑھ گئی، تو پھر فتنہ باقی نہ رہا۔

میدان جنگ میں تبلیغ | ناواقفوں نے ایک اور مسئلہ کی غلط تعبیر کی ہے، اسلام کی امن پسندی نے یہ قانون بڑا ہے، کہ اگر کسی مخالف قوم سے لڑائی آپڑے تو میدان جنگ میں پہنچو بھی صلح و شنتی کا خیال دور نہ کیا جائے، بلکہ تلوار کے فیصلہ سے پہلے دو باتیں ان کے سامنے پیش کرنی چاہئیں، اولیٰ یہ کہ تم بھی کلمہ شہادت پڑھا کر مسلمان ہو جاؤ، اور لڑائی سے ہاتھ اٹھا کر ہمارے بھائی بن جاؤ، اگر ایسا کرو تو تم دین، حکومت اور عزت کے تمام حقوق میں ہمارے برابر ہو جاؤ گے، اگر یہ منظور نہ ہو تو اپنے مذہب پر قائم رہ کر ہماری سیاسی حکومت کو قبول کر لو، اس حالت میں تمہاری حفاظت کی ہر قسم کی ذمہ داری ہمارے سر ہوگی، اگر وہ ان دو میں سے کوئی بات قبول کر لیں تو ان سے لڑنا جائز نہیں، اسلام کی تاریخ میں ایسے کتنے منظر ہیں کہ کسی دشمن سے دشمن قوم نے اسلام یا محض اطاعت قبول کر لی ہے، اور خونریزی رک گئی ہے، اور لڑائی کا میدان، محبت و شنتی کی بزم بن گئی، اور،

یہ قانون جو مترنا یا امن پسندی، سلامت طلبی اور خونریزی سے بچنے کی آخری کوشش پر مبنی ہے، اس کو مخالفوں نے اس صورت میں پیش کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو تلوار کے زور سے مسلمان بنانے کی تعلیم دی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور تھا کہ جب آپ کسی فوج کو متعین کرتے تو اس کے سردار کو یہ ہدایت فرماتے،

”جب تو مشرکوں میں سے کسی دشمن قوم سے مقابل ہو تو او سکوت میں باتوں میں سے

کسی ایک بات کے قبول کرنے کی دعوت دے، ان میں سے جو بات بھی وہ مان لے

اوسکو قبول کرے، اور اس پر حملہ کرنے سے رک جائے، اوسکو اسلام کی دعوت دے اگر وہ قبول کرے تو پھر اس سے رک جائے، اس کے بعد اس سے خواہش کر کہ وہ مسلمانوں کے ملک میں آجائے تو اس کا وہی حق ہوگا جو مسلمانوں کا ہے، اگر وہ نہ مانے تو بدو مسلمانوں کی طرح ریگی، قانون اسپر مسلمانوں کا جاری ہوگا، لیکن غنیمت اور فنی مین اوسکا حصہ نہ ہوگا، جنگ وہ جہاد میں شرکت نہ کرے، اگر وہ اسلام قبول نہ کرے تو اس کو جزیرہ دیکر ذی بنے کو کہہ اگر وہ اس کو مان لے تو اس سے بھی رک جائے، اگر وہ اسکو بھی نہ مانے تو پھر خدا کی مدد مانگ لے لڑائی شروع کر دے۔

یہ وہ اصول جنگ ہے جس سے خونریزی کی روک تھام مقصود تھی، نہ یہ کہ کسی کو مجبور کر کے بزدل بنائیں مسلمان بنالینا صحابہ کرام کے زمانہ میں ایرانیوں سے جب لڑائی شروع ہوئی، تو مسلمانوں نے تین روز تک میدان جنگ میں تلوار نہیں اٹھائی حضرت سلمان فارسی تین روز تک ان کو سمجھاتے رہے، اور کہتے رہے کہ "میں تمہاری قوم سے ہوں، لیکن دیکھتے ہو کہ عرب میرے زیر فرمان ہیں، اگر تم بھی مسلمان ہو جاؤ، تو تم کو بھی وہی حقوق ملین گے جو ہمارے ہیں، اور اگر تم اپنے ہی مذہب پر رہنا چاہو، تو جزیرہ دیکر رہ سکتے ہو، لیکن حکومت ہو کر رہو گے" اس سے معلوم ہوا کہ جنگ جو دشمن کو بھی تبدیل مذہب پر مجبور نہیں کیا گیا، بلکہ اس کے سامنے دوسری راہیں بھی کھلی تھیں،

ثمامہ بن اثال قبیلہ بنی حنیفہ میں سے تھے، اور یامہ کے رئیس تھے، قبیلہ قبیلہ ہے جو آخر تک سرکش رہا، اور اسی میں آنحضرت صلعم کے آخر زمانہ میں میلہ پیدا ہوا تھا، ثمامہ اتفاق سے مسلمانوں کے ایک لشکر کے ہاتھ میں گرفتار ہو گئے، اور لا کر مسجد نبوی کے کھمبے میں باندھ دئے گئے، آنحضرت صلعم نماز کے لیے تشریف لائے تو پوچھا کہ ثمامہ تمہاری کیا رائے ہے، جواب دیا محمد میری رائے اچھی ہے، اگر مجھے قتل کرو گے تو ایک خون واسے کو قتل کرو گے اور اگر

لے صحیح مسلم کتاب الجہاد والسیرۃ جامع ترمذی ابواب السیرۃ

احسان کر دے تو ایک لشکر گزار پر احسان ہوگا، اور اگر زبردیہ چاہتے ہو تو مانگو جو مانگو گے دیا جائیگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ نہیں فرمایا، پھر اسی طرح دوسرے دن سوال و جواب ہوا، پھر تیسرے دن ہوا، تیسرے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے کو چھوڑ دو، لوگوں نے کھل دیا، وہ دبی کھل کر آزاد ہو گئے، مگر سچائی کی زنجیر ان کے پاؤں میں پڑی۔ مسجد نبویؐ کے قریب ایک سیستان میں جا کر خود بخود غسل کیا، اور پھر مسجد میں اگر کلمہ شہادت پڑھ کر مسلمان ہو گئے، کیا کسی گوزبردستی مسلمان بنانے کے لیے اس سے بہتر موقع ہو سکتا تھا؟ بدر کے قیدی گرفتار ہو کر آئے لیکن انہیں کچھ نہیں کہا گیا، کہ تلوار یا اسلام، اسی طرح جنگ کے دوسرے قیدیوں کے ساتھ بھی یہی برتاؤ رہا، قرآن پاک نے جنگ کے قیدیوں کے متعلق کہا، فَاِمَّا مَنَّا لَكُنْزٌ وَاِمَّا فِدَاءٌ (محمد - ۱) "لڑائی ختم ہونے کے بعد ان قیدیوں کو احسان دھر کر چھوڑ دو، یا فدیہ لیکر چھوڑ دو" یہ ارشاد نہ ہوا کہ اسلام یا تلوار!

غزوہ خیبر میں مسلمان روزانہ بعض قلعوں پر حملہ کرتے ہیں، اور ناکام رہتے ہیں، بالآخر شیر خدا علی مرتضیٰؑ کو حکم ہوتا ہے کہ فوج لیکر جاؤ، وہ پوچھتے ہیں یا رسول اللہ کیا میں ان سے لڑوں، یہاں تک کہ وہ ہماری طرح ہو جائیں، فرمایا: آ، تنگی سے روانہ ہو یہاں تک کہ ان کے میدان میں پہنچ جاؤ، پھر ان کو اسلام کی طرف بلاؤ، اور ان کا جو حق ہو گا وہ ان کو بتاؤ، خدا کی قسم اگر ایک شخص کو بھی خدا تمہارے ذریعہ سے ہدایت دیدے تو اس سے بہتر ہے کہ تمہاری ملکیت میں سرخ اونٹ ہوں، چنانچہ خیبر کے یہود نے اسلام کا مذہب قبول نہیں کیا لیکن اسلام کی حکومت قبول کر لی، اور مصالحت ہو کر تلوار نیام میں کر لی گئی،

اسی طرح کسی مسلمان کے لیے کسی دوسرے مسلمان پر ہتھیار اٹھانا جائز نہیں، بلکہ کفر کا موجب ہے، کفار کو مسلمانوں کا یہ طرز عمل معلوم تھا، اکثر لڑائیوں میں جب مشرک حملہ آور اپنی کمزوری محسوس کرتا تھا، تو اپنی جان بچانے کے لیے کلمہ توحید پڑھ دیتا تھا اور ایک بھرے ہوئے مسلمان کو مجبوراً اپنے غصہ کو ضبط کر کے ہاتھ روک لیسن پڑتا تھا،

ایک دفعہ ایک صحابی نے پوچھا کہ اگر لڑائی میں میرا حریف اپنی تلوار سے میرا ہاتھ اور اسے، اور جب میرے حملہ کی باری آئے تو درخت کی آڑ پر کر کے "میں مسلمان ہوتا ہوں" تو اسے خدا کے رسول میں کیا کروں، اس کا قتل کرو؟ فرمایا نہیں اس کا قتل جائز نہیں، عرض کی یا رسول اللہ میرا ہاتھ اس نے کاٹ ڈالا، فرمایا پھر بھی اس کا قتل جائز نہیں، کہ اگر تم نے اب اس کا قتل کیا تو وہ وہ ہو گیا جو تم اس کے قتل سے پہلے تھے، اور تم وہ ہو جاؤ گے جو وہ اس اقرارِ توحید سے پہلے تھا، حضرت اسامہ بن زید آپ کے بڑے چیتے خادم تھے، وہ ایک فوجی دستہ کے سپہ سالار بن کر ایک لڑائی میں بھیجے گئے، جب گھسان کارن پڑا، تو ایک کافر اونکی زمین آیا، انھوں نے حملہ کا قصد کیا تو وہ لا الہ الا اللہ پکارا اٹھا، ایک انصاری جو پہلے اس پر چھپے تھے وہ تورک گئے، مگر اسامہ نے اس کافر کے اس کلمہ پڑھنے کو اسکی جان بچانے کے فریب پر محمول کر کے، اسکا کچھ خیال نہ کیا، اور نیزہ سے اس کا کام تمام کر دیا، آنحضرت صلعم کو یہ خبر معلوم ہوئی تو اسامہ سے سخت آزر دہ ہوئے، اسامہ نے عرض کی یا رسول اللہ اس نے صرف تلوار کے ڈر سے کلمہ پڑھا، فرمایا، اور کتنا بلیغ فقرہ فرمایا، اسے اسامہ تم نے کیا اس کا دل چیر کر دیکھ لیا تھا، پھر برابر یہ فرماتے رہے، اسے اسامہ تم قیامت میں اوس کے لا الہ الا اللہ کا کیا جواب دو گے، اسامہ کہتے ہیں کہ مجھ کو اتنی مذمت تھی کہ میں نے دل میں آرزو کی کہ کاش میں آج ہی مسلمان ہوا ہوتا،

دیکھو کہ واقعہ کی تصویر کتنی الٹ دیکھی ہے، واقعہ تو یہ تھا کہ اپنی حملہ آورانہ لڑائی کے گھسان میں بعض کفار و مشرکین جنکو یہ معلوم تھا کہ کسی کلمہ گو کو مسلمان اپنے مذہب کے حکم بموجب قتل نہیں کرتے، وہ مسلمانوں کی زمین پر تے تھے تو اپنی جان بچانے کے لیے فوراً کلمہ شہادت پڑھ دیتے تھے، اور بیان اس صورت میں کیا جاتا ہے کہ اسلام نے کفار کو تلوار کی نوک سے کلمہ پڑھنے پر مجبور کیا، کیا یہ صداقت ہے؟

اسی طرح آنحضرت صلعم کا ایک اور اعلان ہے، جس کو اکثر غلط معنی میں پیش کیا گیا ہے، آپ نے فرمایا امیر ان اقاتل الناس حتى يقولوا لا الہ الا اللہ، مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے اس وقت تک لڑائی

کروں، جب تک وہ توحید کا اقرار نہ کریں، اور جب وہ اقرار کر لیں تو انھوں نے اپنے جان و مال کو مجھ سے بچا لیا، اور انکی نیت کی پریش خدا کا کام ہے۔ اس حدیث کا مقصد صرف اسی قدر ہے، کہ مسلمان سے لڑنا تو جائز نہیں بلکہ کسی غیر مسلم قوم بھی لڑنا اسی وقت تک جائز ہے جب تک وہ توحید کا اقرار نہ کرے، اور جب اُس نے یہ کر لیا تو پھر اس سے بھی لڑنا روا نہیں، خواہ وہ حملہ کے ڈر سے لا الہ الا اللہ پڑھے، یا سچے دل سے اوسنے یہ قرار کیا ہو، اسکی تحقیق کہ کس نیت سے اس نے کلمہ پڑھا، انسان کا فرض نہیں، خدا کا ہے، یہ بالکل ایک مصالحانہ اعلان ہے، لیکن لوگ اس کو اس معنی میں پیش کرتے ہیں کہ گویا اسلام کا حکم یہ تھا کہ مسلمان دیوانہ وار تلوار لیے پھرتے اور جس کو پاتے اوسکو ڈرا دھمکا کر کہتے کہ کلمہ پڑھو، ورنہ سرفرم کر دیں گے، غور کرو اگر یہ حکم ہوتا تو قیدی اقرار توحید کئے بغیر اس آسانی سے چھوڑے جاتے، اور ہاری ہوئی قوموں سے اسلام نہیں صرف چند درہم کا جزیہ لیکر انکو آزاد کر دیا جاتا، اور کیا مسلمانوں کو یہ اجازت ملتی کہ

وَاِنْ جَنَحُوا بِالنَّاصِيَةِ فَاجْنَحْ لَهَا (انفال - ۸) اگر کفار کا محارب فریق صلح کیلئے بھگے تو تم بھی جھکا جاؤ۔

بلکہ اس کے بجائے یہ حکم ہوتا کہ جب تک وہ مسلمان نہ ہو جائیں، اُن سے صلح نہ کرنا، اور نیز کیا مسلمانوں کو یہ حکم ہو سکتا تھا کہ

وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاجْبِرْهُ (انفال - ۸) اور اگر (لڑائی کے میدان میں) مشرکوں میں سے کوئی تجھ سے

حتیٰ یسمع کلام اللہ ثمّ ابْلِغْهُ مَامَنْهُ (انفال - ۸) پناہ مانگے تو اُس کو پناہ دے، یہاں تک کہ وہ خدا کا کلام

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا یَعْلَمُوْنَ (انفال - ۸) سن لے، پھر اُسکو اوس کے امن کی جگہ پہنچا دے یہ اسلیے

(توبہ - ۱) کہ یہ بے علم لوگ ہیں،

بلکہ یہ ہوتا کہ پناہ ملنے اور کلام الہی سننے کے بعد وہ مسلمان نہ ہو تو اوسکو اوسکی امن کی جگہ پہنچانے کے بجائے اوسکو قتل کر کے جہنم میں پہنچا دو، مگر ایسا نہیں ہے، اس سے معلوم ہوا کہ اسلام کی امن پسندی اور رواداری کے مفہوم کو کس طرح الٹ کر بیان کیا جاتا ہے، حالانکہ اسلام نے تو اُن مشرکوں سے بھی جو ہٹا

دعویٰ کی شہادت ہے،

تبلیغ و دعوت کی تنظیم | آنحضرت صلیم جب تک مکہ معظمہ میں تشریف فرما رہے، بنفس نفیس اس فرض کو انجام دیتے رہے ایک ایک کے پاس جاتے اور حق کا پیغام سناتے، شہر سے نکل کر مکہ کے اُس پاس جاتے اور آنے جانے والوں کو بشارت سناتے، مکہ سے نکل کر طائف گئے، اور وہاں بھی اپنا فرض ادا کیا، یہ بھی خدا کی مصلحت تھی کہ اس نے اپنے آخری دین کا مرکز مکہ معظمہ کو قرار دیا، جو عرب کا مرکزی شہر تھا، اور حج کے موسم میں تمام قبیلے خود بہمان آجاتے تھے، آپ سالہا سال حج کے موسم میں ایک ایک قبیلہ کے پاس جاتے، اور خدا کی دعوت پیش کرتے، اسی سالانہ تبلیغ سے اسلام کو وہ جماعت ہاتھ آئی جس کا نام انصار ہے،

الغرض ان تبلیغی سرگرمیوں سے مکہ میں سینکڑوں آدمی مسلمان ہو چکے تھے، مگر قریش کے ظلم سے وہ ملک چھوڑنے پر مجبور ہوئے اور آنحضرت صلیم کے مشورہ سے وہ حبشہ کی طرف روانہ ہوئے، اس سفر کی مصلحت بھی عجیب و غریب تھی، ان مظلوم مسلمانوں کی ہجرت نے یہ موقع ہم پہنچایا کہ وہ اس مسافت میں جہان جہان سے گذرے اسلام کی آواز پہنچاتے گئے، اور اس طرح میں اور حبشہ دونوں ملکوں میں اسلام کی تحریک و ترقی ہوئی۔ مکہ میں آنحضرت صلیم کے بعد، عام مسلمانوں میں سب سے پہلے تبلیغ اور داعی حق حضرت ابو بکرؓ تھے، مکہ کے بہت سے معزز گھرانوں کے پرچوش نوجوان انھیں کی تبلیغ سے اسلام کے حلقہ بگوش ہوئے، حضرت عثمانؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت ابو بکرؓ کو مشون سے دائرۃ اسلام میں آئے، حضرت ابو بکرؓ کے بعد اسلام کے دوسرے تبلیغ حضرت مصعب بن عمیرؓ ہیں، جنکے مؤثر و عنطون کو سکر آنحضرت صلیم کی ہجرت سے پہلے ہی مدینہ کے گھرانے کے گھرانے توحید کے پرستار ہو گئے تھے،

مدینہ منورہ اگر اسلام نے امن و امان کی سانس مکی لی، تو آنحضرت صلیم نے اُن نو مسلموں کی تعلیم کیلئے جو اطراف ملک سے دارالاسلام میں آتے تھے، نیز ملک کے مختلف گوشوں میں اسلام کی تبلیغ کے لیے ایک جماعت قائم کی، جس کا نام عام طور سے اصحابِ صفہ (چوتراہ واسے) مشہور ہے، اس میں وقتاً فوقتاً سو سے زیادہ

آدمی داخل تھے، یہ لوگ ملک مین اسلام کی دعوت کے لیے بھیجے جاتے، اور خود مسلمانوں کو تعلیم دیتے، سیرت مین شتر کے قریب جو داعی اور مبلغ راہ مین بیدر وادہ قتل ہوئے تھے، وہ اسی جماعت کے ارکان تھے،

ان کے علاوہ وہ اکابر صحابہ جو وقتاً فوقتاً مختلف ملکوں، بادشاہوں، قوموں اور قبیلوں مین اسلام کی دعوت لیکر پھیلے، احادیث و سیر کی کتابوں مین ان کے نام متفرق طور سے ملتے ہیں، مین نے تھوڑی سی کوشش سے اس قسم کے سنیٹس صحابیوں کے نام جمع کئے ہیں، جنھوں نے از خود یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مشورہ سے اس فرض کو انجام دیا، ان کے نام یہ ہیں، ابوذر غفاری، طفیل بن عمرو دوسی، جعفر لیثی، عمرو بن عبسہ سلمی، ضحاک بن ثعلبہ، خالد بن ولید، علی بن ابی طالب، ہاجر بن ابی امیہ، زیاد بن لبید، خالد بن سعید، ہدی بن حاتم، عمار بن حنظل، ابو موسیٰ اشعری، معاذ بن جبل، جریر بن عبد اللہ بخلی، وحیہ کلبی، عمرو بن امیہ ضمری، مغیرہ بن شعبہ، عمرو بن العاص، و بر بن خنس، عروہ بن مسعود ثقفی، عامر بن شمر، منذر بن حبان، ثمامہ بن اثال، مجہد بن سعوط، اخف، ابو زید انصاری، عمرو بن مرہ، عیاش بن ربیع، حمزہ بن اسحق، عبد اللہ بن حذافہ سہمی، طبیب بن بلثمہ، سلیمان بن عمرو بن عبد شمس، شجاع بن وہب اسدی، انھیں مہلتوں اور داعیوں اور قاصدوں کی پیکار تھی جس نے مین، یمامہ، بکرین، حجاز، نجد، پورے عرب کو بیدار کر دیا، اور عرب کے باہر ایران، شام، مصر، حبش ہر جگہ اسلام کا پیغام پہنچ گیا،

مہلتوں کی تعلیم و تربیت | سیرۃ کی دوسری جلد کے آغاز مین اشاعت اسلام کی تاریخ اور دعاۃ مہلتین کی تعلیم و تربیت کا حال لکھا جا چکا ہے، سلسلہ بیان کے لیے یہاں صرف اس قدر کہنا ہے کہ ان کو سب سے پہلے قرآن پاک کی سورتیں یاد کرائی جاتی تھیں، لکھنا پڑھنا بھی سکھایا جاتا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شب و روز کے ارشادات سننے کا موقع بھی ان کو ملتا تھا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اسلامی تبلیغ کا درس اولین قرآن اور صرف قرآن تھا،

دعوت بالقرآن | قرآن پاک اسلام کے دعویٰ اور دلیل دونوں کا مجموعہ ہے، اور وہی اس کے مذہب

کا صحیفہ ہے، خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے مبلغ صحابہ بھی تبلیغ و دعوت میں صرف قرآن کی سورتیں پڑھ کر سکتے تھے، اور جہان ان کو اسکا موقع مل جاتا، وہاں اسکی تاثیر اپنا کام کر جاتی تھی، اور یہ فرض خود قرآن نے اپنا آپ قرار دیا تھا، اسکی تبلیغ کے لیے جہاد کی ضرورت تھی، مگر اس جہاد کا ہتھیار لوہے کی تلوار نہیں، بلکہ قرآن کی تلوار تھی، جسکی ضرب کی روک ڈھال اور سپر سے بھی ممکن نہ تھی، اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو اسی تلوار سے جہاد کا حکم دیا، فرمایا،

فَلَا تُطِيعُ الْكُفْرَ بْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهِ جِهَادًا
تو اے پیغمبر منکروں کا کمانہ مان، اور اس قرآن سے
کسی راہ (فرقان ۵)
ان کے ساتھ بڑے زور سے جہاد کر،

اس پیغام الہی کے زمین میں اترنے کی غرض ہی یہ تھی کہ وہ خدا کے بھولے ہوئے بندوں کو ان کا
عہد یاد دلائے، فرمایا،

فَذَكِّرْ بِالْقُرْآنِ مَنْ يَخَافُ وَعَيْدِ
تو اے پیغمبر ان کو جو میری دھمکی سے ڈرتے ہوں قرآن کے
(ق-۳)
ذریعہ سے یاد دلا،

قرآن رحمت عالم کا پیام عمومی ہے، اور یہی اُس کے نزول کی غرض و غایت ہے، فرمایا،
تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَى عَبْدِهِ
برکت والا ہے۔ وہ جس نے حق و باطل میں امتیاز
لیکھ دیا لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا
بتائے دلی کتاب اپنے بندہ پر اس لیے اتاری تاکہ
(فرقان ۱)
تمام دنیا کو بیدار اور ہشیار کرے،

یہی قرآن اسلام کی طاقت اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اصلی ہتھیار تھا، جسکی کاٹ نے کبھی خطانہ کی،
اشاعت اسلام کی قدرتی ترتیب | عرب میں صرف تین توہین تھیں، جبکہ اسلام لانا گویا تمام جزیرہ نمائے عرب کا
اسلام لانا تھا، یعنی مشرکین، یہود اور نصاریٰ، مشرکین عرب کا مرکز خانہ کعبہ تھا اور ان کے مذہبی پیشوا قریش تھے،
یہود کا صدر مقام مدینہ اور خیمہ تھا، نصاریٰ اور مجوس شام اور یمن کے اطراف میں پھیلے تھے،

اس بنا پر کلا قہر کا قہر کے کا نام سے اشاعت اسلام کی قدرتی ترتیب یہ تھی کہ قریش اور کفار کے پہلے دعوت توحید یحیائی پھر یہو کو حلقہ بگوش اسلام بنایا جاتا، انکو بعد نصرت اور جوس کو دعوت یحیائی چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی ترتیب کیساتھ اسلام کی اشاعت کی، اور اسی بنا پر قرآن مجید کا طریق دعوت مختلف نظر آتا ہے، تمام مکی سورتوں کے مخاطب کفار مکہ تھے، اس لیے ان میں بت پرستی کی مذمت، توحید کی ترغیب، عجائب قدرت کا بیان عذاب الہی سے تنوین اور صنادید قریش کی مخالفت کے جواب کے سوا کچھ نہیں، لیکن جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے، تو یہود سے سابقہ پڑا، اور اب قرآن مجید کا طرز خطاب بدل گیا، چنانچہ ابتدائی مدنی سورتیں زیادہ تر یہود کی مذہبی تاریخ، ان کی تحریفات، ان کی اخلاقی کمزوریوں اور قصص بنی اسرائیل پر مشتمل ہیں۔ سب سے اخیر میں نصاریٰ کی باری آئی، اور فتح مکہ کے بعد قبائل عرب کے دفعہ کے سلسلہ میں بنو نضیر کے عیسائیوں کا دفن آیا، اسی زمانہ میں سورہ آل عمران نازل ہوئی، ہمیں نصاریٰ کا ذکر ہے،

مفسر
جوس عرب میں بہت کم تھے، بحرین اور یمن میں حال حال وہ پاسے جاتے تھے، وہ بھی ایرانی النسل تھے، غاص عرب نہ تھے، اس لیے قرآن مجید نے خاص طور پر کسی سورہ میں ان کے ساتھ خطاب نہیں کیا ہے، البتہ جا بجا مناسب موقعوں پر ان کا نام لیا ہے، اور ان کے عقائد کی تردید کی اور ان کو تنبیہ یعنی دو خداؤں کی پرستش کے بجائے توحید کی دعوت دی ہے،

قبول اسلام کے لیے کیا چیز درکار تھی؟ اگرچہ یورپ کا یہ عام دعویٰ ہے کہ عرب میں اسلام صرف تلوار کے زور سے پھیلا، لیکن ابتداء میں جن اشخاص اور جن قبائل نے اسلام کو قبول کیا ان کے اوصاف کے پیش نظر کر لینے کے بعد صاف ثابت ہوتا ہے، کہ اسلام اپنے لیے صرف اثر پذیر دل کا جو یاں تھا، اور جب یہ آئینہ مل جاتا تھا تو اس کے سامنے یہ طائرِ قدس اپنے پرواں دیتا تھا، چنانچہ ابتدائی بعثت میں جن اشخاص نے اسلام قبول کیا، وہ وہی تھے، جو نیک طبع، ایماندار راستی پسند اور حق جو تھے، اور جو نبوت کے اوصاف و خصوصیات سے واقف تھے، گزشتہ آسمانی مذاہب سے کچھ نہ کچھ آگاہ تھے اور معاشرت اور تمدن سے بہرہ ور تھے۔

انشخاص کے علاوہ جن قبائل اور آبادیوں نے اسلام کے قبول کرنے میں پیشدستی کی وہ بھی وہی تھے جنہیں یہ خصوصیتیں پائی جاتی تھیں، عرب کے مختلف حصوں جنوبی و شمالی میں سب سے زیادہ اسلام کو کامیابی عرب کے جنوبی حصہ، یعنی یمن، عمان، بحرین، یامامہ میں ہوئی، اور شمالی حصہ میں سے مدینہ منورہ اور اُس کے اطراف میں ہوئی، کیونکہ وہ تمدنی حیثیت سے دنیا کی دو ممتاز تمدن قوموں ایرانیوں اور رومیوں سے متاثر تھے، اور مذہبی حیثیت سے یہودیوں اور عیسائیوں سے اُن کا میل جول اور خلا ملا تھا، اہل مدینہ بھی یہودیوں کے تمدن و معاشرت، روایات اور رسم و رواج سے بہت کچھ متاثر تھے،

اسلام کو عربوں سے جس قدر لڑائیاں پیش آئیں وہ سب نجد اور حجاز میں، لیکن مسلمانوں کی کوئی جرّار فوج مدینہ، یمن، عمان، یامامہ اور بحرین کو فتح کرنے کے لیے نہیں بھیجی گئی، مدینہ نے خود مکہ میں آکر اسلام کو لے لیا، کہا، اطراف مدینہ کے قبائل میں غفار نے خود مکہ آکر قریش کی تلوار کی آگ میں کھڑے ہو کر لا الہ الا اللہ پڑھا، یمن سے دوس کے قبیلہ کے آدمیوں نے خود مکہ منظمہ پہنچ کر ایمان کی دولت حاصل کی، اور اُس کے دربار نے اپنا قلعہ اسلام کی پناہ کے لیے پیش کیا، اشعر کا قبیلہ بھی اسی زمانہ میں غائبانہ مشرف بہ اسلام ہوا، ہمدان کا قبیلہ حضرت علیؑ کی دعوت پر ایک دن میں مسلمان ہو گیا،

عمان کا بھی یہی حال ہوا، وہاں بھی اسلام نے صرف اپنی تبلیغی کوششوں کے ذریعہ سے اقتدار حاصل کیا ایک بار آپؐ نے عرب کے کسی قبیلے کے پاس ایک آدمی کو بھیجا، وہ لوگ اُس کے ساتھ سختی سے پیش آئے، اور اُس کو زود کو ب کی، اُس نے اکر آپؐ سے یہ واقعہ بیان کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ اگر اہل عمان ہوتے تو تم کو نہ گالیاں دیتے نہ مارتے (مسلم فضائل اہل عمان)

یامامہ کے رئیس شامہ قید ہو کر مدینہ آئے، یہاں آزاد کر دیئے گئے، مگر مدینہ کی مسجد میں جو جلوہ انھوں نے دیکھا، اپنی ظاہری مادی آزادی کے بعد بھی اس کی نورانی زنجیر سے انھوں نے رہائی نہ پائی، خود بخود مسلمان

ہو گئے اور اپنے قبیلہ میں جا کر اسلام کے داعی بن گئے، اور آخر خون کا ایک قطرہ گریے بغیر اسلام نے وہاں اکثریت حاصل کر لی،

دیہاتوں میں سب سے پہلے قریہ جواثی نے صدائے توحید پر لبیک کہا جو مصافحاتِ بحرین میں تھا اسی قریہ جواثی کے باشندے مسیح کو سے پہلے اسلام قبول کر چکے تھے، چنانچہ مسجد نبوی کے بعد عرب کے دیہاتوں میں سب سے پہلا جمعہ اسی گائون میں پڑھا گیا، بارگاہِ نبوت میں عرب کے وفود اگر چہ فتح مکہ کے بعد حاضر ہوئے لیکن بحرین کے لوگوں نے اس میں تمام قبائل عرب پر پیش قدمی کی، چنانچہ سترہ میں سب سے پہلا وفد جو حضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہوا وہ قبیلہ عبد القیس کا تھا، جو بحرین میں سکونت گزین تھا،

اہلِ مین کا شمار اگرچہ مہاجرین اولین میں نہیں کیا جاتا، لیکن جب آنحضرت صلعم کی ہجرت کا حال معلوم ہوا، اسی وقت حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ بھی مین سے ۵۲ آدمیوں کو بیکر مدینہ کی طرف ہجرت کی غرض سے روانہ ہو گئے، بحری سفر تھا وہ لوگ کشتی میں سوار ہوئے تو بادِ مخالف کے جھونکوں نے اسکو حبشہ میں پہنچا دیا جو مسلمانوں کا سب سے پہلا دارالہجرت تھا، وہاں حضرت جعفر بن ابی طالبؓ سے ملاقات ہوئی تو انھوں نے کہا کہ آنحضرت صلعم نے ہم کو یہیں اقامت کا حکم دیا ہے، تم لوگوں کو بھی یہیں ٹھہر جانا چاہیے، چنانچہ وہ لوگ وہیں مقیم ہو گئے، اور مسیح خیر کے زمانے میں مہاجرین حبشہ کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، حقیقت کہ اسلام کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ بھالت اور وحشت اور اسکی اشاعت کی سب سے بڑی محرک تمدن، معاشرت اور اخلاق کی بلندی، اور کتبِ آسمانی اور دیگر مذاہب کے واقفیت تھی، خود قرآن مجید نے اس کو ظاہر کیا ہے،

الْأَعْرَابُ أَشَدُّ كُفْرًا وَلِأَقْوَافٍ لَّأَمَّ

اَلَا تَسْمَعُوْا اِحْدُودًا مَّا اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهِ

۱۔ صحیح بخاری، باب الحجۃ فی القری والدن، ۲۔ صحیح مسلم کتاب الایمان ۳۔ صحیح مسلم فضائل جعفر بن ابی طالب و اسماء بنت عیس،

وَاللّٰهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ (توبہ ۱۲)

جو خدا نے اپنے رسول پر اتارا ہے، اور اللہ جانتا اور حکمت والا ہے اور بھی اس قسم کی آیتیں ہیں، جو لوگ بادیہ سے آکر اسلام لائے تھے، اور کچھ مسائل سیکھ کر واپس چلے جاتے تھے، اُن سے جو بیعت لی جاتی تھی، اُنکا نام بیعتِ اعرابی تھا، جو کم درجہ سمجھی جاتی تھی، اس بنا پر بادیون میں الگ تھلک رہنا صحابہ کے زمانہ میں محبوب سمجھا جاتا تھا، بلکہ بعض لوگ اس کو ارتداد کی علامت سمجھتے تھے،

اشاعتِ اسلام کے سبب ذیل گزشتہ مباحث پر ایک غائر نظر ڈالنے کے بعد خود بخود یہ عقدہ کھل جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دینِ حق کو عربوں میں کس طرح پھیلایا، اور آپ کو کون کون کا میاں بی ہوئی، تاہم اگر واقعات کی روشنی میں ایک ایک صحابی کے قبولِ اسلام کے اسباب کی تلاش کی جائے، تو حسب ذیل اسباب سامنے آئیں گے۔

۱۔ اسلام کے نشر و اشاعت کا سب سے مقدم اور اصلی سبب حجرۂ قرآنی تھا، قرآن مجید جس موثر اور دل چکپا دینے والے طریقہ سے عقائد و معارف و اخلاق کی تلقین کرتا تھا، اُس کے سامنے وہ تمام عوائق، اور موانع جو خدا ذکر اور پرہیزگاری کو جانتے تھے، جو لوگ سرے سے خدا کے وجود کے منکر تھے قرآن مجید ان کے سامنے عالم کی توسلوفی، مظاہرِ قدرت کی بوجہی، کائنات کی نیرنگی، اجرامِ فلکی کی جلوہ گری، اُنھن صر کی نگار آرائی سے اس طرح استدلال کرتا تھا،

كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَنَ اٰمَانًا كُنْتُمْ
ثُمَّ يَمِينُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ اِلَيْكُمْ تُرْجَعُونَ (نفاۃ - ۲)

اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وََاٰخِلٰتِ
الْحَيٰوَةِ وَالْمَوْتِ وَالْحَيٰوَةِ الَّتِيْ بَعْدَ الْمَوْتِ
بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَاءِ

تم خدا کا انکار کس طرح کرتے ہو حالانکہ تم کبھی پہچان تھے
تو اُس نے تم کو زندگی بخشی، پھر ایک دن تم کو مردہ
بنادیا، پھر زندہ کر دیا، اور پھر اسی کے پاس واپس آئے جاؤ
آسمان و زمین کی پیدائش میں شب و روز کے اختلا
ف میں، اُن کشتیوں میں جو سمندر میں انسانوں کیلئے
سودمند چیزوں کو لیکر چلتی ہیں، بادیوں سے پانی

لے کر جو مسلمان
آپ صلی اللہ علیہ وسلم
سین سنائی
کے سبب البتہ

مِنْهَا فَأَحْيَاهُ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَ
بَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ وَتَصْرِيفِ الرِّيحِ
وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ
لَا يَتَذَكَّرُ لِقَائِهِمْ يُعَلِّمُونَ

(بقرہ ۲۰)

برساتے ہیں، اُس پانی سے مردہ زمین کو زندہ کرنے

میں، اور اس زمین میں ہر قسم کے جانداروں کے پھیلانے
میں، ہواؤں کے چلانے میں، اُن بادلوں میں جو
فضائے آسمانی میں سحر میں، دانشمندان کے لیے
بڑی نشانیاں ہیں،

وَلَهُ اسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّالْيَهُ يَرْجِعُوْنَ

(ال عمران - ۹)

آسمان وزمین میں جو بھی ہے، برضا، یا مجبوراً اوسى کا
اطاعت گزار ہے، اور اوسى کی طرف ایک دن
سب لوٹاے جائیں گے،
آسمان وزمین کی خلقت اور شب وروز کے الٹ پھیر
میں، اُن ارباب عقل کے لیے بے شمار بڑی نشانیاں
ہیں جو اٹھتے بیٹھتے، لیٹتے (ہر حال میں) خدا کو یاد
کرتے ہیں، اور آسمان وزمین کی خلقت پر غور کرتے
ہیں، کہ خدا یا تو نے یہ بیکار پیدا نہیں کیا،

اِنَّ فِىْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاٰخِلَاتِ
اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِى الْاَلْبَابِ
الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا
وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ يَتَفَكَّرُوْنَ فِىْ خَلْقِ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ

(ال عمران - ۲۰)

وہ ہے جو تم کو خشکی اور دریا میں سفر کرتا ہے، یہاں تک
کہ جب تم کشتی میں ہوتے ہو، اور ہوا کشتی والوں کو نوب
لیے جارہی ہے اور لوگ خوش ہو رہے ہیں کہ (دفعہ)
زور کا جھکاؤ آیا اور ہر طرف سے موجیں آئیں اور لوگوں کو
یقین ہو چلا کہ اب وہ گھر گئے اُس وقت وہ خالص خدا

هُوَ الَّذِیْ یُسِّرُ کُمۡ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ حَتّٰی
اِذَا کُنْتُمْ فِی الْفُلِکَ وَجَرَّیْنِ بِہِمۡ بِرِیْحٍ
طَیِّبَۃٍ وَفَرِحُوْا بِمَا جَآءَ تَحَارِیجِ عَمَلِکُمْ
وَجَآءَ ہُمُ الْمَوِیۡجُ مِنْ کُلِّ مَکَانٍ وَظَنُّوْا
اَنَّهُمۡ اُحِیۡطَ بِہِمۡ دَعَا اللّٰهُ مُخْلِصِیۡنَ

کو بھارنے لگے تھیں،

لَهُ الدِّينَ، (یونس: ۳۰)

اور خدا کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ تمہارے لئے تمہی

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ

سے جوڑے بنائے کہ تم کو ان سے تسلی ہو اور تم دونوں

أَزْوَاجًا لَتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ

میں باہمی محبت اور ہمدردی پیدا کی، اس بات میں سو

مَوَدَّةً وَرَحْمَةً إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ

والوں کے لئے نشانیاں ہیں اور اس کی نشانیوں میں سے

تَقَى يَتَفَكَّرُونَ، وَمِنْ آيَاتِهِ خَلَقَ

آسمان اور زمین کا پیدا کرنا ہے، اور تمہاری زبانوں

السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتَلَفَ الَلْسِنَتِكُمْ

اور رنگوں کا مختلف ہونا، اس بات میں جاننے والوں

وَالْوَنَانِكُمْ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِلْعَالَمِينَ

کے لئے نشانیاں ہیں، اور خدا کی نشانیوں میں سے

وَمِنْ آيَاتِهِ مَنَامُكُمْ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ

تمہارا رات اور دن میں سونا، اور خدا کے فضل (روزی)

وَأَتْبَعَاءُكُمْ مِنْ فَضْلِهِ إِنَّ فِي ذَلِكَ

کو ڈھونڈنا ہے، اس میں سے سننے والوں کے لئے

لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْلَمُونَ،

نشانیاں ہیں،

(روم - ۳)

خدا یا ایک قوتِ اعظم کا اعتراف، خود انسان کی فطرت ہے، لیکن غفلت شکاری اور آبائی اثر
اور دیگر اسباب سے یہ فطرت کبھی کبھی مردہ اور بے حس ہو جاتی ہے، قرآن مجید اسی نغمہ جس کو بیدار کرتا تھا

أَفِي اللَّهِ شَيْءٌ فَاطِرُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ

کیا خدا میں شک ہے، جو آسمانوں اور زمین کا

پیدا کرنے والا ہے،

(ابراہیم - ۲)

اور کیسے تم خدا کا انکار کرتے ہو، حالانکہ تم بے جان تھے،

كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَكُنْتُمْ أَمْوَاتًا

تو اس نے تم کو زندگی دی، پھر وہ تم کو موت دیکھا، پھر

فَأَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ

وہ تم کو زندہ کرے گا، پھر تم اوس کی طرف لوٹائے

ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ

جاؤ گے،

(بقہ - ۳)

عرب بن محمد کم تھے، زیادہ تر بلکہ قریباً تمام مشرکین تھے جو خدا کو اگرچہ مانتے تھے، لیکن یہ بھی مانتے تھے کہ اس کے سوا اور بھی خدا ہیں جو خدا کے شریک ہیں اور نظام عالم انہی کے ہاتھ سے انجام پاتا ہے، انسان کی فطرت ہے کہ جس سے براہ راست اس کو کام پڑتا ہے، اُسکو زیادہ مانتا ہے، اُسی سے زیادہ محبت کرتا ہے، اُسی کی زیادہ پرستش کرتا ہے، چونکہ مشرکین کا اعتقاد تھا کہ بادلوں کی بارش غلہ کی پیداوار نباتات کی روئیدگی سب اجرام فلکی یا اصنام کا کام ہے، اس لیے اُن کو عبودیت کا جو کچھ تعلق تھا، انہی معبودوں سے تھا، وہ انہی کی عبادت کرتے تھے، انہی سے محبت رکھتے تھے، انہی پر نذر چڑھاتے تھے، انہی کے سامنے قربانیاں کرتے تھے، معرکوں میں انہی کے نام کی جے پکارتے تھے، اس بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اصلی کام، اسی شرک اور اصنام پرستی کو مٹانا تھا، یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں اصل وجود باری کے متعلق بہت کم استدلال ہے، زیادہ تر شرک کا ابطال اور اسکی تحقیر اور تہجین ہے،

قرآن مجید طرح طرح سے نہایت مؤثر پیرایوں میں شرک کی لغویت کا اظہار کرتا تھا،

اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا وَجَعَلَ خِلْمًا	کیا وہ جس نے زمین کو قرار گاہ بنایا، اور اس کے بیچ
اَنْهَارًا وَجَعَلَ لَهَا رَواسِي وَجَعَلَ بَيْنَ	میں نہریں بہائیں اور اس کے لیے پہاڑوں کی
الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ؕ اَلَا مَعَ اللّٰهِ بَلْ كَذَّبُوا	میںخین گاڑیں اور دونوں دریاؤں میں اوٹ رکھا
لَا يَعْلَمُونَ، اَمَّنْ يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا	کیا خدا کیساتھ کوئی اور بھی خدا ہے، بلکہ واقعہ یہ ہے
دَعَا وَيَكْسِفُ السُّقُوءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَاءَ	کہ ان میں اکثر لوگ جانتے نہیں، کیا وہ جو زمین
اَلْاَرْضِ ؕ اَلَا مَعَ اللّٰهِ قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُوْا	خالدوں کی سنتا ہے، جب وہ اس کو پکارتے ہیں
اَمَّنْ يَّهْدِيْكُمْ فِيْ ظُلُمَاتٍ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ	اور بلا کو ہٹا دیتا ہے اور تم کو دنیا کا حکم ان بناتا ہے
وَمَنْ يُزِيلُ السُّلُوكَ بَشَرًا مِّنْ دُونِ	کیا خدا کے ساتھ کوئی اور بھی خدا ہے، تم بہت کم
رَحْمَتِهِ ؕ اَلَا مَعَ اللّٰهِ تَعَالٰى اللّٰهُ عَمَّا	سوچتے ہو، کیا وہ جو تم کو خشکی اور تری کی اندھیری

لِشِرْكُونَ، أَمَنْ يَتَّبِعُوا الْخَلْقَ ثُمَّ يَعْبُدُوهُ
وَمَنْ يَرْزُقْكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ عَالِمٌ
مَعَ اللَّهِ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَ كُفْرَانِكُمْ
كُنْتُمْ صَادِقِينَ،

اور وہ کون ہے جو تم کو آسمان اور زمین سے روزی

دیتا ہو، کیا خدا کے سوا کوئی اور ہے، تو کہدے کہ اگرچہ

ہو تو دلیل لاؤ،

کفار اور مشرک عموماً قیامت کے منکر تھے اور کہتے تھے کہ مَنْ يُحْيِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ یعنی جب
ہڈیاں سڑ گئیں حکیم تو اب کون اُن کو جلائیگا، قرآن مجید ان سے خطاب کرتا تھا،

الْمَيْكُ نُطْفَةٍ مِنْ تَمَنِيٍّ يُُمْنَى، ثُمَّ كَانَ
كِيَا انسان پہلے منی نہیں تھا، پھر گوشت کا لوتھڑا بنا،

عَاقَتَهُ فَخَلَقَ فِسْقَى، فَجَعَلَ مِنْهُ الذَّكَرَ وَالْأُنْثَى،
پھر خدا نے اس کو ٹھیک کیا اور اس سے دو جوڑ مرد و

الذَّكَرَ وَالْأُنْثَى، أَلَيْسَ ذَلِكَ بِقَدِيرٍ
عورت بنائے کیا وہ اسپر قادر نہیں کہ مرد کو زندہ کرے،

عَلَى أَنْ يُحْيِيَ الْمَوْتَى، (قیامتہ - ۲)

غرض عقائد، عبادات، اخلاق، اعمال ہر چیز کو قرآن اس موثر اور دلنشین طریقہ سے ادا کرتا تھا کہ
دل میں گھر کر جاتا تھا اور رسم و عادت کا بند اس سیلاب کو کسی طرح روک نہیں سکتا تھا، اسپر بھی جو کفر
پر ثابت قدم رہے وہ ذاتی اغراض کا اثر تھا، حقیقی تجرد اور انکار نہ تھا،

تمام بڑے بڑے صحابہ بڑے بڑے رؤساء قبائل، بڑے بڑے شعراء اور خطباء قرآن ہی سن کر ایمان
لائے، حضرت عمرؓ کس ارادہ سے چلے تھے، لیکن جب قرآن مجید کی آیتیں سنیں تو کانپ اُٹھے اور اسلام
قبول کر لیا، عقبہ جو رئیس قریش اور علوم عرب کا ماہر تھا جب اُس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر

کہا کہ تم نبوت کی دعوت سے باز آؤ تم تمہارے لئے سب کچھ دیا کر دیتے ہیں، آپ نے حکم کی ابتدائی تین پڑھیں، جب یہ آیت آئی،

فَإِنْ أَعْرَضُوا فَقُلْ أَنْذَرْتُكُمْ صَاعِقَةً مِثْلَ صَاعِقَةِ عَادٍ وَثَمُودَ (ختمِ فصاحت) ڈالتا ہوں جو عاد و ثمود کی کڑاک کی طرح ہے،
تو عقبہ نے بیاب ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ پر ہات رکھ دیا اور کہا خدا کے لئے بس، تم کو قرابت کی قسم
ڈالتا ہوں، پھر واپس جا کر قریش سے کہہ دیا کہ تم جو کلام پیش کرتے ہیں وہ شعر ہونے چاہئے، انہ
کہانت ہو، (بلکہ کوئی اور چیز ہے) حضرت ابوذرؓ نے اسلام لانے سے پہلے اپنے بھائی انیس کو جو شاعر
عرب میں تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تحقیقِ حال کے لیے بھیجا تھا، وہ خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر
اور قرآن مجید سنا تو جا کر حضرت ابوذرؓ سے کہا کہ لوگ اُن کو کاہن اور شاعر کہتے ہیں، لیکن میں کاہنوں
اور شعراء دونوں کے کلام سے واقف ہوں، ان کا کلام دونوں سے الگ ہے، انیس کے بعد حضرت
ابوذرؓ خود گئے، اور واپس آئے تو اُن کا آدھا قبیلہ اُسی وقت مسلمان ہو گیا،

ولید بن مغیرہ (حضرت خالدؓ کا باپ) جو اسلام کا سب سے بڑا دشمن تھا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت
میں حاضر ہوا اور آپ نے یہ تین پڑھیں،

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ (فصل ۱۳)
خدا عدل کا، احسان کا اور رشتہ داروں کو عطا کرنے کا
حکم دیتا ہے اور قریش سے، بری بات سے، اور ظلم سے
منع کرتا ہے وہ تم کو سمجھاتا ہے کہ شاید تم سمجھ جاؤ، یہ تین
ولید نے کہا پھر پڑھنا، آپ نے دوبارہ پڑھا، وہ واپس گیا اور قریش سے جا کر کہا کہ یہ انسان کا کلام

۱۔ علامہ ابن تیمیہ نے ابواب الصیغ جلد ۴ صفحہ ۴۴ میں مسند ابوہریرہؓ وغیرہ سے یہ روایت نقل کی جو نیز یہ روایت مستدرک حاکم میں بھی ہے،
۲۔ صحیح مسلم فضائل حضرت ابوذرؓ ص ۱۱۱ ابواب الصیغ جلد ۴ ص ۱۱۱ بحوالہ عبدالرزاق،

عثمان بن مظعون بڑے پایہ کے صحابی، اور سابقین اسلام میں ہیں، یہی آئین ہیں جنکو سکران کے دل نے سب سے پہلے اسلام کا جلوہ دکھا، وہ خانہ کعبہ کو جارہے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے راستہ میں اپنے پاس بٹھالیا، پھر فرمایا کہ ابھی مجھ پر یہ کلام اترا ہے، یہ کلمہ آپ نے اور والی آئین پڑھیں، وہ کہتے ہیں یہ پہلا موقع تھا کہ اسلام نے میرے دل میں گھر کیا،

جمیر بن مطعم نے کفر کے زمانہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سورہ طور پڑھتے سنا جب اس آیت پر پہنچے،
 اَدَّخِلْنٰهُمُ اِمْنًا غَيْرِ شَيْءٍ اَدَّهْمُ الْخَالِقُوْنَ
 اَدَّخِلْنٰهُمُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بَلٰى
 يٰوَقِنُوْنَ، اَدَّعٰنَدَ هُمْ خَزَاۤئِنَ رَبِّكَ
 اَدَّهْمُ الْمُصِطَرِّمُوْنَ، (طور-۲)
 کیا یہ لوگ از خود پیدا ہو گئے، یا یہ خود خالق ہیں کیا
 آسمان اور زمین کو انھیں لوگوں نے پیدا کیا بلکہ
 (واقعہ یہ ہے کہ) ان کو ایمان نہیں کیا ان کے
 پاس خدا کے خزانے میں کیا یہی لوگ سربراہ کار ہیں

تو خود جمیر کا بیان ہے کہ مجھ کو یہ معلوم ہوتا تھا کہ میرا دل اڑ چلا،

طفیل بن عمرو الدوسی مشہور شاعر اور شرفاء عرب میں تھے، ہجرت سے پہلے وہ مکہ گئے لوگوں کو ان کے آنے کی خبر ہوئی تو ان کے پاس گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کہا کہ ان کے پاس نہ جانا وہ لوگوں پر جادو کر دیتے ہیں، لیکن جب حرم میں اتفاقہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے قرآن سنا تو ضبط نہ کر سکے اور مسلمان ہو گئے،

ہجرت سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب طائف کا سفر کیا اور مشرکین کو اسلام کی دعوت دی، تو ان کے ادھر سے اس کا جواب ڈھیلا اور پتھر تھا تاہم خالد العدوانی نے جو طائف کے رہنے والے تھے آپ کو،
 وَالسَّمَاءِ وَالطَّارِقِ، (طارق)
 قسم ہے آسمان کی اور رات کے چلنے والے ستارہ کی

۱۔ مسند ابن جنبل جلد اول صفحہ ۳۱۸ و ادب المفرد امام بخاری، باب النبی صلی اللہ علیہ وسلم صحیح بخاری کتاب التفسیر سورہ طور ۱۱۸ ان کے اسلام کا حال ابن القیم ذرا المعاد نے تفصیل لکھا جو ادرا بن اسحاق کے حوالہ سے لکھا ہے کہ مسند ابن جنبل جلد دوم صفحہ ۳۱۵،

پڑھتے سنا تو وہ اس قدر متاثر ہوئے کہ انھوں نے اسی حالت کفر میں پوری سورہ یاد کر لی، اور آخر اسلام لائے۔
حضرت ابو بکر کو قیام مکہ کے زمانہ میں بعض شریکین نے اپنی مین لے لیا تھا اس زمانہ میں حضرت صفیہؓ نے ایک مسجد بنوائی تھی اور اس میں نماز پڑھا کرتے تھے، لیکن نماز بہت آواز سے پڑھتے تھے، آواز سن کر محلہ کے نوجوان اور عورتیں جمع ہو جاتیں، اور قرآن سنتیں تو ان کا دل خود بخود اسلام کی طرف کھینچتا، چنانچہ اسی بنا پر کفار نے حضرت ابو بکرؓ سے شکایت کی کہ تم ان پکار کر نہ پڑھا کرو، اس سے ہمارے بچے اور عورتیں مفتون ہوتی جاتی ہیں، انصار اذول جب مقام عقبہ میں اسلام لائے تو قرآن ہی سن کر لائے تھے، جو لوگ داعی بنا کر بھیجے جاتے ان کو قرآن یاد کرایا جاتا اور وہ جہان جاتے ہی کارگر آلائے تھے، نیکر جاتے، نجاشی کے دربار میں کفار قریش جب سفیر بن کر گئے اور ان کی شکایت کہ نجاشی نے مسلمانوں کو بلا کر باز پرس کی تو حضرت جعفر طیارؓ نے قرآن مجید کی چند آیتیں پڑھیں، نجاشی بے اختیار پڑھا اور کہا کہ خدا کی قسم یہ کلام اور انجیل ایک ہی چشمہ سے نکلے ہیں۔

جشن میں جب آپ کی بعثت کا چرچا ہوا تو بیس شخص جو مذہباً عیسائی تھے تحقیق حال کے لیے مکہ میں آئے اور آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ نے ان کے سامنے قرآن مجید کی آیتیں پڑھیں، ان کی آنکھوں نے حقیقتاً آنسو جاری ہو گئے اور اسی وقت اسلام لائے، انھیں حضرت صلعم کے پاس سے یہ لوگ اٹھے تو ابو جہل نے ان سے ملکر کہا تم سخت احمق ہو، اتنے دور سے سفر کر کے آئے اور دم بھر میں اپنا مذہب بدل لیا، انھوں نے کہا ہم تم سے لڑنا نہیں چاہتے، لَکُم دِیْنُکُمْ وَ لَنَا دِیْنُنَا۔

قرآن کی پیشینگوئیوں کی صداقت نے بھی لوگوں کے دلوں کو کھینچا، چنانچہ اہل ایران کے مقابلہ میں یونان کی فتح کی جو پیشینگوئی کی تھی جس دن یہ پیشینگوئی حریف بھرت پوری ہوئی، صد ہا کافر مسلمان تھے، ایک ضروری نکتہ عام خیال یہ ہے کہ اہل عرب جو قرآن مجید سن کر اسلام قبول کر لیتے تھے، صرف فصاحت و بلاغت

۱۔ مسند ابن حبش جلد ۱ صفحہ ۳۲۵ بخاری شریف ذکر ہجرت، ۲۔ مسند ابن حبش جلد ۵ صفحہ ۲۹۱، ۳۔ ابن ہشام جلد اول صفحہ ۱۳۶ مطبوعہ مصر ذکر ہجرت جشن، ۴۔ صحیح ترمذی تفسیر سورہ روم،

کی بنا پر یعنی جو کچھ عرب میں شعر و خطابت کا بہت چرچا تھا، اور تمام ملک میں شاعری کا مذاق سراپت کر گیا تھا، اس لیے جب وہ دیکھتے تھے کہ اور کسی شاعر یا خطیب کا کلام ایسا فصیح و بلیغ نہیں ہے تو وہ اسلام قبول کر لیتے۔ بے شبہ قرآن مجید فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے عجیب ہے، لیکن اسکا اعجاز جس قدر عبارت و انشائیں ہیں اس سے زیادہ معنی و مطالب میں ہے،

فرض کرو کہ قرآن مجید فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے ایسا ہی معجز ہو تا جیسا اب ہے لیکن اس میں صرف تاریخی واقعات یا اسی فہم کی اور کوئی بات ہوتی تو کیا یہی اثر پیدا ہو سکتا تھا، قرآن مجید ایک طرف تو فصاحت و بلاغت کے بنا پر اعجاز کا کام دیتا تھا، دوسری طرف جو مطالب اور مقاصد ادا کرتا تھا وہ اسلام ہی کے مقاصد اور مطالب تھے، وہ خدا کی عظمت و جلال، انسان کی توحید، انسان کا عجز و تعبد، سزا و جزا، بعث و نشر، جو ر و ظلم کی تفسیر، اخلاق حسنہ کی تحقیر، ان مطالب کو اس طرح ادا کرتا تھا کہ خود بخود دل میں گھر کرتے جاتے تھے، اور ان کو یہ نظر نہیں آتا تھا کہ وہ ان باتوں کو اس لیے مان رہے ہیں کہ مسلمان ہو چکے ہیں، بلکہ یہ باتیں براہ راست ان کے دل میں اتر جاتی تھیں اور وہ مسلمان ہوتے جاتے تھے،

موانع کا ازالہ اعراب کو جو پھرین اسلام سے روکتی تھیں ان میں سب سے اہم (جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں) ان کے ادا و اعتقادات باطلہ تھے، جو سیکڑوں ہزاروں برس سے چلے آتے تھے، یا سیاسی و معاشی ضرورتیں تھیں، مقدمہ لڈکر باتوں کا قرآن مجید اور اعجاز نبوی نے استیصال کر دیا، عرب میں جو لوگ صاحب فہم اور ذی اثر تھے اور سیاسی رہنما سے مجبور نہ تھے، یہ ناکمل تھے کہ وہ قرآن سنتے اور ان کے تمام عقائد اور اہام دفعہ فنانہ ہو جاتے، یہ ارباب اثر جب خود متاثر ہو جاتے تھے تو ان میں سے ایک ایک شخص کے اثر سے ہزاروں مسلمان ہو جاتے تھے، کیونکہ قبائل پرستی کی بنا پر قبیلہ کا ایک معزز اور رئیس اپنے پورے قبیلہ کے دل و دماغ کا مالک تھا،

البتہ جو لوگ سیاسی اسباب سے مطلقاً دعوت اسلام کی طرف متوجہ ہی ہونا نہیں چاہتے تھے، انھوں نے بار بار واراۃ النبوة (مدنیہ سنوہ) پر چڑھائیاں کیں، لیکن نصرت ایزدی نے ان کو اس قدر شکستیں دیں کہ بالآخر

مجبور ہو کر بیٹھ گئے، ان میں سے کچھ قتل ہو گئے، کچھ چار چار اسلام کے حلقہ میں داخل ہوئے جنہیں سے اکثر رفتہ رفتہ باطن
دل سے مسلمان بن گئے،

قبائل کی ریاست سیاسی حیثیت سے گو اسلام کے مخالف تھی، لیکن بعض وجوہ سے اسلام کو تائید بھی پہنچاتی
تھی، اسلام کی جمہوریت جس قدر ریاست کی مخالف تھی، اسی قدر عام جماعت کی حامی تھی، اسلام سے اگر ایک رئیس
کی شانِ ریاست وغیرہ کو نقصان پہنچتا تھا، تو ہزاروں آدمیوں کو نظر آتا تھا کہ اسلام قبول کر لینے سے ہر شخص
رئیس کا ہمسرہ ہو جاتا ہے، غرض اسلام اگر ایک رئیس کو مٹاتا تھا تو سینکڑوں کو رئیس بنا دیتا تھا،

اس کے ساتھ روم کی ریاست بالکل زائل نہیں ہو جاتی تھی، بلکہ اسلام قبول کرنے پر وہ اپنے قبیلہ کے رئیس
باقی رہتے تھے، صرف اتنا ہوتا تھا کہ ان کی بے قید مطلق العنانی قائم نہیں رہتی تھی، اور اسلامی احکام کا پابند رہنا
پڑتا تھا، اس لیے اگر کوئی خود غرضی بھی کرنا چاہتا تھا تو اس کو بھی یہ سودا اگر ان نہیں پڑتا تھا، مولفہ القلوب کا گروہ
اس کی ایک صحرکی نظیر تھا،

اب صرف معاش کی ضرورت سدا رہ ہو سکتی تھی، لیکن لوگوں کو نظر آتا تھا کہ جن حدود میں اسلام کی حکومت
قائم ہو جاتی ہے، وہاں امن و امان قائم ہونے کی وجہ سے تجارت اور دیگر ذرائع معاش کثرت سے ترقی کر جاتے
۲۔ نبوت کے متعلق اُن کو جو شکوک تھے مشاہدہ اور تجربہ نے اُن کا پردہ چاک کر دیا، بڑی سے بڑی انتہا
اور پاک سے پاک زندگی کا جو تخیل ایک انسان کے ذہن میں آسکتا تھا، محمد رسول اللہ کی زندگی اُس سے
بھی بدرجہا بالاتر اور ارفع تھی، اُن کو نظر آتا تھا کہ گو مدعی نبوت بظاہر جاہل بشریت میں ہے، لیکن اپنی معنوی زندگی
اپنے معجزانہ اخلاق، اپنے مافوق الفطرت علم و معرفت، اپنے ربانی کرموں کی بنا پر بشریت سے کوئی بالاتر مخلوق
ہے، مَا هَذَا بَشَرًا اِنْ هَذَا اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ قرآن مجید نے آنحضرت صلیم کے صدقِ نبوت پر اسی مقدس
اور معصوم زندگی سے استدلال کیا ہے،

فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهِ اَفَلَا
اے قریش! نبوت سے پہلے بھی میں نے تم میں ایک

زندگی کا یہی اعجاز تھا جس نے ظہورِ نبوت سے پہلے ہی امین کا خطاب اپنے لیے حاصل کر لیا تھا، یوی کے برابر انسان کے اصلی حالات و اخلاق کا و افکار کوئی اور نہیں، نبوتِ محمدی کا مستقدا ولین دنیا میں کون تھا ام المؤمنین خدیجہ بنت خویلد لیکن اُن کی اس زود اعتقادی کارا ز کیا تھا، ۵ برس کے پھر انہ اخلاق اور ذوق الفطرۃ اوصاف و حالات کا تجربہ اداہ خود پیغمبر کو خطاب کر کے نبوت کی تسکین ان الفاظ میں دیتی ہیں، ”محمد خدا بھی تمہیں رسوا نہ کر لگا، تم رشتہ داروں کے ساتھ احسان کرتے ہو، ناداروں کی طرف سے فرض ادا کرتے ہو، غیب کی خبر لیتے ہو، ممانوں کے ساتھ برادرات پیش آتے ہو، جو لوگ حقیقت میں مبتلا سے آلام ہیں انکی اعانت کے لیے سن چکے ہو کہ عرب میں آپکی نبوت کا جب چرچا پھیلا تو اہل و دروغاری نے انہیں اپنے بھائی کو تھمتی حال کے لیے بھیجا، انھوں نے واپس آکر پکی نبوت کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا، ”میں ایک ایسے شخص کو دیکھا آیا ہوں جو بھلائیوں کا حکم دیتا ہے اور برائیوں سے روکتا ہے“

نبوت کے بعد قریش نے ذاتِ نبوی کے ساتھ گوداوت اور کینہ پروری کا کوئی پہلو اٹھانہیں رکھا تھا کوئی ادنیٰ اخلاقی جرم بھی اُس کے ساتھ منسوب نہ کر سکے، اسلام کے سب سے اول اعلانِ دعوت کے موقع پر جب اپنے ایک پہاڑ پر کھڑے ہو کر قریش کے مجمع کو طلب کیا اور پوچھا کہ اگر میں یہ کہوں کہ اس پہاڑ کی پشت پر ایک فوج گران تم پر حملہ آور ہونے کو تیار ہے تو کیا سچ مانو گے، سب نے بیک آواز کہا ”محمد! تیری بات آج تک ہم نے کبھی جھوٹ نہ پائی“ ابوسفیان جو ہجرت کے اٹھویں سال تک اسلام کے سخت ترین دشمن تھے، سترہ میں ہر قیصرِ روم کے دربار میں کفارِ قریش کی ایک جماعت کیساتھ محمد رسول اللہ کے اخلاق و اوصاف کے متعلق اپنی شہادتیں پیش کر رہے تھے، تاہم وہ ایک حرف بھی صداقت کے خلاف پیش نہ کر سکے، انھوں نے شہادت دی کہ محمد کبھی جھوٹ نہیں بولے، انھوں نے کبھی بدعہدی نہ کی، شرک سے روکتے ہیں، توحید کی تعلیم دیتے ہیں،

۱۔ صحیح بخاری، بدر الوحی، ۱۷۹، صحیح بخاری جلد اول صفحہ ۴۹۹، قصہ اسلام ابی ذر، صحیح بخاری تفسیر سورہ تہت صحیح مسلم کتاب الایمان باب اندر عشرین الاقرین،

عبادت، صدق، عفت، صلہ رحمی کی تاکید کرتے ہیں: ہر قہر فقرہ پر کہتا جاتا تھا کہ نبوت کے یہی آثار و دلائل ہیں، یہ سب پہلاد ن تھا کہ ابوسفیان کے دل نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کامیابی کا یقین کیا۔

کتاب کی دوسری جلد میں آپ کے تمام محاسن اخلاق یعنی رفت، ملاطفت، حسنِ معاشرت، جود و سخا، عدم تشدد، درگذر و غیرہ کی تفصیل بیان کی گئی ہے، اُس پر مجموعی طور پر نگاہ ڈالنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ وہ حقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک معجزہ تھا اور یہ معجزہ تسخیرِ قلوب ہی کے لیے عطا ہوا تھا، قرآن مجید اس نکتہ کو خود بتاتا ہے،

لَوْ كُنْتَ فَظًا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانفَضُّوا مِنْكَ
مَهْذُورٌ كَرَّمَ دَرَسَتْ خَوَارِجُ دِلِ مَوْتِ تَوَلُّوْكَ تَهْ

حَقَّ لَكَ (ال عمران - ۱۶) پاس سے چل دیتے،

آپ کی یہی بجز انہ کشت تھی جو لوگوں کو کھینچ کھینچ کے دائرہ اسلام میں داخل کرتی تھی، اور کفار کے جاہلانہ شکوک و ادہام کو دم کی دم میں مٹا دیتی تھی، صحیح مسلم میں ہے کہ ایک شخص نے آپ سے بہت سی بکریاں مانگیں، آپ نے دین اُس پر آپ کی فیاضی کا اس قدر اثر پڑا کہ اپنے قبیلے میں آکر اُس نے کہا: لوگو! مسلمان ہو جاؤ کیونکہ محمدؐ اس قدر دیتے ہیں کہ خود ان کو اپنے تنگدست ہونے کا مطلق خوف نہیں رہتا،

فتح مکہ میں جب صفوان بن امیہ مجبوراً اسلام لایا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو تین سو اونٹ دیدیئے، خود صفوان کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو اس قدر دیا کہ آپ پہلے میرے نزدیک بغوض ترین خلق تھے لیکن اس فیاضی سے محبوب ترین شخص بن گئے، ہند خاندان نبوت کی قدیم ترین دشمن تھی، جنگِ احد میں قوتِ باڑ اسلام حضرت حمزہؓ کے ہم کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے اسی نے آپ کے دل کو چاک چاک کیا تھا اور اسی نے اُن کے ناک کان کاٹ کر گلے کا ہار بنایا تھا، فتح مکہ میں بھیس بدل کر آپ کی خدمت میں اسلام لانے کے لیے حاضر ہوئی، تب بھی گستاخی سے باز نہیں آئی، لیکن دربار رسالت میں پہنچ کر آپ کے حسنِ خلق سے اس قدر متاثر ہوئی کہ بے اختیار بول اٹھی، یا رسول اللہ! سطحِ زمین پر آپ کے گھرانے سے زیادہ کوئی گھرانہ مجھے بغوض نہ تھا، لیکن

لے صحیح بخاری جلد ۱۰ صفحہ ۲۹۰ باب ۲۹ رسول اللہ ﷺ فقال لا، صحیح بخاری باب ۲۹ جن خلقوا من غیر محمد ﷺ باب مذکور

آج آپ کے گھرانے سے کوئی گھرانہ محبوب نہیں ہے، آپ نے یہ سن کر فرمایا کہ خدا کی قسم ہمارا بھی یہی حال تھا،
 آپ پر ایک یہودی عالم کا قرض آتا تھا، اس نے تقاضا کیا تو آپ نے فرمایا کہ اس وقت میرے پاس کچھ نہیں
 اُس نے کہا کہ میں تو بے ہی کے ٹلوں کا آپ نے کہا تو اب میں تمہارے ساتھ بیٹھتا ہوں، چنانچہ آپ نظر سے لیکر خبر کی
 نماز تک اُس کے ساتھ بیٹھے رہے، صحابہ نے ادسی اس گستاخی پر ناراضی ظاہر کی اور خدمتِ اقدس میں عرض
 کی کہ یا رسول اللہ آپ کو ایک یہودی نے روک رکھا ہے، آپ نے فرمایا ہاں، لیکن مجھے خدا نے اس سے
 منع کیا ہے کہ میں کسی ذمی یا اور کسی شخص پر ظلم کروں، دن چڑھا تو یہودی نے کلمہ پڑھا اور کہا کہ "میرا نصف مال
 خدا کی راہ میں صدقہ ہے، میں نے یہ گستاخی صرف اس لیے کی کہ توراۃ میں پیغمبر کے جو اوصاف مذکور ہیں ان کا
 تجربہ کروں۔"

نمامہ ابن انال، پیامہ کا ایک رئیس تھا جو اسلام کا جرم تھا، صحابہ کا ایک دستہ نجد کے اطراف میں بھیجا گیا
 تھا، حسن اتفاق سے وہ راہ میں مل گیا، گرفتار ہو کر مدینہ آیا اور مسجد نبوی کے ایک ستون میں باندھ دیا گیا، آنحضرت
 صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لیے تشریف لائے تو اس پر نظر پڑی، آپ نے دریافت کیا کہ تمامہ تمہارے ساتھ کیا برتاؤ کیا جا
 اُس نے کہا کہ اگر قتل کرنا چاہیں تو ایک خونی مجرم کو آپ قتل کر دین گئے، اور اگر عفو فرمائیں تو یہ احسان ایک
 احسان شناس کی گردن پر ہوگا، اگر مال کی خواہش ہے تو فرمائیے جو ارشاد ہوگا حاضر کیا جائے گا، یہ سن کر آپ
 اسی حالت میں اس کو چھوڑ کر چلے گئے، دوسرے دن پھر اسی قسم کا سوال و جواب ہوا، تیسرے دن پھر یہی گفتگو
 کی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے اُس کے بند گرہ کھول دیئے اور رہا کر دیا، اس پر اس واقعہ کا یہ
 اثر ہوا کہ مسجد سے نکل کر ایک کھجور کے درخت کی آٹھ میں گیا اور وہاں غسل کیا، غسل کر کے مسجد میں آیا اور
 کلمہ توحید پڑھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مخاطب ہوا، "محمد! زمین پر آپ کے چہرے سے زیادہ کوئی چیز مجھ کو
 مبغوض نہ تھی، لیکن آج وہ مجھ کو سب سے زیادہ محبوب ہے، مجھ کو آپ کے دین سے زیادہ کسی دین سے خدا
 ۱۰ مسلم جلد ۲ صفحہ ۵۵ باب قضیہ ہند، ۱۱ مشکوٰۃ صفحہ ۲۱ کتاب القنن فی اخلاقہ صلی اللہ علیہ وسلم،

نیچی لیکن آج وہ میرے لیے تمام مذاہب سے عزیز تر ہو گیا ہے، مجھے آپ کے شہر سے زیادہ کسی شہر سے دشمنی نہ تھی لیکن وہ سچ
مجھ کو تمام شہروں سے زیادہ خوش نما نظر آتا ہے،

ایک بار آپ کسی سفر میں تھے اور ساتھ میں مطلق پانی نہ تھا صحابہ نے پیاس کی شکایت کی، آپ نے ایک صحابی
کے ساتھ حضرت علیؓ کو پانی کی جستجو میں روانہ فرمایا، راہ میں ایک عورت اونٹ پر پانی کی دو گین بھرے ہوئے لیے
جارہی تھی، دونوں صاحب اُس کو آنحضرت صلی علیہ وسلم کی خدمت میں لے آئے، آپ نے برتن منگوائے اور مشکون کے ساتھ
کھول دیئے، صحابہ نے باری باری سے پانی پینا شروع کر دیا وہ کھڑی یہ تماشا دیکھتی رہی فراغت کے بعد اُس کی عزت
کے صلہ میں آنحضرت صلی علیہ وسلم نے کھجور اٹا، اور ستوتھوڑا تھوڑا لوگوں سے جمع کر کے ایک کپڑے میں باندھ کر اُس کے اونٹ
پر لٹا دیا، وہ گھر پہنچی تو لوگوں نے تاخیر کا سبب پوچھا، اُس نے کہا راہ میں مجھ کو دو آدمی ملے اور وہ مجھ کو اُس شخص کے
پاس لے گئے جس کو لوگ بدین کہا کرتے ہیں، خدا کی قسم وہ بڑا جاودگر ہے، اور واقعی خدا کا رسول ہے،
لیکن اسلام کا یہ اثر صرف اُسی کی ذات تک محدود نہ رہا، بلکہ تربیت یافتگان نبوت کے فیض اثر سے
اُس کے تمام قبیلے تک وسیع ہو گیا،

نبوت کے امتیاز و شناخت کا ذریعہ صرف اخلاق ہی کا اعجاز نہیں، اُسکی زبان کا ایک ایک حرف اور اُسکی
معصوم شکل و صورت کی ایک ایک ادا اعجاز اور سترپا اعجاز ہوتی ہے،

رُفِے وَاَوْنِیْ سِیْمِیْرَ مَعْبُورَہُ اسْت "ردی"

آپ کی صداقت سے بے زیرِ تقریر کا ایک ایک حرف دل میں اتر جاتا تھا اور نبوت کا اصلی معیار اوس کے
سامنے روشن ہو جاتا تھا،

جب آپ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو تمام مدینہ میں غل ہو گیا، حضرت عبداللہ بن سلام جو مدینہ کے
مشہور یہودی عالم تھے اپنے خاندان میں کچھ روڑے بے تھے، آمد آمد کی خبر ان کے کان میں پہنچی تو فوراً آپ کی
اسلحہ صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۷ کتاب الجہاد والسیرۃ جلد ۲ صفحہ ۹۴ کتاب التیمم

خدمت میں حاضر ہوئے، آپ فرمایا ہے تھے، افشوا السلام، واطعموا الطعام، وصلوا الا رحا، وصلوا و
الناس نياماً، تدخلوا الجنة بسلام، واپس گئے تو اس قدر متاثر تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابویوسف انصاری
کے مکان میں جو نبی پہنچے، حضرت عبداللہ بن سلام بھی آئے، اور کہا کہ میں آپ کی رسالت کی گواہی دیتا ہوں
اور نیزہ شہادت دیتا ہوں کہ آپ ایک حق مذہب لیکر آئے ہیں؛

ضداد ایک شخص تھے جنکے ساتھ زمانہ جاہلیت میں آپ کے دوستانہ تعلقات رہ چکے تھے، وہ جنون کا علاج
کرتے تھے، اتفاق سے وہ مکہ میں آئے، تو کفار سے سنا کہ آپ (نعمو باللہ) مجنون ہو گئے ہیں، وہ آپ کے پاس آئے
اور کہا "محمد! میں جنون کا علاج کرتا ہوں" اس کے جواب میں آپ نے ایک تقریر کی اور اس کو ان الفاظ سے شروع کیا

الحمد لله نحمدہ ونستعينه من يهده
الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادي
له واشهد ان لا اله الا الله وحده لا
شريك له واشهد ان محمدا عبده و
رسوله،

تمام تعریفیں خدا کے لیے ہیں، میں اس کی حمد کرتا ہوں؛
اُس سے مدد چاہتا ہوں، خدا جس کو ہدایت دیتا ہے اس کو
کوئی شخص گمراہ نہیں کر سکتا، جس کو گمراہ کرتا ہو، اس کو کوئی
ہدایت نہیں کر سکتا میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا کے سوا
کوئی خدا نہیں ہے، وہ تنہا ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں ہے،
اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اس کا بندہ اور اس کا رسول ہے؛

اُن پر ان فقرہ کا یہ اثر پڑا کہ وہ مکرر سننے کے مشتاق ہوئے، آپ نے تین باریہ کلمات، اعادہ فرمائے، انھوں
نے کہا کہ میں نے کاہنوں، جادو گروں اور شاعروں کا کلام سنا ہے، لیکن آپ کے اس کلام کی طرح مختصر کلام
کبھی نہیں سنا، وہ سمندر تک پہنچ جائیگا تاہم لائے ہیں اسلام پر بیعت کرتا ہوں،

حضرت حلیمہ کے شوہر حارث یعنی آپ کے رضاعی باپ جب مکہ میں تشریف لائے تو قریش نے کہا کچھ سنا
ہے، تمہارا بیٹا کہتا ہے کہ لوگ مکر بھر زندہ ہونگے، انھوں نے آپ کے کہا، بیٹا یہ کیا کہتے ہو؟ آپ نے نہایت زوردار

سہ مذاہن ضیل جلد ۴ صفحہ ۴۵، ۴۶ بخاری جلد ۴ صفحہ ۵۵ باب ہجرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم باب تخفيف الصلوة والخلافة

لجہ میں فرمایا، ہاں اگر وہ دن آیا تو آپ کا ہاتھ پکڑ کر بتا دوں گا کہ جو کچھ میں کہتا تھا سچ تھا، اُن پر اس کا یہ اثر پڑا کہ فوراً مسلمان ہو گئے، اور یہ اثر اس قدر دیر پا ہوا کہ وہ کہا کرتے تھے کہ اگر میرا بیٹا ہاتھ پکڑ لیا تو جنت میں پہنچا ہی کر چھوڑ دینا۔ انسان کا چہرہ حقیقت کا آئینہ ہے، آپ کی ادا و اصد اقت اور معصومیت کا پیکر تھی، آپ کی شکل نہایت پُر جلال تھی چہرہ پر نور تھا، آواز موقر اور پُر رعب تھی، اور ان تمام چیزوں کا مجموعی اثر غیرانہ اعجاز کے ساتھ دلوں کو اپنی طرف متوجہ کر لیتا تھا، اسی اثر سے متاثر ہو کر حضرت عبداللہ بن سلامؓ نے مسلم یہودی عالم آپ کے چہرہ مبارک کو دیکھ کر بے اختیار بول اٹھے تھے،

وجہ لیس بوجہ کن اب، (ترمذی ص ۴۲) جھوٹے آدمی کا یہ چہرہ نہیں ہو سکتا،

اور یہی شے تھی جبکہ انہار حجۃ الوداع میں اعرابِ بادیہ کی زبان سے ان الفاظ میں ہوتا تھا،

ہذا وجہ مبارک (ابوداؤد، حج جلد ۱ ص ۱۶۴) یہ مبارک چہرہ ہے یا

بارگاہِ نبوت میں پہنچنے کے ساتھ ہی یہ اثر آنکھوں کی راہ سے دل میں پہنچ جاتا تھا، ابو رافع نام ایک شخص قریش کی طرف سے قاصد بنکر آپ کی خدمت میں آئے تھے، چون ہی چہرہ اقدس پر نظر پڑی وہ ہزار جان نشید آئے، اسلام قبول کیا اور آپ کی غلامی کو فخر سمجھا،



اسلام

یا

محمد رسول اللہ صلیم کا پیغمبر کا کام

آنحضرت صلیم جس عظیم الشان پیغام کو لیکر آئے تھے اور جس مہتمم با نشان کام کو انجام دینے کے لیے بھیجے گئے تھے، نیک دل اور حقیقت شناس لوگ تو سنتے اور دیکھنے کے ساتھ اُس کے قبول کرنے پر آمادہ ہو گئے، لیکن وہ بھی جنکے دل کے آئینے زنگ آلود تھے، پیغام کی سچائی، وحی کی تاثیر و بغیر کی پُر اثر دعوت، اعجاز معصومیت اور اخلاق کے پُر توستہ صاف و شفاف ہوتے گئے اور عوائق، موانع، شبہات اور شکوک کی توہرتوں ظلماتین اور تاریکیاں رفتہ رفتہ چھٹی چلی گئیں، اور اسلام کا نور روز بروز زیادہ صفائی اور چمک کے ساتھ عرب کے افق پر درخشان ہوتا ہوا گیا، یہاں تک کہ ۲۳ برس کی مدت میں ایک متحدہ قومیت، ایک متحدہ سلطنت، ایک متحدہ اخلاقی نظام، ایک کامل قانون، ایک کامل شریعت، ایک ابدی مذہب اور علی جماعت، خدا پرستی، اخلاص، ایثار، تدبیر، تقویٰ، ایمانداری، اخلاق اور سچائی کا ایک مجسم عہد یعنی ایک نئی زمین اور ایک نیا آسمان پیدا ہو گیا، اور گویا یہ حقیقت تھی جسکی طرف اپنے اپنی امت کے سب سے بڑے مجمع میں (حجۃ الوداع) اپنی وفات سے تقریباً دو ماہ پیشتر یہ ارشاد فرمایا،

اَلَا اِنَّ الزَّمَانَ قَدْ اسْتَدَارَ كَهَيْئَةِ يَوْمٍ ہاں اب زمانہ کا دور اپنی اُسی حالت پر آگیا جس حالت

خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ، (بخاری) پر اُس دن تھا، جس دن خدا نے آسمان و زمین کو پیدا

اور یہی حقیقت تھی جس کی نسبت اپنے اپنی وفات سے کچھ دنوں پیشتر ایک نہایت پروردگار تعالیٰ فرمایا

کے آخرین یہ الفاظ فرمائے،

قد ترکتم علیٰ لیضاء یسألها کنھا رھا مین تم کو ایک روشن رستہ پر چھوڑ جانا ہوں جسکی روشنی کا یہ حال ہو کہ اوکی رات بھی دن کے مانند ہے،

اور آخر حجۃ الوداع کے مجمع عام میں تکمیل کی بشارت آئی کہ

أَلِیَوْمَ اكْمَلْتُ لَکُمُ دِیْنَکُمْ وَأَتَمَمْتُ لَیْسَ لَکُمْ
نِعْمَتِی (مائدہ - ۱) ختم کر دی،

پروفیسر مارگو لیتھ جنکی تائیدی شہادت بہت کم مل سکتی ہے لکھتے ہیں:-

”حمزہ کی وفات کے وقت اُن کا سیاسی کام غیر مکمل نہیں رہا، آپ ایک سلطنت کی جہاں ایک سیاسی و مذہبی دارالسلطنت مقرر کیا گیا تھا، بنیاد ڈال چکے تھے، آپ نے عرب کے مشرقی قوم کو ایک قوم بنا دیا تھا، آپ نے عرب کو ایک مشترک مذہب عطا کیا، اور اُن میں ایک ایسا رشتہ قائم کیا، جو خاندانی رشتوں سے زیادہ مستحکم اور مستقل تھا۔“

ایک دُور (یورپ) کے بیگانہ مشرق کی نسبت جہاں علم و عرب اور اسلام کے متعلق صرف چند کتابوں سے مستعار ہے خود ایک عرب عیسائی اہل قلم کو فیصلہ کا زیادہ حق ہے، بیروست کے مسیحی اخبار الوطن نے ۱۹۱۱ء میں لاکھون عیسائیوں کے سامنے یہ سوال پیش کیا تھا کہ دنیا کا سب سے بڑا انسان کون ہے؟ اس کے جواب میں ایک عیسائی عالم (داد رجا عس) نے لکھا:

”دنیا کا سب سے بڑا انسان وہ ہے جس نے دس برس کے مختصر زمانہ میں ایک نئے مذہب ایک نئے فلسفہ، ایک نئی شریعت، اور ایک نئے تمدن کی بنیاد رکھی، جنگ کا قانون بدل دیا“

ایسے سنن ابن ماجہ ابواب سنت و بدعت و مستدرک حاکم جلد اول صفحہ ۹۶ و مسند ابن جنبل جلد ۴ صفحہ ۱۲۶ لکھ لاکھ آدمی مارگو لیتھ صفحہ ۱۴۴ مدینہ منورہ میں آپ دس برس زندہ رہے تھے،

اور ایک نئی قوم پیدا اور ایک نئی طویل العمر سلطنت قائم کر دی لیکن ان تمام کارناموں کے باوجود وہ اتنی اور ناخواندہ
 تھا، وہ کون؟ محمد بن عبداللہ قریشی عرب اور اسلام کا پیغمبر اس پیغمبر نے اپنی عظیم الشان تحریک کی ہر ضرورت کو خود
 ہی پورا کر دیا اور اپنی قوم اور اپنے پیروؤں کے لیے اور اس سلطنت کیلئے جسکو اُس نے قائم کیا، ترقی اور دوام کے
 اسباب بھی خود مہیا کر دیئے، اس طرح کہ قرآن اور احادیث کے اندر وہ تمام ہدایات موجود ہیں، جنکی ضرورت ایک
 مسلمان کو اُس کے دینی یا دنیاوی معاملات میں پیش آسکتی ہے، حج کا ایک سالانہ اجتماع فرض قرار دیا تاکہ اقوام
 انسانی میں اہل استطاعت ایک مرکز پر جمع ہو کر اپنے دینی و قومی معاملات میں باہم شورے کر سکیں، اپنی امت
 پر زکوٰۃ فرض کر کے قوم کے غریب طبقہ کی حاجت پوری کی، قرآن کی زبان کو دنیا کی دائمی اور عالمگیر زبان بنادیا
 کہ وہ مسلمان اقوام کے باہمی تعارف کا ذریعہ بن جائے، قوم کے ہر فرد کو ترقی کا موقع اس طرح عنایت کیا کہ یہ کہہ سکا کہ
 مسلمان کو کسی دوسرے مسلمان پر صرف تقویٰ کی بزرگی حاصل ہے، اس بنا پر اسلام ایک حقیقی جمہوریت بن گیا جبکہ
 رئیس قوم کی پسند منتخب ہوتا ہے، مسلمانوں نے ایک مدت تک اس اصول پر عمل کیا، یہ کہہ کر کہ عرب کو غنیمت
 اور عجم کو عوب پر کوئی فو قیت نہیں، اسلام میں داخل ہونا ہر شخص کے لیے آسان کر دیا، نامسلمانوں کے لیے اسلامی
 ملکوں میں عیش آرام اور امن المینان سے سکونت کی ذمہ داری یہ کہہ کر اپنے اوپر لے لی کہ تمام مخلوق خدا کی اولاد ہے
 تو خدا کا سب سے زیادہ محبوب وہ ہے جو اسکی اولاد کو سب سے زیادہ فائدہ پہنچائے، خاندانی اور ازدواجی اصلاحات بھی اسکی
 نظر سے پوشیدہ نہ رہیں، اُس نے نکاح و وراثت کے احکام مقرر کئے، عورت کا مرتبہ بلند کیا، نزاعات اور مقدمات
 کے فیصلہ کے قوانین بنائے، بیت المال کا نظام قائم کر کے قومی دولت کو بیکار نہ ہونے دیا، علم کی اشاعت اور
 تعلیم اسکی کوششوں کا بڑا حصہ رہی، اُس نے حکمت کو ایک مومن کا گم شدہ مال قرار دیا، اسی سبب سے مسلمانوں نے
 اپنی ترقی کے زمانہ میں ہر دروازہ سے علم حاصل کیا، کیا ان کارناموں کا انسان دنیا کی سب سے بڑی ہستی قرار نہ پایگا؟
 انگلستان کے مشہور انشا پرداز کارلائل نے اپنی تھیوریز اینڈ پیرودر شپ "میں لاکھوں پیغمبروں اور مذہب کے
 بانویں میں صرف محمد عربی (صلعم) ہی کے وجود گرامی کو اس قابل سمجھا کہ وہ آپ کو نبوت کا ہیرو قرار دے، انجیل کو

پیڈیا برائیکا کا مضمون نگار محمد آپ کی نسبت کرتا ہے۔

”قرآن سے اُس شخص کے روحانی ارتقا کا پتہ چلتا ہے جو تمام نبیوں اور مذہبی لوگوں میں سب سے زیادہ کمال پر پہنچا۔“
 الغرض دوست و دشمن سب کو اسکا اعتراف ہے کہ انبیاء میں یہی برگزیدہ مہدی ہے جس نے کم سے کم مدت میں اپنی بعثت اور رسالت کے زیادہ سے زیادہ فرائض ادا کئے اور اصلاحات انسانی کا کوئی گوشہ ایسا نہ چھوڑا جس کی تکمیل اور تعلیم اور عمل سے نہ ہو گئی ہو، اور یہ اس لیے کہ تمام انبیاء میں خاتم نبوت، مکمل دین، اور آخری معلم کی حیثیت آپ ہی کو عطا ہوئی تھی، اگر انسان کی علی و اخلاقی و دینی ضرورتوں کا کوئی گوشہ آپ کے فیض سے محروم رہ کر تکمیل کا محتاج ہوتا تو آپ کے بعد بھی کسی آنے والے کی حاجت باقی رہ جاتی، حالانکہ آپ نے فرمادیا کہ ”میرے بعد کوئی نبی نہیں، میں نبوت کی عمارت کی آخری اینٹ ہوں۔“

۴

آپ کی تعلیمات کی یہی ہمہ گیری ہے جس پر کوتاہ نبیوں کو آج نہیں بلکہ خود صحابہ کے عہد میں تعجب آتا تھا بعض مشرکوں نے حضرت سلمانؓ فارسی سے مذاقاً کہا کہ ”تمہارے پیغمبر تکو ہر چیز کی تعلیم دیتے ہیں، یہاں تک کہ اسکی بھی کہ تم کو قضا سے حاجت کیونکر کرنی چاہیے“ حضرت سلمانؓ نے کہا ”ہاں یہ سچ ہے، آپ نے ہم کو یہ حکم دیا ہے کہ ہم ایسی حالت میں قبلہ رخ نہ بیٹھیں، نہ اپنے واسطے ہاتھ سے طہارت کریں، اور نہ تین ڈھیلوں سے کم استعمال کریں، ان میں کوئی ہڈی اور گورنہ ہو، نبوت محمدیؐ کی تعلیمات کی یہ ہمہ گیری ہی اسکی تکمیل کی دلیل ہے، اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ پرستے پرست اور غیر متدین سے غیر متدین اقوام سے لیکر بلند سے بلند اور متدین سے متدین قوموں تک کے لیے یکساں تعلیمات اور ہدایات رکھتا ہے، عرب کے بدویوں اور قریش کے رہبروں و دونوں کے لیے آپ کی بعثت تھی، اس لیے آپ کی تعلیمات میں پرستہ کو بلند، اور بلند کو بلند تر بنانے کی برابر کی ہدایت ہیں، آج بھی جیسے کہ افریقہ کے وشیون میں اسلام اپنی تعلیمات کے ساتھ تنہا جاتا ہے، اور ان کو متدین اور مذہب بنانے کے لیے نہایت باہر کی تعلیم کی ادسکو ضرورت

۱۔ انسائیکلو پیڈیا برائیکا طبع یازدہم مضمون ”قرآن“ ج ۵ صفحہ ۹۰۷ سے صحیح بخاری جلد اول، باب خاتم النبیین و جامع ترمذی کتاب الاسماء سے جامع ترمذی و سنن ابن ماجہ کتاب الطہارت،

پیش نہیں آتی ہے، لیکن عیسوی مذہب کو چند اخلاقیات چھوڑ کر کہ جن کا ماخذ انجیل ہی، عقائد پادریوں کی کونسلوں سے
دعائیں اور عبادات کلیساؤں کے حکمرانوں سے، اور تہذیب و تمدن کی تعلیمات یورپ کے بیدنیوں اور محدوں سے
حاصل کرنی پڑتی ہیں، لیکن اسلام میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کچھ نہیں، عقائد ہوں کہ عبادات اور دعائیں
اخلاق ہوں کہ آداب تمدن، خانگی معاملات ہوں، ایلیں دین کے کاروبار انسانوں کیساتھ معاملہ ہو، یا خدا
کیساتھ، سب کا ماخذ صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمہ گیر تعلیمات ہیں،

آپ کی ان ہمہ گیر تعلیمات کی کتاب جو انسانی زندگی کے ہر شعبہ پر حاوی ہے، چار ابواب پر منقسم ہے،
اور انہیں کے مجموعہ کا نام اسلام ہے،

اپنے بتایا کہ ہر انسان کا ایک تعلق تو اپنے خالق کے ساتھ ہے، اور دوسرا اپنے خالق کی دوسری مخلوق
کے ساتھ، اسی مفہوم کو دوسری عبارت میں یوں کہہ کہ اُس کا ایک تعلق اپنے آقا اور مالک کے ساتھ ہے، اور دوسرا
اپنے آقا اور مالک کے غلاموں کے ساتھ، یا یوں کہہ کہ اُس کا ایک رُخ تو آسمان کی طرف ہے، اور دوسرا زمین کی
سمت، اوسکو ایک لگاؤ تو عالم غیب سے ہے، اور دوسرا عالم شہود سے، پہلے کے ساتھ اُس کا تعلق ایک مہربان آقا و
فرمانبردار غلام کا ہے، اور دوسروں کے ساتھ اوس کا تعلق برادری اور بھائی چارے کا ہے، خالق اور مخلوق یا خدا
اور بندہ کے درمیان جو علاقہ اور رابطہ ہے، اُس کا تعلق اگر صرف ہمارے ذہنی قویٰ اور قلبی حالات ہی تو اس کا نام
عقیدہ ہے، اور اگر اُن قلبی حالات کے ساتھ ہمارے جسم و جان اور مال و جائداد سے بھی ہے تو اس کا نام عبادت
ہے، ہم انسانوں انسانوں میں یا انسانوں اور دوسری مخلوقات میں جو علاقہ و رابطہ ہے، اوسکی حیثیت سے جو احکام ہر
عائد ہیں اگر اُن کی حیثیت محض قانون کی ہے، تو اس کا نام معاملہ ہے، اور اگر اُن کی حیثیت قانون کی نہیں
بلکہ روحانی نصیحتوں اور برادرانہ ہدایتوں کی ہے تو اُس کا نام اخلاق ہے،

قرآن پاک کی اصطلاح میں پہلے تعلقات کی مضبوطی اور استحکام کا نام ایمان ہے، اور دوسرے
تبصرے اور چوتھے کی بجاآوری کا نام عمل صالح ہے، اور انہیں دونوں کے مجموعہ پر کمال نجات کا انحصار

عملِ صالح کی تین قسمیں ہیں، خدا کے سامنے اپنی عبادیت کا اظہار اور اس کے احکام کی تعمیل بندوں کے ساتھ کاروبار اور معاملہ میں قانونِ الہی کی پابندی، اور ان کے ساتھ محبت، الفت، اور نیکی اور بھلائی کا برتاؤ اور گواہی کا۔ سو کہ ان میں سے ہر ایک عمل کو جہین خدا کی خوشنودی اور رضامندی مقصود ہو اسلام عبادت کہتا ہے لیکن اصطلاح میں پہلے کا نام عبادات، دوسرے کا نام معاملات اور تیسرے کا نام اخلاق ہے، الغرض محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو عالمگیر شریعت اور دائمی ہدایت لے کر آئے، وہ انھیں چاروں عنوانوں کا مجموعہ ہے، یعنی عقائد، عبادات، معاملات اور اخلاق، انھیں کی اصلاح تعلیم اور تکمیل کے لیے آپ کی بعثت ہوئی اور یہی آپ کے پیغمبرانہ فرائض کے اصلی کام تھے۔



عقائد

عقائد کی حقیقت اور اہمیت | انسان کے تمام افعال، اعمال اور حرکات، کا محور اُس کے خیالات ہیں، یہی اوسکو بتاتے اور بگاڑتے ہیں، یہ عام خیالات درحقیقت اُس کے چند پختہ، غیر متزلزل اور غیر مشکوک اصولی خیالات پر مبنی ہوتے ہیں، انہیں اصولی خیالات کو عقائد کہتے ہیں، یہی وہ نقطہ ہے جس سے انسانی عمل کا ہر خط نکلتا ہے، اور اوس کے دائرہ حیات کا ہر خط اسی پر جا کر ختم ہوتا ہے، ہمارے تمام افعال اور حرکات ہمارے ارادہ کے تابع ہیں، ہمارے ارادہ کا محرک ہمارے خیالات اور جذبات ہیں، اور ہمارے خیالات اور جذبات پر ہمارے اندرونی عقائد حکومت کرتے ہیں، عام بول چال میں انہیں چیزوں کی تعبیر ہم "دل" کے نقطہ سے کرتے ہیں، اسلام کے معلم نے بتایا کہ انسان کے تمام اعضا میں اسکا دل ہی نیکی اور بدی کا گھر ہے، فرمایا،

اَلَا وَاِنَّ فِي الْجَسَدِ مَضْغَةً اِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ
الْجَسَدُ كُلُّهُ وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ
اَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ (صحیح بخاری کتاب الایمان)

قرآن پاک نے دل (قلب) کی تین کیفیتیں بیان کی ہیں سب سے پہلے قَلْبٌ سَلِيمٌ (سلامت رو دل) جو ہر گناہ سے پاک رہ کر بالطبع نجات اور سلامت رومی کے راستہ پر چلتا ہے، دوسرا اس کے مقابل قَلْبٌ اَلِیْمٌ (گنہگار دل) یہ وہ ہے جو گناہوں کی راہ اختیار کرتا ہے، اور تیسرا قَلْبٌ مُّذِیْبٌ (رجوع ہونے والا دل) یہ وہ ہے جو اگر کبھی بھٹکتا اور بیراہ بھی ہوتا ہے، تو فوراً نیکی اور حق کی طرف رجوع ہو جاتا ہے، غرض یہ سب نیزنگیان اسی ایک نیزنگ ہستی کی ہیں جسکا نام دل ہے، ہمارے اعمال کا ہر محرک ہمارے اسی دل کا ارادہ اور نیت ہے،

لے قرآن پاک کی آیت میں یہ ہے، **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُلُوبُكُمُ** (بقرہ - ۳۹)

اسی بھاپ کی طاقت سے اس مشین کا ہر پرزہ چلتا اور حرکت کرتا ہے، اسی لیے آپ نے فرمایا،

إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ (صحیح بخاری، آغاز کتاب) تمام کاموں کا مدار نیت پر ہے،

اسی مطلب کو دوسرے الفاظ میں آپ نے یوں ادا فرمایا،

إِنَّمَا مَرِيءٌ مَا لَوْ فُتِنَ كَانَتْ هَجْرَتُهُ إِلَى
دُنْيَا يَصِيبُهَا أَوَّلِي أُمَّةٍ نِيكَمَا فَهَجْرَتُهُ إِلَى
مَا هَاجَرَ إِلَيْهِ، ہجرت اسی کیلئے ہے جس کے لیے اوس نے ہجرت کی (یعنی
ہر شخص کے کام کا ثرہ وہی ہے جسکی وہ نیت کرے، تو جسکی ہجرت
کی غرض دنیا کا حصول یا کسی عورت سے نکاح کرنا ہو تو اسکی
ہجرت اسی کیلئے ہے جس کے لیے اوس نے ہجرت کی (یعنی

(صحیح بخاری، آغاز کتاب) اس سے اوسکو ثواب حاصل نہ ہوگا،)

آج کل علم نفسیات نے بھی اس مسئلہ کو بدائیت ثابت کر دیا ہے کہ انسان کی عملی اصلاح کے لیے "اوسکی قلبی
اور دماغی اصلاح مقدم ہے، اور انسان کے دل اور ارادہ پر اگر کوئی چیز حکمران ہے تو وہ اسکا عقیدہ ہے،" صبح
اور صلاحت عمل کے لیے ضروری یہ ہے کہ چند صحیح اصول و مقدمات کا ہم اس طرح تصور کریں کہ وہ دل کا غیر مشکوک
یقین "اور غیر متزلزل عقیدہ بن جائے، اور اسی صحیح یقین اور مستحکم عقیدہ کے تحت میں ہم اپنے تمام کام انجام دیں،
جس طرح اقلیدس کی کوئی شکل چند اصول موضوعہ اور اصول متعارفہ کے مانے بغیر بن سکتی ہے، نہ ثابت
ہو سکتی ہے، اسی طرح انسان کا کوئی عمل صحیح و درست نہیں ہو سکتا، جب تک اس کے لیے بھی چند مبادی اور چند
اصول موضوعہ ہم پہلے تسلیم نہ کر لیں،

بظاہر عقل ہمارے ہر کام کے لیے ہم کو رہنما نظر آتی ہے، لیکن غور سے دیکھو کہ ہماری عقل بھی آزاد نہیں، وہ
ہمارے دلی یقین، ذہنی رجحانات، اور اندرونی جذبات کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی ہے، اس لیے اس پابندِ تحریر
عقل کے ذریعہ ہم اپنے دلی خیالات، ذہنی رجحانات اور اندرونی جذبات پر قابو نہیں پاسکتے، اگر پاسکتے ہیں، تو
اپنے صحیح دلی یقینات اور چند مضبوط دماغی و ذہنی تصورات کے ذریعہ ہی وہ ہے کہ قرآن پاک نے "ایمان" کا ذکر
ہمیشہ "عمل صالح" کے ذکر سے پہلے لازمی طور سے کیا ہے، اور ایمان کے بغیر کسی عمل کو قبول کے قابل نہیں سمجھا ہے کہ

ایمان کے عدم سے، دل کے ارادہ اور خصوصاً اُس مخلصانہ ارادہ کا بھی عدم ہو جاتا ہے، جس پر حسن عمل کا دار مدار ہے، جبکہ
 بن جبرعل ایک قریشی تھا جس نے جاہلیت میں بہت سے نیکی کے کام کئے تھے مگر باہنہ مشرک تھا، اور کسی نسبت
 آنحضرت صلیم سے حضرت عائشہؓ نے ایک دفعہ دریافت کیا کہ "یا رسول اللہ! عجب اللہ بن جبرعل نے جاہلیت میں جو
 نیکی کے کام کئے کیا اونکا ثواب اس کو ملے گا، فرمایا نہیں اسے عائشہ! کیونکہ کسی دن اُس نے یہ نہیں کہا کہ بارہا!
 میرے گناہوں کو قیامت میں بخند دے!"

بدر کی لڑائی کے موقع پر ایک مشرک نے جبکی بہادری کی دھوم مچی حاضر ہو کر کہا کہ اے محمد! میں بھی تمہاری
 طرف سے لڑنے کے لیے چلنا چاہتا ہوں، مگر مجھے بھی غنیمت کا کچھ مال ہاتھ آئے، فرمایا کیا تم اللہ عزوجل اور اس
 کے رسول پر ایمان رکھتے ہو؟ اُس نے جواب دیا "نہیں" فرمایا "اپس جاؤ کہ میں اہل شرک سے درکار خواہتا ہوں"۔
 دوسری دفعہ وہ پھر آیا اور وہی پہلی درخواست پیش کی، مسلمانوں کو اس کی شجاعت و بہادری کی وجہ سے اس کی
 اس درخواست سے بڑی خوشی ہوئی اور وہ دل سے چاہتے تھے کہ وہ اُن کی فوج میں شریک ہو جائے، لیکن
 آنحضرت صلیم نے اس سے پھر وہی سوال کیا کہ کیا تم کو اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول پر ایمان ہے؟ اُس نے پھر
 نفی میں جواب دیا، آنحضرت صلیم نے پھر وہی فرمایا کہ میں کسی مشرک سے درکار نہ لوں گا، غالباً مسلمانوں کی تعداد کی
 گئی اور اس کی بہادری کے باوجود اس سے آپ کی بے نیازی کی کیفیت نے اُس کے دل پر اثر کیا، تیسری
 دفعہ جب اس نے اپنی درخواست پیش کی اور آپ نے دریافت فرمایا کہ تم کو خدا اور رسول پر ایمان ہے؟ تو اس
 نے اثبات میں جواب دیا، اور نور اسلام سے منور ہو کر لڑائی کی صف میں داخل ہوا،

قرآن پاک نے اُن لوگوں کے کاموں کی مثال جو ایمان سے محروم ہیں، اُس رکھ سے دی ہے جس کو ہوا
 کے جھوکے اڑا کر خاک کر دیتے ہیں، اور اُن کا کوئی وجود نہیں رہتا، اسی طرح اُس شخص کے کام بھی جو ایمان سے محروم
 ہے، بے بنیاد اور بے اصل ہیں،

مَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ أَعْمَالُهُمْ كَرَمَادٍ
لَا تُشْتَدُّ بِهِ الْيَرْحُومُ يُعْجِمُ عَاصِفٌ لَا يَفْقِدُ
مِمَّا كَسَبُوا شَيْءٌ ذَلِكَ هُوَ الضَّلَالُ الْبَعِيدُ
جنھن نے اپنے پروردگار کا انکار کیا، ان کے کاموں کی
مثال اُس راکھ کی ہے جس پر اندھی واسے دن زور سے ہوا
چلی، وہ اپنے کاموں سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتے ہیں
(ابراہیم ۳۰)

سب سے بڑی گمراہی ہے

سورہ نور میں ایمان کی دولت سے محروم لوگوں کے اعمال کی مثال سراب دیکھی ہو کہ اُس کے وجود کی
حقیقت قریب نظر سے زیادہ نہیں،

وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ بِقِيعَةٍ يَحْسَبُهُ
الظَّمْآنُ مَاءً حَتَّى إِذَا جَاءَهُ لَمْ يَجِدْهُ
شَيْئًا (نور-۵)
جنھن نے خدا کا انکار کیا ان کے کام اُس سراب کی طرح
ہیں جو میدان میں ہو جس کو پیاسا پانی سمجھاؤ، یہاں تک کہ
جب وہ اوس کے پاس پہنچے تو وہاں کسی چیز کا وجود اس کو نظر نہ آئے

اوسکی ایک اور مثال ایسی سخت تاریکی کی دیکھی ہے، جہین ہاتھ کو ہاتھ سو جھائی نہیں دیتا، اور جہین ہوش و حواس
اور اعصاب کی سلامتی کے باوجود اُن سے فائدہ اٹھانا ناممکن ہے،

أَوْ كَظُلُمٍ فِي بَعْضِ الْمَوَاجِدِ مِنَ الْقَوَائِمِ
مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهِ سَابُّ ظُلُمٍ كَبَعْضِهَا
فَوْقَ بَعْضٍ إِذَا أَخْرَجَ يَدَكَ لَمْ يَكُنْ بِهَا
وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللَّهُ لَهُ نُورًا فَمَا لَهُ مِن نُّورٍ
یا ان کے کاموں کی مثال ایسی ہے جیسے کسی گہرے سندر
میں سخت اندھیرا ہو، اس کے اوپر موج اور موج پر بھر
موج ہے اور اُس کے اوپر بادل گھرا ہوں یہ تو اندھیرا ہے کہ
اس میں ہاتھ نکالے تو وہ بھی سو جھائی نہ دے، جس کو خدا نے
نور نہ دیا، اُس کے لیے نور نہیں، (نور-۵)

الغرض ایمان کے بغیر عمل کی بنیاد کسی بلند اور صحیح نخیل پر قائم نہیں ہو سکتی، اسی لیے ریا، نمائش اور خود غرضی
کے کاموں کو کوئی عزت نہیں دیا سکتی، وہ کام جو گویا ہر نیک ہون، لیکن نیکی کو نوا سے کا اُن سے اصلی مقصد
نام و نمود پیدا کرنا ہوتا ہے، اخلاقی نقطہ نظر سے، تمام دنیا ان کو بے وقعت اور بیچ سمجھتی ہے، اس بنا پر انھیں حضرت صلعم

کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو متنبہ کیا، اور فرمایا،

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَبْطُلُوا صَدَقَاتِكُمْ
بِالْمَعِينِ وَلَا دُمَىٰ كَالَّذِي يُفْتِنُ مَالَهُ رِئَاءَ
النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ
فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَأَصْحَابُ
وَابِلٍ فَتَمْرُكُهُ سَالِدٌ إِلَّا لَيَقْدِرُونَ عَلَىٰ
شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوا ۖ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ
الْكَافِرِينَ ،

اے ایمان والو! اپنی خیراتوں کو احسان رکھ کر اور اپنے
دیکر اس طرح نہ برباد کرو، جس طرح وہ برباد کرتا ہے جو
لوگوں کے دکھانے کے لیے اپنا مال خرچ کرتا ہے، اور
خدا پر (جو نیکوں کی جزا دیتا ہے) اور قیامت پر جس میں
نیکوں کی جزا ملے گی، یقین نہیں کرتا، اسکی خیرات کی مثال
اس چٹان جیسی ہے جسپر کچھ مٹی پڑی ہو، ورنہ اس پر پانی
برسا، تو مٹی دھل گئی اور پتھر بگیا، جسپر جو کچھ بویا جا چکا وہ
اٹک گیا۔

(بقہ ۳۱۶-۳۱۷) اور گے گانہیں،

غرض ایمان ہمارے تمام اعمال کی اساس ہے، جس کے بغیر ہر عمل بے بنیاد ہے، وہ ہماری سیرانی
کا اصلی سرچشمہ ہے جس کے فقدان سے ہمارے کاموں کی حقیقت سراسر بے زیادہ نہیں، کہ وہ دیکھنے میں کام معلوم
ہوتے ہیں، مگر روحانی اثر و فائدہ سے خالی اور بے نتیجہ، خدا کے وجود کا اقرار اور اسکی رضامندی کا حصول ہمارے
اعمال کی غرض غایت ہے، یہ نہ ہو تو ہمارے تمام کام بے نظام اور بے مقصد ہو کر رہ جائیں، وہ ہمارے دل
کا نور ہے، وہ نہ ہو تو پوری زندگی تیرہ و تاریک نظر آئے، اور ہمارے تمام کاموں کی بنیاد ریا، نمائش، جاپند
خود غرضی، اور شہرت طلبی وغیرہ کے دنی جاذبات اور پست محرکات کے سوا کچھ اور نہ رہ جائے،

تورات میں بعض عقیدوں کا ذکر ہے، مگر ایمان کی حقیقت اور اسکی اہمیت کی تعلیم سے وہ خالی ہے،
انجیل میں ایمان کی ضرورت پر زور دیا گیا ہے، مگر اخلاق کی سچائی، اعمال کی رستی، اودل کے اخلاص کے
لیے نہیں، بلکہ معجزوں اور کرامتوں کے ظاہر کرنے کے لیے اور خوارقِ عادت پر قدرت اور اختیار پانے کیلئے

اس کے برخلاف فلسفہ یونان کے بہت سے پیروں اور ہندوستان کے بہت سے مذہبوں نے محض ذہنی
جولانی مراقبہ تصور و بیان اور علم کو انسان کی نجات کا ذریعہ قرار دیا اور اخلاق و عمل سے کوئی تعلق نہیں کیا بلکہ
زردشتیوں اور برہمنوں نے عقائد کو یہ وسعت دی اور انکی اپنی تفصیل کی کہ وہ سرتاپا خیالی فلسفہ بن گئے، جن سے
انسانوں کے قولے علی سر و ہو گئے اور انکی تصویریت او انکی عظمت پر غالب آگئی،

مختار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علم و عمل تصور اور فعل عقلیت اور عظمت میں لزوم ثابت کیا، مگر علی زور
انسان کی عظمت پر صرف کیا اور عقائد کے اتنے ہی حصہ کا یقین قسم ضروری قرار دیا جو دل کی اصلاح عمل
کی بنیاد اور اخلاق و عبادات کی اسس قرار پاسکے، عقائد کے فلسفیانہ الجھاؤ اور تصورات اور نظریوں کی تشریح
و تفصیل کر کے عظمت کو برباد نہیں کیا، چند سیدھے سادے اصول جو تمام ذہنی پجائیوں اور واقعی حقیقتوں کا جوہر
اور خلاصہ ہے، ان کا نام عقیدہ اور ان پر یقین کرنے کا نام ایمان رکھا، آپ نے صریح الفاظ میں عقائد کے صرف
پانچ اصول تلقین کئے، خدا پر ایمان، خدا کے فرشتوں پر ایمان، خدا کے رسولوں پر ایمان، خدا کی کتابوں پر ایمان
اور اعمال کی جزا و سزا کے دن پر ایمان،

یہ تمام وہ حقائق ہیں جنہوں سے یقین کرنا اور زبان سے ان کا اقرار کرنا ضروری ہے، ان کے بغیر خالص
عمل کا وجود نہیں ہو سکتا، اللہ تعالیٰ پر ایمان کہ وہ اس دنیا کا تنها خالق اور مالک ہے، اور ہر ظاہر و باطن سے
آگاہ ہے، تاکہ وہی ہمارے تمام کاموں کا قبضہ مقصور و قرار پاسکے، اور اسی کی رضا جوئی، اور اسی کی مرضی کی تعمیل
ہمارے اعمال کی تنها غرض و غایت ہو، اور ہم جلوت کے سوء اخلاوت میں بھی گناہوں اور برائیوں سے بچ سکیں
اور ہر سبکی کو اس لیے کریں، اور ہر برائی سے اس لیے بچیں کہ یہی ہمارے خالق کا حکم اور یہی انکی مرضی ہے، اس
طرح ہمارے اعمال، ناپاک اغراض، اور ناجائز خواہشوں سے متبرا ہو کر خالص ہو سکیں اور ہر طرح ہمارے جسمانی
اعضا گناہوں سے پاک ہوں ہمارا دل بھی ناپاک خیالات اور ہوا و ہوس کی آمیزش سے پاک ہو، اور اس کے
احکام اور اس کے پیغام کی سچائی پر ایسا دل سے یقین ہو کہ ہمارے جذبات، ہمارے غلط استدلالات، ہمارے

اگر وہ خواہیں بھی اس یقین میں شک اور تذبذب پیدا نہ کر سکیں،

خدا کے رسولوں پر بھی ایمان لانا ضروری ہے کہ خدا کے ان احکام اور ہدایات اور اسکی مرضی کا علم انھیں کے واسطے انسانوں کو پہنچا ہے، اگر ان کی صداقت، سچائی اور راستبازی کو کوئی تسلیم نہ کرے، تو پیغام ربانی اور احکام الہی کی صداقت اور سچائی بھی مشکوک و مشتبہ ہو جائے، اور انسانوں کے سامنے نیکی اور نراہت اور معصومیت کا کوئی نمونہ موجود نہ رہے، جو انسانوں کے قوائے عملی کی تحریک کا باعث بن سکے، پھر اچھے اور بُرے، صحیح اور غلط کاموں کے درمیان ہمارے عقل کے سوا جو ہمارے جذبات کی حکومت ہے، کوئی اور چیز ہمارے سامنے ہماری رہنمائی کیلئے نہیں ہوگی،

خدا کے فرشتے پر بھی ایمان لانا واجب ہے، کہ وہ خدا اور اس کے رسولوں کے درمیان قاصد اور سفیر ہیں اور جو مادیات اور روحانیت کے مابین واسطہ ہیں، اور مخلوقات کو قانون الہی کے مطابق چلاتے ہیں، اور ہمارے اعمال، افعال کے ایک ایک حرف کو ہر دم اور ہر لحظہ محفوظ کرتے جاتے ہیں، تاکہ ہم کو ان کا اچھا یا برا معاوضہ، بلکہ خدا کے احکام و ہدایات جو رسولوں کے ذریعہ انسانوں کو پہنچائے گئے ان کو دور دراز ملکوں اور آئینہ نسلوں تک پہنچانے کے لیے ضروری ہو کہ وہ تحریری شکل اور کتابوں اور صحیفوں کی صورت میں، یا لفظ و آواز سے مرکب ہو کر ہمارے سینوں میں محفوظ رہیں، اس لیے خدا کی کتابوں اور صحیفوں کی صداقت پر اور جو کچھ ان میں ہے اسکی سچائی پر ایمان لانا ضروری ہے، ورنہ رسولوں کے بعد خدا کے احکام اور ہدایتوں کے جاننے کا ذریعہ مسدود ہو جائے اور ہمارے لیے نیکی و بدی کی تمیز کا کوئی ایسا معیار باقی نہ رہے، جس پر تمام ادنیٰ و عالی، جاہل و عالم، بادشاہ اور رعایا سب متفق ہو سکیں،

اعمال کی باز پرس اور جوابدہی کا خطرہ نہ ہو اور اس کے مطابق جزا اور سزا کا خیال نہ ہو تو دنیاوی قوانین کے باوجود دنیا سے انسانیت سراپا درندگی اور ہیبت بن جائے، یہی عقیدہ ہے جو انسانوں کو جلوت و خلوت میں ان کی ذمہ داری کو محسوس کرتا ہے، اس لیے روز جزا اور یوم آخرت پر ایمان رکھنے بغیر انسانیت کی صلاح و فلاح ناممکن ہے، اور اسی لیے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم نے اس پر بے حد زور دیا ہے، بلکہ مکی وحی کا بشیرتہ

اسی کی تلقین اور تبلیغ پر مشتمل ہے،

یہی پانچ باتیں اسلام کے ایمانیات کے اصلی عناصر ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ پر اُس کے تمام رسولوں پر، اوسکی کتابوں پر اُس کے فرشتوں پر اور روز جزا پر ایمان لانا، یہ عقائد خمسہ کی طرح سورہ بقرہ میں متعین و دقیقہ کہیں محفل اور ہمیں مفصل بیان ہوئے ہیں،

الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ..... جو لوگ غیب (خدا خدا کی صفات اور ملائکہ) پر ایمان رکھتے ہیں..... اور

وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا

أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ (بقرہ-۱)

وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ، (بقرہ-۴-۱)

یہ تو سورہ کے آغاز کی آیتیں ہیں، سورہ کے پنج میں پھر ارشاد ہوا،

وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ

وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ (بقرہ-۱۷۷)

سورہ کے آخر میں ہے،

آمَنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِ مِنْ رَبِّهِ

وَالْمُؤْمِنُونَ كُلٌّ آمَنَ بِاللَّهِ وَمَلَكِهِ

وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ (بقرہ-۲۰۰)

سورہ نساء میں انھیں عقائد کی تعلیم ہے،

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي

نَزَّلَ عَلَى رَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي أَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ وَمَنْ يَكْفُرْ

بِمَا نَزَّلَ اللَّهُ مِنْ قَبْلُ فَإِنَّهُ يَكْفُرْ بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ (نساء-۸۲)

کافر اور کفر کے فرشتوں کا ایمان کی کتابوں کا اور کفر کے پیغمبروں کا اور روز جزا کا ایمان

لہ تعالیٰ پر ایمان

اٰمَنَ بِاللّٰہِ

ایک قاعدہ مطلق اور ہمہ صفت موصوفت پستی پر یقین اور اسکو ایک جاننا تعلیم محمدی کی پہلی ایجد ہے اسلام سے پہلے جو مذاہب تھے، باوجود اس کے کہ خدا کی توحید اور صفات پر ایمان رکھنا ان کے اصول میں بھی داخل تھا، مگر ان کی تعلیمات میں ترتیب مقصود تھی اور یہ نہیں معلوم ہوتا کہ ان کی نگاہ میں توحید کا مسئلہ اہمیت کے کس درجہ پر ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم نے اس مسئلہ کی اصلی اہمیت محسوس کی اور اسکو اپنے نصاب درس کا پہلا سبق اور روحانی معارف و حقائق اور جہانی اعمال اخلاق کا سر بنیاد قرار دیا، خدا اگر چاہے تو انسان کے تمام گناہوں سے درگزر کر سکتا ہے، مگر اسی ایک حقیقت سے انکار وہ جرم ہے جسکو وہ کبھی معاف نہ فرمایا گیا،

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ (نساء - ۱۸)

یقیناً خدا شرک کو معاف نہ کرے گا اور اس کے سوا جس کے جو گناہ چاہے معاف کر دے،

پھر اس کے ساتھ خالص توحید کا بیان، اسما و صفات کی تشریح، شرک کے ہر پہلو کی نفی اور توحید کے ہر پہلو کی تکمیل تعلیم محمدی کی امتیازی نشان ہے، معلوم ہو چکا ہے کہ نبوت محمدیہ کی غرض غایت صرف تخیل نظریہ آرائی، اور الہیاتی فلسفہ نہ تھا، بلکہ ایک زندہ قوم، جد و جہد اور عمل والی قوم، اخلاص و ایثار و وحی و تقویٰ والی قوم، پیدا کرنا تھا، اور اس کو تمام دنیا کی پیشوائی کے لیے نمونہ عمل بنانا تھا، اس لیے سب سے پہلے اہل عرب کو جو اس کے مخاطب اول تھے، رموز و اسرار توحید کا اس طرح حال بنانا تھا، کہ ان کے رگ و ریشہ میں ولولہ اور جوش کا ایک نشہ پیدا ہو جائے، اس کے لیے ضرورت تھی کہ سب سے پہلے زمین کو ہوا کیا جائے، شرک کے وہ تمام عقائد

جو عربوں میں پھیلے ہوئے تھے، ان کو مٹا دیا جائے اور جن وجوہ اور اسباب سے شرک کے یہ عقائد پیدا ہوئے ہیں، انکی
سچ کنی کی جائے،

اصلاح عقائد | معلوم ہو چکا ہے کہ عرب میں جہالت اور وحشت کی وجہ سے سیکڑوں غلط عقائد اور توہمات پھیل گئے
تھے، اور دنیا کے دوسرے مذاہب کے عقائد میں بھی بہت سی غلطیاں داخل ہو گئی تھیں، ان میں سے زیادہ بدتر
اور تمام برائیوں کا اصلی محرک شرک تھا، اس لیے سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انکی اصلاح سے آغاز کیا،

شرک اور بت پرستی کا اصلی زہ اسباب مؤثرات کا وجود ہی خدا نے عالم میں ایک سلسلہ اسباب قائم
کر دیا ہے، اور عالم کے تمام واقعات اسی سلسلہ کی کڑیاں ہیں، لیکن یہ تمام سلسلہ ایک قادر مطلق کے دست قدرت
میں ہے اور اس سلسلہ کی ایک کڑی بھی اُس کے اشارہ کے بغیر جنش نہیں کر سکتی، شرک اس طرح شروع ہوتا ہے،
کہ پہلے انسان اُن اسباب و علل میں سے بعض نمایاں اور قوی الاثر اسباب سے متاثر ہوتا ہے، اجرام فلکی کی عظمت،
آفتاب و مہتاب کی نور افشانی، سمندر کا پُر زور تلاطم، عناصر کی نیرنگ آریاں، انسان کو سبوت کر دیتی ہیں،
وہ اُن کی عظمت و تاثیر سے متاثر ہو کر پھر منفعل اور بالآخر اُن کا غلام بن جاتا ہے، اعتقاد کے پہلے مرحلہ میں انسان،
غور سے اس کے دعویٰ سے اس قدر امتیاز اور تفریق کرتا ہے، کہ یہ چیزیں خود خدا یا معبود نہیں ہیں، لیکن یہ غیر متحرک
قائم نہیں رہتی بلکہ رفتہ رفتہ خوش اعتقاد کی اکثر غالب آتا جاتا ہے، اور یہ چیزیں خدا کی شریک بنتی جاتی ہیں،
یہاں تک کہ اصلی مسبب الاسباب نظر سے بالکل اوجھل ہو جاتا ہے،

شرک کی جو کونیا گون صورتیں دنیا میں موجود تھیں اور جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا استیصال
کیا انکی تفصیل حسب ذیل ہے،

۱۔ دنیا کی مشہور قوموں میں عیسائی اور مجوسی ملائیت مشرک تھے یعنی تین اور دو خدا مانتے تھے، ہندو بھی

اسی کے قریب قریب تھے، ان مذہبوں کی ابتدا اس طرح ہوئی کہ خدا کے جو مختلف نمایاں اور اہم اوصاف
ہیں، اُن کا مستقل اور محم وجود قائم ہو گیا، مثلاً صفات خلق اور احیاء و اناہ، برہائش و ہیش کے نام سے موسوم

موجودیوں نے دیکھا کہ دنیا میں جس قدر اشیاء اور افعال حرکات ہیں سب باہم متضاد ہیں، نور و ظلمت، پستی و بلندی، صبح و شام، گرم و سخت، رات و دن، خیر و شر، حلم و غضب، غرور و خاکساری، فقر و صلاح کوئی چیز مقابلہ اور تضاد سے خالی نہیں، اس لیے ایسے دو متضاد عالم کا خالق ایک نہیں ہو سکتا، اس بنا پر انھوں نے دو خدا تسلیم کئے اور ان کا نام یزدان اور اہرمین یا نور و ظلمت رکھا،

قرآن مجید میں تمام احکام نہایت تدبیر کے ساتھ نازل ہوئے ہیں، یہاں تک کہ ۱۳ برس کی وسیع مدت تک روزہ، زکوٰۃ اور حج کچھ فرض نہیں ہوا تھا، لیکن شرک کا استیصال کئی نبوت کا پہلا سبق تھا، سورہ زمر مکہ میں نازل ہوئی اور اسی سورہ میں شرک کی تمام صورتیں مٹا دی گئیں، تمام دیگر سورتوں میں نہایت کثرت سے اس قسم کے شرک کا ابطال اور رد کیا ہے، اس لیے ان کی تفصیل کی ضرورت نہیں، موجودیوں کے شرک کی بنیاد اس پر تھی کہ افعال خیر و شر کا ایک خالق نہیں ہو سکتا، ورنہ لازم آئیگا کہ خدا شر کو پیدا کرتا ہے اور بظاہر ہے کہ جو شخص برائی کے پیدا ہونے کو جائز رکھتا ہے، وہ خود اچھا نہیں ہو سکتا، اس لیے قرآن مجید میں نہایت کثرت سے تصریحات آئیں کہ جن کو ہم خیر و شر کہتے ہیں سب کا فاعل خدا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت تصریح و تاکید کے ساتھ تعلیم کی کہ جو کچھ ہوتا ہے، سب خدا کے حکم سے ہوتا ہے، باقی یہ مسئلہ کہ بری چیز کا خالق اچھا نہیں ہو سکتا، اولاً تو یہ مغالطہ آمیز غلطی ہے، ایک صنّاع مصوّر اگر ایک نہایت مکروہ جانور کی تصویر نہایت اچھی کھینچے تو اس کے کمال مصوری میں اس سے کچھ داغ نہیں آئیگا کہ جانور خود برا ہے، دوسرے اسلام نے اس مسئلہ کی جس صلی گہ کو کھولا ہے وہ یہ ہے کہ اشیاء بذاتہ خیر و شر نہیں، بلکہ وہ اپنے صحیح یا غلط طریقہ استعمال سے خیر یا شر بن جاتی ہیں، آگ بجائے خود نہ خیر ہے نہ شر، اگر اس سے اچھا کام لیا جائے تو خیر ہے، اور برا لیا جائے تو شر ہے، زہر نہ اچھا ہے نہ برا، اگر اس کو بیماریوں کے استیصال میں استعمال کیا جائے تو خیر ہے، اور اگر کسی بیگناہ کے قتل میں استعمال کرو تو شر ہے، اسی طرح دوسری اشیاء کے بھی خیر و شر کے دونوں پہلو ہیں، نہ کوئی شئی دنیا میں خیر مطلق ہے نہ کوئی شر مطلق، اسی لیے قرآن نے شر کی نسبت خدا کی طرف نہیں کی ہے، بلکہ خود انسان کی طرف کی ہے،

اَشْتَرُ اَرِيْدُ بَعْنَ فِي الْاَرْضِ اَمْ اَرَادُ بِهِمْ رَيْهْمُ (رجن - ۱)

آیا اہل زمین کیساتھ شکر کا ارادہ کیا ہے یا ان کے پروردگار نے اُن کے حق میں راہ پر لانا چاہا ہے،

مَا أَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللَّهِ وَمَا أَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَفْسِكَ ط (نساء: ۱۱)

تجھ کو جو نیکی پہنچی تو وہ خدا سے ہے اور جو مصیبت پہنچی، وہ خود تیری طرف سے ہے،

اَوَلَمَّا اَصَابَكُمْ مُصِيبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ
 مِثْلَ مَا قُلْتُمْ اَنِي هَذَا اِقُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ
 الْفُسْكَوْاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (ال عمران ۱۵۰)

کیسا جب تم کو کوئی مصیبت پہنچی جس کے دو بار تم مانگو
 پہنچا چکے ہو، تم نے کیا یہ کہاں سے آئی، کہہ دے کہ خود
 تمہاری طرف سے ہے، خدا ہر بات پر قدرت رکھتا ہے،

الغرض کسی شے کا ایسا پیدا کرنا جس میں خیر و شر کے دونوں پہلو ہیں، شر نہیں ہے، اُن میں اس کے شر کے پہلو کو استعمال کرنا اور کام میں لانا شر ہے، ڈاکٹر بہت سی بیماریوں کے لیے زہریلی دوائیں بناتے ہیں، مگر یہ شر نہیں، البتہ جب کوئی شہر یا ان دواؤں سے ان امراض کے ازالہ کے بجائے کسی کی جان لے لیتا ہے تو وہ شر ہے، حاصل یہ کہ اس دنیا میں خالق ایک ہی ہے وہ نہیں،

وَقَالَ اللَّهُ لَا تَتَذَكَّرُونَ الْهَيْئَتَيْنِ إِنَّمَا هُوَ إِلَهُ وَاحِدٌ فَإِنِّي فَارْهَبُونِ وَلَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ (نحلہ)

اور خدا نے کہا کہ وہ خدا نہ بناؤ، وہ ایک ہی خدا ہے، تو
 مجھی سے ڈرو اور اسی کے لیے ہے جو آسمانوں میں اور
 زمین میں ہے،

۲۔ شرک کا بہت بڑا ذریعہ کسی خاص شخص یا کسی شے کی تعظیم مفرط ہے جس کو شخص پرستی یا یادگار پرستی سے تعبیر کر سکتے ہیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام، رام چندر اگرشن کو اسی خوش اعتمادی نے آدمی سے خدا بنا دیا، اس بنا پر قرآن مجید میں نہایت پر زور اور پر رعب الفاظ میں شخص پرستی کی تہذیب کی،

یَا هَلْ الْكِتَابَ لَا تَفْلُقُ فِي دِينِكُمْ وَلَا تَقُولُ
عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقُّ، إِنَّمَا الْمَسِيحُ حَبِیْبُ ابْنِ

اسے اہل کتاب اپنے دین میں حد سے زیادہ نہ بڑھ جائے
اور خدا کی نسبت وہی کو جو حق ہے، مسیح یعنی عیسیٰ بن

بزرگوں کی مشرکانہ
تعلیم سے روکنا،

مَرْيَمَ رَسُولُ اللَّهِ (نساء-۲۳)

مریم صرت خدا کے پیغمبر بن،

لَنْ يَسْتَنْكِفَ الْمَسِيحُ أَنْ يَكُونَ عَبْدًا لِلَّهِ

مسیح کو خدا کے بندہ ہونے سے ہرگز مار نہیں، اور نہ مقرب

وَلَا الْمَلَائِكَةُ الْمُقَرَّبُونَ وَمَنْ يَسْتَنْكِفْ

فرشتوں کو، اور جس شخص کو خدا کی بندگی سے مار ہوگا

عَنْ عِبَادَتِهِ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ إِلَيْهِ جَمِيعًا

اور بڑائی کی لے گا، تو خدا سب کو عنقریب اپنے

(نساء-۲۴)

حضور میں بلائے گا،

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ

وہ لوگ کافر بن جو کہتے ہیں کہ عیسیٰ بن مریم خدا ہیں کہہ

مَرْيَمَ قُلْ فَمَنْ يَمْلِكُ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا إِنْ

کہ اگر خدا یہ چاہے کہ مسیح بن مریم کو ان کی مان کہ اور دنیا میں

أَرَادَ أَنْ يُعَذِّبَكَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ مَا لَهُ

جو کچھ ہے سب کو برباد کر دے، تو کون ہے جو خدا کو

مَنْ فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ

روک لے، خدا ہی کے لیے آسمان و زمین اور چیزیں ان

وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَاللَّهُ

دونوں میں ہیں ان کی حکومت ہے، اور خدا تمام

عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (مائتہ-۱۳)

چیزوں پر قادر ہے،

وَإِذْ قَالَ اللَّهُ لِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ أَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ

اور جب خدا کہہ گیا کہ کیوں عیسیٰ! تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ

اتَّخِذُونِي وَأَهْلِي الْهَيْئِينَ مِنْ دُونِ اللَّهِ

خدا کو چھوڑ کر مجھ کو اور میری مان کو خدا کو، عیسیٰ عرض کرینگے

قَالَ سُبْحَنَكَ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أَقُولَ مَا

کہ سبحان اللہ میری یہ جہاں جو کہ میں کوئی بات کہوں جس کے

لَيْسَ لِي بِحِثِّي إِنْ كُنْتُ قُلْتُ فَقَدْ عَلِمْتُ

کہنے کا مجھ کو حق نہیں، اگر میں نے کہا ہوگا، تو تو جانتا ہوگا،

تَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِي وَلَا أَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِكَ

تو میرے دل کی بات جانتا ہے اور میں تیرے دل کی

إِنَّكَ أَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ مَا قُلْتُ لَهُمْ

بات نہیں جانتا، تو بڑا غیب ان ہے میں نے لوگوں

إِلَّا مَا أَمَرْتَنِي بِهِ أَنْ اعْبُدُوا اللَّهَ سَرِيبِي

سے صرف وہی کہا تھا جس کا حکم تو نے مجھ کو دیا تھا، یعنی کہ

وَسَرَّيْكُمْ (مائتہ-۱۶)

خدا کی عبادت کرو جو میر بھی خدا ہے اور تمہارا بھی،

آنحضرت صلعم باوجود اس کے کہ جاہل کون و مکان تھے لیکن بار بار قرآن مجید میں تاکید آتی تھی،
 قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُدْعَىٰ إِلَى الْإِيمَانِ كَدے اسے پیغمبر کہ میں تو تمہاری ہی طرح آدمی ہوں،
 الْحُكْمُ لِلَّهِ وَاحِدٌ (کہف - ۱۲) لیکن یہ کہ میری طرف وحی بھی جاتی ہے کہ تمہارا خدا ایک خدا ہے

ایک خاص نکتہ غور کے قابل ہے جس قدر حلیل القدر انبیاء علیہم السلام گزرے ہیں ان کے خاص خاص لقب بن مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام تھے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا لقب خلیل اللہ تھا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا لقب ابن مریم تھا لیکن
 آنحضرت صلعم باوجود اس کے کہ اشرف انبیاء تھے، آپ نے کیا لقب پسند کیا؟ اور کلمہ توحید میں، نماز میں، درود
 میں آنحضرت صلعم کے اسم گرامی کے ساتھ کیا امتیازی وصف شامل کیا گیا؟ صرف رسالت اور عبدیت!
 أَشْهَدُ أَنْ مُحَمَّدًا عَبْدُكَ وَرَسُولُكَ میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد خدا کے بندہ اور رسول ہیں،
 اس میں بھی عبدیت کا وصف رسالت پر مقدم ہے، آنحضرت صلعم نے ایک دفعہ بعض کفار کے حق
 میں دعائے بد کی اُس پر یہ آیت اتری،

كَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ
 أَوْ يُعَذِّبُهُمْ فَلَهُمْ ظَالِمُونَ (آل عمران - ۱۳) یا اُن کو عذاب دیگا کہ وہ ظالم ہیں،
 آنحضرت صلعم بعض کفار کی ہدایت پانے اور اسلام قبول کرنے کے نہایت خواہشمند تھے، اس پر یہ آیت
 نازل ہوئی،

إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ (قصص - ۶) تم جس کو چاہتے ہو اس کو ہدایت نہیں دیکتے،
 آنحضرت صلعم نے عبد اللہ بن ابی کے لیے دعائے مغفرت کی، اس پر قرآن مجید میں آیا،
 اسْتَغْفِرْ لَهُمْ أَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ إِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً فَلَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ (توبہ - ۱۰) تم ان کیلئے مغفرت چاہو یا نہ چاہو اگر تم ان کے لیے ستر دفعہ
 بھی مغفرت چاہو گے تو خدا ان کی مغفرت نہ کرے گا،

لے صحیح بخاری غزوہ احد یہ حدیث بخاری کے مختلف ابواب میں مذکور ہے، لے بخاری کتاب التفسیر تفسیر سورہ توبہ،

قُلْ اَدْعُوكَ الَّذِي يَنْزِلُ بِرَحْمَتِهِ مِنْ دُونِهِ فَلَا
يَمْلِكُونَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيلًا
اُولَٰئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَتَّبِعُوْنَ اِلٰى اِيْتِهِمْ
اِلٰى سَبِيلَةٍ اِيْتَهُمْ اَقْرَبُ وَيَزِجُوْنَ رَحْمَتَهُ
وَيَخَافُوْنَ عَذَابَ اٰبِهٖ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ
مُحْذُوْرًا (بنی اسرائیل - ۶)

کہدو کہ خدا کے علاوہ تم جنکو پکارتے ہو وہ تمہاری مصیبت
کے ہٹانے یا بدلنے کا کچھ اختیار نہیں رکھتے، جنکو تم پکارتے
ہو ان میں جو خدا کے مقرب ترین ہیں وہ خود خدا کا وسیلہ
ڈھونڈتے ہیں اور اسکی رحمت کے امیدوار رہتے ہیں
اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں، بے شبہ تیرے خدا کا خدا
ڈرنے ہی کے قابل ہے،

۵۔ شرک کا ایک بڑا ذریعہ، خرق عادات کے نسبت غلط فہمی ہے، جن اشخاص سے خرق عادات سرزد ہوتے
ہیں، ان کی نسبت لوگوں کو پہلے یہ خیال آتا ہے کہ یہ خود خدا نہیں ہیں لیکن ان میں خدائی کا شائبہ ضرور ہے،
ورنہ ایسے افعال کیونکر سرزد ہوتے جو قدرت انسانی سے بالاتر ہیں، یہی خیال رفتہ رفتہ دیوتا اور اتار تک ترقی
کرتا ہے، اور بالاخر خدائی تک پہنچا دیتا ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسی بنا پر آج چالیس کروڑ آدمیوں کے خدا یا خدا
کے بیٹے ہیں۔

لیکن اس حقیقت سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ انبیاء علیہم السلام سے معجزات صادر ہوتے ہیں، اور یہ
خاص نبوت میں ہے، یہ مسئلہ اسلام کے زمانہ تک مشتبہ اور مجمل رہا، قرآن مجید میں خرق عادات کے متعلق حسیں
امور بیان کئے گئے،

(۱) معجزات صادر ہو سکتے ہیں اور خدا اپنے مقبول بندوں کو معجزات عطا کرتا ہے،

وَقَالُوا لَوْلَا اَنْزَلَ عَلَیْهِ اٰیَةٌ مِنْ رَبِّهِ قُلْ
اِنَّ لِلّٰهِ قَادِرٌ عَلٰی اَنْ یُنْزِلَ اٰیَةً وَلٰكِنْ
اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ (انعام - ۷)

اور کفار کہتے ہیں کہ ان پر (انحضرت پر) کوئی معجزہ خدا کے
یہاں سے کیوں نہیں اترا، کہدو کہ خدا اس پر قادر ہے کہ
معجزہ نازل کرے لیکن لوگ نہیں جانتے،

(۲) باوجود اس کے کفار کو معجزہ طلبی سے روکا جاتا تھا، اور کہا جاتا تھا کہ نبوت اور رسالت معجزہ پر موقوف نہیں

خوارق خدا کے حکم
سے ہوتے ہیں

وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِنْ رَبِّهِ إِنَّمَا أَنْتَ مُنْذِرٌ لِقَوْمٍ كَافِرِينَ
 اور کفار کہتے ہیں کہ ان پر (آنحضرت پر) کوئی معجزہ خدا کے
 ہاں سے کیوں نہیں اترتا تم تو صرف ڈرانے والے ہو
 ہر قوم کے لئے ایک ہادی ہوتا ہے، (ہر قوم - ۱)

وَقَالُوا لَنْ نَبُوءَ بِمَا ضَرَبْتَ لِلْأَنبِيَاءِ مَثَلًا نَبِيُّ عَادٍ وَنَبِيُّ نَجْدٍ لَكَ جَنَّةٌ مِنْ نَجْدٍ وَ
 اور کفار کہتے ہیں کہ ہم تیرے ایمان نہ لائیں گے جبکہ تم قرآن
 سے چشمہ نہ نکال دو یا تمہارے پاس کچھ روئے یا انگریزوں
 کا باغ ہو کہ جس کے بیچ میں تم نہریں جاری کر دو یا ہم
 کو کھڑے کر کے ہم پر گرد و صیاب کہ تمہارا گمان تھا،
 یا خدا اور فرشتوں کو ہمارے سامنے لاؤ یا تمہارا گھر سونے
 کا بن جائے یا تم آسمان پر چڑھ جاؤ اور ہم تو اس چڑھنے پر
 بھی یقین نہ لائیں گے جب تک ہم پر کوئی کتاب نہ آئے
 جس کے ہم خود پڑھیں کہہ دو کہ سبحان اللہ میں تو صرف بشر
 بشر آؤ سنو، (یعنی اسرائیل - ۱)

(۲) جو معجزہ اس آیت میں کفار نے طلب کئے وہ ناممکن باتیں نہ تھیں تاہم خدا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو آ
 یاتیں کیا وہ یہ تھا کہ میں تو بشر ہوں، معجزے خدا کے پاس ہیں، یعنی معجزے صادر ہونگے تو یہ میرا فعل نہ ہوگا بلکہ
 خدا کا ہوگا،

وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِنْ رَبِّهِ قُلْ إِنَّمَا الْإِنشَاءُ عِنْدَ اللَّهِ وَإِنَّمَا أَنَا نَذِيرٌ مُبِينٌ هَؤُلَاءِ لَمْ يُلَهِمْهُمُ اللَّهُ أَنْ يَكُونُوا أَسْمَاءً لَكُمْ يُلَهِمُهُمْ أَنَا أَنزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ يُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَرَحْمَةً

اور کفار کہتے ہیں کہ ان پر ان کے خدا کے یہاں سے معجزہ
 کیوں نہیں اترے، کہہ دو کہ میرے تو خدا کے ہاں ہیں اور
 اور میں تو صرف صاف صاف ڈرانے والا ہوں کیا ان
 کفار کے لیے یہ کافی نہیں ہے کہ ہم نے تمہارے اوپر قرآن

وَذَكَرَىٰ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ .
 آمارا جو ان پر تلاوت کیا جاتا ہے، اس میں رحمتِ حق اور ایمان

(عکبت-۵) لانے والوں کے لیے یاد رکھنے کی چیز ہے،

اسی لیے ہجرت کے ذکر میں ہمیشہ بِإِذْنِ اللَّهِ (خدا کی اجازت سے) کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں،

(۶) شرک کی ایک قسم یہ تھی کہ انبیاء یا پیغمبر یا نبی کو تحریم و تحلیل کا جواز سمجھتے تھے یعنی وہ جس چیز کو چاہیں

کر دین اور جس چیز کو چاہیں حلال ٹھہر دین، قرآن مجید میں جب یہ آیت اُتری،

اتَّخَذُوا أَخْبَارَهُمْ وَرَهْبَانَهُمْ كِبَارًا دِينِهِمْ . (۵) ان لوگوں نے اپنے علماء اور درویشوں کو رب بنا لیا ہے،

تو حضرت عدیؓ نے جو حاتم طائی کے فرزند اور اسلام لانے سے پہلے عیسائی تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی

کہ ہم لوگ اپنے پیغمبر یا نبی کو اپنا رب تو نہیں سمجھتے تھے، آپ نے ارشاد فرمایا کہ کیا تم لوگوں کا یہ اعتقاد نہ تھا کہ

یہ لوگ جس چیز کو چاہیں حلال اور جس کو چاہیں حرام کر دین۔ عرض کی کہ ہاں آپ نے فرمایا، "یہی رب بنانا ہے۔"

عموماً اہل مذاہب پیغمبروں کو شائع متقل سمجھتے ہیں، لیکن یہ بھی ایک قسم کا شرک ہے، شریعت کی تائیس

حلال و حرام کی تعیین، جائز و ناجائز کی تفریق، امر و نہی کے احکام یہ سب خدا کے ساتھ مخصوص ہیں، پیغمبر صرف مبلغ

اور پیغام رسان اور تعلیم الہی سے ان احکام کے شائع اور بیان کرنے والے ہیں، اسی بنا پر قرآن مجید میں ذاتِ

نبوتی کی صفت رسالت کو بار بار تاکید اور اصرار کے ساتھ نمایاں کیا گیا ہے،

فَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ

الرُّسُلُ (آل عمران-۱۵) محمد تو صرف ایک رسول ہے، اس سے پہلے اور رسول

گزر چکے،

إِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى بْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ اللَّهِ (سورہ مائیدہ-۱۷۲) عیسیٰ کا بیٹا عیسیٰ اللہ کا صرف رسول تھا،

اس صفت سے مقصود یہ ہے کہ انبیاء میں خدائی کی کوئی صفت نہیں ہوتی، بلکہ جو کچھ ان میں ہے وہ رسالت اور

نبوت کے اوصاف ہیں،

۷۔ شرک کا ایک بڑا ذریعہ یہ تھا کہ جو اعمال اور آداب خدا کے ساتھ مخصوص ہیں، وہ اوروں کے ساتھ بھی

حرام و حلال کرنا
 خدا کا کام ہے

لہذا جو نبی
 دین کی تفسیر
 آیت مذکور

غیر خدا کی شرک ہے
 بتلایم

برتے جاتے تھے، یہ اگرچہ شرک فی العبادۃ یا شرک فی الصفات تھا، لیکن رفتہ رفتہ شرک فی الذات تک منجر ہوتا ہے، سجدہ عبادت خدا کے ساتھ مخصوص ہے لیکن کفار اور دیگر اہل مذاہب بتوں اور مقتدایانِ دینی کو بھی سجدہ کرتے تھے اور سلاطین و امرا کو سجدہ کرنا عام طور سے رائج تھا، آنحضرت صلیم نے نہایت سختی سے اس کو رد کیا بنو اسرائیل میں سجدہ تعظیمی یا سجدہ محبت جائز تھا چنانچہ حضرت یوسفؑ کو اُن کے والدین نے سجدہ کیا تھا، لیکن چونکہ اسلام میں توحید کو انتہائے کمال تک پہنچا تھا، سجدہ تعظیمی بھی منع کر دیا گیا، ایک دفعہ ایک صحابی خدمتِ اقدس میں آئے اور عرض کی کہ میں نے اہل عجم کو دیکھا ہے، وہ اپنے رئیسوں کو سجدہ کرتے ہیں، آپ اجازت دینا تو ہم آپ کو سجدہ کریں، آپ نے فرمایا، تو کیا میری قبر پر گزرو گے تو اُسکو سجدہ کر دے گے، عرض کی نہیں، فرمایا تو اب بھی نہ کرو، اگر میں کسی کو دوسرے کے آگے سجدہ کرنے کا حکم دیکھتا تو میں بیوی کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے اسی طرح ایک اور صحابی ملک شام سے آئے تو آپ کو سجدہ کیا، آپ نے پوچھا کہ یہ تم نے کیا کیا؟ عرض کی کہ میں نے شام میں رومیوں کو دیکھا کہ وہ اپنے مذہبی افسروں کو سجدہ کرتے ہیں، تو میری چاہا کہ میں بھی آپ کو سجدہ کر دوں، فرمایا ایسا نہ کرو، اگر میں کسی کو خدا کے سوا سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو میں بیوی کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے، شرک کی ایک قسم یہ ہے کہ خدا کے ساتھ جو اوصاف مخصوص ہیں وہ اور دن میں تسلیم کئے جائیں جبکہ یہ قدرتی نتیجہ ہے کہ شرک و صفت کی بنا پر، خدا کے شرک اور ہر سر بنائین اُن میں سے ایک و صفت علم غیب ہے، اکثر اہل مذاہب اعتقاد رکھتے تھے اور اب بھی رکھتے ہیں کہ انبیاء اور اولیاء کو علم غیب ہوتا ہے، بنی اسرائیل کے زمانہ میں کاہنوں کا یہی کام تھا کہ وہ آئندہ واقعات کی پیشینگوئی بیان کیا کرتے تھے، عرب میں بھی کاہن ہی پر مشتمل کرتے تھے، اور مختلف طریقوں سے پیشین گوئی کرتے تھے، کبھی فال سے، کبھی پانے پھینک کر، کبھی یہ ظاہر کرتے تھے کہ اُن کو جنات غیب کا حال بتاتے ہیں،

آنحضرت صلیم نے نہایت تاکید اور استقصاء کے ساتھ اس اعتقاد کو مٹایا اور علم غیب کی تمام صورتیں

سہ ابو داؤد کتاب النکاح باب حق الزوج علی المرأة ص ۱۷۱ ابن ماجہ باب نکور،

اہل کین، خود قرآن مجید میں نہایت کثرت سے اس کے متعلق آیتیں نازل ہوئیں،

وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يُعْلِمُهَا إِلَّا هُوَ، اور خدا کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں جنکو خدا کے سوا

(انعام۔ ۷) کوئی نہیں جانتا،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اجمال کی تفصیل بیان فرمائی، اور فرمایا کہ مفتح غیب پانچ ہیں جنکو خدا کے سوا

کوئی نہیں جانتا،

۱۔ حمل یعنی لڑکا ہوگا یا لڑکی،

۲۔ کل کیا ہوگا،

۳۔ بارش کب ہوگی،

۴۔ کس جگہ موت آئے گی،

۵۔ قیامت کب آئے گی،

اگرچہ علم غیب کی اور بھی صورتیں ہیں لیکن زیادہ تر انھی امور کی نسبت لوگ علم غیب کے مدعی تھے

اور انہی باتوں کو لوگ پہلے سے جانتے کے خواہشمند ہوتے ہیں،

یہاں تک کہ خود اپنی ذات سے بھی علم غیب کی نفی کی، ایک دفعہ ایک شادی کے موقع پر آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے، انصار کی چند لڑکیاں گارہی تھیں، گاتے گاتے انھوں نے یہ گانا شروع کیا،

وَفِيْنَا رَسُولٌ يَعْلَمُ مَا فِيْ غَدَا، اور ہم میں ایک ایسا پیغمبر ہے جو کل کی بات جانتا ہے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ یہ نہ کہو، وہی کہو جو پہلے گارہی تھیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو خاص حکم دیا

کہ آپ اس حقیقت کو واضح کر دیں،

قُلْ لَا أَقُولُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَائِنُ مِّنْ عِندِ اللّٰهِ، اور وہ اسے پیغمبر کہیں یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے

۱۵ صحیح بخاری کتاب الرذیل الجہیمہ میں تفصیل مذکور ہے، ۱۶ صحیح بخاری کتاب النکاح،

وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ (الغافر- ۶)

خزانے ہیں اور نہ میں غیب کی باتیں جانتا ہوں،

اور غیب کا علم صرف خدا کی صفت ہے،

قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ

کہہ دے پیغمبر کہ خدا کے سوا آسمانوں میں اور زمین میں

کوئی غیب نہیں جانتا، (نمل- ۵)

غیب دانی کے مدعی کاہن جو عرب کی گلی گلی میں خدع و فریب کا جال پھیلائے بیٹھے رہتے تھے، اور بتانوں میں خدائی کرتے تھے، انکی سطوت خاک میں مل گئی، بتانے ویران ہو گئے، تو ان کے یہ پیجاری بھی فنا ہو گئے، صحابہ نے اگر پوچھا کہ یا رسول اللہ! ہم جاہلیت میں کابھون کے پاس جایا کرتے تھے، فرمایا اب نہ جایا کرو، عرض کی ہم پرندوں سے فال لیا کرتے تھے، فرمایا: یہ تمہارا وہم تھا، اس کے سبب سے اپنے ارادہ سے باز نہ رہا کرو، بعض لوگوں کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ کاہن کچھ نہیں، انھوں نے کہا یا رسول اللہ! انکی بعض باتیں سچی بھی نکل آتی ہیں، فرمایا شیطان ایک آدمہ بات سن لیتا ہے، اور مرغی کی طرح قرقر کر کے اپنے دوست کے کانوں میں ڈالتا ہے، اور وہ اس میں ستوا باتیں جھوٹ ملا دیتا ہے، کبھی فرمایا کہ فرشتوں کی زبان سے شیطاں ہتھکا آسانی میں چوری چھپے کچھ سن لیتے ہیں، اور کاہن اس میں سیکڑوں جھوٹ اپنی طرف سے ملا کر بیان کرتے ہیں، جاہلون میں کچھ ایسے مکار ہوتے ہیں جو چوری کا فائدہ نہ پتہ بتانے کا دعویٰ کرتے ہیں، عرب ان کو عراف کہتے تھے، فرمایا کہ جو کوئی کسی مال کا پتہ پوچھنے کے لئے کسی عراف کے پاس جائیگا، اسکی چالیں سن کی نماز قبول نہ ہوگی، ظلم نجوم جس کے زور سے لوگ غیب کا حال دریافت کر لینے کے مدعی بنتے تھے، اس کا سیکھنا بھی جادو کی طرح گناہ قرار دیا، اور فرمایا کہ جو کسی کاہن کے پاس جا کر اسکی باتوں کو سچ سمجھے وہ محمد پر جو کچھ اترا ہے اس سے انکار کرتا ہے،

ان تعلیمات نے خدا کے علاوہ دوسروں کی غیب دانی کے عقیدہ کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کر دیا، کائنات کی

لے مشکوٰۃ باب اکہما میں صحیحین سے یہ حدیثیں نقل کی ہیں، ظلم نجوم کی حرمت دلی حدیث البرادہ (ابن ماجرہ اور احمد سے لی ہے،

گرم بازاری سرد ہو گئی، فال ٹنگوں بد، نجوم اور غیب دانی کے دوسرے خدا عاہ طریقے مٹ گئے، پرندوں اور
پانسون کے ذریعہ سے غیب کا حال دریافت کرنا ہم دوسو سوہ قرار پایا، اور غیب کی مملکت پر خدا کے سوا کسی اور
ٹی حکومت قائم نہ رہی،

غنی قوتوں
کا ابطال

۹۔ کائنات میں خدا کے سوا جن غیبی اسباب و علل یعنی سحر و طلسم جنات و شیاطین اور ارواحِ خبیثہ اور دوسری
قسم کی قوتوں کی غیبی قدرت و تصرف کا اعتقاد تھا، اور اُن سے بچنے کے لیے اُن کی دہائی پکاری جاتی تھی، نذر چڑھا
جاتی تھی، قربانی کی جاتی تھی، آنحضرت صلی علیہ وسلم کی تعلیم اور وحی نے ان تمام مفرخات کا قلع و قمع کر دیا، اور خدا کے سوا
تمام دوسری غنی و پوشیدہ قوتوں کا ڈرا انسانوں کے سینوں سے ہمیشہ کے لیے نکال کر پھینک دیا، اور دعائوں و کلمات
الہی کے سوا ہر نوع کے جھاڑ، پھونک، منتر، تعویذ، گنڈے، ٹوٹکے، جنہیں کسی غیر خدا سے غیبی استہدایا شرک کا کلمہ
ہو، کفر قرار پایا، اسی قسم کے فاسد خیالات کے استیصال کے لیے ہر نماز میں، اور نماز کی ہر رکعت میں سورہ فاتحہ
کے ضمن میں اس آیت کے پڑھنے کا حکم دیا گیا،

إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ، (فاتحہ) (اے عالم کے پروردگار) ہم تیرے ہی آگے سر جھکاتے

ہیں، اور تجھی سے مدد چاہتے ہیں،

سحر و طلسم و جادو اور ٹوٹکے کے متعلق ارشادِ خداوندی ہوا،

وَمَا هُمْ بِصَّارِينَ بِهِ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا بَإِذْنِ اللَّهِ
وَيَعْلَمُونَ مَا يُصْرُهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ
وَلَقَدْ عَلِمُوا لَمَنِ اشْتَرَاهُ مَا لَهُ فِي
الْآخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ط

یہ جادو اور ٹوٹکے کرنے والے کسی کو کچھ نقصان نہیں
پہنچا سکتے، لیکن خدا کے حکم سے، اور یہ یہود وہ جادو
ٹوٹکے، سیکھتے ہیں جو ان کو نقصان رسان ہیں، نقصان
نہیں، اور یقیناً ان کو علم ہے کہ جو ان کو حاصل کرتا ہے

اُس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں،

(البقرہ - ۱۲)

یہ بھی اعلان کر دیا گیا کہ سحر و جادو کی حقیقت و تمغہ خیل سے زیادہ نہیں فرمایا،

يُخْلِلُ اِلَيْهِمْ مِنْ سِجْنِهِمْ اَنَّهُمْ اَسْتَعَا (طہ-۳)
 مصری جادو گردن کے جادو سے اس کو خیال آتا تھا کہ وہ دوزخ میں
 بلکہ بعض صحابہ نے ان کا جادو گردن کے قلع قمع کے لیے ان کے قتل تک کا حکم دیدیا، تاکہ انسانوں پر ان کا
 جو خوف دہرا س بیٹھا ہوا ہے وہ دور ہو، اور ان کے اس عاجزانہ قتل ہونے سے یہ ثابت ہو کہ ان میں کوئی غیر معمولی
 طاقت نہیں، وہ بالکل بے بس ہیں،

ابوداؤد میں ہے کہ ایک صحابی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی کہ یا رسول اللہ! ہم جاہلیت میں
 جھاڑ پھونک کیا کرتے تھے، اب آپ کیا فرماتے ہیں؟ ارشاد فرمایا، کہ تم اپنے جھاڑ پھونک ہمارے سامنے پیش کرو، اگر
 ان میں شرک کی کوئی بات نہیں تو کچھ مضائقہ نہیں، ایک اور صحابی نے ایک بیمار یا پگل کو سورہ فاتحہ پڑھ کر خیر دینے
 پر نکلنا دیا، اُس نے ان کو انعام دیا، انھوں نے اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے واقعہ عرض کیا، تو فرمایا کہ میری عمر
 کی قسم ہر جھاڑ پھونک بھل ہے لیکن تنے سے جھاڑ کی روزی کھائی، ایک اور صحابی روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا،
 ان الدفوف المتماثلہ والتولہہ شرک، بیشک جھاڑ پھونک، گنڈے اور میان یوی کے
 (ابوداؤد وابن ماجہ) چھڑانے کے تو یہ شرک ہیں،

انہیں صحابی کے گھر میں ایک بڑھیا آیا کرتی تھی، گھر والوں نے اس سے کسی بیماری کا کوئی ٹوٹا کرایا،
 ایک دھاگہ پڑھ کر اُس نے باندھ دیا تھا، وہ گھر آئے تو اس دھاگے پر اون کی نظر پڑی، انھوں
 نے بات بڑھا کر اس کو توڑ کر چھینک دیا، اور فرمایا کہ عبد اللہ کا خاندان شرک کی باتوں سے مستغنی ہے،
 میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے سنا ہے کہ جھاڑ پھونک، گنڈے، اور میان یوی کے چھڑانے کے تو یہ شرک ہیں،
 ان کی یوی نے کہا کیا وجہ ہے کہ ایک دفعہ میری آنکھوں میں کچھ پڑ گیا، جب میں جھاڑتی تھی تو پانی رک جاتا تھا،
 اور جب چھوڑ دیتی تھی، تو پانی بھرتا تھا، انھوں نے جواب دیا یہ شیطانی بات ہے، تم نے کیوں وہ نہ کیا جو رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم کرتے تھے، آنکھوں میں پانی ڈالیں اور یہ دعا پڑھتیں، اُسے لوگوں کے پروردگار، اس بیماری کو دور کرنا وہی

۱۔ جامع ترمذی باب ما جاز فی حدیث السحر و ابوداؤد و باب اخذ الخبز من الجوس،

شفا دینے والا ہے، تیری شفا بخشی کے سوا کوئی شفا نہیں، ایسی شفا دے کہ پھر کوئی بیماری نہ رہے۔

۱۰۔ وہ تمام اوہام و خرافات جن سے شرک پرست اہل عرب لرزہ برانداز رہتے تھے، اور جنکو وہ بالذات مؤثر اور متصرف سمجھتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا کلمہ توڑ دیا، اور اعلان فرمایا کہ ان کی کوئی اصل نہیں، فرمایا،

لا عددی، ولا طیرۃ ولا صفر ولا نہ چھوٹ ہے، نہ بدخالی ہے، نہ سپت میں جھوک کا سہارا

ہامۃ (ابو داؤد و ابن ماجہ) نمرود کی کھوپڑی سے پرندہ نکلتا ہے،

ایک اور صحابی کی روایت ہے کہ آپ نے فرمایا،

العیاذۃ بالطیرۃ والطرق من الحبۃ، پرندوں کی بولی سے فال لینا، ان کے اڑنے سے فال لینا اور

کنکری پھینک کر یا خط کھینچ کر فال بتانا شیطان کا کام ہے (ابو داؤد و ابن ماجہ)

ایک اور صحابی آپ کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ "فال نکالنا شرک ہے" پھر ان صحابی نے کہا کہ ہم صحابہ میں کوئی نہیں جو اس کو برا نہ سمجھتا ہو، بلکہ خدا پر بھروسہ رکھنا چاہئے، یہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "پنچتر دنوں کے پہلے" یعنی پانی کی بارش میں اس کو بالذات کوئی دخل نہیں، اسی طرح غول بیابانی کے متعلق عربوں کے جو معتقد تھے ان کو آپ نے ایک نقطہ سے باطل کر دیا، فرمایا،

لا غول (ابن داؤد باب فی الطیرۃ) غول بیابانی کچھ نہیں،

اسی طرح بحیرہ اور سائبہ وغیرہ جانوروں کے متعلق ان کے خیالات فاسدہ کا قرآن نے ابطال کیا، ہر

انعام میں ان کے ان شرکانہ عقائد اور اعمال کی تبصریح تردید لگائی، اور سورہ مائدہ میں فرمایا گیا،

نَاَجْعَلِ اللّٰهُ مِنْ بَیْنِکُمْ وَبَیْنِکُمْ بَیِّنًا وَلَا تَدْعُوْا سَابِئَہٗ وَلَا

خدا نے بحیرہ اور سائبہ اور وسیلہ اور حام نہیں

وَصِیْلَہٗ وَلَا حَاوِیَہٗ (مائدہ ۱۱۳) ٹھہرایا،

بحیرہ، اس بچہ کو کہتے تھے جبکا کان پھاڑ کر بتوں کی نذر کرتے تھے،

یہ تمام روایتیں ابو داؤد جلد دوم باب التہائم باب ماجاء فی الرقی اور ابن ماجہ باب تعلیق التہائم میں ہیں سہ ابو داؤد ابن ماجہ ذکر فال سہ ابو داؤد باب الطیر

اوہام و خرافات کا ابطال

سانپ، اُس جانور کو کہتے تھے جو تون کے نام پر چھوڑ دیے جاتے تھے،
 و صیلہ بعض لوگ نذر مانتے تھے کہ اگر بچہ نہ ہو تو اس کو بت پر چڑھائیں گے اور اگر مادہ ہوئی تو ہم رکھیں گے
 پھر اگر زومادہ ملے ہوتے تو مادہ کے ساتھ زبھی رکھ لیتے تھے یہ و صیلہ تھا،
 حامی، وہ اونٹ جس کے دس بچے بوجھ اٹھانے اور سواری کے لائق ہو چکے تو دیوتا کے نام پر زنا
 کر دیا جاتا،

یہ اور اسی قسم کے دوسرے ادہام جو عرب میں پھیلے ہوئے تھے، آنحضرت صلم نے اُن کا استیصال فرمایا
 یہ ادہام پرستی حقیقت میں، تو مون کی تباہی کا ایک بڑا سبب ہوتی ہے۔ یہ ادہام حقیقت کے خلاف ہونے
 کے علاوہ بہت سے کاموں میں خلل انداز ہوتے ہیں اور غور سے دیکھو تو ان کا سلسلہ بالآخر کسی نہ کسی شریک
 منجر ہوتا ہے، اور انسان کو صحیح طریق عمل سے روک دیتے ہیں، مثلاً بیماری میں طب کے قاعدہ کے موافق علاج
 کیا جائے تو مفید ہوگا لیکن بہت سے لوگ دہم پرستی کے بنا پر ٹونے ٹونے کو دافع مرض سمجھتے ہیں، اس قسم کے
 ادہام جو عرب میں نہایت کثرت سے پھیلے ہوئے تھے، آنحضرت صلم نے ان تمام ادہام کو تصریح اور تعین کے ساتھ
 باطل قرار دیا، مثلاً

۱۔ عرب کا خیال تھا کہ جب کوئی بڑا شخص مرجاتا ہے تو چاند یا سورج میں گرہن لگتا ہے، حضرت ابراہیم
 آپ کے صاحبزادہ نے جب انتقال کیا تو سورج میں گرہن لگا ہوا تھا، لوگوں نے خیال کیا کہ انہی کے مرنے
 کا اثر ہے، آنحضرت صلم نے سنا تو مسجد میں جا کر خطبہ دیا کہ چاند و سورج خدا کی قدرت کے مظاہر ہیں کسی کے مرنے
 سے ان میں گرہن نہیں لگتا،

۲۔ یہ خیال تھا کہ سانپ اگر مارا جائے تو اس کا جوترا آتا ہے اور انسان کو ہلاک کرتا ہے،

۳۔ ایک دفعہ آپ مسجد میں تشریف رکھتے تھے، ایک ستارہ ٹوٹا، آپ نے دریافت فرمایا کہ جاہلیت میں

۱۔ صحیح بخاری باب ملة الکوف،

تم لوگ اسکی نسبت کیا اعتقاد رکھتے تھے، لوگوں نے عرض کی کہ ہمارا یہ اعتقاد تھا کہ جب کوئی بڑا شخص مر جاتا ہے یا کوئی بڑا شخص پیدا ہوتا ہے تو ستارے ٹوٹتے ہیں آپ نے فرمایا کہ کسی کے مرنے یا پیدا ہونے سے ستارے نہیں ٹوٹتے۔
۴۔ شیر خوار بچوں کے سرھانے استرا رکھ دیا کرتے تھے کہ جن ان کو نہ سنانے پائیں، ایک دفعہ حضرت عائشہؓ نے دیکھا تو اٹھا کر پھینک دیا اور کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان باتوں کو ناپسند کرتے تھے۔

۵۔ نظریہ سے بچنے کے لیے اونٹوں کے گلے میں قلابہ لگاتے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ کسی اونٹ کے گلے میں قلابہ نہ رہنے پائے۔

الغرض توحیدِ کامل کی تعلیم نے عربوں کے تمام مشرکانہ اوہام و خرافات کو ہمیشہ کے لیے مٹا دیا، اسلام کی اس اصلاحی اہمیت کا اندازہ عیسائیت کی ان مقدس روایات و حکایات سے کر دو جنہوں نے صدیوں تک دنیا کو دیوون، بھوتوں، اور چڑیلوں کے تسلط اور عذاب کے شکنجہ میں مبتلا رکھا، اور ان کو نکالنا اور بھگانا عیسائیت کا کمال اور اعجاز سمجھا جاتا رہا،

۱۱۔ شرک کے اسباب میں سے ایک بڑا سبب کفارہ اور شفاعت کے وہ غلط معنی تھے، جو عربوں اور عیسائیوں وغیرہ میں رائج تھے، عربوں نے شفاعت کے جو غلط معنی سمجھ رکھے تھے، اُس کا اصلی سبب ان کا وہ تخیل تھا جو خدا اور بندوں کے تعلق کی نسبت ان کے ذہن میں قائم تھا وہ خدا اور بندوں کے درمیان وہی نسبت سمجھتے تھے جو ایک قاهر و جابر بادشاہ اور اسکی رعایا کے درمیان ہے، اور جس طرح بادشاہ کے دربار تک ایک عام اور معمولی رعایا کی رسائی دربار رس سفارشیوں اور مقربوں کے بغیر ممکن نہیں، اسی طرح اُس شہنشاہ کے دربار میں بھی وہ اُس کے دربار رس سفارشیوں اور مقربوں کے بغیر رسائی ممکن نہیں سمجھتے تھے، اسی لیے وہ ان درمیانی ہستیوں کے بھی خوش رکھنے کی ضرورت کے متفق تھے، چنانچہ وہ اپنے بتوں، دیوتاؤں اور فرشتوں کو اسی نسبت سے پوجتے تھے اور کہتے تھے،

کفارہ اور شفاعت کے غلط معنی کی تردید

هٰكُنَّا شُفَعَاؤُ نَاعِبِدَ اللّٰهَ مَا (یونس-۱) یہ اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں،

آنحضرت صلی علیہ وسلم نے جب اُن کی اس بت پرستی پر ان کو ملامت کی تو انھوں نے صاف کہا،

مَا لَعْبَدُ هٰذَا لَا يَنْقُصُ بَنِي نَا اِلٰی اللّٰهِ زُلْفٰی، ہم اُن کو اسی لئے پوجتے ہیں کہ وہ ہم کو اللہ کے تقرب میں

(زمر-۱) نزدیک کر دیں،

یہودیوں میں بھی اسی قسم کی دوسری غلط فہمی تھی وہ یہ سمجھتے تھے کہ بنی اسرائیل کا گھرانہ خدا کا خاص گنبد اور

خاندان ہے اور ان کے خاندان کے پیغمبر اور نبی چونکہ خدا کے پیارے اور محبوب ہیں اس لئے انکی اولاد اور

نسل بھی دنیا اور آخرت میں ہی درجہ رکھتی ہے، اگر ان پر کوئی مصیبت بھی پڑے گی تو اُن کے خاندان کے بزرگ

جو خدا کے مقرب اور برگزیدہ ہیں، وہ ہر طرح اُن کو اُس سے بچالین گے، اُن کا دعویٰ تھا کہ

نَحْنُ اَنْبِیَآءُ اللّٰهِ وَارْحَمَآءُ (مائدا-۳۰) ہم خدا کی اولاد اور اُس کے پیارے ہیں،

قرآن نے کہا،

بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّثْلُ خَلْقٍ یَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ بلکہ تم بھی خدا کی مخلوقات میں سے ایک مخلوق ہو، یہ اُسی

وَعِذْبٌ مِّنْ یَّشَآءُ (مائدا-۳۰) کو اختیار ہو کہ جسکو چاہے بخشے اور جسکو چاہے سزا دے،

اور اسی بنا پر اُن کا دعویٰ تھا،

لَنْ تَسْمِنَا النَّارُ اَلَا اَیَّامًا مَّعْدُودَاتٍ ہم کو دوزخ صرف چند گنتی کے دن چھو کر

(ال عمران-۳۰) چھوڑ دے گی،

قرآن نے کہا

وَعَرَّضْنَاهُمْ لِذٰلِکَ لَعَلَّہُمْ یَرْجِعُوْنَ اور یہ جھوٹ اپنے دل سے بنا کر جو عقیدہ گھڑ چکے ہیں وہ

(ال عمران-۳۰) اُن کے مذہب میں اُن کو دھوکا دیر ہا ہے،

عیسائیوں کا عقیدہ یہ تھا اور ہے کہ باپ (خدا) نے تمام انسانوں کی طرف سے جو موروثی اور ملحق

طور سے گنہگار ہیں، اپنے اکلوتے بیٹے (حضرت عیسیٰ) کو قربانی دیکر ان کے گناہوں کا کفارہ دیدیا، اور وہ گناہوں سے پاک و صاف ہو گئے، اور حضرت عیسیٰؑ اور ان کے بعد ان کے جانشین پوپوں کو گناہوں کے معاف کرنے کا اختیار دیا گیا ہے، کہ جو وہ زمین پر کھولیں گے وہ آسمان پر کھولا جائیگا، اسی لیے پوپوں کے سامنے اعترافِ گناہ کا عقیدہ عیسائیوں میں پیدا ہوا، اور ان کو بندوں کے گناہوں کے معاف کرنا دنیا میں حق ملا،

پیغامِ محمدیؐ نے ان کو ملزم قرار دیا اور کہا،

اتَّخَذُوا آخْبَارَهُمْ وَهُمْ أَبْهَاتُهُمْ أَزْبَابًا يَتَّبِعُونَ اللَّهَ، (توبہ-۵)

انہوں نے اپنے عالموں اور راہبوں کو خدا کو چھوڑ کر اپنا خدا بنا کر کھا ہے،

اور اصولی طور سے اُس نے یہ بتا دیا کہ

وَمَا يَعْزُبُ عَنِ اللَّهِ شَيْءٌ (رُوم-۷۵)

خدا کے سوا کون گناہوں کو معاف کر سکتا ہے،

ان کا عقیدہ تھا کہ بیثباتی کے دن باپ کے دامن باز و پوپ برابر بیٹھ کر خلق کا عدل و انصاف کریں گے اور ان کے پاس ایک بڑے مؤثر طرز میں اس کی تردید کی ہے، قیامت کے دن خدا حضرت عیسیٰؑ سے پوچھے گا،

أَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخَذُوا مِنِّي وَأُتِيَ الْهَيَاتِينَ اِسْمَ عِيسَى اِكِيَا تَمْنَعُ لَوْ كُنْ سَمِعَ كَمَا تَحْكُمُ وَ مِيرَى مِنْ دُونِ اللَّهِ (مائتہ ۸-۱۶)

اے عیسیٰ! کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھ کو اور میری ماں کو خدا بناؤ،

وہ کہیں گے، ہاں ہاں! میں نے تو ان سے وہی کہا جو تو نے کہا، میں نے تو ان کو یہ تعلیم دی، میں نے تو

ان سے ہی کہا کہ صرف ایک خدا کو پوجو، اب

إِنْ تَعَذُّبُهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ مَا وَانْ تَعْفُهُمْ فَكَانَتْ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (مائتہ ۸-۱۶)

اگر تو ان کو سزا دے تو یہ تیرے بندے ہیں، اور اگر تو بخش دے تو تو سب کچھ کر سکتا ہے، کہ تو غالب اور حکمت والا ہے،

اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ گناہوں کی مغفرت اور معافی یا گناہوں پر سزا اور عذاب دینا صرف خدا کے

ہاتھ میں ہے، کسی دوسرے کو اس میں کوئی دخل نہیں،

بت پرست عربوں کا عقیدہ بھی یہی تھا کہ یہ دیوتا اور ان کے یہ بت خدا کی طرف سے دونوں عالم میں عطا
کے ہیں، وہ یہاں دینے نہ دیتے گا، اور اس عالم میں بختے کا اختیار رکھیں گے اور اس عقیدہ کا نام ان کے یہاں
”شفاعت“ تھا، اور یہ دیوتا ان کے شفیع تھے، قرآن مجید نے کفارہ، غیر خدا کے اختیار مغفرت، اور بت پرستانہ طریقہ
شفاعت کے عقائد باطلہ کی ہر طرح تردید کی، اور بتایا کہ یہ اختیار خدا کے سوا کسی اور کو نہیں سب اس کی عظمت اور جلال
کے سامنے عاجز اور درماندہ ہیں،

وَلَا يَمْلِكُ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ
الشفاعة إلا من تشاء بالحق وهم يعلمون
(زخرف - ۷)

یہ کافر خدا کو چھوڑ کر جن کو پکارتے ہیں وہ شفاعت کا اختیار
نہیں رکھتے، لیکن وہ جس نے حق کی شہادت دی اور
وہ جانتے بھی ہوں،

لَا يَمْلِكُونَ الشفاعة إلا من اتَّخَذَ عِنْدَ
الرَّحْمَنِ عَهْدًا، (مریم - ۶)

یہ شفاعت کا اختیار نہیں رکھتے، لیکن جس نے رحم والے
خدا سے اقرار لے لیا،

أَتَتَّخِذُ مِنْ دُونِهِ إِلَهًا إِنْ يُرِدِ اللَّهُ
بِضُرٍّ لَكَ تُعْزِئَ عَنِّي شَفَاعَتَهُمْ شَيْئًا وَلَا
يُنْقِذُونِ، (سین - ۲)

کیا خدا سے برحق کو چھوڑ کر جھوٹے معبودوں کو خدا بناؤں
اگر چہ مجھے نقصان پہنچا چاہوں تو ان کی شفاعت مجھے
بھی فائدہ نہیں پہنچا سکتی اور نہ وہ مجھے بچا سکتے ہیں،

کفار فرشتوں کو بھی اسی غرض سے پوجتے تھے، حکم ہوا،
وَكَمْ مِنْ مَلَكٍ فِي السَّمَوَاتِ لَا تُغْنِي عَنْهُمْ
شَيْئًا إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ لِمَنْ يَشَاءُ
وَيَرْضَى، (نجم - ۳)

اور کتنے فرشتے ہیں آسمانوں میں کہ ان کی شفاعت کچھ
فائدہ نہیں پہنچاتی، لیکن اس کے بعد کہ اللہ اجازت
دے جس کے لیے چاہے اور پسند کرے،

أَمْ يَتَّخِذُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ شُفَعَاءَ قُلُوبُهُمْ
كَأَنَّهُمْ لَا يَمْلِكُونَ شَيْئًا وَلَا يَعْقِلُونَ (زمرہ - ۵)

کیا ان کافروں نے خدا کے سوا کو شفیع بنایا ہے، کہہ سکتے
اگرچہ یہ کچھ اختیار اور سبجہ بوجھ نہ رکھتے ہوں، تو بھی؟

خدا قیامت میں اُن سے کیگا،

وَمَا نَرَىٰ مَعَكُمْ شُفَعَاءَ الَّذِينَ زَعَمْتُمْ
أَنَّهُمْ فِيكُمْ شُرَكَاءَ (الغافر- ۱۱)

اور ہم دیکھتے نہیں تمہارے ساتھ تمہارے اُن شفیعین

کو جنکو تم کہتے ہو کہ وہ تمہاری ملکیت میں خدا کیساتھ شریک ہیں

وَلَيْدَرْتَقُوهُ السَّاعَةُ يَبْلِسُ الْمُجْرِمُونَ

اور جب قیامت طرے ہوگی تو شرکین ناامید ہونگے کہ جنکو وہ خدا

وَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ مِنْ شُرَكَائِهِمْ شُفَعَاءُ (روم)

کا شریک کاربتا تھے ان میں سے کوئی اُن کا شفیع نہ ہوا،

خاص یہود کو مخاطب کر کے اُن کے عقیدہ کی تردید میں کہا گیا،

يٰۤاَيُّهَا اِسْرَآءِیْلَ وَاتَّقُوا

اے فرزندان اسرائیل! اور ڈرو اُس من سے

لَوْ مَا لَا تَحْزِي نَفْسٌ عَنْ نَفْسٍ شَيْئًا وَلَا

جس میں کوئی ایک دوسرے کے ذکا م نہ لینگا، اور نہ اسکی طرف سے

يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا

کوئی شفاعت قبول کی جائیگی اور نہ کچھ اس کے بدلہ میں لیا

عَدْلٌ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ (بقرہ- ۶)

جائینگا، اور نہ کوئی ان کو مدد پہنچائی جائے گی،

پھر اسی معنی کی آیت اسی سورہ میں دوسری جگہ ہے،

يٰۤاَيُّهَا اِسْرَآءِیْلَ وَاتَّقُوا

اے فرزندان اسرائیل! اور ڈرو اُس دن سے

لَا تَحْزِي نَفْسٌ عَنْ نَفْسٍ شَيْئًا وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا

جس میں کوئی کسی کے کام ذرہ بھی نہ لینگا، اور نہ اس کی

عَدْلٌ وَلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ (بقرہ- ۱۵)

طرف سے کوئی بدلہ قبول ہوگا، اور نہ شفاعت فائدہ دیگی

اور اسی معنی میں مسلمانوں سے بھی کہا گیا کہ وہ عمل پیش کریں، شفاعت کے بھروسے میں نہ رہیں،

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا مِمَّا رَزَقْنَاكُمْ

اے مسلمانو! جو کچھ ہم نے تم کو روزی دی رکھی ہو اس میں سے

مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّآتِيَ يَوْمٌ لَا يَبِيعُ فِيْهِ وَلَا خِلَّةٌ

کچھ خرچ کر دیا کرو، اس دن کے آنے سے پہلے جس میں نہ لین

وَلَا شَفَاعَةٌ (بقرہ- ۲۵)

دین ہے نہ دوستی جو نہ شفاعت ہے،

غرض آپ کے پیغام نے ان معنوں میں شفاعت کے عقیدہ باطل کی ہر جگہ تردید کی ہے، اور اعلان کیا ہے

کہ اس شفاعت کا اختیار صرف خدا کے ہاتھ میں ہے،

أَمْ تَتَّخِذُ مِنْ دُونِ اللَّهِ سُفْعَاءَ قُلُوبِكُمْ ۚ

كَلَّا لَيْسَ لَكُم مِّنْ شَيْءٍ إِلَّا عِندَ اللَّهِ

قُلْ لِلَّهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيعًا ۚ لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ

وَالْأَرْضِ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ، (زمر - ۵)

اس آیت پاک نے کفار و مشرکین کے عقیدہ شفاعت کی قطعی طور سے تردید کی، دوسری آیت میں یہودی و نصاریٰ کے عقیدہ شفاعت کا اتنا حصہ صرف تسلیم کیا کہ خدا کے نیک بندے اپنے دوسرے بھائیوں کے حق میں شفاعت کریں گے،

وَلَا يَمْلِكُ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِهِ

الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَن شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ

يَعْلَمُونَ، (زخرف - ۷)

دوسری جگہ اسی شہادت کو اقرار لیتا کہا گیا ہے،

لَا يَمْلِكُونَ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِندَ

الرَّحْمٰنِ عَهْدًا (موم - ۶)

لیکن اس شہادت حق اور عہد الہی کے باوجود اس اختیار کے استعمال کے لیے اللہ تعالیٰ کی اجازت اور رضامندی شرط ہے،

مَّا مِّنْ شَافِعٍ إِلَّا مَن بَعْدَ إِذْنِهِ ۚ (یونس - ۱)

مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِندَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ ۚ

(بقرہ ۲۵۸)

کیا انھوں نے خدا کے سوا اوروں کو شفیع بنا رکھا ہے، کہ

اگرچہ ان کو کسی چیز کا اختیار نہ ہو اور نہ ان کو سمجھ ہو، تو بھی،

کہہ دے کہ شفاعت کا کل اختیار خدا ہی کو ہے، اُسی کا راجع

اسماؤں اور زمین میں ہے، پھر اُسی کی طرف تم لوٹے جاؤ گے

اس آیت پاک نے کفار و مشرکین کے عقیدہ شفاعت کی قطعی طور سے تردید کی، دوسری آیت میں یہودی

و نصاریٰ کے عقیدہ شفاعت کا اتنا حصہ صرف تسلیم کیا کہ خدا کے نیک بندے اپنے دوسرے بھائیوں کے

حق میں شفاعت کریں گے،

اور یہ لوگ خدا کو چھوڑ کر حنا و پکارتے ہیں، وہ شفاعت کا

اختیار نہیں رکھتے، لیکن وہ جنھوں نے حق کی گواہی

دی، اور وہ دانش رکھتے ہیں،

دوسری جگہ اسی شہادت کو اقرار لیتا کہا گیا ہے،

یہ لوگ شفاعت کا اختیار نہیں رکھتے لیکن وجود خدا کے

نزدیک (دنیا میں) اپنی عمل کے ذریعے سے اقرار لے چکا ہے،

لیکن اس شہادت حق اور عہد الہی کے باوجود اس اختیار کے استعمال کے لیے اللہ تعالیٰ کی اجازت

اور رضامندی شرط ہے،

مَّا مِّنْ شَافِعٍ إِلَّا مَن بَعْدَ إِذْنِهِ ۚ (یونس - ۱)

مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِندَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ ۚ

(بقرہ ۲۵۸)

کیا انھوں نے خدا کے سوا اوروں کو شفیع بنا رکھا ہے، کہ

اگرچہ ان کو کسی چیز کا اختیار نہ ہو اور نہ ان کو سمجھ ہو، تو بھی،

کہہ دے کہ شفاعت کا کل اختیار خدا ہی کو ہے، اُسی کا راجع

اسماؤں اور زمین میں ہے، پھر اُسی کی طرف تم لوٹے جاؤ گے

اس آیت پاک نے کفار و مشرکین کے عقیدہ شفاعت کی قطعی طور سے تردید کی، دوسری آیت میں یہودی

و نصاریٰ کے عقیدہ شفاعت کا اتنا حصہ صرف تسلیم کیا کہ خدا کے نیک بندے اپنے دوسرے بھائیوں کے

حق میں شفاعت کریں گے،

اور یہ لوگ خدا کو چھوڑ کر حنا و پکارتے ہیں، وہ شفاعت کا

اختیار نہیں رکھتے، لیکن وہ جنھوں نے حق کی گواہی

دی، اور وہ دانش رکھتے ہیں،

دوسری جگہ اسی شہادت کو اقرار لیتا کہا گیا ہے،

یہ لوگ شفاعت کا اختیار نہیں رکھتے لیکن وجود خدا کے

نزدیک (دنیا میں) اپنی عمل کے ذریعے سے اقرار لے چکا ہے،

لیکن اس شہادت حق اور عہد الہی کے باوجود اس اختیار کے استعمال کے لیے اللہ تعالیٰ کی اجازت

اور رضامندی شرط ہے،

مَّا مِّنْ شَافِعٍ إِلَّا مَن بَعْدَ إِذْنِهِ ۚ (یونس - ۱)

مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِندَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ ۚ

(بقرہ ۲۵۸)

وَكَمْ مِنْ مَلَكٍ فِي السَّمَوَاتِ لَا تُغْنِي عَنْهُمْ شَفَاعَتُهُ

اور کتنے فرشتے ہیں آسمانوں میں کہ انکی شفاعت ذرا بھی

شَيْءٌ إِلَّا مَنْ بَعْدَ أَذْنِ اللَّهِ لَعَنَ يَسَاءُ وَكَرِهِي

کام نہیں آسکتی البتہ اسکے بعد کہ خدا اجازت دے جس کو چاہے

صَوَابًا. (نبأ- ۲)

لیکن جسکو وہ رحم والا اجازت دے اور ٹھیک کے

پھر یہ شفاعت بھی اونہیں لوگوں کے حق میں ہو سکے گی جن کے حق میں اللہ تعالیٰ انبیاء اور صاحبین

کو شفاعت کی اجازت دیگا، فرمایا،

وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِندَ إِلَّا لِمَنْ أَذِنَ

اور شفاعت خدا کے نزدیک نفع نہ دیگی لیکن اس کیلئے

لَهُ. (سبا- ۳)

جس کے لیے وہ شفاعت کی اجازت دے،

يَوْمَئِذٍ لَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ إِلَّا لِمَنْ أَذِنَ

اُس دن شفاعت نفع نہ دیگی لیکن اوسکو جس کے لئے

لَهُ الرَّحْمَنُ وَرَضِيَ لَهُ قَوْلًا. (طہ- ۶)

خدا اجازت دے اور اُس کے لیے بات کرنا پسند کرے،

بکہ خود انبیاء علیہم السلام بھی سفارش انہیں کی کریں گے جبکی خود چاہیگا، فرمایا،

وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنِ ارْتَضَىٰ وَهُمْ مِنْ

اور وہ شفاعت نہیں کریں گے لیکن اُنکی جس کے لیے خدا

خَشِيَّتِهِ مُشْفِقُونَ. (انبیاء- ۲)

اپنی خوشنودی ظاہر کرے اور وہ اُس کے خوف سے رہا ہونگے،

پھر ایک جماعت ایسی بھی ہے جس کے افراد کے لیے ازل ہی سے یہ اعلان عام ہو چکا ہے کہ اُن کے

لئے مغفرت اور شفاعت کا دروازہ بند ہے، اور یہ وہ مجرم ہیں جن کے دل حق کی شہادت سے محروم رہ گئے

فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشَّافِعِينَ (مائدہ- ۲)

تو اُن کو شفاعت کرنے والوں کی شفاعت فائدہ نہ دیگی

وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ حَيٍّ وَلَا شَافِعٍ يَنْفَعُ. (سج- ۲)

اور ظالموں (شُرکوں) کا کوئی دوست (اُس) نہ ہوگا اور نہ کوئی شافع

لَهُ إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ (نقان- ۲)

بیشک شرک بڑا ظلم ہے، (صحیح بخاری ذکر لقمان جلد ۱ صفحہ ۴۸۷)

اور وہ بد نصیب گروہ جس کے حق میں رحمت کا یہ دروازہ بند رہیگا، مشرکین ہیں، جیسا کہ ذیل کی آیت سے ظاہر ہے:

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ لِمَن يَشَاءُ (نساء-۱۸)

اللہ اس گناہ کو کہ اُس کے ساتھ کوئی شریک ٹھہرایا جائے، نہیں بخشتا، اور اس سے پہلے کے گناہ جو چاہے بخشتے رہے۔

لیکن اب ایسی حالت میں جب کہ وہی شفاعت کر سکیں گے جنکو اللہ تعالیٰ اس کی اجازت دے گا، اور وہ بھی انھیں کی شفاعت کرینگے تنگی شفاعت کرنا خود خدا کو منظور ہوگا، تو حقیقت میں خود اللہ ہی اپنے دربار میں اپنا آپ شفیع ہوگا، یا صوفیانہ اصطلاح میں یوں کہو جلال الہی کی بارگاہ میں، اوسکی صفتِ کریمی و رحیمی خود شفیع بنکر کھڑی ہوگی، اسی لیے ارشاد ہوا،

وَأَنْذِرْ بِهِ الَّذِينَ يَخَافُونَ أَنْ يُجَنَّبُوا

إِلَى رَبِّهِمْ لَيْسَ لَهُمْ مِنْ دُونِهِ وَلِيٌّ وَ

لَا شَفِيعٌ لَهُمْ يَتَّقُونَ،

اور شفیع نہیں، شاید وہ پہچتے رہیں، (انعام-۵)

مَالِكُ مِنْ دُونِهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا شَفِيعٍ ط

أَفَلَا تَتَذَكَّرُونَ، (سجده-۱)

خدا کی اس صفتِ کریمی و رحیمی کے منظر اُس دنیا میں بھی وہی ہونگے، جو اس دنیا میں اوس کے منظر

بنکر آئے تھے، اور وہ انبیاء کرام ہیں کہ خدا کے رحم و کرم ہی کے سبب سے جو اوسکو اس دنیا اور اہل دنیا کیساتھ

ہے، ان انبیاء کی بعثت ہوئی، اور وہ اپنی اپنی امت پر شاہد قرار پائے، اسی طرح خدا کی اجازت کے بعد اُس

دنیا میں بھی وہی خدا کے اس رحم و کرم اور فضلِ عظمیٰ کے منظر قرار پائیں گے، نیز رحمت کے فرشتے اور امت کے نیکو

اور صالح افراد بھی جنکو رحمتِ الہی نے چنا ہو، اس منصب پر ممتاز ہو سکیں گے، خصوصاً وہ سربراہِ رحمت جو

اس دنیا میں رحمتِ للعالمین کا منظر بنکر آیا،

اجرام سماوی
کی قدرت
کا انکار

۱۲۔ بظاہر دنیا میں بہت سی باتیں آفتاب و مہتاب کی گردش، اور ان کے سبب اختلافِ موسم کے اثرات ہوتی ہیں، اس لیے ستارہ پرست قوموں میں یہ اعتقاد پیدا ہو گیا تھا کہ دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے وہ ستاروں کی گردش کے اثر سے ہوتا ہے، یہی اعتقاد عرب کے مشرکوں میں بھی پھیلا تھا، وہ سورج اور چاند کو سجدے کرتے تھے، اسلام نے ان کو اس شرک سے روکا اور کہا،

لَا تَسْجُدُوا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ (فصلت - ۵) سورج اور چاند کو سجدے نہ کیا کرو،

اسی طرح وہ زمانہ کو دنیا کے کاروبار میں حقیقی مؤثر جانتے تھے، اور یہ کہتے تھے،

وَمَا يُمْسِكُنَا إِلَّا اللَّهُ (جاثیہ - ۳) ہم کو تو زمانہ مارتا ہے،

اسی کا اثر ہے کہ ہماری شاعری کی زبان میں فلک بھر قرار اور دہرنا ہجاز کی شکایت اب تک چلی جاتی ہے، عرب کے مشرکین بھی اسے بولا کرتے تھے، انکو جب کوئی خدات توقع تکلیف پہنچتی تھی تو زمانہ کی شکایت کرتے تھے اور کہہ کر اکتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رنغ لیا اور فرمایا کہ زمانہ کو گالی نہ دیا کرو کہ زمانہ خود خدا ہے اور فرمایا کہ خدا ارشاد فرماتا ہے کہ آدم کا بیٹا مجھ کو تکلیف پہنچاتا ہے، وہ زمانہ کو برا کہتا ہے، میں ہوں میرے ہاتھ میں تمام کام ہیں، میں شب و روز کا انقلاب کرتا ہوں، یعنی جن تکلیفوں اور مصیبتوں کا خالق زمانہ کو سمجھ کر لوگ اُس کو برا کہتے ہیں، حقیقت میں اُن کا پیدا کرنے والا خدا ہی ہے، اس لیے یہ گالی حقیقت میں خدا کو دی جاتی ہے،

اسی خیال کا یہ بھی اثر تھا کہ اہل عرب بارش کو نچتر کی طرف منسوب کیا کرتے تھے، اور کہا کرتے تھے کہ فلان نچتر کے سبب ہم پر پانی برسایا گیا، حدیبیہ کے موقع پر اتفاق سے رات کو بارش ہوئی، صبح کو نماز کے بعد آپ صحابہ کی طرف مخاطب ہوئے اور فرمایا "تم جانتے ہو، تمہارے رب نے کیا کہا،" صحابہ نے عرض کی کہ خدا اور اسکا رسول زیادہ جانتا ہے، ارشاد ہوا، اُس نے فرمایا، "آج صبح کو میرے بندوں میں سے کچھ مومن ہو کر اٹھے اور

فتح الباری شرح بخاری جلد ۶ صفحہ ۴۴، و کتاب الاسماء والصفات یہی صفحہ ۱۱۵، الہ آباد صلی اللہ علیہ وسلم الفاظ الادب صلی اللہ علیہ وسلم بخاری تفسیر سورہ جاثیہ، و کتاب الرد علی الجہیم جلد ۲ صفحہ ۱۱۱۶،

کچھ کافر ہو کر جھوٹے یہ کہا کہ خدا کے فضل و رحمت سے ہم پر پانی برسنا، وہ تو خدا پر ایمان لانے والے اور ستارہ کے انکار کرنے والے ہیں، اور جھوٹے یہ کہا کہ فلان نچھتر سے پانی ہم پر برسا تو وہ خدا کے انکار کرنے والے اور ستارہ پر ایمان لانے والے ہیں۔

سورج گرہن اور چاند گرہن کو بھی لوگ عظیم الشان واقعات اور انقلابات کی علامت سمجھتے تھے، کم و بیش دنیا کی تمام قوموں میں وہ آسمانی دیوتاؤں کے غیظ و غضب کے منظر یقین کئے جاتے تھے، سہمین اتفاقی سے ایک دن سورج گرہن لگا، اور اسی دن آپ کے صاحبزادہ حضرت ابراہیم نے وفات پائی، صحابہ نے خیال کیا کہ یہ سورج گرہن لگنے کا سبب حضرت ابراہیم کی موت ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ سنا تو تمام مسلمانوں کو مسجد میں جمع ہونے کا حکم دیا، اور ایک بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا، جس میں اس خیال کی تردید کی، فرمایا کسوف و خسوف اور گرہن کو کسی کے جینے مرنے سے کوئی تعلق نہیں، یہ بھی خدا کے نشانوں میں سے ایک نشان ہے،

غیر خدا کی قسم
سے روکنا

۱۳۔ شرک کی ایک نہایت ہی باریک صورت یہ تھی کہ لوگ غیر خدا کی قسمیں کھاتے تھے، قسم کھانے کے معنی حقیقت میں شہادت کے ہیں، جسکی قسم کھائی جاتی ہے، اسکو دراصل واقعہ پر گواہ بنایا جاتا ہے، عربوں میں بت پرستی کے رواج کے باعث بتوں اور دیوتاؤں کی قسمیں کھائی جاتی تھیں، جو صریح کفر تھیں، قریش اپنے دیوتاؤں اور عزیٰ کی قسمیں کھایا کرتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا، لیکن رواج اور عادات کے باعث مسلمان ہونے کے بعد بھی بے اختیار ان کی زبان سے ان کی قسمیں نکل جاتی تھیں، آپ نے فرمایا کہ جس شخص کی زبان سے لات اور عزیٰ کی قسم نکل جائے تو وہ نوراً لا الہ الا اللہ کہہ دے، یہ گویا اس کفر کے کلمہ سے توبہ ہے، قریش میں باپ کی قسم کھانے کا بھی رواج تھا، اس سے بھی آپ نے منع فرمایا، ایک دفعہ حضرت عمرؓ کو اپنے باپ کی قسم کھاتے سنا، تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو اس سے منع کیا ہے کہ اپنے باپ کی قسم کھایا کرو، جسکو قسم کھانی ہو وہ یا تو

۱۔ صحیح بخاری باب الاستسقاء باب الذکر بعد الصلوٰۃ صحیح مسلم کتاب الایمان، ۲۔ صحیح بخاری، صلوٰۃ الکسوف، ۳۔ سنن نسائی کتاب الایمان والندور،

خدا کی قسم کھائے ورنہ چپ رہے حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ حضور کے ارشاد کا یہ اثر ہوا کہ اس وقت سے آج تک میں نے نہ تو خود اور نہ کسی کی بات دہرانے میں کبھی باپ کی قسم کھائی، مان کی قسم بھی لوگ کھایا کرتے تھے، اس سے بھی آپ نے منع فرمایا، اسی طرح کعبہ کی قسم بھی لوگ کھایا کرتے تھے، اس پر ایک یہودی نے اگر مسلمانوں کو طعنہ دیا کہ تم بھی شرک کرتے ہو، کعبہ کی قسم کھاتے ہو، آپ نے مسلمانوں کو فرمایا کہ کعبہ کی نہیں بلکہ کعبہ والے (خدا) کی قسم کھایا کرو، ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے کسی کو کعبہ کی قسم کھاتے سنا تو اس کو منع کیا اور کہا کہ غیر خدا کی قسم نہ کھائی جائے، میں نے رسول خداؐ کو یہ کہتے سنا ہے کہ جس نے غیر خدا کی قسم کھائی اس نے کفر کیا یا شرک کیا، دوسری روایت میں ہے کہ ہر وہ قسم جو غیر خدا کی کھائی جائے شرک ہے!

۱۴۔ اکثر نیک لوگوں کی نسبت یہ سمجھا جاتا ہے کہ ان کی مشیت میں خدا کی مشیت ہے، اس میں نہ صرف عقیدہ لوگ بلکہ اہل توحید بھی غلطی سے مبتلا ہو جاتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانوں کو اس دقیق غلطی سے بھی آگاہ کیا، اور بتایا کہ دنیا میں مشیت صرف خدا کی ہے، اسی کی خواہش کے مطابق وہ چل رہی ہے تمام مشیتیں اور خواہشیں اسی کی مشیت اور خواہش کے ماتحت ہیں، خدا کے ساتھ اور کسی مخلوق کی مشیت، عالم کے کاروبار میں شریک نہیں، لیکن لوگوں نے خدا کی مشیت کے ساتھ اور ان کی مشیت کو بھی شریک کر لیا تھا، توحید کامل کے مصلح نے اس خیال کی سختی سے تردید کی، اور قرآن مجید نے جا بجا اس حقیقت کو واضح کیا کہ مشیت الہی کے علاوہ کوئی اور حقیقی مشیت نہیں، تمام دیگر مشیتیں اس کی تابع اور ماتحت ہیں، عقیدہ کی یہ غلطی استدر عام تھی کہ جو لوگ عقیدہ نہیں رکھتے تھے، وہ بھی سلاطین، حکام اور بزرگوں کے ساتھ گفتگو میں یہ کہنا جن ادب سمجھتے تھے، کہ جو خدا چاہے اور جو حضور چاہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرز کلام سے منع فرمایا، یہاں تک کہ خدا کی مشیت کے ساتھ برابری سے خود اپنی مشیت کے ذکر سے بھی صحابہ کو روکا، اس قسم کا طرز کلام لوگوں کی زبانوں پر چڑھ گیا تھا، اس میں یہ تصحیح

خدا کی مشیت میں
کوئی شریک نہیں

۱۵۔ یہ تمام واقعات صحیح بخاری ص ۱۱۱، نسائی، کتاب الایمان میں مذکور ہیں، اس کے نسائی کتاب الایمان والنذور ص ۱۱۱ ج ۱ ترمذی ابواب النذور والایمان، و مستدرک حاکم صفحہ ۱۰، جلد ۱، کتاب الایمان، اس کے مستدرک حاکم بحوالہ مذکور،

فرمایا کہ خدا اور غیر کی مشیت کے درمیان عطف کا واو (اور) نہ لایا جائے، کہ اس سے برابری کا شبہ نہ نکلے، بلکہ پھر کا لفظ بولا جائے تاکہ معلوم ہو کہ خدا کی مشیت کے بعد اور دون کی مشیت کا درجہ ہے۔

نسائی مین ہے کہ ایک یہودی نے خدمت نبوی مین آکر مسلمانوں سے کہا کہ تم لوگ شرک کرتے ہو، کہتے ہو کہ جو خدا چاہے اور جو محمد چاہیں، آپ نے صحابہ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ یون کہو کہ وہ ایک سے جو چاہے پھر جواب چاہیں، یہی واقعہ ابن ماجہ مین اس طرح ہے کہ ایک صحابی نے خواب مین دیکھا تھا کہ ایک یہودی یا عیسائی اُن سے کہہ رہا ہے کہ تم مسلمان بڑے اچھے لوگ ہوتے اگر نہ رکنا کیا کرتے، تم کہا کرتے ہو کہ خدا جو چاہے اور جو محمد چاہیں، اُن صحابی نے خدمت اقدس مین آکر اپنا یہ خواب بیان کیا، آپ نے فرمایا مین اس فقرہ کی برائی جانتا تھا، یون کہو کہ جو خدا چاہے پھر جو محمد چاہیں، ابو داؤد مین یہی تعلیم اس واقعہ کی تقریب کے بغیر اس طرح مذکور ہے کہ آپ نے صحابہ سے فرمایا کہ یہ نہ کہو کہ جو خدا چاہے اور جو فلاں چاہے، بلکہ یون کہو کہ جو خدا چاہے پھر جو فلاں چاہے، لیکن امام بخاری نے اب القدر مین اور بیہقی نے کتاب الاسما مین جو روایت کی ہے اُس سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا کے ساتھ کسی اور کی مشیت کا نام بھی نہ لینا چاہیے، ایک شخص نے خدمت والا مین حاضر ہو کر سلسلہ کلام مین کہا کہ جو خدا چاہے اور جواب چاہیں ارشاد ہوا کہ تم نے خدا کا ہمسر اور مقابل ٹھہرایا، جو خدا تنہا چاہے، مَا كُنَّا لَنَدْعُوهُ

اس سلسلہ مین یہاں تک اہتمام نہ نظر تھا کہ اس سے بھی منع فرمایا کہ خدا اور رسول کی طرف ایک ضمیر پھر کر ایک فعل لایا جائے، تاکہ یہ سمجھا جائے کہ خدا اور رسول کا درجہ برابر ہے، ایک دفعہ آپ کے سامنے کسی شخص نے خطبہ کے اُتار مین یہ فقرہ کہا جس نے خدا اور رسول کی اطاعت کی اس نے ہدایت پائی، اور جس نے اُن دونوں کی نافرمانی کی یہاں تک اس نے کہا تھا کہ آپ نے اُس کو روک دیا اور فرمایا، اُٹھ جاؤ تم بڑے خطیب ہو، آپ نے آزدگی کا اُتار اس لیے فرمایا کہ اُن دونوں کو ساتھ کہنے سے سامعین پر یہ اثر پڑتا ہے کہ خدا کی اور رسول کی نافرمانی کا حکم برابر ہے۔

نسائی کتاب الايمان والنزور، ص ۱۵۷ ابن ماجہ کتاب النذور، ص ۱۵۷ ابو داؤد کتاب الادب باب لا تقولوا غیبتی، ص ۱۵۷ اب القدر امام بخاری ص ۱۵۷، مصر کتاب الاسماء والصفات امام بیہقی ص ۱۱۰، مطبوعہ المآب،

اور اس میں شرک کا شاہد ہے، اس لیے خطیب کو یوں کہنا چاہیے تھا کہ "اور جو خدا کی اور رسول کی نافرمانی کرے گا وہ..... جیسا کہ قرآن پاک میں بار بار آیا ہے اور ماثورہ خطبوں میں منقول ہے،

۱۵۔ جن باتوں میں شرک کا ذرا بھی شاہد پایا جاتا تھا، ان سے بالکل منع کر دیا لوگ اولاد کا نام آنتا، ہر شے وغیرہ کی عبادت کیساتھ رکھتے تھے، مثلاً عبد الشمس، عبد مناف، ان ناموں سے سخت منع فرمایا، اور فرمایا کہ بہترین نام عبد اللہ اور عبد الرحمن ہیں، اہل عجم اپنے سلاطین کو شاہنشاہ یعنی تمام بادشاہوں کا بادشاہ کہتے تھے، چونکہ یہیں شرک کا احتمال تھا، آنحضرتؐ نے فرمایا کہ یہ نام خدا کو سب سے زیادہ ناپسند ہے، دوسری روایت میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا اس شخص پر اللہ کا بیحد غضب ہوا جس نے اپنے کو شاہنشاہ کہا، خدا کے سوا کوئی بادشاہ نہیں، (حاکم فی المستدرک ص ۷۵ ج ۲ ص ۴۰)

غلاموں کو لوگ عبد یعنی بندہ کہتے تھے، حالانکہ انسان خدا کا بندہ ہے، آدمیوں کا نہیں، اسی طرح غلام اپنے مالک کو رب کہتے تھے، حالانکہ رب خدا ہے، اس بنا پر آنحضرتؐ صلیع نے قطعاً منع فرمادیا کہ کوئی شخص غلاموں کو عبد یعنی بندہ نہ کہنے پائے، بلکہ یوں کہے کہ "میرا بچہ یا بچی"، اور اسی طرح غلام اور باندیان اپنے آقا کو رب نہ کہیں، مالک کہیں کہ تم سب غلام ہو اور رب اللہ ہے، ہاں ایک صحابی تھے جنکی کینت ابو حکم تھی، وہ جب خدمت اقدس میں اپنی قوم کے ساتھ آئے تو آپؐ نے فرمایا کہ حکم خدا ہے اور خدا ہی حکم دینے والا ہے، تم کو لوگ ابو حکم کیوں کہتے ہیں، عرض کی کہ میرے قبیلہ میں جب کوئی نزاع ہوتی ہے تو لوگ مجھ کو حکم یعنی ثالث بناتے ہیں، اور میں جو فیصلہ کرتا ہوں اس کو سب تسلیم کر لیتے ہیں، آپؐ نے فرمایا تمہارے بچوں کے کیا نام ہیں، بولے شریح، مسلم، عبد اللہ، آپؐ نے پوچھا اب میں بڑا کون ہے، عرض کی "شریح" فرمایا تو تمہاری کینت ابو شریح ہے،

اکثر لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ کوئی برا کام کرتے ہیں تو شیطان پر لعنت بھیجتے ہیں، گویا اس نے برائی کرانی ایک دفعہ ایک صاحب آنحضرتؐ کے ساتھ گھوڑے پر سوار تھے، گھوڑے نے ٹھوکر کھائی، انھوں نے کہا، شیطان کا برا ہو، آپؐ نے فرمایا یوں نہ کہو، ورنہ شیطان غرور سے پھول جائے گا، اور کہے گا میری قوت سے یہ ہوا، خدا کا نام

۱۔ ابو داؤد کتاب الادب باب تہذیب الاسرار ۲۔ ابو داؤد کتاب الادب باب الکرم وفضل المفق ۳۔ ابو داؤد کتاب الادب باب تہذیب الاسرار

مشہدات شرک کی
مانعت

تو شیطان دب کر نکلی کے برابر ہو جائیگا۔

تصویر بنانے سے سخت منع کیا، اسکی یہی وجہ تھی، کہ قول اول لوگ کسی بزرگ اور مقدس کی تصویر گھومیں رکھتے تھے، تو محبت یا یادگار کے طور پر رکھتے تھے، لیکن رفتہ رفتہ انھی تصویروں کی پرستش ہونے لگتی تھی، چنانچہ ہندوؤں اور رومن کیتھک عیسائیوں میں اسی طرح تصویر پرستی اور اس سے بڑھ کر بت پرستی کا رواج ہوا، اس بنا پر آنحضرت صلیم نے سب سے تصویر کھینچنے سے منع فرمایا،

قبر پرستی اور یادگار پرستی سے روکنا

۱۴۔ شرک کا بڑا ذریعہ قبر پرستی اور یادگار پرستی ہے، قبروں اور یادگاروں کو لوگ عبادت گاہ بنالیتے ہیں، سالانہ مجمع کرتے ہیں، دور دور سے سفر کر کے آتے ہیں، قبروں پر مسجدیں بناتے ہیں، منتہین مانتے ہیں، اندرین چڑھاتے ہیں، آنحضرت صلیم نے ان تمام افعال سے منع کیا، وفات سے پانچ دن پہلے اپنے فرمایا کہ تم سے پہلے لوگ قبروں کو مسجد بنالیتے تھے، دیکھو میں تم کو منع کرتا ہوں کہ قبروں کو مسجد نہ بنانا، میں وفات کے وقت چہرہ سے چادر الٹ دی اور فرمایا کہ خدا یہود اور نصاریٰ پر لعنت کرے، ان لوگوں نے اپنے پیغمبروں کی قبریں مسجد بنالیں،

ریا اور عدم اخلاص بھی منوی شرک ہے

۱۵۔ یہ توحید کے متعلق وہ اصلاحات تھیں جنکا تعلق زیادہ تر اعمال اور روزمرہ کی بول چال سے تھا، لیکن حقیقی اصلاح جس سے توحید کی تکمیل ہوتی ہے، وہ قلب و روح کی توحید ہے، انسان کے تمام کاموں کا کوئی نہ کوئی نفسیاتی محرک ہوتا ہے، کوئی طلبِ شہرت کے لیے کام کرتا ہے، کوئی دنیاوی معاوضہ کے لیے کرتا ہے، کوئی نامش اور دکھاوے کے لیے کرتا ہے، کوئی غیر کی محبت یا عداوت میں کرتا ہے، ان تمام کاموں کا محرک درحقیقت غیر خدا ہے، جس نے خدا کی جگہ لی ہے، اسی لیے قرآن مجید نے کہا،

أَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَهَهُ هَوَاهُ (فرقان: ۲۴) تنے اُس کو دیکھا جس نے اپنا خدا اپنی نفسانی خواہش کو بنالیا؟

اسی لئے بڑا بت وہی ہے جس کو انسان نے خود اپنے دل کے تہانے میں چھپا رکھا ہے، اس بت کو توڑنا توحید کی اصلی تکمیل ہے، آپ نے بتایا کہ انسان کے تمام کاموں کا دار مدار و محور خود اُس کے دل کے عمل پر ہے،

سہ ابوداؤد کتاب الادب باب لا یقول خبیث نفسی، ص ۱۵۷ مسکن کتاب المساجد،

اَلْاِخْلَاقُ بِالْاِثْنَاتِ، اس لیے ایک مسلمان کے ہر قسم کے کاموں کا اصلی محرک صرف خدا کا حکم، خدا کا خوف، خدا کی اطاعت، خدا کی خوشنودی، خدا کی محبت، غرض صرف خدا ہونا چاہیے، جس درجہ تک ایک مومن کی اس قلبی کیفیت میں ترقی ہوگی اُس کے ایمان و توحید کی تکمیل بھی پایہ کمال کو پہنچتی جاوے گی، اسی بنا پر وحی محمدیؐ نے ہر جگہ اور ہر موقع پر انسان کو اُس کے عمل کی غرض غایت مَرْضَاتِ اللہ، اللہ کی خوشنودی، مَخْصَصِینَ لَہُ الذِّیْنَ خاص خدا کے لیے اور وَجْہُ تَرْبَاتِہٖ اَلْاَعْمَالُ ذاتِ خدا قرار دینے کی تعلیم دی ہو، اس بنا پر انسان جو کام خدا کے علاوہ کسی اور غرض و نیت سے کرے، درحقیقت اُس کام کے لیے اُس نے ایک موقت خدا الگ بنالیا اور وہ گویا وقت بظنی اور قانونی نہیں لیکن معنوی یعنی شرک کے ارتکاب کا یقیناً مجرم ہے، اپنے فرمایا جس نے خدا کے لیے دیا، اور خدا ہی کے لیے رکھا، خدا کے لیے چاہا، اور خدا ہی کے لیے عداوت کی اور خدا ہی کے لیے بیاہ کیا اُس نے اپنے ایمان کو کامل کر لیا،

متحد صحابیوں سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ ”یا چھپا ہوا شرک ہے“ حضرت ابو سعید خدریؓ کہتے ہیں کہ ”آخر حضرت صلعمؐ نے فرمایا کہ چھپا ہوا شرک یہ ہے کہ انسان کوئی کام دوسرے کی موجودگی کے سبب کرے“ حضرت شدا بن اوسؓ روایت کرتے ہیں کہ اپنے فرمایا کہ جس نے دکھاوے کی ناز پڑھی اُس نے شرک کیا، جس نے دکھاوے کا روزہ رکھا، اُس نے شرک کیا، جس نے دکھاوے کی خیرات کی اُس نے شرک کیا، یہی صحابی کہتے ہیں کہ ایک دفعہ صحابہ کے مجمع میں آپؐ فرما رہے تھے کہ مجھے اپنی اُمت کے لوگوں پر سب سے زیادہ جس کا خوف ہے، وہ شرک کا ہے، ہاں میرا یہ مطلب نہیں کہ وہ چاند یا سورج کو سجدہ کرینگے، یا بتوں کو پوجینگے، بلکہ یہ ہے کہ وہ غیر خدا کے لیے عمل نہ کرنے لگیں، اور چھپی نفسانی خواہش میں نہ مبتلا ہوں“ حضرت محمود بن ہشامؓ لے مستدرک حاکم ترمذی آخر کتاب الزہد ترمذی کے دونوں میں اس حدیث کے متعلق دو تفسیریں درج ہیں ایک میں منکر لکھا ہوا اور دوسرے میں حسن اور ایک لوی الطبع کی نسبت لوگوں نے کلام کیا جو کہ حدیث کا نفس مضمون تمام اسلامی روایات اور احکام کے عین مطابق ہے، حضرت ابو سعید خدریؓ، معاذ بن جبلؓ، ابو ہریرہؓ، شداد بن اوسؓ، محمود بن ہشامؓ، ابو سعید بن ابی فضالہؓ ان صحابیوں کی روایتیں ابن حبشؓ ابن ماجہؓ مستدرک، وغیرہ میں ہیں ۳۵ مستدرک حاکم کتاب الرقاق صفحہ ۲۲۶ جلد ۴ ص ۲۵۲ بحوالہ سابق مستدرک ابن حبش ہند شدا بن اوس صفحہ ۱۲۶ جلد ۴ سنن ابن ماجہ باب الریاء وسموہ،

انصاری آپ کا قول نقل کرتے ہیں کہ آپ نے صحابہ سے فرمایا کہ مجھ کو سب سے زیادہ حکمت پر خوف ہے، وہ شرک، صغریٰ
 صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! شرک صغریٰ کیا ہے؟ فرمایا: قیامت کے دن جب لوگوں کو اپنے اپنے
 عمل کا بدلہ مل رہا ہوگا، خدا ریاکار لوگوں سے کہیگا کہ تمہارے لیے ہمارے ہاں کچھ نہیں، تم انہیں کے پاس جاؤ جگہ
 دکھانے کو دنیا میں یہ کام کیا کرتے تھے، حضرت ابو سعید خدریؓ کہتے ہیں کہ ایک موقع پر ہم لوگ دجال کے متعلق
 آپس میں باتیں کر رہے تھے کہ اسی اثنا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے اور فرمایا کہ دجال سے بڑھ کر جو خوفناک
 چیز میرے نزدیک ہو میں تم کو اس سے آگاہ نہ کروں؟ ہم سب نے عرض کی ہاں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! فرمایا وہ شرک خفی
 ہے یعنی یہ کہ (مثلاً) کوئی شخص نماز پڑھ رہا ہے، تو وہ نماز کو محض اس لیے درست کر کے پڑھے کہ کوئی دوسرا شخص اسکو
 دیکھ رہا ہے، ابو سعید بن ابی فضالہ انصاری بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت میں جب خدا
 اگلوں اور پھلوں کو یکساں کرے گا، تو ایک منادی آکر پکارے گا کہ جس نے اپنے کسی عمل میں خدا کے ساتھ کسی غیر کو بھی شریک
 بنالیا ہو تو وہ اپنا ثواب اسی غیر سے مانگے، کہ خدا سب سے بے نیاز ہے، ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ آپ نے ارشاد کیا کہ خدا
 فرماتا ہے کہ میں تمام شریکوں میں سب سے زیادہ شرک سے بے نیاز ہوں، تو جس نے اپنے کسی کام میں میرے ساتھ
 کسی اور کو شریک کر لیا تو میں اس سے الگ ہوں، اور وہ اسی کا ہے جسکو اس نے میرا شریک بنایا۔

ان تعلیمات کا یہ اثر تھا کہ صحابہ اپنے ہر عمل میں اس شرک خفی سے ڈرتے تھے، شاذ بن اوس کہتے ہیں کہ ہم
 لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ حیات میں ریا کو شرک صغریٰ گنا کرتے تھے، ایک دفعہ حضرت عمر فاروقؓ جا رہے تھے تو
 کہ حضرت معاذ بن جبلؓ صحابی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے پاس بیٹھے رو رہے ہیں، حضرت عمرؓ نے رونے کا سبب
 دریافت کیا، تو انھوں نے قبر مبارک کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ اس قبر میں دفن ہستی نے کہا تھا کہ ریا کا ادنیٰ

۱۵ ابن خلیل سنن مجاہد بن لبید انصاری صفحہ ۲۸ جلد ۵ والی وادود و مسند ابن خلیل ۱۵ سنن ابن ماجہ باب الریاء وسموۃ سنن ابن

ماہر باب الریاء و ترمذی و مسند ابن خلیل ۱۵ ابن ماجہ باب الریاء،

۱۵ مسند رک حاکم کتاب الرقاق جلد ۴ صفحہ ۳۲۹ (صحیح)

شائبہ بھی شرک ہے، اسی طرح ایک نفع عبادہ تابعی نے دیکھا کہ حضرت شداد بن اوس صحابی اپنی جانناز پر بیٹھے زار
قطار رو رہے ہیں، رونے کا سبب دریافت کیا، تو انھوں نے بیان کیا کہ ایک بن مین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے
چہرہ اقدس پر غم و ملال کے آثار دیکھے، عرض کی میرے ماں باپ حضور پر فدا ہوں، اس حزن و ملال کا سبب
کیا ہے، ارشاد ہوا کہ "میں اپنے بعد اپنی امت پر ایک چیز سے ڈرتا ہوں" عرض کی "یا رسول اللہ! وہ کیا ہے؟" فرمایا
"شرک اذہم؟" نفی میں "خویش" بن نے دوبارہ گزارش کی یا رسول اللہ! کیا آپ کی امت آپ کے بعد شرک میں
بتلا ہوگی؟ فرمایا، "اے شداد! میری امت یقیناً سوچ یا چاندی بات اوپر کی پیش نہیں کرے گی لیکن وہ اپنے عمل
کی ناپیش اور ریا کرگی" عرض کی "یا رسول اللہ! کیا ریا شرک ہے؟" فرمایا "ہاں"

ان واقعات اور تعلیمات کو پڑھ کر ہر شخص اندازہ لگا سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کس طرح ہر پہلو سے شرک
کی تردید اور توحید کی تکمیل فرمائی ہے، وہی عرب جو پہلے خدا کے سوا ہر چیز کی پرستش کرتے تھے انھوں نے آپ کی
تعلیم کے اثر سے خدا پرستی اور توحید کی انتہائی معراج حاصل کر لی،



۱۔ مستدرک حاکم حوالہ مذکور صفحہ ۳۲۸ (صحیح) ۲۔ مستدرک بحوالہ مذکور سابق حکم نے اس حدیث کو صحیح الاسناد لکھا ہے، اگرچہ ہم نے تصریح
کی ہے کہ اس کا ایک راوی عبد الواحد بن زید متروک ہے، تاہم چونکہ حدیث کا نفس مضمون سند ابن جنبل (جلد ۴ صفحہ ۱۲۶) اور ابن
ابن ماجہ (باب الریاء) میں ایسے مسالون سے مذکور ہے، جن میں عبد الواحد نہیں پڑتا، اس لیے ہم نے اس حدیث کو یہاں
درج کیا،

حیث

اور

اسکی بانی اصول اگان

یہ تو توحید کے سببی اجزائے تھے، یعنی توحید کے مخالف عقائد اور خیالات کی نفی اور تردید، لیکن نبوت محمدی کا کارنامہ اس سے اہم اور بالاتر ہے، اور وہ توحید کی اصل بنیاد کی استواری، اس کے اصول کی تیسین امور ایمان کی تفصیل، اور اس کے اجزاء کی تکمیل ہے، عرب میں شرک بہت پرستی بھی تھی، اور کہیں کہیں آسمانی مذاہب کی حروف صورتیں بھی موجود تھیں، مگر ایک صحیح مذہب کا نخل ان کے سامنے مطلق نہ تھا، اس بنا پر عقائد اور ایمان کی کوئی صحیح اور مرتب صورت بھی ان کے ذہن میں نہیں ہو سکتی تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے تمام پچھلے مضر خرافات، اور اہم کو جنکو دین کا درجہ دیا گیا تھا، یکھٹ کر دیا، بت پرستی، جن پرستی، فرشتہ پرستی، ستارہ پرستی، فطرت پرستی، انسان پرستی، غرض شرک کی تمام صورتیں قطعاً مٹا دیں، اور ان کی جگہ مرتب متیقن، بنیاد حقائق اور سچائیوں سے معمور چند عقائد کی تعلیم دی، جو انسان کے تمام اعمال اور اخلاق کے لیے بنیادی پتھر بنیں،

اللہ تعالیٰ کی سستی پر لیں | اس سلسلہ میں سب سے پہلی چیز خدا کی ہستی کا یقین، اور پھر اس کی توحید پر ایمان ہے، دنیا میں جتنے پیغمبر آئے ان میں سے ہر ایک نے اس قاعدہ مطلق کی طرف لوگوں کو دعوت دی، مگر یہ دعوت ان کے ایک مسلم دعویٰ کی حیثیت سے تھی، انھوں نے اس دعویٰ کو دلائل کا محتاج نہ سمجھا، اور حقیقت میں جن محدود زمانوں میں تو ان کے لیے ان کی بعثت ہوئی، ان کے لیے دلیل اور برہان کی ضرورت بھی نہ تھی، کیونکہ ان کے زمانوں میں بت پرستی ستارہ پرستی اور فطرت پرستی کا رواج تھا، الحاد کا دھبہ نہ تھا، لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت عمومی تھی

جو آخری زمانہ تک کے لیے اور تمام قوموں کے لئے تھی، اور عظیم الہی مین یہ تھا کہ بعثت محمدی کے بعد عقل انسانی تحقیق و تلاش کے آخری مراحل طے کرنا چاہے گی، اور قدرت کے سرسبز خزانے وقف عام ہونگے، اور عقلیت کا دور دورہ ہوگا، اور ہر شے دلیل ثبوت کی محتاج قرار پائے گی، اس لیے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دلائل برہین ثبوت اور شواہد کی بھی تلقین کی گئی،

ایک اور سبب یہ ہے کہ انبیاء سابقین صرف اپنی قوموں کی دعوت پر مامور ہوئے تھے جن میں مشرکین کا وجود تھا، محمدین کا نہ تھا، لیکن خاتم الانبیاء صلعم کی بعثت تمام قوموں اور طبقوں کے لیے ہوئی، اس لیے آپ کی دعوت مین یہ صاف نظر آتا ہے کہ آپ انسانی عقل کی ہر صفت کو مخاطب کر رہے ہیں، اور ان کے معیار اور سطح کے مطابق اُس قادرِ مطلق کی ہستی اور وجود پر دلیلین بھی پیش کر رہے ہیں، اس لیے آپ نے دوسرے پیغمبرین کی طرح صرف مشرکوں کو مخاطب نہیں فرمایا، بلکہ مشرکوں، کافروں، مجذوون، مشنگلوں، دہریوں، ہر ایک کو مخاطب فرمایا، اور اُن مین سے ہر ایک کی تسکین و تسفی کا سامان بہم پہنچایا،

ایک قادرِ مطلق، خالقِ عالم اور صانعِ کائنات کی ہستی کے ثبوت، اور انکار پر حجتِ فلسفہ کا وجود ہے، ہمیشہ بخشن پیدا ہوتی رہی ہیں، اور دلیلین پیش کی جاتی رہی ہیں، مصر، یونان، ہندوستان، اسلامی ممالک اور آج یورپ مین بھی اس مسئلہ پر عقلائے زمانہ نے اپنی جودتِ ذہن، ہکمتِ رسی اور دقیقہ فہمی کا بہترین ثبوت پیش کیا ہے، مگر غور سے دیکھو تو معلوم ہوگا کہ دلائل کی زبان اور طرزِ تعبیر مین گو تبدیلی ہوتی رہی ہے، مگر اصل مغزِ سخن صرف ایک ہے، اس بنا پر وحی محمدی نے اللہ تعالیٰ کی ہستی اور وجود پر جو دلیل قائم کی اُس مین اسی ایک مغزِ سخن کو لیا ہے، اور نہایت مؤثر طرزِ ادب مین اس کو بار بار دہرایا ہے، اور انسانوں کو متنبہ کیا ہے،

وحی محمدی کا سب سے پہلا دعویٰ یہ ہے کہ اس ایک قادرِ مطلق، خالقِ عالم اور صانعِ کائنات کی ہستی کا آثار انسان کی فطرت مین داخل ہے، متمدن سے متمدن اور وحشی سے وحشی قوم مین بھی، اس اعتراف کا سراغ ملتا ہے، آثارِ قدیمہ کی تحقیقات نے سینکڑوں مردہ اور گناہ قوموں کی تاریخ کا سراغ لگایا، جن مین سامانِ تمدن، اعلیٰ خیالات

اور علوم کی لاکھ کی محسوس ہوتی ہے، مگر مذہبی عقیدت اور کسی خدا کے اعتراف کی کمی ان میں نظر نہیں آتی، ان کی عمارتوں کے منہدم کھنڈروں میں، جو چیز سب سے پہلے مٹی ہے، وہ کسی معبد کی چہار دیواری ہوتی ہے، کج بھی دنیا کے مختلف گوشوں میں، جو بالکل وحشی قومیں مٹی ہیں، وہ بھی کسی نہ کسی شکل میں، عالم کے خالق اور کائنات کے صانع کے تخیل سے بہرہ ور ہیں، غرض جماعت انسانی کا کوئی حصہ، زمین کا کوئی گوشہ، زمانہ کا کوئی عہد اس تخیل سے خالی نہیں ملتا، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ اعتراف بھی انسان کے فطری تصورات اور وجدانی جذبات میں داخل ہے، اسی لیے وحی محمدی نے اس کو فطرت سے تعبیر کیا ہے،

نَاقِمٌ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا فِطْرَتَ اللَّهِ
الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ
اللَّهِ ذَلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ
لَا يَعْلَمُونَ (روم - ۴)

اپنا منہ سب طرقت سے پھیر کر دین کی طرف کر یہ خدا کی
وہ فطرت ہے، جس پر خدا نے لوگوں کو پیدا کیا خدا کی خلقت
میں تبدیلی نہیں، یہی سیدھا اور ٹھیک دین ہے،
لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں،

آنحضرت صلعم نے فرمایا،

كُلُّ مَوْلُودٍ يُولَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ
ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے،

اسی لیے خدا کا اعتراف روزِ ازل کا وہ عہد و پیمان ہے جو خالق و مخلوق میں ہوا تھا، اور یہ اسی عہد و پیمان کا احساس ہے، جو انسان کی رگ و پے میں سراپت کئے ہوئے ہے، کہ ہزار انکار کے بعد بھی کسی نہ کسی رنگ میں وہ اعتراف نمایاں ہو جاتا ہے، قرآن پاک نے اس واقعہ کی تصویر ان الفاظ میں کھینچی ہے،

وَإِذَا أَخَذَ رَبُّكَ مِن بَنِي آدَمَ مِمَّا ظَلَمُوا مِنْهُمْ
ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَى أَنْفُسِهِمْ
أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلَى شَهِدْنَا (اعراف ۲۶)

اور جبکہ تیرے خدا نے بنی آدم کی بیٹھ سے انکی نسل کو لیا، اور خود
انکو ان ہی پر گواہ کیا، کہ کیا میں تمہارا خدا نہیں، انہوں نے
کہا، ہاں ہم گواہ ہیں،

لے صحیح بخاری کتاب الایمان،

انسان کا یہ جذبہ فطرت کبھی کبھی خارجی اثرات سے دب جاتا ہے، وحی محمدیؐ نے بار بار انسان کے اسی دبے ہوئے جذبہ کو ابھارا ہے، اور اسی زیر خاکستر آگ کو ہوا دی ہے، اور انسان کو اس کا بھولا ہوا وعدہ یاد دلایا ہے، وہ انسانوں سے پوچھتی ہے،

اَفِی اللّٰهِ شَکٌّ فَاطِلٌ لِّلْمَہْمُوتِ وَکَلَّا لِرَاضِیِّہِمْ
کیا آسمان اور زمین کے پیدا کرنے والے خدا میں شک ہے؟
ایک اور مقام پر اس نے کہا،

اَمْ خُلِقُوا مِنْ غَیْرِ شَیْءٍ اَمْ هُمْ اَلْخَالِقُونَ
کیا وہ آپ ہی آپ بنگے یا وہی اپنے آپ خالق ہیں یا
اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَکَلَّا لِرَاضِیِّہِمْ
انہیں نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا، یہ کوئی بات نہیں بلکہ انکو یقین نہیں، (طہ - ۲)

دنیا اور کائنات جمیع انسان بھی شامل ہے اور جو اپنی عقل اور فہم کی بنا پر سب میں بالاتر ہے، بہر حال موجود ہے، اور اس کے اس وجود میں کوئی شک نہیں، اب سوال یہ ہے کہ کسی کے بن بنائے وہ آپ بنگی یا خود اس نے اپنے آپ کو بنایا ہے، ظاہر ہے کہ یہ دونوں صورتیں باطل ہیں، نہ آپ سے آپ کوئی چیز بن سکتی اور نہ کوئی مفعول اپنا فاعل آپ ہو سکتا ہے، اگر کوئی بے وقوف یہ کہے کہ زودادہ ملکر اپنا بچہ پیدا کرتے ہیں تو سلسلہ اولیٰ و تناسل کا آغاز کیونکر ہوا، اور اولین زودادہ کا اور مادہ تخلیق و روح کا خالق کون ہے؟

یہ گونا گون عالم، یہ رنگارنگ کائنات، یہ تارون بھرا آسمان، یہ بوقلمون زمین، یہ سورج، یہ چاند، یہ درخت، یہ سمندر، یہ پہاڑ، یہ لاکھوں جاندار اور بیجان اشیاء، یہ علل و اسباب کا تسلسل، یہ تغیر و انقلاب کا نظام، یہ کائنات کا نظم، اور اس کے ذرہ ذرہ کا قاعدہ و قانون، انسان کے اندرونی قویٰ اور ان کی باہمی ترتیب، موت و حیات کے اسرار، خواص و قویٰ کے رموز، انسان کی خیالی بلند پروازی، اور عملی عجز و درماندگی، یہ تمام باتیں ایک خالق و صانع کے اعتراف پر مجبور کرتی ہیں، یہ نینگون آسمان کی چھت، یہ زمین کا سبز زار و فرش، اور ایک ہی حرکت سے شب و روز کا انقلاب، ایک خالق کل کا پتہ دیتا ہے،

اِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَخِلْقِ اللَّيْلِ
وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَبْصَارِ (۱۱۰)
آسمانوں کی اور زمین کی پیدائش اور رات اور دن کے بننے
میں عقل مندوں کیلئے نشانیاں ہیں،
یہ شب و روز کا نور و ظلمت اور سورج اور چاند کی روشنی، اسکی مقررہ رفتار، باقاعدہ طلوع و غروب، اسکی
دلیل ہے کہ اس اہم پیام پر کوئی سوا ہے، جس کے ہاتھ میں اُس کا سیاہ و سپید ہے،
وَمِنْ اٰيٰتِهِ اللَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ
اور اُس کی نشانیوں میں سے رات، دن اور سورج
(فصلت - ۵) اور چاند ہیں،

آسمان اور زمین کی پیدائش، دن اور رات کا الٹ پھیر تو ہے، دیکھو کہ خطرناک سمندروں میں کس طرح
لوگ ایک ملک سے دوسرے ملک کو تجارت کا سامان لیکر دوڑے پھرتے ہیں، اگر پانی میں بیٹھی اور لوہے
کا ایک ذرہ بھی ڈالو تو فوراً ڈوب جائیگا، مگر یہ لاکھوں من کے لدے ہوتے ہمارے کیسے پھول کی طرح پانی پر
تیر رہے ہیں، جس فطری قاعدہ کے بموجب یہ عمل ظہور میں آ رہا ہے، وہ جس کے حکم سے بنا ہے اسکا کتنا احسان
ہے، پھر ان سمندروں سے بھاپ اٹھتی ہیں، وہ اوپر جا کر بادل بنتے ہیں اور وہ وہیں جا کر برستے ہیں، جہاں
پیداوار اور زمین کی نشوونما کی حاجت ہے، اور پھر وہ بادل ہواؤں کے تحت پریشکر کیسے ادھر ادھر ضرورت
کے مطابق اڑتے پھرتے ہیں،

اِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَخِلْقِ اللَّيْلِ
وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ
بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَاءِ
مِنْ مَّاءٍ فَاَخْيَا بِهٖ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَرَّكَ
فِيْهَا مِنْ كُلِّ ذَاۓِبَةٍ وَتَصْرِیْفِ الرِّیْحِ
وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرٰتِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ
بے شبہ آسمانوں کی اور زمین کی پیدائش اور دن رات کے
الٹ پھیر میں، اور اُن جہازوں میں جو انسانوں کے لیے
فائدہ رسان سامان لیکر سمندروں میں چلتے ہیں اور
آسمان سے اوس کے پانی برساتے ہیں اور پھر اس پانی
کے ذریعہ مریے چھ زمین کو زندگی بخشتے ہیں اور زمین
میں ہر طرح کے جو چلنے والے پھیلانے، اس میں اور

لَا يَتَّبِعُ لَقْفٍ مِّنْ تَعْقِلُونَ، (لقفہ - ۲۰) ہواؤں کے کبھی ادھر اور کبھی ادھر بہنے میں اور آسمان اور زمین

کے بیچ میں جو بادل کام میں لگے ہیں، ان سب میں سمجھ

بوجھ والوں کے لیے بڑی نشانیاں ہیں،

آسمان اور زمین کی عجیب و غریب خلقت کے ساتھ خود انسان کی اپنی پیدائش کی حکایت کتنی عجیب

إِنَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ

وَفِي خَلْقِكُمْ وَمَا يَبُثُّ مِنْ دَابَّةٍ اٰيٰتٌ

تَقُوْا حُرُوْفًا، (جائزہ - ۱) دالے پھیلانے ان میں یقین کرنے والوں کیلئے دلیلین ہیں،

سورہ النعام میں نباتات اور اسکی نیرنگیوں کو اپنی ہستی کی دلیل میں پیش کیا یہ کتنے تعجب کی بات ہے

کہ ایک ہی زمین ہے جہیں سے وہ اگتے ہیں، ایک ہی پانی ہے جس سے وہ سیجے جاتے ہیں، ایک ہی ہوا ہے

جس میں وہ سانس لیتے ہیں، مگر کتنے رنگ رنگ کے پھل، پھول، میوے اور درخت لگتے ہیں جنہیں سے

ہر ایک کا رنگ، ہر ایک کا مزہ، ہر ایک کی پتی، ہر ایک کا قد و قامت، ہر ایک کے خواص اور فائدے دوسرے

سے بالکل الگ ہوتے ہیں،

وَهُوَ الَّذِيْ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَآءً فَاَخْرَجْنَا

بِهٖ نَبَاتٌ كُلِّ شَيْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا

مُخْتَلِفًا مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا وَمِنْ النَّخْلِ مِنْ

طَلْحٍ حَفَاتٍ وَانْزِلْنَا مِنْ دَانِيَةٍ وَجَنَّتْ مِنْ اَعْنَابٍ

وَالزَّيْتُوْنَ وَالزُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَغَيْرَ

مُتَشَابِهٍ ۚ اَنْظُرْ اِلَى ثَمَرِهٖ اِذَا اَشْرَقَ

وَيَنْبُعْ مِنْ اِنۡ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُوْنَ

اور وہی ہے جس نے آسمان سے پانی اتارا، پھر ہم نے اس

اگنے والی ہر چیز نکالی، پھر اس سے سبز خوشے نکالے ہیں

ہم جڑے ہوئے دانے نکالتے ہیں، اور کھجور کے گاجے ہیں

نکلتے گچھے، اور انگور کے باغ، اور زیتون اور انار، مشعل،

اور جدی جدی شعل کے، جب وہ پھلین تو ان کے پھل

اور پکنے کو دیکھو، اس میں ایمان والے لوگوں کے لئے

دلیلین ہیں،

سورہ روم میں پہلے مٹی سے انسان کی پیدائش کو، پھر اس میں عورت مرد کے جوڑے ہونے کو، اور ان کے درمیان ہر محبت کے جذبات کے ظہور کو اپنی ہستی کی دلیل بتایا ہے، پھر اپنی قدرت کے دوسرے عجائبات کو جو آسمان سے زمین تک پھیلے ہیں ایک ایک کر کے پیش کیا ہے، اول تو خود انسان کی پیدائش پھر ان میں عورت مرد ہونا اور ان کے درمیان جذبات کی ہر ہر مختلف قوموں کی بولیوں، شکلوں اور رنگوں کو دیکھ کر ایک ایک سے الگ ہے، پھر خود انسانوں کے اندر کے اعمال و کھوار ایک نیند ہی کی حقیقت پر غور کرو یہی تمہاری آنکھیں کھول کر دیکھنے کا کافی ہے۔

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَكُمْ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ إِذَا أَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُونَ، وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ
وَمِنْ آيَاتِهِ خَلْقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاجْتِلَافَ السِّنِّكُمْ وَالْوَلَايَافِ فِي ذَلِكَ لَا يَشَاءُ لِلْعَالَمِينَ، وَمِنْ آيَاتِهِ مَنَامُكُمْ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَابْتِغَاءُكُمْ مِنْ فَضْلِهِ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يُسَمِعُونَ
وَمِنْ آيَاتِهِ يُرِيكُمْ الْبَرْقَ خَفًّا وَظَهْرًا وَيُنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَيُخْرِجُ بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ، وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ تَقُومَ السَّمَاءُ

اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اُس نے تم کو مٹی سے بنایا، پھر تم آدمی بن کر چلتے پھرتے ہو اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اُس نے تمہاری جنس سے تمہارے جوڑے بنائے کہ تم ان سے سکون حاصل کرو اور تم سب کے درمیان پیار اور ہر رکھا، اس میں ان لوگوں کے لیے جو سوچتے ہیں، دلیلین ہیں، اور اس کی نشانیوں میں سے آسمان کی اور زمین کی بنا و بناؤں اور تمہاری بولیوں اور رنگوں کی بولچوٹی ہے، اس میں جاننے والوں کے لیے یقیناً دلیلین ہیں اور اس کی عجیب، قدرتوں میں سے تمہاری رات اور دن میں نیند ہے، اور تمہاری اذکی ہر بانیوں کی تلاش جو اس میں ان کے لیے جو سنتے ہیں، دلیلین ہیں، اور اس کے عجیب، قدرت میں سے یہ ہے کہ تمہیں وہ بجلی کی چمک دکھاتا ہے، جس سے تم کبھی ڈرتے ہو اور کبھی حیرت کی بارش کی امید باندھتے ہو اور وہ آسمان سے پانی برساتا ہے پھر اس زمین کے

وَالْأَرْضِ بِأَمْرِهِ

اس کے مرے پیچھے زندہ کرتا ہی اس میں ان کے لیے جو سمجھ لکھے ہیں دلیلون میں

اور اسکی دلیلون میں سے یہ جو کہ آسمان اور زمین اس کو حکم سے قائم ہیں

(سورہ - ۳)

اس اخیریت میں آسمان و زمین کے اس کے حکم سے قائم رہنے کا ذکر ہے، تم کہتے ہو کہ یہ باہمی جذب و کشش سے قائم ہیں، لیکن خود یہ جذب و کشش کی کش کا نتیجہ ہے؟ یہ خود حیرت انگیز ہے، سورہ لقمان میں آسمانوں کے کسی نظر نہ آنے والے کے سہارے کھڑے ہونے اور زمین کے اپنی جگہ پر ٹھہرے ہونے کا ذکر ہے، یہ نظر نہ آنے والا سہارا تو بیشش ہی سہی، وہ بھی تو اسی کے اسرار میں سے ہے، اس کے بعد ایک جادو اور بے حیات مردہ زمین کے اندر سے پانی برسنے کے ساتھ انواع و اقسام کی زندگی کے نمونوں کا ابھرنا کتنا حیرت انگیز ہے، یہ بھی اسی کا کرشمہ ہے،

خَلَقَ السَّمَوَاتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا وَآلَتْهُ

فِي الْأَرْضِ رَوَاسِي أَنْ تُمِيدَ بِكُمْ وَبَثَّ

فِيهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ وَانْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً

فَأَنْبَتْنَا فِيهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ

ہم نے آسمانوں کی چھت کو کسی ایسے ستونوں کے بغیر

کھڑا کیا ہی، جو تم کو نظر آتے ہوں، اور زمین میں ایسے کھونٹے

ڈال دیے کہ وہ تم کو لکیریل نہ جائے اور اس نے ہر چیز

ہر قسم کے چلنے پھرنے والے پھیلانے اور آسمان پانی برسایا،

ہم نے اوی زمین سے ہر اچھے جوڑے پیدا کئے،

(لقمان - ۱)

سورہ سجدہ میں انسان کی پیدائش کا مٹی سے آغاز، پھر قطرہ آب (لطفہ) کے ذریعہ توالد و تناسل، پھر اس کے

سڈول جسم کا بننا، پھر اس مٹی کے مردہ قالب میں دفنہ کہیں سے زندگی آجانا، اور اس میں روح پھک جانا، اور اس

علم و حواس کے حیرت انگیز آلات کا پیدا ہو جانا، ان سب کو اپنی صفت میں پیش کیا ہے،

الَّذِي أَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهُ وَبَدَأَ خَلْقَ

الْإِنْسَانِ مِنْ طِينٍ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهُ مِنْ

مُسَلَّةٍ مِنْ نَارٍ طَبِيقٍ، ثُمَّ مَسَّوْهُ مِنْ

فِينِهِ مِنْ رُوحٍ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ

وہ جس نے جو چیز بنائی خوب بنائی، اور انسان کی پیدائش

مٹی سے شروع کی، پھر اسکی نسل ذلیل سے نچڑے پانی

بنائی، پھر اس کو سڈول کیا، اور اس میں اپنی جان سے کچھ

پھونک دیا، اور تمہارے لئے کان اور آنکھیں اور دل

وَلَا فَيْدَةً قَلِيلًا مَا تَشْكُرُونَ (سجدا - ۱) بنا دیئے، تم ان احسانوں کا بہت کم شکر ادا کرتے ہو

مردہ زمین کے اندر کیا کیا قوتیں ودیعت ہیں، اور خود انسانوں کے جسم و جان میں عجائبات کا کتنا خزانہ رکھا ہے لیکن کوئی صاحبِ نظر ادھر نہیں دیکھتا، انسان کی زندگی، اُس کے اندرونی جذبات، حواس، ذہنی قوتیں اور دائمی حرکات، اُن میں سے ہر شے محتاب ہے،

وَفِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ وَفِي أَنفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ (ذاریت - ۱) اور زمین میں یقین کرنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں اور خود تمہاری جانوں کے اندر کیا تم نظر نہیں کرتے،

جانوروں کے جسموں کے اندر جو عجیب و غریب نظام ہے، وہ بھی غور کے قابل ہے، ایک ہی گھاس چوں کی غذا اُن کے پیٹ میں جاتی ہے، پھر اُسی کا کچھ حصہ لید اور گوہر کچھ خون اور کچھ دودھ بناتا ہے، اور اسی لید اور گوہر کے باہر آنے کے راستوں، اور سرخ خون کی رگوں کے درمیان سے خالص، سپید، شیریں دودھ کی دھاریوں کا نکالنا کتنا عجیب ہے؟

وَإِن لَّكُمْ فِي الْأَنْعَامِ لَعِبْرَةٌ لَّآ تَشْفِيكُمْ مَّا فِي بُطُونِهِمْ مِنْ بُيُوتٍ فَرْثٍ وَدِهٍ لَّيْسَ خَالِصًا سَائِلًا لِّلشَّارِبِينَ (غل - ۹) اور تمہارے لیے جانوروں میں عبرت ہو، تم ان کے پیٹوں کے اندر سے لید اور خون کے بیج سے خالص اور شیریں دودھ کی خوشگوار دودھ پلاتے ہیں،

ایک ہی قسم کے پھل ہیں، اگر ان کو ایک طرح سے کھاؤ تو تمہاری عقل اور قوت کو بڑھاتے ہیں، اور دوسری طرح کھاؤ تو وہ اُن کو ضائع کر دیں،

وَمِنْ ثَمَرَاتِ النَّخِيلِ وَالْأَعْنَابِ تَتَّخِذُونَ مِنْهُ سَكَرًا وَرِزْقًا حَسَنًا إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ (غل - ۹) اور چھوہاروں اور انگوروں کے پھلوں کو دیکھو کہ ان میں سے کچھ سے تو تم نشہ اور چھی ریزی حاصل کرتے ہو، اس میں سمجھ والوں کے لیے دلیل ہے،

زمین اور زمین پر کی مخلوقات کو چھوڑ کر اوپر آسمان کی طرف نظر اٹھاؤ، سورج کا روشن چہرہ اور چاند کی

قذیل کتنی عجیب ہے، پھر سورج کو دیکھو کہ سال کے بارہ مہینوں میں آسمان کے بارہ برجوں کو طے کر کے کس طرح زمین میں مختلف موسم اور زمانے کو نمایاں کرتا ہے،

تَبَارَكَ الَّذِي جَعَلَ فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا ۖ

وَجَعَلَ فِيهَا سِرَاجًا مُنِيرًا ۖ (قرآن)

اور ان میں ایک چراغ اور چمکانے والا چاند بنایا،
انہیں چند خیروں میں اس کی قدرت کے عجائبات محدود نہیں بلکہ ہر شے اپنی خلقت، اپنی حکم روش، اور اپنے قانونِ فطرت سے اس کی گواہی دیتی ہے،

صُنِعَ اللَّهُ الَّذِي اَتَقَنَ كُلَّ شَيْءٍ (فصل ۱)

اس ہی کی صنعت ہے جس نے ہر شے کو مضبوط نظام پر بنایا،
اس کی صنعت ہر قسم کے عیب سے پاک ہے، ہمیں محکمِ نظم و نسق کی بندش نظر آتی ہے،

مَا تَرَىٰ فِي خَلْقِ الرَّحْمَنِ مِن تَفَوتٍ ۖ

فَإِنِ جَمِيعُ الْبَصَرِ هَلْ تَرَىٰ مِن فُتُورٍ ۚ ثُمَّ

ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنقَلِبْ إِلَيْكَ الْبَصَرُ

وَهُوَ خَيْرٌ ۚ (ملک - ۱)

رگر کوئی نقص پائیگی)
اس قسم کی اور سیکڑوں آیتیں ہیں، جن کا استقصا ہی مشکل ہے، ان آیتوں میں تین قسم کے دلائل ہیں،

۱۔ قدرت کے عجائبات اور نیزنگیان، اور پھر ان کا ایک قانون کے ماتحت ہونا،

۲۔ عالم کا نظم و نسق اور اس کا مرتب سلسلہ،

۳۔ کائنات اور سلسلہ عالم کی ہر کڑی میں بے انتہا مصلحتوں، حکمتوں اور فائدوں کا ہونا،

ان مقدمات سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ کائنات اور اس کے یہ عجائبات اور اس کے یہ منظم علی اسباب خود

بخود نبست و اتفاق سے نہیں بن گئے، بلکہ کسی حکیم و دانہ اور قادرِ مطلق صانع نے اپنی قدرت اور ارادہ سے ان کو بنایا ہی

اعلیٰ فلسفہ اور متکلمین عالم کے وجود پر عوامیہ دلیل پیش کیا کرتے ہیں کہ ہم بدلتے دیکھتے ہیں، کہ عالم میں ہر چیز

کے لیے علل اسباب کا سلسلہ ہے، یہ سلسلہ یا تو کمین جا کر ختم ہوگا، یا یون ہی مسلسل چلا جائیگا، اگر یہ یون ہی مسلسل چلا جائیگا تو لازم آتا ہے کہ ہر چیز کے پیدا ہونے پر غیر متناہی علل گذر جائیں اور غیر متناہی علل کا خاتمہ نہیں ہو سکتا اور نہ کمین اس کا آغاز ہو سکتا ہے، اس لیے کوئی چیز پیدا بھی نہیں ہو سکتی، تسلسل عہلاً بھی محال ہے، بلکہ انسان اس کے تخیل سے بھی عاجز ہے، اس بنا پر لامحالہ سلسلہ علل کا کمین خاتمہ ہونا ضروری ہے جس علت کل پر تمام علتیں ختم ہو جاتی ہیں وہی خلق و پیدائش اور وجود و کون کی اصلی علت العلل ہے،

یہ دلیل گو بہت کچھ پیچیدہ اور اصطلاحات سے لبریز اور بہت سے محذوف مقدمات پر مبنی ہے، تاہم وہ انسانی عقل میں آتی ہے اور بہتوں کے لیے تسکین کا باعث ہے، قرآن پاک کی ایک دو آیتوں میں بھی اس دلیل کا ماخذ مذکور ہے، سورہ ہود کے آخرین ہے،

وَلِلّٰهِ عِثْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْاَشْجَارِ
يَوْمَ يَجْعَلُ لِّلْمُتَّكِلِیْنَ فَاَعْبُدُوْهُ وَتَقَرَّبْ اِلَیْهِ
اور خدا ہی کے پاس ہے آسمانوں اور زمین کی چھپی بات اور
اوی کی طرف ہر بات لوٹائی جاتی ہے، تو اس کو پوجو اور
(سورہ ہود ۵-۱)

وَ اِنَّ اِلٰی رَبِّكَ الْمُنْتَهٰی، (بخم-۲) اور یہ کہ تیرے رب کی طرف ہے سب کی انتہا،
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انسانی کمزوریوں سے واقف تھے، چند صحابیوں نے آکر عرض کی، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی ہماری دلوں میں ایسے خیالات اور وسوسے آتے ہیں، جنکو ہم زبان سے ادا نہیں کر سکتے، فرمایا: کیا تم کو یہ کیفیت حاصل ہوگئی؟ گزارش کی ہاں یا رسول اللہ فرمایا: یہ تو حسن الہی ایمان ہے مقصود یہ ہر دل میں وسوسوں کا آنا اور پھر ان وسوسوں کو اتنا بدتر جانتا کہ ان کا زبان پر لانا بھی وہ گناہ سمجھے، یہ کیفیت ایمانی کے بغیر ممکن نہیں، اسی طرح آپ نے فرمایا لوگ علم و دانش کا سوال کرتے ہیں کہتے ہیں کہ خیر اس کو تو خدا نے پیدا کیا اور پھر اس خدا کو کس نے پیدا کیا، آسمان کو خدا نے بنایا زمین کو خدا نے بنایا، یہاں تک کہ بڑھتے بڑھتے پھر پوچھتے ہیں: اچھا تو پھر خدا کو کس نے پیدا کیا، فرمایا یہ شیطانی وسوسہ ہے، جب یہ حالت کسی کو پیش آئے تو کہہ دے اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ

مِنَ اللّٰهِ بِرِیَاضِ الْاٰیٰتِ

یہ تعلیم حقیقت اسی مسئلہ کی ہے کہ خدا پر تمام عقلمنوں کی انتہا ہے، اور اس کے بعد کوئی علت نہیں اس لیے یہ دوسرے لائق جواب نہیں، یہ جہالت اور نادانی کا سوال ہے،

توحید عقلی دلیل اگر کوئی عالم کا خالق و صانع ہو تو وہ یقیناً ایک ہے، دو نہیں، تاہم دنیا میں ایسے عقلمند بھی ہیں جو دو تین اور متعدد خداؤں کے قائل ہیں، اور عالم کی ایک مملکت کو سینکڑوں حصوں میں تقسیم کر کے ان کو مختلف خداؤں کی حکومتیں قرار دیتے ہیں، وحی محمدیؐ نے اس شرک کے ابطال پر سب سے زیادہ جس دلیل کو پیش کیا ہے، وہ نظام عالم کی یکسانی اور وحدت اور کائنات کے علل اسباب کا باہم توافق، تعاون، اشتراک اور اتحاد ہے، دنیا میں ایک ذرہ بھی اس وقت تک پیدا ہو نہیں سکتا جب تک آسمان سے لیکر زمین تک کی تمام کارکن قوتیں اور اسباب ایک دوسرے سے موافق و مناسب نہ ہوں، اور باہم ان میں اشتراک عمل پیدا نہ ہو، ایک دانہ زمین سے اس وقت تک اُگ نہیں سکتا جب تک دانہ اُگنے کے لائق نہ ہو، زمین میں لگی صلاحیت نہ ہو، موسم اس کے مناسب نہ ہو، بارش موافق نہ ہو، آفتاب سے اس کو گرمی اور روشنی اس کے مزاج کے مطابق نہ پہنچے پھر اس کے اُگنے کے موانع اور عوائق ایک ایک کے دفع نہ ہوں، ان سب کے بعد وہ دانہ اُگیگا، اور پھل لائے گا، قرآن پاک نے اسی حقیقت کو ان الفاظ میں ادا کیا ہے،

لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا
فَسُبْحَانَ اللَّهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُونَ
اگر زمین و آسمان میں اس ایک خدا کے سوا چند
اور خدا بھی ہوتے، تو زمین و آسمان برباد ہو جاتے تو پاک
ہے عز و جلال ان باتوں سے جو یہ شرک کہتے ہیں، (انبیاء - ۲)

آسمان و زمین کا یہ تمام کاروبار یہ تمام قوانین قدرت اگر ایک کے بجائے دو طاقتوں کے ہاتھوں میں ہوتے تو یہ باہمی تضاد میں ایک لمحہ کے لئے بھی قائم نہ رہتے، فلسفیانہ اصطلاحات میں اس مطلب کو ادا کرو، تو سہ یہ دونوں حدیثیں صحیح مسلم کتاب الایمان میں متعذر دوا تین سے مذکور ہیں،

یوں ہوگا کہ عالم کائنات معلول ہے، اسکی کوئی علت تامہ ہوگی، یہ ظاہر ہے کہ ایک معلول کی دو علت تامہ نہیں ہو سکتی، کیونکہ علت تامہ اس کو کہتے ہیں جس کے وجود کے بعد معلول کے وجود میں کسی اور چیز کا انتظار نہ ہو۔ اب عالم کی علت تامہ اگر ایک نہ ہو، دو ہو، تو سوال یہ ہے کہ ایک علت تامہ کے وجود کے بعد عالم کے وجود میں دوسری علت تامہ کا انتظار رہیگا یا نہیں، اگر رہے گا تو پہلی شے علت تامہ نہیں رہیگی اور اگر انتظار نہ رہیگا تو دوسری شے علت تامہ نہ ہوگی، اس سے یہ ثابت ہوا کہ عالم کی علت تامہ ایک ہی ہو سکتی ہے،

توحید کے ثبوت اور شرک کے ابطال کی دوسری دلیل نظام عالم کی وحدت ہے، سورج، چاند اور تاروں سے لیکر انسان، حیوان، ہوا، پانی، درخت، گھاس پھوس تک دیکھو تو معلوم ہوگا کہ یہ سب ایک مقررہ نظام اور بندھے اصول کے ماتحت ہیں جن میں کبھی سرومفرق نہیں ہوتا، ہر شے اپنے ایک اصول کی پابند اور ایک عادت جاریہ کے مطابق چل رہی ہے، گویا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان سب میں یکسانی اور مساوات کی ایک خاص وحدت قائم ہے اور وہ سب کسی ایک ہستی کے اشارے پر چل رہے ہیں،

وَمَا كَانَ مَعَهُ مِنَ إِلَهٍ إِذْ أَذَّاهُ هَبْ كُلُّ إِلَهٍ
بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَّ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ ط

اور نہ اس خدا سے برحق کے ساتھ کوئی اور خدا ہے، اگر ایسا
ہوتا تو ہر خدا اپنی مخلوق کو الگ سمجھتا، اور ایک دوسرے

(مؤمن - ۵) پر چڑھ جاتا،

قُلْ تَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ إِنَّهُ يَحْكُمُ لَكُمْ إِذَا
لَا تَبْتَغُونَ إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ سُبْحَانَ
وَلَعَلَّ عَمَّا يُفْقَهُ تَوَكَّلْ عَلَى كَبِيرٍ تَسْبِيحُ
لَهُ السَّمُوتُ وَالْأَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ ط إِنَّ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ ط

کہ اگر خدا سے برحق کیساتھ کچھ اور خدا ہوتے جیسا کہ یہ مشرکین کہتے
ہیں، تو ایسی حالت میں وہ تخت داسے دھکے ان خدا اسے حکومت
چھیننے کا راستہ ڈھونڈتے، پاک اور بلند ہے خدا اس بات سے
جسکو یہ مشرک کہتے ہیں اس خدا سے برحق کی پاکی ساتوں آسمان
اور زمین اور جو ان کے اندر ہے بیان کرتے ہیں، اور کوئی چیز
ایسی نہیں جو اسکی پاکی کی گواہی نہ دیتی ہو،

(بنی اسرائیل - ۵)

اسی وحدت نظام کے استدلال کو ایک اور آیت میں خدا نے بیان فرمایا ہے،

مَا تَرَىٰ فِي خَلْقِ الرَّحْمَنِ مِن تَفَوتٍ ط
تو خدا کے بنائے میں کوئی فرق نہیں دیکھتا، پھر نگاہ کر لیا
فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرَىٰ مِن فُطُورٍ ثُمَّ
کوئی فطرت تجھ کو دکھائی دیتا ہے؟ پھر دوبارہ نظر دوڑا،
ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنقَلِبْ إِلَيْكَ الْبَصَرُ
تیری نظر تھک کر واپس آجائے گی،
خَاسِئًا وَهُوَ حَسِيرٌ (ملک - ۱)

اس واقعاتی استدلال سے بڑھ کر جو بالکل نظم فطرت پر موقوف ہے کوئی دوسری دلیل نہیں ہو سکتی، پہلے قرآن پاک نے اسکو اختیار کیا ہے، یہ دنیا وحدت نظام ہی کے تحت چل رہی ہے ورنہ ایک لمحہ کے لیے بھی چل نہ سکے، اسی سے اس دنیا کے حاکم و فرمانرواے مطلق کی وحدت بخوبی ثابت ہے، توحید کی تکمیل | توحید خواہ وہ کسی قدر محرف، شرک آمیز اور ناقص شکل میں ہو، دنیا کے تمام مذاہب اور ادیان کی شریک اور اولین تعلیم ہے، لیکن ان مذاہب میں وہ کسی بنیادی اصل پر مبنی نہ تھی، محمد رسول اللہ کی تعلیم نے اس عمارت کو چند بنیادی اصول کے پتھر پر قائم کیا، یہ پتھر خدا کی حقیقی عظمت کی شناخت، اور اس عالم کائنات میں انسان کی اصلی حیثیت اور مرتبہ کی تعیین ہو

خدا کی حقیقی عظمت | اہل عرب ایک حقیقی قوت کے نام سے واقف تھے، اور اسکو خالق بھی مانتے تھے، مگر اس کو قدرت کے کارخانہ کا تہا مالک نہیں سمجھتے تھے، یہودیوں کا خدا ایک خاندانی خدا تھا جس نے ساری دنیا صرف بنی اسرائیل کے لیے پیدا کی تھی، اور اُس کو بنا کر ساتویں دن وہ تھک کر بیٹھا گیا، وہ انسانوں سے کشتی لڑتا تھا، اوسکی اولاد میں تھیں، عیسائیوں کا خدا سب کچھ مسیح بن مریم کو دیکر خود معطل ہو گیا تھا، ایرانیوں کے خدا کی خدائی نیکی و بدی کی دو ملکوتوں میں بٹی ہوئی تھی، ہندوؤں کا خدا اوتاروں کا بھیس بدل کر لاکھوں خدائیگیا تھا، اور برہما، ویش اور شین تین نے مل کر خدائی کے کاروبار کی باجم تقسیم کر لی تھی، لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خدا کا جلوہ نمایان کیا، جو آسمان کے اوپر سے لے کر زمین کے نیچے تک کا تہا مالک ہے، اُس کے کاروبار میں

کوئی دوسرا شریک نہیں، اسکی شائبہ شاہی میں کسی دوسرے کا حصہ نہیں، اُس کے کارخانہ قدرت میں کوئی دوسرا
 سا بھی نہیں، کائنات کا کوئی ذرہ اُس کے حکم سے باہر نہیں، دنیا کی کوئی چیز اسکی نگاہوں سے چھپی نہیں، شجر جرجر چٹک رہا
 پہاڑ صحر، سورج، چاند زمین، آسمان، انسان، حیوان، زبان والے اور بے زبان سب اُس کے آگے سر بسجود اور
 اسکی تسبیح و تہلیل میں مصروف ہیں، سب کمزور ہیں، وہی ایک قوت والا ہے، سب جاہل ہیں، وہی ایک کو علم ہے، سب
 فانی ہیں، وہی ایک کو بقا ہے، سب محتاج ہیں، وہی ایک بے نیاز ہے، سب اُس کے بندے ہیں، وہی ایک شہنشاہ
 ہے، غرض عرش سے فرش تک جو کچھ ہے وہ اُس کا ہے، اور اُس پر صرف اسی کی حکمرانی ہے، وہ ہر عیسے پاک، ہر
 برائی سے منفرہ، اور ہر الزام سے بری ہے، وہ ہر قسم کے صفات عالیہ، اوصاف کمالیہ اور محامد جمیلہ سے مشغف ہو، اُس کے
 مانند کوئی نہیں، کوئی اسکی شبیہ مثال نہیں، وہ تشبیہ و تمثیل سے بالاتر اور انسانی رشتہ ناتے سے پاک ہی

ذَٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ۚ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ

وہ ہے اللہ تعالیٰ رب، اسی کی بادشاہی ہے، اُس کے سوا

اور کوئی خدا نہیں ہے،

(زمر - ۱)

لَهُ الْمُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (زمر - ۵)

اُسی کی آسمانوں کی اور زمین کی بادشاہی ہے،

فَاُولٰٓئِكَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (النعام - ۲)

آسمانوں کا اور زمین کا پیدا کرنے والا،

عَلِمَ الْغَيْبِ فَاشْهَادُہٗ (النعام - ۸۱)

چھپی اور کھلی کا جاننے والا،

كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وُجْہَہٗ لَہٗ الْحُكْمُ (قصص - ۹)

انکی ذات کے سوا ہر چیز فانی ہے، اسی کے ہاتھ میں فیصلہ کی

لَیْسَ كَمِثْلِہٖ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ (شوری - ۲)

اُس کے مانند کوئی چیز نہیں اور وہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے،

هُوَ الْحَیُّ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ (سومن - ۷)

وہی زندہ ہے، اُس کے سوا کوئی خدا نہیں،

وَعِنْدَہٗ لَا مَفَاحِ الْغَیْبِ لَا یَعْلَمُہَا اِلَّا هُوَ

غیب کی کنجیاں اُسی کے پاس ہیں، اسکے سوا اُن کو کوئی نہیں

وَعِلْمُہٗ مَا فِی الْبُرِّ وَالْبَحْرِ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ قُرْطَمٍ

جانتا، خشکی اور تری میں جو کچھ ہے وہ اسکو جانتا ہے، درخت کا

اِلَّا یَعْلَمُہَا وَلَا حَبْرَ فِی ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ (النعام - ۷۵)

کوئی تپہ نہیں گرتا اور نہ زمین کی تاریکیوں میں کوئی داغ

اے اللہ! اے بادشاہی کے مالک! تو جسکو چاہے سلطنت
دے، اور جس سے چاہے چھین لے، جسکو چاہے عزت دے
اور جسے چاہے ذلت نصیب کرے، تیرے ہاتھ میں بھلائی
تو ہر بات پر قادر ہے،

اگر اللہ تجھے مصیبت پہنچائے تو اُس کے سوا کوئی اسکا دور
کرنے والا نہیں، اور اگر وہ تیرے ساتھ بھلائی کرنا چاہے
تو اُس کے فضل و کرم کا کوئی روکنے والا نہیں، اپنے بندوں
میں جسکو چاہے اپنے فضل سے ممتاز کرے، اور وہی گناہ
کو معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے،

اللہ اُس کے سوا کسی اور کی بندگی نہیں، وہی جیسا ہے اور
سب اُس کے سوا کہ جیتے ہیں، اسکو اونگھ ہے نہ نیند، آسمان اور
زمین میں جو کچھ ہے اُسی کا ہر کون ایسا ہے جو اُس کے سامنے
اُسکی اجازت کے بغیر غارت کر سکے، جو خلق کے رب ہے
اور جو ان کے پیچھے ہے سب کو جانتا ہے، اور وہ اُس کے علم کے
کسی حصہ کا احاطہ نہیں کر سکتے، مگر وہ جو چاہے، اسکا تخت
آسمانوں کو اور زمین کو ہر اسے ہے، ان آسمانوں کی اور
زمین کی نگرانی اسکو تھکاؤ نہیں، اور وہی اوپر اور برابر ہے،

جو زمین میں گھستا ہے، اور جو اُس سے نکلتا ہے، اور جو آسمان
سے اترتا ہے اور جو اُس میں چڑھتا ہے، سب جانتا ہے، اور

اللَّهُمَّ مَا لَكَ الْمُلْكُ تُوْنِي الْمُلْكُ مَنْ تَشَاءُ
وَتَنْزِعُ الْمُلْكُ مِمَّنْ تَشَاءُ وَتُعِزُّ مَنْ
تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ
إِنَّكَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (ال عمران - ۳)

وَإِنْ يَحْسَبَنَّ اللَّهُ بَصِيرًا فَلَا تُشْفَعُ لَهُ
أَلَا هُوَ وَإِنْ يُرَدِّكَ يُخِيرُ فَلَا تُرَدُّ لِفَضْلِهِ
يُصِيبُ بِهِ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَهُوَ
الْغَفُورُ الرَّحِيمُ

(یونس - ۱۱)

اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ، لَا تَأْخُذُهُ
سِنَةٌ وَلَا نَوْمٌ، لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا
فِي الْأَرْضِ، مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ
إِلَّا بِإِذْنِهِ، يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ
وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا
شَاءَ، وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ
وَلَا يَئُودُهُ حِفْظُهُمَا وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ

(البقرہ - ۲۵۵)

يَعْلَمُ مَا يَلْمِزُ فِي الْأَرْضِ وَمَا يُخْرِجُ مِنْهَا
وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ وَمَا يَهْرُجُ فِيهَا

وَهُوَ بِكُمْ أَتَمُّ مَّا كُنْتُمْ ط وَاللَّهُ بِمَا
تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ لَّهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَ
الْأَرْضِ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ (حیدر)

جہاں بھی ہو وہ تمہارے ساتھ ہے، اور تم جو کچھ کرو اور سکو گھٹتا
ہے، آسمان اور زمین کی بادشاہی اُسی کی ہے اور تمام کاموں
کا مرجع وہی ہے،

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ، (فاتحہ - ۱)
وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ (العنبر - ۹)
وَهُوَ الْغَفُورُ الْودُودُ، ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيدُ
فَعَالٌ لِّمَا يُرِيدُ (بروج - ۱)

سب تعریف اسی کے لیے ہے جو عالم کا پالنے والا ہے،
اور آسمانوں میں اور زمین میں جو ہے سب اس کے زیر فرمان ہے،
وہی گناہوں کا بخشنے والا ہی بندوں سے محبت کرنے والا ہی تخت
کا مالک، بڑی شان والا ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے،

كَيْسَبِقَ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ (جمعة - ۱)
وَإِنْ تَنْشَأْ لَكُمْ فِتْنَةٌ يَكْفِ اللَّهُ بِهَا
أَمْرًا (اسرائیل - ۵)

آسمانوں میں اور زمین میں جو ہے سب اس کی پائی کیا کرتے
اور کوئی چیز نہیں جو اس کی حد کی تسبیح نہ پڑھتی ہو،

ان معنوں کی ہزاروں یہیں قرآن پاک میں ہیں، ان تعلیمات نے خدا کی عظمت، جلالت اور کبریائی کا وہ
جلوہ پیش کیا جس کے سامنے معبودانِ باطل کی عزت خاک میں ملگئی، بتوں کی بڑائی کا رسم ٹوٹ گیا، سورج،
چاند، تارون کی خدائی کا چرغ ہمیشہ کے لیے بجھ گیا، جن انس، ثنور و حجر، بحر و بر، سب اس کے جلال و جبروت کے
سامنے سرسجود نظر آئے، پھر اس کے سوا کون تھا جو تیرگ وجود کے ساز سے اَنَا اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ (میں ہوں
خدا جس کے سوا کوئی دوسرا خدا نہیں) کی صدا بلند کر سکتا،

انسان کا مرتبہ [توحید محمدی کا دوسرا بنیادی اصول] اس عالم خلق میں انسان کی حیثیت اور درجہ ہے، جو لوگ بتوں کو
سجدہ کرتے ہیں، پتھروں کو پوجتے ہیں، درختوں کے آگے جھکتے ہیں، جانوروں کو دیوتا جانتے ہیں، جنات اور ارواح
خبیثہ کے نام کی دوہائی پکارتے ہیں، آسمانی مخلوقات کو آداب جانتے ہیں، انسانوں کو خدا کہتے ہیں، وہ حقیقت میں
انسان کے مرتبہ سے ناواقف ہیں، وہ دراصل اس طرح انسان کو پتھروں سے، درختوں سے، جانوروں سے، دیوتاؤں
سے، پہاڑوں سے، اور چاند تارون سے کم تر جانتے ہیں، انہوں نے حقیقت انسان کے رتبہ اور حیثیت کو نہیں پہچانا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وحی کی زبان سے جاہل عربوں کو یہ نکتہ سوجھایا کہ انسان اس عالم خلق میں تمام مخلوقات سے اعلیٰ ہے، وہ اس دنیا میں خدا کی نیابت کا فرض انجام دیتے آیا ہے، قرآن کے ابتدائی سورہ میں آدم کی خلافت کا نقشہ محض داستان نہیں، بلکہ انسان کی اعلیٰ حیثیت کی عیان اور نمایان کرنے والی تعلیم کا اولین دیباچہ ہے، اُس کو فرشتوں کا مجموعہ بنانا گویا تمام کائنات کا مجموعہ بنانا تھا، اُس کو تمام اسماء کا علم عطا کرنا گویا تمام اشیاء کو اُس کے تصرف میں دینا تھا وہ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً کے فرمان کے رو سے اس عالم میں خدا کا نائب ہے، اور اُس کا سر خلافت الہی کے تاج سے متاثر ہے، کرڈرون مخلوقات الہی میں خدا کی امانت کا حامل ہی منتخب ہوا، یہ منصب اعلیٰ نہ فرشتوں کو ملتا نہ آسمان کو، نہ زمین کو، نہ پہاڑ کو، صرف انسان ہی کا سینہ اس امانت کا خزانہ قرار پایا، اور اسی کی گردن اس بوجھ کے قابل نظر آئی، فرمایا،

اِنَّا عَرَضْنَا الْاٰمَانَ عَلَی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
وَالْجِبَالِ فَابْتٰیْنَ اَنْ یَّحْمِلْنَہَا وَاسْتَفْقَتْ
مِنْہَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ (احزاب - ۹)
ہم نے اپنی امانت آسمانوں پر اور زمین پر، اور پہاڑوں پر
پیش کی، سب نے اس بار کے اٹھانے سے انکار کیا، اور ڈرنا
اور انسان نے اس کو اٹھایا،

وحی محمدی نے انسان کا رتبہ یہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو بزرگیوں سے سرفراز، عالم مخلوقات میں برتر اور انعام و اکرام سے معزز کیا ہے،

وَلَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیَ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰہُمْ فِی الْبَرِّ
وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰہُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ وَفَضَلْنٰہُمْ
عَلٰی کَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا لَقَدْ فِیْ ذٰلِکَ لَآیٰتٍ لِّیِّیْنَ (بنی اسرائیل)
ہم نے آدم کی اولاد کو عزت دی، اور ہم نے خشکی اور تری
میں اُن کو سواری دی، اور ستھری چیزوں کی اُن کو روزی
بخشی، اور اپنی بہت سی پیدا کی ہوئی چیزوں پر اُن کو فضیلت عطا

انسان ہی وہی ہے جو سب سے معادل قویٰ اور بہترین اندازہ کے ساتھ دنیا میں مخلوق ہوئی،

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ (دھن)
ہم نے انسان کو بہتر اندازہ پر پیدا کیا،

یہاں تک کہ انسان خدا کی صورت کا عکس قرار پایا، متعدد حدیثوں میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدا نے

آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔ اسی بنا پر آپ نے تعلیم دی کہ غلام کو سزا دو تو اس کے چہرہ پر نہ مارو کہ وہ صورت الہی کا نقل
 عین میدان جنگ میں اگر تو اربین برس رہی ہوں، تو حریف کے چہرہ پر وار نہ کرنا چاہیے، کہ خدا نے آدم کو اپنی صورت
 پر بنایا ہے، غصہ مین بھی نہ کرنا چاہیے کہ خدا تیرے چہرہ کو اور تیرے جیسے چہرہ کو بگاڑ دے، کہ خدا نے آدم کو اپنی صورت
 خلق کیا، ان حدیثوں کا یہ مطلب نہیں کہ انسان کی طرح خدا کی کوئی خاص جسمانی شکل ہے، اور آدم کی شکل اس کی
 نقل ہے، کہ لکھن گمشدہ شیعہ، بلکہ یہ مطلب ہے کہ انسان میں خدا کی صفات کاملہ کی ایک دھندلی سی جھلک
 موجود ہے، علم قدرت، حیات، شمع، بصر، ارادہ، غضب، رحم، سجا، وغیرہ تمام صفات رحمانی کی ناقص مثالیں اس کے
 اندر اللہ نے ودیعت رکھی ہیں، اور چونکہ انسان کے تمام اعضا میں اس کا چہرہ ہی اس کی شخصیت کا آئینہ دار اور اس کے
 اکثر اس کا مصدر ہے، جن سے تمام اوصاف کا ظہور ہوتا ہے، اسلئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انسان کے اعضا میں اسی کو
 فیض رحمانی کا مورد ٹھہرایا، اب غور کرو کہ وہ چہرہ جسکو خدا سے نسبت ہو اس لائق ہے کہ وہ غیر خدا کے آگے زمین پر
 رکھا جائے، اور اس کی زبان سے غیر خدا کی حمد کا ترانہ نکلے۔

وہ تو کائنات میں خلیفۃ اللہ بنکر آیا ہے،

وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ (الفہم: ۲۰) اور اسی نے تم کو زمین کا نائب بنایا،

تو اب وہ کائنات میں خدا کے سوا کسکو سجدہ کرے،

روئے زمین کی تمام چیزیں اس کے خاطر بنیں، وہ روئے زمین کی چیزوں کی خاطر نہیں بنا،

خَاقِ لَكُمْ مِمَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا (بقہ: ۳) جو کچھ زمین میں ہے خدا نے (اسے انسانوں) تمہارے لئے بنایا،

إِنَّ اللَّهَ يَخْتَارُ لَكُمْ مِمَّا فِي الْأَرْضِ (حج: ۹) زمین میں جو کچھ ہے، خدا نے اسکو تمہارے میں میں پیدا ہوا

صحیح بخاری کتاب الاستیذان، ابن ابی عاصم فی السنۃ، والطبرانی میں حدیث ابن عمر باسناد و رجالہ ثقانہ، وادب المفرد بخاری و احمد بن ابی ہریرہ
 و صحیح مسلم کتاب التبریز توراتہ میں بھی یہ فقرہ ان الفاظ میں ہے: جس دن خدا نے آدم کو پیدا کیا، خدا کی صورت پر اسے بنایا (پیدائش: ۵-۲)
 صحیح بخاری کتاب العقیق، و صحیح مسلم کتاب البر والصلۃ صحیح مسلم کتاب البریہ آخری بکرا صرف مسلم میں ہے، لکھ الادب المفرد و امام
 بخاری باب لا تقل قبح اللہ و جہ، اس حدیث کی شرح میں مستخرج اباری شرح بخاری میں یہ قول نقل کیا گیا ہے،

تو وہ زمین کی کس مٹی کے سامنے سر جھکاے،

شُرک، بت پرست، ستارہ پرست، فطرت پرست، حقیقت میں غیرِ دین کے آگے جھک کر یہ ثبوت دیتے ہیں کہ یہ اُن کے لیے نہیں، بلکہ وہ اُن کے لیے بنے ہیں، جو چاند اور سورج کو پوجتے ہیں، وہ یہ سمجھتے ہیں کہ چاند اور سورج اُن کے لیے نہیں، بلکہ وہ چاند اور سورج کے لیے بنے ہیں، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وحی اور تعلیم کے ذریعہ سے یہ بتایا کہ کائنات کی ہر چیز انسان کے لیے بنی ہے، اور انسان خدا کے لیے، اس لیے کائنات کا ہر ذرہ انسان کی خدمت گزار ہی بن مصروف ہے، تو انسان کو بھی خدا ہی کی خدمت گزار ہی بن لگنا چاہیے،

ابوہار و مہ و نور شید و فلک در کارند

تا تو نانے بکف آری و بغفلت نہ خوری

انسانوں نے آسمانی مخلوقات کو اپنا معبود بنایا، تو وحی محمدیؐ نے انسانوں سے کہا،

وَسَخَّرَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۚ

وَالنَّجْمُ مَسَاحِرٌ بَاطِلَةٌ (نحل - ۲)

انسانوں نے جانوروں کو پوجا، تو پیغام محمدیؐ نے ان انجانوں کو بتایا کہ یہ تمہارے ہیں، تم اُنکے نہیں ہو،

وَاللَّعَنَآ مَن خَلَقَا لَكُم مِّنْ دُونِهَا مَنَافِعَ ۚ

اور جانوروں کو پیدا کیا، تمہارے لیے اس میں اُن کی گرمی اور دوسرے فائدے ہیں، (نحل - ۱)

انسانوں نے دریاؤں، دریاؤں کو دیسی اور دیوتا بنایا، حالانکہ وہ بھی انہی کی خاطر عدم سے وجود میں آئے ہیں،

وَهُوَ الَّذِي سَخَّرَ لَكُمُ الْيَمَّ تَجَارِبًا لَّعَلَّكُمْ تَعْلَمُونَ

اور وہی خدا ہے جس نے دریا کو کام میں لگایا تاکہ تم اُس سے

تازہ گوشت کھاؤ، اور تاکہ تم اُس میں سے آرائش کے موتی

پہننے کو نکالو، اور دیکھتے ہو کہ ہمارے سمندر کو چارے پھرتے ہیں

تاکہ تم خدا کے فضل و کرم (روزی) کی تلاش کرو، (نحل - ۲)

آگ بھی انسانوں کی سجدہ نبی، حالانکہ وہ خود انہی کی محبت میں جل رہی ہے،

الَّذِي جَعَلَ لَكُم مِّنَ الشَّجَرِ الْأَخْضَرِ نَارًا ۚ

جس نے تمہارے واسطے ہرے درخت سے آگ پیدا کی، پس

فَإِذَا أَنفُكُم مِّنْهُ لَوْ كُنْتُمْ وَٰقِنِينَ (یسین ۵)

اُس وقت تم اُس سے روشن کرتے ہو،

الغرض زمین سے لیکر آسمان تک جو بھی مخلوق ہے، انسان اُس سے اشرف اور بلند تر ہے، اور سب اسی

لیے ہے، پھر اُس انسان سے بڑھکر اور کون نادان ہے جو مخلوقات میں سے کسی کو اپنا مبعود، اور سجدہ بنائے، اس حقیقت کے استکار ہونے کے بعد شمرک کا کوئی پیلو بھی ایسا ہے جس میں کوئی سچا مسلمان گرفتار ہو سکے، اور ایک آستانہ کو چھو کر وہ کسی اور چوکھٹ پر اپنا سر جھکا سکے؟

الغرض محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس توحید کی تلقین کی، وہ انہیں دو اصولوں پر قائم ہے، ایک یہ کہ انسان تمام

مخلوقات میں اشرف ہے، اس لیے کسی مخلوق کے سامنے اسکا سر نہ جھکنا چاہیے، اور دوسرا یہ کہ ہر قسم کی قوت، قسم

کی قدرت، اور تمام اوصاف کمالیہ صرف ایک بزرگ و برتر ہستی کے لیے ہیں، جو اور اسے عرش سے زیرِ فرش تک

ہرزہ پر حکمران ہے، اسکی اطاعت کے دائرہ سے کوئی نقطہ باہر نہیں، انسان کی پیشانی کو ہر چوکھٹ سے اونٹھکر صرف

اویسی کے استنثار جھکنا چاہیے، ہماری تمام عقیدت، ہماری تمام محبت، ہمارا تمام خوف، ہماری تمام امیدیں، ہماری

تمام دعائیں، ہماری تمام التجائیں، ہماری تمام عاجزیاں، صرف اُسی ایک درگاہ پر شمار ہوں، اور اویسی کے رحم و کرم

کے سہارے ہماری زندگی کا ہر لمحہ بسر ہو،

وہ بزرگ و برتر ہستی کیا ہے؟ اور اسکی نسبت ہمارا کیا تخیل ہو؟ تعلیم محمدی نے اسکا بھی جواب دیا،

خدا کا جامع اور مانع تخیل | قرآن پاک کی آیات، جاہلیت کے اشعار، اسلام سے پہلے عربوں کے واقعات بلکہ عرب

انابت کے کتبات سے یہ واضح طور پر ثابت ہے کہ عربوں کے ذہن میں ایک بالاتر ہستی کا تخیل ضرور موجود تھا، اسکا

نام اُن کے ہاں اللہ تھا، مگر وہ کیا ہے؟ اور کیسا ہے؟ اُس کے صفات کیا ہیں؟ اسکی طرف کیا کیا باتیں منسوب

کیا جاسکتی ہیں، کن کن باتوں سے پاک ہے، اسکا تعلق اپنے بندوں کے ساتھ کیسا ہے؟ ہم کو اُس کے آگے کھینچنا

چاہیو اور اُس سے کیا کیا مانگنا چاہیو اور کیونکر مانگنا چاہیو، اُسکے حضور میں عاقلین کیونکر کجائیں؟ ہم اُس سے کیوں ڈریں اور کیونکر ڈریں اور اُس سے
 ڈرنے کی کیا حقیقت ہے؟ اور اُس سے محبت بھی کیجا سکتی ہے یا نہیں اور اگر کیجا سکتی ہے تو کیونکر؟ اُس سے محبت کی حقیقت کیا ہے؟ اسکی
 قدرت کہاں تک ہے؟ اُس کے علم کی کیا حیثیت ہے؟ کیا وہ ہم سے دور ہے یا بالکل قریب؟ اُس کے تقدس بڑائی
 اور عظمت کی کوئی حد ہے؟ اُس پر ہم توکل اور بھروسہ کیونکر کریں؟ کیا وہ انسانوں کے کسی صنف سے کلام بھی کرتا ہے؟
 اُس کے احکام بھی ہیں؟ وہ احکام واجب الاطاعہ بھی ہیں؟ وہ کن باتوں سے خوش ہوتا ہے اور کن سے ناخوش؟
 کیا وہ ہمارے دلوں کے چھپے ہوئے رازوں سے بھی آگاہ ہے؟ کیا اسکی اجازت کے بغیر زمین کا ایک ذرہ بھی نیچا
 جگہ سے حرکت نہیں کر سکتا؟ اسکی مشیت اور اسکا ارادہ کیونکر آسمان سے زمین تک ہر چیز کو محیط ہے؟ کیا اُس کے بنائے
 ہوئے قاعدے اور قانون بھی ہیں؟ کیا وہ انسانوں کی تعلیم اور اصلاح کے لیے پیغمبروں کو بھی مبعوث کرتا ہے؟
 کیا ہم اُس کے نزدیک اپنے اعمال کے جواب دہ بھی ہیں؟ ہم سے وہ کیوں اور کیونکر ہمارے اعمال کا مواخذہ کریگا؟
 یہ وہ باتیں ہیں جنسے عجب جاہلیت کا دل دماغ بالکل عاری اور خالی تھا، اور اُن کے متعلق اس کے ذہن میں کوئی
 تخیل نہ تھا، جاہلیت کا ایک ایک شعر پڑھ جاؤ، اُن کے مذاہب و اعتقادات کا ایک ایک حرف تلاش کرو، اس سے
 زیادہ کچھ نہ پاؤ گے کہ وہ ایک طاقتور اعلیٰ ہستی جو جس نے سب کو پیدا کیا ہے، اور مصیبتوں اور بلاؤں میں اسکو
 بھارنا چاہیے،

مجدد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ربانی تعلیمات سے اُن کو اللہ تعالیٰ کی حقیقی عظمت سے آشنا کیا، اسکی
 وحدت اور بے منالی سے باخبر کیا، اسکی مشیت ارادہ، قدرت اور وسعت سے آگاہ کیا، ایک ایسی ہستی کے اعتقاد
 کی اسکو تعلیم دی جسکی قدرت بے انتہا جسکی وسعت غیر محدود جسکی مشیت کائنات کے ہر ذرہ میں نافذ
 جس کے علم کے احاطہ میں اندھیرے اور اجالے کی ہر چیز داخل، دلوں کے اسرار، زبانوں کے الفاظ اور ہاتھ پاؤں
 کے اعمال سب ہر لحظہ اور ہر لمحہ اُس کے دربرو، اُس کے سامنے انسان اپنے ہر عمل کا جواب دہ اور ذمہ دار، اُس کے
 مواخذہ کا خوف، اور اسکی رحمت کی امید ہے، وہ محبوب ازل ہے، اور اسکی محبت کا نشہ ہمارے دلوں کی ہشیار

ہے، اُس کے فضل و کرم اور محبت کی نیکیاں اوپر سے نیچے تک پھیلی ہیں، اوسکی قوت ہر قوت پر غالب، اُس کا ارادہ ہر ارادہ پر نافذ، اوسکا حکم ہر حکم سے بالاتر ہے، اسکی عبادت ہر مخلوق پر فرض، اور اوسکی اطاعت ہر تکلف پر واجب ہے، وہ ہر عیب سے پاک اور منترہ اور ہر وصف کا مستحق، اور اُس سے مصطفیٰ ہر انسان کو اپنی یاد دلانے اور اُن کے تزکیہ اور اصلاح کے لیے رسولوں اور پیغمبروں کو بھیجتا رہا، اور اُن سے ہم کلام ہوتا رہا، اُس کے احکام اور بندھے ہوئے قوانین ہیں، جنکی اطاعت نیکی اور نافرمانی گناہ ہے، وہ اندھیرے کی روشنی، بھوکوں کی سیری، مایوسوں کی امید، زخمیوں کا مرہم، بے قراروں کی تسلی اور بے کسوں کا سہارا ہے، وہ ہم سے ہماری گردن کی رگ سے بھی قریب تر ہے، ہم اُس کو جب پکاریں وہ سنتا ہے، وہ نیکیوں کو پسند اور گناہوں سے نفرت کرتا ہے، وہ جب چاہے آسمان وزمین کو فنا کر دے، اور جب چاہے اُن کو پھر چا دے، اوسکی محبت دنیا کا جہل، اوسکی عبادت ہماری زندگی کا مقصود اور اسکی یاد ہمارے دلوں کی راحت ہے،

اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ (رعد - ۴) ہاں خدا کی یاد سے دلوں کو اطمینان کی دولت ملتی ہے،
ان تعلیمات کا اثر یہ ہوا کہ وہ لوگ جنکو مجھوے سے بھی خدا کا نام یاد نہ آتا تھا، وہ اُس کے سوا سب کچھ مجھو گئے، اور اوسکی راہ میں ہر چیز قربان کرنے کو تیار ہو گئے، وہ چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے ہر حال میں اوسکی یاد میں سرست و سرشار ہو گئے،

يَذْكُرُونَ اللّٰهَ قِيَامًا وَ قُعُودًا وَّ اَعْلٰى الْجُبُوْبِ (انعام - ۱۰۲) وہ خدا کو اٹھتے بیٹھتے اور لیٹے یاد کرتے ہیں،
اس سرستی و سرشاری میں بھی انھوں نے جگہوں میں راہبانہ زندگی بسر نہیں کی، دولت مندوں کی کھبکھ کو اپنا سہارا نہیں بنایا، دنیا کی گنگنشتوں سے بزدلانہ گوشہ نشینی کو تقدس کا نام دیکر اختیار نہیں کیا، بلکہ فرائض کی ادائیگی اور اس راہ میں جدوجہد اور سعی و کوشش کو اپنا مذہب سمجھا، اور خدا کا حکم جانکر اُسکو پوری مستعدی کے ساتھ بجالائے، اور ان تمام ہنگاموں کے ساتھ دل کا معاملہ دلدارِ ازل کے ساتھ ہمیشہ قائم رکھا، خدائے اونکی مدح کی کہ
رِجَالٌ لَا تُلَاحِظُ جِمَامًا وَلَا يَبِيعُ شَيْئًا ذَكَرُوا اللّٰهَ (نور - ۴)

اُن کی محبتِ الہی کا درجہ دنیا کی ہر محبت پر غالب آگیا، خدا نے اُنکی توصیف کی کہ

وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ (بقرہ - ۲۰) ایمان والے سب سے زیادہ خدا سے محبت کرتے ہیں،

اُن کا توکل اُن کا صبر اُن کا استقلال، اُن کی استقامت، اُنکی بہادری، اُنکی بخشنی، اُنکی صداقت، اُنکی استبازی، اُنکی اطاعت ہر چیز اُن کے اسی جذبہ ایمان کا پرتو تھی، اور ہر وقت اُن کے پیشِ نظر تعلیم تھی کہ

وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا (طلاق - ۱) جو خدا پر بھروسہ کرتا ہے، تو خدا اُس کو بس کرتا ہے،

أَلَيْسَ اللَّهُ بِكَافٍ عَبْدًا (زمر - ۴) کیا خدا اپنے بندہ کو کافی نہیں،

وَتَخَشَّى الْمَآءُ وَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَاهُ (احزاب - ۵) اور تو لوگوں سے ڈرتا ہے، حالانکہ سب سے زیادہ خدا ڈرنا چاہیے

اُن میں یہ تمام روحانی و اخلاقی جوہر اسی ایمان باللہ کے بدولت پیدا ہوا،

اسماء و صفات | دنیا کے آغاز میں خدا نے کہا تھا کہ ہم نے آدم کو سب نام سکھائے، دنیا کہاں سے کہاں نکل گئی، اور علم کی وسعت کہاں سے کہاں پہنچی، مگر غور کیجئے تو ناموں کے ہیر پھیر سے ہم اب تک آگے نہیں بڑھے ہیں، ہماری حقیقت رسی ہے، اور یہی ہمارا فلسفہ ہے، ہم اپنے مفروضہ اصولِ منطقی کی بنا پر ذاتیات اور حقائق کے ذریعہ سے اشیاء کی تعریف کے مدعی بن گئے ہیں، لیکن ہزاروں صدیاں گزرنے پر بھی ذاتی اور حقیقی تعریف (حدِ منطقی) کی ایک مثال بھی پیش نہ کر سکے، جو کچھ کر سکے وہ یہ کہ صفات، عوارض اور خواص کے مختلف رنگوں سے نئی نئی طفلانہ تسکینیں بنائیں اور بگاڑتے ہیں، جب مادیات کا یہ عالم ہے تو دراز اور ابستی میں ہماری بشری طاقت اس سے زیادہ کا تحمل کیونکر کر سکتی تھی گا، وہ طور اسی رمز کی آئینہ تصویر ہے،

ہم خدا کو بھی اُس کے ناموں، اُس کے کاموں اور اُس کی صفات ہی سے جان سکتے ہیں

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کے جاہلون کو اسی نصابِ انسانی کے مطابق تعلیم دی، عرب کا جاہل اللہ کا نام ایک اعلیٰ ہستی سے واقف تھا، لیکن اُس کے ناموں اور کاموں کے تخیل سے بڑی حد تک نا آشنا تھا، اس لیے اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات سے بھی وہ قطعاً بیگانہ تھا، دیوانِ عرب یعنی اُنکی شاعری کے دفرین کہیں کہیں اللہ کا نام آتا ہے مگر

لیکن اسکی صفت کا ذکر نہیں آتا، قرآن پاک میں اُن کے خیالات کا پورا عکس اتارا گیا ہے، لیکن کہیں سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات سے بھی آگاہ تھے، بعض عیسائی عربوں میں اللہ کے ساتھ ساتھ "الرحمان" کا لفظ بھی مستعمل تھا جس کے معنی "رحم کرنے والے" کے ہیں، صحابہ الفیل کے رئیس عیسائی ابرہہ کے نام سے سیدِ عزم (میں) پر جو کتبہ لگا ہے، اور حبکوہ میں فاضل گلزار نے شائع کیا ہے، انہیں بھی دو جگہ رحمان کا لفظ آیا ہے، عرب عیسائی شعراء کے کلام میں بھی یہ لفظ ملتا ہے، عیسائیوں میں اس کے استعمال کا نتیجہ یہ تھا کہ عرب مشرکین کو اس لفظ سے چڑھ ہو گئی تھی، اسی لیے جب اسلام نے اس لفظ کو اختیار کیا، تو مشرکین نے اس کے قبول کرنے سے انکار کر دیا، صلح حدیبیہ کے موقع پر حبیب انصاری صلح نے معاہدہ کے کاغذ پر بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھوائی تو قریش کے نمائندہ نے کہا کہ قسم ہوا اللہ جی مجھے نہیں معلوم کہ رحمان کیا ہے؟

مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے اور قرآن مجید میں بار بار خدا کے لیے رحمان کے لفظ کے استعمال سے مشرکوں کو برہمی ہوتی تھی، اور کہتے تھے کہ ہم کبھی رحمان کے آگے سرنگون نہیں ہو سکتے، قرآن نے انکی اسی حالت کا ذکر اس آیت میں کیا ہے،

وَإِذْ أَمَرْنَا لَهُمُ النُّجُودَ وَاللَّحْنُ قَالُوا وَمَا
الرَّحْمَنُ أَنْتَجِدُ لِمَا نَأْمُرُنَا وَنَرْآدُ هُمْ نَفُورًا،
اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ رحمان کو سجدہ کرو، تو کہتے ہیں
کہ رحمان کیا ہے، کیا تم حبکوہ کو اسکو ہم سجدہ کریں، رحمان
کا نام انکی نفرت کو اور بڑھا دیتا ہے، (فرقان- ۵)

مشرکین کو یہ برا لگتا تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک طرف تو اُن کے بتوں اور دیوتاؤں کی مذمت کرتے ہیں اور
دوسری طرف عیسائیوں کے رحمان کی مدح و ستائش کرتے ہیں،

أَهَذَا الَّذِي يَذْكُرُ إِلَهُكُمْ وَهُمْ يَذْكُرُونَ الرَّحْمَنَ
هُمْ كُفَرًا، (انبیاء- ۲۳)
مشرک آپکو دیکھتے تو مذاق سے کہتے کہ یہی وہ جو تمہارے دیوتاؤں
کو بڑھاتا ہے، اور وہی مشرک چاہے ذکر سے انکار کرتے ہیں،

تعلیم محمدی نے عرب کے نا آشنا یانِ حقیقت کو بالآخر آگاہ کیا کہ خدا کے اسماء و صفات کی کوئی حد نہیں، اوس کو سب ہی اچھے ناموں سے پکارا جاسکتا ہے،

قُلِ ادْعُوا اللَّهَ اَدْعَاؤَ الرَّحْمٰنِ ؕ اَيُّ مَآثَرَاتٍ مُّجْمَعَةٍ
 كُنْتُمْ اِلَيْهِ تُدْعَوْنَ (اسرائیل-۱۲)

کہندہ (اسے پیغمبر کہہ) خدا کو اللہ کہہ کر پکارو یا رحمان کہہ کر پکارو جس نام سے بھی پکارو سب اچھے نام اُسی کے ہیں،

اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کا مسئلہ اسلام کے اُن اہم مذہبی اصلاحات میں سے ہے، جن سے نہ صرف عرب کے جاہل نا آشنا تھے، بلکہ دنیا کے بڑے بڑے مذہبوں کے پیرو بھی غلطیوں میں مبتلا تھے، یہودیوں کے اسفار اور صحیفوں میں خدا سے برحق کا اصلی نام "یہوہ" تھا، مگر کبھی عام یہودیوں کو اس مقدس نام کے زبان پر لانے کی اجازت نہ تھی، دوسرا عام نام "الوہیم" ہے، جو ہر موقع پر استعمال ہوتا ہے، ان کے علاوہ اُس کے بیسیوں نام اور اسماء جو حقیقت اُس کے اوصاف ذاتی، اور اعمال ربانی کے ترجمان ہیں تو رات کا ذکر اُن سے خالی ہے، صفات الہی میں سے جو صفت یہودی صحیفوں میں سب سے زیادہ نمایاں ہو وہ فوجوں والے خداوند یعنی "رب الافواج" کا لفظ ہے، جو اسکی صفاتِ جلالی کا منظر ہے،

عیسائیوں کی انجیل اور کتابوں میں "باب" کا لفظ خدا کے لیے استعمال ہوا ہے، اس لفظ کی حقیقت اور خدا پر اس لفظ کے اطلاق سے مقصود کیا ہے، اور گوشت پوست اور مادیت سے بھرے ہوئے لفظ کا خدا پر مجازی استعمال بھی کہاں تک جائز ہے؟ اور اس سے اس مذہب میں کہاں تک غلطیاں پھیلین، ان باتوں کو چھوڑ کر بھی دیکھئے، تو یہ خدا کی صرف جالی صفات کی ناقص اور مادی تعبیر ہے، عیسائیت میں فلسفہ کی آمیزش نے تثلیث کے اختراعی عقیدہ کو اسی مسئلہ صفات کے پردہ میں چھپا لیا، اور یہ تاویل گنگنی کہ تثلیث کے قائم کنندہ، باپ (خدا) بیٹا (حضرت عیسیٰ) اور روح القدس، حیات، خلق اور علم میں صفوں سے عبارت ہیں، باپ، حیات، بیٹا، خلق، اور روح القدس علم ہے، اور یہ تینوں ایک ہیں، اور یہ تینوں وجود میں الگ الگ ہیں، اس تشریح سے صفات الہی کے تخم کے مسئلہ نے جنم لیا، اور ایک خدا کوئی خداؤں کا مجموعہ بن گیا،

ہندوؤں میں اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کی نیرنگی نظر آتی ہے، لیکن ہر صفت نے ان کے ہاں ایک مستقل وجود حاصل کر لیا ہے، اور خود خدا ہر قسم کی صفات سے خالی، اور مجرور رہ گیا ہے، اور اسی لئے ہندوستان کے تمام مذاہب اسی تجسیم صفات کے جلوہ گاہ ہو کر رہ گئے ہیں، برہما، ہیش، وشنو، تین صفات خالق، نمیت (مارنے والا) اور قیوم کے مجسمے ہیں، غلط تعبیر نے وحدت کی جگہ یہاں بھی تثلیث پیدا کر دی، شکر اچار یہ نے خدا کے صرف تین اصلی صفات تسلیم کئے، حیات، علم اور سرور یا آنتا، جن مذہب اور بعض ہندو فرقوں میں ایک خالقیت کی صفت کے تجسیم نے اعضائے تسلسل کی پریش کی گمراہی پیدا کی، عام ہندوؤں میں ۳۳ کروڑ عجیب الغلت دیوتاؤں کی عظیم الشان بھڑ بھی صفات و اسماء الہی کی تجسیم اور مستقل وجود کے غلط فلسفہ نے پیدا کیا، اور اسی نے بت پرستیوں کی نت نئی صورتیں نمایاں کیں، جوسیون میں یزدان اور اہرن کی ثنویت اور دوئی بھی، خدا کی دو صفاتوں، ہادی اور مصل کو دو مستقل ہستیوں میں منقسم کر دینے کا نتیجہ ہے، اس تفصیل سے اندازہ ہوا ہو گا کہ اس مسئلہ کی غلط تعبیر نے دنیا میں کتنی گمراہیاں پیدا کی ہیں،

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانوں کے ان تمام فاسد تخیلات کو باطل ٹھہرایا، ان کے غلط عقیدوں کی تصحیح کی اور ربانی ہدایت کے نور سے سرج منیر بنکر جس طرح اس حقیقت کو روشن کیا وہ نبوت محمدی کے عظیم شان کا زائما ہے،

اپنے بتایا کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کاملہ کتنی اور شمار کی حد سے باہر ہیں، اور ان کی باتوں کی کوئی اتہا نہیں، اپنے یہ دعا سکھائی، ”اے خداوند! تیرے ہر اس نام کے وسیلہ سے، جو تو نے اپنا رکھا، یا اپنی کتاب میں آما، یا کونکے کو سکھایا، یا اپنے لیے اپنے علم غیب میں اس کو چھپا رکھا، میں تجھ سے مانگتا ہوں، حضرت عائشہؓ کو یہ الہامی دعا، تعلیم ہوئی، ”خداوند! میں تیرے سب اچھے ناموں کے وسیلہ سے تجھ سے کچھ کہہ رہا ہوں، اور جب کو نہیں جانتا تجھے در خوا کرتا ہوں“ قرآن پاک کے ذریعہ بتایا گیا،

لے یہ یزیدوں دعا میں نام ہستی کے کتاب اسماء و صفات میں بسند نقل کی ہیں، اور پہلی روایت سند بن جابر میں بھی (بزرگ عبد اللہ بن مسعود) ہے،

قُلْ تَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ إِنَّهُ يَحْكُمُ مِثْلَ الْقُلُوبِ رَبِّي لَنَفَعَنَّ الْبَحْرَ
 کدے (اسے پیغمبر) اگر سمندر میرے پروردگار کی باتوں کے لکھنے
 قَبْلَ أَنْ تَنْفَعَنَّ كَلِمَاتُ رَبِّي وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهِ
 کے لیے سیاہی بنائے، تو سمندر ختم ہو جائے لیکن میرے پروردگار کی باتیں
 ختم نہ ہوں گی، اگرچہ ہم ایسا ایک درمندر بھی کیوں دے لیں،
 مَدَّ دَاۤءَ (الکھف - ۱۲)

دوسری جگہ کہا گیا،

وَلَوْ أَنَّ مَآبِيَ الْأَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ أَقْلًا وَالْبَحْرُ
 اگر زمین میں جتنے درخت ہیں وہ قلم ہو جائیں اور سمندر اور
 يَمُّدُّ مِنْ بَعْدِهِ سَبْعَةُ أَنْحَارٍ مَا لَفَيْدَتْ
 اُس کے بعد سات سمندرون کا پانی سیاہی ہو جائے تو بھی
 كَلِمَاتُ اللَّهِ ط (لقمان - ۳)

اللہ کی باتیں ختم نہ ہوں گی،

الغرض تمام اچھے اور کمالی نام اسی کے لیے ہیں اور اسی کو زیبا ہیں،

اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ لَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَى،
 نہیں ہے کوئی معبود لیکن وہی اللہ اوسے کے لیے ہیں
 سب اچھے نام، (طہ - ۱)

بڑائی کا ہر نام اور خوبی کا ہر وصف اوسے ذات بے ہمتا کے لیے ہے، خواہ اوسکو خدا کہو، یا اللہ کہو، لغت اور
 زبان کا کوئی فرق اس میں غلط انداز نہیں،

قُلْ اذْكُرُوا اللَّهَ إِذْ دَعَا الرُّسُلَ إِلَىٰ مَا تَدْعُو
 کدے (اسے پیغمبر) اوسکو اللہ لکھ پکارو، یا رحمان لکھ پکارو،
 فَلَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَى - (اسرائیل - ۱۲)
 لکھ پکارو، کہ سب اچھے نام اُسی کے ہیں،

لیکن مشرکوں کی طرح اوسکو ایسے ناموں سے نہ پکارو، جو اُس کے کمال اور بڑائی کے منافی ہیں اور بتوں
 اور دیوتاؤں کے ناموں سے بھی اوسکو یاد نہ کرو،

وَلِلَّهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ فَادْعُوهُ بِهَا ۚ وَ
 اور اللہ ہی کے لیے ہیں سب اچھے نام، اُس کو ان ناموں
 ذَرِ الَّذِينَ يُلْحِدُونَ فِي أَسْمَائِهِ ۚ
 سے پکارو، اور ان لوگوں سے علیحدہ رہو جو اُس کے ناموں
 مین کجی کرتے ہیں، (اعراف - ۲۰)

تعلیمِ محمدی کا صحیفہ وحی اللہ تعالیٰ کے تمام اوصافِ حمیدہ اور اسمائے حسنیٰ سے بھرا ہوا ہے، بلکہ اس کا صفو صفو
اُس کے اسماء و صفات کی جلوسِ گریون سے معمور ہے، قرآن پاک کا کلم کوئی ایسا شروع ہوگا، جس کا خاتمہ خدا کی توصیف
اور حمد پر نہ ہو، اور یہ تمام اوصاف اور نام اُس عشق و محبت کو نمایان کرتے ہیں، جو اس محبوبِ ازل اور نورِ عالمِ کبھی
قرآن کے ہر پیر و کے دل میں ہونا چاہیے،

اللَّهُ نُورٌ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ مِثْلُ نُورِ
كَشْكُوذٍ فِيهَا مِصْبَاحٌ ط الْمِصْبَاحُ فِي
نُجْمٍ جَاهِدَةٍ ط الزُّجُجَاهِدَةُ كَمَا تَأْكُلُ الْكَوْكُوبُ دُرٌّ
يُوقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُبَارَكَةٍ زَيْتُونَةٍ لَا
شَرْقِيَّةٍ وَلَا غَرْبِيَّةٍ يَكَادُ زَيْتُهَا يُضِيئُ
وَكَوْكَبُهُ تَمْسَسُهُ نَارُهَا نُورٌ ط نُورٌ
يَهْدِي اللَّهُ لِنُورِهِ مَن يَشَاءُ ط وَيَضْرِبُ
اللَّهُ الْأَمْثَالَ لِلنَّاسِ ط وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ

اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے، اُس کے نور کی مثال یہ ہو کہ
ایک طاق ہو جس میں چراغ ہو، چراغ ایک شیشہ کے اندر
ہو، شیشہ اتنا صاف ہو کہ گویا ایک چمکتا ستارہ ہے،
وہ چراغ زیتون کے مبارک درخت کے تیل سے جلایا
گیا ہو نہ وہ پورب ہے نہ پچھم ہے، اوس کا تیل اتنا
صاف ہے کہ آگ کے چھوٹے بغیر وہ آپ سے آپ
جلنے کو ہو، روشنی پر روشنی، خدا اپنی روشنی تکس چمکو
چاہے پہنچا دے اور خدا لوگوں کے سمجھانے کیلئے یہ مثالیں
بیان کرتا ہی، اور اللہ کو ہر چیز کا علم ہے،

(نور - ۵)

اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ لَا تَأْخُذُهُ
سِنَةٌ وَلَا نَوْمٌ لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي
الْأَرْضِ مَن ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا
بِإِذْنِهِ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ
وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ وَسِعَ
كُرْسِيُّهُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَهوَ يَظُنُّهُمَا

اللہ، نہیں ہے اُس کے سوا کوئی اور معبود، وہ ہمیشہ زندہ
تمام دنیا کو منہا ہے ہے، اور اس کو اونگہ اور نیند نہیں آتی، اس کا
ہیں اور زمین میں جو کچھ ہے اُسی کا ہے، کون ہے جو اس کی
رضی کے بغیر اُس کے سامنے سفارش کرنے کو کھڑا ہو، انسان
کے سامنے اور پہنچے جو کچھ ہے اس کو جانتا ہے، اور وہ اس کے
علم کا احاطہ نہیں کر سکتے، لیکن جتنے کا وہ چاہے، اس کا تخت

حَفِظَهُمَا ۖ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ

(نقرہ - ۴)

هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۖ عَلِيمُ الْغَيْبِ
وَالشَّهَادَةِ ۖ هُوَ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ ۖ هُوَ اللَّهُ
الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۖ الْمَلِكُ الْقُدُّوسُ
السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيَّمُ الْعَزِيزُ الْحَبِيبُ
الْمُتَكَبِّرُ ۖ سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ ۖ هُوَ اللَّهُ
الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ ۖ لَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَى
يُسَبِّحُ لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ
الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (حشر - ۳)

سُبْحَانَ اللَّهِ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ وَهُوَ
الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۖ لَهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ
يُحْيِي وَيُمِيتُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۖ هُوَ
الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۖ وَهُوَ
بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۖ هُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ
وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَى
عَلَى الْعَرْشِ ۖ يَعْلَمُ مَا يَلْمِ فِي الْأَرْضِ وَمَا يُخْرِجُ
مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيهَا ۖ
وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ ۖ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ

آسمانوں اور زمین کو سہاے ہوئے ہے، اس آسمان اور

زمین کی نگہبانی اُسکو تمھاری نہیں اور وہی اونچا اور بڑا ہے،
وہی اللہ ہے جسکے سوا کوئی اللہ نہیں چھپے اور کھلے کاظم رکھنے
والا، وہی رحم کرنے والا، اور مہربانی والا، وہی اللہ جسکے
سوا کوئی اللہ نہیں، سب کا بادشاہ، پاک، پوری سلامتی
امن والا، ہر شئی پر گواہ، غالب، سب پر قابو والا، بڑائی والا،
اس پاک ہی جسکو یہ مشرک خدا کا شریک بتاتے ہیں، وہی اللہ
پیدا کرنے والا، بنانے والا، ہر چیز کی صورت کھینچنے والا، اُسکی
کے لیے سب اچھے نام ہیں جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں
سب اسکی پاکی بیان کرتے ہیں وہی سب پر غالب اور حرکت والا ہے
آسمانوں میں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ سب خدا کی پاکی
بیان کرتے ہیں وہی غالب اور دانا ہے، آسمانوں کی اور
زمین کی حکومت اُسی کی ہے، وہی جلاتا ہے اور سارے ہوا
وہ ہر بات پر قادر ہے، وہی پہلا اور وہی پچھلا ہے، وہی کھلاتا ہے
وہی چھپاتا ہے اور ہر بات کو جانتا ہے، وہی جس نے آسمانوں کو
اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا، پھر تخت پر برابر ہوا، وہ جانتا ہے
جو زمین میں گھسٹا ہے اور جو زمین سے نکلتا ہے، اور جو آسمان سے اترتا
ہے اور جو آسمان میں چڑھتا ہے، اور جہاں بھی تم ہو وہ تمھارے
ساتھ ہے، اور اللہ تمھارے کاموں کو دیکھتا ہے،

لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاللَّهُ تَجْمَعُ
 الْأُمُورُ، يُؤْتِي الْبَلَّ فِي النَّهَارِ وَيُؤْتِي الْإِنْفَاقَ
 فِي اللَّيْلِ وَهُوَ عَلِيمٌ بِذُنُوبِ الصُّدُورِ،
 اسی کی آسمانوں کی اور زمین کی بادشاہی ہو اور اللہ ہی
 تمام چیزوں کا مرجع ہے، وہ رات کو دن میں داخل کر دیتا ہے
 اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے، وہ سینوں کے

(حدید - ۱) سب بھید سے واقف ہے،

خدا کے متعلق اہل عرب کا جو پست خیال تھا، اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکو مٹا کر ان کے سامنے جو بلند خیال پیش کیا، اس کا اندازہ حسب ذیل آیت سے ہو سکتا ہے، اپنے جب توحید کا آواز بلند کیا، تو مشرکین جو اپنے دیوتاؤں کے الٰہ اولاد اور بیویوں اور گویوں کی حمد کے ترانے گاتے تھے، آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور فرمائش کی کہ ذرا اپنے خدا کا نسب تو ہمارے سامنے بیان کرو، یعنی گواہ اپنے دیوتاؤں سے اسلام کے خدا کا مقابلہ کر کے بتانا چاہتے تھے کہ اس حیثیت سے اسلام کا خدا ہمارے دیوتاؤں کی ہمہ سہی نہیں کر سکتا، اس کے جواب میں وحی محمدی نے اپنے خدا کی حقیقت قرآن پاک کی اس سب سے مختصر سورہ میں پیش کی،

قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ، اللَّهُ الصَّمَدُ، لَمْ يَلِدْ، لَمْ يُولَدْ،
 وَلَمْ يَكُنْ لَكَ كُفُوًا أَحَدٌ،
 اُس سے (اسے پیغمبر) وہ اللہ ایک ہے، وہ تنہا اور بزرگ اور بیچتا
 اور عالم کا مرجع اور جاپنا ہے، نہ وہ اولاد جانی، اور نہ اس کے
 کوئی مان باپ، جس نے اسکو جنما ہوا اور نہ اسکا کوئی ہمسر

(اخلاص)

یہ روایت حضرت ابی بن کعب سے مروی ہے، حضرت ابی تمیمہ مین سب سے زیادہ قرآن کے ماہر سمجھے جاتے ہیں، وہ اسی کے بعد اس سورہ کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ "صمد" وہ ہے جو نہ جنما ہے اور نہ کسی نے اسکو جنما ہوا، کیونکہ جو جنما جاتا ہے، وہ مرنے لگتا ہے، اور جو مرنے لگتا ہے، وہ اپنا وارث و جانشین بھی چھوڑ جاتا ہے، اور خدا نہ مرنے لگتا ہے نہ اسکا کوئی جانشین ہے، اور کوئی اسکا ہمسر نہیں ہے، یعنی کوئی اس کے برابر نہیں، اور نہ کوئی اس کے مثل ہو، غرض کہ وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم سے پہلے اہل عرب مین خدا کا کتنا پست ذلیل خیال تھا، جب کا اندازہ تم ان کے سوال سے

لے مستدرک حاکم تفسیر اخلاص (صحیح) و جامع ترمذی تفسیر سورہ مذکور و کتاب الاسماء ہفتی صفحہ ۲۲ (الہ آباد)

کر سکتے ہو اور آپ کی تعلیم کے بعد وہ تخیل کتنا پاک، اعلیٰ اور بڑبڑو گیا جبکہ اندازہ حضرت اُن کی تفسیر سے ہو سکتا ہے جو اُنسی
عرب نژاد قبیلہ کے ایک فرد ہیں، لیکن اُن کا دل اب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضِ تعلیم سے منور ہو چکا تھا، حضرت
ابو ہریرہؓ آپ سے منکر کہتے ہیں کہ خدا فرماتا ہے کہ آدم کے بیٹے نے مجھ کو جھٹلایا اور آدم کے بیٹے نے مجھ کو گالی دی
اوسکا جھٹلانا یہ ہے کہ اُس نے کہا کہ خدا دوبارہ پیدا نہیں کرے گا، حالانکہ پہلی بار کے پیدا کرنے سے دوسری بار کا پیدا
کرنا بہت آسان ہے، اور اُسکا گالی دینا یہ ہے کہ اُس نے کہا کہ خدا کی اولاد ہے، حالانکہ میں وہ ایک اور صمد ہوں جس
نے کسی دوسرے کو جنما ہے، اور نہ اُس کو کسی نے جنما ہے، اور نہ اوسکا کوئی ہمسر ہے، یہ حضرت ابو ہریرہؓ یعنی عرب میں یعنی
اُس عرب کے ایک فرد جو تعلیم محمدؐ سے پہلے ان حقائق سے بے بہرہ تھا، اور اب وہ اس تنزیہ و تقدیس کے موتی اپنے
منہ سے اُگل رہے ہیں،

اس مختصر سورہ میں سب سے چھوٹا لفظ "صمد" کا ہے، لیکن حقیقت قرآن کی بلاغت نے اس ایک لفظ میں صفات
الہی کا بے پایاں دفتر چھپا رکھا ہے، "صمد" کے معنی لغت میں اونچی پھرتی زمین یا چٹان کے ہیں جو کسی ایسی وادی میں ہو
جہاں جب سیلاب آتا ہو تو اُس پر نہ چڑھتا ہو، اور لوگ اُس وقت دوڑ دوڑ کر اوسی پر چڑھ کر اپنے کو بچائیں، پھر صمد کے
اس لغوی معنی سے اُس سردار کے معنی پیدا ہوئے جو بزرگی اور شرافت میں انتہائی معراج کمال پر ہوا، اور اُس سردار کو بھی
کہنے لگے جسکی موجودگی کے بغیر بس میں کوئی فیصلہ نہ ہو سکتا ہو، اور اُس سردار کو کہتے ہیں جس کے اوپر کوئی سردار نہ ہو،
اور اُس جا پناہ کے معنی میں بھی استعمال ہوا جو سب کو مصیبت کے وقت اپنے دامن میں پناہ دیکے، اُس مرجع و مرکز کے
معنی میں بھی آیا جسکی طرف ہر شخص دوڑ دوڑ کر جاتا ہے، صمد ٹھوس کو بھی کہتے ہیں جس کے اندر خول نہ ہو، اسی سے اُس کو
بھی کہتے ہیں جو کھانا پیتا نہ ہو، اور جس کے آل و اولاد نہ ہو، اوس کو بھی کہتے ہیں جس سے کوئی بے نیاز نہ ہو، اُس بہادر کو بھی
کہتے ہیں جسکو لڑائی میں بھوک اور پیاس نہ لگتی ہو، صمد اُس اونٹنی کو کہتے ہیں جس کے حمل نہ رہا ہو، حضرت ابن عباسؓ
کہتے ہیں کہ صمد وہ سردار ہے جو اپنی بزرگی اور سرداری میں درجہ کمال پر ہو، وہ شریف جسکی شرافت کامل ہو، وہ بڑا جس کی
لے صحیح بخاری تفسیر سورہ اخلاص،

بڑائی میں کوئی نقص نہ ہو وہ بڑبارجکی بر و باری، بدرجہ اتم ہو، وہ بے پروا و بے نیاز جسکی بے پروائی و بے نیازی کی کوئی حد نہ ہو، وہ زبردست جس کے جبروت کی انتہا نہ ہو، وہ علم والا جسکا علم بدرجہ اتم ہو، وہ حکیم جسکی دانائی کمال کے درجہ تک ہو، یعنی وہ جو بڑائی اور بزرگی کی ہر صفت میں کامل ہو۔

ان معنوں کے علاوہ صحابہ اور تابعین نے اسکی تفسیر میں حسب ذیل معانی بھی لکھے ہیں،

ابن عباسؓ، وہ جس کی طرف مصیبت کے وقت لوگ رجوع کریں،

حسن بصریؓ، وہ حقیقی و قیوم جسکو زوال نہ ہو اور جو باقی ہو،

ربیع بن انسؓ، جس کے نہ اولاد ہو، نہ مان، باپ،

عبداللہ بن مسعودؓ، جس کے اندر مسدود و غیم، جہانی اعضا نہ ہوں،

بریدہ رضی اللہ عنہ، جس میں خوف نہ ہو،

عکرمہ دمشقیؓ، جو کھاتا نہ ہو،

عکرمہؓ، جس میں سے کوئی دوسری چیز نہ نکلے،

قتانؓ، باقی غسانی،

حقیقت یہ ہے کہ یہ تمام معانی اس ایک لفظ کے اندر پوشیدہ ہیں، اور ایک ہی حقیقت کی یہ مختلف تعبیریں ہیں

تاہم یہ معلوم ہو چکا ہے کہ اس کے اصلی معنی چٹان کے ہیں، جو بڑائی اور مصیبتوں کے وقت جانپناہ کا کام دے، اسرئیلی

النبیات میں بھی یہ لفظ یہی اہمیت رکھتا ہے، اور بنی اسرائیل کے صحیفوں میں جانپناہ کے لیے چٹان کا لفظ آیا ہے،

اشتمار (۳۲-۳۰-۳۱) میں ہے،

”اگر اونکی چٹان اُن کو پیچ نہ ڈالتی، اور خداوند اُن کو اسیر نہ کروانا، کیونکہ اُن کی چٹان یہی ہیں“

۱۔ کتاب الاسماء والصفات، امام بیہقی بسند صفحہ ۲۱۲، ۲۔ ان معانی کے لئے دیکھو کتاب الاسماء بیہقی صفحہ ۳۳، مفردات القرآن لغزب
اصطفائی ابن جریر طبری، ابن کثیر اور تفسیر سورۃ الاخلاص لابن تیمیہ،

جیسی ہماری چٹان۔

یہ چٹان اس موقع پر حقیقت میں خدا کی مدد و نصرت سے کیا یہ ہے، ہموال کے پہلے صحیفہ میں یہ کہنا یہ تصریح بدل جاتا ہے "خداوند کے ہاند کوئی قدوس نہیں، تیرے سوا کوئی نہیں کوئی چٹان ہمارے خدا کے مانند نہیں" (۲۰۲)
اس سورہ میں خدا کی صفت میں دو نقطہ ہیں، اکہم (ایک) اور صہن (جاپناہ) یہ دونوں خدا کے دو متضاد کمالی اوصاف کو حاوی ہیں، اسکی یکتائی کا نتیجہ تو یہ ہے کہ اس جیسا کوئی نہیں، نہ اسکو کسی کی حاجت، نہ اسکو کسی سے غرض، وہ کہہ کہ وہنا، اکیلا، بے ہمتا، بے نیاز، بے پروا، سب سے متغنی، اور سب سے الگ ہے، لیکن اسی کمال یکتائی کیساتھ، وہ سب کے ساتھ، سب کا دستگیر، سب کی جاپناہ، سب کا محتاج، یہ سب کا مرکز، سب کا مرجع، سب کا ماویٰ، سب کا بچا، یعنی سب کی چٹان ہے، مصیبتوں میں سہارا، بلاؤں میں تسلی اور اضطرابوں میں تسکین،

فَقِضُوا إِلَى اللَّهِ، ہر جگہ سے بھاگ کر اللہ کے ہاں پناہ لو،

یہ سورہ پاک توحید اسلامی کے ہر شعبہ کو حاوی ہے، اور اسی لیے اسکو ثلث القرآن (تہائی قرآن) کا درجہ دیا گیا ایک صحابی تھے جو نماز کی ہر دو رکعت میں قرأت کے آخر میں اس سورہ کو پڑھا کرتے تھے، لوگوں نے یہ واقعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا، آپ نے اُن سے اسکی وجہ دریافت کر لی، انھوں نے کہا "اس میں میرے رب کی صفات بیان ہوئی ہیں، جو مجھکو بہت محبوب ہیں" آپ نے فرمایا "بشارت ہو کہ خدا بھی تم سے محبت کرتا ہے" ایک اور انصار بھی جو قبلہ کی مسجد میں امامت کرتے تھے، اُن کا یہ حال تھا کہ ہر رکعت میں فاتحہ کے بعد اس سورہ کو پڑھ لیتے تھے، تب کوئی دوسری سورہ پڑھتے تھے، اُن کے مقتدی صحابہ نے اس پر اعتراض کیا، انھوں نے کہا، مجھے امامت چھوڑنی منظور ہے مگر اپنی روش چھوڑنی منظور نہیں، لوگوں نے اس واقعہ کا تذکرہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا، آپ نے اُن سے اسکی وجہ دریافت کی، تو گزارش کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے یہ سورہ بہت محبوب ہے، ارشاد ہوا یہ بہت تم کو جنت میں پہنچائیگی، قتادہ بن نعمان صحابی تھے جو رات رات بھر اسی ایک سورہ کو دہراتے تھے، اور لطف اندوز ہوتے تھے، لوگوں نے آپ سے اس کا

لے صحیح بخاری کتاب التوحید لے صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ

ایک ایک کر کے گنایا ہے یہ تمام نام وہ ہیں جو بطور علم یا بطور صفت کے قرآن پاک میں آئے ہیں یا وہ افعال کی حیثیت سے خدا کی طرف منسوب ہوئے ہیں یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعاؤں میں انکی تعلیم کی ہے، ہم ذیل میں بہ ترتیب ایک ایک نام لکھتے ہیں اور انکی مختصر لغوی تشریح کرتے ہیں تاکہ معلوم ہو سکے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کا جو تخیل اور عقیدہ اپنے پیروں کو سکھایا وہ کتنا وسیع کتنا بلند کتنا منثور اور پاکیزہ ہے، علماء نے ان ناموں کو یا ان صفات کو مختلف معنوی مناسبتوں سے ترتیب دیا ہے لیکن ہم نے ان کے صرف تین مرتبے قرار دیئے ہیں، ایک وہ جن سے اُس کے رحم و کرم، عفو و درگزر یعنی صفات جمالی ظاہر ہوتے ہیں دوسرے وہ جن سے اوکی شاہنشاہی، جلال و جبروت اور حکومت و استیلا کا اظہار ہوتا ہے، ہم ان کو صفات جدالی کہتے ہیں تیسرے وہ اسماء اور صفات جن سے اوکی تترزیہ، بلندی، کمالات کی جامعیت اور ہر قسم کے اوصاف حسنہ اور محامد عالیہ کا ثبوت ہوتا ہے ان کو ہم صفات کمالی سے تعبیر کرتے ہیں الغرض خدا کے تمام اسماء و صفات انھیں تین عنوانوں کی تشریح ہیں یعنی یا تو ان سے خدا کی رحیمی و کریمی ظاہر ہوتی ہے یا اُس کے جاہ و جلال کا اظہار ہوتا ہے یا اوکی تترزیہ و کمال کا اثبات ہوتا ہے،

صفات جمالی (یعنی وہ اسماء و صفات جن سے خدا کے رحم و کرم اور شفقت و محبت کا اظہار ہوتا ہے) اللہ یہ خدا کا وہ نام ہے جو قرآن پاک میں بطور خاص علم کے ہر جگہ استعمال کیا گیا ہے، اسلام سے پہلے بھی یہ عرب میں "خدا" کے لیے استعمال ہوتا تھا، اس لفظ کی لغوی تحقیق میں بہت کچھ اختلاف کیا گیا ہے کسی نے کہا ہے کہ اس کے معنی اس ہستی کے ہیں جسکی پرستش کی جائے بعضوں نے کہا وہ جسکی حقیقت و معرفت میں عقل انسانی حیران و سرگردان ہو، دوسروں کی تحقیق ہے کہ اس کے معنی ہیں وہ جو اپنی مخلوقات کے ساتھ وہ شفقت اور محبت رکھے جو مان کو اپنے بچوں کیساتھ ہوتی ہے، اس اخیر تعبیر کی بنا پر اللہ کے معنی پیار کرنے والے یا پیارے کے ہیں

الرَّحْمَنُ، اللہ کے بعد یہ دوسرا لفظ ہے جسکو علم کی حیثیت حاصل ہے، اُس کے معنی رحم کرنے والے کے ہیں، یہ گزر چکا ہے کہ رحمان کا لفظ اسلام سے پہلے صرف عیسائی عربوں میں مستعمل تھا عام اہل عرب میں اللہ کا لفظ مستعمل تھا، قرآن مجید نے ہر سورہ کے شروع میں اور نیز اور مقامات میں اللہ کو الرحمن کہہ کر سینکڑوں جگہ استعمال کیا ہے،

بظاہر تو یہ وصف و موصوف کی معمولی ترکیب ہے، مگر درحقیقت یہ بدل و مبدل نہ ہیں، اور اس سے اس کی طرف اشارہ ہے کہ عام عربوں کا اللہ اور عرب عیسائیوں کا رحمان دو جہتی اور دو بیگانہ ہستیوں نہیں، بلکہ ایک ہی حقیقت کی دو تعبیریں، اور ایک ہی ہستی کے دو نام ہیں اور اس طرح ان دو مختلف قوموں کو وحدت الہی کی دعوت دینی جو ناموں کے تعدد کو حقیقت کے تعدد کا مروت سمجھتی تھیں، اور کہا گیا،

قُلْ اَدْعُوا لِلّٰهِ اَوْ دَعُوا لِلرَّحْمٰنِ اَيَّامًا
تَدْعُوْا فَلَهُ الْمَسْمَعُ اَحْسَنُ (اسرائیل - ۱۱۰) نام ہیں،

الرَّحِيْمُ، ”رحم کرنے والا“ رحم کا لفظ اس رحم سے نکلا ہے، جس سے بچہ کی پیدائش ہوتی ہے، اس لیے اصل لغت کے لحاظ سے اس لفظ میں بھی مریانہ محبت کا جذبہ نمایاں ہے،

الرَّحْمٰن اور الرَّحِيْمُ، خدا کی یہ وہ دو صفتیں ہیں جن سے قرآن کا صفحہ صفحہ منور ہے، کائنات میں جو کچھ ہوا جو کچھ ہے، جو کچھ ہوگا، وہ اسکی رحمانی اور رحیمی انہیں دو صفتوں کا ظہور ہے، یہ عالم اور وہ عالم دونوں میں اسکی انہیں دونوں شانوں کا ظہور ہے، اور ہوگا،

الرَّحِيْمُ، پرورش کرنے والا یعنی ہستی کے اول نقطہ سے لیکر آخر منزل تک ہر لمحہ اور ہر خطہ مخلوقات کی نشاۃ اور ظہور و ترقی کا ذمہ دار،

الرَّحِيْمُ، لطف والا سربان،

الرَّحِيْمُ، معاف کرنے والا، درگزر کرنے والا،

الرَّحِيْمُ، محبوب، محبت کرنے والا، پیار کرنے والا،

الرَّحِيْمُ، امن و سلامتی، صلح و آشتی، ہر عیب پاک و صاف،

الرَّحِيْمُ، محبت والا، پیار والا، چاہنے والا،

الرَّحِيْمُ، امان دینے والا، امن بخشنے والا، ہر خوف سے بچانے والا، اور ہر مصیبت سے نجات دینے والا،

الشُّكُورُ، اپنے بندوں کے نیک عمل کو قبول اور پسند کرنے والا،
 الْغَفُورُ وَالْغَفَّارُ، معاف کرنے والا، گناہ بخشنے والا، درگزر کرنے والا،
 الْحَفِیْظُ وَالْحَافِظُ، حفاظت کرنے والا، نگہبان، نگہبانی کرنے والا، بچانے والا،
 الْقَهَّابُ، دینے والا، عطا کرنے والا، بخشنے والا،
 الرَّازِقُ وَالرَّزَّاقُ، روزی دینے والا، نشوونما کا سامان بہم پہنچانے والا،
 الْقَوِّیُّ، دوست، حمایتی، طرفدار،
 الرَّؤُفُ، مہربان، نرمی اور شفقت کرنے والا،
 الْمُقْسِطُ، انصاف والا، عادل،
 الْهَادِیُّ، راہ دکھانے والا، رہنما،
 الْكَافِیُّ، اپنے بندوں کی ہر ضرورت کے لیے کافی،
 الْمُجِیْبُ، قبول کرنے والا، دعاؤں کا سننے والا،
 الْحَلِیْمُ، بڑبار، بندوں کی برائیوں سے خشم پوشی کرنے والا،
 التَّقَابُلُ وَقَابِلُ التَّقَابِ، توبہ قبول کرنے والا، گناہگار کے گناہوں سے درگزر کر کے دوبارہ
 اُس کی طرف رجوع ہونے والا،
 الْحَنَّانُ، مان کی طرح بچوں پر شفقت کرنے والا،
 الْمَنَّانُ، احسان کرنے والا،
 النَّصِیْرُ، مدد کرنے والا،
 ذُو الطَّوْلِ، کرم والا،
 ذُو الْفَضْلِ، فضل والا،

الْكَيْلُ، بندوں کی کفالت کرنے والا،

الْوَكِيلُ، بندوں کی ضرورتوں کا ذمہ لینے والا، سامان کرنے والا،

الْمُعِيتُ، روزی پہنچانے والا،

الْمُعِيتُ، فریاد کو پہنچنے والا، فساد سننے والا،

الْمُجِيرُ، پناہ دینے والا،

الْمُعْنِي، جو بندوں کو اپنے سوا ہر چیز سے بے نیاز کئے ہوئے ہے،

صفاتِ جلالی | یعنی وہ اسماء و صفات جن سے اسکی بڑائی، کبریائی، شہنشاہی، اور قدرت کا اظہار ہوتا ہے،

الْمَلِكُ وَالْمَلِكُ، بادشاہ، فرمانروا،

الْعَزِيزُ، غالب، جسپر کوئی دسترس نہ پائے،

الْقَاهِرُ وَالْقَهَّارُ، جس کے حکم سے کوئی باہر نہیں جاسکتا، سب کو دبا کر اپنے قابو میں رکھنے والا،

الْمُنْتَقِمُ، سزا دینے والا، برائیوں کی جزا دینے والا،

الْجَبَّارُ، جبروت والا، جس کے سامنے کوئی دوسرا دم نہ مار سکے، جس سے کوئی سرباکی نہ کر سکے،

الْمُهَيِّمُ، سب پر شاہد اور گواہ اور دلیل،

الْمُنْكَرُ، اپنی بڑائی دکھانے والا، کبریائی والا، سخت سزا دینے والا،

شَدِيدُ الْعِقَابِ، سخت سزا والا،

شَدِيدُ الْبَطْشِ، بڑی گرفت والا، جس سے کوئی چھوٹ نہیں سکتا،

نکتہ: خدا کے صفاتِ جلالی کا ذکر زیادہ تر تورات میں ہے، لیکن صحیفہ محمدی میں جہاں کہیں خدا کی ان

جلالی صفات کا ذکر آتا ہے، ہمیشہ اُن کے ساتھ ساتھ خدا کے مادی، حکیم اور علیم ہونے کا بھی ذکر ہوتا ہے، جس سے انسان کی اس غلط فہمی کا مٹاؤ ہے کہ خدا کی ان جلالی صفات کا یہ نشاۃ نہیں ہے کہ وہ خود بائبل کی طرح دم نہ

میں جو چاہے کر گذرنا ہے، بلکہ اس کا قہر اور سکا غلبہ اور اس کا انتقام اور اس کی گرفت عدل انصاف اور حکمت و مصلحت پڑتی
ہوتی ہے، اور اس طرح ان جلالی ناموں سے بے رحمی اور ظالمانہ سخت گیری کا جو شبہ پیدا ہو سکتا ہے وہ دور ہو جاتا
ہے، فرمایا،

إِنَّ اللَّهَ لَيَسَّ بِظُلْمِهِمُ الْعَبِيدِ (الاعتراف - ۱۹) بیشک خدا بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں،

اسی لیے اللہ تعالیٰ کے وصف میں عزیز (غالب) کیساتھ حکیم (حکمت والا) ہمیشہ قرآن میں آیا ہے
اور یہی وجہ ہے کہ خدا کے عذاب کے ذکر کے ساتھ اس کی رحمت کا تذکرہ بھی ہوگا، اور دوزخ کے بیان کیساتھ جنت کا سامان
بھی لازمی ہوگا،

جہاں یہ کہا گیا کہ وَمَا مِنْ إِلَهٍ إِلَّا اللَّهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ساتھ ہی کہا گیا رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا
بَيْنَهُمَا الْعَزِيزُ الْغَفَّارُ (ص - ۵) قوموں کی تباہی و بربادی کا ذکر کیا گیا تو فرمایا گیا،

وَمَا اللَّهُ يُرِيدُ ظُلْمًا لِلْعِبَادِ (مومن - ۴) اور اللہ بندوں پر ظلم نہیں کرنا چاہتا،

اسکی صفت ذُو عِقَابٍ لَيْفٌ، اور دناک عذاب دینے والا، جہاں بیان کی گئی، تو اس سے معاً پہلے لَذُّ مَغْفِرَةٍ
یقینی بخشش والا (رحم السجدة - ۵) بھی فرمایا گیا، غرض صفات جلالی کے بیان میں یہ رعایت پیش نظر رکھی گئی ہے،
کہ اس کے ساتھ با آگے بھیجے اسکی صفات جہالی کا بھی ذکر ہو، تاکہ خوف و خشیت کے ساتھ اسکی محبت اور لطف و کرم
کے جذبات بھی نمایاں ہوں،

صفات کمالی، وہ اسما و صفات جن سے اسکی خوبی، بڑائی، بزرگی اور ہر وصف میں اسکا کامل ہونا ظاہر ہو، اس طرح
کے اسما و صفات پانچ قسم کے ہیں، ایک وہ جو اسکی وحدانیت سے متعلق ہے، دوسری اس کے وجود سے
تعلق رکھتی ہے، اور تیسری اس کے علم سے، چوتھی اسکی قدرت سے، اور پانچویں اسکی تشریف اور پاکی سے
صفات وحدانیت یعنی وہ صفات جو اس کی یکتائی اور بے مثالی کو ظاہر کرتی ہیں، اور وہ یہ ہیں،

الْوَحِيدُ، ایک،

الْأَحَدُ، ایک،

الْوَحْدُ، طاق جسکا کوئی جوڑا نہیں،

صفاتِ وجودی | جن سے اوسکا وجود، بقا، دوام، ازلیت اور سب سے زوالی ظاہر ہوتی ہے،

الْمَوْجِدُّ، وجود والا، بہت،

الْحَيُّ، ہمیشہ زندہ، غیر فانی،

الْقَدِيمُ، وہ جس سے پہلے کوئی دوسرا موجود نہ ہو، جو ہمیشہ سے ہو،

الْقَيُّومُ، جو اپنے سہارے تمام کائنات کو سنبھالے ہوئے ہے،

الْبَاقِي، باقی جسکو ہمیشہ بقا ہو،

الدَّائِمُ، ہمیشہ رہنے والا،

الْأَوَّلُ، وہ پہلا جس سے کوئی پہلے نہیں،

الْآخِرُ، وہ پچھلا، جو سب کے فانی ہونے کے بعد بھی سب کے بعد باقی رہے گا،

الْمُقَدَّمُ، جو سب کے آگے سے ہو،

الْمُؤَخَّرُ، جو سب سے پیچھے رہ جائیگا،

الظَّاهِرُ، جسکا وجود دکھلا ہوا اور نمایاں ہو، (یعنی جو اپنے کاموں اور قدرتوں کے لحاظ سے ظاہر ہے)

الْبَاطِنُ، جو چھپا اور مخفی ہو، (یعنی جو اپنی ذات کے لحاظ سے پوشیدہ ہے)

وہ صفتیں جو اس کے ہر چیز سے یا خبر اور نگاہ ہونے کو ظاہر کرتی ہیں،

الْخَبِيرُ، خبر رکھنے والا،

الْعَلِيمُ، جاننے والا،

عَلَّامُ الْغُيُوبِ، جو باتیں سب سے پوشیدہ ہیں ان کو جاننے والا،

عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ، دلون کے چھپے ہوئے بھید کو جاننے والا،

السَّمِيعُ، سُننے والا،

الْبَصِيرُ، دیکھنے والا،

الْمُتَكَلِّمُ، بولنے والا، اپنے علم اور ارادہ کو ظاہر کرنے والا،

الْوَّاحِدُ، پانے والا، جس کے علم کے سامنے کوئی چیز گم نہ ہو،

الشَّهِيدُ، حاضر، جس کے سامنے سے کوئی چیز غائب نہ ہو،

الْحَسِيبُ، حساب کرنے والا، یعنی جن چیزوں کا علم حساب کے ذریعہ حاصل کیا جاتا ہے، یعنی وزن اور مقدار کا بھی جاننے والا،

الْمُحِصِّي، گننے والا، یعنی جن چیزوں کا علم گن کر حاصل کیا جاتا ہے، یعنی اعداد ان کا بھی جاننے والا،

الْمُدَبِّرُ، تدبیر کرنے والا، انتظام کرنے والا،

الْحَكِيمُ، حکمت والا، عقل والا، سب کاموں کو مصلحت سے کرنے والا،

الْمُرِيدُ، ارادہ کرنے والا، اُمیت والا،

الْقَرِيبُ، نزدیک، جو اپنے علم کے لحاظ سے گویا سب کے پاس ہے،

قدرت وہ صفات جن سے اس کی قدرت کی وسعت کا اظہار ہوتا ہے،

الْفَاتِحُ وَالْفَتَّاحُ، ہر شے کو کھولنے والا،

الْقَدِيرُ وَالْقَادِرُ، قاور، قدرت والا،

الْمُقْتَدِرُ، اقتدار والا، جس کے سامنے کوئی چوں و چرا نہیں کر سکتا،

الْقَوِيُّ، قوی، زبردست، جس کے سامنے کسی کا بس نہیں چل سکتا،

الْمُتَيْنُ، مضبوط، جس میں کوئی کمزوری نہیں،

الْجَامِعُ، جمع کرنے والا، متفرق اور پراگندہ چیزوں کو اکٹھا کرنے والا،

الْبَاعِثُ، اٹھانے والا، مردوں کو قبروں سے اٹھانے والا، یا دنیا میں ہر واقعہ اور ہر حادثہ کا محرکِ اول۔

مَالِكُ الْمَلِكِ، سلطنت کا مالک جس کے سامنے کسی کی کوئی ملکیت نہیں،

الْبَدِيعُ، نئی نئی چیزیں ایجاد کرنے والا،

الْوَاسِعُ، سامنے والا، جو ہر چیز کو سمائے ہوئے ہے،

الْمُحِيطُ، جو ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے، کوئی اُس کے احاطہ سے باہر نہیں،

الْمُحْيِي وَالْمُمِيتُ، جلانے والا، اور مارنے والا،

الْقَابِضُ وَالْبَاسِطُ، سمیٹنے والا، اور پھیلانے والا،

الْمُعِزُّ وَالْمُذِلُّ، عزت دینے والا، اور ذلت دینے والا،

الْخَافِضُ وَالرَّافِعُ، نیچا کرنے والا، اور اونچا کرنے والا،

الْمُعْطِي وَالْمَانِعُ، دینے والا، اور روک لینے والا،

النَّافِعُ وَالضَّارُّ، نفع پہنچانے والا، اور نقصان پہنچانے والا یعنی نفع و ضرر دونوں اُسی کے ہاتھ میں ہیں،

الْمُبْدِي وَالْمُعِيدُ، جو چیز پہلے سے موجود نہ ہو اُس کو وجود میں لانے والا، اور جو ہو کر فنا کر دی گئی ہو،

اس کو پھر دوبارہ وجود میں لانے والا،

نکتہ:- اس قسم کی صفتیں جنہیں بظاہر متضاد نظر آتا ہے جیسو الضَّارُّ (نقصان پہنچانے والا) الْمُذِلُّ (ذلت

دینے والا) الْخَافِضُ (سپت کرنے والا) الْمَانِعُ (روک دینے والا) وغیرہ ان کا تنہا استعمال چونکہ غلط فہمی پیدا

کرنے والا ہے، اس لیے جب تک اُن کے ساتھ اُن کے مقابل کی صفت نہ بولی جائے، اُن کا استعمال جائز

نہیں رکھا گیا، یعنی خدا کو صرف الضَّارُّ الْخَافِضُ، الْمَانِعُ، اور الْمُذِلُّ کہنا درست نہیں جب تک اُس کی

اس کے دوسرے پہلو کو بھی نہ لایا جائے، یعنی الضَّارُّ کیساتھ النَّافِعُ، الْخَافِضُ کیساتھ الرَّافِعُ، الْمَانِعُ

کیساتھ الْمُعْطِي اور الْمُذِلُّ کے ساتھ الْمُعِزُّ، قرآن پاک اور احادیث دونوں میں ان صفات کے استعمال

میں یہ رعایت ملحوظ رکھی گئی ہے کہ تنہا نقصان پہنچانے والا، ذلت دینے والا، اور روکنے والا، کوئی خوبی نہیں بلکہ ایک نوع کی برائی ہے، ہاں نقصان و نفع پہنچانے والا، عزت و ذلت دینے والا، اور دینے والا اور روکنے والا، دونوں کو ملا کر کہا جائے تو جائز ہوگا کہ اُس سے مقصود اوستی قدرت کی وسعت ہے، کہ اگر کوئی ایسا نفع پہنچانے والا ہو، جس میں نقصان پہنچانے کی قدرت ہی نہیں، یا ایسا عزت دینے والا ہے، جس میں ذلیل کرنے کی استطاعت ہی نہیں تو اُس کے اس عزت دینے اور نفع پہنچانے پر اوستی مجبور و مضطر ہونا لازم آتا ہے اور اُس کی قدرت کا یہ کمال نمایاں نہیں ہوتا کہ وہ نقصان پہنچانے کی طاقت رکھنے کے باوجود نفع پہنچاتا، اور ذلت دیکھنے کے باوجود عزت دیتا ہے، تنزیہاً وہ صفات جو اوستی بڑائی، کبریا، پائی اور شکی اور عریب اور نقصان سے اس کی برات کو ظاہر کرتی ہیں،

الْعَلِيُّ، مَرَبُّہُ، والا،

الْعَظِيمُ، غَنَطُہُ، والا،

الْكَبِيرُ، بڑا،

الرَّفِيعُ، بلند،

الْجَلِيلُ، بزرگ،

الْكَرِيمُ، شریف،

الْفَعْلُ، بے نیاز،

الصَّادِقُ، سچا راست باز،

الْمَاجِدُ، عزت والا،

الْحَمِيدُ، تعریف والا،

الْقُدُّوسُ، پاک،

الْحَقُّ، حق اور اصلی، کہ اُس کے سوا سب باطل ہیں،

الْجَمِيلُ، اچھا،

الْبَرُّ، نیک،

الْعَدْلُ، عادل،

سُبُّوحٌ، ہر عیب سے پاک،

الْصَّمَدُ، جو بزرگی کی ہر صفت میں کامل ہے،

الْكَاشِفُ، سیدھی راہ چلنے والا، نہ پہکنے والا،

ان تعلیمات کا اثر اخلاقِ انسانی پر | اللہ تعالیٰ کے ان اسماء و صفات کا عقیدہ، دینِ محمدیؐ میں محض نظری نہیں، بلکہ عملی حیثیت بھی رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ کے یہ محامد و اوصاف، اخلاقِ انسانی کا معیار ہیں، ان اوصاف کو چھوڑ کر جو اس ذوالجلال کے لیے خاص ہیں کہ وہ بندہ کی حیثیت اور طاقت سے زیادہ ہیں، بقیہ اوصاف و محامد انسان کے لیے قابلِ نقل ہیں، کہ وہ اُس کے خدا کے محامد و اوصاف سے دور کی نسبت رکھتے ہیں، اس لیے انسان پر فرض ہے کہ اگر وہ خدا سے نسبت پیدا کرنا چاہتا ہے، تو اپنے اندر اُس کے محامد و اوصاف سے نسبت پیدا کرے، اور خدا کے ان اسماء و صفات کو محاسن و محامد اور خوبیوں کا انتہائی معیار جان کر ان کی نقل و پیروی کی کوشش کرے، محامدِ الہیؐ کا استادِ اعلیٰ کی وصلی ہے جسکو دیکھ کر شاگرد کو اپنے خط کی خوبی میں ترقی کرنی چاہیے، اور ہر حرف کے لکھنے میں ایک نظر اس اُستادِ ازل کی وصلی پہنچی ال یعنی چاہیے، کہ اسکی ذاتی شوق کمان تک اصل وصلی کے مطابق ہے، گزر چکا کہ قرآن کا پہلا سبق یہ ہے کہ کَلِمَاتٍ جَعَلْنِي فِي الْاَرْضِ خَلِيفَةً (لقمہ ۲-۴) آدم کا بیٹا بن کر خدا کا خلیفہ اور نائب بنایا گیا ہے، خلیفہ اور نائب میں اصل کے اوصاف و محامد کا پرتو جتنا زیادہ نمایاں ہوگا، اتنا ہی وہ اپنے اندر اس منصب کا استحقاق زیادہ ثابت کریگا، اور اتنا ہی وہ اصل سے زیادہ قریب ہوگا، اور نیا کے فرائض زیادہ بہتر ادا کریگا، یہاں تک کہ اس میں وہ جلوہ بھی نمایاں ہوگا، جب وہ ستر پا خدا کی رنگ میں رنگ ہو کر نکھر جائے گا،

صَبَّغَهُ اللَّهُ وَمِنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ صَبَّغَهُ (بقہ ۱۶) خدا کا رنگ اور خدا کے رنگ سے کس کا رنگ اچھا ہے؟

تمام اہل تفسیر میں کہ اس "خدائی رنگ" سے مقصود خدا کا "دینِ فطرت" ہے،

یہ حدیث اور گزشتہ کی ہے کہ "إِنَّ اللَّهَ خَلَقَ آدَمَ عَلَى صُورَتِهِ" خدا نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا "اور ساتھ ہی" مسک

تشریح بھی گزری کہ اس "صورت" سے مقصود جسمانی نہیں، معنوی شکل صورت ہے، یعنی یہ کہ خدا نے انسان میں اپنے صفات کاملہ کا عکس جلوہ گر کیا ہے، اور ان کے قبول کرنے کی صلاحیت عطا کی ہے، اور ان میں انسانی حد تک ترقی کی استعداد بخشی ہے، اور اخلاق و صفات میں ملا اعلیٰ سے تشبیہ اور ہم سنگی کا جو ہر مرحمت فرمایا ہے، اور یہی صوفیہ اور خاصانِ خدا کے

اس مقولہ کا کہ "تَخَلَّقُوا بِالْخُلُقِ الَّذِي خَلَقَ اللَّهُ خُلُقَ الْإِنْسَانِ" خدا تعالیٰ کا خلق عظیم ہے۔ ان الفاظ میں ادا کیا گیا ہے کہ حسنُ المخلوق خلق الله الا عظم حسن خلق خدا تعالیٰ کا خلق عظیم ہے۔

اللہ تعالیٰ کی صفات کاملہ کی چار قسمیں اور پر بیان ہوئی ہیں، جلالی، تنزیہی، کمائی اور جمالی، صفاتِ جلالی جنہیں کبریائی، عظمت، شہنشاہی اور بڑائی کے اوصاف ہیں، خالقِ تعالیٰ کے سوا مخلوقات اُن کے مستحق نہیں، اور اُن کے اوصاف بندگی اور عبودیت کے رتبہ کے سزاوار ہیں، اُن کا انوکھا یہ ہے کہ بندوں میں اُن کے مقابل کے صفات پیدا ہوں یعنی عاجزی، تواضع، فروتنی، اور خاکساری، اسی لیے ترقی، بکثرت اور بڑائی کا انکار منع ہے اور اسی لیے آدم جس نے فرد تنہا اختیار کی اور بے وقصور کا اعتراف کیا، مغفرت کی غلعت سے سرفراز ہوا، اور شیطان جس نے ترقی اور غرور ظاہر کیا، دائمی لعنت کا مستحق ٹھہرا،

أَبَىٰ وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِينَ، اُس نے آدم کے سجدہ سے انکار کیا اور غرور کیا، اور کافروں

(بقہ - ۴) میں سے ہو گیا،

قرآن پاک میں ہے کہ بڑائی اور کبریائی صرف خدا کے لیے ہے، اس کے سوا کوئی اور اُس کا مستحق نہیں،

وَلَهُ الْكِبْرِيَاءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (جاثیہ ۵) اور آسمانوں اور زمین میں اُسی کے لیے بڑائی ہے،

سہ کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۲ بروایت حضرت عائشہؓ یا سر،

صحیح مسلم بن ابوسعید خدریؓ اور ابوسہرہؓ دو صحابیوں سے روایت ہے کہ آپؐ فرمایا کہ عزت اور کبر باری کی چادر ہے (خدا فرماتا ہے) تو جو کوئی عزت اور کبر باری میں میرا عرفیت بنے گا میں اُسے سزا دوں گا، دوسری جگہ ہے کہ آپؐ فرمایا کہ خدا کے نزدیک سب سے برا وہ ہے جو اپنا نام بادشاہوں کا بادشاہ اور شہنشاہ رکھتا ہے، خدا کے سوا کوئی بادشاہ مالک نہیں ہے، اَلْعَزِيزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ (حشر - ۳) اُسی کی شان ہے، البتہ اللہ تعالیٰ اپنی عزت و جلال اور قوت فی جہود کا فیضان بعض بندوں اور امتوں پر نازل کرتا ہے، اور اُن کو طاقت اور قوت اور بادشاہی عطا کرتا ہے، مگر اس نواز پر بھی نیک بندوں اور صالح امتوں کا فرض یہی ہے کہ عین ابوقت جب اُن کے دست و بازو سے قوت حق، ربانی جاہ و جلال کا ٹھکانہ ہو رہا ہو، اُن کی پیشانیان فرط عبودیت سے اُس کے آگے ٹھکی ہوں اور سر سناں اظہار بندگی کے لیے اُس کے سامنے خم ہوں، کہ عزت و جلال خاص خدا کی شان تھی، جبکہ فیضان رسول پر ہوا، اور رسول کی ولایت سے مومنوں پر ہوا، یہ ترتیب خود قرآن میں ملحوظ رکھی گئی ہے،

وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ (مناقصہ) اور عزت خدا کے لیے ہے اور اُس کے رسول کے لیے اور مومنوں کے لیے

حاکم بن ابوسہرہؓ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تین کپڑے ہیں، وہ اپنی عزت و جلال کا ازار باندھتا ہے اور اپنی رحمت کا جامہ پہنتا ہے اور اپنی کبر باری کی چادر اوڑھتا ہے، تو جو شخص اُس عزت کے سوا جو خدا کی طرف سے سکون عنایت ہوئی ہو، معزز بننا چاہتا ہے، تو وہی وہ شخص ہو جس کو قیامت میں یہ کہا جائے گا "اسکا مزہ چکھ، تو معزز اور شریف بنتا تھا" (قرآن) اور جو انسانوں پر رحم کرتا ہے، خدا اُس پر رحم کرتا ہے کہ اُس نے وہ جامہ پہنا، جبکہ پہننا اسکو روا تھا اور جو کبر باری کرتا ہے، تو اُس نے خدا کی اُس چادر کو اتارنا چاہا جو خدا ہی کے لیے تھی؟

خدا کی صفات کمالی ہیں سے وحدانیت اور بقاے ازلی وابدی کے سوا کہ اُن سے تمام مخلوقات اور کمالات طبعاً محروم ہیں بقیہ اوصاف کے فیضان سے انسان شرف ہوتا ہے، مثلاً قدرت، علم، سمیع، بصر، کلام وغیرہ، صفات تنزیہی سے بھی مخلوقات تا ستر محروم ہیں، اُن کی تنزیہ یہی ہے کہ وہ خدا کے عصیان، نافرائی اور گنہ گاری کے عیب سے بری اور پاک ہوں، صفات جمالی وہ اصلی اوصاف ہیں جنکے فیضان کا دروازہ ہر صاحب توفیق کے لیے حسب استعداد

لہ کتاب الادب باب فی الجہود صفحہ ۴۰۷ معر سلم جو کبر باری کی چادر ہے

کھلا ہوا ہے، صفاتِ جمالی کا سب سے بڑا مظہر غفور و درگزر ہے، عیسائیوں کی عام دعائیں ایک فقرہ ہے کہ "خداوند! تو ہمارے گناہوں کو معاف کر جس طرح ہم اپنے قرضداروں کو معاف کرتے ہیں؟" اسلام نے اس الٹی تشریح کو جائز نہیں رکھا ہے، اُس کے ہاں یہ ہے کہ اے انسان! تو اپنے مجرموں کو معاف کر کہ خدا تیرے گناہوں کو معاف کرے، آپ نے فرمایا جو کوئی اپنے بھائی کے گناہ پر پردہ ڈالے گا، قرآن کہتا ہے کہ "تم دوسروں کو معاف کرو کہ خدا تم کو معاف کرتا ہے"

إِنْ تَنْبَغْ وَاحْتِیْرًا وَتَعْفُوًا عَنْ مُنْكَرٍ
فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيرًا (نساء- ۲۱)

اگر تم کوئی نیکی دکھا کر یا چھپا کر دیا کسی کی برائی کو معاف کرو تو
اگر تم بھی معاف کرنے والا قدرت والا ہے،

ایک دفعہ بارگاہِ عدالت قائم تھی، ایک مجرم کو سزا دی جا رہی تھی، مگر اس منظر کو دیکھ کر حضور کے چہرہ کا رنگ متغیّر تھا، اداستانوں نے سبب دریافت کیا، فرمایا کہ امام تک معاملہ پہنچنے سے پہلے اپنے بھائیوں کو معاف کر دیا کرو، خدا معاف کرنے والا ہے، اور غفور و درگزر کو پسند کرتا ہے، تو تم بھی معاف اور درگزر کیا کرو، کیا تمہیں یہ پسند نہیں کہ خدا تمہیں بھی معاف کرے، وہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ صحابہ کے مجمع میں فرما رہے تھے کہ جس کے دل میں غرور کا ایک ذرہ بھی ہوگا، وہ بہشت میں داخل نہ ہوگا، ایک صحابی نے عرض کی یا رسول اللہ! انسان چاہتا ہے کہ اس کے کپڑے اچھے ہوں، اُس کا جوتا اچھا ہو، کیا یہ بھی غرور ہے، فرمایا،

إِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ جَبِيلٌ يُحِبُّ الْجَمَالَ
اللہ تعالیٰ اچھا ہے اور جمال والا ہے، اچھائی اور جمال کو پسند کرتا ہے۔

یہ غور نہیں، غور و خج کو پامال کرنا، اور انسانوں کو دبانے، یہی روایت حدیث کی دوسری کتابوں میں ان الفاظ کے ساتھ ہے "خدا جمال والا ہے، وہ جمال کو پسند کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ اُس کے بندہ پر اس کی نعمت کا اثر ظاہر ہو۔"

۱۔ صحیح مسلم کتاب البر والصدقہ، ۲۔ مستدرک للحاکم جلد ۲ صفحہ ۳۸۲، کتاب الحدود، ۳۔ صحیح مسلم کتاب الایمان، و ترمذی باب الکبر، ۴۔ کنز العمال کتاب الزیوۃ سجدۃ الشب الایمان بہیقی۔

اٹھالیتی ہے کہ اُس کو صدمہ نہ پہنچے؟

بخل خدا کی صفت نہیں، مگر آپ نے فرمایا: تم اپنی تھیلی کے منہ نہ بند کرو، ورنہ تم پر بھی تھیلی کا منہ بند کیا جائیگا۔ یہ نصیحت بھی فرمائی کہ جو بندہ دوسرے بندہ کی پردہ پوشی کرے گا، قیامت میں اس کی پردہ پوشی خدا کرے گا۔ یہ بھی تسلیم ہے کہ جب تک تم اپنے بھائی کی مدد میں ہو خدا تمہاری مدد میں ہے۔

ایک اور موقع پر آپ نے فرمایا کہ خدا سے بڑھ کر کوئی غیر تند نہیں، اسی لیے اُس نے فحش باتوں کو حرام کیا ہے۔ اسی کی تفسیر دوسری حدیث میں ہے آپ نے فرمایا کہ خدا بھی غیرت کرتا ہے، اور مومن بھی غیرت کرتا ہے، اور خدا کی غیرت یہی ہے کہ اُس نے اپنے مومن پر جس بات کو حرام کیا ہے اگر کوئی اوسکا ارتکاب کرے تو وہ اُس پر خفا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ظلم سے پاک ہے،

وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ لَيْسَ بِظُلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ (ال عمران - ۱۹) اور خدا بندوں پر ظلم نہیں کرتا،

اس لیے اُس کے بندوں کا فرض ہے کہ وہ بھی آپس میں ایک دوسرے پر ظلم نہ کریں، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان مبارک سے اللہ تعالیٰ کی اس علی تعلیم کو ان الفاظ میں ادا فرمایا،

يَا عِبَادِيَ اِنِّي حَرَمْتُ الظُّلْمَ عَلٰى نَفْسِيْ وَجَعَلْتُهُ بَيْنَكُمْ وَحَرِّمًا فَلَا تَظَالُمُوْا
اے میرے بندو! میں نے ظلم کو اپنے اوپر حرام کیا ہے اور اوسکو بینکم محرم بنایا۔ تمہارے درمیان بھی حرام کیا ہے، ان تو تم آپس میں ایک دوسرے

پاکیزگی اور لطافت خدا کی صفتیں ہیں، اس لیے خدا کے ہر بندہ کو بھی پاک صاف رہنا چاہیے، آپ نے فرمایا

اِنَّ اللّٰهَ طَيِّبٌ يُّحِبُّ الطَّيِّبَ وَنَظِيْفٌ يُّحِبُّ النَّظَافَةَ فَتَنْظِفُوْا وَلَا تَتَّبِعُوا الْيَهُودَ،

خدا پاکیزہ ہے، پاکیزگی کو پسند کرتا ہے، اور پاک صاف ہے، پاکیزگی اور پاکیزہ کو پسند کرتا ہے، تو پاک صاف رہو اور یہودیوں کی طرح گندے نہ بنو۔

یہ توحید کا ایک نسخہ تھا، اب اوسکا دوسرا نسخہ بھی ملاحظہ کے قابل ہے،

۱۔ جامع بخاری باب رحمۃ الولد، ۲۔ صحیح ترمذی ابواب البر والصلة ۳۔ مسلم کتاب البر والصلة باب بشارۃ من ستر اللہ تعالیٰ علیہ فی الدنیا بان یشتر علیہ فی الآخرة ۴۔ ابوداؤد کتاب الادب باب فی الدعویۃ المسلم ۵۔ صحیح بخاری کتاب التوحید جلد دوم ۶۔ جامع ترمذی باب ماجاء فی الخیرۃ من ابواب النکاح ۷۔ صحیح مسلم کتاب البر والصلة ۸۔ سنن ابن حبیب جلد ۲ صفحہ ۱۱۰ ۹۔ مسند ابی نعیم بخاری باب الظلم ص ۹۵ ۱۰۔ مسند ترمذی باب النظافۃ صفحہ ۴۵۶

وہ قومیں جو توحید سے آشنا نہ تھیں، انھوں نے انسانیت کا مرتبہ بھی نہیں پہچانا تھا، وہ انسان کو فطرت کے
برہنہ کا غلام سمجھتی تھیں، یہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم توحید ہی تھی، جس نے خدا کے سوا ہر شے کا خوف، انسانوں کے دلوں
سے نکال دیا، سورج سے لیکر زمین کے دریا اور تالاب تک ہر چیز آقا ہونے کے بجائے انسانوں کی غلام بن کر ان کے سامنے
آئی، بادشاہوں کے جلال و جبروت کا طلسم ٹوٹ گیا، اور وہ بابل و مصر، ہند و ایران کے خدا اور تیکہ کا لعلی ہونے کے
بجائے انسانوں کے خادم، راعی اور چوپا کی صورت میں نظر آئے، جن کا عزل و انتخاب دیوتاؤں اور فرشتوں کے
ہاتھ میں نہ تھا، بلکہ انسانوں کے ہاتھ میں تھا،

تمام انسانی برادری جس کو دیوتاؤں کی حکومتوں نے اونچی نیچی، بلند و پست، شریف و ذلیل مختلف طبقوں اور ذاتوں
میں منقسم کر دیا تھا، کوئی پریشد کے منہ سے، کوئی ہاتھ سے اور کوئی پانوں سے پیدا ہو کر ایسی مختلف جنموں میں بٹ گئی تھی، جنکو
کسی طرح متفق نہیں کر سکتے تھے، اور اس طرح مساوات انسانی کی دولت دنیا سے گم تھی، اور زمین قوموں اور ذاتوں
کے ظلم و جبر اور غرور و فقر کا دنگل بنگی تھی، توحید نے اگر اس بلند و پست، اور نشیب و فراز کو برابر کیا، سب انسان خدا
کے بندے، سب اس کے سامنے برابر، سب یا ہم بھائی بھائی اور سب حقوق کے لحاظ سے یکساں قرار پائے، ان
تعلیمات نے دنیا کی معاشرتی، اخلاقی اور سیاسی اصلاحات میں جو کام کیا، اس کے نتائج تاریخ کے صفحات میں ثبت
ہیں، اور بالآخر اس اصول کی صداقت کو انھوں نے بھی تسلیم کر لیا، جو حقیقی توحید سے نا آشنا ہیں، اور اسی لیے وہ
مساوات انسانی کے حقیقی جوہر سے بھی ہنوز نا آشنا ہیں، اور انتہا یہ ہے کہ خدا کے گھر میں جا کر بھی تفاوت درجہ کا خیال
ان کے دل سے دور نہیں ہوتا، دولت و فقر اور رنگ قومیت کے امتیازات خدا کے سامنے سمرنگون ہو کر بھی و
نہیں بھولتے، مسلمانوں کو تیرہ سو برس سے اس مساوات کی دولت اسی توحید کامل کی تعلیم سے حاصل ہے، اور وہ ہر
قسم کے ان مصنوعی امتیازات سے پاک ہیں، اسلام کی نظر میں سب ایک خدا کے بندے ہیں اور سب یکساں ایک کے سامنے
سرافندہ ہیں، دولت و فقر، رنگ روپ اور نسل و قومیت کا کوئی امتیاز ان کو منقسم نہیں کرتا، اگر کوئی امتیاز ہے
تو صرف تقویٰ اور خدا کی فرمانبرداری کا،

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ (حجرات - ۲) تمہیں خدا کے نزدیک سے زیادہ عزت والا وہی ہے جس کا خدا سے تقویٰ کرنا

خدا کا ذرا اور پیار | اس مسئلہ میں ایک اور اہم مسئلہ خدا سے ڈرنے اور اُس سے محبت کرنے کا ہے، عام طور سے مخالفوں نے یہ سمجھا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس خدا کی تعلیم دی ہے وہ فقط قتار، جبار اور حبیبِ شہنشاہِ مطلق ہے، جس کی ہیبت و جلال سے تمام بندوں کو صرف ڈرتے اور کانپتے رہنا چاہیے، اُس کے گوشہ نشینِ لطف و عنایت کا گزرنہیں، محبت اور پیار کا نذر اُس کے دربار میں قبول نہیں، نہ وہ اپنے مکرور بندوں پر خود محبت کی نظر رکھتا ہے، اور نہ وہ اپنے بندوں سے اپنی محبت کا تقاضا کرتا ہے، لیکن حقیقت یہ تعلیم محمدی کی بالکل غلط تصویر ہے، اللہ تعالیٰ کے جو اسماء و صفات اور گزشتہ حصے میں اُن پر ایک ایک کر کے نظر ڈالو تو معلوم ہو گا کہ اُس کے چند پر جلال ناموں کو چھوڑ کر جو اس کی قدرتِ تام اور مالکیتِ عام کی حقیقت کو ظاہر کرتے ہیں، وہ تمام تر محبت اور پیار، لطف اور کرم، رحمت اور مہربانی کا گاہ ہیں، مخالفوں کو اس حقیقت کے سمجھنے میں دُور و جہوں سے مغالطہ ہوا،

۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے خوف اور خشیت کی بھی انسانوں کو دعوت دی،

۲۔ دوسرے مذہبوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت کے انداز کی جو اصطلاحیں مقرر کی تھیں، آپ نے شدت کیساتھ

اُن کی مخالفت کی اور ان کو شرک قرار دیا،

محبت کیساتھ خوف و خشیت کی تعلیم | یہ واقعہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعلیم میں محبت اور پیار کے ساتھ خدا کے خوف و خشیت کو بھی جگہ دی ہے، غور کرو کہ انسانوں میں تمام کاموں کے محرک دو ہی جذبے ہیں، خوف اور محبت، یہ دونوں جذبے الگ الگ بھی پائے جاتے ہیں، اور ایک ساتھ یا آگے پیچھے بھی، اور ان دونوں جذبات کے لوازم بھی الگ الگ ہیں، اُدعا ہے محبت کا نتیجہ ناز، ہفت اور کبھی گستاخی، اور اپنے مہربان و محبوب پر عنایت، اعتماد کی بنا پر کبھی نافرمانی بھی ہے، جذبہ محبت کے ان لوازم اور اثرات کا انسداد خوف ہی کے جذبہ سے ہو سکتا ہے، اس لیے خالق و مخلوق کے درمیانی رابطہ کا تعلق نہ تنہا خوف اور نہ تنہا محبت سے انجام پا سکتا ہے، بلکہ ان دونوں کے اشتراک، امتزاج، اور اعتدال سے اور یہی نبوتِ محمدی کی تعلیم ہے، اسلام سے پہلے جو آسمانی مذاہب قائم تھے اُن میں اس مسئلہ میں بھی انفراد و تفریط پیدا ہو گئی تھی، اور صراطِ مستقیم سے وہ

أَدْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ

(لوگو!) اپنے پروں کا رنگ گرا کر چمک چمک پکار کر، وہ حد سے بڑھ چکا
 والوں کو پیار نہیں کرتا، اور زمین کی درستی کے بعد اس میں فساد و
 اور اس کو اسے عذاب ڈرتے ہوئے اور اس کے فضل و کرم کی لوگاتے
 پکار کر، بیشک خدا کی رحمت چھو کام کرنے والوں کے قریب ہی ہے

وَلَا تُقْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا وَادْعُوا خَوْفًا وَطَمَعًا إِنَّ رَحْمَتَ اللَّهِ قَرِيبٌ لِلْمُحْسِنِينَ

(اعراف - ۷)

چند نیک بندوں کی مدد میں فرمایا،

اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسِرُّوْنَ عُوْنَ فِى الْخُبْرَةِ وَیَدْعُوْنَآ
وہ نیکی کے کاموں میں جلدی کر رہے تھے اور ہم کو امید اور دُر کے

رَعْبًا وَرَهْبًا، (انبیاء - ۶) ساتھ بھارت سے،

[illegible]

اس سے زیادہ پر سلف بات یہ ہے کہ اسلام خدا سے لوگوں کو ڈراتا ہے، مگر اس کو جیاد اور قہار کہہ کر نہیں بلکہ مہربان اور رحیم کہہ کر چنانچہ خدا کے سید بندوں کی صفت یہ ہے کہ،

وَحْشَى الرَّحْمَنُ بِالْغَيْبِ (تین-۲) اور رحم کرنے والے سے بن دیکھے ڈرا،

مَنْ خَشِيَ الرَّحْمَنَ بِالْغَيْبِ (ق-۱۳) اور جو رحم کرنے والے سے بن دیکھے ڈرا،

نہ صرف انسان بلکہ تمام کائنات کی زبانیں اس مہربان کے جلال کے سامنے لنگ ہیں،

وَحْشَعَتِ الْأَصْنَافُ لِلرَّحْمَنِ (طہ-۶) اور رحم کرنے والے کے اوسبے تمام آوازیں پرت ہو گئیں،

دنیا میں جو پیغمبر آئے دو قسم کے تھے، ایک وہ جن کی آنکھوں کے سامنے صرف خدا کے جلال و کبریائی کا جلوہ تھا

اس لیے وہ صرف خدا کے خوف و خشیت کی تعلیم دیتے تھے، مثلاً حضرت نوحؑ اور حضرت موسیٰؑ دوسرے وہ جو محبت الہی

میں سرشار تھے اور وہ لوگوں کو اسی غنائہ عشق کی طرف بلاتے تھے مثلاً حضرت یحییٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ،

لیکن پیغمبروں میں ایک ایسی ہی تھی ائی، جو ان دونوں صفوں کی برنج کبری، جلال و جمال دونوں کا منظر ادا

پیار اور اوب و کاٹ دونوں کی جامع تھی، یعنی محمد رسول اللہ صلی علیہ وسلم، ایک طرف آپ کی آنکھیں خوف الہی سے اشک بار تھیں

تین، دوسری طرف آپ کا دل خدا کی محبت اور رحم و کرم کے سرور سے سرشار رہتا تھا، کبھی ایسا ہوتا کہ ایک ہی وقت

میں یہ دونوں منظر آپ کے چہرہ اور پر لوگوں کو نظر آجاتے، چنانچہ جب راتوں کو آپ شوق و ولولہ کے عالم میں ناز کیلے

کھڑے ہوتے، قرآن مجید کی لمبی لمبی سورتیں زبان مبارک پر ہوتیں، اور ہر نبی کی یتیم گذرتی جاتیں، جب کوئی خوف

و خشیت کی آیت آتی، پناہ مانگتے، اور جب کوئی امر و محبت اور رحم و بشارت کی آیت آتی تو اس کے حصول کی دعا مانگتے،

الغرض اسلام کا نصب العین یہ ہے کہ خوف اور محبت کے کناروں سے ہٹا کر جان سے ہر وقت نیچے گرنے

کا خطرہ ہے، خوف و خشیت اور رحم و محبت کے بیچ کی شاہراہ میں وہ انسانوں کو کھڑا کرے، اسی لیے کہا گیا ہے کہ لا یأخذا

بین الخوف والرجاء، ایمان کامل خوف اور امید کے درمیان ہے، کہ تمنا خوف خدا کے رحم و کرم سے ناامید اور محض

رحم و کرم پر پھر وہ لوگوں کو خود سراور گستاخ بنا دیتا ہے، جیسا کہ اس علی دنیا کے روزانہ کے کاروبار میں نظر آتا ہے، اور یہی
حیثیت سے اس کے نتائج کا مشاہدہ علماء یہودیوں اور عیسائیوں میں کیا جاسکتا ہے ایسے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعلیم
میں ان دونوں متضاد کیفیتوں کو ایمان اور عقیدہ کے روتے برابر کا درجہ دیا، لیکن ساتھ ہی عاجز و درماندہ انسانوں کو یہ
بھی بشارت سنائی کہ خدا کی رحمت کا دائرہ اس کے غضب کے دائرہ سے زیادہ وسیع ہے، فرمایا

رَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ (اعراف - ۱۹) میری رحمت ہر چیز کو سمٹے ہوئے ہے،

اور اسکی تفسیر صاحب قرآن علیہ السلام نے ان الفاظ میں کی،

رَحْمَتِي سَبَقَتْ غَضَبِي، (بخاری) میرے غضب سے میری رحمت آگے بڑھ گئی،

عیسائیوں نے خدا سے اپنا رشتہ جوڑا، اور اپنے کو "فرزند الہی" کا لقب دیا، بعض یہودی فرقوں نے بنی اسرائیل کو
خدا کا خاندان اور محبوب ٹھہرایا، اور حضرت عیسیٰؑ کے جوڑ پر حضرت عریک کو فرزند الہی کا رتبہ دیا، لیکن اسلام میں نہ تو کسی شخص کو
خاندان یا خاص قوم کو عطا نہیں کرتا، بلکہ وہ تمام انسانوں کو بندگی اور اطاعت کی ایک سطح پر لا کر کھڑا کرتا ہے، انسانوں
کے مقابلہ میں یہودیوں اور عیسائیوں دونوں کو دعویٰ تھا،

خُذْنِي اَبْنُو الله وَاجْبَاؤُنَا (مائتہ ۲۲) ہم خدا کے بیٹے اور چہیتے ہیں،

قرآن مجید نے اُس کے جواب میں کہا:-

قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوبِكُمْ بَلْ أَنْتُمْ بَشَرٌ
مِّمَّنْ خَلَقَ (مائتہ ۳) دیتا ہے، (اس لیے تمہارا دعویٰ صحیح نہیں، بلکہ تم بھی انہیں انسان
میں سے ہو جنکو اُس نے پیدا کیا،

دوسری جگہ قرآن نے تنہا یہودیوں کے جواب میں کہا،

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ هَادُوا إِنْ زَعَمْتُمْ أَنْكُمْ أَوْلِيَاءُ لِلَّهِ
مِنْ دُونِ النَّاسِ فَتَمَنَّوْا الْمَوْتَ إِنْ كُنْتُمْ
رَاضِينَ (آل عمران - ۱۱۳) اے وہ جو یہودی ہو اگر تم اپنے اس خیال میں سچے ہو کہ تم
انسانوں کو چھوڑ کر تم ہی خدا کے خاص چہیتے ہو، تو موت راضی

اسلام رحمت الہی کے دائرہ کو کسی خاندان اور قوم تک محدود نہیں رکھتا، بلکہ وہ اسکی دست میں انسانوں کی ہر برادری کو داخل کرتا ہے، ایک شخص نے مسجد نبوی میں اگر دعا کی کہ خدایا! مجھ کو اور مجھ کو مغفرت عطا کر اپنے فرمایا "خدا کی وسیع رحمت کو تم نے تنگ کر دیا" ایک اور اعرابی نے مسجد میں دعا مانگی کہ خدایا! مجھ پر اور مجھ پر رحمت بھیج، اور ہماری رحمت میں کسی کو شریک نہ کر، آپنے صحابہ کی طرف خطاب کر کے فرمایا "یہ زیادہ گمراہ ہے یا اس کا اونٹ"۔

محبت کے جہانی اصطلاحات کی نیت | اس مسئلہ میں تعلیم محمدی کے متعلق غلط فہمی کا دوسرا سبب جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے یہ ہے کہ بعض مذاہب نے خدا کی محبت و کرم کی تعبیر کے لیے جو مادی اور جہانی اصطلاحیں قائم کی تھیں، اسلام نے ان کی نفی کی اور ان کو شرک قرار دیا، اس سے یہ نتیجہ نکلا گیا کہ اسلام کا خدا رحم و کرم اور محبت اور پیار کے اوصاف سے معر ہے،

اصل یہ ہے کہ انسان دوسرے غیر مادی خیالات کی طرح خدا اور بندہ کے باہمی مہر و محبت کے جذبات کو بھی اپنی انسانی بول چال میں ادا کر سکتا ہے، محبت اور پیار کے یہ جذبات انسانوں کے اندر باہمی مادی اور جہانی رشتوں کے ذریعہ سے نمایاں ہوتے ہیں اس بنا پر بعض مذاہب نے اس طریقہ کو خالق و مخلوق کے ربط و تعلق کے اظہار کے لیے بھی بہترین انسان سمجھا، چنانچہ کسی نے خالق اور مخلوق کے درمیان باپ اور بیٹے کا تعلق پیدا کیا جیسا کہ عیسائیوں میں ہے، دوسرے نے مان کی محبت کا بڑا درجہ سمجھا، اس لئے اس تعلق کو مان اور بیٹے کی اصطلاح سے واضح کیا، اور یہ بیان انسانوں کی مائیں نہیں جیسا کہ ہندوؤں کا عام مذہبی تخیل ہے، خاص ہندوستان کی خاک میں زن و شو کی باہمی محبت کا امتیازی خاصہ ہے جس کی نظیر دوسرے ملکوں میں نہیں مل سکتی ہے، اسکی نگاہ میں محبت کا اس سے زیادہ پر اثر منظر اور ناقابل شکست پیمانہ کو دوسرا نہیں، اس لیے یہاں کے بعض فرقوں میں خالق و مخلوق کی باہمی محبت کے تعلق کو زن و شو کی اصطلاح سے ادا کیا گیا، سدا سہاگ فقرا، اس تخیل کی ہلکا آنکھ تصویر ہیں،

یہ تمام فرقے جنہوں نے خدا اور بندہ کے تعلق کو جہانی اور مادی رشتوں کے ذریعہ ادا کرنا چاہا، وہ راہ سے بے راہ ہو گئے۔

اور لفظ کے ظاہری استعمال نے نہ صرف اُن کے عوام کو بلکہ خواہ تک کو گمراہ کر دیا اور لفظ کی اصلی روح کو چھوڑ کر نہایت
 کے ظاہری مخالفین میں گرفتار ہو گئے، عیسائیوں نے واقعی حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا سمجھ لیا، ہندوستان کے میٹوں نے تانوں
 کی پوجا شروع کر دی، سدا سہاگ فقیروں نے چوڑیاں اور ساڑیاں پہن لیں، اور خدا سے قادر سے شوخیان کرنے لگے،
 اسی لیے اسلام نے جو توحید خالص کا مبلغ تھا، ان جسمانی اصطلاحات کی سخت مخالفت کی اور خدا کے لیے ان الفاظ کا
 استعمال اُس نے ضلالت اور گمراہی قرار دیا، لیکن وہ ان الفاظ کے اصلی معنی اور منشا کو اور اس مجاز کے پردہ میں حقیقت
 مستور ہے اوس کا انکار نہیں کرتا، بلکہ وہ ان جسمانی معنوں کو خالق و مخلوق اور عبد و معبود کے ربط و تعلق کے اظہار کے لیے
 ناکافی اور غیر مکمل سمجھتا ہے، اور وہ ان سے بھی زیادہ وسیع و کامل معنی کا طالب ہے،

فَاذْكُرُوا لِلّٰهِ كَذِكْرِكُمْ اٰبَاءَكُمْ وَاَسْتَدَّ ذِكْرًا ﴿٢٢﴾ تم خدا کو اس طرح یاد کرو جیسا کہ تم اپنے باپوں کو یاد کرتے ہو، بلکہ اس سے زیادہ یاد کرو،
 دیکھو کہ باپ کی طرح کی محبت کو وہ اپنے پروردگار کی محبت کے لیے ناکافی قرار دیتا ہے، اور عبد و معبود کے در
 محبت کے رشتہ کو اس سے اور زیادہ مضبوط کرنا چاہتا ہے،

الغرض رحم و محبت کے اس جسمانی طریقہ تعبیر کی مخالفت سے یہ لازم نہیں آتا کہ اسلام سرے سے خالق و مخلوق
 اور عبد و معبود کے درمیان محبت اور پیار کے جذبات سے خالی ہے، اتنا کون نہیں سمجھتا کہ مذہب کی تعلیمات انسانوں
 میں بولی میں اتری ہیں، اُن کے تمام خیالات و تصورات، اسی مادی اور جسمانی ماحول کا عکس ہیں، اس لیے اُن کے ذہن
 میں کوئی غیر مادی اور غیر جسمانی تصور کسی مادی اور جسمانی تصور کی وساطت کے بغیر براہ راست پیدا نہیں ہو سکتا، اور نہ
 لیے اُن کے لغت کا کوئی ایسا لفظ مل سکتا ہے جو غیر مادی اور غیر جسمانی مفہوم کو اس قدر نضرہ اور بلند طریقہ سے بیان کرے
 جنہیں مادیات اور جسمانیات کا مطلق شائبہ نہ ہو، انسان اُن دیکھی چیزوں کا تصور صرف دیکھی ہوئی چیزوں کی تشبیہ سے پیدا
 کرتا ہے اور اس طرح اُن کی دیکھی چیزوں کا ایک دھندلا سا عکس ذہن کے آئینہ میں اتر جاتا ہے،

اس اُن دیکھی جیستی کی ذات و صفات کے متعلق جبکہ تم خدا کہتے ہو، مذہب میں ایک تخیل ہے، غور سے دیکھو
 تو معلوم ہوگا کہ یہ تخیل بھی اس مذہب کے پیروں کے گرد پیش کی اشیاء سے ماخوذ ہے، لیکن ایک بلند تر اور کاہلتر مذہب کا

کام یہ ہے کہ وہ اس تخیل کو مادیت، جمائیت اور انسانیت کی آلائشوں سے اس حد تک پاک و منزہ کر دے جہاں
 بنی نوع انسان کے لیے ممکن ہے، خدا کے متعلق باپ، ماں اور شوہر کا تخیل اس درجہ مادی، جسمانی اور انسانی ہے کہ اس
 تخیل کے معتقد کے لیے ناممکن ہے کہ وہ خالص توحید کے صراطِ مستقیم پر قائم رہ سکے، اسی لئے نبوتِ محمدی نے ان مادی
 تعلقات اور جسمانی رشتوں کے الفاظ کو خالق و مخلوق کے اظہارِ ربط و تعلق کے باب میں مکلف ترک کر دیا، بلکہ ان کا استعمال
 بھی شرک قرار دیا، تاہم چونکہ روحانی حقائق کا اظہار بھی انسانوں ہی کی مادی بولی میں کرنا ہے، اس لئے اُس نے جسمانی
 و مادی رشتہ کے اُن جذبات، احساسات اور عواطف کو خالق و مخلوق کے تعلقاتِ مابین کے اظہار کے لیے مستعار لے
 لیا، جن کا اظہار دوسرے مذاہب نے اُن رشتوں کے ذریعہ کرنا چاہا تھا، اور اس طرح خالق و مخلوق کے درمیان کوئی جسمانی رشتہ
 قائم کئے بغیر اُس نے ربط و تعلق کا اظہار کیا، اور انسانوں کو استعمالات کی لفظی غلطی سے جو گمراہیاں پہلے پیش چکی تھیں
 اُن سے اُن کو محفوظ رکھا،

ہر زبان میں اس خالق ہستی کی ذات کی تعبیر کے لیے کچھ نہ کچھ الفاظ ہیں جن کو کسی خاص تخیل اور نصب العین کی
 بنا پر مختلف قوموں نے اختیار کیا ہے، اور گو انکی حیثیت اب علم اور نام کی ہے، تاہم وہ حقیقت پہلے پہل کسی نہ کسی
 وصف کو پیش نظر رکھ کر استعمال کئے گئے ہیں، ہر قوم نے اس علم اور نام کے لیے اُسی وصف کو پسند کیا ہے، جو اُس کے
 نزدیک اس خالق ہستی کی سب سے بڑی اور سب سے ممتاز صفت ہو سکتی تھی،

اسلام نے خالق کے لیے جو نام اور علم اختیار کیا ہے، وہ لفظ اللہ ہے، اللہ کا لفظ اہل میں کس نقطہ سے نکلا ہے
 اس میں اہل لغت کا یقیناً اختلاف ہے، مگر ایک گروہ کثیر کا یہ خیال ہے کہ یہ وکالا سے نکلا ہے اور ولہ کے اصل معنی
 عربی میں اُس "نغم" "محبت" اور تعلقِ خاطر کے ہیں جو مان کو اپنی اولاد کے ساتھ ہوتا ہے، اسی سے بعد کو مطلق "عشق" و
 کے معنی پیدا ہو گئے، اور اسی سے ہماری زبان میں لفظ "والدہ" (شیدا) مستعمل ہے، اس لیے اللہ کے معنی "محبوب اور
 پیارے" کے ہیں جس کے عشق و محبت میں نہ صرف انسان بلکہ ساری کائنات کے دل سرگردان، متحیر اور پریشان
 ہیں، حضرت مولانا شاہ فضل رحمن گنج مراد آبادی قرآن مجید کی آیتوں کے ترجمے اکثر ہندی میں فرمایا کرتے تھے اللہ کا ترجمہ

لفظ اللہ کے بعد اسلام کی زبان میں خدا کا دوسرا علم ہی لفظ "رحمان" ہے، جو رحم و کرم اور لطف و مہر کے معنی میں صفتِ مبالغہ کا لفظ ہے،

قُلْ ادْعُوا اللَّهَ أَوْ ادْعُوا الرَّحْمَنَ أَيًّا مَا تَدْعُوا
قُلْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ الْحَسَنُ - (بنی اسرائیل - ۱۲)

اُس کو محبوب (اللہ) کہو یا "ہر مان" (رحمان) کہو جو کچھ
اسکو پکارو سب اچھے نام اُسی کے ہیں،

قرآن مجید نے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کی صہ ہا بار کی تکرار کو چھوڑ کر ۵۳ موقعوں پر خدا کو اس رحمان کے نام سے یاد کیا ہے،

ابھی اس سے پہلے باب میں اسمائے الہی کا ایک ایک حرف ہماری نظر کے سامنے سے گز چکا ہے، ان ناموں میں اللہ تعالیٰ کے ہر قسم کے جلالی و جمالی اوصاف آگئے ہیں، استقصا کرو، تو معلوم ہو گا کہ ان میں بڑی تعداد انہیں ناموں کی ہے جنہیں اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم اور نہر و محبت کا اظہار ہے، قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ایک نام یا ایک وصف اَلْوَدُودُ (سورہ ذات البروج میں) آیا ہے، جس کے معنی "محبوب" اور پیارے کے ہیں، کہ پھر تاپا ہر نہر محبت، اور عشق اور پیار ہے، اس کے سوا خدا کا ایک اور نام اَلْوَلِيُّ ہے، جس کے لفظی معنی "یار" اور "دوست" کے ہیں، خدا کا ایک اور نام قرآن مجید میں بار بار استعمال ہوا ہے، وہ الرَّحْمٰن ہے "رؤف" کا لفظ "رأفت" سے نکلا ہے "رأفت" کے معنی اُس محبت اور تعلق خاطر کے ہیں جو باپ کو اپنی اولاد سے ہوتا ہے، اسی طرح خدا کا ایک اور نام حَنَّان ہے

”جو حنّ سے مشتق ہے ”حن“ اور ”حنین“ اُس سوزِ دل اور محبت کو کہتے ہیں جو مان کو اپنی اولاد سے ہوتی ہے، یہ الفاظ ان
 مجازی اور مستعار معانی کو ظاہر کرتے ہیں جو اسلام نے خالق و مخلوق اور عباد و معبود کے ربط و تعلق کے اظہار کے لیے اختیار
 کئے ہیں، دیکھو کہ وہ ان رشتوں کا نام نہیں لیتا، لیکن ان رشتوں کے درمیان محبت اور پیار کے جو خاص جذبات
 ہیں ان کو خدا کے لیے بے تکلف استعمال کرتا ہے اس طرح ماویت اور حیامیت کا تخیل اُسے بغیر وہ ان روحانی معنوں
 کی تلقین کر رہا ہے،

مجدد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ وہ غفّار و بخّش کرنے والا اور غفور و بخشنے والا ہے، یعنی بندوں کے گناہوں
 کو معاف کرنے والا وہ سداکھڑا (امن و سلامتی) ہے کہ کھڑے رہتا یا اپنے بے پناہ بندوں کے لیے امن اور سلامتی ہے، پھر وہ
 مؤمن (امن دینے والا) ہے وہ العادل یعنی سرتاپا انصاف ہے العفو (معاف کرنے والا) ہے اللّوہاب (عطا کرنے
 والا) الخلیم (بر و بار) الصّبور (بندوں کی گستاخوں پر صبر کرنے والا) التّواب (بندوں کے حال پر رجوع ہونے والا)
 الکریم (نیک اور بخشنے والا) اور المّقسط (منصف اور عادل) ہے، ان میں ہر لفظ پر ٹھہر کر ذرا غور کرو کہ اسلام کا تخیل کقدر
 بلند اور برتر ہے،

توراۃ کے اسفار، انجیل کے صحیفوں اور ہندوؤں کے ویدوں کا ایک ایک ورق پڑھ جاؤ، کیا اللہ تعالیٰ کے لہو
 یہ پیمائش، یہ سراپا ہر و کریم، اسرار و صفات کی یہ کثرت تم کو ہانکے گی؟ یہ سچ ہے کہ اسلام اللہ تعالیٰ کے لیے مان و
 بابت کا لفظ عبود و نصاریٰ اور خود کی طرح استعمال کرنا جائز نہیں سمجھتا، مگر اس سے یہ قیاس کرنا غلطی ہے کہ وہ لطف
 احساس اور ہر و کریم کے جذبات و عواطف سے غالی ہے، بلکہ یہ فرقہ اپنا مخصوص سرمایہ سمجھتے ہیں، مگر بات یہ ہے کہ ان
 روحانی جذبات اور فطری احساسات کیساتھ وہ شرک و کفر کی اُس خدالت اور گمراہی سے بھی انسانوں کو بچانا چاہتا ہے
 جو ذرا سی لفظی غلط فہمی سے مجاز کو حقیقت اور استعارہ کو اہلیت سمجھ کر پاک اور سرتاپا روحانی معنوں کو مادی اور جسمانی
 کر لیتے ہیں، اور اس لیے وہ اُس بلند تر توحید کی سطح سے بہت نیچے گر کر سرِ شہہ حقیقت کو ہاتھ سے دے بیٹھتے ہیں،

مجدد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری پیغام یکساں ہے، اس لیے ضرورت تھی کہ اپنی تسلیم اس قسم کی لغزشوں

سے پاک و مبرا ہو، روحانی حقائق کی تعبیر کے لیے جیسا کہ پہلے کہا جا چکا تھا، یقیناً مادی اور جسمانی استعارات اور مجازات سے چارہ نہیں، تاہم ایک دائمی تعلیم کا یہ فرض تھا کہ وہ اپنی تعلیم کو استعارات کی غلطیوں اور مجازات کی غلط فہمیوں سے محفوظ رکھے۔ چنانچہ اسلام نے اسی بنا پر ان استعارات اور مجازات کے استعمال میں بڑی احتیاط برتی ہے، اور خدا کے ہر و کرم اور عیش و تکرر کے ساتھ وہ خطائے قواعد کو فراموش نہیں کیا ہے، قرآن مجید اور احادیث، روحانی عشق و محبت کے ان دلائل و دلائل اور دلوں اور نگین حکایات سے معمور ہیں، بایں ہمہ وہ انسان کو بٹیا اور خدا کو باپ نہیں کہتا کہ بعد و معبود کے تعلقات کے اظہار کے لیے اس نزدیک کوئی بلند تر تعبیر نہیں، وہ خدا کو آبت (باپ) کے بجائے "رَبِّ" کہہ چکا تھا ہے، وہ اس کو تمام دنیا کا باپ نہیں بلکہ تمام دنیا کا رب کہتا ہے،

"آبت اور رَبِّ ان دونوں لفظوں کا باہمی معنوی مقابلہ کرو تو معلوم ہو گا کہ عیسائیوں اور یہودیوں کا تخیل اسلام کے منطق سے کس درجہ پست ہے، آبت یعنی باپ کا تعلق اپنے بیٹے سے ایک خاص حالت کی بنا پر ایک خاص لحظہ میں قائم ہوتا ہے، اور پھر اس کی حیثیت بدل کر پرورش اور حفاظت کی صورت میں وہ بچپن کے ایک محدود عرصہ تک قائم رہتا ہے، اس طرح گو باپ کو بیٹے کے وجود میں ایک گونہ تعلق ضرور ہوتا ہے، مگر یہ تعلق حد درجہ ناقص محدود اور آئی ہوتا ہے، بیٹے کے وجود، قیام و بقا، ضروریات زندگی، سامانِ حیات، نشو و نما اور ارتقا کی چیز میں باپ کی ضرورت نہیں ہوتی، وہ اپنے باپ سے الگ مستقل اور بے نیاز زندگی بسر کرتا ہے، مگر ذرا غور کرو کیا بعد و معبود اور خالق و مخلوق کے درمیان جو ربط و تعلق ہے اس کا انقطاع کسی وقت ممکن ہے، کیا بندہ اپنے خدا سے ایک دم اور ایک لمحہ کے لیے بھی بے نیاز اور مستغنی ہو سکتا ہے، کیا یہ تعلق باپ اور بیٹے کے تعلق کی طرح محدود اور مخصوص الاوقات ہے،

ربوبیت (پرورش) بعد و معبود اور خالق و مخلوق کے درمیان اس تعلق کا نام ہے، جو آغاز سے انجام تک پیدائش سے لے کر وفات تک، بلکہ وفات کے بعد سے ابد تک قائم رہتا ہے، جو ایک لمحہ کے لیے منقطع نہیں ہو سکتا جس کے بل اور سہارے پر دنیا اور دنیا کی مخلوقات کا وجود ہے، وہ گوارہ عدم سے لیکر فنا سے محض کی منزل تک ہر قدم پر ہر موجود کا تھکا رہتا ہے، انسان فزہ ہو یا بھورست غذا، نظر، آب ہو، یا قطرہ خون، ہضمتہ گوشت ہو یا شبت استخوان، حکیم مادرین ہو یا

اُس سے باہر بچہ ہو یا جوان، ادھیڑ ہو یا بوڑھا، کوئی اُن کوئی لمحہ، رب کے ہر و کرم اور لطف و محبت سے مستغنی اور بے نیاز نہیں ہوتا۔
علاوہ ازیں باپ اور بیٹے کے الفاظ سے مادیت، جسمانییت، جھنسی اور برابر بری کا جو تخیل پیدا ہوتا ہے، اُس سے فقط رت و یقلم پاک ہے، اور ایمان ان ضلالتوں اور گمراہیوں کا خطرہ نہیں، ختمِ نصرانیت اور ہندویت نے ایک عالم کو مبتلا کر رکھا ہے،

اب ان آیتوں اور حدیثوں کو دیکھو جنہیں یہ روشن ہوتا ہے کہ اسلام کا سینہ اُس ازلی وابدی عشق و محبت کے نور سے گس درجہ معمور ہے، اور وہ پنجانہ است کی سرشاری کی یاد بھیکے ہوئے انسانوں کو کس کس طرح دلارہا ہے، اسلام کا سب سے پہلا حکم ایمان ہے، ایمان کی سب سے بڑی خاصیت اور علامت "حب الہی" ہے، اور یہ وہ دولت ہے جو اہل ایمان کی پہلی جماعت کو عطا فرمایا، جو اہل ایمان نے شہادت دی،

وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ (توبہ-۲۰) جو ایمان لائے ہیں وہ سب سے زیادہ خدا سے محبت رکھتے ہیں،

اس نثرِ محبت کے سامنے باپ، ماں، اولاد، بھائی، بیوی، جان مال، خاندان سب قربان اور نثار ہو جانا چاہیو،
ارنشا ہوتا ہے،

اگر تمہارے باپ، تمہارے بیٹے، تمہارے بھائی، تمہاری بیوی،
اور تمہارا کنبہ اور وہ دولت جو تم نے کمائی ہے اور وہ سوداگری
جس کے منہ اڑ جانے کا تم کو اندیشہ ہے، خدا اور اس کے رسول
اور اس کی اُمین جہاد کرنے سے تم کو زیادہ محبوب اور پیارا ہے
فِي سَبِيلِهِ فَاَتَرْتُمُوهُنَّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا
اگر تمہارے باپ، تمہارے بیٹے، تمہارے بھائی، تمہاری بیوی،
اور تمہارا کنبہ اور وہ دولت جو تم نے کمائی ہے اور وہ سوداگری
جس کے منہ اڑ جانے کا تم کو اندیشہ ہے، خدا اور اس کے رسول
اور اس کی اُمین جہاد کرنے سے تم کو زیادہ محبوب اور پیارا ہے
فِي سَبِيلِهِ فَاَتَرْتُمُوهُنَّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا

ایمان کے بعد بھی اگر نثرِ محبت کی سرشاری نہیں ملی تو وہ بھی جادہ حق سے دوری ہے، چنانچہ جو لوگ کہ راہِ حق سے بھٹکنا چاہتے تھے اُن کو پکار کر سنا دیا گیا،

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ يَرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ
مسلمانو! اگر تم میں سے کوئی اپنے دین اسلام سے پھر جائیگا تو خدا کو

فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ

اس کی کچھ پروا نہیں وہ ایسے لوگوں کو لاکھڑا کرے گا جنکو وہ پیار

کرے گا اور وہ اُس کو پیار کرے گی،

(مائتہ ۸۰)

حضرت مسیحؑ نے کہا "دُخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے" ہر معنوی اور روحانی حقیقت ظاہری آثار اور جہانی علامات سے پہچانی جاتی ہے، تم کو زید کی محبت کا دعویٰ ہے، مگر نہ تمہارے دل میں اس کے دیار کی ترپٹ، نہ تمہارے سینہ میں صدمہ فراق کی صلیں ہیں، اور نہ آنکھوں میں ہجر و جدائی کے آنسو ہیں، تو کون تمہارے دعویٰ کی تصدیق کرے گا، اسی طرح خدا کی محبت اور پیار کے دعویدار تو بہتیرے ہو سکتے ہیں، مگر اس غیر محسوس کیفیت کی مادی نشانیان اور ظاہری متین اُس کے احکام کی پیروی اور اُس کے رسول کی اطاعت ہی خدا کے رسول کو اس اعلان کا حکم ہے،

إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ

اگر تم کو خدا سے محبت ہے تو میری پیروی کرو کہ خدا بھی

تم کو پیار کرے گا،

(الاعمال ۴۰)

محبت کو جو حاصل ہو، وحی محمدیؐ نے اس رتبہ بلند کے حصول کی تدبیر بھی بتا دی فرمایا،

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ

جو لوگ ایمان لائے، اور اُنھوں نے نیک کام کئے، رحمت

والا خدا اُن کے لیے محبت پیدا کرے گا،

(سورہ ۶)

اس آیت میں محبت کے حصول کے ذریعے دو تباہ کئے، ایمان اور عمل صالح، یعنی نیک کام، چنانچہ طبقاً

انسانی میں متعدد دایہ گروہ ہیں جنکو ان ذریعوں سے خدا کی محبت اور پیار کی دولت ملی ہے،

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ (مائتہ ۳۰ - بقرہ ۱۷۷)

خدا نیکو کرنے والوں کو پیار کرتا ہے،

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ (بقرہ ۲۸)

خدا توبہ کرنے والوں کو پیار کرتا ہے،

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ (الاعمال ۱۵)

خدا توکل کرنے والوں کو پیار کرتا ہے،

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ (مائتہ ۴۰ - حجرات ۱۰)

خدا منصف مزاجوں کو پیار کرتا ہے،

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ (توبہ ۲۱)

خدا پرہیزگاروں کو پیار کرتا ہے،

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهِ (صفہ ۱۱) خدا اُن کو پیار کرتا ہے جو اُس کے راستہ میں لڑتے ہیں،

وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ (ال عمران - ۱۵) اور خدا صبر کرنے والوں کو پیار کرتا ہے،

وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ (توبہ - ۱۳) اور خدا پاک صاف لوگوں کو پیار کرتا ہے،

مسند احمد میں ہے کہ اپنے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تین قسم کے آدمیوں سے محبت کرتا ہے، اور تین قسم کے آدمیوں کو پیار نہیں کرتا، محبت اُن سے کرتا ہے جو خدا کی راہ میں خلوص نیت کے ساتھ اپنی جان فدا کرتے ہیں، اور اُن کو جو اپنے پڑوسی کے ظلم پر صبر کرتے ہیں اور اُن کو کہ جب قافلہ رات کے سفر سے تھک کر آرام کے لیے بستر لگاتا ہے تو وہ وضو کر کے خدا کی یاد کے لیے کھڑے ہو جاتے ہیں، اور خدا کی محبت سے محروم یہ تین ہیں، اترانے والا مغرور، احسان دھرنے والا بخل، جھوٹی قسمیں کھا کر مال بیچنے والا سوداگر،

دینا کے عیش و مسرت میں اگر کوئی خیال کاٹا سا چھتا ہے، اور ہمیشہ انسان کے عیش و سرور کو مگر اور منتفض بنا کر بے فکری کی بہشت کو فکر و غم کی جہنم بنا دیتا ہے، تو وہ ماضی اور حال کی ناکامیوں کی یاد اور مستقبل کی بے اطمینانی ہو، پہلے کا نام حزن و غم ہے، اور دوسرے کا نام خوف و دہشت ہے، غرض غم اور خوف ہی دو کاتے ہیں، جو عاجز و درمنازہ انسانیت کے پہلو میں ہمیشہ چھپتے رہے ہیں، لیکن جو محبوب حقیقی کے طلبگار اور اُس کے دار و شیدائین، اُن کو بشارت ہو کہ اُن کے عیش کا چین اس خازن سے پاک ہوگا،

اَکَاۤرَ اٰوْلِیَآءِ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَیْہُمْ وَلَا حُزْمٌ یَّحْزَنُوْنَ (یونس - ۷) ہاں خدا کے دوستوں کو نہ کوئی خوف ہے، اور نہ وہ غمگین ہوں گے،

محبت کا جو جذبہ بڑے کو چھوٹے کے ساتھ احسان، نیکی، درگزر اور عفو و بخشش پر آمادہ کرتا ہے، اُس کا نام "رحم" اور رحمت ہے، اسلام کا خدا نامہ رحم ہے، اسکی رحمت کے فیض سے عرصہ کائنات کا ذرہ ذرہ سیراب ہے، اُس کا نام رحیم و رحیم ہے، جو کچھ یہاں ہے سب اسکی رحمت کا ظہور ہے، وہ نہ ہو تو کچھ نہ ہو، اسی لئے اسکی رحمت سے ناامیدی جرم اور

یابوسی گناہ ہے، مجرم سے مجرم اور گنہگار سے گنہگار کو وہ نوازنے کے لیے ہمہ وقت آمادہ و تیار ہے، گنہگاروں اور مجرموں کو وہ محمد رسول اللہ صلی علیہ وسلم کی زبان سے ”میرے بندے“ کا کلماتی کا یہ پیام بھیجتا ہے،

قُلْ يُعْبَادِي الَّذِينَ آمَنُوا عَلَي أَنفُسِهِمْ ۖ لَا تَقْلُوبُوا مِّنْ رَّحْمَتِي إِلَهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا إِنَّهُ هُوَ الْعَفُوُّ الرَّحِيمُ ۝
 اے پیغمبر! میرے اُن بندوں کو پیام پہنچا دے جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے کہ وہ اللہ کی رحمت سے یابوس نہ ہوں، اللہ یقیناً تمام گناہوں کو بخش سکتا ہے کہ وہی بخش کرنے والا

(زمرہ - ۶) اور رحم کھانے والا ہے،

فرشتے حضرت ابراہیم کو بشارت سناتے ہیں تو کہتے ہیں،

فَلَا تَكُن مِّنَ الْقَانِطِينَ (حجر - ۷۷) نامیدوں میں سے نہ ہو،

خلیل اللہ اس رمز سے نا آشنا نہ تھے کہ مرتبہ خلعتِ جہت سے مافوق ہے، جواب دیا:-

وَمَنْ يَقْضَاهُنَّ رَحْمَةً رَبِّهِ إِلَّا الصَّالِحِينَ ۚ اپنے پروردگار کی رحمت سے گمراہ لوگوں کے سوا اور کوئی

(حجرات - ۲) یابوس نہیں ہوتا،

بندوں کی جانب سے خدا پر کوئی پابندی عائد نہیں مگر اُس نے خود اپنی رحمت کے اقتضا سے اپنے اوپر کچھ چیزیں فرض کر لی ہیں، بخدا اُن کے ایک رحمت ہے، خدا مجرموں کو سزا دے سکتا ہے، وہ گنہگاروں پر عذاب بھیج سکتا ہے، وہ یہ کاروں کو ان کی گستاخوں کا مزہ چکھا سکتا ہے، وہ غالب ہے، وہ قاہر ہے، وہ متقمم ہے، لیکن ان سب کے ساتھ وہ غفار و غفور ہے، رحمان رحیم ہے، رؤف و رءوف ہے، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس نے اپنے اوپر رحمت کی پابندی خود بخود عائد کر لی ہے، اور اپنے اوپر اس کو فرض گردان لیا ہے،

كُتِبَ عَلَيْكُمُ اتَّقُوا اللَّهَ وَلَكُمْ عَن يَدَيْهِ رَحْمَةٌ ۖ (النعام - ۲) اللہ نے از خود اپنے اوپر رحمت کو لازم کر لیا ہے،

قاصدِ خاص کو حکم ہوتا ہے کہ ہمارے گنہگار بندوں کو ہماری طرف سے سلام پہنچاؤ اور تسلی کا یہ پیام دو کہ اس کا باب رحمت ہر وقت کھلا ہے،

وَإِذَا جَاءَكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِنَا فَقُلْ
 سَلَامٌ عَلَيْكُمْ كَذَّبَ رَبُّكُمْ عَلَىٰ نَفْسِهِ بِالْحَقِّ
 أَنَّهُ مَنِ عَمِلَ مِنكُمْ سُوءًا مِّنْ جَهَنَّمَ نَافِلَةً
 مِن بُعْدٍ وَأَصْحَابُ مَا أَغْنَوْا فِيهَا مِمَّا
 اسے پیغمبر تیرے پاس وہ آئین جو میری آیتوں پر یقین رکھتے
 ہیں تو ان کو کہہ کہ تم پر سلامتی ہو تمہارے پروردگار نے اپنے
 اوپر از خود اپنے بندوں پر مہربان ہونا لازم کر لیا ہے کہ جو کوئی
 تم میں سے براہ نادانی برائی کر بیٹھے پھر اس کے بعد بارگاہ الہی
 کی طرف رجوع کرے اور نیکیتیں بخشنے والا اور رحم کرنے والا

(العنکبوت)

قرآن کی تعلیم کے مطابق اس وسیع عرصہ کائنات کا کوئی ذرہ اس سایہ رحمت سے محروم نہیں،

وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ (اعراف: ۱۵) اور میری رحمت ہر چیز کو گھیرے ہوئی ہے۔

بخاری و ترمذی وغیرہ کی صحیح حدیثوں میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب اس عالم کو پیدا کیا تو اس نے اپنے دست
 خاص سے اپنے اوپر رحمت کی پابندی عائد کر لی، جامع ترمذی میں ہے کہ ایک دفعہ اپنے فرمایا کہ اگر مومن کو یہ معلوم
 ہوتا کہ خدا کے پاس کتنا عقاب ہے تو وہ جنت کی طبع نہ کرتا، اور اگر کافر کو یہ معلوم ہوتا کہ خدا کی رحمت کقدر بے حساب
 تو وہ جنت سے مایوس نہ ہوتا، یہ اسلام کے تخیل کی صحیح تعبیر ہے، بارگاہِ اہدیت کا آخری قاصد اپنے دربار کی جانب
 گنگناہاروں کو بشارت سناتا ہے کہ اے آدم کے بیٹو! جب تک تم مجھے پکارتے رہو گے اور مجھ سے اس لگاؤ رہو گے
 میں تمہیں بخشتا رہوں گا خواہ تم میں کتنی ہی عیب ہوں، مجھے پروا نہیں اے آدم کے بیٹو! اگر تمہارے گناہ آسمان
 کے بادلوں تک پہنچ جائیں اور پھر تم مجھ سے معافی مانگو، تو میں معاف کر دوں خواہ تم میں کچھ ہی عیب ہوں
 مجھے پروا نہیں اے آدم کے بیٹو! اگر پوری سطح زمین بھی تمہارے گناہوں سے بھری ہو، پھر تم ہمارے پاس آؤ اور
 میرا کسی کو شرم نہ ملے، تو میں بھی تمہارے پاس پوری زمین بھر مغفرت لیکر تمہارے پاس آؤں، کیا انسانوں
 کے کانوں نے اس رحمت، اس محبت، اس غفورِ عام کی بشارت کسی اور قاصد کی زبان سے سنی ہے؟

حضرت ابوالبختاری کی وفات کا وقت جب قریب آیا، تو انھوں نے لوگوں سے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

صلی اللہ علیہ وسلم (ابواب الدعوات) دو بزرگ کتب احادیث (صحیح)

نے فرمایا کہ اگر تم گناہ نہ کرتے تو خدا اور مخلوق پیدا کرتا جو گناہ کرتی کہ وہ اس کو بخشا یعنی اللہ تعالیٰ کو اپنے رحم و کرم کے اظہار کے لیے گنہگاروں ہی کی تلاش ہے، کہ انکو کاروں کو تو سبٹھو نہ دے، بین اگر گنہگاروں کو صرف وہی ڈھونڈتا ہے، دنیا میں انسانوں کے درمیان جو رحم و کرم اور ہر محبت کے عناصر پائے جاتے ہیں، جسکی بنا پر دو ستون معجزہ قرابت داروں اور اولادوں میں میل ملاپ اور رحم و محبت ہے، اور جسکی بنا پر دنیا میں عشق و محبت کے یہ مناظر نظر آتے ہیں، تم کو معلوم ہے کہ یہ اُس شہادتِ حقیقی کے سرمایہ محبت کا کتنا حصہ ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کے نوح حصے کئے، اُن میں سے ایک حصہ اپنی مخلوقات کو عطا کیا، جس کے اثر سے وہ ایک دوسرے پر باہم رحم کیا کرتے ہیں باقی ننانوے حصے خدا کے پاس ہیں۔" اس لطف و کرم اور ہر محبت کی بشارتیں کس مذہب نے انسانوں کو سنائی ہیں اور کس نے گنہگار انسانوں کے مضطرب قلوب کو اس طرح تسلی دی ہے؟ صحیح بخاری میں ایک واقعہ مذکور ہے کہ ایک شخص شہر بخاری کے جرم میں بار بار گرفتار ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش ہوا، صحابہ نے تنگ اگر کہا، "خداوند! تو اپنی لعنت اسپر نازل کر کہ یہ کس قدر بار بار لایا جاتا ہے؟" رحمۃ للعالمین کو لوگوں کی یہ بات ناپسنائی فرمایا، اس پر لعنت نہ کرو کہ اس کو خدا اور رسول سے محبت ہو، تم نے دیکھا کہ اسلام نے گنہگاروں کے لیے بھی خدا کی محبت کا دروازہ کھول رکھا ہے،

مجدد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم نے اُن عربوں کو جو خدا کی محبت کی خدا کی معرفت سے بھی نا آشنا تھے، کس طرح آشنا حقیقت کر دیا، اور اس ذاتِ الہی کے ساتھ اپنی وابستگی و محبت اور سرشاری کے لطف سے اُن کو کس درجہ بہرہ اندوز کر دیا، بلاں کو دیکھو، ٹھیک دوپہر کو عرب کی جلتی ہوئی ریت میں ان کو ٹایا جاتا ہے، ایک گرم پتھر اُن کے سینہ پر رکھا جاتا ہے، اور خدائے واحد سے انحراف کے لیے ان کو مجبور کیا جاتا ہے، اور وہ یہ سب تکلیفیں اٹھا رہے ہیں مگر زبان پر اَحَدٌ اَحَدٌ وہی ایک وہی ایک کا ترانہ ہے، کہ کافرہ ذرہ ذرہ خدا سے حق کا دشمن ہے، اور غرضاری یہ جانکر بھی صحنِ کعبہ

میں جوشِ وحدت سے سرشار ہو کر کلمہ توحید کا باوازی بلند اعلان کرتے ہیں، ہر طرف سے پتھر اور ہڈی کی بارش ہوتی ہے بعض لوگ چٹا دیتے ہیں، دوسری صبح نمودار ہوتی ہے تو پھر وہی سرشاری ہوتی ہے اور وہی سزا ملتی ہے، ایک صحابی جو رات کو میدانِ جنگ میں ایک پہاڑ پر پہرہ دینے پر متعین تھے وہ اپنی نیند ٹانے کے لیے خدا کی یاد کے لیے کھڑے ہوتے ہیں دشمن پہ پہ پہ تین دفعہ تیرا تاس ہے جو بدن میں پیوست ہو جاتا ہے اور وہ بدستور خونا میں، اُن کے ساتھی پوچھتے ہیں کہ تم نے نماز کیوں نہیں توڑی، کہتے ہیں کہ جو سورہ شمس کی تھی جی نہ چاہا کہ اس کو تمام کئے بغیر چھوڑ دوں،

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو جانشین عینِ نماز میں زخم کھا کر گرتے ہیں، مگر مقتدیوں کی صفت اُس باقی اور جی کے سامنے کھڑی ہو کر ہر فانی و ممت ہستی کی محبت سے بے نیاز رہتی ہے، اسی لیے خدا نے بشارت دی کہ انہما محبوب خدا اور وہ خود خدا کے محبوب تھے، یعنی رَضِیَ اللہ عَنْہُمْ وَرَضُوا عَنْہُ،

مدینہ میں ایک اللہ والے مسلمان نے وفات پائی، اُسکا جنازہ اٹھا تو فرمایا، اس کے ساتھ نرمی کرو، کہ اللہ نے بھی اُس کے ساتھ نرمی کی ہے، کیونکہ اُس کو اللہ اور اُس کے رسول سے محبت تھی، قبر کھودی جانے لگی فرمایا، اُسکی بکشا رکھو کہ خدا نے اس کے ساتھ کشادگی فرمائی، اس بار بار کے اہتمام کو دیکھ کر صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، آپ کو اس نے والے کی موت کا غم ہے، فرمایا ہاں کہ اُس کو خدا اور رسول پیارے تھے، ایک دفعہ اپنے ایک صاحب کو کسی جناح کا انسر بنا کر بھیجا، وہ جب نماز پڑھاتے تو ہر نماز میں ہر سورہ کے آخر میں قل ھو اللہ ضرور پڑھتے، جب یہ جماعت سفر سے لوٹ کر آئی تو خدمتِ اقدس میں واقعہ عرض کیا، فرمایا اُن سے پوچھو کہ وہ ایسا کیوں کرتے ہیں، لوگوں نے پوچھا تو جواب دیا کہ یہ میں اس لیے کرتا ہوں کہ اس سورہ میں رحمِ دلے خدا کی صفت بیان ہے، تو جبکہ اس کے پڑھنے سے محبت ہے، فرمایا اُن کو بشارت دو کہ وہ رحم والا خدا بھی اُن سے محبت کرتا ہے، یہ بشارت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

سے طبقات ابن سعد، ذکر حضرت ابو ذر غفاریؓ، ص ۱۱۱ صحیح بخاری و سنن ابی داؤد، کتاب اللہ، باب الوضوء، من الہم، ص ۱۱۱ ابن ماجہ، کتاب باب ما جازنی حفر القبر، ص ۱۱۱ مسند ابی یوسف، باب فضل قرآن، ص ۱۱۱ ہذا حدیث و تفسیر، کتاب اللہ، باب اللہ، ص ۱۱۱ ابن ماجہ، کتاب اللہ، ص ۱۱۱

امام مالک نے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ خداوند تعالیٰ یہ ارشاد فرماتا ہے کہ اُن کا پیار کرنا مجھ پر لازم ہے؟
 آپس میں ایک دوسرے کو میری محبت کے سبب سے پیار کرتے ہیں، اور میری محبت میں ایک دوسرے کے ساتھ بیٹھتے
 ہیں اور میری محبت میں ایک دوسرے سے ملتے ہیں، اور میری محبت میں ایک دوسرے کے لیے اپنی جان و مال وقف
 کرتے ہیں۔

یہ محبت الہی کی نیرنگیان اسلام ہی کے پردہ میں نظر آتی ہیں۔
 ترمذی میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: لوگو! خدا سے محبت کرو کہ وہ تمہیں اپنی نعمتیں
 عطا کرتا ہے، اور خدا کی محبت کے سبب مجھ سے محبت کرو، اور میری محبت کے سبب میرے اہل بیت سے محبت کرو،
 یہ عشق و محبت کی دعوت، محبوب ازل کے سوا اور کون دیکھتا ہے؟

عام مسلمانوں میں پیغمبر اسلام کا لقب "حبیب خدا" ہے، دیکھو کہ حبیب و محبوب میں خلقت و محبت کے کیا کیا ناز و
 نیاز ہیں، آپ خشوع و خضوع کی دعاؤں میں، اور خلوت و تنہائی کی ملاقاتوں میں کیا ڈھونڈتے اور کیا مانگتے تھے، کیا
 چاہتے اور کیا سوال کرتے تھے؟ امام احمد اور بزار نے سندون میں ترمذی نے جامع میں، حاکم نے مستدرک میں، اور
 طبرانی نے معجم میں متعدد صحابیوں سے نقل کیا ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دعاؤں میں محبتِ الہی کی دولت مانگا کرتے
 تھے، انسان کو اس دنیا میں سب سے زیادہ محبوب اپنی اور اپنے اہل و عیال کی جان ہے، لیکن محبوب خدا کی نگاہ میں یہ
 چیزیں ہیچ تھیں، دعا فرماتے تھے، خداوند!

اسْئَلُ حُبَّكَ وَحُبَّ مَنْ يَحُبُّكَ وَحُبَّ مَنْ يَحِبُّكَ

میں تیری محبت مانگتا ہوں اور جو تجھ سے محبت کرتا ہو اس کی

یَقْرَبُ إِلَيَّ حُبِّكَ، (احمد - ترمذی - حاکم)

اللَّهُمَّ اجْعَلْ حُبَّكَ احْتِبَابًا لِي مِنْ نَفْسِي وَ

محبت اور اس کا کام کی محبت جو تیری محبت سے قریب کر دے

اهْلِي وَمِنْ الْمَاءِ الْبَارِدِ، (ترمذی حاکم)

پانی سے بھی زیادہ میری نظر میں محبوب بنا،

عرب میں ٹھنڈا پانی دنیا کی تمام دولتوں اور نعمتوں سے زیادہ گران اور قیمتی ہے، لیکن حضور کی پیاس اس مادی پانی کی خشکی سے نہیں سیر ہوتی تھی، وہ صرف محبت الہی کا زلالِ خالص تھا جو اس تشنگی کو تسکین دے سکتا تھا، عام انسان روٹی سے جیتے ہیں، مگر ایک عاشق الہی (مسیح) کا قول ہے کہ انسان صرف روٹی سے نہیں جیتا، پھر وہ کون روٹی ہے جس کو کھا کر انسان پھر کبھی بھوکا نہیں ہوتا، حضور دعا فرماتے ہیں،

اللّٰهُمَّ ارْزُقْنِي حُبَّكَ وَحُبَّ مَنْ يَنْفَعُنِي نَفْعًا
خداوند! تو اپنی محبت اور اس کی محبت جو میری محبت کی راہ میں نفع

حُبُّكَ (ترمذی) ہے مجھے روزی کر،

عام ایمان خدا اور رسول پر یقین کرنا ہے، مگر جانتے ہو کہ اس راہ کی آخری منزل کیا ہے صحیحین میں ہو

مَنْ كَانَ اللَّهُ وَرَسُولَهُ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا
یہ کہ خدا اور رسول کی محبت کے آگے تمام ماسوا کی محبتیں

سواہما بیچ ہو جائیں،

بعض مذاہب کو اپنی اس تعلیم پر ناز ہے کہ وہ انسانوں کو یہ سکھاتے ہیں، کہ وہ اپنے خدا کو مان، باپ سمجھیں، اور اُس سے اُسی طرح محبت کریں جس طرح وہ اپنے والدین سے کرتے ہیں اور چونکہ اسلام نے اس طریقہ تعبیر کو اس بنا پر کہ وہ شرک کا راستہ ہے، ممنوع قرار دیا ہے، اس لئے وہ یہ سمجھتے ہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم محبت الہی کے مقدس جذبات سے محروم ہے، لیکن جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے کئی دعویٰ سر تا پا بے بنیاد ہے، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ تعلیم محمدی کی بنیادی لفظ اور محبت کا علوی معیار ان مذاہب کے پیش کردہ نظر و معیار کو بہت پست اور فروتر سمجھتا ہے، قرآن مجید کی یہ آیت پابھی اس دعویٰ کے ثبوت میں پیش کیا چکی ہے،

وَأَذْكُرُوا لِلّٰهِ كُنُوزَكُمْ أَبَاءَكُمْ وَأَشْكَدَّ
تم خدا کو اس طرح یاد کرو جس طرح اپنے باپ کو یاد کرتے

ذِكْرًا (بقبرہ - ۲۵) ہو بلکہ اس سے بہت زیادہ،

لیکن احادیث سے ہمارا یہ دعویٰ اور بھی زیادہ واضح ہو جاتا ہے، لڑائی کا میدان ہے، دشمنوں میں بھاگ دوڑ

لے سلم کتاب الایمان باب بیان خصال من اتصف بعن وجہ حلاوة الایمان، بخاری کتاب الایمان باب حلاوة الایمان،

اس سے زیادہ محنت ہے، جتنی تم کو اس بچہ سے ہے، وہ سب رحم کرنے والوں میں سب سے بڑا رحم کرنے والا ہو۔

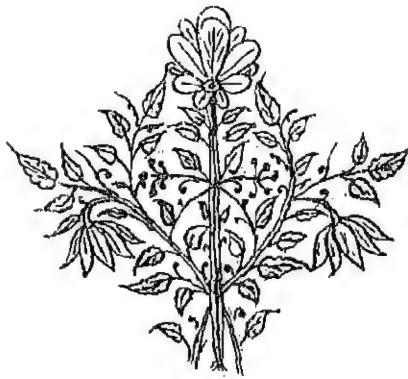
جمالِ حقیقت کا پہلا مشتاق اور مستور ازل کے زیر نقاب چہرہ کا پہلا بند کشا، زندگی کے آخری مرحلوں میں ہے اور ض
ٹی شدت ہے، بدن بخار سے جل رہا ہے، اٹھ کر چل نہیں سکتا لیکن ایک بیک وہ اپنے میں ایک اعلانِ نص کی طاقت
پاتا ہے، مجددِ نبویؐ میں جان نثار حاضر ہوتے ہیں، سب کی نظریں حضور کی طرف لگی ہیں، نبوت کے آخری پیغام کے سننے کی آڑ
ہے، دفعہ لبِ مبارک ہلتے ہیں تو یہ آواز آتی ہے، ”گو گو! میں خدا کے سامنے اس بات کی برات کرتا ہوں کہ انسانوں میں
میرا کوئی دوست ہے، مجھ کو خدا نے اپنا پیارا بنایا ہے، جیسے ابراہیم کو اُس نے اپنا پیارا بنایا تھا، یہ تو وفات سے پہلے کا اعلانِ
عینِ حالتِ نزع میں زبانِ مبارک پر یہ کلمہ تھا ”خداوند! بہترین نسبتی“

اللہ تعالیٰ کی کریمی و رحیمی، اس کی بیچارہ نوازی، عاجزوں اور درماندوں کی دستگیری اور اپنے گناہگار بندوں کیسے
اسکی شانِ بخشش کا ترانہ خود محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کانوں سے سنا اور نادم و متاسف سیر کا رون تک اس فزوں کو چھو
اُن کے شکستہ اور زخمی دلوں پر مرہم رکھا، حضرت ابوذرؓ کہتے ہیں کہ حضرت رحمۃ اللعالمینؐ نے یہ پیام ربانی ہم کو سنایا،
”میرے بندو! میں نے اپنے اوپر بھی، اور تمہارے درمیان بھی ظلم کو حرام کیا ہے، تو ایک دوسرے پر ظلم نہ کیا کرو
اے میرے بندو! تم میں ہر ایک گمراہ تھا، لیکن جسکو میں نے راہ دکھائی، تو مجھ سے راستہ پوچھو، میں بتاؤں گا، اے میرے
بندو! تم میں ہر ایک بھوکا تھا، لیکن جسکو میں نے کھلایا، تو مجھ سے کھانا مانگو میں تم کو کھلاؤں گا، اے میرے بندو! تم میں ہر
ایک پیاسا تھا، لیکن جسکو میں نے پلایا، تو مجھ سے پانی مانگو میں تم کو پلاؤں گا، اے میرے بندو! تم میں ہر ایک تنگ تھا، لیکن
جس کو میں نے پہنایا، تو مجھ سے کپڑا مانگو، میں تم کو پہناؤں گا، اے میرے بندو! تم دن رات گناہ کرتے ہو، اور میں سب گناہوں
کو معاف کرتا ہوں، تم مجھ سے معافی مانگو، میں تم کو معاف کروں گا، اے میرے بندو! مجھے نقصان پہنچانا تمہاری طاقت میں
نہیں، اور نہ مجھے نفع پہنچانا تمہاری قدرت میں ہے، اے میرے بندو! اگر تمہارے اگلے کھلے جن اور انس، چھوٹے اور
بڑے، مرد اور عورت، دنیا کے سب سے بڑے پرہیزگار کے دل کے برابر ہو جائیں تو میری شہنشاہی میں ایک ذرہ افتخار نہ لگا

۱۔ ادب المفروض نام بخاری باب رحمۃ العیال ص ۵۰ مصرعہ صحیح مسلم کتاب المساجد ص ۱۱۲ بخاری، ذکروا فاتی نبوی،

اور اے میرے بندو! اگر تمہارے اگلے اور پچھلے جن و انس چھوٹے اور بڑے مرد اور عورت سب دنیا کے سب سے بڑے گنہگار
 کے دل کے برابر ہو جائیں تو بھی میری شنشناہی میں ایک ذرہ کمی نہ ہوگی، اے میرے بندو! اگر تمہارے اگلے اور پچھلے
 اور جن و انس سب کسی ایک زمین میں کھڑے ہو کر مجھ سے مانگیں اور میں سب کے سوال کو پورا کروں، تو میرے خزانہ میں
 کچھ کمی نہ ہوگی، لیکن اتنی جتنی ایک سوئی ہمندرد کے پانی میں ڈال کر نکالی جائے، اے میرے بندو! تمہارے ہی عمل ہو گئے
 جسکو میں گن گن کرتا ہوں اور پس کرونگا، اور پورا کر دوں گا، تو جسکو بھلائی ملے وہ خدا کا شکر ادا کرے، اور جسکو برائی ملے وہ اپنے
 ہی آپ کو ملامت کرے۔

یہ محبت کا نعمہ ازل و دنیا نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سننا یہ تسلی و تسفی کا پیام انھیں کے مبارک لبوں
 سے ادا ہوئے، یہ عفو و کرم کے بحر بیکران کا ساہل امید انھیں کے دکھانے سے ہم کو نظر آیا، اور گنہگاروں کو "میرے بندو"
 کہہ کر پکارے جانے کی عزت انھیں کے وسیلہ سے ملی، صلی اللہ علیہ وسلم۔



صحیح مسلم و ترمذی کتاب الزہد و مستدرک ابن حنبل جلد ۵ صفحہ ۱۶۰ و صفحہ ۱۵۴ و ۱۵۵ و ۱۵۶ و ادب المفرد امام بخاری، باب العلم ص ۹۵، مصرعین نے صحیح مسلم کی را
 سائے رکھی ہے، لیکن بعض الفاظ سند سے لیکر بڑھا دیئے ہیں، اس کے بعض بعض ٹکڑے بخاری میں بھی ملتے ہیں، روکھو متی ۲۵-۲۵ تا ۲۵ (۲۵ تا ۲۵) مگر دونوں
 کے ملاسنے سے ناقص و کامل کا فرق نمایاں ہوتا ہے،

فرشتوں کا ایمان

وَمَلَائِكَتِهِ

ملائکہ کا لفظ جمع ہے، اس کا واحد ملک، ملاک اور مالک تین طرح سے مستعمل ہو، اس کے لغوی معنی قاصد اور ”رسول“ کے ہیں، اسی لیے قرآن پاک میں ملائکہ کے لیے رُسُل کا لفظ بھی آیا ہے جس کے معنی ”قاصد اور پیغام رسان“ کے ہیں اور ان سے مراد وہ غیر مادی نیک مخلوق ہستیوں یا ارواح ہیں جو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق عالم اور اس کے اسباب و علل کے کاروبار کو چلا رہی ہیں اگر یہ عالم ایک مشین ہے تو وہ اس کے انجن اور اس کے کل پرزوں کو حرکت دینے والے قوی ہیں، جو خدا کے مقررہ احکام اور قوانین کے مطابق ان کو حرکت دے رہے ہیں اور چلا رہے ہیں یعنی وہ خالق اور اس کے مخلوقات کے درمیان اس حیثیت سے پیغام رسانی اور سفارت کی خدمت انجام دے رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے حکم اور مرضی کو ان پر اتھا کر تا ہے، اور وہ ایک بے اختیار محکوم کی طرح اس کو مخلوقات میں جاری اور نافذ کرتے ہیں ان کو خود نہ کوئی ذاتی اختیار ہے اور نہ ان کا کوئی ذاتی ارادہ ہے، وہ سر تاپا اطاعت ہیں اور خدا کے حکم سے ایک سر مو تاجا ذ نہیں کرتے، گویا انکی خلقت ہی صرف اطاعت اور فرمانبرداری کے لیے کی گئی، دنیا پر رحمت یا عتاب جو کچھ نازل ہوتا ہے، وہ انہیں کے ذریعہ سے اور خدا انبیاء پر اپنے جو احکام اتارتا ہے، یا ان سے حکام ہوتا ہے، وہ انہیں کی وساطت سے،

دنیا کے تمام مذاہب، بلکہ قدیم یونانی مصری فلسفہ میں بھی اس قسم کی ہستیوں کا وجود تسلیم کیا گیا ہے، صابئی مذہب میں یہ ستاروں اور سیاروں کی صورت میں مانے گئے ہیں، یونانی مصری (اسکندری) فلسفہ میں ان کا نام ”ملائک“ (مشتعل) رکھا گیا ہے، اور سامقہ ہی تو آسمانوں میں بھی الگ الگ ذی ارادہ نفوس تسلیم کئے گئے ہیں

بلکہ خالص یونانی فلسفہ میں بھی بعض غیر مادی ارواح مجرذہ کا پتہ لگتا ہے جنہیں سے سب اہم لوگس کا تخیل ہے جس سے مقصود وہ اولین ہستی ہے جسکو خدا نے تمام کائنات کی خلق کا ذریعہ اور واسطہ قرار دیا ہے، اور جسکو اہل فلسفہ عقل اول سے تعبیر کرتے ہیں، پارسیوں میں ان ہستیوں کا نام "امشا سپند" ہے، اور انکی بے شمار تعداد قرار دی گئی ہے، یہودی اونکو "گرویم" کہتے ہیں، اور ان میں سے خاص خاص کے نام جبریل اور میکائیل وغیرہ رکھے ہیں، عیسائی بھی ان کو انجین ناموں کا یاد کرتے ہیں، اور جبریل روح القدس وغیرہ سے ان میں سے بعض کی تعبیر کرتے ہیں، ہندوؤں میں وہ دیوتاؤں اور دیویوں کے نام سے روشناس ہیں، جاہل عرب ان کو خدا کی بیٹیاں کہہ کر پکارتے تھے، بہر حال یہ تمام مختلف صحیح اور غلط نام اور تعبیریں ایک ہی حقیقت کی ہیں، اور وہ، وہ روحانی وسائل ہیں جو صنائع و مصنوعات اور خالق مخلوقات کے درمیان اُس کے حکم سے عمل پیرا اور کار فرما ہیں،

مذہب سابقہ میں ان غیر مادی ذمی روح مخلوق ہستیوں کی حیثیت نہایت مشتبہ تھی، وہ کبھی مخلوق بھی کہی جاتی تھیں اور کبھی وہ خدا کی کے مرتبہ پر بھی بلند ہو جاتی تھیں، ہندوؤں کے دیوتاؤں اور دیویوں کی یہی صورت تھی، پارسیوں میں امشا سپند کا بھی یہی حال تھا، کہ کبھی انکی حیثیت فرشتوں کی تھی، کبھی وہ خدا کے مقابل بن جاتی تھیں، اور کبھی خدا امشا سپندوں میں سے ایک ہو جاتا تھا، ہندوؤں کی طرح پارسیوں میں بھی وہ قابل پرستش بھی جاتی تھیں، ان کے نزدیک سب سے عالی رتبہ امشا سپند ۶ تھے، اور ان کے تحت میں ۳۳ تھے، پھر ان میں ہر ایک کے ماتحت ہزاروں تھے، اور چونکہ وہ نیکی اور بدی کے دو مقابل خداؤں کے قابل تھے، اس لیے دونوں کے ماتحت اچھے اور برے فرشتوں کی بے شمار تعداد تھی، نیکی کے فرشتے براہ راست نیکی کی چیزوں کو اور برائی کے فرشتے مصیبتوں، ہلاکتوں اور بدیوں کو دنیا میں خالق کرتے تھے، اور اپنے اپنے خدا کی طرف سے وہ ان اشیاء کے حاکم سمجھے جاتے تھے، اور دونوں خدا اپنی اپنی فوجوں اور لشکروں کے پرن کو لیکر باہم جھڑپا رہتے تھے، یہ بھی ان کا اعتقاد تھا کہ ہر امشا سپند یا فرشتہ کے ساتھ ایک بیڑ یعنی باوہ فرشتہ تھی، جو اسکی بیوی ہوتی تھی، ہندوؤں میں نزدیک دیوتاؤں اور مادہ دیویوں کا تصور تھا، مگر ان زو مادہ ہستیوں میں کسی زکی کسی مادیہ سے خصوصیت خاص تھی، ہر ایک جنس کا ہر فرد دوسری جنس کی ہر فرد سے لطف اندوز ہو سکتا تھا، یہودیوں میں ان فرشتوں کی حیثیت ایسی تھی کہ اونکی

بلندی و تراصف خدا سے مستحب ہو جاتی تھی، نظر آنے والے فرشتہ کی تعظیم کی جاتی تھی، اُس کے آگے جھکا جاتا تھا، اور اُسکو خدا کو
 لکھ کر خطاب اس طرح کیا جاتا تھا کہ کہیں کہیں میں مستحب ہو جائیو کہ خدا کا بیان ہے یا فرشتہ کا، (تکوین ۱۶-۱۸، ۲۰، ۲۱، ۲۲)
 وہ کبھی کبھی خدا کے بیٹے بھی کہے جاتے تھے، (تکوین ۲۰-۲۱) عیسائیوں میں ان میں سے بعض مثلاً روح القدس خدا کا ایک جزو
 تسلیم ہو کر تثلیث کا رکن ہے،

صائبیوں میں ان فرشتوں کی قربانی کی جاتی تھی، اُن کے پیکل بنائے جاتے تھے، اُن کو منظر خدا تسلیم کیا جاتا تھا، جو
 میں فرشتے مادہ سمجھے جاتے تھے، وہ خدا کی بیٹیاں لکھ کر پکارے جاتے تھے اور انکی پریش ہوتی تھی، اور سمجھا جاتا تھا کہ وہ خدا کے
 دربار میں سفارشی ہونگے، یونانیوں میں عقل اول اور عقل عشرہ تمام عالم کے خالق و کارفرما و مرجع کل مانے گئے، اور خدا کو معطل ٹھہرایا گیا
 اسلام نے اکران تمام عقائد کو مٹا دیا، خدائی اور ربوبیت کی ہر صفت سے وہ محروم بتائے گئے، انکی پریش و عبادت
 قطعاً ناجائز لگائی، نر و مادہ کی مادی جنسیت سے پاک کئے گئے، اور انسانوں کو ان پاک مخلوقات کی غلامی و بندگی سے آزاد
 کیا گیا، انکی تعداد و شمار و درجات بندی کا کوئی تخیل باقی نہیں رکھا گیا، انکی ہستی خدا سے تعالیٰ کے سامنے ایک سراپا مطیع و فرمانبردار
 غلام کی قرار دی گئی جسکا شب و روز کام صرف آقا کا حکم بجالانا ہے، عالم میں اُن کا کسی قسم کا تصرف نہیں مانا گیا، اور نہ ہی وہ بدی
 کی دو تہیں لگائیں نہ وہ الگ الگ جنس مخلوقات کے حاکم و منتظم قرار دیئے گئے، قرآن میں انکی ہستی صرف اس حیثیت سے
 تسلیم لگائی کہ یہ غیر مادی ذی روح مخلوقات ہیں، جنکا کام خدا کی حمد و ثنا، اطاعت و فرمانبرداری ہی اور خالق اور اُس کے مخلوقات
 کے درمیان و پیغام رسانی کے ذریعے ہیں، اور اُس کے حکم کے مطابق وہ اسکی مخلوقات کے اس کارخانہ کو چلا رہے
 ہیں لیکن اس چلانے میں خود انکی ذاتی مرضی اور ارادہ کو کوئی دخل نہیں ہے، اسی لیے قرآن پاک نے ان کا خطاب
 یہودیوں کی طرح، "خداوند" نہیں مقرر کیا، نہ پارسیوں کی طرح اُن کو "قابل پرستش" کے لقب سے ملوث کیا، نہ مندوں
 کی طرح دیوتا اور دیوتا اور دیسی کہا، بلکہ صرف "ملک" اور "رسول" جتنکے لفظی معنی فرستادہ، قاصد پیغام رسان اور پچی سگاہ
 بلکہ قرآن نے انہیں مخلوقات انسانی کے تقدر میں یہ حقیقت واضح کر دی کہ ملائکہ اس لائق نہیں کہ آدم ان کو سجدہ کرے، بلکہ آدم
 میں یہ سہولت ہے کہ وہ ملائکہ کا سر و سیمہ، اور وہ فرشتہ عالم میں اُن سے فوق ٹھہرائے، انکی پرستش و تقدیس کا اُن کو کوئی

تھا انسان کے جوہر طہنیت کو پہچان کر ان کو تسلیم کرنا پڑا،

سُبْحَانَكَ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ أَعْلَمُ الْغُيُوبَ (نور - ۶۴)

تو پاک ہیتم کو کوئی علم نہیں لیکن وہ جو تو نے ہم کو سکھایا بیشک

تو جاننے والا اور حکمت والا ہے،

الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ (نور - ۶۴)

اس قصہ نے شروع ہی میں یہ واضح کر دیا کہ وہ ہستیاں جنکو دوسرے مذاہب نے انسانوں کا دیتا تھا اور کبھی خدا کا ہمسر اور متصرف مطلق قرار دیا تھا، اسلام میں انکی حیثیت انسان کے مقابلہ میں کیا ہے؟ انسان اور فرشتے خدا کے سامنے برابر کے مخلوق و بندہ اور عاجز و در ماندہ ہیں، انسانوں کو مادی اشیاء پر حکومت خاص بخشی گئی کہ اپنے نفع و نقصان کے لیے ان سے کام لے سکیں، اور ملائکہ کو اپنے حضور میں متعین فرمایا کہ وہ آسمان زمین اور پوری مملکت الہی میں اس کے احکام کی تعمیل و تنفیذ کریں،

دنیا میں اللہ تعالیٰ نے اسباب و علل کا سلسلہ پیدا کیا ہے، جو ہر جگہ کار فرما نظر آتا ہے، لوگ انہیں ظاہری اسباب و علل کو دیکھ کر دھوکا کھاتے ہیں اور انکی پرستش کرنے لگتے ہیں مثلاً آگ جلاتی اور روشن کرتی ہے، آتش پرست اور آہ پرست یقین کرتے ہیں کہ خود اس آگ میں جلانے کی طاقت ہے، اور وہ اُس کے آگے سجدہ میں گر پڑتے ہیں مادہ پرست گو اپنا جسم اس کے آگے نہیں جھکاتے مگر ان کا دل جھک جاتا ہے اور یہ ایمان رکھتے ہیں کہ یہ طاقت خود اسی آگ کے اندر ہے، کچھ لوگ ہیں جو سمجھتے ہیں کہ یہ طاقت آگ میں نہیں بلکہ اسکا ایک مستقل دیوتا یا فرشتہ ہے، جو اُس پر چکران ہے، اور وہ اُس آگ کے فرمانروا کے سامنے جھک جاتے ہیں، اسلام کے نظریہ توحید نے اس شرک کو بھی مٹایا، اور بتایا کہ آگ اور آگ کا اگر کوئی فرشتہ ہے تو وہ کل کے کل اُسی ایک بالائین اور فرمانرواے ارض و سما کے حکم کے تابع ہیں، اُسی کے آگے جھکنا چاہیے اور اُسی کی بندگی کرنی چاہیے،

اسلام میں فرشتوں کی حقیقت کیا ہے؟ اسکا جواب ان نصوص سے مل سکتا ہے، جو ان کے کاموں کے متعلق

قرآن میں مذکور ہیں، ان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان سے مراد وہ غیر مادی ذی روح ہستیاں ہیں جو احکام اور پیغام الہی کو دنیا سے خلق تک پہنچاتے اور نافذ کرتے ہیں، اور ان اسباب و علل کو جنکو مادہ پرست ذاتی طور سے موثر جانتے ہیں،

اور جنکو بت پرست، دیوتاؤں کا کثر سمجھتے ہیں، اُن کو احکام الہی کے مطابق وہ کام میں لگاتے ہیں اور رضی الہی کو پوری کرتے ہیں، عقلی حیثیت سے یہ عقیدہ بھی اسی طرح قبول اور انکار کے قابل ہے جس طرح عقلیات کے دوسرے عقائد اور نظریے ہیں، جنکی تصدیق یا تکذیب عقل کی دسترس سے باہر ہے، اس لیے اس عقیدہ کو یہ کہہ کر کوئی رد کرنے کی جرات نہیں کر سکتا کہ یہ خلاف عقل ہے، بلکہ جس طرح قیاسات اور عقلی نکتہ پر داری سے دوسرے عقلی مباحث کا فیصلہ کیا جاتا ہے، وہی یہاں بھی کارگر ہے، اشیاء میں خصائص اور لوازم کے وجود اور اُن کے اسبابِ علل کا مسئلہ عقلاً میں ہمیشہ اختلافات کا بگل رہا ہے، اور یہ معاً آج بھی اسی طرح لاخیل ہے جس طرح پہلے دن تھا، اس کا حل سائنس کی مادی تحقیقات اور تجربوں کی طاقت سے باہر ہے، اور فلسفہ بھی اسکی گتھی کے سلجھانے سے عاجز ہے، اس لیے اگر حکماءِ طہدین کی شاہراہ سے الگ ہنگاموں کے حل کی کوئی صورت اربابِ مذاہب نے نکالی ہے، تو وہ محلی اعتراض نہیں ہو سکتی، اور نہ وہ خلاف عقل کہی جاسکتی ہے، کائنات کے حوادث میں جس طرح مادی علل اسباب کا فرماہین اسی طرح اون سے بالاتر روحانی علل و اسباب بھی ساتھ ساتھ کار فرماہین، اُن دونوں کے توافقی سے حوادث کا وجود ہوتا ہے، یہی سبب ہے کہ انسان اکثر مادی علل و اسباب موجود ہونے یا نہ ہونے کے باوجود کامیاب و ناکام ہوتا ہے، اور اُس کا نام "بخت و اتفاق" رکھتا ہے، حالانکہ مسئلہ علل و اسباب کو ماننے کے بعد بخت و اتفاق کوئی چیز نہیں، ان روحانی علل و اسباب کا سرِ مشتمل اللہ تعالیٰ نے اپنی مرضی سے ان فرشتوں کو سپرد کیا ہے، جو فہمِ بزروار چاکرون کی حیثیت سے اُس کو چلا رہے ہیں، ہمارے اور دوسرے سنگتین اور حکماء کے درمیان منسرق یہ ہے کہ وہ ملائکہ کی تعبیر اسباب و علل کے "قوائے طبعی" سے کرتے ہیں، اور ہم اون کے قوائے روحانی سے،

اس تقریر کا یہ نشانہ نہیں ہو کہ اشیاء میں خواص اور طبائع اور اس مادہ کی ملکیت میں مقررہ اصول و قانون موجود نہیں ہے، اور نہ یہ نشانہ ہو کہ خود اشیاء اور مادہ کے ذرات کے اندر کوئی خواص و طبائع، اور مادہ کے اجزائے غفیری کے اندر بالطبع کوئی اصول و قیوت نہیں بلکہ یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاءِ اندازہ (تقدیر) کے مطابق ہر چیز کے خصائص و طبائع اور اصول

وقانون مقرر کر کے ملائکہ کو حکم دیا ہے کہ وہ اُن کو انھیں اصول و طبائع مقررہ کے مطابق چلاستے رہیں،

سمجھنے کے لئے اسکی صحیح مثال خود انسان بلکہ ہر جاندار ہستی ہے مخلوقات کی دو قسمیں ہیں ذی روح اور غیر ذی روح
ذی روح مخلوقات کے اکثر افعال و حرکات، اسکی روح کی ارادی قوت کی وساطت سے انجام پاتے ہیں اور ہی روح
اسکے ہاتھ پاؤں اور تمام اعضاء ایک ہر عضو کے ایک ایک گزیر پر حکمران اور مسلط ہو باہم ہمہ و روح اصول مقررہ کے تحت ہی
اُن اعضاء سے کام لیتی ہو، اور اُن اصول سے باہر نہیں جاتی، اسی طرح غیر ذی روح اشیاء پر ابرو باد سے لیکر دریا اور پہاڑ اور سورج اور
تک پر بھی اروح مقرر ہیں، جو اُن اشیاء سے خدا کے اصول مقررہ کے اندر یکساں افعال و حرکات کا صدور کرتی ہیں جس طرح ہماری روح اپنے
اعضاء اور اعضاء کے ذریعہ سے مادہ میں جو تخیلات پیدا کرتی ہو، وہ اشیاء کے مقررہ خواص و طبائع ہی کے سہارے کرتی ہو، اسی طرح ملائکہ
انھیں مقررہ خواص و طبائع کے ذریعہ ہی اپنے مفوض فرائض انجام دیتے ہیں،

الغرض جس طرح ہمارے ارادی افعال اور حکم الہی کے درمیان ہماری انسانی ارواح و نفوس واسطہ ہیں، اسی طرح
تمام عالم مخلوقات اور کائنات کے افعال اور حکم الہی کے درمیان یہ ملکوتی ارواح اور نفوس مجر و واسطہ ہیں، اور جس طرح
ہماری انسانی ارواح ہی اس وساطت سے خدا کی حکومت علی الاطلاق پر کوئی اعتراض نہیں واقع ہوتا، اسی طرح اُن
ملکوتی ارواح کی وساطت سے بھی خدا کی علی الاطلاق حکومت میں کوئی نقص نہیں واقع ہوتا، ہمیں سے یہ بات بھی سمجھ
میں آتی ہے کہ ہمارے ارادی افعال میں اختلافات کی اتنی نیز نگین نظر آتی ہیں، مگر ہمارے اور عالم کائنات کے
تمام نوعی افعال میں اختلافات اور نیز نگینوں کے بجائے یکسانی، ہم نگی اور عدم اختلاف پایا جاتا ہے، کیونکہ انسان نے
ارادہ پا کر کسی قدر ذاتی اختیار پایا ہے، اور یہی ذاتی اختیار اُس کے افعال اختیار کی ذمہ داری، باز پرس اور مواخذہ
کی بنیاد ہے، اور جسکی بنا پر وہ اپنی اطاعت کے ذریعہ سے ثواب، اور عصیان کر کے عتاب کا مستحق ہو جاتا ہے، اگر کوئی
کی یہ کہ کوئی ارواح مجر یعنی یہ ملائکہ ذاتی ارادہ اور اختیار سے تاثر محروم ہو کر صرف اطاعت فرمانبرداری اور انقیاد کیلئے
پیدا کئے گئے ہیں، اس لیے اُن میں عصیان، تردد، سرکشی اور حکم الہی سے انحراف کی کوئی صلاحیت نہیں ہے، اسی
بنیاد پر اشیاء کے افعال و حرکات و خصائص میں یکسانی، ہم نگی اور عدم اختلاف پایا جاتا ہے، اور یہی فطرت طبعیت

اور نوعی خاصیت کی اصطلاحات کی صورت میں ہمارے لیے دھوکے اور اشتباہ کا باعث بن جاتا ہے،

۱۔ اسباب ہم کو تعلیمات نبویؐ یعنی آیات و احادیث سے ملائکہ کی حقیقت کو روشن کرنا چاہیے، ملائکہ کی سفارت میں
پیام رسانی، یعنی خالق کے احکام اور مرضی کو مخلوقات تک پہنچانا اور ان میں ان کا بے اختیار ہونا ان دو چیزوں میں ثابت ہے

اللَّهُ يَخْطُبُ مِنَ الْمَلَائِكَةِ رُسُلًا وَمِنَ النَّاسِ
إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ
وَمَا خَلْفَهُمْ وَآلِی اللَّهِ تَرْجِعُ الْأُمُورُ
خدا ہی ہے جو فرشتوں اور آدمیوں میں سے پیام رسانی
اور قاصد منتخب کرتا ہے، خدا سننے والا اور دیکھنے والا ہے،
اور ان کے آگے اور پیچھے کا حال جانتا ہے اور تمام کائنات

(المحج - ۱۰) کا مرجع خدا ہی ہے،

یعنی پیام رسانی اور سفارت کے سوا ان کو اصل حکم میں کوئی دخل نہیں اختیارات سب خدا کے ہاتھ میں ہیں
اور وہی تمام امور اور انتظامات کا مرجع کل ہے، دوسری جگہ ہے۔

أَنبَأَ اللَّهُ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَاعِلِ
الْمَلَائِكَةِ رُسُلًا اُولٰٓئِیْ اَجْنَحَةٌ مَّتَشٰوِیٌ وَّثَلَّثَ
وَمُرَبَّعٌ یَّزِیْدُنِی الْخَلْقَ مَا یَشَآءُ اِنَّ اللَّهَ
عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ مَا یَفْقَهُ اللَّهُ لِلنَّاسِ مِنْ
رَحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا وَمَا یَحْسِبُ فَلَا
مُرْسِلَ لَهَا مِنْ جُعْدٍ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ
خدا ہوا جس نے آسمانوں کا اور زمین کا پیدا کرنے والا
اور فرشتوں کو دو دو تین تین اور چار چار شہر بازوں
والے پیام رسانی بنائے والا ہے وہ پیدائش میں جو چاہے
بڑھا دے، وہ ہر چیز پر قادر ہے، وہ لوگوں کے لیے رحمت
کھولے تو کوئی روکنے والا نہیں، اور جو روک دے تو
اس کے سوا کوئی چھوڑنے والا نہیں، اور وہ غالب

(فاطر - ۱) و دانای ہے،

اس آیت پاک میں بھی وہی حقیقت ظاہر کی گئی ہے کہ یہ ملائکہ سفارت میں اور درمیانگی کے علاوہ اور کوئی
اختیار نہیں رکھتے، رحمت کے دروازوں کا کھولنے والا اور بند کرنے والا صرف خدا ہی ہے، یہ تعلیم اس عقیدہ
کی تردید میں ہے کہ ان فرشتوں کو دنیا کی حکمرانی اور انتظامات میں کوئی ذاتی دخل ہے، یا ان میں الوہیت اور

ربوبیت کا کوئی شائبہ بھی ہے، یا وہ پرستش کے قابل بھی ہیں، یا ان کی دہائی بھی مانگنی چاہئے،

۲۔ ملائکہ خدا کے احکام کو دنیا میں جاری کرتے ہیں، سورۃ انفال میں ہے،

اِذْ يُوحِي رُوحُ رَبِّكَ إِلَى الْمَلَائِكَةِ اَنْتِي مَعَكُمْ فَيَنْتَوْنَ

یاد کر جب تیرا پروردگار فرشتوں کو وحی کر رہا تھا کہ میں

الَّذِينَ آمَنُوا (انفال-۲)

تمہارے ساتھ ہوں تم مومنوں کو ثابت قدم رکھو،

تَنْزِلُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِمْ

اُس میں فرشتے اور روح اپنے پروردگار کے حکم سے ہر

مِنْ كُلِّ امْرٍط (قد ۱-۲)

کام کو لیکر نیچے اترتے ہیں،

وہ جس طرح احکام لیکر اترتے ہیں، اُسی طرح دربار الہی تک عروج بھی کرتے ہیں،

تَعْرُجُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ اِلَيْهِ (معاہج-۱)

فرشتے اور روح اُس تک چڑھتے ہیں،

موت کے وقت روح کا قبض کرنا، اونھی سے متعلق ہے،

قُلْ يَتَوَفَّاكُم مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِي ذُكِّرَ

کہہ دو کہ موت کا فرشتہ جو تم پر مقرر ہے، وہ تم پر

بِكُمْ (سجدہ-۱)

موت طاری کرے گا،

وَلَوْ تَرَى اِذِ الظَّالِمُونَ فِي غَمَرَاتِ الْمَوْتِ

اور اگر دیکھو تم جب گنہگار موت کے سگڑات میں ہیں

وَالْمَلَائِكَةُ بَاسِطُوْا اَيْدِيَهُمْ اَخْرِجُوْا

اور فرشتے اپنے ہاتھوں کو پھیلائے ہوں کہ نکالو

اَنْفُسَكُمْ (العام-۱۱)

اپنی جانوں کو،

وَلَوْ تَرَى اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِينَ كَفَرُوا الْمَلَائِكَةُ

اور اگر دیکھو جب فرشتے کافروں کی عمر پوری کر رہے ہیں

اُس کی ہم سہمی اور بھی کئی آیتیں ہیں ان آیتوں سے ظاہر ہے کہ حکم الہی کے مطابق موت و فنا کی تدبیر نہیں وحانی

علل اسباب کی ہستیوں سے متعلق ہے،

دنیا میں کسی شئی کے وجود و انقلاب و فنا کیسے کسی ایک علت مسبب کا وجود کافی نہیں ہے، بلکہ ضروری ہے کہ اُس کے متعلقہ علل و

اسباب کی تمام کڑیاں باہم پورے اور ایک دوسرے کی معاون ہوں اور موانع اور عوائق معلوم ہوں، یہ متعلقہ علل اسباب کا توافق

اور مولع کا انسداد تدبیر ہے، یہ تدبیر حکیم الہی ان ملائکہ کے سپرد ہے، اسی لیے کبھی اس تدبیر کو اللہ تعالیٰ اپنی طرف منسوب کرتا ہے، **يُدَبِّرُ الْأُمُورَ** وہ کام کی تدبیر کرتا ہے اور کبھی اس کو ان ملائکہ کی طرف منسوب کرتا ہے،

وَالنَّازِعَاتِ غُرُقًا، وَالنَّشِيطَاتِ نَسْطًا، وَالشَّجَرَاتِ
سَبَّحًا، فَالْشَّيْطَانُ سَبَّحًا، فَالْمَدْبِرَاتِ أَمْرًا،
(نازعات - ۱)
ڈوب کر (روحوں کے) کھینچنے والوں کی قسم ہے
(رگوں کی) گرہوں کو کھولنے والوں کی قسم ہے، (راس
فضائے آسمانی میں) تیرنے والوں کی پھر دوڑ کر باہی اسباب
دلیل پر) آگے بڑھ جانے والوں کی، پھر کام کی تدبیر کرنے والوں کی

۳۔ یہی ملائکہ خدا اور رسولوں کے درمیان بھی سفیر ہیں،

أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا فَيُوحِيَ بَأْرُؤِهِ مَا يَشَاءُ
یا خدا آدمی سے اس طرح باتیں کرتا ہے، کہ اپنا ایک سفیر
بھیجتا ہے تو وہ اس کی اجازت سے جو وہ (خدا) چاہتا ہے وحی کرتا ہے
(شوری - ۵)

دوسری جگہ ہے،

يُنَزِّلُ الْمَلَائِكَةَ بِالرُّوحِ عَلَى مَنْ يَشَاءُ مِنْ
عِبَادِهِ - (غل - ۱)
خدا روح کے ساتھ فرشتوں کو اپنے بندوں میں سے جس پر
چاہتا ہے اتارتا ہے،

خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ہے،

فَإِنَّهُ نَزَّلَ عَلَى قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللَّهِ، (بقہ - ۱۲)
جبریل زشتہ نے اس قرآن کو خدا کے حکم سے تمہارے دل پر اتارا،

۴۔ یہ لوگوں پر بشارت اور عذاب لیکر بھی اترتے ہیں،

وَلَقَدْ جَاءَتْ رُسُلُنَا إِبْرَاهِيمَ بِالْبُشْرَى (موسیٰ - ۵)
ہمارے سفیر ابراہیم کے پاس بشارت لیکر آئے،

اسی طرح حضرت زکریا اور مریم علیہما السلام کو انھوں نے بشارت دی،

إِنَّمَا أَنَا رَسُولُ رَبِّكِ لِأَهَبَ لَكِ غُلَامًا
میں تیرے پروردگار کا فرستادہ ہوں کہ تجھے ایک پاک

لے صحیح بخاری، کتاب بدو الخلق باب ذکر الملائکہ، میں ہے کہ رحم نمائی پر ایک فرشتہ مقرر ہے جو بیچ کی نسبت فضائے الہی کو تحریر کرتا ہے،

لڑکا بخون،

زکیا (مویم-۲)

حضرت دوطا کے پاس انکی قوم کی بربادی کے لیے جاتے ہیں،

اُنھوں نے کہا: اے لوہا! تم تیرے پروردگار کے بھیجے ہوئے ہیں

اس کے بعد یہ فرشتے حضرت لوطؑ کی قوم پر کوہِ آتشِ فشان کا منہ کھول دیتے ہیں اور تمام قوم برباد ہو جاتی ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ فرشتوں کے اس فعل کو خود اپنی طرف منسوب کرتا ہے کہ وہ فرشتوں کے ذاتی اختیار کے بجائے خدا ہی کے حکم سے ہوا تھا۔

۵۔ فرشتے انسانوں کے اعمال کی نگہبانی اور نگرانی کرتے ہیں اور ان کے ثواب اور گناہ کے کاموں کو محفوظ رکھتے ہیں۔

رکھتے ہیں،

وَاِنَّ عَلَیْكُمْ لَفِطْنًاۙ كَرَامًاۙ تَبٰیۤنَ، یَعْلَمُوْنَ
 بیشک تم پر نگہبان ہیں، بزرگ ہیں، لکھنے والے ہیں جو تم
 کرتے ہو وہ ارہ جانتے ہیں، (انفطار-۱)

مَا يَلْفُظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ
 کوئی بات منہ سے نہیں نکالتا، لیکن اُس کے نزدیک ایک نگہبان حاضر ہے،

(ق-۲)

سَوَاءٌ مِنْكُمْ مَنْ أَنَسَرَ الْقَوْلَ وَمَنْ جَعَلَ
بِهِ وَمَنْ هُوَ مُسْتَوْفٍ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ
لَهُ مَعْقِبَاتٌ وَأَمَّا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ
فَلْيَحْضَرُوا يَوْمَ الْمَعْجَدِ (رعد ۲۰)

تم میں سے کوئی بات چھپا کر کہے، یا دور سے کہے، یا وہ راست
میں چھپے یا دن کو کرے، خدا کے تعاقب کرنے والے اس
کے سامنے سے اور اُس کے پیچھے سے، خدا کے حکم سے اسکی
نگاہی کرے ہیں،

ویرسل سیکر حفظہ استخوانی از اجتماع
وہذا پیرنگران بہمختار ہے، یہاں تک کہ تم زمین سے جب کوئی

أَحَدَكُمُ الْمَوْتَ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ
لَا يُفَرِّطُونَ (انعام-۸)

سوت آتی ہے تو ہمارے قاصد اور کسی عمر پوری کرتے ہیں،
اور وہ کسی نہیں کرتے،

۶- وہ انسانوں کے اعمال کے مطابق اُن پر خدا کی رحمت یا لعنت کے نزول کے ذریعے اور واسطے ہیں،
لَا يَحْزَنُهُمُ الْفَتْحُ الْأَكْبَرُ وَتَلَقَّيْنَاهُمْ مِمَّا كُنْتُمْ
هَذَا يَوْمَ مَعَكُمْ الَّتِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ،
نیکو کاروں کو وہ بڑی گھبراہٹ (قیامت) انگلیں نہ کریگی
اور فرشتے اُن کا آگے بڑھ کر استقبال کریں گے، کہ یہی وہ دن
ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا، (انبیاء-۷)

إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا
تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَكْفُرُوا وَلَا
تَحْزَنُوا وَالْبَشِيرُ وَالنَّازِلَةُ الَّتِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ
نَحْنُ أَوْلَىٰكُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ
جن لوگوں نے یہ کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے، پھر سچ
قائم رہے، اُن پر فرشتے یہ کہتے ہوئے اتریں گے کہ نہ ڈرو اور
نہ غم کرو، اور اُس جنت کی خوشخبری سنو جو کا تم سے وعدہ
کیا گیا تھا، ہم ہیں جو تمہاری پہلی اور اُس دوسری زندگی
میں تمہارے رفیق ہیں، (فصلت-۴)

هُوَ الَّذِي يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَمَلَائِكَتُهُ (احزاب)
إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ (احزاب)
وَيَسْتَعِظُونَ لِمَنْ فِي الْأَرْضِ (شعراء-۱)

وہی خدا تم پر رحمت بھیجتا ہے (اور اُس کے فرشتے،
اللہ اور اُس کے فرشتے نبی پر رحمت بھیجتے ہیں،
اور جو زمین میں ہیں، اُن کیلئے وہ خدا سے مغفرت کی دعا مانگتے ہیں)

أُولَٰئِكَ جَزَاءُ هُمُ الَّذِينَ عَلَيْهِمُ لَعْنَةُ اللَّهِ
وَالْعَلَلِ كِتَابُ النَّاسِ أَجْمَعِينَ، (ال عمران-۹)
إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارًا أُولَٰئِكَ
عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْعَلَلِ كِتَابُ النَّاسِ أَجْمَعِينَ
انہی طرح وہ بدکاروں پر لعنت بھی کرتے ہیں،
اُن کی سزا یہ ہے کہ اُن پر اللہ کی اور فرشتوں کی اور لوگوں کی
سب کی لعنت ہے،
جو کفر کی حالت میں مر گئے اُن پر اللہ اور فرشتوں کی اور
لوگوں کی سب کی لعنت ہے، (بقیہ ۱۹۷)

۷۔ جنت اور دوزخ کا کاروبار بھی اُن کے زیرِ اہتمام ہوگا،

وَسَيُقَالُ لِلَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ جَهَنَّمَ زُمَرًا ۚ حَتَّىٰ
إِذَا جَاؤُهَا فُتِحَتْ ۖ أَلْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا
الْمَیْمَنُ لَكُمْ ۖ رُسُلًا مِّنْكُمْ ۖ ط

کہ کیا تمہارے پاس تھیں مین کے پیغمبر نہیں آئے، (زمرہ-۸)

وَسَيُقَالُ لِلَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ إِلَىٰ الْجَنَّةِ زُمَرًا
حَتَّىٰ إِذَا جَاؤُهَا فُتِحَتْ ۖ أَلْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ
خَزَنَتُهَا سَلَامٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوا ۖ هَا
خُلْدٍ ۖ يٰۤنَ، (زمرہ-۸)

وَالْمَلَائِكَةُ يَدْخُلُونَ عَلَيْهِمْ مِنْ كُلِّ
بَابٍ ۖ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ
عُقُوبَىٰ الْمَنَارِ، (زمرہ-۸)

عَلَيْهَا مَلَائِكَةٌ مُّوَلَّاتٌ مُّنَادَاتٌ ۚ (تحریم-۱)
وَمَا جَعَلْنَا أَصْحَابَ النَّارِ إِلَّا مَلَائِكَةً مُّنْثَرًا،
۸۔ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ قدس کے حاضر باش ہیں،

وَتَرَىٰ الْمَلَائِكَةَ حَافِظِينَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ
يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ ۖ (زمرہ-۸)

اور تم فرشتوں کو دیکھو گے کہ عرش کے ارد گرد احاطہ کئے ہوئے

اپنے پروردگار کی حمد و ثنا میں مصروف ہونگے،

اَعْلٰی اہل دربار کی باتیں شیاطین نہیں سن سکتے،

لَا يَسْمَعُونَ إِلَى الْمَلَأِ الْأَعْلَىٰ (صافات-۱)
مَلَائِكَةُ يٰۤنَ عِلْمِ الْمَلَأِ الْأَعْلَىٰ اِنْ يَخْتَصِمُونَ (صافات-۱)

مجھے خدا کے بلند درباریوں کا علم نہیں جب وہ باتیں کرتے ہیں

قیامت کے دن بھی یہ تختِ الٰہی کے حامل اور اُس بارگاہ کے حاضر باش ہونگے جو ہر وقت اُس کے ہر حکم کو بجالانے کے لیے تیار رہیں گے،

وَالْمَلٰٓئِكَةُ عَلٰۤی اَرْجَائِهٖمَا وَحَمِلُوْا عَرْشَ رَبِّكَ
فَوَقَّعُوْهُمْ یَوْمَئِذٍ تَحْلِيْلًا (طافہ - ۱)

اور فرشتے زمین کے کنارے پر کھڑے ہونگے اور تیرے پروردگار کے تخت کو اٹھ (فرشتے) اٹھائے ہونگے،

كَلَّا اِذَا دَخَلْتَ الْاَرْضَ دَخَّكَ اَنْجَارٌ وَّجَاءَ رَبُّكَ
وَالْمَلٰٓئِكُ صَفًّا صَفًّا (فجر - ۱)

ہرگز نہیں، جب زمین ریزہ ریزہ کر دی جائیگی اور تیرا رب تیرے قریب ہوگا، اور فرشتے قطار قطار آئیں گے،

يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا (نبأ - ۲)

جس دن روح اور فرشتے صف باندھے کھڑے ہونگے،

۴۔ فرشتے خدا سے سرکشی اور اوسکی نافرمانی نہیں کرتے، اور ہمیشہ اسکی تسبیح و تہلیل و تقدیس، اور حمد و ثناء میں مصروف رہتے ہیں، اور اُس کے جلال و جبروت سے ڈرتے اور کانپتے رہتے ہیں اور خدا کے حضور میں اہل زمین کے لیے عموماً نیکوکاروں کے لیے خصوصاً مغفرت کی دعا مانگا کرتے ہیں،

وَالْمَلٰٓئِكَةُ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ
لِمَنْ فِي الْاَرْضِ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَفُوْرُ
الرَّحِيْمُ (شعرا - ۱)

اور فرشتے حمد کے ساتھ اپنے رب کی تسبیح کرتے رہتے ہیں اور زمین والوں کی بخشائش کی دعا مانگا کرتے ہیں، بیشمار کر بخشنے والا اور رحم کرنے والا خدا ہی ہے،

یعنی یہ دھوکا نہ ہو کہ اُن کی دعا ہی رحمت و برکت کا ذاتی سبب ہے، بلکہ بخشش اور رحمت کرنے والا صرف وہی خدا واحد ہے، اور یہ بخشش رحمت اوسی کے دستِ اختیار میں ہے،

الَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَہٗ يُسَبِّحُوْنَ
بِحَمْدِ رَبِّہُمْ وَيُؤْمِنُوْنَ بِہٖ وَيَسْتَغْفِرُ لِمَنْ
لَدُنْہُمْ اٰمَنُوْا (مومن - ۱)

جو (فرشتے) عرش کو اٹھائے ہیں، اور جو اُس کے پاس ہیں وہ سب اپنے پروردگار کی حمد اور تسبیح کرتے ہیں اور اُس پر ایمان رکھتے ہیں، اور ایمان لانے والوں کی بخشائش کی دعا کرتے ہیں،

وَلَدُنْہُمْ اٰمَنُوْا (مومن - ۱)

آسمانوں میں اور زمین میں جو کچھ ہے اسی کا ہے، اور جو اس کے

لَا يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِهِ وَلَا يَسْتَحْسِبُونَ

لَيْسَ لَهُمُ اللَّيْلُ وَالنَّهَارُ لَا يَفْتَرُونَ،

پاس بن (یعنی فرشتے) وہ اس کے سامنے اپنی عبادت کے

انہما سے غور نہیں کرتے، اور نہ اسکی عبادت سے تھکے ہیں

وہ رات دن خدا کی پاکی بیان کرتے ہیں اور سست نہیں پڑتے

بلکہ وہ بزرگ بندے ہیں، جو بات میں خدا پر پیشدستی نہیں

کرتے، اور وہ اس کے حکم پر عمل کرتے ہیں..... اور

انکے خوف سے ترسان رہتے ہیں،

خدا انکو جس بات کا حکم دیتا ہے، وہ اُمن خدا کی نافرمانی نہیں

کرتے، اور وہی کرتے ہیں جسکا ان کو حکم دیا جاتا ہے،

بجلی کی کرک اور فرشتے خدا کے ڈر سے اس کی

حمد و تسبیح کرتے ہیں،

اور آسمانوں میں اور زمین میں جو چار پائے اور فرشتے ہیں

وہ سب خدا کو سجدہ کرتے ہیں، اور اس کے سامنے اپنی بڑائی

نہیں کرتے، وہ اپنے مالک سے جو ان کے اوپر ہو ڈرتے

رہتے ہیں، اور وہی کرتے ہیں جسکا ان کو حکم دیا جاتا ہے،

گزر چکا ہے کہ ملائکہ کا اعتقاد دنیا کے تمام مذاہب اور قوموں میں کسی نہ کسی طرح رہا ہے لیکن ان کے اس

اعتقاد میں بہت سی باتیں ایسی داخل تھیں جو توحیدِ کامل کے منافی تھیں، اسکندریہ کے نو افلاطونی فلسفہ میں خدا کو

عقلِ اول کی اضطراری پیدائش اور وجود کے بعد مطلق ٹھہرا کر انھیں کو عقل کی صورت میں اصلی کار فرما قرار دیا گیا،

عراق کے صابئی اجرامِ سماوی کی شکل میں انکی پرستش کرتے تھے، اور انھیں کو عالم میں فرمانروا مانتے تھے، یہود بھی

ان کو کسی قدر صاحب اختیار تصور کرتے تھے اور ان کو کبھی کبھی خداؤں کا درجہ دیدیتے تھے جیسا کہ توراۃ صحیفہ تکوین

لَا يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِهِ وَلَا يَسْتَحْسِبُونَ

لَيْسَ لَهُمُ اللَّيْلُ وَالنَّهَارُ لَا يَفْتَرُونَ،

(انبیاء-۲)

بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُونَ، لَا يَسْبِقُونَهُ بِالْقَوْلِ

وَهُمْ بِأَمْرِهِ يَعْمَلُونَ..... وَهُمْ

قَبْلَ خَشْيَتِهِ مُشْفِقُونَ، (انبیاء-۲)

لَا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا

يُؤْمَرُونَ (تحریم-۱)

يُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهِ وَالْمَلَائِكَةُ مِنْ خِيفَتِهِ

(رعد-۲)

وَلِلَّهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ

مِنْ ذَاتَاتٍ وَالْمَلَائِكَةُ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ

يَخَافُونَ رَبَّهُمْ مِنْ فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُونَ

مَا يُؤْمَرُونَ، (نحل-۶)

وَلِلَّهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ

مِنْ ذَاتَاتٍ وَالْمَلَائِكَةُ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ

يَخَافُونَ رَبَّهُمْ مِنْ فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُونَ

مَا يُؤْمَرُونَ، (نحل-۶)

وَلِلَّهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ

مِنْ ذَاتَاتٍ وَالْمَلَائِكَةُ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ

يَخَافُونَ رَبَّهُمْ مِنْ فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُونَ

۱۳۱۴ھ (۱۸۹۶ء) کے قصوں میں کہیں کہیں نظر آتا ہے، اُن کو وہ خدا کے بیٹوں کے خطاب سے بھی کبھی یاد کرتے تھے۔
 (تکوین ۲-۶) ہندوؤں میں وہ دیوتا اور دیوی تینوں ایک طرف انسانی خصائص سے لوث تھے اور دوسری طرف اپنے ذاتی اختیارات کے لحاظ سے "چھوٹے خداؤں" کے مرتبہ پر بھی فائز تھے، عیسائیوں میں ان میں سے بعض مثلاً روح القدس خدا کا ایک جز تسلیم ہوتی تھی، اور اُن کی تثلیث کا ایک رکن تھی، عربوں میں وہ خدا کی بیٹیوں کا درجہ رکھتے تھے، وہ انکی پوجا کرتے تھے، اور اُن کو اپنے گناہوں کا شفیع سمجھتے تھے، انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام عقائد باطلہ کو مٹا دیا، اور ایک ایک کر کے ان میں سے ہر عقیدہ کی تردید کر دی، اور بتایا کہ فرشتے بھی خدا کی دوسری مخلوقات کی طرح ایک مخلوق ہیں، اُن کو خدائی کا کوئی اختیار حاصل نہیں، وہ صرف خدا کی اطاعت اور عبادت اور اُس کے احکام کی بجا آوری میں مصروف رہتے ہیں، اُن میں سے ہر ایک کو جو کام سپرد ہے، وہ اُسی کو انجام دیتا ہے، وہ ہماری ہی طرح بندہ محض ہیں، وہ نہ عبادت کے مستحق ہیں، اور نہ خدا کے بلا اذن وہ شفاعت کا ایک حرف زبان سے نکال سکتے ہیں، اور نہ خدا کے سامنے وہ کچھ عرض کرنے کی جرات کر سکتے ہیں، یہودی اُن کو خدا کے بیٹے، اور عرب خدا کی بیٹیاں کہتے تھے، قرآن نے ان دونوں کی تردید کی اور بتایا کہ وہ انسانی خصائص اور میلانات سے پاک ہیں، نہ وہ مرد ہیں، نہ عورت ہیں، نہ وہ کھاتے ہیں، نہ پیئیں ہیں، نہ وہ خدائی کا دعویٰ کر سکتے ہیں، وہ خدا کے خوف سے ہمیشہ کانپتے اور لرزتے رہتے ہیں،

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَنُ وَلَدًا سُبْحَانَ اللَّهِ بَلْ عِندَ
 مُلْكِهِمْ لَآ يَنْصِفُونَكَ بِالْقَوْلِ وَهُمْ
 بِأَمْرِهِمْ يَعْمَلُونَ، يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ
 وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يَنْشَقُّونَ آكِلًا لِّصَنِ الزَّهَىٰ
 وَهُمْ مِنْ خَشْيَتِهِ مُشْفِقُونَ، وَمَنْ يَمْلِكْ
 مِنْهُمْ إِنْ أَلِهٌ مِّنْ دُونِهِ قَدْ لَكِ الْخَزِيرَةُ
 بِهَمِّهِمْ هَكَذَا لَكَ الْخَزِيرَةُ (انبیاء ۲۰)

مشرکوں نے کہا کہ مہربان خدا نے اپنا لڑکا بنایا ہے، وہ اُس سے پاک ہے، بلکہ یہ (فرشتے) اُس کے پاک بندے ہیں جو بات میں اُس پر پیشہ سنی نہیں کرتے، اور وہ اُس کے حکم پر عمل کرتے ہیں، خدا اُس سے جو اُن کے آگے اور پیچھے ہوتا ہو واقف ہے، وہ بندے سے شفاعت نہیں کرتے لیکن اُسی کی جسکے لیے خدا پسند کرتا ہے، اور وہ خدا کے خوف سے ڈرتے رہتے ہیں، اُن میں سے جو یہ کہے کہ میں خدا ہوں تو اوکو بھی اسی طرح

إِنَّمَا اللَّهُ إِلَهٌ وَاحِدٌ طَسُبْحَنَهُ أَنْ يَكُونَ لَهُ
وَلَدٌ لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَكَفَى بِاللَّهِ
وَكِيلًا لَنْ يُسْتَنَافَكَ الْمَسِيحُ أَنْ يَكُونَ عَبْدًا
لِلَّهِ وَلَا الْمَلَائِكَةُ الْمُقَرَّبُونَ وَمَنْ يُسْتَنَافَكَ
عَنْ عِبَادَتِهِ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ إِلَيْهِ جَمِيعًا
(نساء ۲۲-۲۴)

خدا تو ایک ہی ہے وہ اُس سے پاک ہے کہ اُس کے کوئی اولاد ہو
آسمانوں میں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ اسکی ملکیت ہے اور
خدا کافی وکیل ہے، مسیح کو اس سے عار نہ ہوگا کہ وہ خدا کا
بندہ ہو، اور نہ مقرب فرشتوں کو اس سے عار ہے اور جو اسکی
عبادت سے عار اور غرور کریں گے تو ان سب کو وہ اپنے پاس
اکٹھا کرے گا،

وَلَا يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلَائِكَةَ وَالنَّبِيِّينَ
أَرْبَابًا أَيَأْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنْتُمْ مُسْلِمُونَ
(آل عمران - ۸)

خدا اسکا حکم تم کو نہیں دیتا کہ تم فرشتوں کو اور پیغمبروں
کو خدا بناؤ، کیا تم کو مسلمان ہونے کے بعد کفر کرنے کا حکم
دے گا،

وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ يَقُولُ لِلْمَلَائِكَةِ أَهَؤُلَاءِ
إِيَّاكُمْ كَانُوا يَعْبُدُونَ قَالُوا بَلَّغْنَاكَ آمَنَّا
وَلَيْسَ مِنْ دُونِهِمْ جَبَلٌ كَانَ يُعْبَدُونَ
الْحُجْنَ أَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُؤْمِنُونَ (سبا - ۵)

اور جس دن وہ سب کو جمع کرے گا، پھر فرشتوں سے کہے گا کہ
کیا یہ مشرکین تھیں کو پوجتے تھے، وہ کہیں گے پاک ہے تو، تو
ہمارا والی ہے، وہ نہیں ہیں، بلکہ وہ جن کو پوجتے تھے وہ
اکثر انھیں جنوں پر ایمان لائے ہیں،

جس دن رُوح اور فرشتے صفت بتہ خدا کے سامنے کھڑے
ہوں گے، تو کچھ بول نہ سکیں گے، لیکن وہ جبکہ وہ ہر بات
اجازت دے اور وہ ٹھیک بات کہے،

وَكَمْ مِنْ مَلَكٍ فِي السَّمَاوَاتِ لَا يَقْنِي تَعَفُّهُمْ
شَيْئًا إِلَّا مِنْ بَعْدِ أَنْ يَأْذَنَ اللَّهُ لِمَنْ يَشَاءُ وَيُخَيَّرُ
أَفَأَصْفَكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبَيِّنَاتِ وَأَتَّخِذُ

آسمانوں میں کتنے فرشتے ہیں جنکی سفارش کچھ بھی فائدہ نہیں
پہنچا سکتی لیکن اس کے بعد کہ خدا جبکہ اجازت دے اور پسند کرے
کیا تمھارا رب تمھیں بالبینات اور خود

مِنَ الْمَلَائِكَةِ إِنَّا نَاظِرُونَ لَكُمْ لَتَقُولُنَّ قَوْلًا
عَظِيمًا. وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِي هَذَا الْقُرْآنِ لِيَذَّكَّرُوا
وَمَا يَذِّدُهُمْ إِلَّا لُغُومًا. قُلْ تَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ

فرشتوں میں سے ان کی ان اپنے لیے پسند کیں، تم یقیناً بہت
بڑی بات منہ سے نکالتے ہو، اور ہم نے قرآن میں پھیر پھیر کر
سمجھنے کو باتیں بیان کی ہیں، لیکن یہ انکی نفرت کو اور بڑھاتا ہے

إِلَهَهُ كَمَا يَقُولُونَ إِذَا اسْتَجَعُوا إِلَى اللَّهِ عِشْيَا
سَبِيلًا. سُبْحَنَهُ وَتَعَالَى عَمَّا يَقُولُونَ عُلُوًّا
كَبِيرًا. يُسَبِّحُ لَهُ السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ وَمَنْ
فِيهِنَّ. (اسرائیل ۲۷ و ۲۸)

کہہ دے بغیر کہ اگر اس ایک خدا سے برق کیساتھ اور
بھی چند خدا ہوتے تو اس تخت والے خدا کی طرف وہ راستہ
ڈھونڈتے کہ اس کے ہاتھ سے حکومت چھین کر خود قبضہ کر لیں
یہ شرک جو کہتے ہیں خدا اس بلند و برتر ہی آسمان اور زمین

وَجَعَلُوا الْمَلَائِكَةَ الَّذِينَ هُمْ عِبَادُ الرَّحْمَنِ
إِنَّا نَاثِرُ السَّيِّئَاتِ وَخَلَقْنَاهُمْ مِمَّا تَكْتُمُ
وَيْسُئُلُونَ، وَقَالُوا لَوْ شَاءَ الرَّحْمَنُ مَا
عَبَدْنَا هُمْ مَا لَهُمْ بِذَلِكَ مِنْ عِلْمٍ
إِنَّ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ. (زخرف ۲۰)

ان مشرکوں نے فرشتوں کو جو رحمت والے خدا کے بندے
ہیں، عورتیں بنا دیا، کیا وہ انکی پیدائش کے وقت خفیہ
ہم انکی گواہی لکھیں گے اور ان سے انکی باز پرس کی جائیگی
اور انھوں نے کہا کہ اگر خدا چاہتا تو ہم ان فرشتوں کو تیرپونے
انھیں اسکا تحقیقی علم نہیں، وہ صرف اکل لگاتے ہیں،

قرآن پاک میں اس مفہوم کی اور بہت سی آیتیں ہیں، مگر یہاں استقصا مقصود نہیں،
یہودیوں کا خیال تھا کہ فرشتے کھاتے پیتے بھی ہیں، چنانچہ تورات میں جہاں حضرت ابراہیم کے پاس فرشتوں
کے آنے کا ذکر ہے، یہ مذکور ہے کہ ابراہیم نے ان کے لیے دعوت کا سامان کیا اور انھوں نے کھایا۔ (تکوین ۸-۱۸)
لیکن قرآن پاک نے اسی قصہ کو دہرا کر یہ تصریح کر دی کہ وہ ان انسانی ضرورتوں سے پاک ہیں، حضرت ابراہیم
نے ان کے لیے دعوت کا سامان کیا، مگر

فَلَمَّا رَأَوْهُمُ كَالْهَرَمِ نَكَرَهُمْ
وَأَوْحَيْنَا مِنْهُمْ خِيفَةً ط قَالُوا لَا خُفْيَ لَنَا مِنْهُمْ
وَلَا نَجْنِ مِنْهُمْ

جب ابراہیم نے دیکھا وہ کھانے کو ہاتھ نہیں لگاتے، تو انکو
وہ انجان معلوم ہوئے اور وہ میں ڈرا، انھوں نے کہا توڑ نہیں

قَوِّدُوا قَوْمَکُمْ (سود - ۷) ہم لوہ کی قوم کی طرف (انکے تباہ کرنے کے لیے) بھیجے گئے ہیں

کفار قریش کا مطالبہ تھا کہ انسان کے بجائے کوئی فرشتہ پیغمبر بنا کر کیوں نہیں بھیجا گیا، اُسکے جواب میں کہا گیا،
وَلَوْ جَعَلْنَاهُ مَلَكًا أَجَعَلْنَاهُ مَرْجُوًّا أَوْ لَلْبَسْنَا
اگر ہم پیغمبر فرشتہ بنا کر بھیجتے تو رادیوں کے لیے (اوسکو آدمی
ہی بناتے، تو جس شبہ میں اب ہم نے انکو ڈالا، اسی میں
عَلَيْهِمْ مِمَّا يَلْبَسُونَ،

(الغافر - ۱) پھر بھی پڑے رہتے (یعنی یہی کہتے کہ تم فرشتہ نہیں ہو بلکہ آدمی)

اس آیت اور دوسری آیتوں سے ملکوتیت اور بشریت کی قوتوں کا اختلاف ظاہر ہے، تاہم وہ کبھی کبھی عام
طور سے انسان کے مثالی لباس میں بھی جا رہے ہوتے ہیں، جیسا کہ حضرت مریم وغیرہ کے قصوں میں ہے،
فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا، (مریم - ۲) وہ فرشتہ ایک اچھے خاصے بشر کی مثالی صورت میں ظاہر ہوا،

اور یہی وہ صورت تھی جہاں حضرت ابراہیم کو اُن کے انسان ہونے کا دھوکا ہوا، اور اُن کے لیے دعوت کا
سامان کیا، مگر یہ دھوکا جلد رفع ہو گیا، اور معلوم ہو گیا کہ وہ انسان کی مثالی صورت میں فرشتے ہیں،

ان تمام تفضیلات کے بعد یہ غور کرنا کہ فرشتوں پر ایمان لانے سے اسلام کا کیا مقصد ہو، حقیقت میں اس کو دو باتیں مقصود ہیں

۱۔ ایک یہ کہ اسلام سے پہلی بت پرست اقوام اور دوسرے اہل مذہب میں ان فرشتوں کو زندگی کا جو مرتبہ دیا گیا تھا، اُس
غلط عقیدہ کو مٹا کر حقیقت ظاہر کیا جائے کہ انکی حیثیت بے اختیار حکوم بندہ کی ہے، جب تک اسکی تصریح نہ ہوتی، بلکہ توحید کی تکمیل ممکن نہ تھی،

۲۔ دوسرا مقصد یہ ہے کہ مادہ کے خواص و طبائع دیکھ کر مادہ پرست انہیں مادی خواص و طبائع کی بالذات کارفرمائی کا اہل یقین کرتے

ہیں، اور یہی تھوڑی ٹھوکر کا باعث ہوتا ہے اور بالآخر خدا کے انکار تک انکو لجا تا ہے، اسکا ازالہ کیا جائے، کہ ان مادی خواص و طبائع پر روحانی

اسباب مسلط ہیں جو خدا کے حکم سے اُسکے فقرہ اصول کے مطابق اُسکو چلا رہے ہیں، مادہ اور اُسکے خواص بالذات نور نہیں بلکہ کوئی دوسرا

جو اپنے اروج مجرہ کے ذریعہ انکو نور بناتا ہے، اس عقیدہ سے مادیات کا بہت ہمیشہ کے لیے ٹوٹ جاتا ہے، غرض منزه خالق اور مادی مخلوق

کے درمیان احکام و شرائع کا نزول اور قدرت الہی کے افعال کا صدور اور ان محکوم اروج مجرہ کے ذریعہ ہوتا ہے،

رسول و ایمان

وَرُسُلِهِ

یہ عقیدہ اسلام کی ان خصوصیات میں سے ہر جنگی تکمیل صرف اسی کے ذریعہ انجام کو پہنچی ہے، آخرتِ صلح کے وجود مبارک سے پہلے دنیا کی ہر قوم کو بجائے خود یہ خیال تھا کہ وہی خاص اللہ تعالیٰ کی محبوب اور پیاری ہے، اور تمام دنیا کی قوموں میں ہدایت ربانی کے لیے وہی منتخب لگائی ہے اور اس کے علاوہ دنیا کی تمام قومیں اس فیض سے قطعاً محروم ہیں اور ہنگامی ہماری ہی سرزمین دیوتاؤں اور دیویوں کا مسکن اور ہماری زبان خدا کی خاص مقدس زبان ہے، بابل دینواہو یا مصر و یونان، ایران ہویا آریہ ورت ہندوستان، ہر ملک اور ہر قوم کو بجائے خود تنہا خدا کی مقدس اور برگزیدہ مخلوق ہونے کا دعویٰ تھا، اور وہ صرف اپنی ہی کو خدا کے پیغام اور خطاب سے شرف ہونے کی مستحق جانتی تھی لیکن تعلیمِ محمدی نے تنگ خیالی کے اس محدود دائرہ کو دنیا کی عظیم شان و وسعت میں بدل دیا، اپنے یہ سکھایا کہ دنیا کی تمام قومیں خدا کی نظر میں یکساں ہیں، نہ عرب کو عجم پر اور نہ عجم کو عرب پر فضیلت ہے، اور نہ کالے گوشت پر اور نہ گورے کو کالے پر کوئی تقدم حاصل ہے، ساری زمین خدا کی ہے، اور تمام قومیں ایک خدا کی مخلوق ہیں، اپنے فرمایا، لوگو! تم سب ایک ہی باپ (آدم) کی اولاد ہو، اور وہ مٹی سے پیدا ہوا تھا، اسی طرح یہ بھی تعلیم دی کہ انسان اور قوموں کا امتیاز رنگ روپ، ملک، مذہب، زبان سے نہیں ہے، بلکہ صرف تقویٰ اور نیکو کاری سے ہے، اس تعلیم کا سب سے پہلا نتیجہ یہ نکلا کہ قوموں اور ملکوں کی فطری فضیلت کی پرانی داستان فراموش ہو گئی، دنیا کی تمام قومیں ایک سطح پر آگئیں، اور مساوات انسانی کا راستہ صاف ہو گیا، بنی اسرائیل جن کو اپنے خدا کا کتبہ ہونے

لے سنا محمد ابن فضل، از ابو نصر تاجی، ۱۰۰۰ جاز، ترمذی، آخر کتاب التائب، ۱۰۰۰ قرآن ان انکر مکہ عند اللہ انفاک

پر ناز تھا وہی محمدی نے انکی اس حیثیت کے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور کہا،

بَلْ أَنْتُمْ بَشَرٌ مِّثْلُ خَلْقٍ (مائدہ - ۳) بلکہ تم بھی خدا کی مخلوقات میں سے بشر ہو،

بنی اسرائیل کو دعویٰ تھا کہ نبوت اور پیغمبری صرف ہمارے ہی خاندان کا ورثہ ہے، جس طرح اس آریہ ورت

کا دعویٰ ہے کہ خدا کی اولیٰ صرف ہمیں کے زینون اور نیون نے سنی اور وہ صرف وید کے اوراق میں محفوظ ہے، سبط

دوسری قوموں کو بھی اپنی جگہ پر ہی خیال تھا، اسلام نے اس تخصیص کو خدا کے انصاف، عدل و کرم اور انکی رحمت پر عام

سنانی قرار دیا، اور کہا،

ذَٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ وَاللَّهُ
ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ (جمہور - ۱)

یہ (نبوت) اللہ کی مہربانی ہے جسکو چاہے دے اور اللہ
بڑی مہربانی والا ہے،

قُلْ إِنْ الْإِنْسَانُ عَشَدُّ عَلَىٰ اللَّهِ أَنْ يُوَفِّيَهُ آجَلًا
مِّثْلَ مَا أُوتِيَ قَوْمَ يُحْيَا وَيُمِيتُهُمْ رَبُّكَ مَآءُ

اُمیدو کہ انسان اللہ کی ہدایت سے (اس کی طرف سے) ادا کرنے پر
ہم دشمنوں سے کہتے ہیں کہ کیا یہ ناممکن ہو کہ (جیسا کہ میں تم کو

قُلْ إِنْ الْفَضْلَ بِيَدِ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ
وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَن يَشَاءُ

یا گیا کسی اور کو دیا جائے، یا یہ نئے دین واسطے تم سے خدا کے
جھگڑا سکین، کہہ دو کہ (یہ نبوت کا) فضل اللہ کے ہاتھ میں ہے

وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ

وہ جسکو چاہتا ہے اُس سے نوازتا ہے اور اللہ کی رحمت پر

عام ہے اور وہ اپنی مصلحت کو کبھی طرح جانتا ہی اور جسکو چاہتا

ہو اپنی رحمت کیساتھ مخصوص کرتا ہے، وہ بڑا فضل والا ہے،

مَا يُؤَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَلَا
الْمُشْرِكِينَ أَنْ يُنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِنْ خَيْرٍ مِّنْ

اہل کتاب میں جو منکر ہیں وہ یہ نہیں پسند کرتے اور نہ مشرکین
پسند کرتے ہیں کہ تم پر تمہارے پروردگار کی طرف سے کوئی بھلائی نازل

رَبِّكُمْ وَاللَّهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَن يَشَاءُ

ہو اور اللہ اپنی رحمت کیساتھ جسکو چاہتا ہے مخصوص کرتا ہے

وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ (بقرہ - ۱۲۳)

اور اللہ بڑے فضل والا ہے،

اور یہ تعلیم دی کہ روسے زمین کی ہر بادی میں ہر قوم میں اور ہر زبان میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسکی راہ دکھانے والے، اسکی آواز پہنچانے والے، اور انسانوں کو انکی غفلت سے چونکانے والے پیغمبر یا نایب پیغمبر بنکر آئے اور یہ سلسلہ محمد رسول اللہ صلیم کی بعثت تک برابر جاری رہا،

بعثت محمدی سے پہلے دنیا کی کل آبادی مختلف گھرانوں میں بنی ہوئی، اور ایک دوسرے سے نا آشنا تھی ہندوستان کے ریشیوں اور نیوٹن نے آریہ ورت سے باہر کی دنیا کو خدا کی آواز سننے کا کبھی مستحق نہ سمجھا، ان کے نزدیک پریشور ورت آریہ ورت کی ہدایت اور رہنمائی کا خواہاں تھا، زردشت نے پاک نثر اوان ایران کے سوا سب کو نثر اوان کے جلوہ نورا سے محروم یقین کیا، بنی اسرائیل اپنے خاندانہ کے سوا کہین اور کسی بنی یاسر رسول کی بعثت کا تصور بھی نہیں کرتے تھے، عیسائی صرف اپنے کو خدا کی فرزندگی کا مستحق سمجھتے تھے، لیکن محمد رسول اللہ صلیم نے اگر بتایا کہ خدا کی ہدایت اور رہنمائی کے طور کے لیے ملک قوم اور زبان کی تخصیص نہیں، اسکی نگاہ میں عرب و عجم اور شام و ہند سب برابر ہے، محمد رسول اللہ صلیم علیٰ ہمہ بین انکھون نے پورب پیچیم، اتر، دکھن، ہر ملک اور ہر قوم میں خدا کا نور دکھا، اور ہر زبان میں اسکی آواز سنی،

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ رَسُولٌ (یونس - ۵) اور ہر قوم کے لیے ایک رسول ہے،

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا (نحل - ۵) اور یقیناً ہم نے ہر قوم میں ایک رسول بھیجا،

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا إِلَى قَوْمِهِمْ (م - ۵) اور ہم تجھ سے پہلے کتنے رسول انکی اپنی قوم میں بھیجے،

وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ (رعد - ۱) اور ہر قوم کے لیے ایک رہنما آیا،

وَإِنْ مِنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ (فاطر - ۲) کوئی قوم نہیں جہاں ایک ہتیار کرنے والا نہ آیا،

وَكُلَّمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِي أُولَئِكَ (زخرف - ۱) اور ہم نے پہلی قوموں میں کتنے پیغمبر بھیجے،

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رُسُولٍ إِلَّا بِلِسَانٍ قَوْمِهِ (ابراہیم - ۱) اور ہم نے ہر پیغمبر کو اسکی قوم کی بولی میں بھیجا، تاکہ وہ

لِبَشَرٍ لِقَوْمِهِ (ابراہیم - ۱) ان کو بتا سکے،

اس آخری آیت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ رسول تعلیم الہی تشریح و بیان کے لیے مامور ہیں،

ایک یہودی کے لیے حضرت موسیٰؑ کے سوا کسی اور کو پیغمبر ماننا ضروری نہیں، ایک عیسائی تمام دوسرے پیغمبروں کا انکار کر کے بھی عیسائی رہ سکتا ہے، ایک ہندو تمام دنیا کو لچھ شورو اور چٹال لکڑی بھی پتکا ہندو رہ سکتا ہے، ایک زرتشتی تمام عالم کو بحر ظلمات لکڑی بھی نورانی رہ سکتا ہے، اور وہ ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام کو نعوذ باللہ جھوٹا لکڑی بھی دیناری کا دعویٰ کر سکتا ہے، لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ناممکن کر دیا ہے کہ کوئی اُن کی پیروی کا دعویٰ کر کے اُن سے پہلے کے کسی پیغمبر کا انکار کر سکے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تہجد میں جو دعا پڑھتے تھے، اس میں ایک فقرہ یہ بھی ہوتا ہے، وَاللَّيْلِيَّوْنَ حَقٌّ وَمُحَمَّدٌ حَقٌّ (سب نبی برحق تھے اور محمد بھی برحق ہے) غرض کوئی شخص اُس وقت تک محمدی نہیں ہو سکتا جب تک اُس سے پہلے وہ موسوی و عیسوی، اور ایرانی و ہندی نہ بن لے، اور کوئی شخص اُس وقت تک مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک وہ دنیا کے تمام پیغمبروں کی کیسان، صداقت، حقایق، راستبازی اور معصومیت کا اقرار نہ کرے اور یہ یقین نہ کرے کہ اللہ تعالیٰ نے عرب کی طرح ہر قوم کو اپنی ہدایت اور رہنمائی سے سرفراز کیا ہے، اور

اُن کا ماننا ایسا ہی ضروری ہے جیسا خدا کا ماننا ہے،

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهِ وَيُرِيدُوْنَ
اَنْ يُفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهِ وَيَقُوْلُوْنَ
نُوْمِنُ بِبَعْضٍ وَنُكْفِرُ بِبَعْضٍ وَيُرِيدُوْنَ
اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا اُولٰٓئِكَ
هُمُ الْكَافِرُوْنَ حَقًّا وَاَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِيْنَ عَذَابًا
شَدِيْدًا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهِ وَلَمْ
يُفَرِّقُوْا بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰٓئِكَ سَوْفَ
يُؤْتِيْهِمُ اللّٰهُ جُزْءًا مِّمَّا رَزَقُوْهُمْ
مَزِيْدًا ۗ اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُ اللّٰهُ ۗ وَالَّذِيْنَ
فَرَّقُوْا بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَبَيْنَ ذٰلِكَ
سَوَفَ يُعَذِّبُهُمْ اللّٰهُ بِمَا فَرَّقُوْا فِيْهِ
وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْدٌ ۚ

صحیح بخاری باب التہی،

وَالْمَلِكُ وَالْكِتَابُ وَالنَّبِيُّ (بقرہ-۲۲) فرشتوں پر کتاب پر اور سب نبیوں پر ایمان لانا ہی ہے۔
وَمَنْ يَكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ كُتِبَ عَلَيْهِ وُضُوْعُ الْيَوْمِ لَاٰخِرٍ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا جَبِيْداً (نساء-۲۰) اور جس نے خدا کا اور اس کے فرشتوں کا اور اس کی کتاب کا اور اس کے رسول کا

بقول کے خاتمہ میں ہے،

كُلُّ اٰمَنٍ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتِبَ عَلَيْهِ وُضُوْعُ لَاٰخِرٍ اَقْبَلُ مِنْ اَحَدٍ مِنْ رُّسُلِهٖ (بقرہ-۲۰) ہر ایک خدا پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لایا، ہم خدا کے رسولوں کے درمیان تفریق نہیں کرتے،

لَا تَفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِنْهُمْ (بقرہ-۹) ہم ان پیغمبروں میں سے کسی کے درمیان تفریق نہیں کرتے۔
پیغمبروں میں تفریق کرنے کے یہ معنی ہیں کہ ان میں سے بعض کو ناپسند اور بعض کو نہ پسند اسلام نے اس کی مانعت کی اور عام حکم دیا کہ دنیا کے تمام پیغمبروں اور رسولوں کو یکساں خدا کا رسول، صادق اور استباز تسلیم کیا جائے۔
یہودی حضرت عیسیٰ کو نعوذ باللہ جھوٹا اور کاذب سمجھتے تھے، اور ان پر طرح طرح کی تہمتیں لگاتے تھے، اور اب بھی ان کا یہی عقیدہ ہے، یہودیت اور اسلام میں جو اشتراک ہے وہ مسیحیت سے زیادہ ہے، اس لیے اگر اسلام کی راہ میں حضرت مسیح کا نام نہ آئے تو بہت سے یہود مسلمان ہونے کو تیار ہو جائیں، مگر اسلام نے کبھی یہ سنگ گوارا نہ کیا، اور جب تک کسی یہودی سے حضرت عیسیٰ کی نبوت، معصومیت اور تقدس کا اقرار نہیں لے لیا اپنے دائرہ میں اس کو داخل ہونے کی اجازت نہ دی، چنانچہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بہت سے یہود آپ کی رسالت اور شریعت پر ایمان لانے کو تیار تھے، مگر حضرت عیسیٰ کے ماننے کیلئے تیار نہ تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی دوستی کے عظیم نشان فائدہ و نفع سے محرومی قبول کی مگر مسیح علیہ السلام کی سچائی سے محرومی قبول نہ فرمائی، اور ان سے کہا،

يَا هٰٓؤُلَآءِ الْكٰتِبِ هَلْ تَشْفِقُوْنَ عَلٰٓى اٰلِآنَاسِ (اسے یہود کیا میرے قوم کو ہم سے لگے ہو؟ کہ ہم خدا پر اور رسول پر)

لہ تفسیر ابن جریر طبری جلد ۱۶ ص ۱۶۷، مصر

بِاللّٰهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِ
وَإِنَّ أَكْثَرَكُمْ فَاسِقُونَ (مائیدہ ۹۰-۹۱)

طرف تارا گیا اور جو پہلے تارا گیا اس پر ایمان رکھتے ہیں اور
تم میں اکثر بے حکم ہیں

خود قریش کا یہ حال تھا کہ وہ حضرت عیسیٰ کے نام سے چمکتے تھے، مگر انکی خاطر حضرت عیسیٰ کی نبوت، تقدس اور
معبودیت سے انکار نہیں کیا گیا، قرآن نے کہا،

وَلَمَّا ضَرَبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا إِذَا قَوْمُكَ
مِنْهُ يُصَدِّقُونَ، وَقَالُوا هَٰذَا إِلَهُنَا خَيْرٌ
أَدَّ هُوَ مَا ضَرَبُوا لَكَ إِلَّا جَدًّا لَا بَلْ هُمْ
قَوْمٌ خَصِمُونَ، إِنَّ هُوَ إِلَّا عَيْدٌ أَنْعَمْنَا
عَلَيْكَ (زخرف ۶۰-۶۱)

اور جب مریم کے بیٹے کی کہادت بیان کی گئی، تب ہی تیری
قوم اُس سے چلانے لگتی ہے اور بولی کہ ہمارے معبود اچھے
ہیں یا وہ، یہ نام جو وہ تجھ پر دھرتے ہیں صرف جھگڑنے
کو، بلکہ وہ جھگڑاویں، وہ تو ایک بندہ ہے جس پر ہم نے
فضل کیا،

قریش کو معلوم تھا کہ اسلام عیسیٰ بن مریم کو بندہ اور رسول مانتا ہے، خدا نہیں، باوجود اس کے عیسائیوں
کی طرح مسلمانوں کو بھی حضرت عیسیٰ کے ماننے کی وجہ سے عیسیٰ پرست تصور کر کے الزام دھرتے تھے، قرآن نے انکی
اس بے معنی اعتراض کی تردید کی،

اسلام میں پیغمبروں کی کوئی تعداد محدود نہیں ہے، طبرانی کی ایک ضعیف روایت میں ہے کہ ایک لاکھ چوبیس
انبیاء مبعوث ہوئے، ایک اور دوسری روایت میں اس سے کم تعداد بھی مروی ہے، قرآن پاک میں نام کے ساتھ
صرف انہیں انبیاء علیہم السلام کا ذکر ہے جنے عرب مانوس تھے، یا ان کے ہمسایہ یہود و نصاریٰ کے صحیفوں میں
جنگلے تذکرے تھے، قرآن میں بعض ایسے انبیاء بھی مذکور ہیں جنے عرب گو وقت تھے مگر یہود و نصاریٰ ان سے بیخبر
تھے، مثلاً حضرت ہود، اور حضرت شعیب، بعض ایسے ہیں جنکو وہ جانتے تھے لیکن ان کو پیغمبر نہیں تسلیم کرتے تھے،
مثلاً حضرت داؤد اور حضرت سلیمان، وحی محمدی نے ان سب کو پیغمبر تسلیم کیا اور ان کی صداقت و عظمت کا اقرار کیا
اسی سلسلہ میں ایک اور واقعیت کی طرف بھی اشارہ کر دینا مناسب ہے، اسلام سے پہلے نبوت رسالت

اور پیغمبری کی کوئی خاص واضح اور غیر مشتبہ حقیقت دنیا کے سامنے نہ تھی، یہود کے ہاں نبوت کے معنی صرف پیشگوئی کے تھے، اور نبی پیشینگو کو کہتے تھے، اور اس کے متعلق یقین کہتے تھے کہ اسکی دعایا بد و عافور قبول ہو جاتی ہے، اسی لیے حضرت ابراہیم، حضرت لوط، حضرت اسحاق، حضرت یعقوب اور حضرت یوسف کی نبوت اور رسالت کا منصف حضرت ابراہیم کے ہاں موجود ہے، بلکہ حضرت ابراہیم کے مقابلہ میں شام کے کاکین، مالک کی پیغمبرانہ شان اُن کے نزدیک زیادہ نمایاں معلوم ہوتی ہے، حضرت داؤد اور سلیمان کی حیثیت بھی اُن کے ہاں صرف بادشاہ کی ہے، اور اُن کے زمانہ کی پیشگوئی کرنے والے پیغمبر اور مین، یہی سبب ہے کہ یہود کے تقوُّن اور کتابوں میں اسرائیلی پیغمبروں کی طرف نہایت سخیف باتیں بہ تامل منسوب کی گئی ہیں، اسی طرح عیسائیوں میں بھی رسالت اور نبوت کی کوئی واضح حقیقت نہیں، ورنہ یہ نہ کہا جاتا کہ ”مجھے پہلے جو اسے وہ چور اور ڈاکو تھے، موجودہ انجیلوں میں نہ خدا کے رسولوں کی تعریف ہے، نہ اُن کے تذکرے ہیں، نہ انکی سچائی اور صداقت کی گواہی ہے، حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ جتنے تذکرے انجیل میں ہیں، وہ بھی پیغمبرانہ شان کے ساتھ اُن کے ہاں مسلم نہیں، لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر اس جلیل القدر منصب کی حیثیت ظاہر کی، اُس کے فرائض بتائے اور اس کے خصوصیات کا اظہار کیا، اور اُن سب پر ایمان لانا نجات کا ضروری ذریعہ قرار دیا، آپ نے بتایا کہ نبوت و رسالت خاص خاص انسانوں کو خدا کا بخت ہوا، ایک منصب ہے جس کو دیگر وہ دنیا میں اس غرض سے بھیجے گئے کہ وہ خدا کے احکام کو لوگوں کو بتائیں اور سچائی اور نیکی کا راستہ اُن کو دکھائیں، وہ ہادی (رہنما) تہدیر (بشارت کرنے والے) داعی (خدا کی طرف بلائے والے) مبشر (خوشخبری سنانے والے) معسر (سکھانے والے) مبلغ (خدا کے احکام پہنچانے والے) اور نور (روشنی) تھے، خدا اُن سے ہم کلام ہوتا تھا، اور اپنی باتوں سے اُن کو مطلع کرتا تھا، اور وہ اُن سے انسانوں کو آگاہ کرتے تھے، وہ گناہوں سے پاک اور برائیوں سے محفوظ تھے، وہ خدا کے نیک اور مقبول بندے تھے، اور اپنے خدا کے سب سے بہترین انسان تھے، اُن کے سب کام خدا کے لئے تھے، اور خدا اُن کے لیے تمام بہشتیان اپنے فرائض کو انجام دینے کے لیے ہر قوم میں پیدا ہوئے، انجیلوں نے

اُن کو مانا، انھوں نے نجات پائی اور جنھوں نے جھٹلایا وہ ہلاک ہوئے، قرآن پاک نے اُن کی زندگی کے کٹوتے کی تبلیغ کی، رواد اُن کے اخلاق کی بلند مثالیں اور اُنکی خدا پرستی کا خلاصہ، اس طرح بیان کیا ہے، کہ اُن کے پرہیز اور سننے سے اُنکی پیروی کا جذبہ، اُنکی اتباع کا شوق، اور اُنکی صداقت کا یقین دلون میں پیدا ہو جاتا ہے، اور ساتھ ہی اُن کی طرے شان نبوت کے خلاف جو غلط باتیں دوسرے صحیفوں میں منسوب ہیں، اُن کو چھوڑ دیا ہے، یا اُنکی تردید کر دی ہے،

الغرض نبوت اور رسالت کی سب سے اہم خصوصیت اسلام نے جو یہ قرار دی کہ نبی و رسول گناہوں سے پاک اور برائیوں سے محفوظ اور معصوم ہوتے ہیں، بنی اسرائیل کو نبوت و رسالت کے اس بلند تخیل کی ہوا بھی نہیں لگی تھی اس لیے انھوں نے نہایت بے باکی سے اپنے پیغمبروں کی طرف قہر کے گناہ منسوب کر دیے ہیں، عیسائی ایک حضرت عیسیٰ کو تو معصوم کہتے ہیں، باقی سب کی گنہگاری کے قائل ہیں، لیکن اسلام نے دنیا کے تمام پیغمبروں اور رسولوں کی عظمت کی ایک ہی سطح قائم کی اس کے نزدیک گناہوں سے پاک اور عصمت تمام انبیاء اور مرسلین کا مشترک وصف ہے کہ جو خود گنہگار ہو وہ گناہگاروں کی رہنمائی کا مستحق نہیں کہ اندھا اندھے کو راہ نہیں دکھا سکتا، اس بنا پر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی و تعلیم نے خدا کے تمام معصوموں کی عظمت و جلالت دنیا میں قائم کی اور جن کو باطلوں نے اُنکی عصمت بے گناہی کے دامن پر اپنے دہم و نادانی سے داغ لگائے تھے، اُن کو دھو کر پاک و صاف کیا، اور یہ رسالت محمدی کا عظیم الشان کارنامہ ہے،

خود انجیل کے طرز سے ظاہر تھا کہ حضرت عیسیٰ احکام عشرہ کے برخلاف اپنی مان کی عزت نہیں کرتے تھے تو قرآن نے اسکی تردید کی اور خود حضرت عیسیٰ کی زبان سے کہلایا،

وَبَرَّ الْوَالِدَیْنِ وَلَمْ یَجْعَلْ لِّیْ جَبَّارًا شَقِیًّا، اور اپنی مان کیساتھ نیکی کرنے والا، اور مجھ کو خدا نے جبار

وہ بہت عزت نہیں بنایا،

(مربیعہ - ۲)

کیونکہ احکام عشرہ کے مطابق مان باپ کا ادب نہ کرنا بخشتی تھی، اسی طرح موجودہ انجیل نے حضرت عیسیٰ

کے سر پر تھوپا ہے کہ وہ نماز روزہ کی پروا نہ کرتے تھے۔ قرآن نے اُن کی زبان سے اُکلوایا،

وَ اَوْصَانِي بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ مَا دُمْتُ حَيًّا، اور خدا نے مجھ کو نماز اور روزہ کا حکم دیا، جب تک میں

(مریمہ-۲) جیسا رہوں،

یہود حضرت مریم پر تہمت رکھتے تھے، قرآن نے اس الزام کو دور کیا، اور کہا،

وَمَرْيَمُ ابْنْتِ عِمْرَانَ الَّتِي أَحْصَيْنَا قُرْبَانَهَا اور مریم بنت عمران جس نے اپنی عصمت کی حفاظت کی تو ہم نے

فَنَفَخْنَا فِيهِ مِنْ رُوحِنَا وَصَدَّقَتْ بِكَلِمَاتِ رَبِّهَا اُسین اپنی مزح چھوٹی اور اس نے اپنے پروردگار کی باتوں

وَكَلِمَةٍ وَكَانَتْ مِنَ الْمُقَانِئِينَ۔ (تھیمہ-۲) اور اُنکی کتابوں کو سچ جانا اور وہ بندگی کرنے والوں میں تھی،

وہم پرست یہود حضرت یسایا کو گناہ تعویذ اور غیبات وغیرہ کا موجد سمجھتے تھے، حالانکہ یہ جادو وغیرہ تورات

میں شرک قرار دیا جا چکا تھا، اور علانیہ یہودیوں کے اس الزام کی تردید کی،

وَمَا كَفَرْنَا سَنَاقَاهُمْ وَلَكِنَّ الشَّيَاطِينَ كَفَرُوا اور یسایا نے کفر کا کام کیا، بلکہ شیطانوں نے کیا، لوگوں کو

يُعَلِّمُونَ النَّاسَ السِّحْرَ (لقہا-۸-۱۲) وہ جادو سکھاتے تھے،

اسی طرح حضرت لوط پر بدکاری کا جو الزام یہود لگاتے ہیں اُنکی تردید کی،

اور گنہگار چکا کہ قرآن نے یا انحضرت صلعم نے دنیا کے تمام پیغمبروں کے نام نہیں لئے ہیں، کہ صرف ناموں کی

نہایت یا نامعلوم اشخاص کے نام لینے سے دلوں میں جوشِ عقیدت نہیں پیدا ہو سکتا، تاہم معلوم تھا کہ محمد رسول اللہ

صلعم کی صدا دعوت ایک نئی دنیا کے کناروں تک پہنچی، اور بہت سی غیر قومیں اور دوسرے انبیاء کی امتیں اس حلقہ

میں داخل ہوئی اور اپنے اپنے انبیاء کا نام و نشان صحیفہ محمدی میں انکاش کر چکی اس لیے ایک جامع آیت میں تمام

انبیاء کا تذکرہ کر دیا گیا اور اُنکی صداقت کی پہچان بنا دی، فرمایا،

اَنَا اَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا اَوْحَيْنَا إِلَى نُوحٍ ہم نے (اسے محمد) تمہارے پاس وحی بھیجی، جس طرح نوح کو

وَالنَّبِيِّينَ مِنْ بَعْدِهِ وَاَوْحَيْنَا إِلَى إِبْرَاهِيمَ اُن کے بعد کے پیغمبروں کو بھیجی، ہم نے ابراہیم کو اور اسماعیل کو اور

وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَآلَهُمْ
عَلَيْهِمُ السَّلَامُ أُولَئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ
وَلَقَدْ نَزَّلْنَاهُ بِقُرْآنٍ مُبِينٍ
وَوَهَبْنَا لَهُمُ إِبْرَاهِيمَ إِسْمَاعِيلَ
يُحْيَىٰ وَيُزْكَرُونَ وَاسْلَمَ
عَلَيْكَ وَكَأَمَرَ اللَّهُ مُوسَىٰ
تَكَلِّمًا مَّرْسَلًا
مُّبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ لِنُكَلِّمَ النَّاسَ
عَلَىٰ اللَّهِ
مُجْمَعًا لَعَلَّ الرُّسُلَ
وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا

اسحاق کو، یعقوب کو اور ان کے خاندان کو اور عیسیٰ کو اور یحییٰ کو اور یونس کو اور یونس کو اور سلیمان کو و جی بھیجی اور داؤد کو زبور عطا کی اور دوسرے رسولوں کو بھیجا جنکا حال تم سے ہم نے پہلے بیان کیا ہے اور ان رسولوں کو جنکا حال ہم نے تم سے بیان نہیں کیا، اور خدا نے موسیٰ سے بات کی، ان رسولوں کو خوشخبری سنانے والا اور ہشیار کرنے والا بنا کر بھیجا تاکہ لوگوں کو رسولوں کے جانیکے بعد خدا کے آگے کوئی عذر باقی نہ رہ جائے خدا غالب اور دانا ہو،

(نساء ۲۳)

انبیاء کے متعلق یہی حقیقت سورہ مومن میں دوبارہ بیان کی گئی ہے،

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْهُمْ مَنْ لَمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ
وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْهُمْ مَنْ لَمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ

اور ہم نے یقیناً تم سے پہلے بہت سے پیغمبر بھیجے، ان میں کچھ وہ ہیں جنکا حال تم سے بیان کیا ہے، اور کچھ وہ ہیں جنکا حال تم سے بیان نہیں کیا،

(مومن - ۸)

تعلیمِ محمدی کے اصول کے مطابق یہ یقین کرنا ضروری ہے کہ دنیا کی بڑی بڑی قوموں اور ملکوں میں جیسے چین، ایران، ہندوستان میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے خدا کے انبیاء مبعوث ہو چکے ہیں، اور اس لیے یہ تمام قومیں اپنے جن بزرگوں کی عزت و عظمت کرتی ہیں اور اپنے دین و مذہب کو انکی طرف منسوب کرتی ہیں انکی صداقت اور راستبازی کا قطعی انکار کوئی مسلمان نہیں کر سکتا، اسی بنا پر بعض علماء نے ہندوستان کے کرشن اور رام کو بلکہ ایران کے زردشت کو بھی، اور بعض صاحبوں نے تو بودھ تک کو بھی پیغمبر کہا ہے، بہر حال امکان میں تو شک ہی نہیں، لیکن یقین کیسا تھا ناموں کی تعیین بھی حد سے تجاوز کرنا ہے، اصل یہ ہے کہ قرآن نے انبیاء کی دو قسمیں کی ہیں، ایک وہ جن کے ناموں کی

لے کلمات طبقات حضرت شاہ مرزا مظہر جانجانا، ص ۱۷۱، مل و نخل ابن حزم،

اُس نے تصریح کی ہے اور دوسرے وہ جن کے نام اس نے بیان نہیں کئے، ایسے صحیح یہ ہے کہ جن انبیاء کے نام مذکور ہیں، تمام مسلمانوں کو اُن پر نام بنام ایمان لانا چاہئے، اور جنکے نام مذکور نہیں انکی نسبت صرف یہ اجمالی ایمان کافی ہے کہ اُن قوموں میں بھی خدا کے فرستادہ اور پیغمبر آئے، لیکن یہ تخصیص اُن کے نام نہیں معلوم، وہ قومیں جنکا نام لیتی ہیں اگر انکی زندگی اور انکی تعلیم نبوت اور رسالت کی شان کے مطابق ہیں، تو انکی نبوت اور رسالت کی طرف رجحان اور میلان بلکہ قریۃً غالب ہو سکتا ہے، لیکن یقین اس لیے نہیں کیا جاسکتا، کہ ہمارے پاس ان باتوں پر یقین کرنے کا ذریعہ صرف وحی محمدیؐ ہو اور وہ اس تخصیص یقین سے خاموش ہے،

اس قسم کے انبیاء جنکے نام کو قرآن میں مذکور نہیں، مگر وہ آنحضرت ﷺ کے پہلے گذر چکے ہیں اور اُن کے پیروانکو اپنے ہاں نبوت و رسالت کا یہ درجہ دیتے ہیں، انکی شناخت اور پہچان کا ایک اصول قرآن نے مقرر کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ انھوں نے اپنی قوم کو **توحید** کی تعلیم دی ہے،

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ (نحل - ۵)

اور ہم نے ہر قوم میں ایک رسول بھیجا کہ اللہ کی پرستش کرو اور جھوٹے معبود سے بچو،

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدْ (انبیاء - ۲)

اور ہم نے تجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں بھیجا لیکن اُسکو ہی وحی بھیجی کہ میرے سوا کوئی خدا نہیں، مجھی کو پوجو،

اس لیے وہ تمام قدیم رہبرانِ انسانی اور رہنمایانِ عالم جو دنیا میں کسی مذہب کو لائے ہوں، اور جنکی تبلیغ اور تعلیم توحید کی دعوت اور بت پرستی سے اجتناب تھی، اور انکی زندگی اس تعلیم کے نمایانِ شان تھی، انکی نسبت یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ اپنی قوم کے اور اپنے وقت کے رسول اور پیغمبر نہ تھے، کہ اتنی بڑی بڑی قومیں خود قرآن کے اصول کی بنا پر انبیاء اور رسولوں کے وجود سے خالی نہیں ہو سکتیں، اس بنا پر اسلام کی ان تلقینات میں سے جنکے تسلیم کے بغیر کوئی شخص مسلمان نہیں ہو سکتا، ایک یہ ہے کہ وہ تمام ملکوں کے پیغمبروں اور تمام قوموں کے رسولوں کو جو حضرت خاتمِ نبوت ﷺ کے زمانے سے پہلے پیدا ہوئے، یکساں صداقت کیساتھ تسلیم کرے، ان سب نے تمام دنیا کو ایک ہی تعلیم دی ہو اور وہ

وہ عرب جو پیغمبروں کے ناموں تک سے ناواقف تھے جو نبوت و رسالت کے خصائص کے علم سے محروم تھے، جو انبیاء اور رسولوں کی سیرتوں سے نا آشنا تھے جو ان کے ادب و احترام اور تصدیق و اعتراف سے بیگانہ تھے اور جن کو اپنے دیوتاؤں کے سامنے عیسیٰ بن مریم پر حقیرانہ منہسی آتی تھی، اور جو حضرت موسیٰ کی فضیلت کا ذکر سکر اپنے غصہ کو ضبط نہ کر سکتے تھے، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم سے ان کا یہ حال ہوا کہ وہ ایک ایک پیغمبر کے نام و نشان اور تاریخ و سیرت سے واقف ہوئے، تبرکاً ان کے ناموں پر اپنی اولادوں کے نام رکھے، اور آج تمام مسلمانوں میں وہ نام شائع اور ذائع بین، انکی صداقت اور سچائی کی گواہی دی، ان کے ادب و احترام کو اپنے سینوں میں جگہ دی، ان کی تعظیم و تکریم کو اپنے دین و ایمان کا جز بنالیا، دنیا کی کسی قوم میں یہ رواج نہیں ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے نام اور بے لیے جان کر ایک مسلمان کے لیے لازم ہے کہ جب کسی پیغمبر کا نام لے تو ادب سے لے اور ان پر درود و سلام پڑھے،



کتاب الہی ایمان

و کتبہ

ایک مسلمان کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اپنے پیغمبر کے صحیفہ وحی پر ایمان لائے، ہر خدیہ عقیدہ پھلے عقیدہ رسالت کا لازمی نتیجہ ہے، یعنی رسول کو رسول مان لیں اور اس کی تعلیمات و وحی کو مان لینے کا مراد ہے تاہم یہ تصریح اس لئے کی گئی، تاکہ یہ پوری طرح صاف اور واضح ہو جائے کہ رسول کو رسول مان لینے کے بعد اس کے صحیفہ وحی کو مان کر اس کی تعلیمات پر عمل کرنا ضروری ہے، سورہ بقرہ کے شروع ہی میں سچے مومنوں کی تعریف میں کہا گیا،

وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا
أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۖ (بقرہ ۸-۱) (اسے تمہارا ہی گئی.....)

کتاب الہی پر ایمان لانے سے مقصود، ان تمام صدقاتوں اور حکموں کو بجا کر دل قبول کرنا ہے جو امین مذکور ہیں، یہ گویا پوری شریعت مطہرہ کے قبول کر لینے کی مختصر ترین دفعہ ہے، اور اس لیے ایمانیات کی بہت سی دوسری باتیں جن کی تفصیل ہر موقع پر ضروری نہیں، اس ایک فقرہ کے تحت میں آجاتی ہیں، اس لیے قرآن پر ایمان لانے کے معنی یہ ہیں کہ جو کچھ قرآن میں علمی و سلی، عقائد و عبادات و احکام کی باتیں ہیں ان سب کو بے کم و کاست ہم تسلیم کرتے ہیں، کہ اگر کوئی سرے سے انکو تسلیم ہی نہیں کرتا، تو انکی تعمیل پیروی کا اس سے کیونکر مطالبہ ہو سکتا ہے؟ اسی بنا پر اس کی تشریح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی ان الفاظ میں فرمائی ہے کہ بِمَا جِئْتُ بِهِ جُؤْ بِمَنْ يَكْرِيَا اُس پر ایمان لاؤ، قرآن نے کہا،

وَالَّذِينَ آمَنُوا بِمَا نُزِّلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ (محمد-۱) اور جو ایمان لائے اُسپر جو محمد پر اتارا گیا،

لیکن قرآن اگر اتنا ہی کتنا کہ میرے پیرو صرف مجھ پر ایمان لائیں، تو یہ کوئی اہم بات نہوتی کہ ہر صاحب مذہب کی یہی تعلیم ہوتی ہے، قرآن نے اپنے عقائد کی اس دفعہ میں بھی اپنے تکمیلی پہلو کو پیش نظر رکھا اور قرار دیا کہ اہل قرآن کے ساتھ ہی دوسری آسمانی کتابوں کی صداقت کو بھی تسلیم کریں یعنی کوئی شخص اس وقت تک مسلمان نہیں ہو سکتا جب صحیفہ محمدی کے ساتھ ساتھ دوسرے پیغمبروں کے صحیفوں کو بھی من جانب اللہ تسلیم نہ کرے، چنانچہ سورہ بقرہ کے شروع والی مذکورہ آیت کے ساتھ یہ بھی فرمایا

وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ (بقرہ ۲-۱۰) اتر ا

پھر اسی سورہ کے آخر میں فرمایا،
آمَنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِ مِنْ رَبِّهِ وَالَّذِينَ
كُلُّهُمْ آمَنَ بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ كَتَبَ
(بقرہ ۲-۲۰) ایمان لایا،
رسول ایمان لایا پھر جو خدا کی طرف سے اُس پر اترا اور اہل ایمان
بھی ہر ایک خدا پر اُس کے فرشتوں پر اور ان کی کتابوں پر

بقرہ کی آیتوں میں بعض انبیاء علیہم السلام کی تفصیل اور بقیہ تمام انبیاء کا اجمالی ذکر کر کے ان کی کتابوں اور وحیوں کی تصدیق کا حکم دیا گیا ہے،

قُولُوا آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْنَا وَمَا أُنْزِلَ
إِلَىٰ آبَائِهِمْ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ
وَالْأَسْبَاطِ وَمَا أُوتِيَ مُوسَىٰ وَعِيسَىٰ وَمَا أُوتِيَ
النَّبِيُّنَ مِنْ رَبِّهِمْ (بقرہ ۲-۱۲)
اے ایمان من کسی قدر اور تفصیل ہے،

قُلْ آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَا أُنْزِلَ عَلَىٰ
كُلِّ نَبِيٍّ مِنْ رَبِّهِمْ (بقرہ ۲-۱۳)
کہہ کہ ہم خدا پر اور جو کچھ ہم پر اترا گیا اُس پر اور جو کچھ ہر نبی پر

ابراہیم واسماعیل واسحق یعقوب ولکاتب
اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور خاندان یعقوب پر اتارا
وَمَا آتٰنَا مُوسٰی رَءِیْسٰی وَالتَّبِیُّوْنَ مِنْ اٰمَنَّا
گیا، اُس پر اور جو کچھ موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا گیا اُس پر اور دوسرے
(ال عمران - ۹۰)

سورہ نسا میں اُس پر ایمان لانے کے حکم کیساتھ اُس کے انکار کو کفر قرار دیا گیا،
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ
اِسے وہ لوگو جو ایمان لا چکے ہو، ایمان لاؤ خدا پر اُس کے رسول
وَالتَّابِ الَّذِي نَزَّلَ عَلٰی رَسُولِهِ وَالتَّابِ
پر اور اُس کتاب پر جو اُس نے اپنے رسول پر اتاری، اور اُس
الَّذِي اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ وَمَنْ يَكْفُرْ بِاللّٰهِ
کتاب پر جو پہلے اتاری، اور جس نے خدا کا اور اُس کے فرستادہ
وَمَلٰئِكَتِهِ وَكُتُبِهِ..... فَقَدْ ضَلَّ
کا اور اُسکی کتابوں کا انکار کیا..... وہ نہایت
ضَلَّالًا بَعِیْدًا (البقرہ - ۲۰) گمراہ ہوا،

سورہ مؤمنین میں ان منکروں کو عذاب کی بھی دھمکی دی گئی ہے جو کسی پیغمبر کے پیغام کی بھی تکذیب کریں
الَّذِينَ كَذَّبُوا بِالْكِتٰبِ وَمَا اَرْسَلْنَا بِهِ
جن لوگوں نے کتاب کو اور جو پیغام دیکر ہم نے اپنی پیغمبروں
رُسُلَنَا فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ اِذَا الْاَغْلٰلُ فِیْ
کو بھیجا، او کو جھٹلایا، وہ عقرب جانیں گے جب انکی گردنوں
اَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلٰسِلُ يُسْحَبُوْنَ (مؤمن - ۸۰) میں طوق اور زنجیریں ہونگی اور وہ کھینچے جائیں گے،

نام کی تخصیص کیساتھ قرآن پاک میں چار آسمانی کتابوں کا ذکر ہے، توراہ جسکو ایک جگہ صُحُفِ مُوسٰی بھی
کہا گیا ہے، (اے ۳) اور حضرت داؤد کی زبور اور حضرت عیسیٰ کی انجیل اور خود قرآن اُن کے علاوہ ایک موقع پر
صُحُفِ اِبْرٰہِیْمَ کا بھی تذکرہ ہے،

اِنَّ هٰذَا الْفِی الصُّحُفِ الْاُولٰی صُحُفِ اِبْرٰہِیْمَ
یہ باتیں گزشتہ صفحوں میں بھی ہیں، ابراہیم اور موسیٰ
وَمُوسٰی (اعطی - ۲) کے صفحوں میں،

ان کے ماسوا اجمال کے ساتھ دو موقعوں پر گزشتہ آسمانی کتابوں اور صفحوں کے الفاظ ہیں،

اَوَلَمْ تَكُنْ لَهُمْ بَيِّنَةٌ مَّا فِي الصُّحُفِ الْاُولٰٓئِیْ، کیا اگلے صحیفوں میں جو کچھ ہے، اس کی گواہی اذن کو

(طہ - ۸۰) نہیں پہنچی؟

وَ اِنَّهٗ لَفِي زُبُرِ الْاُولٰٓئِیْنَ، (شعراء - ۱۱) اور بے شک یہ پہلوں کی کتابوں میں مذکور ہے،

اس بنا پر انبیاء کی طرح ان کتابوں پر بھی اُسی طرح تفصیل اور اجمالی ایمان ہر مسلمان کا ہے، جن کتابوں کے نام مذکور ہیں ان پر ناموں کیساتھ اور جن کے نام مذکور نہیں ان پر بالاجمال ایمان ضروری ہے کسی قوم میں اگر کوئی ایسی آسمانی کتاب ہے جس کا وجود قرآن سے پہلے ہے، اور اس کا تصریحی نام قرآن میں مذکور نہیں، اور انہیں توحید الہی کی دعوت اور طاغوت سے بچنے کی نصیحت ہے، تو اگرچہ ہم اس کو تبصریح خدا کی کتاب قبول نہیں کر سکتے تاہم با تبصریح اس کو رد بھی نہیں کر سکتے، اسی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ اہل کتاب کی تصدیق کرو، اور نہ تکذیب، یہی حال دوسری شکوک کتابوں کا ہے،

یہود، تورات کے سوا کچھ نہیں مانتے، عیسائی تورات کے احکام کو نہیں مانتے لیکن اس کی اخلاقی نصیحتوں کو قبول کرتے ہیں، مگر انجیل سے پہلے کی دوسری زبانوں اور ملکوں کی آسمانی کتابوں کی نسبت مسلمانوں کی طرح ادب اور احتیاط کا پہلو بھی اختیار نہیں کرتے، پاری اوستا کے باہر خدا کے کلام ہونے کا شہ بھی نہیں کر سکتے اور برہمن یدوں کے باہر خدا کے فیضان کا تصور بھی نہیں کر سکتے لیکن قرآن پر ایمان لانے والا مجبور ہے کہ صحیفہ ابراہیم، تورات، زبور اور انجیل کو خدا کی کتابیں یقین کر لے اور پوری بشر کی آسمانی کتابوں کی جنہیں آسمانی تعلیمات کی خصوصیتیں پائی جاتی ہوں، تکذیب نہ کرے، اگر ان کا کتب الہی ہونا ممکن ہے، حقیقت میں اسلام کی تعلیم دنیا کے ہر مہتمم بارشمال تعلیمات میں سے ہے، جس کا وجود کسی دوسرے مذہب میں نہ تھا، یہ رواداری، بے تعصبی اور عام انسانی اخوت کی سب سے بڑی تعلیم ہے، یہودی اپنی کتاب کو چھوڑ کر تمام دوسری آسمانی کتابوں سے انکار کر کے بھی نہایت کا شطرہ رکھتا ہے، عیسائی تورات اور تمام دوسرے صحیفوں کا انکار کر کے بھی آسمانی بادشاہی کا متوقع ہو سکتا ہے، پاری اوستا کے سوا دوسری زبانوں کو باطل مانتے بھی مینو، چنٹ کا استحقاق پیدا کر سکتا ہے، ہندو اپنے ویدوں کے سوا دنیا کی ہر آسمانی کتاب کو جہل و فریب مانتے بھی آدا گون سے

ملکہ صوفی
کتاب التوحید
حدیث الافانک
تفسیر سورۃ بقرہ

نجات حاصل کر سکتا ہے، بودھ مت والے اپنے سوا تمام دنیا کی وحیوں کا انکار کر کے بھی نروان کا درجہ حاصل کر سکتے ہیں، مگر مسلمان جب تک قرآن کے ساتھ تمام دنیا کی آسمانی کتابوں کو منجانب اللہ تسلیم کریں جنت کے مستحق نہیں ہو سکتے یہ تعلیم صرف نظریہ کی حیثیت نہیں رکھتی، بلکہ عملاً اس پر اسلامی حکومت کے قوانین اور احکام مبنی ہیں، یہی لوگ کی نظر میں دنیا میں صرف دو ہی قومیں ہیں، بنی اسرائیل اور غیر بنی اسرائیل یا اسرائیل کا گھرانہ اور غیر قومیں یا ممتون اور غیر ممتون اور انھیں دونوں تقسیموں پر ان کے قانون کی بنیاد ہے عیسائیوں میں مذہبی حیثیت سے مسیحی اور یہود اور بت گوتین قومیں مانی جاتی ہیں، مگر چونکہ ان کے مذہب میں قانون نہیں اس لیے وہ اکثر امور میں رومن لاکے ماتحت رہے ہیں، لیکن رومن عیسائیوں میں بھی ملکی حیثیت سے دو ہی تقسیمیں ہیں، رومی اور غیر رومی، اور ایک رومی ملک میں غیر رومی کا کوئی حق نہیں، کہ رومی حکومت کے لیے اور غیر رومی غلامی کے لیے پیدا ہوا ہے، پارسیوں میں پاک شتران اوران، اور بیرونی لوگ دنیا کی دو ہی حیثیتیں ہیں، ہندوؤں میں، اونچی ذاتیں اور اچھوت اور پٹھ قوموں کی دو ہی صورتیں ہیں،

مگر اسلام کے اسی عقیدہ کی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قانون کی حیثیت سے دنیا کی قوموں کو چار حصوں میں تقسیم فرمایا، اور ان کے علاوہ علیحدہ حقوق قرار دیے، اور اسلام کی تیرہ صدیوں میں ان پر برابر عمل ہوتا رہا، یہ تقسیمیں حسب ذیل ہیں،

۱۔ مسلمان جو قرآن اور دوسری آسمانی کتابوں کو کتاب الہی یقین کرتے ہیں، ان میں سے ہر ایک کو کابھائی، اور ہر اچھائی اور برائی میں وہ ایک دوسرے کا شریک ہے، وہ آپس میں ایک دوسرے سے شادی بیاہ کر سکتے ہیں، اور ایک دوسرے کے ہاتھ سے ذبح کئے ہوئے جانور کھا سکتے ہیں، اور اسلام کی سلطنت میں ان کے حقوق یکساں ہیں،

۲۔ اہل کتاب، یعنی ان کتابوں کے پیروجنکے نام قرآن میں مذکور ہیں، یا یوں کہو کہ جو قرآن کو گو آسمانی کتاب نہیں مانتے، مگر ان کتابوں میں سے جنکا نام قرآن میں مذکور ہو کسی کو وہ آسمانی کتاب مانتے ہیں، وہ

اپنی حفاظت کا مالی گیس (جزیہ) ادا کر کے اسلامی حکومتوں میں رہ سکتے ہیں، ان کے معابد اور مذہبی عمارتیں محفوظ رہیں گی، ان کو اپنے مذہب کے بدلے پر مجبور نہیں کیا جائے گا، ان کی جان و مال اور عزت کے مسلمان محافظ رہیں گے، ان کی عورتوں سے مسلمان نکاح کر سکتے ہیں اور ان کے ہاتھ کا ذبح کیا ہوا جانور کھا سکتے ہیں، ان کا جائز کھانا ہم کھا سکتے ہیں، اور ہم اپنا کھانا ان کو کھلا سکتے ہیں،

۳۔ شبہ اہل الکتاب یعنی وہ لوگ جو قرآن اور تورات و انجیل زبور کو نہیں مانتے، مگر وہ خود اپنے لیے کسی آسمانی کتاب پر ایمان لانے کے مدعی ہیں جیسے صابی جو ایک آسمانی کتاب کے دعویٰ کے باوجود ستاروں کو پوجتے تھے، اور مجوس یعنی پارسی جو ایک آسمانی کتاب کا دعویٰ کرتے ہیں اور ساتھ ہی سورج اور آگ اور دیگر مظاہر قدرت کی پرستش کرتے ہیں ترکستان اور سندھ کے موقع پر علماء اسلام نے انہیں پرسیا کر کے ہندوؤں اور بودھوں وغیرہ کو بھی اسی صف میں داخل کیا، مسلمان ان کی عورتوں سے نکاح نہیں کر سکتے اور ان کا ذبیحہ نہیں کھا سکتے، ان دو باتوں کے علاوہ اہل کتاب کے یقینہ تمام حقوق، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو عطا کئے، وہ اسلامی حکومتوں میں اداۃ جزئیہ کے بعد ہر قسم کے ملکی حقوق میں شریک ہیں، ان کی جان و مال و آبرو اور ان کے بعد ان کی حفاظت اسلامی حکومتوں کا فرض ہے،

۴۔ کفار اور مشرکین، جن کے پاس کوئی آسمانی کتاب ہے اور نہ وہ کسی نبی الہی کی طرف منسوب ہیں، ان کو خدا شرائط کیساتھ امن یا جاسکتا ہے لیکن حقوق کے حصول کیلئے ان کو کہا جائیگا کہ وہ کسی کسی آسمانی دین کے اندر اپنے کو داخل کر لیں جیسا کہ ابتدائی عباسیوں کے زمانہ میں حرانی عراقیوں نے اپنے کو صابیوں میں داخل کر کے اپنے لیے حقوق حاصل کیے، تفصیل سے معلوم ہو سکتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس تعلیم نے دنیا میں امن و امان اور مسلمانوں میں مذہبی داری کے پیدا کرنے میں کتنا عظیم الشان حصہ لیا ہے، یہی وہ نظریہ تھا جس نے مسلمانوں کو ان کی اپنے مذہبی عقائد و شریعت کی سخت پیروی کے باوجود دنیا کی دوسری قوموں کیساتھ مشارکت اور میل جول کیلئے آمادہ کیا، اور مجوسیوں، صابیوں، یہودیوں، عیسائیوں اور ہندوؤں کیساتھ مل کر مختلف ملکوں میں ان ملکوں کے مناسب مختلف تمدنوں کی بنیاد رکھنے کی قوت پیدا کی،

وحدۃ الادیان | تمام رسولوں اور ان کے صحیفوں کی تصدیق کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ محمد رسول اللہ کی تعلیم یہ ہو کہ آدم سے لیکر محمد علیہا السلام تک جتنے سچے مذاہب خدا کی طرف سے آئے وہ سب ایک تھے، چنانچہ حقیقت اس کی تعلیم ہی تھی اسلئے
اوی ایک مذہب کا نام ہے جو آدم سے محمد علیہا السلام تک باری باری سے پیغمبروں کے ذریعہ آ رہا اور انسانوں کو
اس کی تعلیم دیجاتی رہی،

صحیفہ محمدی نے ہمارے سامنے دو لفظ پیش کئے ہیں 'ایک دین' اور دوسرا شریعت اور منک اور منہاج
شرعت اور منہاج کے معنی راستہ کے ہیں اور منک کے معنی طریق عبادت کے ہیں، دنیا میں یہ راز سب پہلے محمد رسول اللہ
صلعم کے قلب پاک پر منکشف ہوا کہ دین الہی ہمیشہ ایک تھا، ایک رہا اور ایک رہیگا، نوید معرفت ایک ہے، خواہ وہ کتنی
بی مختلف شکل و رنگ کی تبدیلات میں روشن ہو، اصل دین میں تمام پیغمبروں کی تعلیم یکساں تھی، ایک ہی دین تھا جس کو
لے کر اول سے آخر تک تمام انبیاء آتے رہے، اُسین زمان و مکان کے تغیر کو کوئی دخل نہیں اور نہ قوم و ملک کے اختلاف
سے اُسین کوئی اختلاف ہوا، وہ ہر زمانہ میں اور ہر مقام میں یکساں آیا، اور وہ ان کے پیغمبروں نے اُنکی یکساں تعلیم دی،
یہ دائمی حقیقت اور یکساں تعلیم کیا ہے؟ یہ مذہب کے اصل اصول ہیں یعنی خدا کی ہستی اور اس کی توحید، اُس کے
صفات کاملہ انبیاء اور مرسلین کی بعثت، خدا کی خالص عبادت، حقوق انسانی اور اخلاق اچھے اور برے اعمال
کی باز پرس اور جزا و سزا، یہ تمام مذاہب کے وہ بنیادی امور ہیں، جن پر کلہ مذاہب حقہ کا اتفاق ہے، اگر ان میں کسی جہت سے
کوئی اختلاف ہو تو یا تو طریقہ تعبیر کی غلطی ہے، یا باہر سے آکر اُس تعلیم میں کوئی نقص پیدا ہو گیا ہو،

دوسری چیز جسکو آنحضرت صلعم کی زبان وحی ترجمان نے شریعت، منہاج اور منک کہا ہے، وہ جزئیات احکام
اور متفقہ حصول مقصد کے جدا جدا راستے ہیں، جو ہر قوم و مذہب کی زمانی و مکانی خصوصیات کے سبب سے بدلتے رہے
ہیں، مثلاً عبادت الہی ہر مذہب کا جزو لازم ہے، لیکن طریق عبادت میں تھوڑا تھوڑا اختلاف ہر مذہب میں موجود ہے
عبادت کی کوئی خاص سمت ہر مذہب میں ہے، مگر وہ سمت ہر مذہب نے اپنی اپنی مصلحت سے الگ مقرر کی ہے،
اسی طرح اعمال فاسدہ کا انسداد ہر مذہب کا متفقہ نصب العین ہے، مگر اس انسداد کے راستے اور طریقے جدا جدا ہیں، غرض

یہ راستے اور طریقے مختلف پیغمبرین کے زمانوں میں اگر اصلاح اور تبدیل کے قابل پائے گئے، تو بدلتے رہے، مگر اصل دین جو ازلی و کمالی اور ابدی صداقت ہے، ناقابل تبدیل اور ناقابل تغیر رہا ہے،

انبیاء علیہم السلام کا دنیا میں وقتاً فوقتاً طور اسی ضرورت سے ہوتا رہا کہ وہ اسی ازلی و ابدی صداقت کو ہمیشہ اہل دنیا کے سامنے پیش کرتے رہیں، اور دین کو اپنے اصل مرکز پر ہمیشہ قائم رکھیں، اور ساتھ ہی اپنے قوم و ملک اور زمانہ کے مطابق خاص احکام اور جزئیات جو ان کے لیے مناسب حال ہوں وہ ان کو بتائیں اور سکھائیں،

انبیاء کے سوانح پر نظر کرنے سے اسکی پوری تصدیق ہوتی ہے کہ ایک صاحب شریعت نبی کے بعد دوسرا صاحب شریعت نبی اُسی وقت مبعوث ہوا ہے جب اسکا صحیفہ وحی جو اُس کے دین و شریعت کا محاذ ہوتا ہے، کھو گیا ہے، یا اسکا ہاتھوں کے دست برد سے ایسا بدل گیا ہے کہ اصلیت متنبہ ہو گئی ہے، صحیفہ ابراہیم کے گم ہو جانے کے بعد جب کائنات کا خلاصہ تورات کے ہر نکتہ میں ہے، صحیفہ موسیٰ نازل ہوا، صحیفہ موسیٰ کے اختلافات کو دور کرنے کے لیے زبور وغیرہ مختلف صحیفے آتے رہے، پھر اسکی تکمیل کے لیے انجیل آئی، اور انجیل میں انسانی تصرفات کے راہ پانے کے بعد قرآن آیا، اور چونکہ وہ دنیا کے آخر تک کے لیے آیا، اس لیے ہر تحریف اور انسانی تصرف سے اسکی حفاظت کی گئی، اور قیامت تک کی جائیگی، اسی لیے اُس کے بعد کسی اور صحیفہ کی ضرورت نہیں، اور نہ کسی پیغمبر کی بعثت کی حاجت، البتہ اُس کے معانی کی صحیح تشریح اور بدعات و احداثات کے انہاد کے لیے ائمہ خلفاء، مجددین، مجددین اور علمائے راغبین پیدا ہوتے رہے ہیں اور ہوتے رہیں گے، اور انکی اصلاح کی صداقت کی پہچان سنت محمدی کا احیاء اور بدعات کا قلع دقع ہے،

اب ہم کو پھر اوپر سے چلنا ہے، اور اپنے ایک ایک دعویٰ کو وحی محمدی کی روشنی میں دیکھنا ہے۔
”وحدت دین“ کی حقیقت کو وحی اسلامی کے آخری ترجمان نے ان الفاظ میں ادا کیا ہے:-

شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ مَا وَصَّى بِهِ نُوحًا وَالَّذِي	”دین میں تمہارے لئے وہی راہ ڈالی جو اُس نے نوح کو کی تھی“
اَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَحَّيْنَا بِهِمْ إِلَّا هَيْمًا	اور جو ہم نے تم کو بھیجا تم کو، اور جو کہدیا ہم نے ابراہیم کو، اور موسیٰ
مُوسَىٰ وَعِيسَىٰ أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا	کو اور عیسیٰ کو یہ کہ ”دین کو قائم رکھو اور اُس میں تفرق نہ ڈالو“

فِيهِ دَلِيلٌ عَلَى الْمَشْرِكِينَ، مَا تَدْعُوهُمْ إِلَيْهِ
 اللَّهُ يَجْتَبِي إِلَيْهِ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي إِلَيْهِ مَنْ
 يُنِيبُ، وَمَا تَقْرَأُ الْقُرْآنَ إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمْ
 الْعِلْمُ بِنُبِيِّهِمْ وَلَوْ كَلَّمَهُ سَبَقَتْ مِنْ
 رَبِّكَ إِلَى أَجَلٍ مُسَمًّى تَقْضَى بَيْنَهُمْ وَإِنَّ
 الَّذِينَ أُورِثُوا الْكُتُبَ مِنْ بَعْدِهِمْ لَفِي شَكٍّ مِمَّا
 مَرِيبٍ، فَلَنْ يَكْفُرُوا إِلَّا بِمَا امْرَأَتْ
 وَلَا تَشِيعَ أَهْوَاءُهُمْ رَقُلَ إِنْ أَنْتَ بِمَسَاءٍ
 أَنْزَلَ اللَّهُ مِنْ كُتُبٍ رَاسِمَاتٍ لَا يُغْنِي عَنْكَ
 اللَّهُ رِبًّا وَرَبًّا لَكُمْ لَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ
 لَا تَحْجُجُ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اللَّهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا
 إِلَيْهِ الْمَصِيرُ

(شوری ۱-۲)

مشرکوں کو جہد کرو بلاتے ہو وہ ان پر گراں گذرتا ہی، خدا اپنی نظر
 جسکو چاہتا ہی چن لیتا ہی اور اپنی طرف اسکو راہ دیتا ہی جو راہی
 طرف رجوع ہوتا ہی، اور یہ تفرقے انھوں نے وحی کے علم حقیقی
 ملنے کے بعد آپس کی ضد اور تعصب سے پیدا کئے، اور اگر تیرے
 رب کی طرف سے ایک بات وقت مقررہ تک کے لیے نہ ہو چکی
 ہوتی، تو کشفِ حقیقت کر کے ان کے اختلافات کا فیصلہ
 کر دیا جاتا، اور جبکہ ان اگلوں کے بعد کتاب وراثت میں ملی
 وہ اس امر حق کی طرف سے ایسے شک میں ہیں جو ان کو چین
 نہیں پہنچتا، ہو تو سب کو اسی حقیقت کی طرف بلا، اور اسی پر
 استواری سے قائم رہ، اور ان تفرقہ اندازوں کی غلط فہمونیوں
 کی پیروی نہ کرو، اور کہہ کہ میں ایمان لایا ہر اس کتاب پر جو خدا نے
 اتاری، اور مجھے حکم ملا ہو کہ میں تمھارے بیچ میں انصاف کروں
 ہمارا رب اور تمھارا رب ہی ایک اللہ ہی، ہر کام کا بدلہ لے گا، تو

ان آیات مبارکہ میں کس خوبی کے ساتھ اس حقیقت کے چہرہ سے پردہ اٹھایا گیا ہے، اور بتایا گیا ہے کہ وہی
 ایک دین ہے جو نوح کو، ابراہیم کو، موسیٰ کو اور عیسیٰ کو اور تم کو اسے محمد (صلوات اللہ علیہم) عطا کیا گیا ہے، اگلوں کے
 بعد پھلوں نے جسکو یہ کتاب ملی، اپنے ذہنی تحریفات اور دینی تفرقات سے اس میں تفرقے پیدا کئے، اور آپس کی ضد اور
 تعصبات سے الگ الگ فرقہ داری کی راہیں نکالیں، پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اس وحدتِ دین کی حقیقت کا یقین
 اہل کتاب کو نہیں، حالانکہ وہ شکوک و شبہات کے دلدل میں پھنسے ہیں، پھر حکم ہوتا ہے کہ اسے محمد رسول اللہ، تو اس
 حقیقت کی طرف لوگوں کو بلا، اور استواری کے ساتھ اپنی اس دعوت اور دعویٰ پر قائم رہ، اور یہ اعلان کرو کہ میرا مسلک

یہ ہے کہ خدا کی طرف سے جو کتاب بھی دنیا میں آئی ہو، اسکی صداقت کو تسلیم کرتا ہوں اور تم اسے اہل کتاب جو مختلف فرقوں اور مذہبوں میں بٹے ہو، ان کیساتھ انصاف کرو، یعنی جہین جو سچائی ہے اسکو قبول کرو، یا معاملات میں ان کے ساتھ عدل انصاف کرو، پھر فرمایا ہمارا اور تمہارا خدا ایک ہی ہے، دو نہیں ہے، اگر اتحاد چاہو تو اس نقطہ پر ہم تم متحد ہو سکتے ہیں البتہ ہمارے اور تمہارے راستوں میں جو اختلاف ہے اس کے ذمہ دار ہم اور تم خود ہیں، ہمارے کام کے تم جو ابدہ نہیں، اور تمہارے کام کے ہم نہیں، اب ہمارے تمہارے درمیان کوئی یہان جھگڑا نہیں،

اسی وحدت کی دعوت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان وحی نے ایک اور آیت میں دی،

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ
أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَ
لَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ
فَإِنْ تَوَلَّوْا نَفْسُكُمُ اللَّهُ يَدْرَأْكُمْ مِنَ الْمَسْلُومِينَ
اسے کتاب والو! آؤ! ہم تم ایک بات پر جو ہمارے تمہارے
درمیان یکساں ہے متفق ہو جائیں، وہ یہ کہ ہم اللہ کے سوا
کسی کی پرستش نہ کریں، ورنہ کسی کو اسکا شریک بنائیں، اور نہ
اپسین ایک ایک کو خدا کو چھوڑ کر رب بنائیں، اگر وہ اسکو قبول نہ
کریں تو کہہ دے کہ تم گواہ ہو کہ ہم حکم الہی کے تابع مسلم ہیں،
(ال عمران - ۷۰)

یہود و نصاریٰ جنہوں نے اپنی فرقہ داریوں سے اصل دین میں تفریق پیدا کر دی تھیں ان کی طرف اشارہ

کر کے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا گیا،

إِنَّ الَّذِينَ قَدْ تَوَلَّوْا دِينَهُمْ وَمَا كَانُوا مُتَّبِعِينَ
مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ إِنَّمَا أَمْرُهُمْ إِلَى اللَّهِ ثُمَّ
يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ (انعام - ۲۰)
بیشک وہ جنہوں نے اپنے دین میں الگ الگ راہیں نکالیں
اور کسی فرقے ہو گئے، نبھکوں ان سے کوئی کام نہیں، انکا کام اللہ
کو الہ ہی، وہی انکو جواب دینا جیسا کچھ وہ کرتے تھے،

پھر وہ دونوں کو اس کے بعد ہی اصل دین "دینِ قیم" جو ابراہیم کا تھا، اسکی دعوت دی گئی،

قُلْ إِنِّي هَدَىٰ رَبِّي إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ، دُنْيَا
رَبِّكَ أَمْلَتْ اِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ (انعام - ۲۱)
اُمید ہے کہ مجھے سیدھا راستا ہی سیدھی راہ کی طرف رہنمائی کی جو دینِ صحیح
ہے، ابراہیم کی ملت، اور وہ ابراہیم، مشرکوں میں سے نہ تھا

غرض اسلام وہ دین قیم ہے جو ہمیشہ سے انبیاء کا دین رہا، اور موجودہ دین اسلام یہود و نصاریٰ کی تحریفیات اور
تصرفات اور فرقہ پروریوں کو مٹا کر اسی ایک متحدہ دین کی پکار ہے، جسکی طرف انبیاء اپنے اپنے زمانوں میں ہمیشہ لوگوں کو
پکارتے رہے، اسی لیے اکثر انبیاء علیہم السلام کے ناموں کو گنانے کے بعد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ہدایت فرمائی گئی،

أُولَئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهِدَاهُمْ أَتَقْتِدُونَ ۚ

یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی، سو تو انہیں

کی راہ چل،

(انعام - ۱۰)

بعض اسلامی حدود و شرائع کی تشریح کے بعد فرمایا گیا،

يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّيسَاسَ وَيَهْدِيَكُمْ سَبِيلَ

خدا چاہتا ہے کہ تمہارے واسطے بیان کرے اور تم کو ان کے

راستے دکھائے جو تم سے آگے تھے،

الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ (نساء - ۵)

اس سے معلوم ہوا کہ اسلام اپنے حدود و شرائع میں بھی اگلے پیغمبروں کی تعلیمات کیساتھ اتھا ور کھتا ہے، اور یہ

امردا قہ ہے، جو لوگ قرآن کا اسیلے انکار کرتے تھے کہ یہ کوئی الگ صحیفہ ہے، ان سے یہ کہا گیا،

إِنَّ هَذَا نَفْسُ الصُّحُفِ الْأُولَى، صُحُفِ إِبْرَاهِيمَ

بے شبہ یہ بات، اگلے صحیفوں میں تھی، یعنی ابراہیم اور

موسیٰ کے صحیفوں میں،

وَمُوسَى، (اعلیٰ - ۱)

ایک اور آیت میں کہا گیا،

وَرَأَتْهُ تَفِي زُجُرِ الْأَوَّلِينَ (شعرا - ۱۱)

اور یہی پہلے پیغمبروں کی کتابوں میں تھا،

ایک مقام پر یہ فرمایا گیا،

سَأَيُقَالُ لَكَ إِلَّا مَا قَدْ قِيلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ

(اے محمد) تجھ سے (اس کتاب میں) وہی کہا گیا ہے جو

تجھ سے پہلے پیغمبروں سے کہا گیا،

(حجۃ السجد - ۵)

اس اعلان میں یہ ظاہر کر دیا گیا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہی کہا گیا جو اگلے پیغمبروں سے کہا جا چکا تھا، ان معنوں

میں قرآن کوئی نئی دعوت یا کفر نہیں آیا، بلکہ اسی پرانی دعوت کی یہ تکرار ہے، جس کی آواز دنیا سے گم ہو چکی تھی یا بگٹی تھی

اگر تیرا ہے تو اجمال تفصیل یا نقص تکمیل کا کہ اسلام گزشتہ اجمال کی تفصیل اور دین سابق کی تکمیل ہی

اس لیے اسلام یہ ہے کہ اس پر یقین کیا جائے کہ وحی کے آغاز سے آخر تک ایک ہی پیغام تھا جو آتا رہا، اور ایک ہی دین تھا جو سکھایا جاتا رہا، اور ایک ہی حقیقت تھی جو دہرائی جاتی رہی، لیکن وہ بار بار انسانوں کے نسیان و تغافل اور لغزش و تحریف سے بدلتی اور گم ہوتی رہی، اور آخری دفعہ دنیا کے کمالِ بدوغ کے زمانہ میں وہ پوری حفاظت کے وعدہ کے ساتھ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ مفصل اور کامل ہو کر نازل ہوئی، اور وہ قیامت تک محفوظ باقی رہی،

دوسری چیز جس کی مذہب بین ثانوی حیثیت ہے اور جو اصل مقصد نہیں، ذریعہ ہے، وہ بدلتی رہتی ہے، اور محمدی تک بدلتی رہی ہے، اس کا نام شریعت، مہراج، اور فسک ہے، یہودیوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض تھا کہ وہ یہودی شریعت کے جزئیات میں کیوں تبدیلی کرتے ہیں، قرآن نے اس کے جواب میں یہی ہمیشہ کہا کہ یہ مقصد نہیں فی الواقع اصول نہیں فروع ہیں، ہر قوم کی مناسبت سے ائمہین تغیر ہوتا رہا ہے، اور ہوتا رہے گا، اسکی ایک مثال قبلہ ہے کہ مقصود اصلی نماز ہے اور سمت کا تعین یا فنیعی اور ثانوی چیز ہے، حضرت اود کی اولاد بنی اسرائیل کو اپنی آبائی مسجد (بیت المقدس) سے گرویدگی تھی، وہ انکا قبلہ ہوئی ابھی عربوں کو اپنی مرکزی مسجد (کعبہ) سے وہی دلچسپی اور لگاؤ تھا، اس لیے یہ انکا قبلہ بنی، چنانچہ قرآن نے تعین قبلہ کے موقع پر کہا:-

وَكُلٌّ وَجْهَهُمْ لِمَوَٰلِیْہِمْ فَاسْتَبَقُوا الصَّخْرَاتِ ۚ
اور ہر ایک کے لیے ایک سمت ہے جدھر وہ منہ کرتا ہے، تو منہ کرے

(بقراہ ۱۸-۱۷) کی طرف ہمت کر دو،

یعنی سمتوں اور جہتوں کی تعین کو اہمیت کی چیز نہ سمجھو، بلکہ نیکیوں کو اصلی اہمیت دو، اسی لیے فرمایا:-

لَیْسَ الْبِرُّ اَنْ تَوَلُّوْا وُجُوْہَکُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ
بنی یہی نہیں ہے کہ تم پورے سب یا پچھم کی طرف رخ کرو، بلکہ نیکی

وَالْمَغْرِبِ وَلَٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ الْاَلِیِّ الْیَوْمِ الْآخِرِ
ہے کہ جو ایمان لائے (اور دوسرے نیکی کام کرے)

اسی طرح خانہ کعبہ کا حج یہودیوں میں نہ تھا، اسلام نے جب اسکو رائج کیا تو کہا ہر مذہب نے اپنے لیے عام مذہبی

اجتماع اور قومی عبادت کے لیے کوئی نہ کوئی طریقہ مقرر کیا ہے، اسلام نے خانہ کعبہ کے حج کو اس کے لیے متعین کیا،

لِکُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَکًا ۚ هُمْ نَاسِکُوْہُ فَبَلَّآ
ہر قوم کے لیے ہم نے عبادت کا ایک طریقہ بنایا کہ اس قوم

يَا زَعْنَتِ فِي الْأَمْرِ وَاذْعِ إِلَىٰ رَبِّكَ مَا أَنَاكَ
لَعَلَّ هُدًى مُّسْتَقِيمٌ وَإِنْ جَادَلُوكَ فَقُلِ اللَّهُ
أَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُونَ (رج-۹)

کے لوگ اُس طرح بندگی ادا کرتے ہیں، سو اس بات میں دیکھو
جھگڑانہ کریں، تو اپنے رب کی طرف بلائے جا، تو بیشک سوچو گی
سیدھی راہ پر ہی اور اگر وہ مجھ سے جھگڑنے لگیں تو کہہ دے کہ اللہ
جانتا ہے جو تم کرتے ہو،

سورہ مائدہ میں عدل و انصاف اور قانونی جزا و سزا کے طریقوں کے ضمن میں اُن یہودیوں اور عیسائیوں کو جنہوں نے
اسلام قبول نہیں کیا، یہی کہا کہ وہ اپنی اپنی کتابوں ہی کے احکام پر عمل کریں، جنکو وہ چھوڑ بیٹھے ہیں،

پہلے یہودیوں کو کہا،

إِنَّا أَنْزَلْنَا التَّوْرَةَ فِيهَا هُدًى وَنُورٌ يَحْكُمُ
بِهَا النَّبِيُّونَ الَّذِينَ أَسْلَمُوا لِلَّذِينَ هَادُوا
وَالرَّبَّابِيُّونَ وَالْأَحْبَابُ اسْتَفِظُوا مِنْ كِتَابِ اللَّهِ وَكَانُوا
عَلَيْهِ شُهَدَاءَ (مائدہ-۵)

ہم نے تورات اتاری، اس میں ہدایت اور روشنی تھی، پیغمبروں کو ملے
تھے وہ یہود کا فیصلہ کرتے اور اُن کے عالم اور فقہاء کے لڑکی
کتاب پر وہ نگہبان تھے، اور وہ تھے اوس پر
خبردار،

عیسائی شریعت کی نسبت کہا،

وَقَفَّيْنَا عَلَىٰ آثَارِهِم بِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا
لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرَةِ وَآتَيْنَاهُ الْإِنْجِيلَ
فِيهِ هُدًى وَنُورٌ وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ
مِنَ التَّوْرَةِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ، وَ
يُحْكَمُ أَهْلَ الْإِنْجِيلِ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فِيهِ
(مائدہ-۷)

اور ہم نے ان پیغمبروں کے پیچھے مریم کے بیٹے عیسیٰ کو بھیجا پچ
بتاتا ہوا اوسکو جو اُس کے پہلے تھا یعنی تورات، اور ہم نے اسکو
انجیل دی، اس میں ہدایت اور روشنی اور تصدیق کرتی ہوئی آیتیں
سے پہلے کی یعنی تورات کی، اور ہدایت اور نصیحت پر ہرگز گارو
کے لیے اور چاہیے کہ انجیل اسے اوس کا حکم دین جو
اُس میں اترا،

اس کے بعد آنحضرت صلیم کو خطاب ہے،

وَإِنْزِلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتَابِ وَمُهَيِّمًا عَلَيْهِ فَاحْكُم بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ عَمَّا جَاءَكَ مِنَ الْحَقِّ (مائدہ - ۷)

اور ہم نے تیری طرف یہ کتاب سچائی کیساتھ اتاری، جو اپنے پہلے کی کتاب کی تصدیق کرتی ہو، اور امانت کیساتھ اس پر شامل ہو، سو تو ان کے درمیان اُسکے مطابق فیصلہ کر جو خدا نے اتارا اور تیرے پاس جو سچائی آئی ہے اُسکو چھوڑ کر انکی خواہشوں کی پیروی نہ کر

دیکھو کہ کس خوبی کے ساتھ صحیفہ محمدی نے اگلی کتابوں کی تصدیق اور مدح و تعریف کی، اور ان اہل مذاہب کو جو اسلام پر ایمان نہیں لائے اپنی اپنی کتب منزلہ پر عمل کرنے کی دعوت دی، اور پھر یہ دعویٰ کیا کہ قرآن تمام گذشتہ کتابوں پر امین و محافظ بنکر آیا ہے، اور اس میں ان سب کتابوں کی سچائیاں یکجا ہیں، لیکن ان لوگوں نے اپنی اپنی کتابوں کو چھوڑ کر اہواء (غلط خواہشوں) کی پیروی شروع کر دی، یہ اہواء کیا ہیں، کتاب الہی میں تحریف و تصرف کر کے آسانیاں پیدا کرنا اور احکام الہی کے مقابلہ میں انسانی اجتہادات کی آمیزش (فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ يَكْتُمُونَ الْكِتَابَ يَأْيُدُ فِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَذَا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ) "افسوس ہے ان پر جو اپنے ہاتھوں سے کتاب بناتے ہیں، پھر کہتے ہیں کہ یہ خدا کی طرف سے ہے" (بقرہ - ۹)، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوتا ہے کہ اپنی شریعت الہی کو چھوڑ کر ان اہل کتاب کی اہواء کی پیروی نہ کر، اس کے بعد حد و دھجڑا و منراہین (ان خفیف اختلافات اور تبدیلی کو جو تورات، انجیل اور قرآن میں ہے، غیر اہم بتایا گیا، فرمایا،

كُلٌّ جَعَلْنَا بَيْنَكُمْ شُرْعَةً وَفِتْنًا جَاسًا ط

ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لیے ایک دستور اور

(مائدہ - ۷) ایک راستہ بنا دیا،

انہیں اختلافات کی بنا پر یہود اور نصاریٰ دونوں ایک دوسرے کو برسرِ باطل کہتے تھے،

وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتِ النَّصَارَىٰ عَلَىٰ شَيْءٍ وَ

اور یہود نے کہا نصاریٰ کچھ راہ پر نہیں، اور نصاریٰ نے

قَالَتِ النَّصَارَىٰ لَيْسَتِ الْيَهُودُ عَلَىٰ شَيْءٍ وَ

کہا یہود کچھ حق پر نہیں، حالانکہ وہ دونوں خدا کی کتاب

هُم مِمَّنْ يَسْتَلُونَ الْكِتَابَ، (بقرہ - ۱۲۷) پڑھتے ہیں،

دونوں مل کر مسلمانوں سے کہتے تھے۔

وَقَالُوا كُونُوا هُودًا أَوْ نَصَارَى تَهْتَدُوا (بقرة - ۱۳۰)

اور انھوں نے کہا کہ یہودی یا نصرانی بن جاؤ تو ہدایت پاؤ،

ارشاد ہوا کہ تم دونوں اپنے الگ الگ راستوں کو چھوڑ کر آؤ، اصل دین ابراہیمی پر متفق ہو جاؤ،

قُلْ بَلْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ
فَوَلِّوْا أَمْرًا بِاللَّهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْنَا وَمَا أُنْزِلَ
إِلَى إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ
وَلَا سُبُطًا وَمَا أُوتِيَ مُوسَى وَعِيسَى وَمَا أُوتِيَ
النَّبِيُّونَ مِنْ رَبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ
مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ، فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ
مَا آمَنْتُمْ بِهِ فَقَدْ اهْتَدَوْا وَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا
هُمْ فِي شِقَاقٍ (بقرة - ۱۳۰)

کہ بلکہ ابراہیم کے دین کی پیروی کرو جو موحد تھا، مشرک نہ تھا
اور کہو کہ ہم خدا پر اور جو کچھ ہماری طرف اترا اور جو ابراہیم اور
اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور اسکی اولاد پر اتارا گیا، اور
جو موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا گیا اور جو سب نبیوں کو ان کے خدا کی
طرف سے دیا گیا، سب پر ایمان لائے، ہم ان رسولوں میں سے
نہیں کرتے، اور ہم اس ایک خدا کے تابع ہیں، تو اگر یہ بھی
طرح ایمان لائیں جس طرح تم ایمان لائے تو انھوں نے ہدایت
پائی، اور اگر روگردانی کی تو وہی ہیں خدا اور مخالفت پر

یہود اور نصاریٰ کو یہ وعظی تھا،

لَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَن كَانَ هُودًا أَوْ نَصَارَى (آل عمران - ۸۵)

جواب دیا گیا،

تِلْكَ أَمَّا نِيَّتُهُمْ (بقرة - ۱۳۰)

یہ ان کی باطل آرزوئیں ہیں،

بلکہ

بَلَىٰ مَن أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهُ أَجْرٌ عِندَ رَبِّهِ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ (آل عمران - ۱۳۰)

ہاں جس نے بھی اپنے کو خدا کا مطیع بنایا، اور وہ نیکو کار رہا
تو اسکی مزدوری اُس کے خدا کے پاس ہے، نہ ان کو خوف
ہوگا اور نہ غم

تمام اہل مذاہب کو یکساں خطاب کر کے فرمایا،
 اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَادُوْا وَالنَّصَارَیْ
 بَیْنَکُمْ جَوَیْمَانٌ لَّاۤیْسَ (یعنی مسلمان) اور جو یہودی ہوئے
 اور نصاریٰ اور صابئی جو بھی خدا پر اور آخری دن پر ایمان لایا
 اور نیک عمل کیا، تو ان کی مزدوری ان کے پروردگار کے پاس
 وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ، (یعنی) ہے، نہ ان پر خوف ہوگا، نہ وہ غمگین ہوں گے،

اب جو ایمان لائے یعنی مسلمان اور جو یہودی بنے اور نصاریٰ اور صابئین ان میں سے جو بھی اپنے اپنے دین پر
 نبوت میں خدا کی توحید پر روز آخر کی صداقت پر ایمان لایا، اور اچھے عمل کیے ان کو اپنے کام کا پورا پورا ثواب ملیگا، یعنی
 بھی اپنے اپنے پیغمبر کی پہلی تعلیم اور سچی شریعت کے مطابق جو شرک و کفر و بت پرستی سے یقیناً پاک تھی، عمل کیا، اس کو
 اس کا ثواب ملیگا، خدا کی توحید اور روز آخر کی صداقت پر ایمان لانا، اور اچھے کام کرنا صرف عقل کی ہدایت سے نہیں ہو سکتا
 بلکہ کسی رسول کی تعلیم ہی سے ہو سکتا ہے، جیسا کہ تمام اہل مذاہب کا متفقہ مسئلہ ہے، اس لئے رسالت کی تصدیق بھی اس کا
 ضمن میں داخل ہے کہ

اِنَّ الَّذِیْنَ یُکْفِرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهِ وَیُرِیْدُوْنَ
 بَیْکَ جَوَیْمَانٌ اور اس کے رسولوں کا انکار کرتے ہیں اور چاہتے
 اَنْ یُّفَرِّقُوْا بَیْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهِ وَیَقُوْلُوْنَ
 ہین کہ اللہ اور اس کے رسولوں میں جدائی کریں، اور کہتے
 نُوْمِنُ بِبَعْضٍ وَنُکْفِرُ بِبَعْضٍ وَیُرِیْدُوْنَ
 ہین کہ ہم کسی کو مانتے ہیں اور کسی کو نہیں مانتے اور چاہتے
 اَنْ یَّتَّخِذُوْا لِذٰلِكَ سَبِيْلًاۤ اُولٰٓئِکَ هُمُ
 ہین کہ وہ ایمان و ایمان کا راستہ اختیار کریں، جو حقیقی
 الْکٰفِرُوْنَ حَقًّا وَاَعْتَدْنَا لِّلْکٰفِرِیْنَ عَذَابًا
 کافروں میں، اور ہم نے کافروں کیلئے ہمارے کربخسہ کو تیار کیا ہے
 مُّہِیْنًا، وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهِ وَلَمْ
 تیار کیا ہے اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے
 یُفَرِّقُوْا بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ، اُولٰٓئِکَ سَوَّوْنَا
 اور ان میں سے کسی کا بھی انکار نہیں کیا، یہ وہ ہیں جن کو
 یُؤْتِیْهِمْ اُجْرًاۤ هُمْ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا
 انکی مزدوریان خدا دیگا، اور خدا بخشنے والا رحیم ہے،

دوسری آیت میں ہے،

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ

لائے،

(نور- ۹)

اسی بنا پر ان آیتوں سے دو باتیں معلوم ہوئیں ایک یہ کہ قبولِ عمل کے لیے ایمان مشروط ہے اور دوسرے یہ کہ ایمان عمل کے علم کے لیے نبی کی تصدیق ضروری ہے اسی لیے اوپر جن چار فرقوں کا ذکر کیا، وہ چاروں وہ ہیں جو کسی نہ کسی پیغمبر کے ماننے والے ہیں اس بنا پر کامل اسلام یہ ہے کہ تمام رسولوں کو صادق مانا جائے، چنانچہ اوس کی تفصیل

سورۃ مائدہ میں ہے،

ثُمَّ يَأْهَلُ الْكِتَابَ ثُمَّ عَلَى شَيْءٍ حَتَّى يُتِمُّوا تِلْكَ
وَلَا يَجْنِلُوا وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ مِنْ شَرِّ كُذِّبُوا
لَيَزِيدَنَّ كَثِيرًا مِّنْهُمْ مَّا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ
رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَكُفْرًا فَلَا تَأْسَ عَلَى الْقَوَّامِ
الْكَاذِبِينَ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا
وَالصَّابِقُونَ وَالنَّصَارَى مِنْ أَمِنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ
الْآخِرِ وَعَسَلِ صَالِحًا فَلَا خَفَافٌ عَلَيْهِمْ وَلَا
هُمْ يَخْزَوْنَ، (مائدا- ۱۰)

اس کے بعد ہی اس کا ذکر ہے کہ یہودیوں نے ہمیشہ رسولوں کا انکار کیا ہے، اور نصاریٰ تو حید کو چھوڑ کر تثلیث

اور الوہیتِ مسیح میں مبتلا ہو گئے، اس لیے اصل اسلام سے یہ دونوں ہٹ گئے ہیں فرمایا،

لَقَدْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَءِيلَ وَآرَاسْنَا
إِلَيْهِمْ رُسُلَنَا كَلَّمَا جَاءَهُمْ رَسُولٌ بِمَا

بیشک ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا، اور ان کی طرف کئی
رسول بھیجے جب کبھی ان کے پاس کوئی رسول ان کی

كَاهِنِيْۤ اَنْفُسَهُمْ فَمَا يَكْتُلُوْۤا اَوْ قَرِيْبًا يَّقْتُلُوْنَ
 وَحَسِبُوْۤا اَلَا تَاْكُلُنَ فَرْثَهُۥ فَعَمِلُوْۤا
 وَصَحْوًا۟ اَلَمْ تَرَۤ اَنَّ اللّٰهَ عَلِيْهِمْ لَمَّۤ اَعْمٰوُۤا وَهُمْ لَا
 كِتٰرَۤ اَنْفُسِهِمْ وَاَللّٰهُ بِصِيْرٍۭ تِمَّۤا يَعْمَلُوْنَ
 لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ
 ابْنُ مَرْيَمَ وَاَقَالَ الْمَسِيْحُ يَبْنٰى اِسْرَۥۤاۤءِيْلَ
 اَعْبُدُوْۤا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ اِنَّهٗ مِنْ شُرَڪِّ
 بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَا لَهُ
 النَّارُ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ لَقَدْ
 كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ ثَلَاثَةٌ وَّ
 مَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَاِنْ لَّمْ يَسْتَهْۤيُ
 عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا مِنْهُمْ
 عَذَابٌ اَلِيْمٌ (مائدا - ۱۰)

نفسانی خواہشوں کے خلاف احکام لیکر آیا، تو کتوں کو چھٹا
 اور کتوں کا خون کرنے لگے، اور خیال کیا کہ اس سے کچھ فائدہ
 نہ ہوگی، سو اندھے ہو گئے اور بہرے، پھر خدا ان پر جوع
 ہوا، پھر ان میں بہتر سے اندھے اور بہرے ہوئے اور اللہ
 دیکھتا ہر جو وہ کرتے ہیں بے شہمہ وہ کافر ہوئے جنہوں نے
 یہ کہا کہ مریم کا بیٹا مسیح ہی اللہ ہے، مسیح نے تو یہ کہا تھا کہ
 اسے بنی اسرائیل اللہ کو پوجو میرا اور تمہارا رب ہے
 بیشک جو اللہ کا شریک بنائے گا تو اللہ نے اس پر جنت
 حرام کر دی، اور اسکا ٹھکانا دوزخ ہے، اور گنہگاروں
 کی کوئی مدد کرنے والا نہیں، بے شہمہ وہ کافر ہوئے جنہوں نے
 یہ کہا کہ اللہ تین میں سے ہے، حالانکہ کوئی اللہ نہیں کہ
 وہی ایک، اگر وہ اپنے اس قول سے باز نہ آئے، تو کافروں
 کو یقیناً دردناک عذاب چھوئیگا،

یہ تو ان یہود و نصاریٰ کے ایمان کا حال تھا اس کے بعد اسی رکوع میں ان کے حسن عمل کا جائزہ لیا گیا ہے
 اور اسی کے بعد ہی ان سے کہا گیا ہے،

وَلَوْ كَانُوا يُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِيِّ وَاٰنْزِلَ
 اِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوْۤا وَّهُمْ اَوْلِيَاءُ وَلٰكِنْ كَثِيْرًا
 مِنْهُمْ فَاسِقُوْنَ (مائدا - ۱۱)

اور اگر اللہ اور اس نبی پر اور جو اس نبی پر اترا اس پر
 ایمان لے آتے، تو ان مشرکوں کو وہ اپنا دوست نہ بناتے
 لیکن ان میں اکثر فاسقان ہیں،

اسلام بنی تمام نبیوں اور رسولوں کے واحد مشترکہ دین کا اصل لا حول و باقین ہیں تو حیدر کمال اور رب

عمومی، یعنی اللہ تعالیٰ کو توحید کی تمام صفتوں میں کامل بلا شریک ملنا اور اس کے تمام پیغمبروں اور رسولوں کو یکساں صوابی اور راست باز تسلیم کرنا، چنانچہ فرمایا،

أَفَعَبِّرُونَ اللَّهَ يُبْعَثُونَ وَلَهُ أَسْلَمَ مَنْ فِي
السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَكَرْهًا وَإِلَيْهِ
يُرْجَعُونَ، قُلْ أَمَّا يَا اللَّهُ وَمَا أُنْزِلَ عَلَيْنَا
وَمَا أُنْزِلَ عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ
وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ وَمَا أُوتِيَ مُوسَىٰ وَعِيسَىٰ
النَّبِيُّونَ مِنْ رَبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ
مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ، وَمَنْ يَبْتَغِ
غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ
فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ،

کیا وہ دین الہی کے سوا کوئی اور دین چاہتے ہیں، حالانکہ
جو بھی آسمانوں میں اور زمین میں ہے وہ خوشی سے یا
مجبوراً خدا کا مسلم یعنی فرمانبردار ہے، (اسے پیغمبر کہہ ہم
اللہ پر اور جو اس نے ہم پر اتارا اور جو ابراہیم پر اور اسحاق
پر اور اسحاق پر، اور یعقوب پر اور اس کی اولادوں پر
اترا، اور جو کچھ موسیٰ اور عیسیٰ اور سب پیغمبروں کو ان کے
رب کی طرف سے ملا، ہم سب کی صداقت کو تسلیم کرتے
ہیں ان میں سے کسی میں کوئی فرق نہیں کرتے اور ہم اسی خدا کے
مسلم یعنی فرمانبردار ہیں اور جو اسلام کے سوا کوئی اور دین چاہے
تو وہ اس سے قبول نہ ہوگا، اور وہ آخرت میں نقصان اٹھائے

(ال عمران - ۹)

اس آیت سے ظاہر ہے کہ خدا پر اور تمام رسولوں پر ایمان لانا دین اللہ ہے اور اسی کا نام اسلام ہے جس نے اس اصول کو قبول نہیں کیا وہ آخرت میں نقصان اٹھائے گا، آل عمران میں ہے کہ یہود و نصاریٰ تاویلات باطلہ اور اتباع متشابہات سے گمراہ ہو گئے، یعنی دین اسلام سے روگردان ہو گئے، اور اختلافات میں پڑ گئے، فرمایا،

إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ وَمَا اخْتَلَفَ
الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمْ
الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ وَمَنْ يَكْفُرْ بِآيَاتِ اللَّهِ

بیشک دین خدا کے نزدیک اسلام ہے اور
دی گئی انھوں نے علم آنے کے بعد
بغی سے اختلاف کیا، اور جو اللہ کی آیتوں کا انکار کرے

فَإِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ، فَإِنْ حَاجَّكَ فَقُلْ أَتَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلَّهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ .
 تو اللہ جلد حساب لینے والا ہے تو اگر (اسے پیغمبر) تجھ سے پھر
 کچھ بھی کریں تو کہہ دے کہ میں نے اور میرے پیروں نے تو
 اپنے کو خدا کا تابع فرمان (مسلم) کر دیا، (ال عمران - ۲۰)

اسی کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوتا ہے کہ وہ یہود و نصاریٰ سے سوال کریں کہ وہ اس اسلام کو قبول کرتے ہیں؟
 وَقُلْ لِلَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَلَا مَبِيتِينَ أَتَسْلَمُونَ؟
 اور اسے پیغمبران سے جن کو کتاب دی گئی اور عرب کے جاہلون سے
 کہہ دے کہ کیا تم نے بھی اسلام قبول کیا، اگر کیا تو انھوں نے
 فَاِنْ اَسْلَمُوا فَقَدْ اهْتَدَوْا وَإِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا
 عَلَيْكَ الْبَلْغُ وَاللَّهُ بِصِرَتِ الْعَالَمِينَ،
 سیدھی راہ پائی اور اگر انکار کیا تو تجھ پر صرف پہنچا دینا ہے اور
 اللہ بندوں کو دکھتا ہے، (ال عمران - ۲۰)

یہود و نصاریٰ کو اس اسلام کے قبول کرنے پر ہدایت تائید ملنے کی بشارت ہوتی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ
 اسلام ہدایت تائید ہے کہ یہ وہ دین ہے جسکو یہود و نصاریٰ اور تمام اہل مذاہب نے جو کسی گزشتہ پیغمبر کی امت ہوں
 کھو دیا تھا، اور اب جس کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ دوبارہ دنیا میں پیش کیا گیا، اس لیے جو ہدایت ان کے پاس
 تھی وہ ناقص تھی، اور اسلام جسکو یک آریا وہ کمال ہے، نیز یہ معلوم ہوا کہ جن آیتوں میں یہ کہا گیا ہے کہ اب جو ایمان لائے
 اور جو یہودی ہوئے اور نصرانی اور صابئی جو بھی خدا اور یوم آخر پر ایمان لایا، اور اُس نے نیک کام کیا، اُس کو خوف و غم
 نہ ہوگا، اُن میں خدا پر ایمان لانے سے مقصود "توحید کمال" ہے، اور اس کا یہ منشا نہیں کہ یہود و نصاریٰ اور صابئی وغیرہ
 اپنے موجودہ ہی گمراہ عقیدوں کے ساتھ نجات کلی کے مستحق ہیں، یہود و نصاریٰ کیا، مسلمان بھی اس توحید کمال کے بغیر
 نجات کلی کے مستحق نہیں، جب تک یہ ایمان اور عمل صالح ٹھیک اس تعلیم کے مطابق نہ ہوں جو ان کے رسول کے ذریعہ
 دنیا میں آئی، یہ اصول ہر ایک کے لیے ہے خواہ وہ مسلمان ہو، یہودی ہو، عیسائی ہو، صابئی ہو، کسی نبی کی پیروی کا
 مدعی ہو،

نبوت محمدی کا دعویٰ یہ نہیں کہ وہی ایک ہدایت ہے اور اُس کے سوا سب ضلالت ہے، بلکہ یہ دعویٰ ہے کہ

دہی ایک کامل ہدایت ہے، اور بقیہ اس وقت سب ناقص ہیں یعنی وہ ابھی کامل ہدایت جو اپنے اپنے وقتوں میں سب نبیوں کے کرتے رہے، اور ان کے پیرو، اپنے تاویلات، تحریفات، تصرفات اور اختلافات سے اوسکو برباد کر چکے تھے، اوسی کو لیکر آخری دفعہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اب یہ ہدایت ہمیشہ کامل رہیگی، پھر کبھی ناقص نہ ہوگی کہ اسکا صحیفہ ہدایت تحریف و اختلا و تصرف سے محفوظ و پاک رہیگا،

یہی وجہ ہے کہ یہود و نصاریٰ کو نبوت محمدی کی دعوت جہان دہی ہے، ہدایت کی بشارت سنائی گئی ہے پتہ

اسی آیت میں جو ابھی اوپر گزری یہ ہے،

وَقُلْ لِلَّذِينَ آمَنُوا وَاللَّذِينَ آمَنُوا سَلَامٌ
فَإِنْ أَسْلَمُوا فَقَدِ اهْتَدَوْا،

اور اسے پیغمبر ان کو جاکو کتاب دہیگی، اور سب کے جاہلون کو کہہ کیا وہ اسلام لائے، اگر اسلام لائے، تو انھوں نے

سیدھی راہ پائی،

(ال عمران - ۲)

سورہ بقرہ میں ہے،

قُلْ لَوْ أَنَا اللَّهُ وَمَا أَزِلَ إِلَيْكُمْ وَمَا أَنزَلَ إِلَيْكُمْ
إِلَّا إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ
وَأَدَّاسَ وَمَا أُوتِيَ مُوسَى وَعِيسَى وَمَا أُوتِيَ
السَّابِقُونَ مِنْ رَبِّهِمْ لَا نَفَقَ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْهُمْ
وَنَحْنُ كَرِيمُونَ. فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آتَيْنَا
سِدِّيقًا فَهَدَيْنَاهُمْ سَبِيلًا وَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا هُمْ فِي

دائے سلفانی کہہ کہ تم اللہ پر اور جو ہم پر اترا، اور جو ابراہیم پر اور اسحاق پر اور یعقوب پر اور انکی اولاد پر اترا، اور جو موسیٰ کو اور عیسیٰ کو اور سب پیغمبروں کو ان کے پروردگار کی طرف سے دیا گیا، سب پر ایمان لائے، ہم ان میں کسی میں کچھ فرق نہیں کرتے اور ہم اسی خدا کے مسلم یعنی فرمانبردار ہیں، تو اگر یہ بھی اسی طرح ایمان جس طرح تم نے مانا تو انھوں نے سیدھی راہ پائی اور اگر

یہ اس کا باز پتہ تو وہ محض ضد میں ہیں،

شفا ج (بقرہ - ۱۷)

یہود و نصاریٰ اور اہل کتاب کو تعلیم محمدی کی طرف دعوت اسی ہدایت کے پاسنے کے لیے ہے، جو اسلام یعنی انبیاء کے دین ازی سے عبارت ہے، اور لیکر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا میں تشریف لائے، اور فلاح و نجات کامل

اب اسی میں منحصر ہے،

وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنزِلَ
مِنْ قَبْلِكَ وَيَأْتِيهِمْ هُدًى مِنْ رَبِّهِمْ فَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ
عَلَىٰ هُدًى مِنْ رَبِّهِمْ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ

جو اُس کو جو تیری طرف (اسے پیغمبر بنا کر) اور جو تجھ سے پہلے اترا،
دونوں کو مانتے ہیں، اور پچھلی زندگی پر یقین رکھتے ہیں، وہی
اپنے پروردگار کی ہدایت پر ہیں اور وہی کامیاب

(نقصہ ۸-۱)

ہیں،

حضرت موسیٰ کے نقشہ کے بعد فرمایا کہ رحمت الہی گواہ ہے، مگر یہ نعمت خاص طور سے اُن کا حصہ ہے، جو تعلیم

محمدی کو قبول کریں، اور وہی نجاتِ کمال کے مستحق ہیں،
وَمَنْ حَقَّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْلَاتِ فَعَلَيْهَا الذِّكْرُ
يَتَّقُونَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَالَّذِينَ هُمْ بِآيَاتِنَا
يُؤْمِنُونَ، الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ
الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُ دُونَهُ مَا كُنُوا يَعْبُدُونَ
فِي التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ
وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ يُجِزِّلْ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ
وَيُخَيِّرْ لَهُمُ الْحَبِيبَاتِ وَلَيَضَعَنَّ لَهُمْ
وَأَلَّا يَخْلُلِ إِلَيْكَ كَانَتْ عَلَيْهِمْ فَإِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا
بِهِ وَعَزَّوْا وَآمَنُوا بِرُوحِهِ وَآمَنُوا بِالنُّورِ الَّذِي
أُنزِلَ بِهِ، أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ، قُلْ
يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ مُبَشِّرًا
بِالنَّارِ وَالنَّارِ وَالنَّارِ وَالنَّارِ وَالنَّارِ

اور میری رحمت ہم چیز کو سانس ہے، پھر اُس رحمت کو اُن کیلئے
لکھ دوں گا جو پرہیزگار ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں، اور جو ہمارے حکم
کو مانتے ہیں، جو اس اُن پر وہ فرستادہ پیغمبر کی پیروی کرتے ہیں، جس کا
وہ اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا پاتے ہیں، جو اُن کو نیکی
کا حکم دیتا اور بُرائی سے باز رکھتا ہے اور اچھی چیزوں کو اُن کیلئے
محل کرنا اور بری چیزوں کو حرام کرتا ہے، اور اُن کے ہر
کو اور اُن زمینوں کو جو اُن پر پڑی تھیں، اتارنا ہے، تو جو
نے اُس پیغمبر کو مانا اور اُسکی تائید کی اور اُسکی مدد کی اور اُس
روشنی کے پیچھے چلے جو اس کے ساتھ اترا ہے، وہی کامیاب
ہیں، اگرتو (اسے پیغمبر بنا کر) اسے انسانوں میں تمام
کی طرف اُس خدا کا رسول ہوں جسکی آسمانوں اور زمین
کی شہنشاہی ہے، اُس کے سوا کوئی شہنشاہ نہیں، وہی

اَلَا هُوَ يُحْيِي وَيُمِيتُ مَا فَاٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ جلاتا اور وہی مارتا ہے، سو اللہ اور اُس کے اُس اُن پڑھ پیغام
الَّتِيْ اٰتٰى الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمَاتِهِ وَ رسان رسول پر ایمان لاؤ جو اللہ پر اور اُنکی باتوں پر ایمان
اَتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ (اعمال - ۱۹) رکھتا ہے، اور اُس رسول کی پیروی کرو، تاکہ تم سیدھی

ان آیات میں صاف ظاہر کر دیا گیا، کہ گذشتہ اہل مذاہب کو محمد رسول اللہ صلعم پر ایمان لانا اس لیے ضروری ہے کہ وہ دینِ خالص جو انسانی تصرفات اور امیروں سے ملکر ہو گیا تھا، وہ صحفِ الہی کی پیشگوئیوں کے مطابق آپ کے ذریعہ پھر نکھارا گیا ہے، اور جن اضافوں اور جزئیات احکام کی سختیوں کو انسانوں نے اس میں شامل کر دیا تھا، آپ کے ذریعہ دورِ گنہگار اور نیکو عالمگیر بنکر مبعوث ہوئے، اس لیے ہدایت کاملہ، نبوتِ عمومی اور نجاتِ کامل اور قلابِ تمام ابوجی محمدی کے اندر محدود ہے،

الغرض دینِ محمدی کو قبول کرنا اس لیے تمام انسانوں پر ضروری ہے، کہ وہ دینِ ازلی جو ہر مذہب کا جوہر تھا، اور جو اُس کے پیروں کی تحریف و تصرف سے برباد ہو گیا تھا اسی کو صحیفہ محمدی لیکر آیا، اب وہ ہمیشہ محفوظ رہے گا، کیونکہ اس کا بنی خاتم النبیین اُس کا دینِ کامل دین، اور اس کا صحیفہ تمام صحفِ الہی پر ہمیں اور حاوی ہے، اور قیامت تک خدا کی طرف سے اسکی پوری حفاظت اور بقا کا وعدہ کیا گیا ہے، یہ چاروں دعویٰ یعنی تکمیل دین، قرآن کا نہیں ہونا، قیامت تک اُس کا محفوظ و باقی رکھنا، اور ختم نبوت، حسبِ میل لائل سے ثابت ہیں،

تکمیل دین | قرآن کے سوا کسی اور صحیفہ نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ وہ مکمل ہے، اور اُس کے ذریعہ دینِ الہی اپنے تمام اصول اور فروع (مناسک و مناجات و شرائع) کی حیثیت سے تکمیل کو پہنچ گیا، بلکہ گذشتہ مذاہب میں سے ہر ایک نے اپنے وقت میں ہی کہا کہ اُس کے بعد ایک اور نبوت آئے گی جو اُس کے کام کی تکمیل کرے گی، خدا نے حضرت موسیٰ سے فرمایا:

”مِنْ اَنْ لِّكَ مِنْ بَنِي اٰدَمَ سَبْعٌ مِّائَاتٌ مِّنْ نَّبِيٍّ يَنْبَغِيْكَ، اُولٰٓئِكَ مِمَّا يَفْتَحِيْكَ“

اور جو کچھ میں اُسے فرماؤں گا، وہ سب اُن سے کہیگا، (استثنا - ۱۹)

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت موسیٰ کے بعد اُن کے مانند ایک اور نبی آئے والا تھا جس کے منہ میں اللہ تعالیٰ

خود اپنا کلام دالے گا، اس سے ثابت ہوا کہ موسیٰ کی طرح ایک اور صاحب شریعت نبی خدا کے لئے کلام کیساتھ آیا تھا، ایسا ہی حضرت عیسیٰ نے بھی کیا :-

”لیکن وہ فارقلیط (احمد) پاکیزگی کی روح ہے جسے باپ (خدا) میرے نام سے بھیجا، وہی تھیں سب چیزیں کھانچا۔“

سب باتیں جو میں نے تم سے کہی ہیں، تمہیں یاد دلایا گیا، (یوحنا ۱۴-۲۶)

اور وہ فارقلیط (احمد) اگر دنیا کو گناہ سے راستی اور عدالت سے قصور وار ٹھہریگا، گناہ اس لیے کہ

وہ مجھ پر ایمان نہیں لائے۔۔۔۔۔ میری اور بہت سی باتیں ہیں کہ میں تم سے کہوں، پر اب تم انکی برداشت

نہیں کر سکتے، لیکن جب وہ عینی سچائی کی روح نیکی کو وہ تمہیں ساری سچائی کی راہ بتائے گی،

اس لیے کہ وہ اپنی نیکی، لیکن جو کچھ نیکی سوچی، میری بزرگی کرے گی“ (یوحنا ۱۶-۸)

حضرت عیسیٰ نے بھی اپنے کلام کو منہ زنا تمام ہی فرمایا، اور ایک آئندہ آنے والے کا تہہ دیا، جو انکی تکمیل کرے گا۔

آخر وہ موعود الامم صلی اللہ علیہ وسلم آیا اور دعویٰ کیا کہ میں موسیٰ کے مانند نبی اسرائیل کے بھائیوں یعنی بنی اسرائیل میں سے

آیا ہوں، اور میرے منہ میں خدا نے اپنی بولی ڈالی ہے، اور یہ دعویٰ کیا کہ میں ہی وہ سچائی کی روح ہوں جو سچ کی اصلی بڑائی ظاہر

کرنے سچائی کی راہ بتانے اور مسیح کی ادھوری بات کو کامل کرنے کے لیے آیا ہوں، میں نبی نہیں کہتا، بلکہ وہی کہتا ہوں

جو ادھر سے سنتا ہوں، اور آخر منصب نبوت کے ختم پر وحی الہی نے انکی زبان سے یہ اعلان عام کیا،

اَلْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَ اَتَمَمْتُ عَلَيْكُمْ

نِعْمَتِي وَ رَحْمَتِي اَكْمَلْتُ لَكُمْ اِسْلَامَ دِينِكُمْ، (کر دی، اور تمہارے لیے اسلام کا دین پسند کیا،)

اسی تکمیل کا یہ اثر تھا کہ اُس نے یہود کے بعض سخت فقہی احکام کو، جو انکی سخت گیری کے لیے ان پر عائد تھے، اور

اصل دین ابراہیمی میں داخل نہ تھے، یا انسانوں کے اضافے اور تصرفات تھے، بدل کر ایسے مناسب اور آسان احکام

نازل کیے جو ہر زمانہ کے لیے موزون ہو سکتے ہوں، اسی لیے قرآن نے کسی اپنے بعد میں آنے والے کی پیشین گوئی نہیں کی

لَا يَكُونُ كَلِمَاتِي عَلَى الْفَاعِلِينَ اَلَا مَا خَرَقُوا عَهْدِي عَلَيْهِمْ اَلَا اَنَّهُمْ يَتَكْبَرُونَ (ال عمران - ۱۰)

نہ کسی نئے کلام کے نزول کی خبر دی، نہ کسی نئی شریعت کا منتظر کیا، نہ کسی کے بعد اب کسی نئے آنے والے کسی نئے کلام اور کسی نئی شریعت کا موقع کہاں؟ اور اسی بنا پر قرآن نے ہر جگہ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ، جو محمد صلعم سے پہلے نازل کیا گیا، پر ایمان لانے کی تاکید کی لیکن وَمَا أُنْزِلَ مِنْ بَعْدِكَ کے قبول کرنے کا کہیں شائبہ بھی نہیں،
قرآن میں کتب ہی اس دین کا کل صحیفہ تمام اگلی کتابوں کا مصدق ہے،

مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ، (مائدہ - ۷) اپنے آگے کی کتابوں کی تصدیق کرنے والا،

اور تمام اگلی کتابوں کی صدقوں اور تعلیموں پر مشتمل ہے، اس لیے جو کوئی اس صحیفہ کو قبول کرتا ہوجو تمام اگلی کتابوں کی صدقوں اور تعلیموں کو قبول کر لیتا ہے، یہ حقیقت قرآن کے سوا کسی دوسرے صحیفہ کو حاصل نہیں فرمایا:

وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتَابِ وَمُهَيِّئًا عَلَيْهِ، اور ہم نے اسے محمدؐ تیری طرف سچائی کے ساتھ یہ کتاب

اتاری جو اپنے سے پہلے کی کتاب کی تصدیق کرتی ہے،

(مائدہ - ۷) اور اس پر شاہد و حاوی ہے،

لفظ "ہمیں" کی تفسیر اہل زبان مفسرین نے یہ کی جو:

ابن عباسؓ، شاہد اور امین، قرآن اپنے پہلے کی ہر کتاب پر امین ہو،

قتادہؓ، قرآن سے پہلے جو کتابیں تھیں قرآن ان کا امین اور شاہد ہو،

غرض قرآن اگلی کتابوں کی صدقوں اور سچی تعلیموں کی امانت اپنے اندر رکھتا ہے،

قرآن محفوظ ہے اور سچا | پیغمبر کی تعلیم کی حفاظت اس کے صحیفہ الہی کی حفاظت پر موقوف ہے، قرآن سے پہلے

کوئی کتاب الہی دانستہ اور نادانستہ لفظی تحریفات اور تصرفات سے تامل و تردید رہی، الا کہوں یا پیغمبروں میں سے چند

کے سوا کسی کا صحیفہ دنیا میں باقی نہیں اور جو باقی ہے وہ فنا ہو کر سُنے سننے کا لب مین بدلنا رہا ہے، تو راہِ جلِ جل کر

خاک ہوئی اور پھر ان سوختہ اوراق سے تحریر ہوئی، پھر ترجموں کی تحریفات سے اپنی اصل کھو بیٹھی انجیل میں تحریف و جعل

قرآسی زمانہ میں شروع ہو چکا تھا، پھر ترجموں کی کتب جو نسبت سے حقیقت مشتبہ کر دی، از دشت کا صحیفہ مگندر کے نذر ہوا

اور صرف گاتھا کا ایک حصہ بچا کچا ہے، ان کتابوں کا یہ حال ایسا ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو دائمی اور آخری مذہب بنا نہیں بھیجا تھا، اسی بنا پر اُن کی دائمی حفاظت کا وعدہ نہ تھا، لیکن قرآن کی نسبت یہ وعدہ ہوا کہ وہ ہمیشہ کے لیے باقی اور محفوظ رہیگا، اسکی بقا اور حفاظت کی ذمہ داری خود اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر لی، فرمایا اور پھر کس ثبوت سے فرمایا:

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ، ہم نے اس نصیحت کی کتاب کو تارا، اور بے شبہ ہم ہیں اسکی حفاظت کرنے والے، (سجہ - ۱)

یہ وعدہ الہی ایک اور دوسری آیت میں ان الفاظ میں دہرایا گیا،

إِن عَلَيْكَ جَمْعُهُمْ وَتِلَاؤُهُ، فَإِذَا قُرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ، تَحْرِيقًا عَلَيْنَا بَيِّنَاتُهُ، اسکا پڑھنا، پھر جب ہم پڑھیں تو تو اُس کے پڑھنے کیساتھ رہ، پھر بے شبہ ہم پر ہے اُسکو کھول کر بتانا، (قیامہ - ۱)

اس آیت میں قرآن کی قرأت یعنی لفظ و عبارت اور بیان یعنی معنی و دونوں کی ذمہ داری خدا سے تعالیٰ نے خود اپنے اوپر لی ہے، ایک تیسری آیت میں اسکی تصریح ہے کہ اس حق میں باطل کی آمیزش کہیں راہ نہ پائیگی، فرمایا:

وَأَن تَلَّكَ لَنَكْتُبَنَّ عَزِيزٌ، لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنْزِيلٌ مِّنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ، اور بیشک یہ قرآن ایک ایسی کتاب ہے جو غالب ہو، باطل اُس کے سامنے سے اور نہ اُس کے پیچھے سے اُس کے پاس آئےگا، ایک حکمت والے اور خوبون والے کی طرف سے اُترے، (خس السجہ - ۵)

اس کتاب کو غالب فرمایا گیا، یعنی جو اپنے ہر حریف کو اپنے دلائل کے زور سے ہست کرے گی، باطل نہ اُس کے سامنے سے اُس میں مل سکتا ہے اور نہ پیچھے سے، نہ لفظ و عبارت کی طرف سے اور نہ حقیقت و معنی کی بہت سے، کیونکہ وہ ایک حکمت والے کی طرف سے اتری ہے، اس لیے وہ اپنی حکمت و دانائی کی تعلیم سے غالب رہے گی اور چونکہ وہ ایک سر اسر خوبون والے کی جانب سے عطا ہوئی ہے، اس لیے یہ بھی ہر باطل کے عین پیکار پاک رہے گی، یہ قرآن کا اپنا دعویٰ ہے، اور ساتھ سے تیرہ سو برس کی تاریخ اسکی صداقت پر گواہ ہے،

ختم نبوت | مقدمات بالا کا نتیجہ گو خود یہ ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نبی کی قرآن کے بعد کسی صحیفہ کی اور اسلام کے بعد کسی دین کی ضرورت نہ ہو، لیکن جی محمدی نے ہر شک کے ازالہ کے لیے آگے بڑھ کر یہ تصریح بھی کر دی کہ اب نبوت و رسالت کا سلسلہ ختم ہو گیا، اور اب آپ کے بعد کسی نبی کی حاجت نہیں کہ دین کا بل اور صحیفہ الہی محفوظ ہو چکا، اور ہدایت ربانی کے ذریعہ کے بند ہونے کا نظریہ دور ہو گیا، اور خود تاریخ انسانی گواہ ہے کہ نبوت محمدی کے بعد سے دنیا کی حالت بدل گئی، متفرق قومیں پیوستہ ہو گئیں، زمین کے کونے ایک دوسرے سے مل گئے، اور توحید کامل کا غلبہ عرش سے فرش تک بلند ہو گیا، اور خدا کے تمام رسولوں کو نپا اور صادق ماننے کا دلولہ آہستہ آہستہ ترقی پانے لگا، یہاں تک کہ ان قوموں نے بھی جو مسلمان نہیں ہوئیں، ان دونوں صدقوں کو اصول تسلیم کر لیا،

وحدت ادیان اور دین اسلام | تفصیل بالا کے بعد یہ واضح ہو گیا کہ وحدت ادیان کا منشا کیا ہے، یعنی یہ کہ اصل میں ایک ہی دین ہے جو تمام انبیاء کا مذہب ہے، لیکن وہ بعد کو ان کے پیروں میں ان کے صحیفہ میں تحریف و تصرف کے سبب بگڑتا رہا، اسی دینِ ازلہ کو لیکر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آئے، اور اسی کا نام اسلام ہے، جو اپنے صحیفہ کی بقا اور حفاظت اور دین کی تکمیل اور نبوت کے اتمام کے سبب ہمیشہ قائم و باقی رہے گا، اگر تمام مذاہب سابقہ اپنے اپنے اس اصل دین پر آجائیں جسکی تعلیم ان کے پیروں نے دی تھی، تو وہ وہی دینِ ازلہ ہو گا، جس کا نام اسلام ہے اور نوٹی، ابراہیمی، موسوی، عیسوی اور محمدی میں سوائے اجمال تفصیل کے کوئی فرق نہ رہے گا اسی لیے فرمایا گیا:-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا الْكِتَابَ آمِنُوا بَمَا نُنَزِّلُ
مُصَدِّقًا لِمَا مَعَكُمْ مِنْ قَبْلُ أَنْ تَقُولُوا
وَجَعَلَهَا فُتْرَةً بَيْنَ آلِ آدَمَ وَآلِ نُوْحٍ
كَمَا كُنَّا صَالِحِينَ السَّبْتِ (نساء-۷)

اے وہ لوگو جنکو پہلے کتاب دی گئی، اس سے پہلے کہ تم چروں کو
بگاڑ دین، اور انکو پیٹھ کی طرف پھیر دین، یا سبت کے گنہگار
پر حسبِ طعنہ کی تھی ہم ان پر لعنت کریں اُس جی پر ایمان
جو ہم نے اب تمہاری (قرآن) جو ان تعلیمات کی جو تمہارے پاس

ہیں تصدیق کرتی ہے،

مشرکین عرب کے زیادہ اہل کتاب ہی کو اس حقیقت کے سمجھنے کا زیادہ استحقاق تھا، اُس لیے انھیں کو سب سے

پہلے اُس کا منکر نہ ہونا چاہیے،

وَاٰمِنُوْا بِمَا اَنْزَلَتْ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُوْنُوْا

اور جو کتاب ہم نے اب اتاری جو تمہارے پاس الی کتاب کو پہنچاتی ہے

اَوَّلَ كَاٰفِرٍ بِهٖ (بقرہ - ۵)

اُس پر ایمان لاؤ اور تم ہی پہلے کافر نہ بنو،

لیکن اُن کی حالت یہ ہوئی کہ

وَإِذْ قِيلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاَلَا اُنۢمِنُوْنَ

اور جب اُن سے کہا گیا کہ خدا نے جو بھی اتارا اُس پر ایمان لاؤ، تو جو ابدا کہ تمہیں

بِمَا اَنْزَلَ الْكِتٰبُ وَيَكْفُرُوْنَ بِمَا وُصِّیْۤا ؕ وَهُوَ

اِذَا اَمَّ اَوْ سَكَوٰتًا مِّنۡۢ بَيْنِ اُذُنٍ اَوْ رُوۡءِیۡۤہٗ اُسکے سوا کا انکار کرتے ہیں، حالانکہ یہی

مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ (بقرہ - ۱۱)

(قرآن) حق ہے، اور جو اُن کے پاس ہے، اُنکی تصدیق کرتا ہے،

اس کے برخلاف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس دین کو پیش کیا اسکی بنیاد تمام اگلی نبوتوں اور کتابوں کی صداقت کی تسلیم رکھی یہی سبب ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی مسلمان کے مسلمان ہونے کے لئے صرف یہی زمین فرمایا کہ وہ تنہا اُنکی نبوت پر ایمان لائے بلکہ یہ فرمایا کہ وہ تمام نبوتوں اور صحیفوں پر ایمان لائے چنانچہ خود قرآن کی شہادت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف اسی کی تکلیف نہ تھی کہ آپ کے ہم وطن آپ کے صحیفہ کو نہیں مانتے بلکہ اسکی بھی تھی کہ وہ اگلے صحیفوں کو بھی نہیں مانتے، سورہ سبأ میں ہے،

وَقَالَ الَّذِیۡنَ كَفَرُوۡۤا لَئِنۡ نُّوۡعِیۡۤنَ بِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَكَلَّا

اور منکروں نے کہا کہ ہم اس قرآن پر ہرگز ایمان نہ لائیں گے اور

بِالَّذِیۡۤہِ یُبَیِّنُ یَدَیۡہِۥ (سبأ - ۲۷)

اُس سے اگلی کتاب پر، (یعنی تورات پر)

اور اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تصریح کے ساتھ یہ فرمایا کہ جو میری نبوت اور رسالت کی باتیں بن مریم کو بھی خدا کا بندہ اور اُس کا رسول اور کلمہ اور خدا کی طرف سے آئی ہوئی روح تسلیم کرے گا وہ جنت میں جائے گا، (بخاری کتاب الانبیاء ذکر عیسیٰ) (الفرغ) ازلی وابدی وہی صرف ایک ہی تھا، اور تمام انبیاء علیہم السلام اسی ایک پیغام کو لے کر دنیا میں آئے، یہی وحدت دین کی وہ حقیقت ہے جس کو قرآن نے اپنے ان الفاظ میں ادا کیا ہے،

یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوْلُ کُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ وَاٰمِنُوْا اَصْلٰحًا

اے پیغمبر! کھاؤ اور پیاؤ پاک کام کرو، میں تمہارے کانوں

اِنِّیۡۤیۡۤسَاۤءُ فَعْمَلُوْنَ عَلَیْہِمْ وَاِنَّ ہٰذَا لَمَّاۤ اَمۡسَکُمۡ اَمۡتٌ

سے آگاہ ہوں، اور بیشک تم سب کی امت ایک امت ہے

وَأَحَدُكُمْ فَإِنَّمَا تَقُونُ، قَطَّعُوا أَمْرَهُمْ
اور میں تم سب کا (ایک) پروردگار ہوں، تو مجھ سے ڈرتے
بَيْنَهُمْ شُرُكًا، كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ،
رہو ان کے پیروں نے اپنے مذہب کو پسین مگر شے کر دلا

(مومنون - ۴۷) ہر فرقہ اپنے پاس کے خیال پر نازان ہے

اسی حقیقت کی مزید تشریح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ان الفاظ میں فرمائی،
الانبياء اخوةٌ لعالاتٍ ائمتہا نھم شئی و
تمام انبیاء ایسے بھائی ہیں جن کا باپ ایک ہے اور مائیں مختلف
دینہم واحد (بخاری کتاب الانبیاء - ذکر عیسیٰ)
ہیں اور ان کا "دین" ایک ہے



پچھلے دن اور سلی زندگی پر ایمان

وَالْيَوْمِ الْآخِرِ (بقبرہ ۲۲) وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ (بقبرہ ۱۰)

اسلام کے سلسلہ ایمانیات کی آخری کڑی ایک ”پچھلے دن اور پچھلی زندگی“ یا پچھلی دنیا پر یقین کرنا ہی سورہ بقرہ کے پہلے ہی رکوع میں ہدایت یاب اور کامیاب انسانوں کے ایمانیات کی آخری دفعہ یہ بیان کی گئی ہے،

وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ (بقبرہ ۱۰) اور وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں،

مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ (بقبرہ ۲۲) جو اللہ اور پچھلے دن پر ایمان لایا،

الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ (توبہ ۷) جو اللہ اور پچھلے دن پر ایمان لائے ہیں،

”آخرت“ کے لفظی معنی پچھلی ”کے ہیں“ اور یہ لفظ صفت ہی عربی میں اوصاف کو موصوف کا قائم مقام کر کے اکثر مؤنث کو حذف کر دیتے ہیں مثلاً ”وہ“ کے لفظی معنی ”قریب ترین“ کے ہیں، اور یہ صفت ہی، اس کا موصوف الحیاتۃ (زندگی) یا الدار (گھر) ہے اس لیے الدنیا کا مفہوم الحیاتۃ الدنیا (قریب ترین زندگی، یعنی اس عالم کی موجودہ زندگی) یا الدار الدنیا (قریب ترین گھر یعنی موجودہ عالم) ہے، اسی طرح الآخر اور الآخرۃ کا مفہوم الیوم والآخرۃ الحیۃ والدار (آخرت اور پچھلا دن اور پچھلی زندگی) اور پچھلا اور آنے والا گھر یعنی موجودہ زندگی کے بعد آنے والی دوسری دنیا کی زندگی اور گھر ہے، اور قرآن پاک میں یہ لفظ انھیں معنوں میں ایک سو تیرہ مقام پر آیا ہے، اور ہر جگہ اس کا حذف موصوف حیاتۃ (زندگی) یا دار (گھر) ہے،

چنانچہ حسب ذیل آیتوں کے پڑھنے سے یہ حقیقت منکشف ہوگی،

سورہ قرآن پاک میں جہاں جہاں ایمان کے تفصیلات ذکر کیے گئے ہیں، وہاں ”یوم آخر پر ایمان“ سے پہلے آخر میں بیان کیا گیا ہے،

وَأَنَّ الدَّارَ الْآخِرَةَ لَهِیَ الْحَيَوَانُ (عَنْکَبُش) اور بیشک آخری گھر اہلی زندگی ہو،

وَلَدَّارَ الْآخِرَةَ حَبِیْرٌ (الانعام) اور بیشک آخری گھر بہتر ہے،

ان دونوں آیتوں میں دار یعنی گھر کا لفظ موجود ہے،

أَرْضِیْتُمْ بِالْحَیَاةِ الدُّنْیَا مِنَ الْآخِرَةِ (توبہ) کیا پچھلی زندگی کو چھوڑ کر اس موجودہ زندگی پر تم راضی ہو گئے،

الَّذِیْنَ کَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِإِیقَاعِ الْآخِرَةِ وَاتَّخَذُوا فِي الْحَیَاةِ الدُّنْیَا

فِی الْحَیَاةِ الدُّنْیَا (مومنون-۳) اور ہم نے موجودہ زندگی میں اُن کو نعمت دی،

ان آیتوں میں الْحَیَاةِ الدُّنْیَا یعنی موجودہ دنیا کے مقابل سے ظاہر ہے کہ الْآخِرَةُ سے مراد الْحَیَاةِ الْآخِرَةُ یعنی پچھلی

زندگی ہے اور اس لفظ کے عموم میں وہ تمام منازل مقامات اہل بین جو ابتداء سے موت سے لیکر حشر و نشر اور اس کے بعد پیش

آتے ہیں یا آئیں گے، چنانچہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ اس آیت میں:-

وَمِیثَاقُ اللَّهِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ اور جو ایمان لائے اُن کو اللہ حیات دنیا میں اور آخرت میں

فِی الْحَیَاةِ الدُّنْیَا وَفِی الْآخِرَةِ (ابراہیم-۴) اس کی بات (کلمہ توحید) پر مضبوط رکھے گا،

لہ دنیا اور آخرت کا یہ مقابل قرآن پاک کی بنیاد آیتوں میں موجود مذکور ہے حضرت علیؑ کے متعلق ہے،

وَجِبَتْ اَیُّ الدُّنْیَا وَالْآخِرَةِ (ال عمران-۵) دنیا اور آخرت میں مستند،

سلسلہ دعائیں ہے،

رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَفِی الْآخِرَةِ حَسَنَةً (بقہا-۷۵) پروردگار ہم کو دنیا میں نیکی اور آخرت میں نیکی دے،

کفار کے بطلان عمل کے ذکر میں ہے،

حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِی الدُّنْیَا وَالْآخِرَةِ (ہجرہ-۲۷) اُن کے عمل دنیا اور آخرت میں گر گئے،

اِسْتَمْعَبُوا الْحَیَاةَ الدُّنْیَا عَلٰی الْآخِرَةِ (نحل-۱۲) انہوں نے دنیا کو آخرت پر ترجیح دی،

مَنْ اَوَّلٰیاءُ کُفَرٍ فِی الْحَیَاةِ الدُّنْیَا وَفِی الْآخِرَةِ (رحم السجد-۴) ہم میں تمہاری قریب کی زندگی اور پچھلی زندگی کے دوست،

اور کئی دوستانے جو اسے اگلی (پہلی زندگی) کا لفظ اختیار کیا گیا ہو فرمایا،

فَاَحَدَكَ اللَّهُ کَمَالَ الْآخِرَةِ وَالْاُولٰی (یازعات-۱) تو خدا نے اس کو پچھلی زندگی اور پہلی زندگی کی سزا بنایا،

وَاِنَّ لَنَا الْآخِرَةَ وَالْاُولٰی (ابیل-۱) اور ہمارے ہی لیے ہے پچھلی اور پہلی زندگی،

”آخرت“ سے مراد ”عالم برزخ“ ہے، اور قرآن بھی اسی پر ولایت کرتے ہیں، کہ قیامت میں قول ثابت پر قائم رہنا کوئی بڑی بات ہوگی جب کہ ہر چیز اُس وقت واضح اور نمایاں ہوگی، اس لیے اس آیت میں ”آخرت“ سے عالم برزخ کے سوا کچھ اور مراد نہیں ایک اور حدیث میں تصریح بیان ہے کہ ”قبر (یعنی برزخ) آخرت کی منزلوں میں سے سب سے پہلی منزل ہے۔“

یوم آخر اور حیات آخرت پر ایمان اسلام کی نہایت اہم تعلیم ہے، اور قرآن پاک میں ایمان باللہ کے بعد اسی کی تعلیم پر سب سے زیادہ زور دیا گیا ہے، کیونکہ موجودہ دنیا کے تمام اعمال اور اُن کے نتائج کی اعلیٰ اور دائمی بنیاد اُسی آئندہ دنیا کے گھر کی بنیاد پر قائم ہے، اور اگر یہ بنیاد متزلزل ہو جائے تو اعمال انسانی کے نتائج کا ریشہ ریشہ بن جائے، اسی لیے تمام مذاہب نے کسی نہ کسی رنگ اور کسی نہ کسی اصطلاح میں دوسری زندگی کو متفقاً تسلیم کیا ہے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آئندہ زندگی کو دو دوروں میں تقسیم کیا ہے، ایک موت سے لیکر قیامت تک اور دوسرا قیامت سے لیکر ابد (ہمیشہ) تک، جس میں پھر موت اور فنا نہیں، پہلے دور کا نام ”برزخ“ اور دوسرے کا نام ”بعثت“ یا ”خروج“ اور قیامت ہے، اور ان سب کے معنی جی اٹھنے، اکٹھے کئے جانے، اور کھڑے ہونے کے ہیں، لیکن ان سب مقصود ایک ہی حقیقت کی طرف اشارہ ہے، اور وہ موجودہ دنیا کے خاتمہ کے بعد دوسری دنیا کی زندگی ہے، اور اسی لیے اس دوسری زندگی یا اس عالم کا نام قرآن میں الدار الاخرۃ، اور عقبی الدار وغیرہ ہے، جس کے معنی دوسرے یا پچھلے گھر کے ہیں،

توراة و انجیل میں برزخ و قیامت کی تفصیل، نیز یہ کہ مرنے کے بعد اور قیامت سے پہلے انسان کی روح کس حالت اور کیفیت میں رہے گی، مذکور نہیں، لیکن اسلام میں یہاں بھی گنجشک اور ابہام نہیں بلکہ اُس نے اسکی پوری تفصیل کی ہے، اور بتایا ہے کہ موجودہ عالم کے علاوہ عالم برزخ اور میدان قیامت ہمارے سر اور جزا کے دو مقام ہیں، شخصی موت کے بعد ہر شخص عالم برزخ میں داخل ہو جاتا ہے، اور وہاں اُس کے معاملات شروع ہو جاتے ہیں، پھر اپنی مقررہ وقت پر جبکہ خدا نے اپنی مصلحتوں اور حکمتوں کے لحاظ سے طے کر لیا ہے، سلسلہ خلق کے خاتمہ پر جب موجودہ دنیا پر عام موت اور قحطاری ہوگی دوسری زندگی کی دُنیائے شروع ہوگی، جو تمام تر ہماری پہلی دنیا میں ہمارے اچھے یا بُرے اعمال کا سراپا عکس اور نقل ہوگی، چنانچہ سورہ توبہ کی حسب ذیل آیت میں ہمارے ان تینوں دور ہمارے حیات کا ذکر ہے،

لحاجت ہمارے عالم
جو لا کر آئے اہمال
جلد صفحہ ۹۰
جدا باہر دکن

مَسْعَدًا بِهِمْ مَسْرَتَيْنِ تَعْرِيدُونَ إِلَىٰ عَذَابٍ عَظِيمٍ (توبہ-۱۳)

ہم ان کو دو مرتبہ عذاب دینگے پھر وہ ایک بڑے عذاب کی طرف لوٹائے جائیں گے،

عذاب کی تین منزلیں دنیا، برزخ اور قیامت ہیں،

ان تینوں عالموں میں جو فرق ہے وہ یہ ہے کہ اس موجودہ دنیا میں جسم (مادہ) نمایان اور روح پوشیدہ ہے اور روح کو جو کچھ مسرت و تکلیف یہاں پہنچتی ہو، وہ صرف اُس کے مادی جسم کے واسطے پہنچتی ہے، اور نہ حقیقت اسکی براہِ راست راحت و لذت کا اس مادی دنیا میں کوئی امکان نہیں، دوسرے عالم میں جسکو برزخ کہا گیا ہے، روح نمایان ہوگی، اور جسم چھپ جائیگا، وہاں جو راحت و تکلیف پہنچے گی وہ دراصل روح کو پہنچے گی، اور جسم اس کی تبعیت میں ضمنا اس سے متاثر ہوگا، لیکن اس تیسرے عالم میں جہاں حقیقی اور غیر فانی زندگی شروع ہوتی ہے روح اور جسم دونوں نمایان ہونگے، اور دونوں کی لذت و تکلیف کے مظاہر بالکل الگ الگ ہوں گے،

۱۔ برزخ

”برزخ“ کا لفظ قرآن پاک میں تین جگہ استعمال ہوا ہے، اور ہر جگہ اس سے دو چیزوں کے درمیان کا پردہ، حاجب اور حائل

مراد ہے، چنانچہ سورہ رحمان میں دو دریاؤں کا ذکر ہے جن میں ایک سیٹھا اور دوسرا کھاری ہے، اور ان کے بیچ میں ایک پردہ حائل ہے جو ان کو آپس میں ملنے نہیں دیتا،

بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ مِّنْ مَّائِدَتَيْنِ (رحمان-۱)

ان دونوں کے بیچ میں ایک پردہ ہے جو ایک دوسرے سے بڑھ کر نہیں پاتا

اسی عجیب و غریب بحری منظر کا ذکر سورہ فرقان میں ہوا اور وہاں بھی یہی لفظ واقع ہے،

وَهُوَ الَّذِي أَنزَلَ مِنَ الْمُجِيبِ هَذَانِ آيَاتُ الْفُورِ (فجر-۱)

اور اسی خدا نے دو دریاؤں کو ملا کے چلایا، یہ سیٹھا اور سیٹھا

وَهَذَانِ آيَاتُ الْفُورِ وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا (فجر-۱)

بجھاتا ہی، اور وہ کھاری کو سیٹھا، اور ان کے بیچ میں ایک

تَجْرًا مِّنْ حِجَابٍ (فرقان-۵)

پہرہ اور روکی ہوئی اور سیٹھا بنائی ہے،

اسی بنا پر موجودہ زندگی اور آئندہ زندگی کے درمیان جو مقام حائل اور حاجب ہے اس کا نام برزخ ہی سورہ ہود میں

میں نزع کے وقت کے بیان میں ہے کہ

وَمِنْ ذَرَائِهِمْ بَرَزَخٌ إِلَى يَوْمِ يُبْعَثُونَ

اور ان مرنے والوں کے پیچھے ایک پردہ ہے اس دن تک جبکہ

(مومنون ۶۰)

وہ (قیامت میں) اٹھائے جائیں گے،

عربوں بلکہ کل ساری قوموں کے رسم و رواج اور شہادت کی بنا پر اسی درمیانی منزل (برزخ) کا نام دیا گیا ہے خواہ وہ خاک کے اندر ہو یا قبر دریا یا کسی زندہ و پند کے پیٹ میں اسی لیے فرمایا،

وَإِنَّ اللَّهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُورِ (ج-۱)

بے شک اللہ ان کو جو قبروں میں ہیں اٹھائے گا،

اب ظاہر ہے کہ یہ بعثت صرف انہیں مردوں کے لیے مخصوص نہیں جو تو وہ خاک کے اندر دفن ہوں بلکہ ہر نسبت کیلئے ہو خواہ وہ کسی حالت اور کسی عالم میں ہو اس لیے قبر سے مقصود دہرہ مقام ہے جہاں مرنے کے بعد جسم خاکی کو جگہ چھلکی موت و حیات کی منزل میں قرآن پاک میں دو موتوں اور دو حیاتوں کا ذکر ہے، ایک جگہ دوزخیوں کی زبان سے کہہ گیا ہے

رَبَّنَا آمَنَّا بِأَنَّكَ أَنْتَ الْغَنِيُّ الْغَنِيُّ وَأَخْبَرْنَا

ہمارے پروردگار تو نے ہم کو دو دفعہ مارا اور دو دفعہ جلایا ہم نے

بِذُنُوبِنَا فَهَلْ إِلَى خُرُوجٍ مِنْ سَبِيلٍ (نور ۲۵)

اپنے گناہوں کا اقرار کیا، پھر کیا نکلنے کی کوئی راہ ہے

ان دو موتوں اور دو حیاتوں کی تفصیل خود اللہ تعالیٰ نے سورہ بقرہ میں فرمائی ہے،

كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَكُنْتُمْ أََمْوَاتًا فَأَحْيَاكُمْ

کیسے تم اللہ کا انکار کرتے ہو حالانکہ تم پہلے مردہ تھے

ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ

پھر تم کو اس سے زندہ کیا (انسان بنا کر پیدا کیا) پھر

(بقرہ ۷۳-۷۴) مار دے گا، پھر تم کو جلانے گا، پھر اوس کی طرف لوٹا

پہلی موت تو ہر انسان کی خلقت سے پہلے کی ہے، جب وہ مادہ یا عنصر کی صورت میں ہوتا ہے پھر زندہ ہو کر اس دنیا میں پیدا ہوا ہے اس کی پہلی زندگی ہے، پھر موت آتی، روح نے مفارقت کی، اور جسم اپنی مادی صورت میں منتقل ہو گیا یہ دوسری موت ہوئی، پھر خدا اس کی روح کو جسم سے الگ زندہ کرے گا یہ اس کی دوسری زندگی ہوئی، جس کے بعد چھوٹ نہیں، قرآن پاک میں خود مقرر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطا سے کر کے فرمایا گیا،

إِنَّكَ مَبْنُوعٌ وَإِنَّهُمْ مَبْنُوعُونَ، ثُمَّ إِنَّكُمْ لَوُفَّ
الْقَيْمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْضَعُونَ، (ذمیرہ - ۴)
پھر تم اس کے بعد مرجانے والے ہو، پھر تم قیامت کے دن اٹھا
الْقَيْمَةِ تَلْعَثُونَ، (مؤمنون - ۱) جاؤ گے،

اب سوال یہ ہے کہ برزخ کے عالم میں کیا کیفیت ہوگی، اس کے سمجھنے کے لیے ایک مختصر سی تیسرے کی ضرورت ہے،
نیز اور موت کی مشابہت | اللہ تعالیٰ نے اس مادی دنیا میں روحانی عالم کی باتوں کے سمجھنے کے لیے اپنی عجیب و غریب قدرت
سے ہم کو ایک چیز غیبت کی ہے، جس کو ہم نہیں دیکھتے ہیں، روح کو اپنے جسم سے دو قسم کا تعلق ہے، ایک ادراک و احساس کا اور
دوسرے تدبیر و تدبیر کا، نیند وہ عالم ہے کہ اس میں ہمارے تمام آلات ادراک و احساس اس دنیا سے بیخبر ہو کر اپنے گروہ پیش
کی مادی دنیا سے یکسر بگاڑ بجاتے ہیں، تاہم ہمارے نفس یا روح کا تعلق ہمارے جسم سے باقی رہتا ہے، اور وہ اس حالت میں بھی
جسم کی مادی زندگی اور نشوونما اور بقا کی تدبیروں اور رول و دماغ اور دیگر اعضائے رئیسہ کی غذا رسانی اور خون کے دوران
میں مصروف رہتی ہے، اسی کا نام روح کا جسم سے تدبیری تعلق ہے، اب نیند اور موت میں فرق ہی تو یہ ہے کہ نیند کی حالت
میں جسم سے نفس کا تدبیری تعلق قائم رہتا ہے، اس لیے جسم باقی اور زندہ رہتا ہے، لیکن موت کی حالت میں جسم کا روح سے
تدبیری تعلق بھی یکسر منقطع ہو جاتا ہے، اس لیے جسم کے اجزاء کچھ دنوں میں منتشر ہو جاتے ہیں، موت اور نیند کی یہی مشابہت
ہے، جس کی بنا پر تمام انسانوں کی زبانوں میں موت کو نیند سے تشبیہ دیتے ہیں، اور دنیا بھر کی زبانوں کا یہ توفیق الہام طبعی
کی ضرورت ہے، قرآن پاک نے اس حقیقت کو ان الفاظ میں ادا کیا ہے،

وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفَّاكُم بِاللَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَّدْتُمْ
بِالْأَنفُسِ ثُمَّ يُبْعَثُكُمْ فِيهِ لِيُقْضَىٰ أَجَلٌ مُّسَمًّى
اور وہی ہے جو تم کو رات میں مارتا ہے اور جانتا ہے جو تم نے
دن میں کیا، پھر تم کو دن میں جلاتا ہے تاکہ مقررہ وقت
پورا کیا جائے، (الغافر - ۷)

اس سے زیادہ تفصیل سورہ زمر میں ہے،

اللَّهُ يَتَوَفَّى الْأَنفُسَ حِينَ مَوْتِهَا وَالَّتِي لَمْ
تَمُتْ فِي مَنَامِهَا فَيُمْسِكُ الَّتِي قَضَىٰ عَلَيْهَا
الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْأُخْرَىٰ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى
إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ (زمرہ ۵)

وہ اللہ ہی جو مرد و عورتوں کی موت کے وقت و نماز میں
ہے اور جو نہیں مری ہیں ان کو ان کی نیند میں فوت کیا
ہی تو جس پر موت کا حکم اس نے جاری کیا اس کو روک لیتا ہی
دوسری روح کو جس پر موت کا حکم نہیں اپنی نیند میں ہی کہ
ایک تہ معینہ کیا ہے پھر دیتا ہی بیشک اس میں سوچنے والوں

یہی وجہ ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی نے ”برخ“ کی زندگی کو نیند کے نقطہ سے تعبیر کیا ہے، قرآن پاک میں ہے
کہ قیامت میں جب لوگ دوسری زندگی پا کر قبروں سے اٹھیں گے تو گنگاروں کی زبانوں پر یہ فقرہ ہوگا،
لَوْ دَلَّنا مِنْ بَعَثْنَا مِنْ مَّزْقَدًا (ییس ۴۰) لے ہمارے خرابی کس نے ہم کو ہماری نیند کی جگہ سے اٹھا دیا،
غزوہ اُحد کے موقع پر ہے کہ جن کو مرناتھا، ان کی موت ٹل نہیں سکتی تھی اگر وہ میدان جنگ کے بجائے گھروں
میں ہی ہوتے تو نکل نکل کر اپنے مقتل میں خود آجاتے اس مفہوم کو قرآن نے یوں دیا کیا ہی،
قُلْ لَّوْكَنتُمْ فِي بُيُوتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِينَ كُتِبَ
عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ إِلَىٰ مَضَاجِعِهِمْ (العنکبوت ۱۵) کہہ دے کہ اگر وہ گھروں میں ہی ہوتے تو جن کے لیے مارا جانا
اسی لیے قرآن پاک میں دوسری زندگی کے لیے اکثر ”بعث“ کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کے معنی جگانے اور بیدار کرنے
کے ہی ہیں جیسا کہ اوپر کی اس آیت میں ہے،

وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفَّاكُم بِاللَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَّمْتُمْ
بِالْأَنفُسِ ثُمَّ يَعْبَثُكُمْ فِيهِ (الذہر ۷۰) اور وہی ہے جو تم کو رات میں موت دیتا ہے اور دن کو جو تم کو
ہوا اس کو بجاتا ہی پھر تم کو دن میں جگاتا ہے،
وَأَنَّ اللَّهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُورِ (رحمہ ۱۰) اور بیشک اللہ ان کو جو قبروں میں ہیں جگاتا ہے،

اس لیے صحیح بخاری (باب تہجد) میں ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو نماز تہجد کے لیے وقت تک بیدار نہ ہونے پر سوال فرمایا تو حضرت مدد فرماتے
نے ان لفظوں میں معذرت پیش کی، یا رسول اللہ! نفس امیرک اللہ، فاذا اشاء ان یبعثنا لبعثنا (ہماری روحیں خدا کے ہاتھ میں ہیں وہ جب
جگاتا چاہتا ہی جگاتا ہے) اس حدیث میں بھی ”بعث“ جگانے کے معنوں میں آیا ہے،

احادیث میں ہے کہ قبر میں سوال و جواب کے بعد نکو کاروں سے کہا جاتا ہے کہ تَحَرُّوْا عَنْ مَدَةِ الْحَرُوسِ دِلن کی نیند سو جاؤ، جس کو وہی جگاتا ہے جو اس کو سب سے زیادہ محبوب ہے، یہاں تک کہ خدائے کو اس خواب گاہ سے اٹھا لے گا۔
 ان شواہد سے ظاہر ہے کہ رزخ کی زندگی جہن روح جسم سے الگ ہوتی ہے، روح کی ایک طویل عرصہ نیند کے مشابہ خواب میں لذتِ الم انسان جب ہوتا ہے تو اُس کے ادراکِ احساس کے آلات اپنی مادی دنیا سے عارضی طور پر بے خبر ہو جاتے ہیں، مگر اُس کے ادراکِ احساس کی تخیلی، تشلی، یا ذہنی دنیا اُس کے سامنے بالکل اسی مادی دنیا کی طرح متشکل ہو جاتی ہے، اس میں وہ خود اپنے جسم سے الگ مگر وہ موجودی جسم دیکھتا ہے، جوتا جاتا، چلتا پھرتا، اور دیکھتا سنتا سب کچھ ہو اُس کے سامنے کھانے پینے اور لطف انگیزی کے سب سامان ہوتے ہیں، نیز اس میں درد و رنج و تکلیف کی تمام وہی صورتیں ہوتی ہیں جو مادی دنیا میں ہیں، اُس کے خیالی جسم کو اگر اُس عالم میں تکلیف ہوتی ہے تو وہ خود چیخ اٹھتا ہے، اور اگر اُس میں لذت ملتی ہے، تو لطف اندوز ہوتا ہے، اور ان دونوں کے اثرات اس کو اپنے مادی جسم میں جاگنے کے بعد کبھی نظر آتے ہیں، غرض عالم خواب کی خیالی دنیا اور اس کی شادی و بیچ اور لذتِ الم، اور اس مادی دنیا کے جسمانی مادی شادی و بیچ اور لذتِ الم میں کوئی فرق نہیں ہوتا، اگر کچھ فرق ہے تو یہ ہے کہ عالم خواب کی لذت و تکلیف بیداری کے بعد ختم ہو جاتی ہے، اور مادی دنیا کی لذت و تکلیف، احساس و ادراک کے وجود تک قائم رہتی ہے، اور جس طرح مادی بیداری والی لذت و تکلیف خواب میں معدوم ہو جاتی ہے، اسی طرح خواب والی لذت و تکلیف بیداری میں رخصت ہو جاتی ہے،

خوابِ الم لذتِ الم کے مختلف مناظر اور اُن کے حقائق اور اسباب و علل پر اگر فلسفیانہ حیثیت سے غور کیا جائے تو عجیب و غریب معاملات سامنے آتے ہیں، کبھی تو یہ ہوتا ہے کہ وہ تمام احساسات و معلومات جو کبھی بھی ذہن انسانی میں آئے ہوں، اور ان کو بالست بیداری مادی دنیا کے مشاغل اور زمانہ کے امتداد کے سبب انسان کتنا ہی فراموش کر چکا ہو، وہ خواب میں مادی گراں باری سے آزادی کے بعد سامنے مجسم سکون میں نمودار ہو جاتے ہیں، اور بیچ کی کڑیوں کے بھول جانے

سلہ جامع ترمذی کتاب الجنائز باب عذاب القبر منہ احادیث حسنہ حسنہ علیہ السلام ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ ابانہ میں لکھتے ہیں حفذا
 العیالی فی الروایۃ غیر انہ ذریعہ لا یفقط منہا ان یوم القیمۃ (باب قتال احوال الناس فی البرزخ) یعنی یہ عذاب بقیہ کا گرفتار خواب میں ہو لیکن یہ کہ ایسا عذاب جس سے بچنا
 ممکن ہو جائے نہیں ہے،

کی وجہ سے وہ اُس کو بے چارہ معلوم ہوتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ انسان جن چیزوں کو بھول جاتا ہے، وہ اُس کے حافظہ سے حقیقت میں معدوم نہیں ہو جاتیں، بلکہ دماغی حجرہ (ذہن) کے منتشر اسباب کے ذخیرہ (معلومات) میں چھپ کر گم ہو جاتی ہیں، اور پھر بعد کو بھلا جاتی ہیں، اس لیے وہ تمام اچھے اور برے اعمال جو انسان نے عمر بھر کئے ہیں، خواہ وہ اُن کو آج بھول گیا ہو، مگر اُن کی یاد ذہن کے گوشوں میں پڑی ہے، معدوم و مفقود نہیں ہو گئی،

خواب کی عجیب و غریب صورت وہ ہے جسکو تشبیلی کہتے ہیں، جیسے حضرت ابراہیمؑ نے اپنے اکوڑے فرزند کو خدمتِ تعبیر پر وقت کرنے کو قربانی کی شکل میں اور حضرت یوسفؑ نے الدین کو سوچ اور چاند اور گیارہ بھائیوں کو گیارہ ستاروں کی صورت میں دیکھا، شاہ مصر کے سولی پانے والے مصاحب نے اپنے سولی پانے کو اس رنگ میں دیکھا کہ اُس کے سر پر تاج ہے، اور پڑے پڑے پرندے اس میں چونچ مار مار کر کھاتے ہیں، شاہ مصر نے مہر کی ہفت سالہ عطا سالی کو ساتھ دُبی گایوں کی صورت میں دیکھا، آنحضرتؐ نے فتح مکہ کو اس شکل میں دیکھا کہ سلمان سر منڈوائے اور بال تڑتولے چچ کر رہے ہیں، سیریلہ اور اسود بخشی دو کذابوں کو سونے کے دو گنگنوں کی صورت میں دیکھا، شہدائے اُحد کو دھڑائی گائے کی صورت میں ملاحظہ کیا، مدینہ کی وبا ایک بڑھیا چڑیل کی صورت میں نظر آئی، ایمان کو نور کی اور حضرت عمرؓ کے علم کو دودھ کی شکل میں دیکھا، ان کے علاوہ ہر شخص کے ذاتی تجربوں سے بھی اس کی بیشمار مثالیں فراہم کی جاسکتی ہیں، اس سے بڑھ کر یہ کہ انسان کے جسم میں اگر کسی قسم کا مادہ بڑھ جاتا ہے، تو خواب میں اُس کے مناسب مجسم سکین نظر آتی ہیں، مثلاً اگر بطن کی زیادتی ہو تو پانی، دریا اور سمندر نظر آئیں گے، اگر سودا بڑھ جائے تو ہاتھی، اور کالی کالی صورتیں نظر آئیں گی، اسی طرح دوسرے تغیرات جسمانی بھی مناسب جسمانی مہیئت میں خواب میں مجسم اور منکشف ہو کر دکھائی دیتے ہیں، اسی طرح اعمال جو جسم و مادہ سے بالکل الگ ہیں خواب میں اپنے مناسب قالب میں مجسم ہو جاتے ہیں، اگر کسی جسمانی کا حق واجب کسی نے ادا نہیں کیا، تو خواب میں اُس کو نظر آئے گا کہ وہ اُس کا گلا کاٹ رہا ہے، اگر کسی کی

۱۔ یہ کہ تشبیلی خواب قرآن پاک میں مذکور ہیں، ۲۔ ان خوابوں کو صحیح بخاری کتاب التعمیر میں دیکھو۔
۳۔ ترجمہ انساب النبی، شاہ ولی اللہ، ذکر برزخ

کی ہے تو معادیم ہوگا کہ وہ مردار کھا رہا ہے اسونے چاندی کے خزانوں کو جمع کر کے اگر بچل کا اثر دیا اُس کی حفاظت میں بٹھایا ہے، تو سائب بکروہ اُس کی گردن میں پسٹتا اور کاٹتا ہے، دلت اور تواری کتے کی، حماقت گرہے کی، اور شجاعت شیر کی شکل میں نمودار ہوتی ہے، شب معرج میں آنحضرت صلم کے سامنے فطرت، دودھ کی اور غیر فطرت شراب کی شکل میں پیش ہوئی، اسی طرح کن سال دنیا ایک بڑھیا کی شکل میں آئی،

اس قسم کی تمثیلات قرآن مجید میں بھی آئی ہیں مثلاً غیبت کی نسبت فرمایا،

وَلَا يَعْزُبُ عَنْكُمْ بَعْضُ آيَاتِ أَحَدِكُمْ
أَنْ يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ
(سجرات - ۲)

اور پیٹھ پیچے ایک دوسرے کو برا نہ کہے کیا تم میں سے کوئی پسند کر سکتا ہے کہ وہ اپنے مردہ بھائی کی بوٹی فوج نوچ کر کھائے، سو گھن آئی تم کو،

سود کھانے کو جنوں اور پاگل پن کی شکل میں ظاہر کیا،

الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا لَا يَقْوَمُونَ إِلَّا كَمَا
يَقُومُ الَّذِي يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَسِّ
(فقہ - ۳۸ - ۳۹)

جو لوگ سود کھاتے ہیں، وہ ہنہیں اٹھیں گے یا نہیں اٹھتے، لیکن جیسے وہ اٹھتا ہے جس کے حواس شیطانی نے چھو کر کھو دیئے ہوں،

دوسرے کے مال کو ناجائز طریق سے کھانے کو پیٹ میں آگ بھڑنا فرمایا،

إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَى ظُلْمًا إِنَّمَا
يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا
(نساء - ۱)

وہ لوگ جو یتیموں کا مال ظلم کر کے کھاتے ہیں، وہ اپنے پیٹوں میں آگ کھاتے ہیں اور آگ جہنم کی آگ میں داخل ہوں گے،

وہ خود غرض لوگ جو بیکون کے کام نہیں آتے، قیامت میں ان کے بھی کوئی کام نہ آئے گا، اور جو خود سیر ہو کر ٹھاتے ہیں اور غریبوں کے در و گرسنگی سے بے خبر رہ کر اپنے مال کا میل کھیل (زکوٰۃ) بھی ان کو کھانے کو نہیں دیتے ورنہ میں ان کو زخموں کا دھوون کھانے کو ملیگا فرمایا،

اِنَّكَ تَكُنْ لَا يُؤْمِنُ بِاَللّٰهِ الْعَظِيْمِ، وَكَانَ يَحْضُرُ
 بِشک وہ خدا کے بزرگ پر ایمان نہیں رکھتا تھا، اور کہیں کہیں
 عَلٰی طَعَامِ الْمَسْكِيْنِ، فَلَيْسَ لَكَ اَلَيْكُم مَّأْكُلًا
 کھانے پر آمادہ نہیں کرتا تھا، تو آج اس کا بھی یہاں کوئی
 حَيْمٌ، وَلَا طَعَامٌ اِلَّا مِنْ غَسْلِيْنٍ، لَا يَأْكُلُوْنَ
 دوست نہیں، اور نہ زخموں کے دھوئوں کے سوا کوئی
 اِلَّا الْخَاطِئُوْنَ، (حقہ - ۱) کھاتا ہے، اس کو وہی گنہگار کھائیں گے،

بے لوث مخلصانہ فیاضی کی تمثیل سرسبز و شاداب باغ سے دی،

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ ابْتِغَاءَ
 اور ان کی مثال جو اپنی دولت خدا کی خوشنودی چاہنے
 مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَنْبِيْئًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ
 اور اپنے دلوں کی مضبوطی کے لیے خرچ کرتے ہیں ایک
 كَمَثَلِ جَنَّةٍ مِّنْ ثَمَرٍ
 باغ کی ہے جو ایک ٹیلہ پر ہے، (بقبرہ - ۲۷)

خدا کی راہ میں جان و مال اور مرنے والوں کو جان و مال اور حیات جاودان کی خوشخبری دیکھی فرمایا،
 وَلَا تَقُوْا اُولٰٓئِكَ يَمُوتُوْنَ فَيُقْتَلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَالًا
 جو خدا کی راہ میں مارا جائے اُس کو مردہ نہ کہو وہ لوگ
 اُولٰٓئِكَ اَحْيَاءٌ (بقبرہ - ۱۹) زندہ ہیں،

اسی طرح یہ ہے کہ جو خدا کو فرض دیگا، خدا اُس کو بڑھا کر دے گا، جو دوسروں کو معاف کرے گا، خدا اُس کو
 معاف کرے گا، جو دوسروں کی عیب پوشی کرے گا، خدا اُسکی ستاری کر دیگا، قرآن اُحادیث اس قسم کی بالعمادہ جزا
 سزا کے ذکر سے بھر پور ہیں،

جو لوگ راہ خدا میں اپنا مال نہیں دیتے ان کی نسبت فرمایا،

سَيُطَوَّقُوْنَ مَا يَكْفُوْا اِيَّاهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ،
 جس مال کا بخل کیا تھا، قیامت میں اُس کا اُن کے گلے
 (الاعمران - ۱۸) میں طوقی پڑے گا،

يَوْمَ يُخْلِفُ عَلَيْهِ اَنۡفِيَ نَارٍ يَّهَيِّئُهَا لَكُمۡ فَتَكُوْنُ فِيْهَا
 جس دن اُس سورنے اور چاندی کو روزخ کی آگ میں
 جَبَاهُمْ وَجُحُوْهُمۡ وَظُهُوْهُمۡ هٰذَا
 گرم کیا جائے گا، پھر اس سے ان کی پیشانیوں اور پیٹوں

مَا كُنْتُمْ لَكُمْ فَنَدُّوا مَا كُنْتُمْ
تَكْلِفُونَ، (توبہ - ۵)

اور پٹھان داغی جاؤں گی، کہ یہ ہے جو تم نے اپنے لیے گاڑ

رکھا تھا، تو اب تم اس کا مزہ کچھو جسکو تم کاڑ کر رکھتے تھے،

دنیا میں اللہ کے نور بصیرت سے روگردانی آخرت میں ظاہری نابینائی کی صورت میں روغما ہو گی اور اسی طرح جو

خدا کو یہاں بھولے گا، خدا اس کو وہاں بھلائے گا، چنانچہ حضرت آدمؑ سے سختی وقت یہ فرمایا گیا تھا،

وَمِنْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً

اور جس نے میری یاد سے روگردانی کی تو اس کے لیے تنگ

ضَنْكًا وَنَحْسًا بِمَا كَانُوا يَصْنَعُونَ، قَالَ رَبِّ

گذران اور ہم قیامت کے دن اس کو اندھا اٹھائیں گے

لِمَ خَسِرْتَنِي أَعْلَىٰ وَقَدْ كُنْتُ بِصِيْرٍ، قَالَ

وہ کہیں میرے پروردگار تو نے مجھے اندھا بنا کر کیوں اٹھا

لَكَ إِلَهٌ آتَيْنَا نَفْسَيْهَا وَكَذَلِكَ

میں تو دنیا میں آنکھوں والا تھا، خدا کیسے طرح تیرے

الْبُيُوتِ تَنْتَسِي، ۝

پاس ہماری نشانیاں آتی رہیں، تو ان کو تو نے بھلا دیا،

(طہ - ۷)

اور اسی طرح آج تو بھلایا جاسے گا،

یہی مفہوم اور زیادہ اختصار کے ساتھ اس آیت میں ہے،

وَمَنْ كَانَ فِي هَذِهِ أَعْلَىٰ فَمَوْفِيَ الْأَعْلَىٰ

جو کوئی دنیا میں (دل کا) اندھا تھا وہ آخرت میں اندھا

أَعْلَىٰ وَأَضَلُّ مَسِيلًا، (اسرائیل - ۸)

ہے، اور راستہ سے زیادہ مہلکا ہوا،

اس باب میں سب سے زیادہ صریح وہ حدیث صحیح ہے، جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بخیل کا مال سناپ

کی صورت میں گلے کا ہار ہو کر نظر آئے گا، یعنی وہ مال سونے اور چاندی کے سناپ کی صورت میں ہو گا،

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ آتَاهُ اللَّهُ مَالًا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کو اللہ نے مال دیا اور اس نے

فَلَمْ يُوَدِّ زَكَاتَهُ مُثِّلَ لَهُ مِنَ الْمَالِ شَيْءٌ آتَاهُ اللَّهُ

اس کی زکوٰۃ اور نہیں کی، تو اس کا مال اس کو بھل کر ڈسنے

لَهُ زَبِيذَاتَانِ يَطْلُو قَبْرِ يَوْمِ الْقِيَمَةِ يَأْخُذُ

دو بے سناپ کی صورت میں رکھ لیا جائے گا جبکہ سبز زہر

بِأَجْزِ مَتِيَةٍ أَيْ شِدَّةٍ قَبْرِ يَوْمِ الْقِيَمَةِ أَيْ

کی شدت سے گنجا ہو گا، اس کے منہ میں دودانت ہوں گے،

مالک انانکترک، وہ اس کے گھر میں قیامت کے دن پڑا ہوگا اور وہ اس کے

(بخاری تفسیر الیٰ عملن ص ۵۵ جلد دوم) دونوں جہنم کو کاٹے گا اور کئے گا بن ہون تیر مال میں ہون

اسی طرح وہ حدیثیں ہیں جن میں مختلف اعمال کا مختلف شکل میں آبا بیان کیا گیا ہے، مثلاً یہ کہ مرنے کے بعد قبر میں ناخور وزرہ وغیرہ اعمال عذاب سے بچانے کے لیے جو حال بنکر رہنے بائیں سے نمودار ہونگے، یہ بھی حدیث میں ہے کہ مرنے کے بعد جب ایک دفعہ فرشتہ الٰہی مردہ کو بیدار کرتا ہے تو اس کو آفتاب ڈوبتا ہوا دکھایا جاتا ہے، (مِثْلَتِ الشَّمْسِ عِنْدَ غُرُوجِهَا) نیک مرد مسلمان اس تنگ وقت کو دیکھ کر نماز کی تیاری کرنا چاہتا ہو یہ ظاہر ہے کہ یہ دنیا والا آفتاب بن نہیں سکتا کی تنہا ہوتی ہے جیسا کہ حدیث کے الفاظ میں ہے، یعنی یہ کہ اس مردہ کو ایسا نظر آتا ہے اور وہ حقیقت آفتاب نہیں بلکہ آفتاب کی مثالی صورت ہوتی ہے۔

گناہوں کی تشبیہ سنائیں | اوپر کے بیانات سے یہ یاد ہے کہ جو مختلف اعمال اور معانی اپنے جن تشبیہ پیکر میں نظر آتے ہیں وہ حقیقت اُن اعمال معانی سے تشبیہ مشابہت رکھتے ہیں، مثلاً ایک صحیح حدیث میں ہے کہ شہر صحابی حضرت عثمان بن مظعون کی وفات کے بعد ایک صحابی نے خواب میں دیکھا کہ ان کے لیے ایک نہر بہ رہی ہے، اور جب اس کا ذکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا، تو آپ نے اس کی تعبیر میں فرمایا،

ذالک عملہ (بخاری کتاب التعلیہ) یہ نہر ان کا (نیک) عمل ہے،

اس تمہید کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس روایے صادق پر غور کرو، جو ظاہر ہے کہ قیامت کا نہیں کہ بھی دہائی نہیں بلکہ برزخ ہی کا مرتبہ پیش کرتا ہے، جواب بھی قائم ہے، آپ نے ایک صبح کو فرمایا کہ رات میں نے دیکھا کہ دو آنے والے آئے اور انھوں نے مجھے جگایا، میں اُن کے ساتھ چل کھڑا ہوا، تو میں نے دیکھا کہ (۱) ایک آدمی لیٹا ہے، اور دوسرا اُس کے پر ایک بڑا پتھر لیے کھڑا ہے اور وہ اُس پتھر کو اُس کے سر پر اس طرح دے مارتا ہے، کہ اس کا سر کھٹکا چور ہو جاتا ہے، اور پتھر پڑ گیا ہے، وہ اُس کے پیچھے جا کر اس کو اٹھاتا ہے، اور اتنی دیر میں اُس کا سر درست ہو جاتا ہے، پھر وہ مارتا ہے، اور پھر وہی صورت پیش آتی ہے، ہم گے بڑے تو دیکھا کہ (۲) ایک شخص لیٹا ہوا پڑا ہے، اور دوسرا اُس کے کا ایک تنکس لیے کھڑا ہے، اور

ملہ منہ ان میں
لے سنی ان میں
ذکر القوم

اُس سے اُس کے جبرے کو پھرتے کو اور پھر نکھون کو گدڑی تک چیر دالتا ہے پہلے ایک طرف بعد ازیں دوسری طرف پھر آگے بڑھے تو دیکھا کہ (۳) تنور کی قسم کی ایک چیر دہک رہی ہے، اور کچھ مرد و عورت اُسین ننگے پڑے ہیں، اور اُس کے شعلے بھڑک بھڑک کر اُن تک پہنچے ہیں اور وہ جیتے ہیں، آگے بڑھے تو نظر آیا کہ (۴) ایک خون کی جیسی سرخ نہر بہ رہی ہے، اور ایک آدمی اُس میں تیر رہا ہے، نہر کے کنارے ایک آدمی کھڑا ہے، جس کے پاس بہت سے پتھر رکھے ہیں، وہ تیرنے والا آدمی تیر کر جب اُس شخص کے قریب آتا ہے تو یہ ایک پتھر اٹھا کر اس زور سے مارتا ہے کہ وہ پتھر اُس کے منہ میں جا کر پیٹ میں اتر جاتا ہے، اس کے بعد ہم آگے بڑھے تو ایک سرسبز و شاداب چمن نظر آیا جہاں بہار کی ہر گل کھل رہی تھی، باغ کے سامنے ایک دروازہ آدمی کو دیکھا جس کا سر آسمان میں تھا، اور اُس کے چاروں طرف بہت سے چھوٹے چھوٹے بچے تھے آگے بڑھ کر تو ایک بہت بڑا باغ دیکھا جس سے زیادہ بڑا اور خوبصورت باغ میں نے نہیں دیکھا تھا، یہاں پہنچا کہ اپنے دونوں ہمراہیوں کے کہنے سے اوپر چڑھا، تو ایک شہر ملا جس کی دیوار میں ایک ایک سونے اور ایک ایک چاندی کی اینٹ لگی تھی، ہم لوگ دروازہ کے پھاٹک پر پہنچے، دروازہ کھلوا یا، دروازہ کھلا، تو اُس کے اندر گھسے تو اُس میں کچھ لوگ ملے، جن کا آدھا دھڑ نہایت ہی خوبصورت اور آدھا بہت ہی بدصورت تھا، میرے ہمراہیوں نے اُن سے ایک نہر کی طرف جو بیچ میں نہایت صاف و شفاف رہی تھی، اشارہ کر کے کہا کہ اس میں جا کر غوطہ لگاؤ، وہ غوطہ لگا کر اُس کی بدصورتی کا حصہ جاتا رہا، اور وہ پورے دھڑ سے خوبصورت ہو گئے، میرے ہمراہیوں نے مجھ سے کہا کہ یہ ”جنتِ عدن“ ہے، اور وہ آپ کا دولت خانہ ہے، میں نے نظر اٹھا کر دیکھا سپید لکتہ ابر کی طرح ایک محل دکھائی دیا،

پھر میں نے ان ہمراہیوں سے کہا کہ آج تو میں نے عجیب عجیب چیزیں دیکھیں، تو بتاؤ میں نے کیا کیا دیکھا، انھوں نے جواب دیا کہ پہلا شخص جس کا سر پتھر سے بنایا جا رہا تھا، وہ ہے جو قرآن پڑھ کر اُس کی تعمیل سے انکار کرتا ہے، اور صبح کی مضر و غمناک سے غافل ہو کر سو رہتا ہے، اور دوسرا شخص جس کا گلہ پھڑپھڑا رہا تھا اور ننگے اور انکھیں پھاڑی جاتی تھیں وہ ہے جو بھوٹ بول کر تمام دنیا میں اُس کو بھیلاتا ہے، اور توہین جو مرد اور عورتیں ہیں، اور جو شخص خون کی نہر میں تیر رہا تھا اور منہ سے پتھر نکلتا تھا، وہ سو دغا خوار ہے، اور اس سدا بہار چمن میں جو دروازہ آدمی آپ نے دیکھا وہ ابراہیم تھے، اور

اُن کے گرد جو بچے تھے وہ بچے اور کُن بچے تھے جو فطرت پر مے تھے کسی صحابی نے پوچھا یا رسول اللہ! مشرکون کے بچے؟
فرمایا اور مشرکون کے بچے بھی، وہ لوگ جو نکاح اور عداوت اور ادا بدعت تھے، وہ ہیں جنہوں نے کچھ اچھے کام بھی
کئے تھے، تو خدا نے اُن کے گناہ دھو دیئے۔

برزخ کی ان تمام منزلوں پر غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ اُن کی نوعیت اور کیفیت اُن کے اعمال کے بالکل متناسب
اور مشابہ قرار دی گئی ہے، نماز صبح سے غافل ہو کر، بالینِ رحمت سے سرنہ اٹھنا، واسے کا سر کھانا، جھوٹے کا گھٹھرا بھاڑا جانا
زانی اور زانیہ کا برہنہ تنور کی آگ میں جلنا، خون چوسنے والے سود خوار کا انسانوں کے خون کے دریا میں تیرنا، اور بانٹ بھڑ
پیٹ بھرنے کے لیے سارے غریبوں کی روزی کو چھین چھین کر جمع کرنے والے کا پتھر کا لقمہ کھانا، سرسراں کے دنیاوی اعمال
کی تمثیل و تصویر ہے، اور آخر میں نصفِ حسنِ عمل سے آدمی دھڑکی خوبصورتی، اور نصفِ عمل بد سے آدمی دھڑکی بد صورتی
پوری مشابہ ہے، اور صفات و شہادتِ ہنر کی صورت میں رحمت و منفعت الہی کا ظہور بھی اسی قیاس پر ہے۔

ابھی تک دنیا نے جو کچھ ترقی کی ہے وہ نفس سے باہر آفاقی، یعنی اپنے سے باہر کی بیرونی مادی دنیا کی اشیاء کے
خواص و صفات کے جانتے مین کی ہے، جن سے سائنس کی ایجادات و انتراعات کا تعلق ہے، لیکن ابھی اس سے بھی بڑا
ایک وسیع دنیا اپنے اندر کی پڑی ہے جس کو قرآن نے "انفس" کہا ہے، ان نفس یا ارواح کے اوصاف و خصائص کا ابھی
بُٹ بہت کم علم ہوا ہے، ہماری سائیکالوجی (علمِ انفس) ابھی اپنے ابتدائی منزل میں ہے، اور اسپرٹ پوولزم (علمِ ارواح)
ابھی طلسمِ فریب کے عجائبات میں اُسی طرح گرفتار ہے، جس طرح موجودہ عہد سے پہلے آج کے معمولی سا تنفک تجربے
محرور جادو کے نقش و نگار بنے ہوئے تھے، بہر حال ابھی تک علمِ انفس و روح کے عجائبات پر پردے پڑے ہوئے ہیں، ایک
یہ مسئلہ کہ شے کے نقین اور اُس کے خارجی وجود میں کیا تعلق ہے؟ ایک کتاب ہے بہت سے ہندو اہل فلسفہ اور بعض مسلمان
صوفیوں، اور موجودہ زمانہ کے مشہور فلاسفر برکلی کے نزدیک تو کسی شے کے تصور اور وجود یا یون کہو کہ ذہنی اور خارجی وجود
میں بہت کم فرق ہے، بلکہ گویا نہیں ہے،

لے جو بخاری کتاب التعمیر فیہ، علیہ رحمۃ اللہ، شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ ذکر و اوقاتِ حشر۔

بہر حال نفس انسانی کے اندرونی قوی کا علم کو ابھی بہت کچھ محتاج تکمیل ہے تاہم اتنا ثابت ہے کہ کسی شے کے تصور یقین اور عاجی وجود میں بہت ہی شدید تعلق ہے، ہمارے علم نے جو سراسر اسی اصول پر مبنی ہے، اس حقیقت کو کسی قدر واضح کر دیا ہے، اسی سے معلوم ہو گا کہ مذاہب نے سب سے زیادہ ایمان پر جو یقین ہی کا دوسرا نام ہے، استدلال و سبب نہیں دیا۔ قرآن پاک نے یقین کی دو قسمیں کی ہیں، علم یقین، اور عین یقین، کسی شے کی دلیلوں کو سن کر یا بعض علامتوں کو دیکھ کر اس کے وجود کا یقین کرو، تو یہ علم یقین (یقین جاننا) ہی اور اگر وہ شے خود تمہارے احساس اور مشاہدہ کے سامنے آجائے، جس میں پھر شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہو سکتی تو وہ عین یقین (عین یقین) ہے قرآن پاک نے یقین کی ان دو صورتوں کو سورہ تکوین میں بیان کیا ہے،

اَلَّذِي كَفَرَ يَتَوَلَّوْا اَعْيُنُهُمْ اَشْفَاوًا ۖ لَّا يَسْمَعُوْنَ ۚ	تم کو وہ دوست و نعمت کی بہت سی غفلت میں مبتلا کر دیا۔
لَا يَسْمَعُوْنَ ۚ ثُمَّ يَلْمِزُوْنَ مَا كَانُوا يَعْمَلُوْنَ ۚ اَلَا	یہاں تک کہ تم نے قبروں کو جا دیکھا، ابھی نہیں تم آگے
لَا تَعْلَمُوْنَ ۚ اَلَّذِيْنَ اَلَّيْقِيْنَ ۚ اَلَّذِيْنَ اَلَّيْقِيْنَ ۚ	جان لو گے پھر ابھی نہیں تم آگے جان لو گے ہرگز نہیں
اَلَّذِيْنَ اَلَّيْقِيْنَ ۚ اَلَّذِيْنَ اَلَّيْقِيْنَ ۚ	اگر تم یقین کا جاننا جانتے تو البتہ دوزخ کو دیکھ لیتے پھر البتہ

(تکوین - ۱)

عین یقین سے اس کو دیکھ لو گے،

بنابرین اگر انسان اپنے اندر علم یقین حاصل کرے، جو کمال ایمان کا اعلیٰ درجہ ہے، تو وہ اپنے باطن کی آنکھوں سے اپنی دوزخ میں دیکھ لے،

اَلَّذِيْنَ اَلَّيْقِيْنَ ۚ اَلَّذِيْنَ اَلَّيْقِيْنَ ۚ	نہیں یہ بات نہیں اگر تم کو علم یقین ہو تو دوزخ کو بغیر
اَلَّذِيْنَ اَلَّيْقِيْنَ ۚ اَلَّذِيْنَ اَلَّيْقِيْنَ ۚ	دیکھ لو،

کتارا حضرت تمام مذاہب کے جلدی مشاہدہ کا مطالبہ کرتے تھے، وحی الہی نے اس کے جواب میں کہا،

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا هَٰؤُلَاءِ ۖ هُمْ يَسْمَعُونَ ۚ اَلَّذِيْنَ اَلَّيْقِيْنَ ۚ اَلَّذِيْنَ اَلَّيْقِيْنَ ۚ

وہ تجھ سے جلد عذاب مانگتے ہیں حالانکہ دوزخ گھر رہی ہے منکرون کو،

(عنکبوت - ۲۵)

ایک دوسری آیت میں ہے کہ منافقین بزعم خود آزمائش کے دوسرے جہاد کی شرکت سے منکر تھے مگر آیت میں ان سے فرمایا گیا کہ وہ تو ابھی آزمائش میں مبتلا ہیں اور دوزخ ان کو گھیرے ہوئے ہے۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَقُولُ اٰذَنْ لِّيْ وَكَانَتْ نَفْسِيْ
اَلَا فِي الْغُفْلَةِ مَقْلُوْطًا وَاِنَّ جَهَنَّمَ
لَخِيْطَةٌ بِالْكَافِرِيْنَ (توبہ ۷۷)

اور ان میں کوئی ایسا ہے جو کہتا ہے کہ مجھے (جہاد میں) ملے
شرکت کی (اجازت دیدیجئے اور آزمائش میں ڈال دینے)

ان وہ تو آزمائش میں پڑ چکے اور دوزخ منکر ان کو گھیر رہا ہے

لیکن یہ علم یقین جس کے حصول کا ذریعہ صرف ایمان ہے ہر شخص اس سے اس دنیا میں بہرہ ور نہیں ہوتا بلکہ
بہتر ہے اس سے منکر بن جائے اس لیے ان کو یہ اپنے پاس کی دوزخ اس وقت نظر نہیں آتی لیکن موت جس کا ان ایک
دن یقینی ہے جب وہ ایسی تو بارہ کا یہ حجاب جو آنکھوں پر پڑا ہے اٹھ جائے گا اس وقت اس عالم غیب کے کچھ اسرار آشکار
منکشف ہو جائیں گے اور اعمال کے تشلی نتائج اور ثواب و عذاب اور جنت و دوزخ کے بعض مناظر ان کے سامنے
آجائیں گے اور اس وقت وہ اپنے یقین کی آنکھوں سے کسی قدر واقعات کا مشاہدہ کر لیں گے،

ثُمَّ لَنَرُوْهُنَّ اَعْيُنَ الْيَقِيْنَ (نکاح ۱)

پھر تم دوزخ کو عین یقین سے دیکھ دو گے،

یہ موت کے بعد کا سامان ہوگا جس کو دوزخ کا عالم کہتے ہیں اس کے بعد جب قیامت آئے گی تو ہر راز آشکار
ہو جائیگا، یَوْمَ تَبْيَضُّ الْوُجُوْهُ (جس دن تمام بھید کھل جائیں گے) اور بہشت و دوزخ اپنی ظاہری صورتوں میں اس طرح
سامنے آجائیں گی کہ پھر شک و شبہ کا شائبہ بھی باقی نہ رہیگا، وہ عالم حقیقی اور یقین تحقیقی کا دن ہوگا، قرآن میں قیامت کے
موقع پر ہے،

وَنُفِخُ فِي الصُّوْرِ ذٰلِكَ يَوْمُ الْوَعْدِ .. اور نہ شک و شبہ کا گناہ ہو گا دن تو ہم نے
..... فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَاءَكَ فَبَصَرُكَ
اَلْيَوْمِ حَدِيْدٌ (ق-۲)

اس پر وہ کے ہٹے ہی اس دن انسان کے تمام اعمال ایک ایک کر کے اس کے سامنے آجائیں گے اور دوزخ

منظرِ عام پر آجائے گی، فرمایا،

فَإِذَا جَاءَتْ الطَّائِفَةُ الْكَبْرَىٰ، يَوْمَ يَتَذَكَّرُو
الْإِنْسَانُ مَا سَعَىٰ، وَبُرْزَتِ الْجَحِيمُ كُلُّ
يَوْمٍ، (نازعات ۲۰) باہر لائی جائے گی،

احوالِ برزخ کا یقین | ایک عرب شاعر (ابو القاسم) نے حیرت کے عالم میں کیا خوب کہا ہے،

الموتُ بَابٌ وَكُلُّ النَّاسِ يَدْخُلُهُ
لَيْلَتٌ شَعْرِي بَعْدَ الْبَابِ مَا الدُّنْيَا
یہ علم جس کی حسرت اس شاعر نے ظاہر کی ہے اس زندگی میں صرف علمِ یقین کے ذریعہ حاصل ہو سکتا ہے، البتہ
کے وقت جب وہ دوسرے عالم کے دروازہ پر کھڑا ہوگا، تو اس کو پس پردہ کا نظارہ تھوڑا بہت ہو جائے گا، اور وہی
برزخ کا عالم ہے، فرمایا،

حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ
رَبِّ ارْجِعُونِ، لَعَلِّي أَعْمَلُ صَالِحًا فِيمَا
تَرَكْتُ كَلَّا إِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَائِلُهَا وَمِنَ
وَمَا يَرْجِعُ إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ،
(مومنون - ۹)

جب ان گنہگاروں میں سے کسی کا ایک کو موت آتی ہے تو
وہ زندگی کے پس پردہ کے بعض مناظر کو دیکھ کر کہتا ہے
اے میرے پروردگار مجھے ایک بار اور دنیا میں لوٹا دے
تاکہ دنیا میں جو مال چھوڑ کر آیا ہوں اس سے شاید کوئی
نیک کام کروں، ہرگز نہیں یہ بات ہی بات ہے جو وہ
کہتا ہے اور (اب) ان گنہگاروں کے پیچھے اس دن تک

ظاہر ہے کہ اگر موت کے وقت اور بعد کوئی نئی غیبی کیفیت اس کے مشاہدہ میں نہیں آجاتی تو اس کا شک

شبہ دفعہ یقین سے کیسے بدل جاتا ہے، فرمایا،

وَجَاءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ط ذَٰلِكَ
اور موت کی بیوشی حقیقت کو سہ کر لگتی یہی وجہ ہے

تو ہٹا کر تھما،

مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيدُ، (ق-۲)

اس سے معلوم ہوا کہ سکرات کے وقت "حقیقت" کا کوئی منظر سامنے ضرور آ جاتا ہے، چنانچہ اسی حقیقت کو دیکھ کر جو لوگ عمر بھر جس کام سے انکار کرتے رہے، اُس کے کرنے کے لیے فوراً آمادگی ظاہر کرنے لگتے ہیں،

إِذْ تَبَرَّأَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا مِنَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا أَتَّبَعُوا

جب پیرواؤں نے اپنے پیروں سے بے تعلقی کا اظہار کیا،

وَرَأَوْا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْأَسْبَابُ

اور عذاب کو (آنکھوں سے) دیکھ لیا، اور تمام ذریعے ان کے کٹ گئے اور پیروں نے کہا کاش دنیا میں ایک

وَقَالَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا لَوْ أَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّأَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّأُوا مِنَّا كَذَّبَ بِهِنَّ الَّذِينَ اسْتَبَعُوا

ان کے کٹ گئے اور پیروں نے کہا کاش دنیا میں ایک اور جانے کی ملت ملتی تو ہم بھی ان سے (روبان) بے تعلقی ظاہر کرتے جیسے انھوں نے ہم سے (دیان) بے تعلقی ظاہر کی، اس طرح اللہ ان کے کاموں کو ان کی حسرتیں کر کے دکھائیگا

مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّأُوا مِنَّا كَذَّبَ بِهِنَّ الَّذِينَ اسْتَبَعُوا

اور جانے کی ملت ملتی تو ہم بھی ان سے (روبان) بے تعلقی ظاہر کرتے جیسے انھوں نے ہم سے (دیان) بے تعلقی ظاہر کی، اس طرح اللہ ان کے کاموں کو ان کی حسرتیں کر کے دکھائیگا

أَعْمَاءُ لَهُمْ حَسَرَاتٌ عَلَيْهِمْ وَمَا هُمْ بِبَارِعِينَ

کی، اس طرح اللہ ان کے کاموں کو ان کی حسرتیں کر کے دکھائیگا

مِنَ النَّاسِ، (بقبر ۵-۲۰)

کی، اس طرح اللہ ان کے کاموں کو ان کی حسرتیں کر کے دکھائیگا

ایک اور موقع پر ہے،

وَأَنفِقُوا مِنْ مَّا رَزَقْنَاكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُولَ رَبِّ لَوْ أَنِّي

ہم نے جو تم کو روزی دی ہے اس میں سے اس سے پہلے کہ تم میں سے کسی کو موت آئے، خرچ کر لو! اُس وقت کہو

أَخَّرْتُ إِلَى أَجَلٍ قَرِيبٍ فَأَصْدَقَ وَأَكُنْ مِنَ الصَّالِحِينَ، (منافقون ۲-۲۰)

کہ تم میں سے کسی کو موت آئے، خرچ کر لو! اُس وقت کہو کہ اسے پروردگار؟ کیوں کچھ اور ملت نہ دی کہ میں خیرا کرنا اور نیکوں میں ہوتا،

وَأَخَّرْتُ إِلَى أَجَلٍ قَرِيبٍ فَأَصْدَقَ وَأَكُنْ مِنَ الصَّالِحِينَ، (منافقون ۲-۲۰)

کہ اسے پروردگار؟ کیوں کچھ اور ملت نہ دی کہ میں خیرا کرنا اور نیکوں میں ہوتا،

ان لوگوں کو جو گمراہ خیال ہے کہ اس زندگی کے بعد بچہ کسی قسم کی کوئی ایسی زندگی نہیں، حسین ہم کو اپنے اعمال

کا ذمہ دار ہونا پڑے گا، یہ خطاب ہی

قُلْ يَتُوبُ قُلُوبُكُمْ عَلَى الْمَوْتِ الَّذِي ذُكِّرَ

کہ موت کا فتنہ جو تم پر مقرر ہے وہ تم کو دفات دیگا، پھر تم

بِكُمْ ثُمَّ إِلَى رَبِّكُمْ تُرْجَعُونَ، وَأَلَوْ تَرَى إِذِ

اپنے پروردگار کی طرف لوٹاؤ گے، اور کبھی تو دیکھو

إِذِ الْمُرْسَلُونَ نَاكِسُو أَسْفُلِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ

ان مہربانوں کو ان کے پروردگار کے آگے سر جھکا گئے

رَبَّنَا الصِّرَاطَ الَّذِي جَعَلْنَا لَكَ سُبُلًا مَّا جَعَلْنَا لَكَ سُبُلًا مَّا جَعَلْنَا لَكَ سُبُلًا مَّا جَعَلْنَا لَكَ سُبُلًا
مُؤْتَقِنِينَ، (وہ کہیں گے) اے ہمارے پروردگار! ہم نے اب تک کیا اور
سُن لیا، اب پھر ہم کو دنیا میں لوٹا دے! اب ہم اچھے کام کرنا

(سجدہ ۵-۲) اب ہم کو یقین آگیا،

اس آیت سے ظاہر ہے کہ وفات کے بعد بعض غیبی صورتیں اور بعض غیبی آوازیں آتی ہیں جن کو دیکھ کر اور سن کر مردہ
گواہین آجاتا ہے،

موت کے بعد خدا کی طرف روح کی بازگشت | "موت" کے یہ قرآن میں اکثر خدا کی طرف بازگشت یعنی خدا کی طرف لوٹ جانے
کی اصطلاح اختیار کی گئی ہے،

قُلْ إِنَّ الْمَوْتَ الَّذِي تَفِرُّونَ مِنْهُ فَإِنَّهُ
مُتَلَقِّكُمْ ثُمَّ تُرَدُّونَ إِلَىٰ عَالَمٍ الْغَيْبِ
وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ (احزاب)
إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاغِبُونَ (بقرہ ۱۵۸)
إِلَى اللَّهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا (مائدہ ۱۶۲)
بیشک وہ موت جس سے تم بھاگتے ہو اس سے ملنا ہی
پھر تم اس (خدا) کے پاس لوٹاؤ گے جو جاننا ہے
کا جاننے والا ہے، تو وہ تم کو تمہارے کر توت بتائے گا،
ہم سب خدا کے ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹنا ہیں گے،
تم سب کو خدا ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے،

یہ طرزِ ادا بیحد ایتوں میں اختیار کیا گیا ہے یہ بالکل بدیہی ہے کہ ہر چہ جو بازگشت کے مفہوم میں وارد اور
آمد داخل ہے اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ تمام ارواح انسانی خدا کے یہاں سے اس جسم و قالب کی قید میں آئی ہیں اور
موت کے وقت اس عناصر کی چار دیواری سے نکل کر پھر ان کو وہیں واپس جانا ہے، جہاں سے آئی تھیں اور اس
بازگشت کے سفر میں ان کا زور اور صرف وہی ہوگا جو اس دنیا سے دارِ اہل میں انھوں نے کیا یا ہے، یعنی ان کے اندرونی
و بیرونی اعمال اور اس کے بعد جو ان کی زندگی ہوگی وہ ان کے انھیں اعمال کی نوعیت پر منحصر ہوگی،

وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفَّاكُم بِاللَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَعَلْتُمْ
بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيهِ لِيُقْضَىٰ أَجَلٌ مُّسَمًّى
اور وہی (خدا) ہے جو تمہیں رات کو موت (دینا) دیتا ہے،
اور دن کو جو کما چکے، اس کو جانتا ہے، پھر تم کو دن میں

تَعْمَلُونَ، (انعام-۷) جگا اٹھاتا ہو، تاکہ مقررہ وقت (املی موت) پورا ہو، پھر اسی کی طرف ٹکڑے کر جانا ہو، پھر وہ ٹکڑے اعمال جتنائے گا،

ایک اور آیت میں ہے،

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا نَعْبُدُكُمْ عَلَىٰ أَنْفُسِكُمْ مَتَاعَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا تَعْمَلُونَ لِيَسَرَّجَعَكُمْ فَبِئْسَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ، (یونس-۳) سنو انسانو! تمہاری عبادت کا نتیجہ تین برسہ، دنیا کی زندگی سے فائدہ اٹھا لو، پھر جاری ہی نظر لو، تاکہ آئے، تو ہم ٹکڑے کر کے اعمال جتائیں گے،

اسی "رجوع" کو اس کے ہم معنی لفظ "رد" (واپسی) سے بھی کہیں ادا کیا گیا ہو، ہذا الذی بئسوا کل نفس بما أسفقت ورددنا إلی اللہ منہم الخ، (یونس-۳) وہاں ہر مان جانچ لے گی جو اس نے پہلے بھیجا، اور وہ سب اپنے حقیقی مالک کی طرف لوٹا دیتے جائیں گے،

ایک دوسرے سورہ میں اس کو "سوق" یعنی ہانکنے کے مفہوم سے ادا کیا گیا، فرمایا،

كَلَّا إِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ، وَقِيلَ لَهَا مَرْحَبًا وَظَنَّ أَنَّهُ الْفِرَاقُ، وَالتَّقَاتِ السَّافُ بِالسَّاقِ، إِلَىٰ سَرَّابٍ يَوْمَئِذٍ الْهَسَاقُ، ہرگز نہیں، جب رواج ہانس تک آپہنچے، اور لوگ کہیں آ کون ہے جھاڑ پھونک کر کے بجائے والا، اور تھکا کہ اب جدائی کا وقت آگیا، اور پھٹ گیا سے پتہ نہ پڑے گی، اُس دن تیرے پروردگار کی طرف ہے ہانکنا جانا، (قیامہ-۱)

لیکن سجد اور ٹکڑے کر دھون کو موت کے وقت یہ بہت بھری صدائے غیب سنائی دیتی ہے،

يَا أَيُّهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً، (یوسف-۱) اے مطمئن روح! تو اپنے مالک سے خوش اور تیرا مالک تجھ سے خوش، تو اپنے مالک کے پاس واپس چلی جا،

یہ کسی نہ لایز صدا، اور کسی دلکش واپسی ہوگی،

اس وقت کا سامان وہ لمحہ جب اس روح کی ہمارے کا زمانہ اور عمل کی فرصت ختم ہوتی ہے، کتنا دردناک ہے، اُس وقت

سے اسکی زندگی صرف اُس کے گذشتہ اعمال کے قالب میں جلوہ گر ہوتی ہے اور ہر عمل کی صورت اُس کو اپنے سامنے دکھائی
ہوئی معلوم ہوتی ہے اور غیب کی کارکن صورتیں عینی پھرتی دکھائی اور بولتی چلتی سنائی دیتی ہیں،

وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ الظَّالِمُونَ فِي غَمَرَاتِ الْمَوْتِ
وَالْمَلَائِكَةُ بَاسِطُو أَيْدِيهِمْ آخِرُ سُورِ الْاِنشَاءِ
الْيَوْمَ يَخْرُجُونَ عَذَابِ الْهُونِ بِمَا كُنتُمْ
تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنتُمْ عَنْ
آيَاتِهِ تَسْكِبُونَ، وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّافِرَاتِ
كَمَا خَلَقْنَاكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَتَرْجِعْتُم مَّا خَلَقْنَاكُمْ
وَرَاءَ ظُهُوفِكُمْ مَرَّةً (العام۱۱)

اور کبھی تو دیکھے جس وقت گنہگار موت کی بیہوشی میں ہوں
اور فرشتے ہاتھ کھولے ہیں کہ نکلوا (اپنے جہنم کے اندر سے) اپنی
روحوں کو آج تم کو اس پرزنت کی سزا ملے گی کہ تم خدا کی نشان
دہی جھوٹ باتیں کہتے تھے اور اُس کے حکم کے ماننے سے
غور کرتے تھے اور تم ایک ایک کر کے (تہا) جیسے ہم نے پہلی
بار تم کو پیدا کیا تھا ہمارے پاس آئے اور جو سامان آسا
تکو دیا تھا (جسے تم کو مغرور بنایا تھا) اوسکو اپنے پیچھے چھوڑ آئے

ان آیات سے ظاہر ہے کہ موت کے وقت کس طرح فرشتے سامنے آتے ہیں اور روح جسم سے جس وقت

الگ ہوتی ہے، اس کے گناہوں کی سزا کا دور شروع ہو جاتا ہے، یہی بات ایک اور موقع پر مذکور ہے،

وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ الْمُنَادِي يَدْعُو إِلَى الَّذِينَ كَفَرُوا وَالْمَلَائِكَةُ
يُصْرَبُونَ وَجُوهُهُمْ وَاذْبَابُهُمْ وَذُوقُوا
عَذَابَ الْخُلُقِيِّ، ذَٰلِكَ بِمَا قَدَّمْتُمْ آيَاتِكُمْ
وَأَنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ (الانفال۷)

اور کبھی تو دیکھے جس وقت فرشتے کافروں کی جان لیتے ہیں
اُن کے منہ پر اور پیچھے مار رہے ہیں، (اور کہتے ہیں) بطلے کے
عذاب کا مزہ چکھو یہ تمہارے ہاتھوں کے پہلے کئے ہوئے
کاموں کا بدلہ ہے، اللہ بندوں پر ظلم نہیں کرتا،

اس سے واضح ہے کہ یہ سزا موت ہی کے عالم سے شروع ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ یہ سزا انکو ذبا اللہ کسی انتقام کے

سبب سے نہیں دیتا، بلکہ وہ سزا حقیقت قانونِ عمل کے مطابق خود انسان کے کاموں کا لازمی نتیجہ ہے،

نکو کاروں کا نقشہ اس سے بالکل الگ ہے، اُن کو ہر طرف سے بشارتیں سنائی دینگی، اور ہر سمت خوشی و شادمانی

کا سامان سامنے نظر آئے گا،

فَلَوْلَا إِذَا بَلَغَتِ الْخُلُقُومَ، وَأَنْتُمْ
 جُنُودٌ تَنْظُرُونَ، وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ
 مِنْكُمْ وَلَكِنْ لَا تُبْصِرُونَ، فَلَوْلَا إِنْ كُنْتُمْ
 غَيْرَ مَدِينِينَ، تَرْجِعُونَ، لَمَّا إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ
 فَأَمَّا إِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِينَ، فَرَوْحٌ وَرَيْحَانٌ
 وَجَنَّتُ لَيْلِي، وَأَمَّا إِنْ كَانَ مِنَ أَصْحَابِ
 الْيَمِينِ، فَسَلَامٌ لَكَ مِنَ أَصْحَابِ الْيَمِينِ،
 وَأَمَّا إِنْ كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِينَ الضَّالِّينَ،
 فَنُزُلٌ مِنْ حَيِّمٍ، وَتَصْلِيَةٌ تَنْجِيهِمْ، إِنَّ هَذَا
 لَهُوَ الْحَقُّ الْيَقِينُ، (واقعه: ۲۰)

پھر کون نہیں جو وقت روح خلق تک پہنچ جاتی ہے اور تم
 اس وقت دیکھ رہے ہو، تم اس سے تمہاری نسبت
 زیادہ نزدیک ہو، لیکن تم کو دکھائی نہیں دیتا تو اگر
 تم کسی اور کے حکم کے نیچے نہیں ہو، تو کیوں نہیں تم اس روح
 کو پھر بلادیتے ہو، اگر تم اپنے انکار و تکذیب میں اپنے ہو،
 تو اگر وہ (رہنے والا) مقرب بندوں میں سے ہو تو خوشی
 آرام اور نعمت کی بہشت ہو، اور اگر وہ (اس سے کچھ دور)
 دہنے والوں میں ہو تو کچھ پرستاشی رہنے والوں میں سے
 اور اگر وہ حق کو جھٹلانے والے گمراہوں میں سے ہو تو گرم
 پانی کی جہنم اور دوزخ میں بیٹھا ہے، بیشک یہ بات یقین

یہ تمام سامان موت کے بعد اور عالم برزخ ہی کے مناظر ہیں،

برزخ کا عذاب رحمت | اوپر کی آیتوں سے پوری طرح ہویدا ہے کہ روح و جسم کی مفارقت کے بعد اچھی روحوں پر رحمت
 کے اور بری روحوں پر عذاب کے منظر سامنے سے گذرتے ہیں، قرآن پاک میں کچھ اور آیتیں ہیں، جن سے ثابت ہو کہ
 نہ صرف یہ منظر ہی صبح کے سامنے سے گذرتے ہیں، بلکہ کبھی کبھی وہ اپنے اعمال کے مدارج کے مطابق اس رحمت و رحمت
 کے اندر بھی داخل کر دی جاتی ہے، انما تعین کی نسبت قرآن میں ہی

سَلْعَتُهُمْ مَبْرُورَتِينَ، لَمْ يَرْجِعْ إِلَىٰ عَذَابٍ
 عَظِيمٍ، (نوبہ: ۱۳)

ہم ان کو دو دفعہ عذاب دینگے، پھر وہ ایک بڑے عذاب
 کی طرف لوٹے جائیں گے،

”عذاب عظیم سے ظاہر ہے کہ دوزخ کا عذاب مراد ہے، اب اس عذاب دوزخ سے پہلے عذاب کے دوزخ

ان پر اور گزر چکے ہوں گے، ایک تو یہ دنیاوی عذاب ہے اور دوسرا موت کے بعد ہی کا ہو سکتا ہے، قرآن میں آئی فرعون

وَحَاقَ بِآلِ فِرْعَوْنَ سُوءُ الْعَذَابِ. النَّارُ
يُعرضُونَ عَلَيْهَا غَدُوًّا وَعَشِيًّا وَيَوْمَ
تَقُومُ السَّاعَةُ أَدْخِلُوا آلَ فِرْعَوْنَ

اور فرعون والوں پر بری طرح کا عذاب الٹ پڑا،
کہ اُس پر وہ صبح اور شام کو پیش کئے جاتے ہیں اور جب
قیامت کی گھڑی گھڑی ہوگی (نذا ہوگی) کہ فرعون کو

أَشَدَّ الْعَذَابِ، (مومن - ۵) (پہلے سے بھی) بڑھ کر عذاب میں ڈالو،

اس سے ظاہر ہوا کہ نگاروں کو قیامت سے پہلے برزخ کے عالم میں بھی عذاب کا کچھ نہ کچھ مزہ چکایا جاتا ہے، ایسا
یہ نیکو کاروں کو بہشت کے عیش و آرام کا منظر دکھایا جاتا ہے، اسی آیت پاک کی تشریح میں گویا آپ نے فرمایا ہے
”تم میں سے جب کوئی مرتا ہے، تو اُس پر صبح و شام اُس کا اہلی مقام پیش کیا جاتا ہے، اگر وہ اہل جنت میں سے ہوتا ہے
تو بہشت، اور اگر اہل دوزخ سے ہوتا ہے تو دوزخ، پھر اُس سے کہا جاتا ہے کہ یہ ہے تیرا مقام، اُس وقت تک کے لئے
کہ جب تو قیامت کے دن اٹھایا جائے، ایک اور صبح تیرے پیش ہے کہ جنتی مردہ کے سامنے جنت، و دوزخ دونوں کے
منظر سامنے کر کے کئے ہیں کہ اگر تو اچھے عمل نہ کرنا تو تیرا یہ مقام نہ ہوتا، مگر تیرے نیک عمل کے سبب سے اب یہ جنت تیرا
مقام ہے، اور اُس دن تک کے لئے کہ لوگ اٹھائے جائیں، اس پر سرسبز بھری جاتی ہے،

مشرکوں اور قیامت کے منکر دن کا سوال تھا کہ اگر یہ پیغام الہی سچ ہے تو ہم کو یہ فرشتے یا خدا نظر کیوں نہیں
آتے، جواب میں کہا گیا کہ فرشتے جس دن نظر آئیں گے، تو اُس دن ایمان بالنبی کمان، اور اوپر کی آیتوں سے معلوم
ہو چکا ہے کہ فرشتے موت کے وقت نظر آتے ہیں، یا پھر قیامت میں نظر آئیں گے، اس لیے ارشاد ہے،

يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلَائِكَةَ لَا بُشْرَىٰ يَوْمَئِذٍ
لِّلْمُجْرِمِينَ وَيَقُولُونَ حَجْرًا مَّحْمُورًا،
وَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَىٰ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ مَنَّا

جس دن وہ فرشتوں کو دیکھیں گے جس دن ان کو نگاروں
کو کچھ خوشخبری نہیں اور کہیں گے کہ یہ ڈھونڈنا منظر عذاب
ہم کو نظر آ رہا ہے، اور میں روکا جائے اور ہم (خدا) کو

۱۔ صحیح مسلم کتاب الحجۃ والنار باب عرض مقعد الیت جلد ۲ صفحہ ۴ مصرعہ جامع ترمذی کتاب الجنازہ، باب عذاب القبر حدیث صحیح و صحیح بخاری
کتاب الجنائز باب عذاب القبر ۱۱۱۱ و سکرات الموت ۹۶۵،

۲۔ صحیح بخاری کتاب الجنائز ۱۱۱۱، ۳۔ صحیح مسلم باب عرض مقعد الیت جلد ۲ صفحہ ۴ مصرعہ

ہے اُن کے کیے ہوئے کاموں کے پاس پہنچے اور اُن کو
 اڑنا بننا دیا یعنی بیکار و بیوزر و معدوم (جنت و آں
 لوگ یعنی جن کو جنت ملنے والی ہے) اُس دن اُن کیلئے خوش
 چھکانا، اور دوپہر کے سوئے کا مقام ہوگا اور جہنم
 آسمان بادل سے بھٹ جائیگا اور فرشتے اُسے آہستہ آہستہ
 جائینگے اُس دن رُوح بچاؤ کا ہوگا اور وہ دن کافروں
 (نورقان - ۳)

کھلی بات ہے کہ آسمان کا بادل سے پھٹنا اور فرشتوں کا اترنا قیامت کا نقشہ ہے اب اس سے پہلے فرشتوں کے
 دکھائی دینے کا وہ دن جہنم گنہگاروں کے لیے کوئی خوشخبری نہیں اور وہ کہیں گے کہ کاش یہ ڈراؤنا منظر ہماری نگاہوں
 کے سامنے نہ ہوتا اور جنت کے مستحقین کو ایک اچھا مستقر (قرار گاہ) اور دوپہر کی دھوپ سے بچانے والا خوب گاہ ملا
 ہوگا قیامت سے پہلے اور موت کے بعد ہی کی کیفیت ہے،

ایک اور آیت میں ہے،

قُلْ يَتُوبُ كُفْرُ مَلَكَ الْمَوْتِ الَّذِي وُكِّلَ
 بِكُمْ تُخْرِجُونِي رُبَّمَا تَرْجَعُونَ وَلَوْ تَرَى
 إِذِ الْمُجْرِمُونَ نَاكِسُو أَرْؤُسِهِمْ عِنْدَ
 رَبِّهِمْ سَبَّحُوا بُنَاءً أَوْ سَمِعْنَا فَأَنزَلْنَا
 نَعْمَلْ صَالِحًا إِنَّا مُوقِنُونَ
 کہدے کہ موت کا فرشتہ جو تم پر مقرر کیا گیا ہے وہ تم کو نکالتا
 دیکھا پھر تم اپنے رب کی طرف لوٹاؤ گے اور اگر
 تو دیکھے جب مجرم اپنے سرور کو جھکائے اپنے پروردگار
 کے پاس ہونگے (اور کہیں گے) ہمارے پروردگار ہم نے
 دیکھ لیا اور سن لیا پھر ہم کو دنیا میں لوٹا دے ہم یقیناً
 (سجود ۴-۲) کام کرینگے اب ہم یقیناً لائے

جواب دیکھا کہ اگر ہم کو زبردستی لوگوں کو ہدایت دینی ہوتی تو دنیا ہی میں پہلے دس چکے لیکن ہم تو یہ کہہ چکے
 تھے کہ جن دُشمنین جو از خود ہدایت نہ قبول کرے گا اس سے تہمت نہ لگے پھر فرمایا،

فَذُوُوا بِمَنَاسِبِ قُلُوبِكُمُ لِقَاءَ رَبِّكُمُ هَٰذَا جِئْنَا بِنُفُسِكُم مِّن دُونِ قُلُوبِ الْغُلَامِ جَمًّا
تَنْتُمُ تَعْمَلُونَ (سجده ۲۰-۲۱)
تو اب عذاب کا مزہ چکھو کہ تم نے اس دن کی ملاقات کو
بھلا دیا تھا، ہم نے بھی تم کو بھلا دیا، اپنے کرتوت کے
بدلے سدا کا عذاب چکھو،

یہ کیفیت اور یہ گفتگو ظاہر ہے کہ ملک الموت کی روح نکالنے کے بعد کی ہے جیسا کہ آیت کا سابق ہوا، اور جیسا کہ آخر
آیت میں ہے کہ تم اس دن کو بھولے ہوئے تھے، ظاہر ہے کہ قیامت کے منکر قیامت کو بھولے نہیں، بلکہ قیامت کا یقین
نہیں کرتے، البتہ اپنی غفلت سے موت کا دن ضرور بھول جاتے ہیں، اس لیے یہ آیات حیات بعد المات اور قبل قیامت
سے متعلق ہیں،

قَوْمُ نُوحٍ، قَوْمُ فِرْعَوْنَ، قَوْمُ لُوطٍ اور اصحاب ایکہ وغیرہ قوین جو ناکامی عذاب الہی میں گرفتار ہو کر ہلاک ہوئے
اُن کا ذکر فرما کر اللہ تعالیٰ کہتا ہے:-

إِنَّ كُلَّ الْأُمَّةِ لَرْفَعُ فُجُورٍ عِقَابٍ، وَمَا
يَنْظُرُ هَٰؤُلَاءِ إِلَّا صِغَرَةً وَاجِدًا تَارِكًا
مِّن فُجُورٍ، وَقَالُوا إِنَّمَا بَنَاءُ عَمَلِنَا وَقَوْلُنَا
قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ (ص ۲۱-۲۲)
ان بھون نے پسمیرون کو چھٹلایا تو میرا عذاب واجب
ہوا، اور یہ راہ نہیں دیکھتے، لیکن ایک چھٹی کی جو دم نہ لگی
اور انھوں نے کہا کہ اسے ہمارے پُروردگار بستانا کر ہمارا
چھٹی حساب کے دن سے پہلے،

یہ "حساب کے دن" یعنی قیامت سے پہلے اور دنیا کے عذاب ہلاکت کے بعد کا واقعہ ہے، اور اسی وقفہ کا نام پر
سورہ یس میں اپنی قوم کے ایک خیر خواہ کا ذکر ہے، جو عمر بھر اپنی قوم کو حق کی تبلیغ کرتا رہا تھا، اور پھر وہ غالباً
اسی حق کی راہ میں شہید ہوا، مرنے کے بعد جب اُس کو بہشت ملی، تو اُس نے بڑی حسرت سے کہا کہ کاش میری قوم
کو معلوم ہوتا کہ مرنے کے بعد خدا نے کس طرح مجھے معاف فرمایا، اور عورت نہ بنی، تاکہ وہ بھی ایمان سے میری طرح بہرہ
ہو کر اُس مغفرت اور عزت سے سرفراز ہوتی،

قَبْلَ ادْخَالِ الْجَنَّةِ قَالَ لِمَلِيَّتٍ قَوْنِي لَعَلِّي
کہا گیا جنت میں داخل ہوں، اُس نے کہا اسے کاش میری

بِمَا غَفَرَ لِي رَبِّي وَجَعَلَنِي مِنَ الْمَكْرُومِينَ،
 وَمَا أُنْزِلْنَا عَلَى قَوْمِهِ مِنْ بَعْدِكَ مِنْ جُنْدٍ
 مِّنَ السَّمَاءِ وَمَا كُنَّا مُنْزِلِينَ،
 قوم کو یہ معلوم ہوتا کہ میرے پروردگار نے میری مغفرت

کی اور مجھے عزت والوں میں سے بنایا اور ہم نے اس کے

مرنے کے بعد اس پیغام کو دیکھا اس کی قوم پر آسمان سے

(پیس ۲) کوئی فوج نہیں اتاری اور نہ ہم اتارا کرتے ہیں،

ظاہر ہے کہ یہ تین پر نرخ ہی کے عالم سے متعلق ہیں، ورنہ قیامت یا اس کے بعد اپنی قوم کو خبر دینے کی توفیق
 بے معنی ہے، ساتھ ہی اس میں مذکور ہے کہ اس کے مرنے کے بعد میں نے اس کی قوم کے پاس یہ خبر پکڑا آسمان سے فوج
 نہیں اتاری کیونکہ یہ ہمارے دستور نہیں، کہ خدا کو جو کچھ پیام دینا تھا وہ رسول کی معرفت پہلے ہی سے بھیج چکا تھا اس سے
 معلوم ہوا کہ یہ موت کے بعد اور قیامت سے پہلے کا حال ہے،

تبرکی اصطلاح | سطور بالا میں عالم بر نرخ کے وہ مناظر دکھائے گئے ہیں جو قرآن کی آیتوں میں نظر آتے ہیں احادیث
 صحیحہ میں اس عالم کے حالات کی جو تفصیلیں مذکور ہیں، وہ عموماً فقیر کی اصطلاح کے ساتھ بیان ہوئی ہیں، لیکن اس نکتہ
 ”قبر سے حقیقت مقصود وہ خاک کا تو وہ نہیں جس کے نیچے کسی مردہ کی ہڈیاں پڑی رہتی ہیں، بلکہ وہ عالم ہے جس میں دنیا
 پیش آتے ہیں، اور وہ ارواح و نفوس کی دنیا ہے، مادی عناصر کی نہیں، اسی لیے قرآن پاک نے اس عالم کے تعلق سے
 ہمیشہ نفس اور نفوس کو خطاب کیا ہے، اور انہیں کے عذاب و ثواب اور رحمت و لعنت کا ذکر کیا ہے، اس عالم میں جو
 جسم نظر آتا ہے، وہ مرنے والے کے اعمال کا مثالی پیکر ہوتا ہے، جو ہو ہو اس کے خاکی جسم کا مثالی ہوتا ہے، تم نیکو ہیں ہواؤ
 تمہارا نیم مردہ جس جسم بستر پر دراز ہے، مگر تم خواب میں دیکھ رہے ہو کہ بعینہ تمہارا جسم آگ میں جل رہا ہے، یا باغ و بہار
 کی لذتوں میں مصروف ہے، اور تم کو اس سے وہی تکلیف اور راحت مل رہی ہے، جو تم کو بیداری میں اپنے بستر پر

لے بعض قدیم معتزلہ عذاب قبر کے قائل نہ تھے، اور ان کی دلیل یہ تھی کہ قرآن میں اس کا ذکر نہیں، یہ غلط فہمی ان کو اس لیے پیش آئی کہ قرآن
 میں فقط قبر و قبور کیساتھ عذاب کا ذکر نہیں لیکن اگر وہ دیکھتے کہ قرآن میں بدست و قبل قیامت انسانی کے عذاب و ثواب اور رحمت و لعنت کا ذکر
 ہے یا نہیں، تو ان کو اس ہنکار کی جرات نہ ہوتی، اسی لیے متاخرین معتزلہ نے نبی پیش روؤں کے عقیدہ سے رجوع کر لیا، اور اس کے قائل ہو گئے،

بعض حدیثوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس مٹی کی قبروں میں عذاب کے مشابہت و سموات کا تذکرہ ہوا تو ظاہر ہے کہ مادی زبان و منظر میں ان قوموں کے نزدیک جو مردوں کو گاڑتی ہیں، اُس میت کی یادگار اس دنیا میں اُس کے اس مٹی کے ڈھیر کے سوا اور کیا ہے جس کی طرف اشارہ کیا جاسکے، ایک صحیح حدیث میں اُس نیک مرد کا ذکر ہے جس نے خدا کے خوف سے یہ وصیت کی تھی کہ مرنے کے بعد اس کا جسم جلا کر اس کی راکھ ہو امین اور سچا نام کہ وہ خدا کے سامنے حاضر کیا جاسکے، مگر قدرت الہی نے اُس کو مجھ کر کے کھڑا کر دیا، اور اُس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمتوں سے نوازا۔

سوال جواب | احادیث صحیحہ میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مرنے کے بعد قبر میں دو فرشتے آتے ہیں، اور وہ مردوں سے توحید و رسالت کی نسبت سوال جواب کرتے ہیں،

اس کی تصدیق قرآن پاک کی ان آیتوں سے بھی ہوتی ہے،

اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفَّيْتُمْ الْمَلَائِكَةُ خَطَا الْعَرِ النَّاسِ
قَالُوا فِيسْمِ كُنتُمْ قَالُوا كُنَّا مُتَضَعِّعِيْنَ

بیشک فرشتوں نے جن کی روحوں کو اس حالت میں
قبض کیا کہ وہ اپنی جانوں پر لٹک کر رہے تھے وہ اُن سے

لے سنن ابن ماجہ کتاب الجنائز، لے صحیح بخاری جلد دوم ۵۵۹ کتاب الرقاق باب الخوف من الله

فِي الْأَرْضِ ذَا الْقَوْلِ تَكُنْ أَرْضُ اللَّهِ وَسَعَةً
فَتُحَاجَرُوا فِيهَا فَأُولَٰئِكَ مَا وَاسَمُ جَهَنَّمَ
نہ تھی، کہ تم اپنا وطن چھوڑ کر باہر چلے جاتے،
(نساء - ۱۲۷)

ایک اور آیت ہے،

حَتَّىٰ إِذَا جَاءَهُمْ مِّنْهُم مُّسْلِمَ بَنُوا فَيُحْجَرُوا
أَيُّنَ مَا كُنْتُمْ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ قَالُوا
ضَلُّوا عَنَّا وَشَهِدُوا عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ أَنَّهُمْ
كَانُوا كَافِرِينَ، قَالَ ادْخُلُوا فِي أُمَمٍ قَدْ
خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ فِي
النَّارِ (اعراف - ۴۰)

پہلی آیت میں عدم ہجرت کے گناہ کے مرتکب مسلمانوں کا اور دوسری میں کافروں کا حال بیان کیا ہے کہ
اُن سے اُن کی موت کے بعد ہی یہ سوال کیا جائے گا، بہر حال یہ تو خاص خاص گناہوں کے مجرموں کا حال تھا،
اب عام لوگوں سے جو سوال ہو سکتا ہے وہ وہی ہے جس کا ذکر احادیث میں ہے یعنی یہ کہ توحید و رسالت کی نفرت
کا اُن سے سوال ہوگا،

قرآن پاک میں ایک جگہ کلمہ طیبہ (اچھی بات) یعنی کلمہ توحید اور کلمہ رخصتہ (بری بات) یعنی کلمہ کفر کی ایک
ایک مثال ہے، کلمہ طیبہ کی مثال اُس درخت کی ہے جس کی جڑیں زمین میں مضبوط گڑی ہیں، اسکی شاخیں آسمان
تک پھیلی ہیں اور اُس میں سرد بہار میوے لگے ہیں، اور کلمہ رخصتہ کی مثال اُس درخت کی ہے جسکی جڑیں زمین سے
اٹھری پڑی ہے، وہ اب گرا اور تب گرا اس کے بعد قرآن میں ہے،

يَثْبُتُ لِلَّهِ الْبَنُوتُ بِالْأَقْوَالِ الثَّابِتَةِ فِي الْحَقِّ
اللہ ایمان والوں کو کچی بات پر اس دنیا میں مضبوط رکھتا

الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ وَيُضِلُّ اللَّهُ الظَّالِمِينَ ۖ ﴿٥٢﴾ اور آخرت میں بھی، اور اللہ ظالموں کو بھٹاتا ہے،

اس کی تفسیر صحیح حدیثوں میں یہ ہے کہ یہ برزخ کے اسی سوال و جواب سے متعلق ہے کہ صاحب ایمان جس طرح اپنی اس زندگی میں ایمان کی پکی بات پر قائم تھا، اسی طرح برزخ میں بھی اس پر قائم رہے گا، اور جو کافر و مشرک یہاں اس پر قائم نہ تھا، وہ وہاں بھی قائم نہ رہے گا، اور بہک جائیگا،

ہر چند کہ رسول پاک سے صحیح تفسیر کے ہوتے ہوئے کسی اور استدلال کی حاجت نہیں، تاہم تائیداً یہ عرض ہو کہ اس آیت میں اہل ایمان کے آخرت میں بھی قول ثابت پر ثابت قدم کھے جانے کی بشارت ہے، ظاہر ہے کہ اس آخرت سے قیامت اور بہشت و دوزخ کا دن تو مراد نہیں ہو سکتا کہ وہ تو کشف راز کا دن ہے، اس دن تو کافر بھی اس قول ثابت سے پلٹنے کی جرأت نہیں کر سکتا، پھر یہ اہل ایمان کے لیے کوئی خاص بشارت نہ ہوگی، اور نہ یہ اس اظہار احسان کا مناسب وقت ہو سکتا ہے، البتہ اس بشارت اور احسان کا اعلان و اظہار آخرت کے اُس حصہ میں موزون ہو سکتا ہے، جہاں ہنوز اسرار پس پردہ کی پوری نقاب کشائی نہیں ہوتی، اور وہ برزخ کا عالم ہے،

اس آیت پاک کی اس تفسیر سے جو احادیث صحیحہ پر مبنی ہے، یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ آخرت کی وسعت مفہوم میں برزخ کا میدان بھی داخل ہے،

حقیقت میں اس عالم برزخ کا سوال و جواب کوئی نیا واقعہ نہ ہوگا، بلکہ ہر روح کی پہلی زندگی کی ایمانی کیفیت اقرار و انکار کی مثال ہوگی یا یوں کہو کہ آج کے آئینہ میں کل کا عکس نمایاں ہوگا، یعنی اقرار و انکار کی جس کیفیت پر زندگی کا خاتمہ ہوا ہوگا، وہی بعد کو سوال و جواب میں نمایاں ہوگی،

برزخ میں ارواح کا مسکن | آخری سوال یہ ہے کہ موت اور قیامت کی اس بیچ کی منزل (برزخ) میں ارواح انسانی کا مسکن کہاں ہوگا؟ قرآن پاک میں اس کا جواب متعدد آیتوں میں ملتا ہے، سب سے پہلی آیت تو ان مذکورہ بالا آیت کے بعد ہے، جس میں ذکر ہے کہ فرشتے جب منکرین سے سوال و جواب کر چکیں گے تو خدا ان کی روحوں کو حکم دیگا کہ وہ اپنے ساتھیوں کیساتھ مذاب کی آگ میں داخل ہو جائیں، اس کے بعد ہے،

اِنَّ الَّذِيْنَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَاُنتَكِرُوْا عَنْهَا
 تُفْلَحُ لَهُمُ الْاَبْوَابُ السَّمَاءِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ
 الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلْبِسَ الْجَمَلُ فِيْ نَسَمِهِمُ الْغِيَابُ
 (اعداف - ۵)

بیشک جنوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا، اور ان کے
 اسنے سے غور کیا، ان کے لیے آسمان کے دروازے نہ
 کھولے جائیں گے، اور نہ وہ جنت میں داخل ہوں گے، تاکہ
 اونٹ سوئی کے ناک میں گھس جائے، (یعنی کبھی نہیں)

اس سے معلوم ہوا کہ آیات الہی کے منکر و ان اور جھٹلانے والوں کی روحیں مرنے کے بعد آسمانی بادشاہی کے
 حدود میں قدم نہ رکھ سکیں گی، اور وہ فضا سے زمین میں آوارہ پھرنے لگیں، یا اپنے جسم خاکی کے لگاؤ سے جہان وہ پیر خا
 ہوسے ہوں، منڈلاتی رہیں گی، اور وہیں سے دوزخ کا منظر دکھائی دے گی، اور تکلیف اٹھائی دے گی،

اس کے برخلاف ہمہ تن پاکباز مومن روح کا یہ حال ہوتا ہے کہ موت ہی کے وقت رحمت الہی کا فرشتہ، بلکہ فر
 زبان رحمت اس کے کافون میں یہ صدا دیتی ہے،

يَا أَيُّهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِيْ اِلَىٰ رَبِّكِ
 رَاضِيَةً مُّرْضِيَةً، فَاَدْخُلِيْ فِيْ عِبَادِيْ
 وَادْخُلِيْ جَنَّاتِيْ، (بقرہ - ۱)

اے مطمئن روح اپنے پروردگار کے پاس واپس چلی جا
 تیرا پروردگار تجھ سے خوش اور تُو اپنے پروردگار سے خوش
 تو پرندوں میں شامل اور میری بہشت میں داخل ہو

ان سے بڑھ کر وہ پاکباز روحیں ہیں جنہوں نے اپنے خاکی جہون، فانی زندگیوں، مادی تشنگیوں اور زوال پز
 عشقوں کو خدا کی راہ میں قربان کیا، تو ان کو خدا کی طرف سے ایک تماشائی جہم، غیر فانی زندگی اور روحانی عیش و
 مسرت کی لازوال دولت اسی وقت عنایت کر دی جائیگی، فرمایا،

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ
 اَمْوَاتٌ ۭ بَلْ اَحْيَاءٌ ۭ وَلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ
 یہ پیر سرست زندگی کسی ہوگی اس کی تفصیل دوسری سورہ میں ہے،

جو خدا کی راہ میں مارے جائیں، ان کو مردہ نہ کہو،
 اموات، بلکہ احیاء، لیکن لاشعور، وہ زندہ ہیں لیکن تم شعور نہیں کر سکتے،
 وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ
 اور تو ان کو جو خدا کی راہ میں مارے گئے، مردہ نہ گمان کر

اَمَّا تَابِلْ اَحْيَاءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْسُوْنَ
 فَرِحِينَ بِمَا اَنْصَحَ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ
 بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْقَوْا مِنْ حُلْفَةٍ اِلَّا
 شَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ
 بِبِعَمَلِهِمْ مِنَ اللَّهِ فَضْلًا وَاِنَّ اللَّهَ لَكَلِّفُ شَيْءٍ
 اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ، (ال عمران - ۷۷)
 ایمان والوں کی مزدوری ضائع نہیں کرتا،

یہ پُرسرت زندگی شہداء کو ملے گی، اس زندگی کا مقام خدا کے پاس بتایا گیا ہے، احادیث صحیحہ میں ہے کہ ان
 شہیدوں کی روحیں قفسِ غصری سے پرواز کر کے جب اُترتی ہیں تو وہ بہر پرندوں کی صورت میں جنت کی سیر کرتی
 ہیں، اور عرشِ الہی کی قدیلین اُن کا نشین بنتی ہیں، اس کے بعد غالباً اتنا ہر ذی عقل تسلیم کرے گا کہ انبیاء علیہم السلام کے
 روحانی درجہ و مراتب شہداء سے بہر حال اعلیٰ اور برتر ہیں، اس لیے اُن کا مقام بھی اسی احاطہ قدس کے اندر ہوگا، اسی
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سیر معراج اور اپنے روایے صاف قہ میں بعض پیغمبروں کو آسمان اور بہشت کے مختلف درجہ میں دیکھا،

بعض وہ مجدد و صہین ہوگی جو یہاں سے نکل کر فرشتوں کی صف میں داخل ہو جائیں گی، جیسا کہ حضرت جعفر طیارؓ
 کے متعلق احادیث صحیحہ میں آیا ہے کہ وہ شہادت کے بعد اپنے دونوں بازوؤں سے فرشتوں کیساتھ عالم ملکوت میں اُترے
 تھے، عالم فرخ کے یہ دو اڑنے والے بازو درحقیقت اُن کے اُن دونوں جہانی بازوؤں کی مثال ہیں، جو اس جنگ
 میں ان کے جسم سے کنکر گر گئے تھے، اور وہ اس پر بھی اسلام کے علم کو اپنے بقیہ کٹے ہوئے بازو اور گردن کے سہارے
 سے پکڑے تھے عجب نہیں کہ قرآن پاک کی یہ آیت ایسے ہی لوگوں کی شان میں ہو،

اِنَّ الدِّينَ قَالُوا رَبَّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ
 عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ اَلَّا تَهْمَلُوْا وَاَلَّا تَهْزِلُوْا وَاَلَّا تَنْسُوْا
 بِالْحِجَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوعَدُوْنَ فَمَنْ اُولَئِكَ
 بیشک جن لوگوں نے اقرار کیا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے، پھر
 ثابت قدم رہے اُن پر فرشتے یہ خوشخبری دیکھ کر اتارتے ہیں کہ
 خوف نہ کھاؤ اور نہ ٹھگین نہ ہو اور اس جنت کی بشارت سنو

فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ ۚ

جس کا تم سے وعدہ کیا تھا، ہم دنیا کی زندگی میں تمہارے

(حمد السجدہ ۲۷-۲۸)

رفیق ہیں اور آخرت میں،

یہ آوازہ بشارت اور فرشتوں کی رفاقت، اسی برزخ کا دلکش سمان ہو سکتا ہے،

۲۔ آخرت کی دوسری اور حقیقی منزل

قیامت اور جزائے اعمال،

موت تو افراد کا معاملہ ہے، ایک مرتبہ ہے، اور دوسرا اس کی جگہ پیدا ہوتا ہے، تو میں بھی باری باری اس بازیگا، کچھ تختہ پر آتی ہیں، اور اپنا کھیل ختم کر کے کسی دوسری کے لیے جگہ خالی کر جاتی ہیں، یہ سلسلہ ازل سے قائم ہے، اور اب تک چل رہا ہے، کائنات جس نظام پر پیدا ہوئی تھی، وہ بعینہ قائم ہے، اور اس غفل کی جو رونق اول روز تھی، وہ اب تک اسی طرح باقی ہے، غرض

ہزار شیخ بکشتند و انجن باقی است،

لیکن کیا کوئی ایسا دن بھی آئے گا، جب یہ ساری بساط ہستی الٹ جائے گی، کائنات کی مجلس درہم برہم ہو جائے گی، اور آسمان و زمین کے کسے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے، اور پھر وہ خلاق عالم اپنی صفت خلق و احسان و جزا کے نئے منظر دکھائے گا، اور نئی زمین اور نیا آسمان پیدا ہو کر، ایک اور عالم کی نئے نظام پر وجود پذیر ہوگا، دنیا کے وہ تمام لوگ جو حال کو دیکھ کر مستقبل کا پتہ لگاتے ہیں، کسی نہ کسی طرح اس سوال کا جواب اثبات میں دیتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ جس طرح یہ افراد آتے اور جاتے ہیں، اسی طرح ایک دن آئیگا، جب اس پوری دنیا سے حیات پر موت طاری ہوگی، سب زیادہ اس سوال کے جواب میں کہ یہ بلکہ انکار کا حق فلسفہ اور سائنس کے محققون (سائنٹسٹ) کو کہہ سکتا ہے، مگر اس فلسفہ کا بڑا گروہ بھی اس امکان پر یقین رکھتا ہے، اور اہل سائنس بھی اس امکان کو بہر حال محال نہیں سمجھتے، بلکہ طبیعیات و کیمیا کے محققون کے خیالات اس باب میں

امکان سے آگے بڑھ کر وقوع کی سرحد تک پہنچ چکے ہیں اور اس ہولناک دن کی آمد کے متعلق اپنے علم کے زور پر پیش گوئی کرتے رہتے ہیں، اور اس عالمگیر موت کے مختلف اسباب ظاہر کرتے ہیں، کوئی کہتا ہے کہ اس نظامِ عالم کی پوری گاڑی جس انجن سے چل رہی ہو وہ یہ گرم آفتاب ہے، اور اسکی یہ گرمی روز بروز کم ہوتی جاتی ہے، آخر ایک دن آگیا جب یہ انجن بالکل ٹھنڈا ہو جائیگا، اور یہ ساری گاڑی ٹوٹ پھوٹ جائیگی، ایک سبب یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ یہ پورا نظام کائنات جذب و کشش کے ستون پر قائم ہے، اور فضا بے ہستی کے یہ تمام سیارے روز بروز کھینچے چلے آتے ہیں، تو ایک دن وہ بھی آگیا جب یہ باہمی توازن باقی نہیں رہیگا، اور اس وقت یہ کرے ایک دوسرے سے قریب ہو کر گر جائیگا اور یہ نظام اُن کو چور چور کر دیگا،

ایک اور خیال یہ ہے کہ اس فضا میں کروڑوں ستارے تیر رہے ہیں، اُن میں سے بہت کم کا علم ہم کو ہو رہا ہے، بہت ممکن ہے کہ کسی زمانہ میں ہماری زمین کسی نئے سیارے سے ٹکرا کر چور چور ہو جائے، اور اس کی ساری آبادی برباد و خوار ہو کر رہ جائے،

بہر حال اسبابِ طبعی کچھ ہوں، مگر ایسا ہونا اہل سائنس کے نزدیک بھی امکان، بلکہ وقوع کی امید و خالی نہیں، اہل مذہب میں یہ عقیدہ کسی نہ کسی نوع سے ہر جگہ موجود ہے، اور اس کا عمل تذکرہ تمام آسمانی کتابوں میں ہے، تو رات میں اس کے اشارے پائے جاتے ہیں، زبور میں اسکی تصریحات موجود ہیں، اور انجیل میں اُس کو عدالت کا دن کہا گیا ہے، حضرت مسیح علیہ السلام کے زمانہ میں یہود کے دو فرقے تھے ایک صدوقی جو یونانیوں کے اثر سے آزاد خیال ہو گیا تھا اور قیامت کا منکر تھا، مگر دوسرا فرقہ جو فریسی کہلاتا تھا، بدستور اپنے پرانے عقیدے سے پر قائم تھا، انھیں حضرت صلح کے زمانہ میں بھی جو یہود تھے، وہ قیامت اور خشر و نشر اور بہشت و دوزخ کے قائل تھے، اور اُن کا عقیدہ تھا کہ جب قیامت آئے گی، تو اللہ تعالیٰ ایک انگلی پر آسمانوں کو دو دوسری پر زمینوں کو تیسری پر درختوں کو، چوتھی پر پانی کو اور اندر کی غم مٹی کو، اور باہر پونچھ پر تمام مخلوقات کو رکھے گا، اور ندا دیگا کہ "میں ہوں بادشاہ" انجیل میں یہ عقیدہ پوری تصریح

کیساتھ مذکور ہے، اور حضرت عیسیٰ نے صدوقیوں کے مقابلہ میں تورات کی ایک آیت سے حیاتِ اخروی کا ثبوت پیش کیا ہے اور مکاشفاتِ یوحنا میں قیامت کے احوال احوال کی پوری تفصیل و تشریح مذکور ہے ہندو پر کے نام سے اس عقیدہ (فنا سے عالم) پر یقین رکھتے ہیں، لیکن اس حقیقت کی کامل تشریح خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ انجام کو پہنچی،

قیامت کے نام اُسی شے کی حقیقت کی اولین گرہ کشائی، اُس کے ناموں کی تشریح سے ہوتی ہے، قرآن پاک میں قیامت کو بیسیوں ناموں سے یاد کیا گیا ہے اور ان میں سے ہر ایک نام اُس کے ایک خاص پہلو کو نمایاں اور ظاہر کرتا ہے، قرآن میں اس کا سب سے پہلا نام جو قرآن کے سب سے پہلے سورہ میں ہے وہ یَوْمَ الدِّينِ ہے، یعنی جزا کا دن جس سے یہ معلوم ہوا کہ یہ عمومی جزا اور ربانی عدالت کا دن ہوگا، اس کے علاوہ اس کے یہ نام قرآن میں جایا آئے ہیں

السَّاعَةِ (وہ گھڑی، وہ مقرر وقت)

يَوْمُ الْقِيَامَةِ (کھڑے ہونے کا دن (مردوں کے کھڑے ہونے کا دن)

الْيَوْمِ الْآخِرِ (سچا دن، نہ جیسے آئینے کوئی شک ہے، اور نہ جیسے فیصلہ میں کوئی غلطی ہوگی)

يَوْمٌ مَّعْلُومٌ (جانا ہوا دن، یا مقررہ دن)

الْوَقْتُ الْمَعْلُومُ (جانا ہوا وقت، یا مقررہ وقت)

الْيَوْمُ الْمَوْعُودُ (موعودہ دن)

الْيَوْمُ الْآخِرُ (پچھا دن)

يَوْمٌ آتٍ زَفَاتٍ (قریب آنے والی مصیبت کا دن)

يَوْمٌ عَسِيرٌ (ایک سخت دن)

يَوْمٌ عَظِيمٌ (ایک بڑا دن)

یَوْمُ عَصِيبٍ	سخت دن،
یَوْمُ الْبَعْثِ	جی اٹھنے کا دن،
یَوْمُ التَّغَابُنِ	افسوس کا دن،
یَوْمُ التَّلَاقِ	باہم ملنے کا دن،
یَوْمُ التَّنَادِ	پکار کا دن،
یَوْمُ الْجَمْعِ	اکٹھ ہونے کا دن،
یَوْمُ الْحِسَابِ	حساب کا دن،
یَوْمُ الْحَسْرَةِ	حسرت کا دن،
یَوْمُ الْخُرُوجِ	بہرون سے نکلنے کا دن،
یَوْمُ الْفَصْلِ	فیصلہ کا دن،
الْقَارِعَةُ	کھڑکھڑانے والی،
الْعَاقِبَةُ	چھا جانے والی،
الطَّامَةُ الْكُبْرَى	بڑی مصیبت،
النَّبَأُ الْعَظِيمُ	بڑی خبر،
الْحَاقَّةُ	ضرور آنے والی گھڑی،
الْوَعْدُ	وعدہ،
الْوَاقِعَةُ	وقوع پذیر،
أَمْرُ اللَّهِ	خدا کی بات،
الصَّاحَّةُ	بہرا کہینے والی گھڑی،

قیامت کے اوصاف | یہ نوردہ نام ہیں جو اسم مفرد یا اضافت یا صفت کی صورت میں ہیں اُن کے علاوہ فقرات اور

جملوں کی ترکیبوں کے ساتھ اس کے بکثرت نام قرآن میں آئے ہیں مثلاً

یَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ (الفجر و غلوطہ)	جس دن نرسنگا پھونکا جائے،
يَوْمَ يُنْفَعُ الصَّادِقِينَ صِدْقُهُمْ (مائدہ ۱۱۷)	جس دن سچوں کو اُن کی سچائی کام دے گی،
يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَلَا بَنُونَ (شعراء ۵)	جس دن نہ مال کام آئے گا نہ اولاد،
يَوْمَ يَعِضُ الظَّالِمُ عَلَى يَدَيْهِ (فرقان ۳۶)	جس دن گنہگار اپنے دونوں ہاتھ جیسے گا،
يَوْمَ تَشَقُّ السَّمَاءُ (فرقان ۳۷)	جس دن آسمان پھٹے گا،
وَيَوْمَ يَقُودُ الْأَشْهَادُ (مومن ۱)	اور جس دن گواہ کھڑے ہوں گے،
يَوْمَ لَا رَيْبَ فِيهِ (آل عمران ۱۳۱)	جس دن میں کوئی شک نہ ہو،
يَوْمَ نَخْتَرُ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ فَوْجًا (نمل ۶)	جس دن ہر قوم سے ایک گروہ کو اکٹھا کریں گے،
يَوْمَ يَقُولُ لِّلنَّاسِ رَبِّ الْعَالَمِينَ (مطففين ۱)	جس دن لوگ جہان کے پروردگار کے لئے کھڑے ہوں گے،
يَخْرُجُنَّ مِنَ الْأَجْدَاثِ (قہر ۱۰)	(جس دن لوگ قبروں سے نکلین گے،
يَوْمَ نَقُصِّرُ السَّرَّاءَ مِنْ أَجْنِبٍ وَأَمْرٍ وَأَبْيَدٍ (عبس ۱۰)	جس دن آدمی اپنے بھائی اور ماں اور باپ اور بیوی اور بیٹوں سے بھاگے گا،
يَوْمَ لَا يَخْرُجُ نَفْسٌ عَنْ نَفْسٍ شَيْئًا (نہم ۱۵)	جس دن کوئی کسی دوسرے کا بدلہ نہ ہو سکیگا،
يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ أَلْسِنُهُمْ (نہم ۳۱)	جس دن اُن کی زبانیں اُن کے خلاف گواہی دیں گی،
يَوْمَ لَا تَصْلِكُ نَفْسٌ نَفْسًا شَيْئًا (انفطار ۱۰)	جس دن کوئی کسی دوسرے کے لیے کچھ نہ کر سکے گا،
يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَوْلًى عَنْ مَوْلًى شَيْئًا (احزاب ۲۲)	جس دن کوئی دوست کسی دوسرے دوست کا مدد نہ کر سکے گا،

الغرض یہ اور اسی قسم کے اور دوسرے اوصاف اس ہونا کہ دن کے بیان کئے گئے ہیں جن سے اس

عظیم نشان دن میں انسان کی سبکی عاجزی اور اپنے اعمال کے سوا کسی دوسری چیز کے کام آنے سے قطعی باہمی
ظاہر کی گئی ہے،

قیامت میں فنا و نظام ہوگا | قیامت کے متعلق بعض متکلمین کو یہ شبہ ہوا ہے کہ وہ مادہ کے فنا سے محض یا عدم محض کا نام
ہے، حالانکہ یہ بات قرآنی تصریحات کے خلاف ہے، قرآن پاک کی بیسیوں آیتوں میں قیامت کی جو تصویر کھینچی
گئی ہے، وہ تمام تر فنا سے حیات اور آسمان و زمین کے نظام کی برہمی اور ان کی تباہی کے خاکہ کے سوا کچھ اور نہیں
ہے، چنانچہ حسب ذیل آیات پر غور کرنے سے یہ نتیجہ خود بخود سامنے آجائے گا،

التَّارِعَةُ مَا التَّارِعَةُ وَمَا أَدْرَاكَ مَا
التَّارِعَةُ يَوْمَ يَكُونُ النَّاسُ كَالْفُشْرِ
الْمُبْتُوثِ وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ
الْمَنْفُوشِ، (قارعہ - ۱)

متنبہ کرنے والی اور کیا چیز ہے متنبہ کرنے والی، اور تم
کو کس نے بتایا کہ کیا چیز متنبہ کرنے والی، یہ وہ دن ہے
جب لوگ پریشان پروانوں کی طرح اور ہپارڈ
کے گالوں کی طرح ہونگے،

إِذَا زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ زِلْزَالَهَا، وَأَخْرَجَتِ
الْأَرْضُ أَثْقَالَهَا، وَقَالَ الْإِنْسَانُ
مَا لَهَا، يُومِذِنُ تَحْدِيثَ أَخْبَارِهَا، (زلزال - ۱)

جب زمین خوب ہلائی جائے گی اور زمین اپنا بوجھ
نکالے گی اور انسان کہے گا زمین کو کیا ہوا، اُس دن زمین
اپنی حالت بیان کرے گی،

إِذَا السَّمَاءُ انشَقَّتْ وَأَذْنَتْ لِرَبِّهَا وَ
حُفَّتْ، وَإِذَا الْأَرْضُ مُدَّتْ، وَأَلْقَتْ
مَا فِيهَا وَتَخَلَّتْ، (انشقاق - ۱)

جب آسمان پھٹ جائے گی اور وہ اپنے مالک کی
فرمانبرداری کرے گی، اور وہ فرمانبرداری کے لائق بن
جائے گی اور جو کچھ اُس میں ہے وہ ڈالے گی،

إِذَا السَّمَاءُ انْفَطَرَتْ وَإِذَا الْكَوَاكِبُ انشَدَّتْ
وَإِذَا الْبُحُورُ مُخْرِجَتْ، وَإِذَا الْقُبُورُ مُبْعَثَتْ
عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدْ مَتَتْ وَآخَرَتِ، (انشقاق - ۲)

جب آسمان پھٹ جائے گی اور ستارے بکھر جائیں گے اور
جب دریا چلا جائیں گے اور قبر کے گڑھ کھل جائیں گے، روحیں
جو پھیلے اور چھوڑے ہوئے ہیں، اس وقت جان لیگی،

جب آفتاب اندھیرا کیا جائیگا جب ستارے تاریک ہو جائیں گے	إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ وَإِذَا النُّجُومُ انْكَرَتْ وَ
جب پہاڑ پھلائے جائیں گے	إِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ، (نکویر - ۱)
جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہو وہ یقیناً ہونے والا ہے جب	إِنَّمَا تُوعَدُ لَنْ تُوَفَّقَ فَإِذَا النُّجُومُ طُمِسَتْ
ستارے ماذر کر دیئے جائیں گے جب آسمان کھول دیا جائیگا	وَإِذَا السَّمَاءُ فَجَتْ وَإِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ،
جب پہاڑ لرزہ لرزہ کر دیئے جائیں گے	(موسلات - ۱)
جب نگاہ ماذر ہو جائیگی جب مہتاب بے نور ہو جائیگا	فَإِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ وَخَسَفَ الْقَمَرُ وَجُمِعَ
اور آفتاب مہتاب اکٹھا کر دیئے جائیں گے	الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ، (قیامہ - ۱۰)
جب آسمان پھلے ہوئے تانبے کی طرح اور جب پہاڑ	يَوْمَ تَكُونُ السَّمَاءُ كَالْهَمَلِ وَتَكُونُ الْجِبَالُ
روئی کے گالوں کے مانند ہو جائیں گے	كَالْعِهْنِ، (مکاح - ۱)
جب صومرن ایک چوہنک ہوئی جائیگی جب زمین اور	فَإِذَا الْفُجَاءُ فِي الصُّبْحِ فَقَّةً وَاحِدَةً وَجِلَّتْ
پہاڑ اٹھائے جائیں گے اور دونوں ٹکڑے ہو جائیں گے	الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ نَدَّكَاطَةً وَاحِدَةً فِيقَ مِيزٍ
اس من ہوئی بات ہو جائیگی اور آسمان پھٹ جائیگا	وَقَعَتِ الْوُاقِعَةُ وَانْشَقَّتِ السَّمَاءُ فَهِيَ
اور اس دن مکرور ہو جائے گا	يَوْمَ مِيزٍ وَاهِيَةٌ، (الحاقہ - ۱)
جب پہاڑ اور زمین میں لرزہ ہوگا اور پہاڑ پھلا ہوا	يَوْمَ تَرْجُفُ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ وَكَانَتِ
تانبہ ہو جائے گا،	الْجِبَالُ كَثِيبًا مَّهِيلًا،
کیونکہ جتنی ہو سکتے ہو جب اس دن کا انکار کرتے ہو	فَكَيْفَ تَتَّقُونَ إِنْ كَفَرْتُمْ يَوْمَ مَا يُجْعَلُ
جو بچوں کو بوڑھا بنائے گا آسمان اس دن پھٹ	الْعِلْدَانِ أَنْ يَسْبِقَ السَّمَاءُ مِنْفُطِرٌ بِهِ
جائیگا اور خدا کا وعدہ پورا ہو جائیگا	كَانَ وَعْدُكَ مُنْفِقًا، (مزمحل - ۱)
جب یہ زمین دوسری زمین سے بدل دی جائیگی	يَوْمَ تُبَدَّلُ الْأَرْضُ غَيْرَ الْأَرْضِ وَالْبَرَّامِ - ۴

فَاِذَا انشَقَّتِ السَّمَاءُ وَكَانَتْ وَرْدَةً
جب آسمان پھٹ جائیگا، اور سرخ چمکتی

کالدِ هَانِ (رحمن-۲) کی طرح ہو جائیگا،

اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ لَئِيسَ يُوَفِّيَتْهَا كَاذِبٌ
جب ہونیوالی بات ہو جائیگی، جس کے ہونے میں جھوٹ

خَافِضَةٌ تَرَفَعُ، اِذَا رُجَّتِ الْاَرْضُ
نہیں ہو کر زبر کر دینے والی جب زمین خوب ہلائی

سَاجِدًا وَبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًا فَكَانَتْ هَبَاءً
جائیگی اور پہاڑ پر گند کے جائیں گے، اس وقت وہ

مُنْبَثًا (واقعہ-۱) پریشان ذراست کی طرح ہو جائیں گے،

وَفُتِحَتِ السَّمَاءُ وَكَانَتْ ابْوَابًا وَسُيِّرَتِ
اور آسمان کھول دیئے جائیں گے، اور وہ دروازے

الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا، دروازہ ہو جائیں گے، اور پہاڑ چلائے جائیں گے،

(نبا-۱) تو وہ سرب ہو جائیں گے،

غرض اس قسم کی اور بہت سی باتیں ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قیامت صرف نظام عالم کی درہمی، اور دنیا کی حیات موجودہ کی تباہی کا نام ہے جس کے بعد ایک اور زمین اور ایک آسمان بنے گا، اور پچھلی دنیا کے اعمال کے نتائج پر اس دنیا کی حکومت کا قانون جاری ہوگا،

يَوْمَ تَبْدَلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَ
جس دن زمین دوسری زمین سے بدل دی جائیگی،

السَّمَوَاتِ وَبَرَزُوا لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهْمَارِ
اور آسمان بھی بدل جائیگی، اور سب لوگ اس ایک

(ابراہیم-۷) پر قابو رکھنے والے خدا کے سامنے کھڑے ہوں گے،

قیامت کی حقیقت اگرچہ قرآن پاک میں متفرق طور پر اس ہولناک دن کے احوال و کیفیات کا ذکر گونا گون

طریقوں سے کیا گیا ہے، تاہم ایک خاص سورہ بھی اس نام سے اس میں موجود ہے، جس میں نہایت اختصار و

ایجاز کے باوجود انتہائی بلیغانہ وسعت ہے، چھوٹے چھوٹے فقر وں میں بڑے سے بڑے اور اہم سے اہم مطالب

کو اس طرح بیان کیا ہے کہ عقل ساکت اور قلب مطمئن ہو جاتا ہے، اس سورہ کا آغاز ان آیتوں سے ہوتا ہے،

لَا أُقِيمُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ، وَلَا أُقِيمُ بِرَأْسِ
 النَّفْسِ، أَيْحَسَبُ الْإِنْسَانُ أَنْ لَنْ
 يَجْمَعَ عِظَامُهُ، بَلَى قَادِرِينَ عَلَى أَنْ نَسْتَوِي
 بَنَانَهُ، بَلَى يُرِيدُ الْإِنْسَانُ لِيَفْجُرَ أَمَامَهُ
 يَسْأَلُ أَيَّانَ يَوْمُ الْقِيَمَةِ، فَإِذَا تَبَرَكَ
 الْبَصَرُ، وَخَسَفَ الْقَمَرُ، وَجَمَعَ الشَّمْسُ
 وَالْقَمَرُ، يَقُولُ الْإِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ
 أَيْنَ الْمَفْزُ، كَلَّا لَا وَرَاءَ إِلَٰهٍ إِلَّا رَأْبَعُ
 يَوْمَئِذٍ الْمُسْتَقَرُّ، يُنْبِئُ الْإِنْسَانُ
 يَوْمَئِذٍ بِمَا قَدَّمَ وَأَخَّرَ، بَلِ الْإِنْسَانُ
 عَلَى نَفْسِهِ بَصِيرَةٌ، وَلَوْ أَلْقَى مَعَاذِيرَهُ
 (قیامت)

میں قیامت کے دن کی اور ملامت کرنیوالے نفس
 کی قسم کھاتا ہوں کیا وہ (انسان) سمجھتا ہے کہ ہم اس کے
 مرنے کے بعد اس کی ہڈیوں کو اکٹھا نہیں کر سکتے ہیں
 نہیں، ہم تو اس کے پوروں کو درست کر سکتے ہیں
 یہ نہیں بلکہ اسی بات یہ ہے کہ انسان چاہتا ہے کہ خدا
 سامنے ڈھٹائی کرے، پوچھتا ہے کہ قیامت کا دن
 کب ہے؟ تو جب نگاہ چو نہ دھلانے لگے اور چاند بے نور
 ہو جائے، اور سورج اور چاند ایک جگہ کر دیے جائیں
 انسان اس دن کہے گا، اب کہاں ہے بھاگنے کی جگہ
 ہرگز نہیں، کہیں بچاؤ نہیں، اُس دن تیرے رب
 کے پاس ہے جا ٹھہرنا، اُس دن انسان کو جو آگے

بھیجا (عل) اور جو پیچھے چھوڑا (ال و دولت) وہ بتایا

ان میں سے پہلی ہی آیت میں اللہ تعالیٰ نے روزِ قیامت، اور نفسِ توامہ کی یکے با دیگرے قسم کھائی جو
 نفسِ توامہ یعنی ملامت کرنے والے نفس سے مقصود انسان کے اندر کا ضمیر ہے جو انسان کے ہر برے کام کے وقت
 اندر سے غمگین و نادوم ہوتا ہے، اور اُس کو اُس کے اس کام پر ملامت کرتا ہے، آخری آیت میں اسی کیفیتِ ضمیر
 کو ان نفظوں میں ادا فرمایا کہ "بلکہ انسان اپنے حال کو آپ خوب جانتا ہے، اگرچہ وہ زبان سے اپنی برائیوں
 اور کوتاہیوں کے لیے سیکڑوں بہانے تراشا کرے" انسان کی اسی قلبی کیفیت کا نام نفسِ توامہ ہے،
 ۱۔ اجتماعیات کے عالم اچھی طرح جانتے ہیں کہ فرد اور جماعت کے احوال میں ایک خاص قسم کی نسبت
 ہے، جس طرح شخص پیدا ہوتا ہے، بڑھتا ہے، بیمار ہوتا ہے، تندرست ہوتا ہے، گناہگار ہوتا ہے، نیکوکار ہوتا ہے،

پیشانی ہوتا ہے، محنت کرتا ہے، نگو نام ہوتا ہے، بدنام ہوتا ہے، خاص طبعی قوانین کی مطابقت سے وہ وقت چھل کرتا ہی، اور انکی مخالفت سے وہ بیمار اور کمزور ہوتا ہے اور پھر ایک خاص عمر کو پہنچ کر رفتہ رفتہ اُس کے قوائے عمل سر پر ہاتھ پڑتے ہیں، اور وہ مرجاتا ہے، بعینہ ہی تمام احوال جماعتوں اور قوموں کو بھی پیش آتے ہیں، وہ بھی پیدا ہوتی ہیں، بڑھتی ہیں، تندرست ہوتی ہیں، کمزور ہو جاتی ہیں، گناہگار ہوتی ہیں، نیکو کار بنتی ہیں، اور ایک خاص وقت اور عمر کو پہنچ کر ان کے علی قویٰ کمزور و مضعی ہو جاتے ہیں، اور وہ فنا ہو جاتی ہیں،

دنیا میں اسی اصول پر ہزاروں قوانین پیدا ہو کر فنا ہو چکی ہیں، جن کے نام بھی تاریخ کے صفحوں پر اب موجود نہیں ہیں، تو جس اصول پر اشخاص اور اشخاص کا مجموعہ جماعتیں اور جماعتوں کا مجموعہ اقوام پیدا ہوتی اور فنا ہوتی ہیں، کیا اسی اصول پر تمام اقوام عالم کا جو مجموعہ پیدا ہوتا، بڑھتا، اور ترقی کرتا چلا جاتا ہے، کیا وہ ایک دن فنا کے محض کے آغوش میں جا کر سونہ جائیگا؟ یہی وجہ ہے کہ قرآن پاک نے قیامت کے ثبوت میں اکثر عادی و ثوابی فرعون وغیرہ قوموں کی تباہی سے قیامت کی عمومی تباہی پر استدلال کیا ہے، اسکی مزید تفصیل آگے آئے گی، بہر حال اب جس طرح شخص کے اندر ایک نفسِ توامہ، یا ضمیر یا احساس ہے، جو اُس کے ہر بُرے فعل کے وقت اُس کو ملامت کرتا ہے، اور اُس کو گناہگار ٹھہرتا ہے، اور جب کبھی وہ اپنے تمام مجموعی کارناموں پر نگاہ ڈالتا ہے، تو اپنے کو قصور وار جانتا اور گناہگار ٹھہرتا ہے، اسی طرح قوموں کا ضمیر بھی اپنے گناہوں پر پھپھکتا، اور اپنی تقصیر پر نادم، اور اپنی کوتاہیوں سے شرمندہ ہوتا ہے، اسی طرح یہ پوری انسانیت بھی ایک دن اپنے افراد کے مجموعی کارناموں پر نادم و پشیمان ہوگی، اور اس کا ضمیر نفسِ توامہ اس کو ملامت کرے گا، کائناتِ انسانی سے بڑھ کر خود کائناتِ ہستی بھی اُسپر جو اُس کے اندر کیا گیا، اور جو کچھ اُس کے اندر عمل میں آیا اپنے خالق کے سامنے اپنی پشیمانی و ندامت کا اظہار کرے گی اسی عمومی اعترافِ قصور اور کئی ندامت و پشیمانی کا نام قیامت ہے، اور اسی ندامت سے اس سورۃ بالاین نفسِ توامہ اور قیامت کو باہم ایک قسم میں یعنی شہادت میں یکجا کیا گیا ہے، اب اس تفصیل کی روشنی میں سورۃ مذکور کی آیتوں کو دوبارہ پڑھئے،

لے سنا دارنہ غیر
سورۃ قیامت
مولانا ابوالکلام
آزاد دہلوی

۲۔ اس عالم کی ہر چیز پر اگر غور سے نگاہ ڈالے تو معلوم ہوگا کہ وہ متضاد عناصر و قوتوں کا مجموعہ ہے، اس میں سردی و گرمی، صحت و تندرستی، بقا و فنا، اور دیگر ہر قسم کی متضاد قوتیں ودیعت رکھی گئی ہیں، ان متضاد قوتوں میں جب تک اعتدال قائم رہتا ہے، وہ زندہ رہتی ہے، اور جس وقت یہ اعتدال جاتا رہتا ہے، اسی لمحہ وہ فنا ہو جاتی ہے، ایک درخت میں ایک پھول کھلا، سڑی و گرمی اور موسم کی تاثیر نے اس پر عمل کیا، جب تک ان متضاد تاثیرات و استعدادات میں اعتدال کی کیفیت رہی وہ پھول شگفتہ رہا، جس آن میں کسی ایک قوت نے شکست پائی، اسکی ہستی معرض فنا میں آگئی، یہی حال دنیا کی ہر چیز کا ہے اور اسی اصول پر افراد خاندان، جماعتیں، قومیں، بلکہ حیوانات، شجر، حجر، دنیا کی ہر چیز چل رہی ہے،

پوری کائنات ہستی کو سمجھے کہ اس کو خلاق عالم نے انھیں متضاد عناصر و اخلاط کے اصول پر قائم فرمایا ہے، دن رات، روشنی تاریکی، سردی اور گرمی، پانی اور آگ، بہار و خزان، تندرستی اور بیماری، دولت اور افلاس، حیات اور موت، آسمان و زمین، نیکی و بدی، خیر و شر، غرض جہد بھی دیکھو یہی معلوم ہوگا کہ یہ اربع عناصر کی چار دیواری ہے، انھیں متضاد قوتوں اور حالات کی بنیادوں پر قائم ہیں، ان میں جب تک اعتدال قائم ہے، یہ دنیا کی ہستی چل رہی ہے جس دن ان کے اعتدال میں فرق آئیگا، وہی دن اسکی فنا کا ہوگا،

لیکن جس طرح افراد و اشخاص میں جہان بیماری کے بعد تندرستی، اور تندرستی کے بعد بیماری کی تبدلات موجود ہے، اسی طرح اس نظام کائنات میں بھی تندرستی کے بعد بیماری، اور بیماری کے بعد تندرستی کی تبدلات موجود ہیں، کتنی دفعہ یہ واقعہ پیش آیا ہے، کہ دنیا ظلم و جور سے بھرپور ہو گئی اور کشت و خون کے سیلاب نے اس کے امن و امان کو غرق کر دیا، کہ دفعہ وہ پھر ابھری، اور اس کا غرق شدہ امن و امان کشتی نوح بنا کر کرۂ ارضی کو بچا لے گیا، بارہا اس باغ ہستی میں خزان آئی، اور پھر بہار کا موسم اس پر چھا گیا، اجرام سماوی کی باہمی مسابقت میں ہماری زمین کئی دفعہ ٹکرانے کے قریب پہنچی، اور پھر بال بال بگئی، یہ کسے اپنی رفتار میں بسا اوقات گرنے کے قریب پہنچے کہ پھر بھل گئے، مگر فساد و مصلح کا یہ اصول اسی وقت تک چل رہا ہے، جب تک ان متضاد

اگر تھا، اور جس کے ماتے پر وہ کسی طرح آمادہ نہیں ہوتے تھے، اور جو انکی عقل میں کسی طرح نہیں سماتا تھا، وہ یہی قیامت اور
خیر و شر کا مسئلہ ہے، جاہلی عرب حیات بعد الموت اور خدا کے آگے اپنے اعمال کے مواخذہ اور پریش اور سزا و جزا سے قطعاً
لاعلم تھے اور اسی لیے ان میں اعمال کے خیر و شر اور نیکی بدی کی وہ تمیز نہ تھی، بغیر تین امور اخلاق و معاملات کا دار و مدار ہے جو ہر
شاعر کی اس تسلیم کو سن کر تعجب سے کہتا ہے،

اموت اثم لعلت ثم خسر حدیث خرافۃ یا اھ عمر

کیا موت ہی پھر جی اٹھنا ہے پھر کٹنا ہونا؟ اے ام عمر! شاعری بوی کا نام، یہ خرافات ہیں

قریش کے ایک دوسرے شاعر نے کہا،

یحد ثنا الشبی بآت مسحی ولیف حیاة اصلاء وھام

یہی ہے کہتا ہوں کہ ہم پھر زندہ کیے جائیں گے حالانکہ مدی اور ہام ہر پھر زندگی کیسی؟

(اُن کا عقیدہ تھا کہ انسان مر کر پرندہ ہو جاتا ہے، اور آواز دیتا پھر تباہ ہے، اسی کا نام اُن کے ہاں سھہ اور ہام تھا)

قرآن مجید میں بھی اُن کے یہ اقوال بکثرت نقل کئے گئے ہیں،

عَاذَ الْمَسْكُوَّةِ كَانُوا فِي الْيَوْمِ يَعْبَثُونَ (۱) کیا جب ہم مرجائیں گے اور مٹی ہو جائیں گے، یہ ٹوٹنا بہت دیر

عَاذَ الْاَلَمِ رَدُّوْهُمْ فِي الْاَحْاَفِرَةِ، عَاذَ الْاَلَمِ کیا ہم دوبارہ اگلے پاؤں اڑائے جائیں گے، کیا جب ہم

عِظًا مَّا خِرَّةً، (نزعۃ-۱) سڑی ہوئی ہڈی ہو جائیں گے،

عَاذَ الْاَلَمِ عِظًا مَّا وَرَفَانًا عَاذَ الْاَلَمِ مَعَى ثَوْنٍ کیا جب ہم ہڈی اور چوڑا ہو جائیں گے تو ہم نے بنا کر پھر

خَلَقًا جَدِيدًا، (اسرائیل ۵-۱۰) اٹھائے جانے والے ہیں،

مَنْ يُّحْيِي الْعِظَاهُ وَهِيَ رَمِيمٌ (یسٰ-۵) ان سڑی گئی ہڈیوں کو کون جلائیگا،

ان میں بعضوں کا عقیدہ ہر یون کی طرح تھا کہ یہ دنیا ہی طرح قائم رہے گی، موت و حیات کا یہی سلسلہ ہی طرح برابر جاری

ہیگا اور اس دنیاوی زندگی کے علاوہ کوئی دوسری زندگی نہیں،

وَقَالُوا مَا هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا
انہوں نے کہا کہ یہی ہماری موجودہ زندگی ہی، دوسری نہیں

وَمَا يُمِلُّكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ، (جاثیہ - ۳)
مرے ہیں اور جیتے ہیں اور زمانہ ہی ہم کو مارتا ہوا

وَقَالُوا إِن هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ
اور انہوں نے کہا کہ یہی ہماری موجودہ زندگی ہی ہم دو بارہ

بَصَبُوتَيْنِ، (الغافر - ۳)
نہیں اٹھائے جائیگے۔

اور انہیں اپنے اعمال کے حساب و مواخذہ کا بھی یقین نہ تھا،

إِنَّمَا كُنَّا نَعْمَلُ سَوَاءً، (نبا - ۱)
وہ حساب کی امید نہیں رکھتے تھے،

خواب بن الارث ابتدائی مسلمانوں میں بین، یہ لوہاری کا پیشہ کرتے تھے، اُن کے کچھ دام قریش کے

ایک سرس مہل بن اہل پر واجب الادا تھے وہ چپا کر تقاضا کرتے تو عاصی کہتا جب تک تم محمد کا انکار نہ کرو گے

میں تم کو کچھ نہ دوں گا، انہوں نے کہا یہ اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک تم مکر کر چو نہیں، اس نے کہا اگر مکر نہ

پھر جینا بھی ہے؟ انہوں نے کہا بیشک اس نے مذاق سے کہا تو اچھا پھر وہ بین میرا مال و دولت اور سرس مانا ہوا

وہ بین تم دام بھی لے لیتا، اس سے اندازہ ہو گا کہ اس بارہ میں اُن کا کفر کتنا شدید تھا اسیلئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے

سامنے توحید کے بعد جس عقیدہ کو سب زیادہ شدت کیساتھ پیش کیا وہ یہی تھا، قرآن مجید کی مکی سورتوں میں سب سے زیادہ

اسی مضمون کو مختلف تغیروں اور نوٹ طریقوں سے روزمرہ کے عینی مشاہدات اور دلائل کیساتھ تکرار بیان کیا گیا ہے

اس میں ہیبت الہی، ہنگامہ قیامت اور حشر و نشر کے رخیزی کی ایسی تصویر پیش کی ہے کہ سننے والا سراپا اثر ہو جائے انسان

کے عجز و عقل کے تصور خدا کی عظمت و قدرت اور کائنات کی حیرت انگیز خلقت کو اس طرح بیان کیا ہے کہ سنا

ہر قدم پر لرزہ بر اندام ہو جاتا ہے، پھر ایک طرف حیات ابدی، نعمت جنت، اور بہشت کی سورتوں کا، اور دوسری طرف

موت کی بے بسی، دنیا کی فنا، دوزخ کی دہشت اور عذاب الہی کی تہدید کا ایسا ہولناک نقشہ کھینچا ہے کہ نفس انسانی

اپنے تار کو چھپانے پر قادر نہیں رہتا،

وحی الہی نے قیامت اور بہشت و دوزخ کے حالات و مناظر کو سب سے پہلے جن اسباب سے پیش کیا ہے اُن سے اہل نظر صحابہ ناواقف نہ تھے، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں پہلے ایک بڑی سورت نازل ہوئی جس میں جنت و دوزخ کا بیان ہے، یہاں تک کہ جب لوگ اسلام کی طرف مائل ہوئے تب حلال و حرام کے احکام نازل ہوئے اور اگر پہلے ہی یہ حکم اترتا کہ شراب پیو، بدکاری نہ کرو، تو لوگ نہ مانتے، یہ آیت کہ بَلِ السَّاعَةِ مَعَكُمْ وَعَدُھُمْ وَالسَّاعَةُ آتِیَتْهُمُ وَآمُرُ بِمَا اُنْ كے وعدہ کا وقت قیامت کی گھڑی ہی، اور قیامت کی گھڑی نہایت مصیبت کی اور تلخ ہوگی، مکہ معظمہ میں اتری اور میں اسوقت کمین چلی تھی، کھلتی تھی، بقرہ اور نسا کی سورتیں (جن میں احکام ہیں) اُس وقت اتریں جب میں آنحضرت صلعم کے ساتھ رہنے لگی تھی۔

اس تشریح سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ تعلیم محمدؐ نے اس حقیقت کو ایمان کے اصول و اساس میں کیوں داخل کیا ہے کہ اگر تعلیم عقائد میں شامل نہ ہوتی تو دونوں میں اعمال کی جزا و سزا کی ہیبت اور عظمت نہ ملتی اور نہ احکام الہی کی تعمیل میں دلی رجحان اور میلان پیدا ہوتا، اور یہودیوں کی طرح جنکے صحیفوں میں زیادہ تر دنیاوی ہی جزا و سزا کا ذکر باقی ہے، دوسرے اہل ایمان کے دل بھی سخت، اور تار سے خالی ہو جاتے، چنانچہ اس فلسفہ کو خود قرآن نے ہی بیان کیا

فَالَّذِينَ لَا یُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ قُلُوبُھُمْ مُنْکَرٌ ۚ وَھُمْ مُسْتَكْبِرُونَ (غفل-۳)

مانتے اور وہ غور میں مبتلا ہیں،

اسی لیے مسلمانوں کو حکم ہوا کہ نماز کی ہر رکعت میں سورہ فاتحہ تلاوت کریں، جس کا ایک کمر ایسا ہے، مَا لَکَ یَعْبُدُ الذِّیْنَ رَوَّعُوا کَا مَالِکَ اسلام چاہتا ہے کہ یہ حقیقت اس کے پیروں کے دلوں میں پوری طرح گھر کرے، قیامت پر قرآن نے قیامت کی ضرورت پر تمام دوسری دلیلوں سے قطع نظر کر کے عموماً دو باتوں سے استدلال کیا ہے

اول یہ کہ انسان بیکار اور بے مقصد نہیں پیدا کیا گیا، اگر اس کے اعمال کا مواخذہ اور جزا و سزا نہ ہو تو خیر و شر اور

نیکی و بدی کا فطری امتیاز نوا اور انسانی زندگی کا مترتب مقصد اور اس کے تمام کام بے نتیجہ ہو جائیں،

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا وَاَنَّكُمْ اِلَيْهِ تَرْجَعُونَ (سہلون - ۶)

تم ہماری طرف لوٹنا ہے نہ جاؤ گے،

اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى (قلم - ۲)

یہ انسان یہ سمجھتا ہے کہ وہ بیکار چھوڑ دیا جائیگا،

دوسری بات جو اس روز جزا کی ضرورت کے ثبوت میں قرآن نے پیش کی ہے، وہ اللہ تعالیٰ کا عادل اور منصف ہونا ہے، اگر آپہنچے برسے انسانوں کے اعمال کی جزا و سزا نہ ہو تو دونوں کا درجہ برابر ہو جائے، اور نیکی و برائی کا کوئی ثواب نہ ہو، بلکہ لغو زبان خدا کا علم اور غیر منصف قرار پائے، اس موجودہ مادی دنیا میں محلی دنیا اپنے اعمال کی کچھ نہ کچھ جزا دیتی ہے، مگر تاہم یہ صاف نظر آتا ہے کہ بہت سے گنہگار سیہ کار اور ظالم یہاں آرام اور چین کی زندگی بسر کرتے ہیں، اور بہت سے نیکو کار پر سیر کار اور اچھے لوگ مصیبتیں اور تکلیفیں جھیلتے ہیں، اس لیے یقیناً یہ موجودہ زندگی اعمال کی جزا و سزا کی اصلی جگہ نہیں ہو سکتی، اس بنا پر دوسری زندگی کا ماننا ضروری ہے، جہاں ہر شخص کو اس کے اعمال کا پورا نتیجہ ملے، اس موجودہ دنیا میں دنیاوی حکام اپنے ناقص علم کے مطابق اچھون اور برون کو ان کے اعمال کے سزا دیتے رہتے ہیں، پھر کہنا ضروری ہے کہ پوری دنیا کا عالم انصاف حاکم اپنے صحیح علم کے مطابق لوگوں کو جزا و سزا دیکر اپنے عدل و انصاف کا ثبوت دے، سورہ ولہین میں اسی استدلال کی طرف اشارہ ہے،

اَلَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَیْرُ مَمْنُوْنٍ، فَمَا یَكْذِبُكَ بَعْدَ الدِّیْنِ

لیکن جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک کام کیے ان کیلئے نہ ختم ہونے والا اجر ہو، پھر اس کے بعد تجھ کو کیا چیز جزا پر نہیں لائی

اَلَیْسَ اللّٰهُ بِحَٰكِمٍ اَلْحَمِیْمِ

نہیں وہی کیا اللہ تمام حاکموں میں سب سے بڑا حاکم نہیں نہ تمام

(الہین - ۱)

کرنے والوں میں سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا نہیں

اسی لیے قرآن پاک کی مختلف آیتوں میں اس حقیقت کو واضح کیا گیا ہے، کہ نیک و بد کا نتیجہ عمل کیسا ان نہیں ہو سکتا، ایک جگہ خدا فرماتا ہے،

نہیں آئی جس نے آسمان بنائے، زمین بنائی، آسمان سے پانی برسایا، مردہ زمین سے زندہ کھیتیاں ابھرے اور درخت اگائے، اور پانی کے ایک قطرہ سے انسان بنایا کیا وہ انکی فنا کے بعد دوبارہ انکی ایجاد پر قادر نہیں؟

۴۔ حیات کا یہ تمام کارخانہ پہلے نیست معدوم تھا، خدا نے اسکو بہت و موجود کیا، پھر رفتہ رفتہ اسکو معدوم کر دیا، تو جس نے پہلے بغیر کسی سابق مثال کے اس کارخانہ کو پیدا کیا، وہ کیا دوبارہ اسکو پیدا نہیں کر سکتا جس نے نقش اول بنایا کیا نقش ثانی کھینچنے پر اس کو قدرت نہیں؟

۵۔ دنیا میں باری باری بہت سی قومیں وجود میں آئیں، اور قوانین الہی کے مطابق انہوں نے جہانی زور و طاقت، مالی وسعت، اجتماعی اور تمدنی عظمت، اور سیاسی قوت حاصل کی، بڑی بڑی عمارتیں بنائیں، عظیم الشان عمارتیں بنیاد ڈالی، قوموں کو اپنا محکم بنا کر حکومت و سلطنت قائم کی، پھر جب انہوں نے غرور و نفوذ و ظلم و ستم اور دوسرے قوانین الہی کی جو قوموں کی ہستی اور عظمت کی بقا کے لیے ضروری ہیں مخالفت کی تو وہ فنا کر دی گئیں، اور ان کا نام و نشان بھی صفحہ ہستی سے مٹ گیا، عربوں سے سوال کیا کہ تمہارے عابد و نمود جو کبھی بنو سام کے مالک عراق و شام و مصر و یمن پر چھائے تھے، کیا ہوئے؟ سب اور تتبع کی عظیم الشان حکومتیں کیا ہوئیں؟ فرعون اور اسکی سلطنت کا کیا حال ہوا؟ قوم لوط اور قوم مدین کو زمین کیونکر نکل گئی؟ قرآن نے اہل عرب سے خطاب کر کے کہا۔

اَوَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ

حَاقِبَةُ الَّذِيْنَ كَانُوْا مِنْ قَبْلِهِمْ كَانُوْا

هُمُ اِلٰهًا رَبَّنَا مِنْهُمْ قُوَّةٌ وَاِنَّا لَفِي الْاَرْضِ (سورہ ۱۲)

اَلَمْ يَأْتِكُمْ نَبُوْا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ فَمَا تَوْحَّجُوْا

وَعَادُوْا تَمُوْدَ وَالَّذِيْنَ مِنْ بَعْدِهِمْ فَكَايَعَلَهُمُ

اِلٰهًا (ابراہیم ۱۷)

یہ تو وہ قومیں ہیں جنکا قرآن نے ذکر کیا ہے، ان کے علاوہ دنیا کی تاریخ میں کتنی قوموں کے عروج و فناء کی

قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْأَرْضُ مِنْهُمْ وَعِندَنَا
 كِتَابٌ حَفِيفٌ، بَلْ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا تَجَاءُفًا هُمْ
 فَهُمْ فِي أَمْرٍ مُرْجٍ، أَلَمْ يَنْظُرُوا إِلَى السَّمَاءِ
 فَوَقَّعَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنَاهَا وَزَيَّنَّاهَا وَمَا لَهُا مِنْ
 قُرُوجٍ، وَلَا أَرْضٍ مَدَدْنَاهَا وَالْقِيَامَ فِيهَا
 رَاسِيًا وَابْتَشَرْنَا فِيهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ بَهِيجٍ
 تَبَهَّجَتْ فَذَلِكُنَّ لِلَّهِ عِبْدٌ مُنِيبٌ،
 وَزَلَّنا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً مُبَارَكًا فَانْبَثَرْنَا فِيهِ
 جَذَّتْ رَحْبُ الْحَبِيدِ، وَالْخَلَّ بَسِقَتِ
 لَهَا طَلْعُ نَضِيدٍ، رَسْرَسَ قَالِ الْعِبَادُ وَاحْيَيْنَا
 بِهِ بَلَدًا مَيِّتًا كَذَلِكَ الْخُرُوجُ، كَذَّبَتْ
 قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَأَصْحَابُ الرَّسِّ وَثَمُودُ
 وَعَادٌ وَفِرْعَوْنُ وَإِخْوَانُ لُوطٍ، وَأَصْحَابُ
 الْأَيْكَةِ وَقَوْمُ تُبَّعٍ كُلٌّ كَذَّبَ الرُّسُلَ
 فَحَقَّ وَعِيدُ، أَفَعَيْيُنَا بِالْخَلْقِ الْأَوَّلِ بَلْ يَلِ
 هُمْ فِي لَبْسٍ مِنْ خَلْقٍ جَدِيدٍ،

(رق۔ ۱)

سنا ہے وہ کہتے ہیں کہ یہ تعجب کی بات ہے کیا جب ہم مجاہدین
 اور مٹی ہو جائیں گے (تو پھر زندہ ہونگے) یہ دوبارہ لوٹنا تو دور
 ہے، خدا اکٹھا ہی تعجب کی کیا بات ہے ہم کو معلوم ہے کہ زمین پر
 جموں میں جو کی کرتی ہے، اور ہمارے پاس یاد کی کتاب ہے بلکہ بات
 یہ ہے کہ ان کافروں نے سچائی جب ان کے پاس آئی انھوں
 نے جھٹلادی، تو وہ اچھی باتوں میں پڑ گئے، کیا انھوں نے
 اپنے اوپر کے آسمان کو نہیں دیکھا کہ ہم نے اسکو کیا بنایا اور
 کس طرح اسکو سجایا ہے کہ اس میں کہیں سورخ نہیں، اور زمین
 کو پھیلا دیا ہے، اور اس میں پہاڑ کے لنگر ڈالے، اور اس میں قسم
 قسم کی رونق کی چیز لگائی کہ ہر رجوع ہونے والے کو اس سے
 ہو اور یاد آئے، اور آسمان سے برکت کا پانی برسایا، پھر اس سے
 اور کتنے کھیت کے اناج اُگائے، اور کھجوروں کے لیے درخت
 جنکے خوشے اوپر تلے ہیں، یہ بندوں کو روزی پہنچانے کے لئے اور
 اس پانی سے مروہ آبادی کو ہم زندہ کرتے ہیں اسی طرح قمر کے
 ٹکڑے ہیں ان کافروں سے پہلے نوح کی قوم، اس واسطے اور نوح
 اور عا و اور فرعون اور لوط کے بھائیوں نے اور لوط کے بیٹے

تب کی قوم نے اسکو جھٹلایا، ان میں سے ہر ایک نے پیغمبروں
 کو جھٹلایا، تو میری دھمکی پوری اتنی ہی کیا کہ ہم پہلے پیدا کر کے تھک گئے
 (دوبارہ نہیں پیدا کر سکتے) بات یہ ہے کہ ان کافروں کو از سر نو

سورہ قیامت میں بھی اسکا بیان ہے، اور اسکی آخری آیتیں یہ ہیں:-

أَيَحْسَبُ الْإِنْسَانُ أَنْ يُتْرَكَ سُدًى، أَلَمْ يَكُنْ نُطْفَةً مِنْ مَنِيٍّ يُُمْتَعًى، ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوَّى، فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْأُنثَى، أَلَيْسَ ذَلِكَ بِقَدِرٍ عَلَى أَنْ يُخْلِقَ
 کیا انسان یہ سمجھتا ہے کہ وہ یونہی بیکار چھوڑ دیا جائے گا، کیا وہ بانی کی ایک ٹپکی ہوئی بوند نہ تھا، پھر بندھا ہوا خون ہوا پھر خدا نے منگو بنایا اور اسکو ٹھیک کیا، پھر اس کو جوڑا کیا، نر اور مادہ کیا، یہ خدا اس پر قادر نہیں کہ مردوں کو دوبارہ
 الموقی، (رقمہ - ۲)

وَقَالُوا إِذَا كُنَّا عِظًا مَسَّوًى، فَاتَّاعْنَا لِلْكَوْكُوبِ حُطَقًا لَعَنَ يَدَا، أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللَّهَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ فَتَرَعَا عَلَى أَنْ يَخْلُقَ مِنْ شَأْنِهِمْ، (بنی اسرائیل - ۱۱)

اور وہ بوسے کہ جب ہم ہڈی اور چوڑا ہو جائیں گے تو پھر تھے بنا کر اٹھا سے جائیں گے کیا یہ نہیں دیکھتے کہ وہ اللہ جس نے آسمانوں کو اور زمین کو بنایا وہ ان لوگوں کے مثل کو دوبارہ بھی بنا سکتا ہے،

ایک اور جگہ فرمایا،

وَهُوَ الَّذِي يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ وَهُوَ أَهْوَنُ عَلَيْهِ، (روم - ۳)

اور وہی جو خلق کا آغاز کرتا ہے، پھر اسکو دوبارہ خلق کرے گا یہ آسان ہے،

إِن كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِنَ الْبَعْثِ فَإِنَّا جَمَعُكُمْ مِنْ تُرَابٍ (حج - ۱)

(لوگو! اگر تم کو بارگاہ زندگی میں شک ہو تو ہم تو پہلے تمکو اسی مردہ مٹی سے پیدا کر چکے ہیں، پھر دوبارہ کیوں نہیں پیدا کر سکتے)

قیامت کے متعلق تمام دور دراز اور طول طویل شکوک و شبہات کا کتنا مختصر جواب ہے،

قَالَ مَنْ يُحْيِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنْشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ (یسین - ۵)

وہ بولا کہ ان مٹی کی کھوکھلی ہڈیوں کو جلائیگا، کہہ دے وہی جس نے پہلی دفعہ ان کو بنایا،

غرض وحی محمدی نے ہر پہلو سے کفار کے اس استغواب اور استبعاد کو دور کیا، اور ان کو دوبارہ زندگی کا یقین دلایا،

تَعَالَى رَبُّكُمْ تَرْجِعُونَ، (سجده ۱) تم کو موت دیگا، پھر تم اپنے پروردگار کی طرف لوٹا جاؤ گے،

یہی ملاقات اور رجوع الی اللہ اس عقیدہ حشر کی اصلی روح ہے،

بات یہ ہے کہ ہم انہیں باتوں کو سمجھ بوجھ سکے ہیں، جنکی مثالیں اور نظیریں اس مادی دنیا میں ہماری نگاہوں سے گذرتی رہتی ہیں، اور وہ عالم جو نگاہوں سے مستور، بلکہ تصور سے بھی دور ہے، اُسکی باتوں کو اسطرح سمجھنا کہ ہر سوال اور جواب سوال سے وہ پاک ہو جائیں، تقریباً ناممکن ہے، اُن کے متعلق جو کچھ کیا جاسکتا ہے، وہ یہ ہے کہ اس دیدہ شہرستان وجود یعنی دنیا کے قیاس ہی پر اُس نادیدہ شہرستان بقا کا ہر نقشہ اور خاکہ بتایا اور سمجھایا جائے، اور یہی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم نے کیا ہے،

جو لوگ کہ اللہ تعالیٰ کی ہر قسم کی قدرت پر یقین رکھتے ہیں، اُن سے تو کچھ کہنا ہی نہیں، لیکن اگر کوئی جہانی حشر کا تصور اس لئے حال سمجھتا ہے کہ عام انسانوں نے کسی مردہ جسم کو زندہ ہونے نہیں دیکھا، تو اس سے زیادہ حال یہ ہے کہ کوئی شہار و جانی زندگی کو سمجھ سکے کہ کسی انسان نے آج تک کسی انسان کو روحانی وجود میں نہیں دیکھا، بلکہ وہ اُس کا تصور تک بھی نہیں کر سکا ہے، وہ جب انسانی زندگی کا تصور کریگا تو جسم و شکل و اعضا کے ساتھ ہی کرے گا، اُن سے مجرّد ہو کر نہیں کرے گا،

موت جسم سے روح کی مفارقت کا نام ہے، اس لیے اگر یہ سچ ہے کہ قیامت میں نئی زندگی ملے گی، تو ظاہر ہے کہ پہلی کیفیت اور صورت سے کوئی الگ صورت و کیفیت ہوگی جس کا نام حیاتِ ثانیہ رکھا گیا ہے، اور وہ یہ ہے کہ روح کا دوبارہ تعلق جسم سے پیدا کیا جائے، ورنہ غیر جہانی زندگی تو قیامت کے پہلے بھی تھی، اب نئی بات کیا بڑھ گئی جس کا نام حیاتِ ثانیہ رکھا جائے،

گو روح انسانی جسم کے اندر ہر فعل کی فاعل ہے، مگر ہر فاعل کے فاعل بننے کے لیے آلات اور اوزار کی بھی ضرورت ہوتی ہے، جن کے بغیر وہ اپنے فعل کے بجالانے سے مجبور رہتا ہے، اسی طرح روح اپنے فعل لذت و اہم کے انجام دینے کے لیے جہانی آلات اور اوزار کی محتاج ہے کہ لذت و اہم کا کوئی روحانی احساس، جہانیت کے ثابہ سے مبرا ہو کر ہو ہی

نہیں سکتا، اس بنا پر روحِ محض کا جنت کی لذتوں سے متشبع یا دوزخ کی تکلیفوں سے متاثر نہ ہونا کسی جہانی وسوسے کے بغیر تصور میں نہیں آتا، خوب میں دیکھو کہ روح کو جو لذت یا تکلیف پہنچتی ہے، اُنہیں بھی جہانی پیکر وکیل کی صورتوں اور ہستی کے جسم و جسد | خضر جہانی ماننے کے بعد یہ بحث میسود ہو کہ آیا یہی جسم دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جائیگا جس کے قالب میں وہ روح پہلے دنیا میں ہی تھی، یا کسی دوسرے نئے جہانی پیکر میں وہ روح پھونکی جائے گی، یا یہ کہ آئندہ جسم اپنی مادیت اور تربیت میں اسی دنیاوی جسم کے مائل ہوگا، جب کہ حقیقت ہے، اور اس پر سب کا اتفاق ہے کہ اعمال کی ذمہ داری روح پر ہے، جسم پر نہیں، اور اسی طرح جزا و سزا کی راحت و تکلیف کا اہلی مورد روح ہے، جسم نہیں، تو پھر اب وہ کسی قالب میں بھی ہوا، اور کسی رنگ میں بھی ہوا، روح پر مواخذہ، اور ثواب و عذاب کی لذت و اہل کا احساس یکساں ہوگا، البتہ یہ ضرور ہو کہ جو جسم ہم کو دوسری دنیا میں ملے گا، اسکی خصوصیات و لوازم اس خالی جسم کے خصوصیات و لوازم سے بالکل الگ ہونگے، چنانچہ خود ہمارے تخیل اور تصور اور نیز خواب و رویا میں جو جسم کو نظر آتا ہے، وہ جسم ہو کر نظر آنے کے باوجود مادی حیثیت سے سرسراہٹ ہو رہا ہے، اس لیے فقط جسم کے بدلنے سے اُنہیں خصوصیات کا جسم سمجھ لینا ضروری نہیں ہے، اور نہ اس جسم پر کیا کر کے اُس جسم پر اُن کا لاپیش کئے جاسکتے ہیں،

خلقِ جسد | چنانچہ جو جسم قیامت میں عنایت ہوگا، وہ نئی خلقت اور نئی آفرینش کا ممنون ہوگا، اسی لیے قرآن نے منکروں کے جواب میں یہ کہا ہے کہ

بَلْ هُمْ فِي لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِيدٍ (ق ۱۱) بلکہ یہ لوگ نئی آفرینش سے شک میں ہیں۔

منکروں کی زبان سے کہلوا یا،

إِنَّا لَمَبْعُوثُونَ لَفِي خَلْقٍ جَدِيدٍ (اسراء ۵۰) کیا ہم حقیقت میں آفرینش کر کے اٹھائے جائیں گے؟

ایک دوسری سورہ میں یہ یقین ہے کہ

إِنَّمَا نَحْنُ بَلَدٌ جَدِيدٍ (سبا ۱) بیشک ہم ایک نئی آفرینش میں ہونے والے ہیں،

پیشکش سے کر فرمایا،

کَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيدُهُ ۚ

جس طرح ہم نے پہلی پیدائش کا آغاز کیا، اسی طرح ہم

اُس کو دوبارہ بنائیں گے،

(انبیاء-۴)

اس لیے اُس عالم کی اس نئی خلقت پیدائش کے جسم کو بعینہ اسی جسم کے مطابق سمجھنا صحیح نہیں ہے، اور نہ اس خالی جسم کے تمام خصوصیات کا بعینہ اُس جسم میں ہونا ضروری ہے، اُس کو اگر اس عالم کے لفظ "جسم" سے تعبیر کیا جاتا ہو، تو اس لیے کہ ہماری زبان میں روح کے غلات و قالب کے لیے جسم سے بہتر قریب تر، اور مشابہ تر کوئی دوسرا لفظ نہیں یہ بات کہ حشر میں بعینہ گذشتہ گوشت و پوست کا ہونا اس لیے ضروری سمجھا جائے کہ وہ بھی عذاب و ثواب میں

شریک ہوں، تصریح قرآنی پر اضافہ ہے، قرآن میں تو یہ تصریح ہے کہ

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا سَوْفَ نُصْلِيهِمْ

بے شبہ جو لوگ ہماری آیتوں کے منکر ہوئے، اُن کو

نَارًا كَلَّمًا نَضِجَتْ جُلُودُهُمْ بِدَارِهِمْ

آگ میں ڈالیں گے جب جب اُنکی کھالیں پک جائیں گی

جُلُودًا غَيْرَ هَٰلِكَ وَتُؤَلِّعُ الْعَذَابُ أَنَّ اللَّهَ

ہم اُن کو اور کھالیں دینگے، جو پہلی کھالوں کی غیر ہو جائیں گی

كَانَ عَذَابُ الْكَافِرِينَ بِشَيْءٍ غَالِبٍ وَرَحْمَتُ الرَّحْمٰنِ

تاکہ وہ عذاب کھین بیشک اللہ غالب و رحمت والا ہے

(نساء-۸)

جب کھالیں یکے با دیگر بے ہمتی جائیں گی، تو وہ پہلا اصلی حصہ جسم جو گناہ میں شریک تھا کمان باقی رہا، یہ تصریح ہے کہ انسان کے ہاتھ پاؤں اور کھالیں اُس کے اعمال پر شہادت دیں گی، اس سے معلوم ہوا کہ وہ اصلی مجرم جو ان اعمال کا ذمہ دار اور اس مقدمہ کا مدعا علیہ ہے، ان جسمانی اعضاء کے علاوہ ہی اور وہ روح انسانی ہے،

ذمہ داری روح پر ہے | یہی سبب ہے کہ موت و حیات، عذاب و ثواب اور اعمال کے مواخذہ کا اسلام نے جس سے تعلق بتایا ہے وہ نفس یعنی روح ہے،

أَنْ تَقُولَ نَفْسٌ لِّحَصْرِتِي عَلَىٰ مَا فَرَّطْتُ

(و قیامت میں) کوئی نفس یہ کہنے لگے کہ اے افسوس

اس پر کہ میں نے اللہ کے پہلو میں کمی کی،

(زمر-۶)

وَلَنَنْظُرَنَّ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ (حشر-۳)

اور چاہیے کہ ہر نفس دیکھے کہ اُس نے کل (قیامت) کیسے کیا کئے

عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا أَحْضَرَتْ (تکویر-۱) (نفس دن) ہر نفس جان لیگا جو اس نے حاضر کیا،

عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَأَخَّرَتْ، (اس دن) ہر نفس جان لیگا جو اس نے آگے بھیجا،

(الفطار-۱) اور پیچھے چھوڑا،

فَلَا تَظْلِمُ نَفْسٌ شَيْئًا، (انبیاء-۴۲) (تو افسد نہ کرے) کسی نفس پر کوئی ظلم نہ ہوگا،

جنت کی نسبت ہے،

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُم مِّن قُرَّةِ عَيْنٍ (سجده-۲۰) کوئی نفس نہیں جانتا کہ ان کے لیے (جنت میں) کیا

انگوٹوں کی ٹھنڈک چھپا کر رکھی گئی ہو،

ان آیتوں میں دیکھو کہ عمل کی ذمہ داری اور اس کے اچھے اور برے نتیجوں کا بار جسم پر نہیں بلکہ روح اور نفس

پر ڈالا گیا ہے، اور اسی کو تکلیفِ لذت سے آشنا کیا گیا ہے جنت میں داخلہ کی خوشخبری بھی اُسی کو دی گئی ہو،

فَاذْخُلِي فِي عِلْدَنِي وَادْخُلِي جَنَّتِي، اے مطمئنِ روح! میرے بندوں میں شامل اور میری

(نجم-۱) جنت میں داخل ہو جا،

دنیاوی جسم بدلتے رہنے | غرض اعمال اور ان کے نتائج کی اصلی ذمہ داری اور جنت و دوزخ کی لذت و اہم کی اصل

پر بھی وہی جسم رہتا ہے | احساس کرنے والی ہستی صرف روح ہے اور جسم کی حیثیت صرف ایک لباس و آلہ احساس

کی ہے اس سے زیادہ اسکی کوئی حیثیت نہیں، یہ جسم لاکھ بار بدلتے مگر روح اگر وہی ہے تو وہ انسان وہی ہے، اور اُسی

کو اپنی ذمہ داری کی جزا و سزا ملے گی ہی ہو،

جو لوگ اپنی ظاہر بینی سے اصلِ زورِ جسم پر دیتے ہیں، حالانکہ اس مٹی کے ڈھیر میں اگر روح کا خزانہ چھپا ہوا ہو تو اس

مشتِ خاک میں دھرا کیا ہے، دیکھو کہ انسان بچپن سے لیکر بوڑھاپے تک وہی ایک شخص ہے جو پہلے تھا، حالانکہ اسکی

جسمانی ہیئت اور اس کے جسم کا ماحول ہر آن اور ہر لمحہ قیام و کرب بدلتا رہا، اور بیماریوں میں وہ سوکھ کر کھٹکنا ہو گیا، پھر تندرستی

کے بعد نئے ذرات داخل ہو کر لہا لہائے غلطی سے یہ سمجھتے ہو کہ ہر حال میں وہی جسم یکساں طور پر قائم ہے، حالانکہ

اُتر دی جم کیسا ہوگا | روح کو آخرت میں جو جسم ملے گا وہ حقیقت میں اُن کے اعمال ہی کے ظل عکس ہونگے، یعنی جیسے اعمال ہونگے ویسے ہی انکو جسم عنایت ہونگے چنانچہ دنیا کے جہانی رنگ کے لحاظ سے خواہ کوئی کالہ ہو یا گورا مگر اُس دنیا میں اُس کا یہ کالا پن اور گورا پن اعمال کی سیاہی و سپیدی کی صورت میں بدل جائیگا، فرمایا:-

وَجَعَلَ لِيَوْمَ يَدْعُوهُمْ إِلَهُكُمْ آيَةً ۖ وَكَانَ رَجُلٌ مِنْهُمْ يَقُولُ بِاللَّهِ إِلهَ الْغَالِبِينَ ۖ وَكَانَ شَهِيدًا عَلَىٰ مَا يَدْعُوا بِهِ ۚ فَلَمَّا اتَّخَذُوا آلِهَتَهُمْ آلِهَةً غَيْرَ اللَّهِ خَشَعُوا لِآيَاتِهِ فَخَسَعُوا يَوْمَ الْقَوْمِ ۚ

وَجَعَلْنَا لِيُونُسَ مِنْهُ مِثْقَالَ عِصْيَانٍ لَّهُ تَذَرَّتْهُ يَوْمَ تَفُوتُ ۖ

اور کہنے پہرہوں پر اس دن کہ ورت ہوگی، اور اُن پر

(رستابہں - ۱) مسیحیاتی چھاپی ہوئی،

[illegible]

اسودت وجوههم تکفروا بعد ایسا کہ
 ہرے کاٹے ہوئے کیا تم وہ ہو جو ایمان کے بعد پھر کافر
 فذوقوا العذاب بما کُنتُمْ تَکْفُرُونَ، وَاَمَّا
 ہو گئے تھے تو اپنے کفر کرنے کے بدلہ عذاب کا مزہ چکھو
 الَّذِینَ اٰتٰیصَتْ وُجُوهُهُمْ نَفٰی رَحْمَةِ اللّٰهِ
 اور لیکن جنکے ہرے پسید ہوئے تو وہ اللہ کی رحمت میں
 هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ (ال عمران - ۱۱) ہو گئے، اسی میں سدا رہیں گے،

صحیح حدیثوں میں ہے کہ جنت میں سب لوگ جوان بنکر داخل ہوں گے اور جسم پر کبھی بڑھاپا نہیں آئے گا، اُن کا
 حضرت آدم کے اولین بستی قد کے مطابق ہوگا، دوزخیوں میں سے کسی کا سر پہاڑ کے برابر ہوگا، کسی کا ایک پہلو منقلوب
 ہوگا، کسی کے ہونٹ لٹکے ہوں گے، دل کے اندر آنکھوں کے اندر بنکر اٹھیں گے، سزاؤں کے بعد جب اُن کے جسم پر
 چڑھ جائیں گے تو پھر اُن کے جسم صحیح و سالم نوادار ہوں گے اور پھر اُن کی وہی کیفیت ہوگی، یہ بھی آیا ہے کہ جو اپنے
 گڑبڑ سمجھے ہیں وہ چوتھی بنکر قیامت میں اٹھیں گے، ان تمام شواہد سے ہویدا ہے کہ اُس دنیا کے جسمانی قالب ہمارے
 اس دنیاوی جسم کے مطابق نہیں بلکہ ہمارے دنیاوی اعمال کے مطابق ہوں گے،



بخرا اور سزا

”یوم آخر“ یا یوم دین پر ایمان لانے سے اسلام کا حقیقی منشا یہ ہے کہ لوگ اس کا یقین کریں کہ ان کے ہر عمل کا بدلہ ہے، کچھ اس دنیا میں، اور پورا دوسری دنیا میں، اسی کا نام جزا و سزا ہے، اور دنیا کے دوسرے مذاہب بھی اسلام کیساتھ اس مسئلہ میں ہمنوا ہیں،

جزا و سزا دیگر مذاہب میں | اور درحقیقت مذاہب کا حقیقی تعلق اسی عقیدہ سے ہے کہ انسان اپنے اعمال کا ذمہ دار ہے، اور اچھا یا بُرا جیسا کام اُس سے صادر ہوگا اُس کے مطابق اسکا اچھا یا بُرا معاوضہ اُس کو دوسری دنیا میں ضرور ملے گا، اس عقیدہ کا نشان مہرِ باطن صی دنیا کی قدیم قوموں میں بھی ملتا ہے، ہندوستان کے مذاہب میں اس دوسری دنیا کو دوسرے جنم سے تعبیر کیا گیا ہے، اُن کا خیال یہ ہے کہ انسان جب مرتا ہے تو اُس کے اچھے یا بُرے کاموں کے مطابق اُس کی روح کسی جانور یا گھاس پھوس یا درخت کے قالب میں جا کر اپنے عمل کا نتیجہ سہکتی ہے اور پھر انسانوں کے قالب میں لائی جاتی ہے، اور کام کرتی ہے، اس کے بعد جس کے گناہ زیادہ ہوتے ہیں، اُس کو ہم لوگ مین جانا پڑتا ہے، جہاں نرک (دوزخ) ہیں وہاں وہ ہر قسم کی سزا سہکتی ہی، بعد ازیں اپنے بعض اچھے کاموں کی بدولت چند لوگ (چاند کی دنیا) میں جاتی ہے، جس روح کے کچھ کام اب بھی باقی ہیں، وہ اس دنیا میں ہوا، بادل، اور بارش کے ذریعہ سے زمین میں دوبارہ آتی ہے، اور اپنے کام کے مطابق حیوانات یا نباتات کے رتبہ میں سزا پاتی ہے، اور پھر پھوٹ کر انسان بنتی ہے، یہاں تک کہ اُس کے کام اتنے اچھے ہو جائیں کہ وہ سزا کے قابل نہ قرار پائے، اس وقت وہ مادی قالبوں کی قید سے نجات پا کر سورج، لوک، اور چند لوک وغیرہ اجرام سماوی کی دنیاؤں میں جا کر آرام کرتی ہے، اور پھر اپنے علم و عمل کی کمی کی کمی کے سبب سے بادل، ہوا، اناج یا کسی دوسرے

مخلوقات کے قالب میں ہو کر اس کو اُس دنیا میں پھر اُٹا پڑتا ہے اور پھر وہی عمل اور سزا اور نئے نئے جہنم میں پیدا ہو کر سزا جھگکتی ہے اور اُس وقت تک اس آمد و رفت اور آواگون کے چکروں میں پھنسی رہتی ہے جب تک اُس سے اچھے یا برے کاموں کا صدور ہوتا رہتا ہے اس لئے کامل اور دائمی نجات کی صورت یہ ہے کہ انسان سے اچھا یا برا کوئی کام ہی صادر نہ ہو یہی ترکِ عملِ روح کو مادہ کی قید سے آزاد کر کے ہمیشہ کے لیے چھٹکارا (مکوش) دلاتا ہے یہاں تک کہ یہ موجودہ مادی دنیا پڑے (قیامت) کے بعد جب پھر نئے سرے سے نیکی تو پھر وہی عمل اور سزا اور جہنم کے آواگون کا چکر شروع ہوگا، اور پھر اسی طرح چھٹکارا پائے گی اور پھر دوسرے پڑے کے بعد نیا دور اسی طرح شروع ہوگا، یہ چکر اسی طرح ہمیشہ جاری رہیگا،

یہ وہ چکر ہے جس سے انسان کو کبھی نکلتا نصیب نہ ہوگا، اَلَا یہ کہ ہالک کی چوٹی یا غار میں بٹھیک کر تکِ عمل کے ذریعہ خود اپنے وجود سے ہاتھ دھو لیا جائے، لیکن اگر اس اصولِ نجات پر دنیا عمل کرے تو یہ بہارِ ستانِ مہم کے دم میں غارِ ستان بن جائے، اور ہر قسم کا کاروبار معطل ہو کر یوں بھی نیا فائدہ کے قریب آجائے، اور بدی کیساتھ نیکی کا وجود بھی دنیا سے مٹ جائے، اور بایں ہمہ دائمی وابدی نجات میسر نہ ہو، کیونکہ ہر پڑے کے بعد وہی جہنم، اور کرم، اور آواگون پھر شروع ہوتا ہے،

لیکن دنیا کے دوسرے مذاہب نے اس چکر اور بے عملی سے دنیا کو نجات دلانی ہے، انھوں نے اس جُورِ دنیا کے بعد ایک ہی دنیا اور تسلیم کی ہے، حسین انسانوں کو اپنے اچھے اور برے اعمال کی پوری پوری جزا ملے گی، مختلف زردشتی فرقوں نے آریں نسل ہونے کے باوجود ہندوؤں کے تنازع کے بجائے مختلف سماجی مذاہب کے خیالات کی نقالی کی ہے، اور خصوصاً بعد والوں نے اسلام کے عقائد کو "اردائی ویرانہ" کے عجیب و غریب شہادت کا رنگ دیکر اور اُس کی کتاب کو اسلام سے بھی پہلے کی قرار دیکر تمام تر قبول کر لیا ہے،

لے تنازع کے رد میں اللہ علیہ وسلم نے جو ۱۹۰ آیتیں ایک مہرِ حق سے دی ہیں ان مذاہب نے پوری دانیت رکھنا تھا، اس نے اپنی کتاب میں اس کی پوری تفصیل درج کی ہے،

صحیفہ ابراہیم یعنی سفر تکوین میں دنیا کی محنت و مشقت اٹھانے کے بعد پھر جنت میں داخلہ کا اشارہ ہے (تکوین ۲-۱۹) علیٰ ہذا حضرت موسیٰ کے صحیفوں میں آخری جزا و سزا کے اصول مذکور ہیں، نیکو کاروں کے لیے ایک "ستھری آبادی" جہنم و دودھ اور شہد کی مہرین بہتی ہیں، مذکور ہے، اور بدکاروں کے لیے ہلاکت اور بربادی اور دردناک عذابوں کی بھی خبر ہے، مگر ترجموں نے ہر جگہ اُس کو دنیاوی ہی ثواب و عذاب بلکہ ارضِ موعودہ کی ظاہری سلطنت کے معنوں میں کر کے دکھایا ہے، حالانکہ بعض مقامات میں یہ بے جوڑی بات ہو کر رہ گئی ہے، حضرت آدم کی جنتِ عدن اور اس کے چار دریاؤں کا ذکر تکوین کے دوسرے باب میں ہے، علاوہ ازیں تورات میں موت کے بعد کی زندگی کی تصریح ملتی ہے، حضرت ابراہیم (پیدائش ۲۵-۸) اور یعقوب علیہما السلام (پیدائش ۴۹-۳۳) کی موت کی تعبیر ان لفظوں میں لکھی ہے، کہ جان بحق ہوا، اور وہ اپنے لوگوں میں جا ملا، ساتھ ہی ہمیشہ کی بھلائی (استثنا ۲۲) کا بھی تذکرہ ہے، اور جہنم کی آگ (استثنا ۳۲-۲۲) کا بھی بیان ہے، اور ہر ایک کو اُس کے عمل کا بدلہ دیئے جانے کی بھی تصریح ہے (یرمیا، ۱-۱۱) روح کی بقا اور آسمان پر چڑھنے کی تعلیم بھی اُن کے صحیفوں میں موجود ہے، (واعظ ۳-۲۱) مرنے کے بعد روح کے، خدا کے پاس واپس پھر جانے کا بھی ذکر ہے، (واعظ ۱۲-۷) اور انسان کے اپنے ابدی مکان میں جانے کا بھی تذکرہ ہے، آخر میں ہے، "خدا سے ڈرا اور اس کے حکموں کو مان، کہ انسان کا فرض کلی یہی ہے، کیونکہ خدا ہر ایک فعل کو ہر ایک پوشیدہ چیز کیساتھ خواہ بھلی ہو خواہ بری عدالت میں لایگا" (واعظ ۱۲-۱۴) زبور میں خدا کی عدالت کے دن کی تصریحات بار بار ہیں، امثال سلیمانی میں ہے کہ انسان کی رائیں خداوند کی آنکھوں کے سامنے ہیں، اور وہ انکی ساری روشن کو جانچتا ہے، شریر کی بدکاریاں اسکو کپڑ لینگلی، اور وہ اپنے ہی گناہوں کی سیون سے جکڑا جائے گا، وہ بے تربیت پائے مر جائے گا، اور اپنی جہالت کی شدت میں بھٹکتا پھرے گا (۲۱-۵) دانیال میں ہے کہ اس وقت بہتر ہے جو زمین میں خاک پر سو رہے ہیں، جاگ اٹھیں گے، بعض جہالتِ ابدی کے لیے اور بعض رسوائی اور ذلت کے لیے (۲-۱۲) حزقیال (۲۸) میں جنت کی طلائی اور جوارہات کی بنی ہوئی عمارتوں کے اشارے ہیں،

حضرت مسیح سے پہلے یہودیوں میں صدوقی نام ایک فرقہ پیدا ہوا جس نے حکمران یونانیوں کا تقرب حاصل کرنے کے لیے ان کی بعض باتیں قبول کر کے یہودی تعلیم میں شامل کیں، منجملہ ان کے وہ قیامت اور حیاتِ اخروی کا بھی منکر ہوا، مگر اس کے مقابل کا دوسرا فرقہ جس نے اپنے کو فریسی (علیحدہ رہنے والا) کہا، اپنے پرانے عقیدوں پر قائم رہا، اور قیامت، حیاتِ اخروی اور جنت و دوزخ کے عقائد کو بدستور رمانا رہا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں فریسی بھی اعتقاد رکھتے تھے کہ جنت مادی ہوگی، اور وہاں بہشتیوں کو ان کی بیویاں واپس ملین گی درمیں (۱۲-۲۴) یہودیوں کی گھڑی کتابوں میں جزا و سزا کی تفصیل موجود ہے، چنانچہ اسلام کے زمانہ میں بھی عرب کے یہودی اس پر ایمان رکھتے تھے اور کہتے تھے کہ یہودی کیسے ہی گنہگار ہونگے مگر چند روز سے زیادہ وہ دوزخ میں نہیں رہیں گے، (بقرہ ۸۰ و آل عمران ۳) یہ چند روز باختلاف روایت تین روز، چالیس روز یا گیارہ مہینے ہیں،

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے عہد میں یہودیوں کے ان تین فرقوں کے درمیان سخت اختلافات برپا تھے، اور دونوں ایک دوسرے کی تردید و ابطال میں مصروف تھے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اگر صدوقیوں کے اس عقیدہ کی تردید کی، اور قیامت اور جزا و سزا پر ایمان لانے کی تعلیم دی، حضرت عیسیٰ کے ایک حواری یوحنا نے اپنے مکاتفہ میں جنت و دوزخ کی پوری تصویر کھینچی،

حضرت عیسیٰ کے اس جواب سے جو انھوں نے ایک صدوقی کے سوال کا دیا کہ اس دنیا میں لوگ شادی اور بیاہ نہیں کریں گے، بلکہ فرشتوں کے مانند رہیں گے، ایسا سمجھا جاتا ہے کہ حضرت عیسیٰ نے جنت کو صرف روحانی وجود بخشا ہے، مگر حقیقت ایسا نہیں ہے، حضرت عیسیٰ اپنی زندگی کی آخری شب میں اپنے شاگردوں کے ساتھ بیٹھ کر جب انکو رکازِ انفرادہ پیتے ہیں تو کہتے ہیں:-

”میں تم سے کہتا ہوں کہ انکو رک کے پھل کا رس پھر نہ پیو، گا، اس دن تک کہ تمہارے ساتھ اپنے باپ کی بادشاہی

۱۔ برٹش انسٹیٹیوٹ یا مضمون صدوقین، (صدوقی) کتب تفسیر میں ان آیتوں کی تفسیر دیکھو، ص ۱۰۱ میل کا ترجمہ قرآن
حاشیہ زیر ترجمہ آیت بقرہ رکوع ۸،

مین نیازیون (متی ۲۴-۲۹)

حضرت عیسیٰؑ یہودی علما کو خطاب کر کے فرماتے ہیں:-

”اسے سانپو اور لے سانپون کے بچو! تم جہنم کے عذاب سے کیونکر بھاگو گے“ (متی ۲۳، ۳۳)

حضرت عیسیٰؑ اپنے ایک وعظ میں دُورخ کا ایک منظر دکھانے میں اور فرماتے ہیں:-

”اُس نے دُورخ کے درمیان عذاب میں ہو کے اپنی آنکھیں اٹھائیں اور ابراہام (حضرت ابراہیمؑ) کو در سے

دیکھا اور اُس کی گود میں تعز کو اور اُس نے پکار کے کہا کہ اے باپ ابراہام مجھ پر رحم کر اور تعز کو بھیج کہ اپنی انگلی کا

سر اپنی سے بھگو کے میری زبان ٹھنڈی کرے، کیونکہ میں اس کو میں تڑپتا ہوں“ (لوقا ۱۶-۲۳)

مکاشفات یوحنا میں دُورخ کو آگ اور گندھک کہا گیا ہے (۱۱-۱۲) اور متی کی انجیل میں اس کے دروازے

بھی بتائے گئے ہیں (متی ۱۶-۱۸) اسی طرح جنت اور انکی طلائی وجوہ لڑائی تمیز اور نہر آب حیات کا ذکر مکاشفات کے

الکسیون باب میں ہے اور وہاں کے انگوری افشردہ کا بیان بھی میں ہے (متی ۲۴-۱۹) وہاں کے آب سرد کا ذکر

بھی انجیل میں آتا ہے (لوقا ۱۶-۲۳)

اسی طرح ہر ایک کے عمل کے حساب لئے جانے اور عمل کے مطابق بدلہ ملنے کا ذکر بھی سوار یون کے خطوط

میں موجود ہے،

”مبارک وہ مرد ہے جس کے گناہوں کا حساب خداوند نہ لیگا“ (رومیون ۴-۸)

”سو ہر ایک ہم میں سے خدا کو اپنا حساب آپ دیکھا“ (رومیون ۱۲-۱۳)

”لیکن دسے اُس کو جو زندون اور مردوں کا انصاف کرنے پر تیار ہے، حساب دینگے“ (اول پطرس ۴-۵)

اس باب میں اسلام کا مکمل پہلو یہ ہے کہ اُس نے اس عقیدہ کو نہ صرف پوری تفصیل کیساتھ بیان ہی کیا بلکہ

اُس کے تمام ضروری اجزاء فراہم کیے، گذشتہ مذاہب کے تشنہ بیانات پر سیر حاصل بخشن کین، ان کے نقائص کی

کی اور مزاج جزا کے اصول اس طرح صفائی سے بیان کئے کہ اس عقیدہ کا ہر پہلو شکوک و شبہات سے پاک ہو گیا

آئندہ مباحث کے سمجھنے کے لیے، پہلے چند اصول ذہن نشین کر لینے چاہئیں۔

عالم آخر کا فہم اور اگ | اُس عالم آخر میں جو کچھ ہوگا، وہ اگرچہ ہمارے اس زیر تجربہ و زیر مشاہدہ مادی عالم سے بالکل الگ ہوگا تاہم چونکہ انسانی فہم کی مجبوری کی وجہ سے وہ اسی زبان و محاورات میں ادا کیا گیا ہے، جو اس مادی عالم کے ساتھ مخصوص ہیں، اس لیے ان الفاظ کے ساتھ جو مادی خصوصیات لازم مستلزم ہو گئے ہیں یا ہم اُن کے دیکھنے اور سننے کے اس دنیا میں مادی ہو گئے ہیں، ان لفظوں کو سن کر ہم بعینہ ہی سمجھنا چاہتے ہیں جو اس دنیا میں اُن لفظوں سے سمجھتے رہے ہیں، اور اسی سبب سے بعض کم فہم وہاں کے دقائق و احوال کا بیان سن کر اُن میں سے بعض امور کو محال اور ناممکن کہہ اٹھتے ہیں، اور بعض اُن کی تشریح و تاویل اس طرح کرتے ہیں کہ لفظ و معنی میں ادنیٰ اشتراک بھی باقی نہیں رہتا، یہ دونوں راستے سخت خطرناک ہیں، اسی لیے وحی محمدی نے ان نازک و دقیق امور کے بیان میں انسانی فہم کی کمزوریوں کا پورا لحاظ کیا ہے، نہ تو یہودیوں کی طرح اُس نے ان واقعات کو سرتاپا مادی کہہ کر اُس عالم آخرت کو بھی سرتاپا ہی عالم آب و گل بنا دیا ہے، اور نہ عقل خرد کے بعض نادان مدعیوں کی طرح اُن کو مادہ سے اتنا بلند و برتر کیا ہے کہ اُن کا وجود ہی مہوہوم و فرضی ہو جائے، بلکہ انسانی عقول کے اختلاف و مراتب کا لحاظ کر کے بزم کے اہل نظر اور تماشائیوں دونوں کی تشفی اور تسکین کا سامان ہم پہنچایا ہے۔

ان اخروی و قاریع کے مختلف انجیالی مفہموں اور مصداقوں کا لحاظ کر کے وحی محمدی نے ایسے چھ تلافیاتی اختیارات کئے ہیں، جنہیں ایک فلسفی بھی بہرہ یاب ہو سکتا ہے، اور ایک عامی بھی، اور دونوں اپنی اپنی جگہ پر اپنے ایمان کا لطف اٹھا سکتے ہیں اور ایک ایسے مذہب کے لیے جو سارے انسانی طبقتوں کو اپنا مخاطب بنانے کا دعویٰ کرتا ہے، ایسی ہی وسعت کی ضرورت تھی، تاکہ وہ سب کے لیے اپنی اپنی جگہ پر تشفی کا باعث ہو سکے، ان تمام اخروی واقعات کو جن الفاظ میں بیان کیا ہے، وہ ظاہر ہے کہ طبعاً ہی الفاظ ہو سکتے ہیں، جن کے ساتھ اس دنیا میں تمام مادی ماحول، مادی مفہوم و مصداق، اور جسمانی تنبیلات ہر چار طرف سے لپٹے ہیں، ان لفظوں کے سننے کیساتھ جو مفہم ہمارے ذہن میں آتا ہے، وہ سرتاپا انھیں مادی قیود و لوازم کے ساتھ آتا ہے، ہم جب اگ

کالفظ سننے میں تو مٹا اس دنیاوی آگ کا مفہوم ذہن میں آتا ہے، جو کہ ہم یہاں دیکھتے ہیں، جو انسانوں اور درختوں کو اور ہر چیز کو جو اُس کے اندر ہوتی ہے، بلا تمیز یکساں جلا دیتی ہے، مگر اخروی آگ ایسی نہ ہوگی، اُس کے اندر بعض درخت ہو گئے جو نہیں جلے گئے، وہ صرف گہنگا انسانوں کو جلائیگی، کسی کے پاؤں کو چھوئیگی، کسی کی کرتاں آئیگی، کسی کے گلے تک پہنچیں گی، اور وہ ایسی تیز و گرم ہوگی کہ یہ دنیاوی آگ اُس کے مقابلہ میں ٹھنڈک ہے، "وزن" کالفظ سننے کے ساتھ ہمارے سامنے اس عالم میں تو سننے کی ساری خصوصیتیں آجاتی ہیں، ترازو، پانگ، پتلے، ڈنڈی اور تولی جاسنے والی چیزیں میں جسمیت اور ثقل کا ہونا، اسی طرح نامہ عمل کے لکھنے کا مفہوم جب ہم سمجھنا چاہیں گے تو کاتب کی انگلیاں، قلم، دوات، سیاہی، کاغذ اور حروف کی ساری قیدیں ہمارے ذہن میں آئیں گی، اس بنا پر ان الفاظ کے سرسری معنی اور اُن کے قریب الفہم مجازی معنوں کے سمجھنے میں اختلاف آرا کی بڑی گنجائش ہے، اس لیے حق تو یہ ہے کہ ان پر بلا مزید تشریح اس طرح ایمان لایا جائے کہ ہماری تشریح سے اُن کے الفاظ کے مفہوم کی وسعت تنگ نہ ہو جائے، یا انہیں اُن لوگوں کو بھی دائرہ سے خارج نہ کیا جائے، جو ان الفاظ سے وہ مفہوم سمجھ کر تسلی پانا چاہتے ہیں، جتنکے وہ الفاظ متعل ہو سکتے ہیں کہ اگر مراد الہی ہی تنگی ہوتی، تو اللہ تعالیٰ انسانی عقولوں کے اس اختلاف مراتب کا لحاظ کئے بغیر اپنے مفہوم کو اس وسعت کے بجائے تنگ سے تنگ الفاظ میں ظاہر فرما سکتا تھا، مگر ایسا نہیں کیا، تاکہ اسلام تمام مختلف العقول انسانوں کے لیے عالم گیر ثابت ہو سکے۔

ایک دوسری قابل ذکر بات یہ ہے کہ عالم آخرت کے وقائع اور حالات کے سمجھنے میں اشکالات و اعتراضات اس لیے پیش آتے ہیں کہ ہم موجود اور اُس کے موجودہ تمام قوانین فطرت کو اس طرح لازم و ملزوم سمجھتے ہیں کہ جب کسی شے کے وجود کا تذکرہ کیا جائے گا تو مٹا اُس کے وہی خصوصیات و لوازم سامنے آئیں گے جن کے دیکھنے کے ہم اس دنیا میں عادی ہیں، حالانکہ ارباب عقل نے یہ طے کر دیا ہے کہ اس موجودہ دنیا کے مطلوبات و مستحیبات اور اُن کے موجودہ عقلی اسباب میں جو لزوم ہے وہ محض عادی ہے، یعنی اس لیے ایسا ہے کہ ہم ایسا دیکھتے ہیں، یہ نہیں کہ اس لیے یہ ایسا ہے کہ ایسا ہی ہونا چاہئے،

اس بنا پر اگر صرف اتنی ہی بات ذہن نشین کر لی جائے کہ موجودہ مادی نیامین جو قوانین فطرت اور علل و اسباب اور ان کے نتائج کا فرما ہیں وہ صرف اسی عالم اور موجودہ دنیا کے قوانین ہیں، اگر خدا تعالیٰ کوئی نئی دنیا بنائے یا نیا عالم خلق کرے تو ضروری نہیں کہ یہی موجودہ قوانین فطرت وہاں بھی کار فرما ہوں، بلکہ بالکل ممکن ہے کہ اُس نئے عالم میں نئے قوانین پر عمل ہے، نئی خصوصیات کے جسم ہوں، نئی قسم کی زندگیاں ہوں، نئی قسم کی آگ ہو، نئی قسم کے بارغ اور ان کے پھل ہوں، نئی قسم کے موجودات و مخلوقات ہوں، نئے علل و اسباب ہوں، اور نئے قوانین فطرت ہوں، وحی محمدیؐ کے اس نئے عالم کے متعلق کہا ہے،

يَوْمَ تُبَدَّلُ الْأَرْضُ غَيْرَ الْأَرْضِ وَالسَّمَاوَاتُ

جس دن یہ زمین نئی زمین سے بدل جائے گی، اور

(ابراہیم - ۷۷) آسمان،

تو کہتے کہ سکتا ہے کہ اُس نئی زمین اور نئے آسمان میں بھی وہی مادی قانون جاری ہونگے جو اس موجودہ زمین و آسمان میں جاری تھے، اس بنا پر جہاں تہمت مادیت کے وہ تمام اعتراضات اور آئندہ حیات کے متعلق تشکیکات جو اس دنیا اور اُس کے قوانین کی بنا پر پیدا ہوتے ہیں، بالکل بے بنیاد اور بے حقیقت ہیں،

اس ضروری تمہید کے بعد جزا و سزا کی اسلامی تشریحات کی جانب قدم اٹھایا جاتا ہے، دھول اللہ اکبر! الحق الی الصواب، اصول حسنہ | اللہ تعالیٰ نے جس طرح موجودہ عالم کو اپنے خاص نظام اور قانون پر بنایا ہے، جس کو اہل فلسفہ قانون قدرت اور اہل مذہب تقدیر اور اندازہ الہی کہتے ہیں، اسی طرح اُس نے اپنے ہر عالم کے لیے ایک نظام اور تقدیر قائم کی ہے، جس کے مطابق اُس عالم کا کاروبار انجام پاتا ہے، انسان غلطی سے یہ سمجھتا ہے کہ یہ اصول فطرت صرف مادیات تک محدود ہیں، حالانکہ مادیات ہوں یا روحانیات، ذہنیات ہوں یا عملیات، ہر ایک میں یہ یکساں جاری و ساری ہیں، جس طرح یہ قانون فطرت ہے کہ زہر کھانے سے انسان کا جسم مر جاتا ہے، اسی طرح یہ بھی اصول فطرت ہے کہ گناہ سے اسکی روح مر جاتی ہے، اور جس طرح اصول حفظانِ صحت کی عدم پیروی سے انسان بیمار ہو جاتا ہے، اسی طرح اصول تزکیہ قلب کی عدم متابعت سے بھی وہ مریض ہو جاتا ہے، پھر جس طرح دوا و اصول حفظانِ صحت

کی پابندی خود اپنی جسمانی بیماری کے کام کو نجات پاتا ہے ایسا ہی روحانی تدبیر علاج کے ذریعہ بھی وہ شفا یاب ہوتا ہے۔ اعمال کے لازم نتائج | غرض جس طرح دنیا میں ہر چیز کی ایک خاصیت ہے اور وہ جب یہاں وجود پذیر ہوتی ہے تو اُس کے ساتھ اُس کے خواص و آثار بھی پیدا ہوتے ہیں، انسان کی اندرونی کیفیات و اعمال کے بھی کچھ آثار و لوازم ہیں جو اُس سے الگ نہیں ہو سکتے، غور و راور خاکساری، بخل اور فیاضی، انتقام اور عفو، شجاعت اور ہزولی، تقویٰ اور فسق، ایمان اور کفر ہر ایک کا ایک اثر و نتیجہ ہے، اور ہر ایک کے کچھ نہ کچھ خصائص و لوازم ہیں، جو اُس سے اس طرح الگ نہیں ہو سکتے جس طرح سنگھیا سے سمیت، شکر سے مٹھاس، اور آگ سے حرارت جدا نہیں ہو سکتی، اور ان معنوی، روحانی اور نفسیاتی چیزوں میں علت معلول کا وہی لزوم ہے، جو جسمانی، مادی اور طبیعتیاتی اشیاء میں ہے، اشخاص کی نیکو کاری و بدکاری، اور افراد کی سعادت و شقاوت کے جو اصول ہیں وہی جماعتوں اور قوموں کی صلاح و فساد اور سعادت و شقاوت پر بھی حاوی ہیں، جس طرح ایک سائنٹسٹ (حکیم) کا کام اُن مادی فزیکل اصول کو جاننا اور بتانا ہے، اور اُس کی اس تعلیم کا نام ہماری اصطلاح میں حکمت (سائنس) ہے، اسی طرح ان روحانی اسباب و علل اور آثار و نتائج کو جاننا اور بتانا، انبیاء علیہم السلام کا کام ہے، اور ان کی اس تعلیم کا نام شریعت ہے، انبیاء کی اس تعلیم کے مطابق ہم کو اعمال کے روحانی آثار و نتائج کے متعلق وہی یقین ہونا چاہئے، جو ایک حکیم کی تعلیم کے مطابق ہم کو جسمانی اشیاء کے خواص اور آثار کے متعلق ہوتا ہے، سائنس کا لوجی (علم نفس) اور سائنس کا لوجی (علم الاجتماع) کی وسعت تحقیق نے اس مفہوم کے سمجھنے میں اب بہت کچھ سہولت پیدا کر دی ہے، عقاب ثواب و عذاب | الغرض یہ مادی و جسمانی دنیا علت و معلول، عمل اور ردِ عمل کے جس اصول پر مبنی ہے، اس کی وسعت کے دائرہ میں انسان کا ہر قول اور انسان کا ہر عمل شامل اور داخل ہے، یہی سبب ہے کہ گناہ کے لازم نتیجہ کا نام اسلام میں عقاب، اور اعمالِ صالحہ کے لازمی نتیجہ کا نام ثواب رکھا گیا ہے، قرآن نے انھیں دونوں اصطلاحوں کو بار بار استعمال کیا ہے، عقاب کا لفظ عقوبت سے نکلا ہے، جس کے معنی پیچھے کے ہیں، اس لیے عقاب اُس اثر کا نام ہے جو کسی فعل کے کرنے کے بعد لازم آجاتا ہے، اور ثواب کا لفظ ثوب سے لیا گیا ہے، جس کے معنی

لوٹنے کے ہیں، اس لیے یہ کسی اچھے کام کے لوٹنے والے نتیجہ اور جزا کے معنی میں بولا گیا ہے،

اسی ایک مسئلہ کو اگر اچھی طرح سمجھ لیا جائے تو جزا اور سزا کے شرعی اصول کے سمجھنے میں کوئی دقت نہ ہو، چنانچہ قرآن پاک میں یہ کئی دفعہ فرمایا گیا ہے،

اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ (جاثیہ - ۴)

جو تم کرتے تھے وہی بدلہ پاؤ گے،

اس سے معلوم ہوا کہ یہ جزا و سزا ہمارے ہی اعمال کے ردِ عمل (یعنی اکیشن) کا نام ہے ایک اور جگہ ہے،

لِيُجْزِيَ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا تَسْعَى، (طہ - ۱۰)

تاکہ ہر جان کو اس کا بدلہ دیا جائے جو وہ کرتی تھی،

ان آیتوں میں یہ صاف تصریح ہے کہ یہ جزا و سزا اتنا متر ہمارے دنیاوی اعمال کے اتنا روزگار میں،

فَاَصَابَهُمْ سَيِّئَاتُ مَا عَمِلُوا وَحَاقَ بِهِمْ

تو ان کے بُرے کام اُن پر پڑے، اور اُن کا ٹٹھا کرنا

مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِؤْنَ، (نحل - ۴)

اُن پر اُلٹ پڑا،

غرض جزا و سزا انہیں اعمال کے نتائج کا دوسرا نام ہے، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گویا اسی اصول کی تشریح

میں یہ اشارہ فرمایا کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ فرمائیگا کہ اے میرے بندو! یہ تمہارے ہی اعمال ہیں جو میں تم کو لوٹا

یہاں دے رہا ہوں، تو جو کوئی جزا خیر پائے وہ خدا کا شکر ادا کرے، اور جس کو برائی ملے وہ خود کو ملامت کر لے،

حصولِ راحت کا مول یہ فطری قانون ہے کہ ہم کسی بڑی تکلیف سے اسی وقت بچ سکتے ہیں، جب انکی خاطر ہم اس

سے چھوٹی چھوٹی تکلیفوں کو برداشت اور کسی بڑی خوشی کے حصول کے لیے ہم اپنی چھوٹی چھوٹی خوشیوں کو قربان

کرتے ہیں، عاجلہ یعنی موجودہ، اور آخرت یعنی آئندہ ان دونوں کا جب کبھی تقابل پیش آتا ہے تو دونوں

ہمت اور پست خیال لوگ عموماً موجودہ (عاجلہ) راحت کو پسند کر کے آئندہ راحت کی فکر نہیں کرتے، کہ اُن کی نگاہ

میں موجودہ راحت کو چھوٹی ہو کر نظر آتی ہے اور آئندہ کی راحت کو بڑی اور خوش آئند ہو، مگر وہ نیسہ ہے، اور اُن کا ہونا

یہ ہے کہ "نقد را به نسیه مگذار لیکن بلند ہمت اور عالی حوصلہ طبائع کا طریقِ عمل اس کے بالکل برخلاف ہے، فاتح اور

صالح صحیح مسلم و ترمذی کی کتاب الزہد و مسند ابن جنبل ج ۵ ص ۵۶۷ و مسند ابی داؤد المفرد بخاری باب الظلم،

کشور کشا آج اپنی جانوں کو جو حکم میں ڈالتے ہیں تاکہ کل سلطنت اُن کو ہاتھ آئے، مابراور سوداگر آج اپنے سرمایہ کو بازار کے سپرد کر دیتے ہیں تاکہ دولت فرد اسے وہ بہرہ مند ہوں، ہر مذہب انسان اپنے بچہ کو بین بچیں برس تک تعلیم تربیت اور مشق امتحان کی مصیبتوں کی آگ میں بے تامل جھونک دیتا ہے تاکہ اُس کی آئندہ کی زندگی راحت و مسرت میں بسر ہو، لوگ اپنے سرمایہ غریز کو تکلیفیں اٹھا اٹھا کر جمع کرتے جاتے ہیں تاکہ کل اُس سے زیادہ ضروری موقع پر اُس کو کام میں لاسکیں اور تنگدستی کی بڑی تکلیف سے بچ سکیں،

غرض اگر انسانوں کی تمام کوششوں پر ایک غائر نگاہ ڈالئے تو معلوم ہوگا کہ کامیابی کے حصول کا یہی اصول اُن کے اندر جاری و ساری ہے کہ تھوڑی سی تکلیف کو اس لیے برداشت کر لیا جائے کہ کسی بڑی تکلیف سے بچا جائے، اور چھوٹی چھوٹی خوشیوں کو اس لئے برباد کیا جائے کہ کوئی بڑی خوشی حاصل ہو، اور عارضی کامیابیوں کو اس غرض سے قربان کیا جائے کہ کوئی پائدار اور دائمی کامیابی نصیب ہو، مگر یہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ آئندہ کی خوشی و کامیابی کی تسروانی اور اُس کے دوام و پائداری کا ہم کو یقین ہو کہ اگر ایسا یقین نہ ہو تو ہم کبھی اس اشار و قربانی پر آمادہ نہ ہوں، اسی کے لیے ایمان کی ضرورت ہے تاکہ ہمارے اندر یہ یقین پیدا ہو جائے، اور ہم اس اشار و قربانی کو خوشی خوشی گوارا کر لیں، جن لوگوں میں یہ یقین پیدا نہ ہوگا، اُن سے یہ عظیم نشان قربانی بھی نہیں ہو سکتی، اسی لئے گنگار انسانوں کی یہ کیفیت قرآن نے بیان کی ہے،

كَلَّا بَلْ تُحِبُّونَ الْعَاجِلَةَ وَتَذَرُونَ الْآخِرَةَ

ہرگز نہیں بات یہ ہے کہ تم موجودہ زندگی سے محبت

(قیامت۔ ۱)

حالانکہ انسان اسی اصول کار کو اگر دنیا کی طرح آخرت کے معاملات میں بھی برتنے تو اُس کی کامیابی میں کوئی شک نہ رہے، آئندہ کا خیال کر کے موجودہ سے دست بردار ہو جانا یہی کامیابی کی کنجی ہے، اور اسی اصول کے تحت میں دین و دنیا کی تمام نیکیوں اور کامیابیوں کا راز پوشیدہ ہے، موجودہ عارضی لذت کو آئندہ کی دائمی لذت پر اور حال کی معمولی راحت کو مستقبل کی دیرپا راحت پر قربان کر دینا وہ بچائی ہے جس کے تسلیم کرنے سے کوئی انحراف

نہیں کر سکتا، تم صبح خیزی کی معمولی تکلیف کو صحت کی دیرپا راحت کی خاطر قربان کرتے ہو، ورزش اور دوڑ دھوپ کی محنت کو اس لیے قبول کرتے ہو کہ کل کی پیری اور بیماری کی تکلیف سے تم کو وہ بچائے، غرض آج کی چھوٹی چھوٹی تکلیفوں کو اٹھاؤ گے تو کل کی بڑی تکلیف سے تم کو نجات مل سکے گی اور آج کی عارضی خوشیوں کو قربان کر دو گے تو کل کی دائمی خوشی نصیب ہوگی یہی وہ فلسفہ ہے جس کو قرآن نے اس آیت میں ادا کیا ہے،

وَجَزَاءُكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ جَنَّةٌ وَحَرِيرٌ
اور خدا نے ان کے صبر کرنے پر ان کو باغ اور شیشے کے کپڑے

(دھڑ-۱) مزدوری دی،

یہ صبر کیا تھا؟ دنیا کی عارضی خوشیوں کی قربانی تاکہ آخرت کی بڑی خوشی حاصل ہو، اور یہاں ادا سے نیکی اور احتراز جرم کی معمولی تکلیفوں کی برداشت تاکہ وہاں کی بڑی تکلیف سے نجات ملے، یہی سبب ہے کہ حدیث میں آیا ہے کہ حُفَّتِ الْجَنَّةُ بِالْمَكَارِبِ وَحُفَّتِ النَّارُ بِالشَّهَوَاتِ یعنی جنت دنیاوی تکلیفوں سے اور دوزخ دنیا کی معمولی خوشیوں سے گھری ہوئی ہے، نادان تقویٰ اور نیکی کی ان معمولی قیدوں سے گھبراتے، اور گناہ کی عارضی وفانی لذتوں کے طلبگار ہوتے ہیں اس لیے آخرت کی بڑی تکلیف میں گرفتار ہونگے، اور وہاں کی ابدی لذت سے محروم رہیں گے اور جو دین و دیانت اور نیکی و تقویٰ کی ان معمولی تکلیفوں کو گوارا کریں گے، اور گناہ کی عارضی لذتوں سے بچیں گے، وہ آخرت کی انتہائی لذتوں سے شاد کام ہوں گے، یہی فلسفہ قرآن پاک کی اس آیت میں ادا ہوا ہے،

وَأَتَمَنَّا خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ
لیکن جو اپنے پروردگار کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرا

الْهَوَىٰ فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوَىٰ
اور نفس کو ناجائز لذتوں اور خوشیوں سے باز رکھا، تو

(نارعات-۲) جنت اس کا ٹھکانا ہے،

سوال ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا میں جو چیز بھی ایک دفعہ پیدا ہو جاتی ہے پھر وہ بے حکم خالقِ نہیں ہوتی،

اسی طرح افعال و اعمال بھی جو انسان سے ظہور پذیر ہوتے ہیں وہ فنا نہیں ہوتے، موجودہ سائنس چہتے یہ اصول تسلیم کر لیا ہے کہ دنیا میں کوئی حرکت بھی پیدا ہو کر فنا نہیں ہوتی، یہاں تک کہ فضا میں سہراؤ اور ہر صدمہ

بھی جو بھی بلند ہوئی ہے، آج موجود ہے، اور ہمیشہ رہے گی، اور ہم اُس کو پُر پائین تو سن سکتے ہیں، وہ اعمال و افعال کے دُعا وجود کے اسلامی عقیدہ کو قبول کرنے میں پُر پیش نہیں کر سکتی، دنیا کے ریکارڈ میں انسان کا ہر عمل و فعل ہمیشہ کے لیے گویا بھرا ہے،

قرآن پاک نے اسی اصول کو اپنی ان آیتوں میں بیان کیا ہے،

هَذَا لَكَ تَبْلُوكُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا أَسْلَفَتْ (یونس-۳) اُس وقت ہر جان جو اُس نے پہلے کیا، اُسکو آزمائے گی،

كُلُّ امْرِئٍ لِّمَا كَسَبَ رَهِينٌ (طہ-۱) ہر آدمی اپنے عمل کے بدلہ گروہے،

كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ (مدثر-۲) ہر جان اپنے عمل کے بدلہ گروہے،

فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ (زلزال) تو جو کوئی ایک چوٹی بھر نیکی کرے گا، وہ اُس کو دیکھے گا،

يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ (زلزال) اور جو چوٹی برابر بدی کرے گا وہ اُس کو بھی دیکھے گا،

يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا (ال عمران-۳) جس دن ہر جان جو اُس نے اچھے کام کئے اُن کو

وَمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوءٍ (ال عمران-۳) موجود رہے گی، اور جو برے کام کئے وہ بھی،

یہ بات کہ انسان کا ہر عمل و فعل جھیفہ عالم پر ہمیشہ کے لیے ثبت ہو جاتا ہے، اس کو قرآن نے کئی طریقوں سے ادا کیا ہے،

ایک اس طرح کہ انسان کی زبان سے جب کبھی کوئی لفظ نکلتا ہے، خواہ وہ کتنی ہی تنہائی میں بولا جائے،

خدا ہی شاہد اُس کے سننے کو موجود رہتے ہیں اور وہ اُس کو سنکر محفوظ کر لیتے ہیں،

إِذْ يَتْلُو الْمُتْلِفِينَ عَنِ الْيَمِينِ وَعَنِ الشِّمَالِ جب دو بولنے والے داہنے اور بائیں مٹھے لیستے

قَعِيدٌ، مَا يَلْفُظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ جاستے ہیں، کوئی بات وہ نہیں بولتا کہ ایک نگران اس کے

عَتِيدٌ، (ق-۲) پاس حاضر رہتا ہے،

کبھی اُس کو اعمال کی تحریر و کتابت کے الفاظ میں ظاہر کیا گیا ہے،

اَفَرَيْحَسِبُونَ اَنَّا لَنَسْحَ سِرَّهُمْ وَنَجْوَاهُمْ
 کیا یہ منکر سمجھتے ہیں کہ ہم اُن کے مجید اور اُن کی کانپھوسی
 بَلَىٰ وَاَسْلَمْنَا لَدَيْهِمْ يَكْتُوبُونَ،
 نہیں سنتے کیون نہیں بلکہ ہمارے فرستادہ انکے پاس
 (ذخرف - ۷۷) (اعمال کو لکھتے ہیں)

اِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُوبُونَ مَا تَكْفُرُونَ (یونس - ۳)
 بیشک ہمارے فرستادہ تمہاری چالوں کو لکھتے رہتے ہیں
 کبھی اللہ تعالیٰ ہر عمل کے موقع پر خود اپنی حاضری اور ذاتی علم و شہادت سے اس کو ظاہر کرتا ہے
 وَمَا تَكُونُ فِي شَأْنٍ وَمَا تَسْأَلُو مِنْهُ مِنْ قُرْآنٍ
 اور کسی کام میں نہیں ہوتا، اور نہ قرآن سے کچھ پڑھتا ہو،
 وَلَا تَعْمَلُونَ مِنْ عَمَلٍ اِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ
 اور نہ تم لوگ کوئی کام کرتے ہو لیکن ہم موجود ہوتے
 مُشَاهِدُونَ اِذْ تُفِيضُونَ فِيهِ (یونس - ۷۷)
 ہیں جب تم اس میں لگے ہوتے ہو،

کبھی یہ کہتا ہے کہ ہر انسان کا نامہ عمل اگلی گردن میں لگا ہوا ہے، قیامت کے دن وہی فرد عمل کی صورت میں
 انسان کے سامنے پھیلا دیا جائیگا، کہ اپنا اعمال نامہ تم خود پڑھ لو۔
 فرمایا:-

وَكُلُّ الْاِنْسَانِ اِلَٰهَ مَالٍ طَرَفًا فِي عُنُقِهِ وَ
 اور ہم نے ہر انسان کا نتیجہ عمل اگلی گردن میں چھکا دیا
 خُجْرٌ لَّهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كَشَآءٍ لِّنَفْسِهِ تُشْوٰكُ
 اور قیامت کے دن ہم اسکو دفتر کر کے نکالیں گے جسکو
 اِقْرَأْ لِنَبِّكَ اَنۡكَ بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلِيۡدٌ
 وہ کھلا ہوا پایا جائیگا کہ اپنا دفتر پڑھے، آج تیرا نفس خود ہی
 حَسِيۡبٌ، (بخا اسرائیل - ۷۷) محاسب ہو تو کافی ہے

اس آیت کا ایسا محل ہے کہ نامہ عمل کو اگر کوئی واقعی کاغذ کا دفتر یا حساب کتاب کا رجسٹر نہ سمجھے تو سمجھ سکتا ہے
 کہ کتاب ہے کہ یہ تعبیر اس لیے اختیار کی گئی کہ جس طرح کاغذ اور رجسٹر میں قبضہ حساب کوئی بھول نہیں سکتا اور ایک ایک
 چیز اس میں درج ہوتی ہے، اسی طرح یہ اعمال انسانی فراہموش نہ ہونگے، بلکہ لکھے ہوئے رجسٹر کی طرح محفوظ رہیں گے
 فرمایا:-

وَوَضَعَ الْكِتَابَ فَتَرَى الْمُجْرِمِينَ مُشْفِقِينَ ۖ
 مَتَّاعِينَ لِقَوْلِهِمْ يَوْمَئِذٍ إِنَّا لَنَرُّوهُمْ كَمَا
 لَا يُغَادِرُ صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً إِلَّا أَحْصَاهَا ۚ
 وَرَجَدُوا مِمَّا عَمِلُوا حَاضِرًا وَلَا يَظُنُّهُمْ رَبُّكَ
 أَحَدًا، (کہف - ۶)

اور نامہ عمل لکھا جائیگا، تو دیکھے گا گنہگاروں کو اس میں
 جو لکھا ہے اُس سے ڈر رہے ہونگے اور کہیں گے کہ ہمارے
 افسوس کہ اس کا نذر لکھا ہے کہ کوئی چھوٹی بڑی بات
 نہیں چھوڑتا لیکن اس کو شمار کر لیا، اور جو کچھ انھوں نے
 زندگی میں کیا اُس کو سامنے پائیں گے اور تیر پڑے گا کچھ

بائیں ہم اگر کوئی ٹھیس لفظوں کا پابند ہو کر نامہ عمل کو واقعی کاغذوں کا دفتر سمجھتا ہے، تو اس میں شک نہیں کہ
 الفاظ کے ظاہری معنی اسکی تائید کریں گے، مگر کون سمجھا سکتا ہے کہ یہ کیونکر ہوگا، اسی لیے اس پر بحث مفہول ہے کہ یہ
 کیونکر ہوگا، چاہے یہ ہو یا وہ بہر حال ہمارے اعمال کا ایک ایک نقطہ محفوظ رہے گا، اور وہ خدا کے سامنے پیش ہوگا،
 اور یہی اس عقیدہ کا اصل مقصد ہے،

انصاف کی شہادت | انسان کا ہر عمل اپنے پیچھے اپنے کرنے والے کے اندر اپنا اچھا یا بُرا اثر چھوڑ جاتا ہے، اگر دل کا آئینہ صاف
 ہو تو اُس کو اپنے عمل کا چہرہ آئین صاف دکھائی دے فرمایا،

بَلِ الْإِنْسَانُ عَلَىٰ نَفْسِهِ بَصِيرَةٌ ۚ وَلَوْ لَآ رَأَىٰ
 مَعَادَئِرَهُ ۖ (قیامت - ۱)

بلکہ انسان کو اپنے نفس کا حال آپ دکھائی دیتا ہے
 اگرچہ وہ اپنے عذر تراشتا ہی،

یہی وہ آئینہ ہے جو گناہ کے میل سے زنگ آلود ہو جاتا ہے،

كَلَّا بَلْ رَانَ عَلَىٰ نُفُوسِهِمْ (تلفیف)

نہیں بلکہ اُن کے دلوں پر زنگ بیٹھ گیا ہی،

اسی آیت کی تفسیر میں گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے کہ جب انسان پہلے پہل گناہ کرتا ہے، تو اُس کے دل
 پر ایک سیاہ نقطہ پڑ جاتا ہے، اگر وہ توبہ و انابت کرتا ہے، اور آئندہ اس سے باز رہتا ہی تو وہ مٹ جاتا ہے، اور اگر اسی طرح
 گناہ کئے جاتا ہے، تو اُس نقطہ کا دائرہ بڑھتا جاتا ہے، یہاں تک کہ ایک دن پورے دل پر چھا جاتا ہے

اسی طرح وہ اپنے جن اعضاء سے جو برا کام کرتا ہے اسکا اثر اُن پر چھا جاتا ہے یہاں تک کہ چہرہ پر اس اثر کے نقوش ابھرتے ہیں آنکھوں میں اسکی لکیریں پڑ جاتی ہیں اور ہاتھ پاؤں پر اُس کے نشان نمایاں ہو جاتے ہیں، عالم غیب اور عالم غیب کو چھوڑو، اسی عالم ظاہر میں تارنے والوں کی نگاہیں انسانوں کے چہروں، آنکھوں اور ہاتھ پاؤں کے عنوان بیان سے انسان کے اندر کی تحریریں پڑھ لیتی ہیں، اسی طرح قیامت میں اُن کے اعمال کے آثار و نتائج اُن کے ایک ایک عضو سے نمایاں ہونگے،

يَعْرِفُ الْمُجْرِمُونَ بِسَيِّئَاتِهِمْ (رحمان: ۲) گنہگار اپنی نشانی سے پہچان لیے جائیں گے،
ایسی حالت میں اُوقت جب انسان کی زبان قائل پر خداوندِ عدالت کے رعبِ جلال سے ہر سکوت پر جا
اگر انسان کے ہاتھ پاؤں اور کھال تک نفسِ انسانی کے اعمال بدرِ گوہی و دیدین تو تعجب کی کیا بات ہے؟ فرمایا،

وَأَمَّا زُورُ الْيَوْمِ أَيْمًا الْمُجْرِمُونَ..... أَلَيْسَ
خَتَمٌ عَلَى أَفْوَاهِهِمْ وَكَلَّمْنَا أَيْدِيَهُمْ
وَتَشْهَدُ أَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ، (یہاں)
وَيَوْمَ يُنْفَخُ أَعْدَاؤُ اللَّهِ إِلَى الشَّارِفِمْ
يُؤْزَعُونَ حَتَّى إِذَا مَا جَاءُوهَا شَهِدَ
عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَأَبْصَارُهُمْ وَجُلُودُهُمْ
بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ، وَقَالُوا لَوْلَا جُئِدْهُمْ
بِمَشْرِدٍ ثُمَّ عَلَيْنَا قَالُوا أَنْطَقَنَا اللَّهُ الَّذِي
أَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ (حسد السجدہ: ۳۰)

کو گویا کیا، اسی نے ہم کو بھی گویا کیا،

اسی لیے ان اعضاء کی گویائی بھی اسی نوع کی ہوگی جس نوع کی گویائی دنیا کی ہر چیز کو حاصل ہے لیکن اس گویائی سے اگر
کوئی جھٹکتی ہی زبان کی گویائی مراد لیکر تشنی پاتا ہے تو اس کو اس کا حق حاصل ہے،

میزان اکثر انسانوں کے اچھے یا برے دونوں قسم کے اعمال ہوتے ہیں، ایک قسم کا عمل کم ہوگا، اور دوسرا زیادہ دیا۔
دونوں برابر دو مادی چیزوں کے درمیان تفاعل اور گھٹ بڑھ کا علم ہم کو تو سننے یا گننے سے ہوتا ہے، اس لیے وزن اور
حسابی عموماً عدل و انصاف، حق اور ٹھیک ٹھیک کا مفہوم ادا کیا جاتا ہے، اعمال انسانی کے متعلق خدا نے فرمایا ہے
کہ انسان کو اس کے عمل کے مطابق پورا پورا بدلہ ملیگا، فرمایا،

حِزَاءٌ وَّ فَاكًا، (نبأ) پورا پورا بدلہ،

اس برابری اور کمال عدل و انصاف کے مفہوم کو ترازو کے ناپ اور عدالت کی میزان کے استعارہ سے ادا

کیا فرمایا:-

نَلْفُضَنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمِهِ وَّمَا كُنَّا خَائِفِينَ، پھر ہم احوال سنائیں گے، اور ہم کہیں خائب نہ تھے،
وَالْوِزْنُ يُوَسِّدُ بِالْحَقِّ، فَمَنْ ثَقُلَتْ موازنہ تو مہذب بالحق، فَمَنْ ثَقُلَتْ وزن اُسدن حق ہے، پھر جسکی تولین بھاری ہوئیں
مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ، تو وہ ہیں جنکا بھلا ہوا، اور جس کی تولین ہلکی پڑیں سو
مَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنفُسَهُمْ، (اعراف-۱) وہی ہیں جو اپنی جانیں ہار بیٹھے،

فَأَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ هُوَ فِي عِيشَةٍ توجس کے تول بھاری ہوئے تو وہ خوش خوش
رَاضِيَةٍ، وَأَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ فَأَمَّا رَاضِيَةٍ، عیش میں ہوگا، اور جس کے تول ہلکے ہوئے تو
هَٰؤُلَاءِ، (فارعہ) اُس کی مان و نرخ ہے،

ان دونوں آیتوں میں تول کے بھاری اور ہلکے ہونے سے مقصود اعمال خیر کی کمی و بیشی ہے پہلی آیت

میں اسکا اشارہ موجود ہے، کہ وزن سے مراد حق اور عدل ہے، اور یہ کہ انسان کا ہر عمل عظیم الہی میں موجود ہوگا،
اور وہ کسی طرح بیش و کم نہ ہوگا،

اس مفہوم میں یہ استعارہ قرآن میں بہترین متعلیٰ ہوا ہے، ایک جگہ ہے،

اللّٰهُ الَّذِي أَنْزَلَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ وَالْمِيزَانَ (سورہ)
وہ اللہ جس نے کتاب کو حق کیساتھ اتارا اور میزان کو
یعنی کتاب الہی، حقانیت کیساتھ اتری ہو، اور اسی کیساتھ میزان بھی جس سے مراد عدل ہو (طبری تفسیریت مذکور)
اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی نظام کائنات کی ہر چیز میں جو اعتدال کامل کھا ہو، اسکو بھی میزان ہی کے لفظ سے ادا فرمایا ہے،
وَوَضَعَ الْمِيزَانَ (راحمان)
اور خدائے ترازو رکھی ہے،

حساب اکملی بینی کے علم کا دوسرا طریقہ حساب کرنے کا ہے، دوسری آسمانی کتابوں کی طرح قرآن میں بھی یہ استعارہ
استعمال ہوا ہے، اور بار بار فرمایا ہے کہ ہم قیامت میں تمہارے عمل کا حساب لین گے مگر اس حساب سے بھی دہی مقصود
ہے، جو وزن سے ہے، چنانچہ سورہ انبیاء میں یہ مفہوم مزید تصریح کے ساتھ مذکور ہے، اور جس سے میزان کی حقیقت بھی
پوری طرح سمجھ میں آتی ہے، فرمایا،

وَنُصِّحُ الْمَوَازِينَ الْقِسْطَ لِكُلِّ شَيْءٍ فَالَا
تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَإِنْ كَانَ شِقَالُ حَبَّةٍ
بَيْنَ خَزَائِلِ أَيْتَانِيَاهُمَا وَكَفَىٰ بِنَا حُسْبَيْنِ
اور ہم قیامت کے دن کے لیے ترازو میں انصاف
رکھیں گے، پھر کسی پر کچھ ظلم نہ ہوگا، اگر رائی کے دانہ کے
برابر بھی کچھ ہوگا، تو ہم نے آئین گے، اور ہم کافی ہیں
حساب کرنے والے (انبیاء-۲۷)

اس آیت سے دو باتیں سمجھی جاسکتی ہیں، ایک تو یہ کہ وزن سے مقصود انصاف اور عدم ظلم ہے، اور دوسری
یہ کہ حساب مقصود یہ ہے کہ عمل انسانی کا کوئی ذرہ بھی معاوضہ میں چھوٹنے نہ پائے گا، اور نہ وہ خدا کے علم سے غائب
لیکن بہر حال وزن و حساب کے مادی ہی مفہوموں کو اگر کوئی صحیح باور کرتا ہے تو وہ بھی حق پر ہے،

جنت و دوزخ | اب ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان اعمال کی تکلیف اور ذمہ داری سے مقصود الہی کیا ہے؟ حقیقت
یہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا منشا یہ ہے کہ ارواح انسانی کو سعادتِ ابدی اور ترقیات غیر متناہی عطا کی جائیں، مگر اس
سعادت و ترقی کی بنیاد خدا نے اعمالِ نیک کے حصول اور اعمالِ بد سے پرہیز پر رکھی ہے، اس لیے یہ کہنا صحیح ہے کہ خلقت
انسانی کی غرض یہ ہے کہ وہ احکامِ الہی کی تعمیل کرے تاکہ وہ اپنی مقررہ سعادت اور موعودہ ترقی کو حاصل کرے، اور اسی

عالم کا نام جہان یہ سعادت ابدی اور ترقیات غیر متناہی ملتی ہیں ”بہشت“ ہی، اور اس عالم کا نام جہان جا کر دنیاوی
 ٹیوں کی تلافی اور گذشتہ حیات فانی کے اعمالِ بد کے نتائج سے پاکی حاصل ہوگی ”دوزخ“ ہے، اس لیے یہ کہنا صحیح
 ہے کہ جنت ہی انسان کا اصلی گھر ہے، مزید تفصیل آگے آتی ہے۔

جنت انسان کی وراثت ہے | حضرت آدم کا تعلق جو توراۃ اور تہران پاک میں مذکور ہے، وہ آغازِ خلقت کی محض تاریخ نہیں بلکہ
 وہ حقیقت انسانی کی سچی و حقیقی تفسیر ہے، عام طور سے سمجھا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو اپنے فضل سے جنت
 میں جگہ دی تھی وہ پہلے اُن کو اور ان کی نسل کو ہمیشہ کے لیے دیدی گئی تھی، مگر چونکہ اتفاقاً اُن سے گناہ سرزد ہوا، اس لیے
 وہاں سے نکال کر زمین میں بھیج دیئے گئے، مگر ایسا سمجھنا صحیح نہیں ہے کہ آدم علیہ السلام کا زمین میں آنا تو اُن کی پیدائش
 سے پہلے ہی مقدر ہو چکا تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ انکی خلقت سے پہلے ہی فرشتوں پر یہ ظاہر کر چکا تھا کہ

إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً (نقہ ۴-۷) زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں،

حضرت آدم کا زمین میں خلیفہ ہونا، اُن کے زمین میں سکونت پذیر ہونے کی پیشینگوئی ہے مگر زمین میں جیسے
 سے پہلے اُن کو جنت میں رکھنا، پھر گناہ کے بعد وہاں سے اُن کو نکال کر زمین میں بھیجنا، یہ اشارہ رکھتا ہے کہ آدم اور
 اُن کی نسل کی اصلی جگہ ہی جنت ہے، مگر اس سے دوری اس کے گناہ کی وجہ سے، اور اس کا حصول خدا کی امانت
 اور نیکو کاری کے ذریعہ ہوگا، چنانچہ اُن کے زمین میں اترتے وقت اللہ تعالیٰ نے یہ اعلان فرمادیا،

قُلْنَا اهْبِطْ مِنْهَا جَمِيعًا فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ مِنْ بَيْنِ
 هَذِهِ فَمَنْ تَبِعَ هَذَا فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُكَذِّبُونَ
 وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا
 بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا
 خَالِدُونَ (نقہ ۵-۷)

ہم نے کہا کہ تم سب اس جنت سے اترو، پھر کبھی تمہارے
 پاس میری طرف سے کوئی ہدایت پہنچے، تو جس نے میری
 ہدایت کی پیروی کی تو اُس کو نہ ڈر ہوگا، نہ غم اور جھوٹ
 نے نہ مانا، اور ہمارے حکم کو نہ جھٹلایا، تو وہی ہیں دوزخ
 والے، وہ اس میں رہا کریں گے،

قَالَ اهْبِطْ مِنْهَا جَمِيعًا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ

خدا نے کہا کہ اس جنت سے تم سب اترو، تم ایک دوسرے

عَدُوٌّ فَاَمَّا يَا تَيْمُزُّكَ مَتَى هَدَىٰ فَعَن اَتَبِيعُ
 هَدَاى فَاَمَّا يَا تَيْمُزُّكَ مَتَى هَدَىٰ فَعَن اَتَبِيعُ
 اُسے تو جس نے میری رہنمائی کی پیروی کی تو وہ نہ گمراہ ہوگا
 اور نہ بدبخت ہوگا، اور جس نے میری یاد سے منہ پھیرا تو اس کے
 يَوْمَ الْقِيَمَةِ اَعْمٰى (طہ۔ ۷۷)

تورات میں ہے کہ جنت میں دو درخت تھے، ایک نیک بُد کی پہچان کا، اور دوسرا زندگی جاوید کا، تورات کے رو سے
 آدم کو اسی نیک بُد کی پہچان کے درخت کا پھل کھانے سے منع کیا گیا ہے، لیکن آدم نے اُس کو کھا لیا، اور اسکی وجہ
 سے سب سے پہلے اُن کو اپنی برائی کا علم ہوا، آخر خدا نے اُن کو جنت سے نکال دیا کہ وہ زندگی کے درخت کا پھل کھا کر خدائی
 کا دعویٰ نہ کر سکیں، جب وہ جنت سے نکالے گئے تو اُن سے کہا گیا، (سفر تکوین۔ ۲)

”اور اُس درخت سے کھایا جس کی بابت میں نے تجھ سے حکم کیا کہ اس سے مت کھانا، زمین تیرے لیے ہے
 لعنتی ہوئی، اور تکلیف کیساتھ تو اپنی عمر بھر اُس سے کھا یگا، اور وہ تیرے لیے کانٹے اور اونٹن کا رے
 اگاے گی، اور تو کھیت کی نبات کھا یگا، اور تو اپنے منہ کے پسینہ کی روٹی کھائے گا، جب تک کہ زمین میں
 پھر نہ جائے“

قرآن پاک میں اُس درخت کا نام جس کے پھل کھانے سے آدم کو روکا گیا تھا قصر مجازاً کو زمین، لیکن ایک
 آیت سے اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ نیک بُد کی شناخت کا درخت تھا، اور شیطان نے یہ لکھا کہ اُن کو کھلایا کہ یہ حیات
 جاوید اور ملک جاوید ان کا درخت ہے، مگر اُس کے کھانے کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کو برائی کا علم ہو گیا، جو نیک بُد کی تمیز کا نتیجہ
 ہے نہ سہرا یا۔

قَوْمٌ مِّنْ اٰلِیْہِ الشَّیْطٰنِ قَالِیَا اَدْمُہُہُ
 اَدْلُ عَلٰی شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَصُلِّیْ سَلَامًا
 شیطان نے آدم کو دوسرے ایک کالمے آدم کیا میں تجھے جنت
 جاویدانی اور سلطنت غیر فانی کا درخت بتاؤں تو (آدم اور حوا)
 دونوں نے اُس درخت کا پھل کھا تو انکی بری چیزیں ان پر
 فَاکَلَا مِنْہَا فَبَدَّتْ لَہُمَا سُلٰسِلٌ اُتٰہُمَا (طہ۔ ۷۸)

اب سوال یہ ہے کہ حیات جاویدان اور غیر فانی بادشاہی اسے مقصود کیا ہے، ظاہر ہے کہ جنت ہو شیطان کا مقصود یہ تھا کہ اس جنت میں جہنمیں تم اب ہو، بے دردمر ہمیشہ رہنے کا نسخہ تم کو بتاؤں؟ انسان نے خواہش کی، تو اس نے نیک و بد کی تیز کے درخت کا پھل بتا دیا، یہ بھی کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ نیک و بد کی تیز ہی پر انسان کی شرعی تکلیف اور مواخذہ کی بنیاد ہے، ہر وہ مخلوق بلکہ ہر وہ انسان جو اس اور اک سے خالی ہے، وہ شرعی تکلیف اور مواخذہ سے بھی گرا رہا نہیں، غرض اس خیر و شر کی معرفت کا لازمی نتیجہ شریعت کی تکلیف تھی، چنانچہ وہ اس کے سڑ والی گئی اور پھر نسل آدم میں یہ نیک و بد کی تیز فطری الہام کے ذریعہ عنایت ہوئی، فرمایا،

وَنَفْسٍ وَمَا سَوَّاهَا ۖ قَالَ لَوْ عَلِمَ الْغُيُوبَ ۖ سَاءَ مَا يَحْكُمُ بِهَا ۚ

(والشس) اور اس کی نیکی کو الہام کیا، اور نفس اور اس کی بناوٹ کی قسم پھر نفس میں اس کی بدی

عجب نہیں کہ قرآن پاک کی آیتیں اسی مفہوم کی طرف اشارہ کرتی ہوں،

إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ
وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا
وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا
لِيُعَذِّبَ اللَّهُ الْمُنَافِقِينَ وَالْمُنَافِقَاتِ الْمُسْرِكِينَ
وَالْمُسْرِكَاتِ يَتَّقِ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ
وَالْمُؤْمِنَاتِ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا

ہم نے اپنی امانت (تکلیف شرعی) آسمانوں پر اور زمین
پر اور پہاڑوں پر پیش کی تو انھوں نے اس کے اٹھانے
سے انکار کیا، اور انسان نے اسکو اٹھایا کہ ظالم
اور نادان تھا، تاکہ اللہ تفاق والوں اور نفاق والوں
اور شرک والوں اور شرک والیوں کو سزا دے اور ایمان
والوں اور ایمان والیوں پر جو ع ہو، اور اللہ بخشنے

(احزاب - ۹) والا مہربان ہے،

انسان نے اپنی جہالت سے اس تکلیف شرعی کی امانت کو اٹھایا، جو نیک و بد کی معرفت کا لازمی نتیجہ تھا اور اس تکلیف شرعی کا لازمی نتیجہ جزا اور سزا تھی، لیکن خدا کی رضامندی یہی تھی کہ اس کے سب بندے اس کی رحمت اور مغفرت کے مستحق ٹھہریں، کہ اس کی رحمت و شفقت کا اقتضا یہی ہے کہ گنہگاروں کو معاف کرے اور نیکو کاروں

پر اپنی خاص رحمت نازل کرے، لیکن اگر کاشٹکار اپنے کھیتوں کو ابر رحمت سے مستفید ہونے کے قابل نہ بنائے، تو وہ اسکی رحمت سے مستفید نہ ہوگا، اسی طرح جو بندہ شرک و نفاق میں مبتلا ہو کر اپنے آپ کو اسکی رحمت کے قابل نہ بنائے، تو وہ بھی اسکی رحمت کی بارش سے سیراب نہ ہو سکیگا،

غرض اس طرح وہ مصلحت الہی جو انسان کی پیدائش سے تھی اس صورت سے پوری ہوئی، اور وہ حیات جاوید اور غیر فانی بادشاہی، جسکا حصول قصاے الہی نے انسان کی محنت، جہد و جد اور سعی و عمل پر موقوف رکھا، اور جسے شیطان نے آدم کو بلا سعی و محنت، محض بخت و اتفاق سے دلوا دیتا چاہا تھا، بالآخر اس کا منہ تقسیم الہی اور نظام ربانی کے مطابق شریعت کی پیروی و جہد و جد اور اس کے مطابق سعی و عمل کے ذریعہ سے مقرر ہوا جیسا کہ پہلے سے طے شدہ تھا، فرمان آیا،

اِهْبِطْ اِلَيْهَا جَمِيعًا فَاَمَّا يَاتِيَنَّكُمْ مِّنِّي هُدًى
فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خُوفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا
هُم يَحْزَنُونَ، (بقرہ: ۲۸)

یہاں سے تم سب اترو، پھر اگر تمہاریے پاس میری طرف
کوئی رہنمائی آئے تو جس نے میری رہنمائی کی پیروی
کی، تو انکو نہ ڈر ہوگا نہ غم،

اِهْبِطْ اِلَيْهَا جَمِيعًا لَبَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ
فَاَمَّا يَاتِيَنَّكُمْ مِّنِّي هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ
فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْتَقِي (طہ: ۷۷)

تم دونوں یہاں سے نیچے اترو، تم ایک دوسرے کے دشمن
ہو، پھر اگر تمہاریے پاس میری طرف سے رہنمائی آئے
تو جس نے میری رہنمائی کی پیروی کی تو وہ نہ گمراہ ہوگا اور نہ
بھولے گا،

جب انسان کا اصل مقام وہی حیات جاوید اور مملکت ابد ہے تو اسی کا حصول اس کی تمام کوششوں کا محور ہونا چاہئے، اور اس کو اپنی اس فانی زندگی اور زوال پذیر بادشاہی کے تمام کاموں کے ذریعہ اسی حیات جاوید اور لازوال بادشاہی کی دولت کو مزد و معاوضہ میں حاصل کرنا چاہئے، تاکہ وہ اپنے باپ کی اس آسمانی بادشاہی کو اپنے جس کی صفت یہ تھی،

فَلَا يَخُفُّ جَنَّتُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ فَتَشْتَقِي، اِنَّكَ
تُشِيْطَانٌ تَمَّ كُفْرُكَ سَ تَوَجَّهْتَ

اَلَا تَجْعَلُ فِيْهَا وَلَاقِرًا ۚ وَاَنْتَ لَا تَعْلَمُ ۚ
 مین پڑ جائے اور جنت میں بھوکو یہ ملا ہے کہ اس میں تو
 نہ بھوکا ہوگا نہ تنگ، نہ پیاسا ہوگا، اور نہ دھوپ کی ^{تشنہ}

آدم اس جنت سے نکلے تو ان کو بھوک بھی لگی، اور تنگ بھی ہوئے، پیاس بھی ان کو معلوم ہوئی، اور دھوپ کی
 پیش کی بھی تکلیف ہوئی، اور زمین میں اگر انھیں چار چیزوں کی مشقت میں گرفتار ہوئے، کھانا، پینا، پہنا، رہنا بھی
 انسان کی چار مختصر ضروریات ہیں اور انھیں کو اپنی ہو اور ہوس سے پھیلا کر اس نے ضروریات کا ایک عالم پیدا کر دیا،
 اور انھیں کے تیار کرنے اور عمدہ بنانے میں اپنی موجودہ زندگی کی تمام تر توجہ کو مصروف کر دیا، اور اصل جنت کی
 طلب سے ہاتھ دھو بیٹھا، یہیں سے شریعت کی تکلیف عائد ہوئی، اور جائز اکل، جائز شرب، جائز لباس، اور جائز
 سکن کے حصول کے طریقوں کی تعلیم اور ناجائز طریقوں سے احتراز کا حکم ہوا، اسی سے شریعت کے اصول معاملات
 اور اخلاق انسانی کی ذمہ داریاں پیدا ہوئیں، اور پھر اس لیے تاکہ اس حیات فانی میں پھنکر حیات غیر فانی کی طلب کو
 بھول نہ جائے، عرفان الہی (عقائد صحیحہ) اور عبادت و اطاعت الہی کی تلقین ہوئی، جو جنت کی اصلی غذا اور روزی ہے

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوَارِثُونَ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ
 یہی وہ میراث لینے والے ہیں، جو سایہ دار باغ کے

الْفِرْدَوْسِ هُمْ فِيْهَا خَالِدُونَ، (رومنہ ۱۰)
 وارث ہونگے، وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں،

لیکن یہ وراثت انسان کو اپنے اعمال خیرہی کے ذریعہ ملے گی، چنانچہ اہل جنت کو جنت کے داخلہ کے وقت

یہ بشارت ملے گی،

وَفِيْهَا مَا تَشْتَهِيْهِ الْاَنْفُسُ وَتَلَذُّ اَلْاَعْيُنُ
 اور اس جنت میں وہ کچھ ہے جس کو دل چاہے، اور

وَاَنْتُمْ فِيْهَا خَالِدُونَ، وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْ
 انھوں کو لطف ملے، اور تم کو اس میں ہمیشہ رہنا ہے، اور

اَوْ رِثْتُمُْوْا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ
 یہی وہ جنت ہے جس کے تم اپنے کاموں کے بدلے میں

جنگو تم کرتے تھے، وارث بنائے گئے، (زخرف ۷)

اور انھیں کو مٹا دی غیب یہ مذاہب کا،

وَنُودُوا أَن تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي نُورِثُ مِمَّا كُنتُمْ
اُدَّان کو پکار کر کہا گیا کہ یہی وہ جنت ہے جس کے تم اپنے ان

تَعْمَلُونَ، (اعراف: ۴۷) کاموں کے بدلہ میں جو تم کرتے تھے وارث بنائے گئے

ملت توحید کے مبلغِ اعظم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعاؤں کا ایک فقرہ یہ بھی تھا،

وَاجْعَلْنِي مِنْ دَرَجَاتِ جَنَّاتِ النَّعِيمِ (شعراء: ۸۵) اور مجھے باغِ نعمت کے وارثوں میں رکھ

ان آیتوں سے ہو رہا ہے کہ اسلام نے انسان کا اعلیٰ مقام وہی قرار دیا ہے، جہاں نہ بھوک ہو، نہ پیاس، نہ
برسنگی ہے، نہ دھوپ کی تکلیف، جہاں کی بادشاہی لازوال اور جہاں کی زندگی غیر فانی ہے لیکن اس کے حصول

کا ذریعہ صرف انسان کا نیک عمل اور صحیح عرفان ہے، جن کے مجموعہ کا نام تقویٰ ہے،

تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي نُورِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ
یہ وہ بہشت ہے جس کا وارث اپنے بندوں میں سے

تَقِيًّا، (مریم: ۴۰) ہم اس کو بنائیں گے جو تقویٰ والا ہوگا

انسانی جزا و سزا کے تین گھر | انسان کے تین گھر ہیں ایک موجودہ فانی عالم جس کو دنیا کہتے ہیں، اور دوسرا دوسرا فانی عالم

موت یا عالمِ قبر جس کا نام برزخ ہے، اور تیسرا اُس غیر فانی زندگی کا گھر جس کو دُورِ آخرت کہتے ہیں، یہودیوں کے یہاں

اصلی زور اسی دنیا کی جزا و سزا پر دیا گیا ہے، اور تیسرے کا ذکر بہت کم، اور دوسرے کا مطلق نہیں، اور عیسائیوں میں

پورا زور تیسری منزل کی سزا و جزا پر ہے، اور پہلی اور دوسری منزلوں کے ذکر سے خاموشی ہے لیکن وحیِ محمدی کی تکمیل

نے ان تینوں گھروں کو انسانی سزا و جزا کا مقام قرار دیا ہے، انسان کو اپنے اعمال کی پہلی جزا و سزا تو اسی دنیا میں کائنات

و ناکامی کی صورت میں ملتی ہے، گو اس کا مہیا بی و ناکامی کے سمجھنے کا معیار مختلف ہو، اس کے بعد جب انسانی رُوح دوسری

منزل میں قدم رکھتی ہے، تو یہاں بھی وہ اپنے اعمال کی تیسری بہت جزا و سزا کا منظر دیکھ سکتی ہے، اس کے

بعد جب موجودہ دنیا کے پورے کاروبار کا خاتمہ ہو کر اس فانی کائنات کا ہر نقش و نگار مٹ جائے گا، اور پھر نئی

زمین اور نیا آسمان بنے گا، تو فانی انسانوں کو دائمی زندگی کے لیے پیدار کیا جائے گا، اور اُس وقت وہ اپنے اعمال

کی پوری جزا و سزا پائیں گے،

انسان کا پہلا دارالخزائر انسان کا پہلا دارالخزائر دنیا ہے، انسان کے ہر نیک و بد فعل کا جو اثر دوسری دنیا کی زندگی پر پڑتا ہے، اُسی کے مشابہہ خود اس موجودہ دنیا کی زندگی میں بھی ملا کرتا ہے، انسان کی عزت، شہرت، ناموری، ہر نیک و بد فعل کی وجہ سے، سکینت، اطمینان، سرور، فائز البالی حکومت، یہ تمام اس زندگی کے اعمالِ خیر کے نتائج ہیں ان کے خلاف ذلت، رسوائی، بے عزتی کس سپری، پریشان حالی، بے اطمینانی، غم، خوف، محکومیت، ہمارے اعمالِ بد کے اثرات ہیں۔ یہودیوں کی تواریت میں اعمال کے نتائج میں زیادہ اہمیت اسی دنیاوی دارالخزائر کو دیکھی ہے، بلکہ یہی خیال تورات میں سب سے زیادہ نمایاں ہے کہ خدا کی فرمانبرداری اور نافرمانی کی جزا اسی دنیا کی رنج و راحت کی صورت میں ہی زندگی میں ملتی ہے، مثلاً خدا کے حکم پر عمل کر دے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تمہاری کھیتیاں سرسبز ہوں گی، تمہاری اولاد میں بروست ہوگی، تمہارے جانور جنین گتے تمہارے درخت پھل دینگے، اور تمہارے دشمن مغلوب ہوں گے، اور اگر خدا کی نافرمانی کر دے تو تم پر وہاں بھینگی، قحط پڑے گا، تمہاری اولاد میں جیتی نہ ہوگی، تمہارے جانور مر جائیں گے، تمہاری شہرت تباہ ہو جائے گی، تمہارے باغ پھل نہ دیں گے، اور تمہارے دشمن تم پر چھا جائیں گے، عیسائیت نے اس کے بالمقابل سارا زور زمین کی مملکت پر نہیں، بلکہ آسمان کی بادشاہت پر دیا ہے، اور اس ظاہری زندگی کے فوز و فلاح کو اپنے مقصد سے خارج قرار دیا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس عورت کو لے کر آئے وہ یہودیت و عیسائیت کی اس فسطاط و فطرط دونوں سے پاک ہو، اس نے ایمان اور عملِ صالح کا نتیجہ اس دنیا کی بادشاہی بھی قرار دی اور اس دنیا کی بادشاہی بھی زمین کی حکومت بھی، اور آسمان کی جنت بھی، یہاں کی سرسبزی و شادابی بھی، اور وہاں کا باغ و بہار بھی، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے نیکو کار مسلمانوں کے ذکر میں فرمایا،

فَاتَّخِذُوا لِلَّهِ ثَوَابِ الدُّنْيَا وَحَسُنَ ثَوَابُ

خود نے ان کو دنیا کا بدلہ بھی دیا، اور آخرت کے ثواب

الْآخِرَةِ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ (الرعد ۱۵)

کی خوبی بھی اور اللہ نیک کرنے والوں کو پیار کرتا ہے،

ایمان اور عملِ صالح والوں سے یہ وعدہ تھا کہ

وَعِدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ

خدا نے ان سے جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے ان کو

مِنْهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا۔ (نقصیم)

کی بخشش اور بڑی مزدوری کا وعدہ کیا،

اور یہ بھی انھیں سے وعدہ ہے،

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ

خدا نے اُن سے جو تم میں سے ایمان لائے اور اچھے کام

كَسَبَتْ خَلْفَهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَحْلَفَتْ

کئے، وعدہ کیا ہے کہ وہ انکو ملک میں حاکم بنایگا جس طرح

الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ (نور۔ ۷)

اُن سے اگلوں کو حاکم بنایا تھا،

لیکن ہمیں بھی شک نہیں کہ جس طرح اس دنیا کی فانی زندگی سے اُس دنیا کی باقی زندگی زیادہ پائدار ہے،

اسی طرح اس دنیا کے ثواب سے اُس دنیا کے ثواب کی قدر و قیمت بھی زیادہ ہے، اور اُسی دنیا کے حسن عمل کی

لُشش سے اس دنیا کی بہتری بھی ملتی ہے فرمایا،

لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا فِي هَذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ

جنھوں نے نیک کام کئے اس دنیا میں اُن کیلئے بھلائی

وَلَا رَأْيَ الْآخِرَةِ خَيْرٌ وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِينَ

ہے اور بے شبہ آخرت کا گھر بہتر ہے اور پرہیزگاروں

(نحل۔ ۴۰)

کا گھر کیا اچھا ہے،

اسی طرح بدکاروں کی جزا جہان اُس دنیا کی دوزخ اور آگ کے عذاب کو فرمایا، اسی طرح اس دنیا کی لذت

دخواری اور رسوائی کو بھی فرمایا،

حَسَنَاتِ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ، (حج۔ ۲)

اُس نے دنیا اور آخرت کا نقصان اٹھایا،

لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خَيْرٌ وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ

اُن کے لیے دنیا میں رسوائی ہے، اور آخرت

عَذَابٌ عَظِيمٌ، (بقرہ۔ ۱۲۸)

میں بڑی مار ہے،

حَبِطَتِ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ (بقرہ۔ ۲۶)

اُن کے کام دنیا اور آخرت میں برباد ہوئے،

اور اُن کے متعلق یہ بھی فرمایا،

فَاعْبَادْهُمْ عَذَابًا لِّبَشَادِ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ (النمل۔ ۷)

تو میں اُن کو دنیا اور آخرت میں سخت سزا دوں گا،

تنگی اور بد حالی کی سزا بھی یہیں ملتی ہے،

وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً
ضَنْكًا وَنَحْشًا يَوْمَ الْقِيَمَةِ أَعْلَىٰ

اور جس نے میری نصیحت سے منہ پھرانے کے لیے

تنگ گذران ہے، اور قیامت میں اس کا اندھا

اٹھاؤنگا کہ دنیا میں وہ دل کا اندھا بنا تھا،

(طہ - ۷۰)

انتہایہ ہے کہ خود صحابہ کو جنگا بعد میں جو فتح نہیں ملی، اللہ تعالیٰ نے اس کو بھی انکی بعض فروگزشتوں کا

شر بتایا،

إِنَّ الَّذِينَ تَوَلَّوْا أَمْنَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ
إِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطَانُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوا

تم میں سے بعض لوگ اس دن جب دونوں فوجیں

بھڑیں، جو پیچھے ہٹے ان کے بعض کاموں کی وجہ سے

شیطان نے ان کو پھسلا دیا،

(ال عمران - ۱۶)

ایک اور مقام پر عمومی طور سے فرمایا گیا،

وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ
وَيَعْقُوبُ عَنْ كَثِيرٍ (شعرا - ۴)

جو مصیبت تم کو پہنچی وہ تمہارے ہاتھوں کے کرتوتوں کے

باعث اور وہ بہت سی باتوں سے درگزر کرتا ہے،

یہود کے ذکر میں قرآن نے اس مسئلہ کو بالکل واضح کر دیا ہے، عذاب کے موقع پر فرمایا،

ضَرَبْتُ عَلَيْهِمُ الدِّلَّةَ أَيْنَ مَا تَفَقَّحُوا إِلَّا
يَحْبِلُ مِنَ اللَّهِ وَجَبَلٍ مِنَ النَّاسِ وَبَاءُوا
بِعُضْبٍ مِنَ اللَّهِ وَضَرَبْتُ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةَ
ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانُوا يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ
وَيَقْتُلُونَ الْأَنْبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ذَٰلِكَ بِمَا
عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ (ال عمران - ۱۲)

ان پر ذلت ماری گئی جہاں پائے گئے، لیکن جہاں

عزت حاصل ہو وہ خدا کے ذریعہ اور لوگوں کے سہارے

اور اللہ کا غصہ کھلائے، اور ان پر (قومی، محتاجی مار

گئی، یہ اس لیے کہ وہ خدا کے حکموں کا انکار کرتے تھے اور

پیغمبروں کو مار ڈالتے تھے، یہ اس لیے کہ وہ نافرمان

ہیں، اور حدودِ الہی سے آگے بڑھتے ہیں،

اس کے بالمقابل عام اہل کتاب سے کہا گیا،

وَلَوْ أَنَّهُمْ أَقَامُوا التَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ وَمَا

أُنْزِلَ إِلَيْهِمْ مِنْ رَبِّهِمْ لَأَكْمَلُوا مِنْ فَضْلِهِ

وَمِنْ تَحْتِ أَرْجُلِهِمْ،

(مائدہ - ۹)

راضی خیر و برکت سے کھاتے،

اور اگر یہ تورات اور انجیل کو اور جو انکی طرف انکے پروردگار کی

طرف سے (اب) اتارا گیا، اس کو قائم رکھتے تو وہ اپنے اوپر

برکات آسمانی سے کھاتے اور اپنے پاؤں کے نیچے

ایک اور موقع پر اشارہ ہے،

وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَىٰ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا

عَلَيْهِمْ بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَوَلَا رِزْقَ

لَكِنَّ كَذَّبُوا فَأَخَذْنَاهُمْ بِمَا كَانُوا فِي سَبِيلِ

(اعراف - ۱۲)

احکام کو چھٹایا تو ہم نے انکے اعمال کی پاداش میں انکو پکڑ لیا،

اور ان آبادیوں کے رہنے والے ایمان لاتے اور

پرہیزگاری کے کام کرتے تو ہم ان پر آسمان سے او

زمین سے برکتوں کو کھولتے لیکن انھوں نے خدا کے

مگر یہ دارالبحر فانی ہے | لیکن یہاں ایک نعرش گاہ بھی ہے جس سے اہل ہوش کو باخبر رہنا چاہئے، اس دنیا میں انسان کو کمال

کی جزا و سزا کسی نہ کسی رنگ میں ضرورتی ہے، مگر اس نکتہ کو فراموش نہ کرنا چاہئے کہ کیا شخصی زندگی، اور کیا جماعتی حیات کے

محاط سے یہ دارالبحر جس کا نام دنیا ہے عارضی اور فانی ہے، یہاں کا غم بھی فانی اور یہاں کی خوشی بھی عارضی ہے، اسلئے

صرف اسی دنیا کی کامیابی کو اپنی زندگی کا اصل مطلوب مقصود اور غایت و منتہا نہیں بنانا چاہئے، بلکہ سمجھنا چاہئے

کہ اس سے بھی زیادہ ایک اور وسیع آسمانی مملکت، اور لازوال سلطنت ہے جو فنا و زوال کے ہر عیب اور ہر نقص سے

پاک ہے، اور جہان کی نعمتیں اس دنیا کی نعمتوں سے کہیں زیادہ بہتر اور غیر فانی ہیں، اس لیے اس فانی دنیا کی لذتوں

میں پڑ کر اس کو نہ بھول جانا چاہئے، اس مسافر کی عقل سلیم کی داد کو نہ دیکھا جو راستہ کی عارضی خوش منظریوں، اور سفر کی فانی

دکھیوں میں پڑ کر اپنے خوش سوا و اور سدا بہار وطن کو فراموش کر بیٹھے،

بَلْ تُؤْثِرُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ
بلکہ تم دنیاوی زندگی کو بڑھکرا چاہتے ہو، حالانکہ آخرت کی

وَالْبَقِيَّةُ (۱-۱۱) زندگی اس سے بہتر اور اس سے زیادہ پائدار ہے،

وَلَا جَزَاءَ لَآخِرَةٍ خَيْرٌ (یوسف - ۴) اور بیشک آخرت کی فردوری (یہاں کی مزدوری سے بہتر)

اور اسی طرح گنہگاروں کے لیے یہاں کی ذلت و رسوائی سے بڑھ کر ایک اور ذلت و رسوائی کا مقام ہے،

فَإِذَا أَقْبَهُمُ اللَّهُ الْخَيْرَ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَ

لَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَكْبَرُ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ

(زمر - ۳) ہے، اگر وہ جانتے،

اس دنیا کی ذلت و رسوائی تو شاید سہ بھی لی جائے مگر وہاں کے عذاب کی سختی کو کون سہہ سکتا ہے کہ۔

وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَشَدُّ وَأَلْبَقِيَّةٌ، اور (اس دنیا سے) آخرت کا عذاب البتہ زیادہ سخت اور

(طہ - ۷) زیادہ دیر رہنے والا ہے،

اس لیے اس فانی دنیا میں انسان کو اپنے حسن عمل کے بدولت جو زور و قوت، جاہ و جلال، نعمت و مال، اور حکومت و سروری ملے، اُن کو بھی آخرت کی لازوال نعمتوں اور وہاں کی غیر فانی بادشاہی کے حصول میں صرت کرنا چاہئے کہ اس سے خود اُن دنیاوی نعمتوں کو بھی بچا اور پائداری حاصل ہوگی، اسی فلسفہ کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی حقیقت طراز نے قارون کی نصیحت کے ضمن میں ان لفظوں میں ادا کیا ہے،

وَاتَّبِعْ فِيمَا أَنَاكَ اللَّهُ الذَّاكِرُ الْآخِرَةَ وَلَا تَنسَ

نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَأَحْسِنْ كَمَا أَحْسَنَ اللَّهُ

إِلَيْكَ وَلَا تَتَّبِعِ الْفَسَادَ فِي الْأَرْضِ

(قصص - ۸) اور (اس دولت سے) زمین میں خرابی نہ چاہ۔

چنانچہ خلفِ سید پر تباہی اسی لیے آئی کہ وہ دنیاوی زندگی کی دولت و جاہ و کثرت میں ایسے پھنسے کہ اُن کو اپنے کاروبار میں آخرت کے سود کا خیال بھول کر بھی نہ آیا،

قَلَفَ مِنْ بَعْدِ مِصْرَ خَلَفَ وَرَثَتُ الْكِتَابِ
 تَوَانِ كَيْ بَعْدَ كَيْ نَاطِلَتْ كِتَابَ كَيْ وَارِثَ هُوَ هُوَ
 يَأْخُذُ وَنَ عَرَضَ هَذَا الْأَذَى وَلَيْقُ لَوْ
 مَسْغُفَرٌ لَنَا وَإِنْ يَأْتِيهِمْ عَرَضٌ مِثْلُ ذَلِكَ
 أَلَمْ يَأْخُذْ عَلَيْهِمْ مِثْلُ الْكِتَابِ أَنْ لَا
 يَقُولُوا عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ، وَدَرَسُوا مَا
 وَالَّذِينَ الْأَخْزَرُ خَيْرٌ لَلَّذِينَ يَقُولُونَ
 تَعْقِلُون، (اعراف - ۲۱)

تو ان کے بعد کچھ ناطل کتاب کے وارث ہوئے ہوں
 دنیا کے سامان و اسباب کو لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم
 معاف ہوگا، اور اگر ویسا ہی سامان اسباب پھر
 تو پھر لین، کیا ان سے کتاب کے حق میں یہ عذر نہیں
 گیا کہ وہ خدا پر حق کے سوا کچھ اور نہ بولیں حالانکہ جو
 ہے وہ اس کو پڑھ چکے ہیں، اور آخرت کا گھر پر ہونے کا
 کے لیے بہتر ہے، کیا تم سمجھتے نہیں،

یہ دارالجزار دارالاصلاح بھی ہوا اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت و شفقت سے انسان کو پیدا کیا، اور اُس ہمیشہ کی زندگی کا تمام
 بھی دکھایا اور بتا دیا کہ اُس تمام کا دائمی وابدی استحقاق خود تمہارے عمل سے تم کو ہو سکتا ہے، اور یہ دنیاوی زندگی اسی
 اُس کو دی گئی کہ وہ اس زمانہ میں اُس سدا بہار سرزمین کی ملکیت کو اپنے عمل کی قیمت سے خرید سکے، مگر چونکہ انسان
 دوسری مصلحتوں کے لحاظ سے طبعاً کمزور، زود فراموش، اور بھولنے والا بھی پیدا ہوا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اسکو اپنی
 اسی مستعار زندگی میں بار بار اپنے سنہلے، سادھرنے، اور کامیاب بننے کے موقع عنایت کئے، رسولوں کی بعثت
 کی آمد، شریعت کی تعلیم، پھر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا سلسلہ، اور گناہوں پر جہانی سزا و تعزیر، اور عمل خیر پر رجا
 لذت، اور عمل شر پر رجز و جانی عذاب و کدورت کے لوازم اسی لیے مقرر ہوئے کہ اُس کو ہر قسم پر اپنے اعمال پر تنبیہ اور
 اپنی غلط روی کا احساس ہو، اور ان سب کے علاوہ اس نے اپنی غایت رحمت سے انسانوں کی تنبیہ اور اصلاح
 لیے حسب ذیل مراتب مقرر کئے،

۱۔ شکی سے پرانی کا کٹھارہ، چونکہ انسان کتنی ہی کوشش کرے اپنی فطری کمزوریوں کی حد سے باہر نہیں
 نکل سکتا، اس لیے جس طرح اس دنیا میں اُس نے انسانوں کے دلوں میں یہ فطری اصول و دینیت کر دیا ہے،
 کہ جس کی نیکیوں کا پلہ بھاری ہو اُس کی مہولی برائیوں سے چشم پوشی کیجاتی ہے، یا یہ کہ آخرین اُس کا کوئی ایک

نیک کام انسان بدست ہو جاتا ہے کہ اُس سے اسکی تمام گلی برائیوں کی فرد دھل جاتی ہے، اسی کا نام کفارہ عمل ہے، چنانچہ وحی محمدی نے اصولی طور پر یہ حقیقت ان الفاظ میں تلقین کی کہ،

إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ (ہق-۱۰) بے شبہ نیکیاں، برائیوں کو دور کر دیتی ہیں،

اس آیت کا یہ بھی منشا ہے کہ نیکوں کی تدریجی ترقی بالآخر برائیوں کو کم کرتی جاتی ہے، یہاں تک کہ وہ پورا نیکو کا انسان بن جاتا ہے، اور یہ بھی خوشخبری آہیں پوشیدہ ہے کہ یہی نیکیاں، اسکی پہلی برائیوں کے نتیجہ کو بھی اٹھا دیتی ہیں، اس معنی کی اور آیتیں بھی قرآن پاک میں ہیں،

إِنْ تَجْتَنِبُوا كَبَائِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ تُكْفِرُوا عَنْكُمْ
عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَرُدُّوا خِلَاقَكُمْ مِمَّا خَلَقُوا
كُرِيْمًا، (نساء-۵)

لَئِنْ أَقَمْتُمُ الصَّلَاةَ وَآتَيْتُمُ الزَّكَاةَ وَآمَنْتُمْ
بِرُسُلِي وَعَزَرْتُمْهُمْ فَأَقْرِضْتُمُ اللَّهَ
قَرْضًا حَسَنًا أَكْفِرْتُمْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ
وَلَا دُخْلَ لَكُمْ جَنَّتٍ تَخْرُجُ مِنْ تَحْتِهَا
الْأَنْهَارُ، (مائده-۳)

أُولَئِكَ الَّذِينَ تَقَبَلُ عَنْهُمْ أَحْسَنَ مَا
عَمِلُوا وَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّئَاتِهِمْ فِي
أَصْحَابِ الْجَنَّةِ، (احقاف-۲)

۲۔ تو یہ کفارہ ہے، انسان کے تمام کاروبار میں اصل شے اُس کا دل ہے، اسی سے وہ پاک ہوتا ہے، اور اسی سے ناپاک ہوتا ہے، انسان کا دل اگر خلوص کے ساتھ کسی وقت خدا کی طرف رجوع کرے، اور

اپنی تقصیر اور فروگزاشتوں پر اُس کی بارگاہ میں نادم و شرمسار ہو کر اپنی پچھلی زندگی سے بیزار ہو کر آئندہ کے لیے نیکو کاری کا خدا سے مستحکم وعدہ کر لے، تو اُس کا نام توبہ ہے یہ توبہ گنہگار سے گنہگار انسان کو بھی خدا کے آنکھوں میں لاکر ڈالتی ہے، آدم علیہ السلام کا قصور اور پھر انکی توبہ اور رحمت الہی کا رجوع، واقعہ کے علاوہ اس بات کی ایک مثالی صورت بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی آنکھوں میں رحمت کس طرح گنہگار انسان کو واپس لینے کے لیے ہمیشہ وار رہتی ہے، رحمت الہی کے اس پر جوشِ نظارہ کی جو کیفیت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحیفہ وحی اور پیامِ نبوت میں نظر آتی ہے، اُس سے ہندوستان کا ہر مشاہد دردمند و دردمند، تورات خاموش زبور کی سرئی آواز دہم اور انجیل کی خوشخبری مبہم ہے لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیامِ ربانی میں اسکی کیفیات اور اصول و شرائط کو جس شرح و بسط کے ساتھ بیان فرمایا، وہ گویا رب تعالیٰ کی طرف سے رحمت اللعالمین کا خاص حصہ تھا، فرمایا،

اَلَا مَن تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُ ذِكْرٌ
يَذْكُرُونَ الْجَنَّةَ وَلَا يَظْلَمُونَ شَيْئًا
مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور نیک کام
کئے، تو وہ جنت میں داخل ہو گئے اور ان پر
(مریدہ ۴) کچھ ظلم نہ کیا جائیگا

اس سے آگے بڑھ کر یہ کہ ایک توبہ کی بھلائی، اس کے گناہوں کے سارے دفتر دھو کر، ان کی جگہ
اپنے لیے لیگی۔

اَلَا مَن تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا
فَأُولَٰئِكَ يَجْزِي اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ
مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور اچھے کام کئے تو یہ
ہیں جنکی برائیوں کو اللہ بھلائیوں میں بدل دے گا
وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا (فرقان ۶) اور اللہ بخشنے والا رحم والا ہے

اور یہی اس کی شانِ رحمت کا اقتضا ہے، یہاں تک کہ چور اور ڈاکو بھی اپنے گناہوں سے توبہ کریں تو انکو
بھی بشارت ہے۔

فَمَن تَابَ مِن بَعْدِ ظُلْمِهِ وَأَصْلَحَ فَإِنَّ
تو جس نے اپنے پر ظلم کرنے کے بعد توبہ کی اور اپنے کو

اللّٰهُ يَتُوبُ عَلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ
 اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ
 الْاَرْضِ لَا يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاءُ وَيُغْفِرُ لِمَنْ
 يَّشَاءُ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ
 سدھارا، توبہ شیک اللہ اس پر رجوع ہو گا کہ اللہ بخشتے
 والا ہر بان ہے، کیا تجھے نہیں معلوم کہ آسمانوں کی
 اور زمین کی بادشاہی اسی کی ہے جس کو چاہے سزا
 دے اور جس کو چاہے معاف کرے، اللہ ہر چیز
 پر قدرت رکھتا ہے، (مائتہ ۶)

اللہ تعالیٰ نے اپنا یہ قطعی اصول ظاہر فرمادیا کہ
 وَاِنِّيْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَامِنَ وَعَمِلَ صَالِحًا
 تُحَرِّهٖ تَدْوٰی (طہ ۴۰)
 اور بیشک میں اسکو بخشتے والا ہوں جس نے توبہ کی اور
 ایمان لایا، اور نیک کام کئے اور پھر راہ پر چلا،

لیکن توبہ کس کیلئے ہے، اور کس شمرط کیساتھ ہے،
 اِنَّهَا التَّوْبَةُ عَلٰی اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ
 السُّوْءَ عَمَلًا لّٰہِ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِیْبٍ اُولٰٓئِكَ
 يَتُوبُ اللّٰهُ عَلَیْہِمۡۤ اَوْ كَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حٰکِمًا
 وَلَیْسَتْ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّیِّئَاتِ
 حَتّٰی اِذَا حَضَرَ اَحَدُہُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّیْ
 تَبْتُ الْبُیْنَ وَلَا الَّذِیْنَ یَمُوتُوْنَ وَہُمْ
 کُفَّارٌ (نساء ۳۰)
 اللہ کو ان کی توبہ قبول کرنی ضرور ہے جو نادانی سے بُرا
 کام کرتے ہیں، پھر جلد توبہ کرتے ہیں، تو یہی وہ ہیں جو
 اللہ معاف کرتا ہے، اور اللہ سب جانتا ہے، اور حکمت
 والا ہے، اور ان کی توبہ نہیں ہے جو بُرے کام کرتے جانتے
 ہیں یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کو موت آئی
 تو اس نے کہا اب میں نے توبہ کی، اور نہ اُن کی توبہ
 ہے، جو کافر ہو کر مرین،

مقصود یہ ہے کہ توبہ کے بعد اس بندہ کے دل میں آہندگی اور تدارک کا احساس بھی موجود ہو اور
 ظاہر ہے کہ موت کے وقت یہ احساس ممکن ہی نہیں، ہاں اگر وہ توبہ اپنے احساس کے اثر سے کرے، اور اس کے
 بعد اتفاقاً قاتل آجائے تو یقیناً رحمت الہی اس کے قبول کرنے میں تاثر نہ کرے گی،

وَالَّذِينَ عَمِلُوا السَّيِّئَاتِ ثُمَّ تَابُوا مِنْ بَعْدِهَا
وَأَسْأَلُوا رَبَّهُمْ مِنْ بَعْدِهَا الْغُفُورَ رَحِيمًا
اور جنہوں نے بُرے کام کئے، پھر اُس کے بعد باز آئے
(توبہ کی) اور یقین کیا، تو بیشک تیرا پروردگار اُس کے بعد
اسکو بخشنے والا اور اس پر رحم کرنے والا ہے،

(اعراف - ۱۹)

وَمَنْ يَعْمَلْ سُوءًا أَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهُ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللَّهَ
يَجِدِ اللَّهَ غَفُورًا رَحِيمًا (نساء - ۱۶)
اور جو کوئی بُرا کام کرے یا اپنا ظلم کرے پھر اللہ سے اپنے
کی معافی چاہے تو وہ اللہ کو بخشش والا رحم کرنے والا پائے گا،

۳۔ مصائب کی تنبیہ اور کفارہ، دنیا میں مصائب سے زیادہ بُری اور تکلیف دہ چیز انسان کو کوئی دوسری
نہیں معلوم ہوتی، لیکن حقیقت بھلانے کے لائق نہیں کہ افراد، بلکہ جماعتیں اور قومیں بھی مصائب ہی کی تنبیہ
اور سرزنش سے تنبیہ اور ہشیار ہو کر آمادہ اصلاح ہوتی ہیں، چنانچہ اکثر اخلاقی محاسن کے جوہر کو مصیبتوں ہی کی آگ
نکھار کر کندن بناتی ہے، صبر، استقلال، تواضع، شکر، محبت اور رحم ان تمام اخلاقی فضائل کی تربیت انہیں مصائب
کے زیر سایہ ہوتی ہے، مغرور سے مغرور انسان بھی جب کسی اتفاقی مصیبت کی ٹھوکر کھاتا ہے، تو سنبھل جاتا ہے،
اس لئے غافل انسانوں، اور خود فراموش سرمستوں کو ہوش میں لانے کے لیے کبھی کبھی کی مصیبتوں سے بڑھ کر
کوئی دوسری چیز نہیں کہ اُن کی بدولت ملحد سے ملحد انسان بھی ایک فہم بقرار ہو کر خدا کا نام لے ہی لیتا ہے،
دولت و نعمت، کامیابی و مسرت، شراب ہے، جس کے نشہ کا آثار اتفاقی مصائب ہی کی ترشی سے ہو سکتا
ہے، انسان خدا کو کتنا ہی بھولا ہو اور اپنی دولت و ثروت پر کتنا ہی نازاں ہو لیکن جب وہ کسی اقدار سے دوچار
ہوتا ہے، تو دفعہ اُس کی آنکھیں کھل جاتی ہیں، بیماری، تنگدستی، عزیزوں کی موت، اُز و زون کی ناکامی، ان میں سے
ہر چیز وہ ٹھوکر ہے، جس کو کھا کر مسرت سے مسرت راگبیر بھی چونک کر ہشیار ہو جاتا ہے، اور اُس کو اپنے راستہ
کی غلطی معلوم ہو جاتی ہے، اس لیے ان مصائب میں انسانوں کے اعمال بد اور گناہوں کا کفارہ بننے کی صلاحیت
پوری طرح موجود ہے، کہ اس تھوڑی تکلیف سے بندہ میں جو روحانی احساس پیدا ہوتا ہے وہ بڑی بیش قیمت چیز ہے
قرآن پاک نے اس نکتہ کو پوری طرح جا بجا بیان کیا ہے، اور بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ گفت ہنگاموں کو

اس سے پہلے کہ ان کو ہلاک کرے، ان کو مصائب کی آزمائشوں میں ڈالتا ہے، تاکہ شاید وہ اپنے بھولے ہوئے مالک کو یاد کریں اور اپنی غلط روی پر متنبہ ہو کر اپنی ہدایت و اصلاح کی فکر کریں، فرمایا،

وَلَقَدْ أَخَذْنَا آلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِينَ وَنَقْصِ
مِنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُونَ (اعراف - ۱۶۰)
اور بیشک ہم نے فرعون والوں کو غنیمتوں اور پھلوں کی
نمی کی مصیبت میں گرفتار کیا تاکہ وہ نصیحت پکڑیں،

بنی اسرائیل کے متعلق ہے،

وَلَقَدْ كُفِّرْنَا بِلُحْيَتِهِمُ الْحَسَنَاتِ وَالسَّيِّئَاتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ (اعراف - ۱۶۱)
اور ہم نے انکو نعمتوں اور مصیبتوں کی آزمائشوں سے ڈھک دیا تاکہ وہ تائب ہوں،

اسی سورہ میں ایک اور جگہ اس احوال کو ایک کلیہ کی حیثیت سے بیان کیا گیا،

وَمَا أَرْسَلْنَا فِي قُرْيَةٍ مِّنْ نَّبِيٍّ إِلَّا أَخَذْنَا
أَهْلَهَا بِالْبَأْسَاءِ وَالْقَسَاءِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ (اعراف - ۱۶۲)
اور ہم نے کسی آبادی میں کوئی نبی نہیں بھیجا بلکہ ان
کے رہنے والوں کو غنیمتوں اور مصیبتوں میں گرفتار کیا تاکہ

مسلمانوں سے فرمایا گیا،

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَ
نَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ
وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُمُ
مُصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاغِبُونَ
أُولَئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ
وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُسْتَدُونَ (البقرہ - ۱۹)
اور البتہ ہم تمکو تھوڑے خوف، بھوک، اور دولت کی
اور جانوں کی، اور پھلوں کی کمی سے آزمائیں گے اور
ان صابروں کو خوشخبری سنا کہ جبکو جب کوئی مصیبت
سنا تی ہے تو کہتے ہیں، ہم خدا کے ہیں، اور اسی کی طرف
لوٹ کر جانے والے ہیں، یہ وہ ہیں جن پر اللہ کی برکتیں
اور رحمتیں ہوں گی، اور یہی سیدھی راہ پائے ہوئے ہیں،

اس اصول کے تحت میں احادیث صحیحہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسکے متعدد جزئیات بیان فرمائے ہیں حضرت عائشہ

رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب یہ آیت اتری مَن يَعْمَلْ سُوءً يُجْزِيْهِ (سَاء - ۱۸) (جو کوئی برائی کرے گا اسکا بدلہ اُس کو دیا جائیگا) تو میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا مطلب پوچھا، فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندہ سے عتاب ہے، اس کا

بدلہ دنیا میں بندہ کی ہر تکلیف سے پورا ہو جاتا ہے، جیسے اُس کو بخار آجائے، یا وہ کسی اور مصیبت سے دوچار ہو جائے، یہاں تک کہ جب میں کوئی چیز لکھ کر بھول جائے، اور اس سے جو تکلیف اُس کو پہنچے وہ تکلیف بھی کفارہ بن جاتی ہے، یہاں تک کہ بندہ گناہوں سے اس طرح صاف ستھرا ہو کر نکلتا ہے جیسے بھٹی سے سونا، دوسری حدیثوں میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ مسلمان کو کوئی مصیبت پیش نہیں آتی ہے لیکن یہ کہ اللہ تعالیٰ اُس کو اس کے گناہوں کا کفارہ بنا دیتا ہے، یہاں تک کہ اگر اُس کے کوئی کاٹنا چھ جائے تو وہ بھی کفارہ بن جاتا ہے، تیسری روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ مسلمان کو کوئی تکلیف یا بیماری، یا غم، یا اذیت نہیں پہنچتی لیکن یہ کہ وہ اُس کے گناہوں کا کفارہ ہو جاتی ہے، یہاں تک کہ اگر اُس کے کوئی کاٹنا چھ جائے، تو وہ بھی چوتھی روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ کسی مسلمان کو کوئی تکلیف کاٹنا چھنے سے لیکر اوپر تک جتنی بھی پہنچے، اللہ تعالیٰ اُس سے اس کے گناہوں کو اس طرح جھاڑ دیتا ہے جیسے درخت کے پتے جھڑ جاتے ہیں، پانچویں روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ دنیا میں جو مسلمان کسی جرم کا مرتکب ہوا، اور اُس کی سزا اُس کو یہیں مل گئی تو وہ اُس کے لیے کفارہ، اور اس کو اس گناہ سے پاک و صاف بنا دیتا ہے، سطور بالا سے ہوا ہے کہ کوئی انسان جو اقرار توحید کے بعد گناہ سے ملوث ہو گیا ہو، دنیا میں توبہ، اعمال نیک اور مصائب پر صبر و شکر کے ذریعہ سے نجات پا سکتا ہے، اور اس دنیا سے اسی طرح پاک و صاف ہو کر نکلتا ہے کہ موت کے بعد اُس کو کسی نئے کفارہ گناہ کی ضرورت پیش نہ آئے،

اسی لیے قرآن پاک میں ہے،

وَلَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ ذُنُوبَهُمْ
اور ہم الیہ ان کو بڑے عذاب کے پہلے ادنیٰ عذاب کا کچھ نہ

الْعَذَابُ الْكَبِيرُ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ، (سجۃ)
چکھاتے ہیں، تاکہ وہ اب بھی باز آئیں،

اس آیت پاک سے معلوم ہوا کہ عذاب الہی کا مقصد انتقام اور نفس سزا اور عقوبت نہیں، بلکہ تشریف نفس کو

۱۔ اور اس کی ہم معنی حدیثیں اکثر کتب حدیث میں ہیں مثلاً ترمذی تفسیر اوخر النساء، سنن ابی داؤد، اوائل کتاب الجنائز،
۲۔ صحیح بخاری، اوائل کتاب امر منی، یہ بیہود روایتیں ہیں، ۳۔ صحیح بخاری کتاب الرد علی الجہتہ،

ماہر دست پر لانا ہے، اسی لیے ایک اور آیت میں فرمایا:-

مَا يَفْعَلُ اللَّهُ بِعَذَابِكُمْ إِن شَكَرْتُمْ وَآمَنْتُمْ
وَكَانَ اللَّهُ شَاكِرًا عَلِيمًا
اللہ تعالیٰ تم کو عذاب دیکر کیا کرے گا، اگر تم شکر کرو، اور ایمان
لاؤ، کہ خدا (نیکوئیوں کا) قبول کرنے والا اور (تمہارے)

(نساء-۲۱) ہر عمل کو جانسنے والا ہے،

الغرض یہ عذاب اس دنیا میں آئندہ گناہوں سے بچانے اور گزشتہ گناہوں سے پاک کرنے کے لیے ہوتا ہے اور عالم برزخ اور عالم بعثت چونکہ نئے عمل کے محل نہیں، اس لیے ان دونوں مقاموں میں آئندہ کا کوئی سوال نہیں پیدا ہو سکتا، صرف گزشتہ برائے اعمال کی سزا بھگت کر ان کے نتائج سے نجات مل سکتی ہے اور یہی عالم برزخ اور عالم بعثت کے عذابوں کا مقصد ہے، الایہ ہے کہ پروردگار عالم خود اپنی رحمت سے نوازے، اور معاف فرمائے،

عذابِ برزخ بھی کفارہ ہے | لیکن اگر کسی انسان کے اندر گناہوں کی ناپاکیاں اتنی زیادہ ہیں کہ اس کی دنیاوی زندگی کے تمام کفارے بھی اس کو دھو کر پاک نہ صاف نہ بنا سکے، تو اس کو اپنے مرنے کے بعد بھی برزخ کے عالم میں اپنے اعمالِ بد کی مناسب سزائوں کی صورتوں میں تکلیفیں اٹھا کر پاک صاف بننا پڑے گا، یہی عالم برزخ کا عذاب ہے، اس سے ظاہر ہوگا کہ عالم برزخ کی یہ سزائیں ایسے ہیں کہ ہم نے دنیا میں اپنی ناپاک خواہشوں اور ناپاک کاروں سے احتراز کرنے کی جو رحمت نہیں اٹھائی، اور اچھے کاموں کے کرنے میں جو تھوڑی تکلیف پیش آتی ہے، اس کو برداشت کر کے اچھے کام ہو نہیں کئے، ان دونوں کے معاوضہ میں عالم برزخ میں اگر عذاب کی تکلیفیں اٹھائیں، تاکہ حیاتِ ثانی کے دروازہ پر پہنچ کر بھی اگر ہم ان سزائوں کے ذریعہ پاک صاف ہو سکیں تو پاک صاف ہو کر اپنی نئی بہشت کے قابل بن سکیں جو صورتِ پاکوں اور بے گناہوں کی جگہ ہے، یعنی انکی جگہ ہے جو یا سرے سے کسی گناہ کے مرتکب نہ ہوئے ہوں، یا یہ کہ گناہ کے مرتکب ہوئے، مگر اعمالِ نیک، توبہ، اور بھلائیوں میں صبر و شکر کر کے عالم برزخ میں سزا پا کر وہ گناہوں کے داروغہ سے نجات پا گئے۔

یہ بات کہ عذابِ برزخ بھی چارے گناہوں کا کفارہ ہے، قرآنِ پاک کی متعدد آیتوں سے نکلتی ہے، سورۃ

میں ہے کہ جو گنہگار عذاب الہی سے ہلاک ہوئے وہ برزخ کے عذاب کو دیکھ کر کہیں گے،

رَبَّنَا عَجِّلْ لَنَا قِطْعَانًا قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ، اے ہمارے پروردگار ہمارے لیے ہماری چھٹی روزِ حساب

(ص-۲) سے پہلے جلد کرے،

اس سے معلوم ہوا کہ کچھ لوگ ایسے بھی ہو سکتے ہیں جنکو یوم الحساب سے پہلے ہی تھوڑا عذاب پاک چھٹی مل جائے اور انہیں لوگوں کو دیکھ کر دوسرے مجرموں کو بھی بارگاہ الہی میں اس درخواست کی بہت بڑی کہ ان کے ساتھ بھی یہی معاملہ کیا جائے،

بعض حدیثوں میں بھی اس کنایہ کی تصریح ملتی ہے، کنز العمال میں ایک حدیث ہے،

عن ابن عمر عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: من مات من غير أن يعذب،

قُبِرَ بِرِجْلَيْهِ تَحِيصًا لِدُنُوِّ جَهَنَّمَ، رُكِّزَ الْعَالَمُ، میری امت کا اپنی قبروں میں طولِ قیام، ان کے

باب عذاب القبر جلد ۹ ص ۹۱) گناہوں سے خالص کرنا ہے،

اسی لیے ایک اور حدیث میں آیا ہے،

الكثر عذاب اُمّی فی قبرہ یرہق، میری امت کو زیادہ تر عذاب انکی قبروں میں ہوگا،

اس حدیث کا اگر وہ ثابت ہو تو (نشانہ یہ ہے کہ امتِ محمدیہ کے اکثر افراد اسی برزخ کے محدود زمانہ عذاب

میں نکل کر اور پاک صاف ہو کر جنت کے قابل ہو جائیں گے اور عذابِ برزخ کی ضرورت ان کو پیش نہ آئے گی،

حافظ ابن القیم ایک موقع پر لکھتے ہیں،

فان وقت بالخلاص منها فی هذا الدار اگر ان بیماریوں کا یہ علاج اس دنیا میں نجات کیلئے

وَالَا فِضَى الْبَرْزَخِ، فان و فی بالخلاص پورا ہو گیا تو خیر اور نہ برزخ کی سزا سے علاج کیسا

وَالَا فِضَى مَوْقِفِ الْقِيَامَةِ وَاهِی الْهَی جابگیرا تو اگر یہ نجات کے لیے کافی ہو گیا تو خیر اور نہ پھر

اس حدیث کو شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے حجۃ اللہ البالغہ باب الوقائع المشترکہ میں نقل کیا ہے لیکن انھوں نے اس کا اہلِ اخذِ علامہ سے

مَا خَلَصَهُمْ مِنْ تِلْكَ الْبَقِيَّةِ قیامت کا مقام اور اسکی ہون کیا ان باقی بیمار یوں سے

..... لے نجات دوائیں گی،

رویاے برزخ کی حدیث میں جو پہلے مفصل گزر چکی ہے، وہ منظر بھی دکھایا گیا ہے، حسین گنہگار عذاب کے دور سے نکل کر اور نہر حیات میں نئی زندگی پا کر بہشت کے مستحق قرار پائے ہیں، غالباً انھیں نجات پانے والے مومنوں کو دیکھ کر مشرکین بھی قیامت میں کہیں گے،

وَيَوْمَ يَخْتَسِرُ الْمُشْرِكُونَ حَبِيبًا يَمُوتُ الْجَنَّةِ قَدِ اسْتَكْبَرُوا مِنَ الْإِنْسَانِ وَقَالَ أَوْلِيَاهُمْ مِنْ الْإِنْسَانِ رَبَّنَا اسْمَعْ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَبَلَّغْنَا أَجَلَنَا الَّذِي أَجَّلْتَ لَنَا

اور جس دن وہ ان سب کو اکٹھا کر بیگا اے گروہ جن! تم نے بہت سے انسانوں کو اپنا بنا لیا، اور ان کے دوست انسان کہیں گے کہ ہمارے پروردگار! ہم میں سے ایک نے دوسرے سے کام نکالا، اور ہم مقررہ

کو جبکو تو نے ہمارے لیے ٹھہرایا تھا، پہنچ چکے،

(الغافر-۱۵)

یہ الفاظ کہ ہم اپنے مقررہ وقت کو جس کو تو نے ہمارے لیے مقرر کیا تھا پہنچ چکے، یہ معنی رکھتے ہیں کہ عالم برزخ کا مقررہ دورہ عذاب ہم ختم کر چکے، اور اب حشر و نشر کے عذاب کا دوسرا دور شروع ہوتا ہے، اس لیے بعض دوسرے نیک بختوں کی طرح ہم کو بھی اب چٹھکا راسے، جواب ملے گا،

قَالَ النَّارُ مَثْوَاكُمْ خُلِدْتُمْ فِيهَا أَلَا مَأْشَاءٌ فَرَايَكُمَا آتَشٍ وَنَارٌ تَهَارَا تَهْكُمَا هَوَا، اُسین سدا ہو گئے

اِنَّ رَبَّكَ حَكِيمٌ عَلِيمٌ (الغافر-۱۵) لیکن یہ کہ جو اللہ چاہی بیشک تیرا رب حکمت والا اور علم والا

اس جواب کا مطلب یہ ہے کہ ابھی تمہارا دورہ عذاب ختم نہیں ہوا ہے، اور تمہاری پاکیزگی ابھی تمام نہیں ہوئی، اس لیے ابھی اس دوسرے عالم کا عذاب بھی تم کو سہنا ہے، پھر جب خدا چاہے گا تم کو اس سے نجات دیگا اس کا ہر کام علم و حکمت پر مبنی ہے، اس کے علم و حکمت اور مصلحت کا حسب تقاضا ہوگا، تم کو نجات دیگی،

لے شفاء العیال لابن قیم مطبوعہ حیدرآباد ۱۲۵۴ھ صحیح بخاری کتاب التفسیر ص ۲۵۴ بحسب تفسیر ابن عباس ابن جریر طبری ج ۸ ص ۲۴۵

عذاب و نرغ کفارہ گناہ ہوا | ابھی یہ آیت اوپر گزر چکی ہے کہ

مَا يَفْعَلُ اللَّهُ بِعَذَابِكُمْ إِنْ شَكَرْتُمْ
وَأَمَنْتُمْ وَكَانَ اللَّهُ شَاكِرًا عَلِيمًا،

(نساء - ۲۱) اور (تمہارے دلوں کے حال کو) جانتے والا ہے،

اس سے معلوم ہوا کہ گناہگار کو جو عذاب ملیگا اُس میں اللہ کو کوئی خوشی نہیں حاصل ہوتی، نہ وہ چاہتا ہے کہ اس کے گناہگار بندے اس عذاب میں مبتلا ہوں، لیکن ازل سے اُس نے اپنے جو قانون مقرر کر دیے ہیں وہ اُنکو توڑتا بھی نہیں، جو موت آدم کو جنت کی سرزمین سے نکال کر اس دنیا میں اس لیے بھیجا گیا کہ وہ اپنے عمل کے استحقاق سے اس جنت کو دوبارہ ہمیشہ کے لیے حاصل کریں، اسی وقت یہ قانون بھی اُن کو سنا دیا گیا تھا،

إِطِيعُوا اللَّهَ جَمِيعًا فَمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ

هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ

عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ، وَالَّذِينَ

كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَلَكُمْ عَذَابُ النَّارِ

هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ، (بقرہ - ۴۷)

کو بیٹھایا تو وہی دوزخ والے ہونگے،

اس آیت میں مستحق دوزخ ہونے کی دو وجہیں بیان کی گئی ہیں، ایک کفران اور دوسری تکذیب، لیکن کہ اوپر کی نساہولی آیت میں عذاب دوزخ سے نجات پانے کی دو شرطیں شکر اور ایمان ان کے بالکل بالمقابل ہیں اس سے ظاہر ہوا کہ شکر اور ایمان استحقاق جنت کی شرطیں، اور کفران اور تکذیب استحقاق دوزخ کے اسباب ہیں بقیہ تمام نیکیاں شکر اور ایمان کے فروع، اور تمام برائیاں کفران اور تکذیب کی شاخیں ہیں،

لیکن بہر حال اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو اس لیے نہیں بنایا کہ وہ اُن کو پیدا کر کے دوزخ کا ایندھن بنائے بلکہ اُس نے تو اُن کو اپنی رحمت کے ظہور کے لیے پیدا کیا، غیظ و غضب کے اظہار کے لیے نہیں اُفرمایا،

اِنَّا عَرَضْنَا الْاٰمَانَ عَلَی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
 وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَہَا وَاَسْفَقْنَ
 مِنْہَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ اِنَّہٗ كَانَ ظَلُومًا
 جَهُولًا لِّیَعِذَّ بِاللّٰهِ الْمُنْفِقِیْنَ الَّذِیْنَ
 الْمُسْرِکِیْنَ وَالْمُشْرِکٰتِ وَیُتَوَّبَ اللّٰهُ
 عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَكَانَ
 اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا

ہم نے یہ امانت آسمان پر اور زمین پر اور پہاڑوں
 پر پیش کی، تو ان سب نے اُس کے اٹھانے سے انکار
 کیا، اور ڈرے، اور انسان نے اُس کو اٹھالیا، کہ وہ
 ظالم اور نادان تھا، تاکہ اللہ نفاق کرنے والوں اور
 نفاق کرنے والیوں اور شرک کرنے والوں اور
 شرک کرنے والیوں کو نرا دے اور ایمان والوں،
 اور ایمان والیوں پر وہ اپنی رحمت کیساتھ رجوع ہو

(احزاب-۹) اور اللہ تو بخشنے والا اور رحمت والا ہے،

اس آیت پاک سے صاف ہو رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اصلی صفت یہی ہے کہ وہ غفور و رحیم ہے یعنی
 درحمت اُس کی صفت ذاتی ہے، اب اگر کوئی اپنے آپ پر ظلم کرے گناہ کرتا ہے، اور اس لیے وہ اپنے کو رحمت
 الہی سے دور کر لیتا ہے، تو یہ خود انسان کا فعل ہے،

فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْا اَنْفُسُہُمْ
 يَظْلِمُوْنَ (توبہ-۹)

اللہ نہ تھا کہ ان پر ظلم کرتا، لیکن وہ اپنی جانوں پر
 آپ ظلم کرتے ہیں،

وَمَا اللّٰهُ بِرِیْدٍ ظَلَمًا لِّلْعِبَادِ (مومن-۴۰)

اور اللہ اپنے بندوں پر ظلم کرنا نہیں چاہتا،
 غرض جو کچھ ہے وہ اپنے اعمال کا نتیجہ ہے،
 لِيُجْزٰی كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ (طہ-۱)

کہ ہر جان کو اپنے ہی کئے کا بدلہ دیا جائیگا،

اس لیے بہشت ہو یا دوزخ جو کچھ ہے، انسان کے اپنے ہی عمل کا لازمی نتیجہ ہے، جس طرح دنیا کے ہر
 عمل کا کوئی نہ کوئی لازمی نتیجہ تھا، کھانے کا نتیجہ شکم سیری، پینے کا نتیجہ سیرابی، بھوک کا نتیجہ تکلیف، بیماری کا نتیجہ
 بے آرامی، گرنے کا نتیجہ چوٹ، نہ ہر کا نتیجہ موت، شہد کا نتیجہ مٹھاس، غرض ہر اچھے یا برے فعل کا ایک لازمی

جسمانی نتیجہ تھا جو دنیا میں ہمارے عمل کے بعد ہم کو ملتا رہا، اسی طرح ہم کو اپنے اعمال کا ایک روحانی نتیجہ بھی لازمی ملنے والا تھا، جو ہم کو اس دوسرے عالم میں مل رہا ہو، تو جس طرح زہر کھا کر مرنے کی ذمہ داری خود ہم پر عائد ہوتی ہو، اور ہم یہ نہیں کہتے کہ ہم زہر کھا کر مر کیون گئے، یا گرنے سے ہم کو چوٹ کیون آئی، اسی طرح ہم یہ سوال بھی نہیں کر سکتے کہ ہم کو ان اعمال کے بعد دوزخ کی سزا کیون ملی، کہ دونوں کیساں ہمارے اعمال کے لازمی نتیجے ہیں،

اللہ تعالیٰ نے اپنی غایت رحمت سے ہم کو اعمال کے تیجوں سے قبل از وقت مطلع فرمادیا تھا، ہم کو اس نے نیک و بد کی تمیز کا احساس بخشا، عقل عنایت کی، ضمیر عطا کیا، پھر نبی اور رسول بھیجے، شریعت دی، کتاب مرحمت فرمائی، اس پر بھی اگر ہم باز نہ آئے، اور ان اعمال کا ارتکاب کیا، تو اب ہم کو ان اعمال کے نتائج سے کون بچا سکتا؟

رُسُلًا مُّبَشِّرِينَ وَمُنْذِرِينَ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ،

یہ رسول بھیجے، نیکوں کو خوشخبری سنانے والے، و
بدکاروں کو ہشیار کرنے والے تاکہ خدا پر انسان

(نساء-۲۳) کی حجت باقی نہ رہے،

پھر اپنی رحمت سے سب سے آخر میں اپنی رحمت کے کمال منظر کو دنیا میں بھیجا،

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ (انبیاء-۱۰۷) ہمنے تجھ کو دلپے پیغمبر ساری دنیا کیلئے رحمت بنا کر بھیجا،

لیکن ظالم نادان انسانوں نے اس رحمت کے قبول سے انکار کیا، اور طرح طرح کی بد عقیدہ گیوں اور

بد اعمالیوں سے اپنے کو برباد کیا، اور جس غرض سے خدا نے ان کو پیدا کیا تھا، اس سے اعراض کیا، اور اپنے

کو خود اپنے ہاتھوں سے ہلاکت و بربادی میں مبتلا کیا،

وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُخْلِكَ الْقُرْآنَ وَيَكْفُرَ بِهِ وَلِيُكَلِّمَ الْفٰسِقِينَ (نجم-۱۰۲) اور نہ تھا تیرا رب جو آبادیوں کو ہلاک و برباد کرنا، اور تجھ

مُصَلِّحُونَ، وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ

اُمَّةً وَاحِدَةً وَّكَانَ الْوَنُّ مُتَعَفِّفِينَ

اِذَا مَنَّ رَبُّكَ عَلَىٰ وَلَدٍ لِّكَ خَلَقْنَا

اس آیت سے واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو رحمت کی خاطر بنایا ہے، عذاب کے لیے نہیں لیکن وہ خود انسان ہے جو اپنے عمل سے خدا کی رحمت کے بجائے اُس کے عذاب کا اپنے کو سزاوار ٹھہر لیتا ہے، اس آیت کی تفسیر میں جھڑپ ابن عباسؓ فرماتے ہیں،

لِلرَّحْمَةِ خَلَقَهُمْ وَلَمْ يَخْلُقْهُمْ لِلْعَذَابِ ، خدا نے انسانوں کو رحمت کے لیے پیدا کیا، عذاب کے لیے نہیں، (طبری ج ۱۲ - مک مصرا)

لیکن اگر ظالم و نادان انسان نے خدا کی ان بے دریغ رحمتوں کے باوجود اپنے کو اس کی رحمت کا مستحق نہ بنایا تو کیا وہ خدا سے رحمان و رحیم جس کا یہ اعلان ہے،

كُتِبَ عَلَى نَفْسِهِ الرَّحْمَةُ ط اُس (خدا) نے (مخلوقات پر) رحمت کو اپنے اوپر واجب کر لیا ہے، (العامر - ۲)

سَلَّمَ عَلَيْكُمْ كُتِبَ رَبُّكُمْ عَلَى نَفْسِهِ الرَّحْمَةُ ط تم پر سلامتی ہو، تمہارے رب نے رحمت کو اپنے اوپر فرض ٹھہر لیا ہے، (العامر - ۶)

وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ (اعراف - ۱۹) اور میری رحمت نے ہر چیز کو سمایا ہے،

وَرَبُّكَ الْغَفُورُ ذُو الرَّحْمَةِ (کاف - ۸) اور تیرا پروردگار بخشنے والا رحمت والا ہے،

وَرَحْمَتِي سَبَقَتْ غَضَبِي (ہیجہ بخاری) اور میری رحمت، میرے غضب پر سبقت لی گئی،

وہ اپنے گنہگار و سیدہ کار بندوں سے ہمیشہ کے لئے اپنا منہ موڑے گا، حالانکہ اُس کی رحمت غرض سے نہیں، بلکہ بے غرض ہو فرمایا،

وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ (العامر - ۱۶) اور تیرا رب بے نیاز رحمت والا ہے،

اور تسلی دی ہے،

يُعْبَادِي الَّذِينَ آمَنُوا فِي آيَاتِ الْفَسَادِ ط اے میرے وہ بندو پیغمبروں نے اپنے اوپر آپ ظلم

تَنْظُرُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ
الَّذِينَ تَابُوا مِنْهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ
جیسا کہ خدا کی رحمت سے ناامید نہ ہو، خدا ب
گناہوں کو معاف کرتا ہے بیشک ہی بخشنے والا رحمت
(زمر-۶) والا ہے

اس کی رحمت کا ظہور جس طرح اس دنیا میں ہوا ہے، اُس دنیا میں بھی ہوگا، اور وہ ان اس کی رحمت کا سب
سے بڑا منظر اُس کے مقام لعنت (دوزخ) سے دوری، اور اُس کے مقام رحمت (بہشت) سے قریب، فرمایا،
مَنْ يُصِرْ عَنْهُ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمَهُ
وَذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِينُ
جس سے خدا کا عذاب ہٹایا گیا، تو وہ وہی ہے
جس پر اُس نے اپنی رحمت کی، اور اُس کی رحمت
(انعام-۲) کا یہ حصول ہی کھلی کامیابی ہے،

اللہ تعالیٰ کی ان پے بہ پے رحمتوں کا یہ تقاضا ہے کہ وہ گنہگاروں کو زیادہ سے زیادہ یہ کہ ان کے نتائج
عمل کے بھگت لینے کے بعد بالآخر اپنی رحمت کے سایہ میں لے، اور ان کو اپنی بخششوں سے سرفراز فرمائے،
دوزخ قید خانہ نہیں شفا خانہ ہی، انسان جب عدم حفظِ صحت کی غلط کاریوں کے سبب بیمار ہو جاتا ہے، تو اکثر یہی سمجھا
جاتا ہے کہ فطرت نے اُس کو ان کے معاوضہ میں بیماری کی تکالیف کی سزا میں دی ہیں، اگر واقعہ یہ نہیں ہے،
واقعہ یہ ہے کہ ان غلط کاریوں کے جو نتائج بد انسان کے جسم کے اندر پیدا ہو گئے ہیں ان کو دور کرنے کے لیے جسم
انسانی جدوجہد کرتا ہے، اور اُس کی اس لڑائی کا نام بیماری اور اس لڑائی کی کشمکش کا نام بیماری کی تکالیف و آلام
ہے، جنکو ہم دردِ سرورِ شکم، اعضا، ٹانگیں، بیخوابی، وغیرہ الفاظ سے تعبیر کرتے ہیں، یہی روحانی بیماریوں کا حال
ہے، جنکو ہم اصطلاح میں گناہ کہتے ہیں، اور ان کے نتائج بد کا نام اصطلاح شرعی میں عذاب ہے، جو آتشِ دوزخ
اس کے شدائد و آلام کی صورت میں ظاہر ہوگا، اور جس کا نشانہ یہ ہے کہ روح انسانی اپنی غلط کاریوں کے نتائج بد
کو دور کرنے کیلئے جدوجہد میں مصروف ہوگی، اور جو نبی وہ ان سے عہدہ برآ ہوگی، خدا کی رحمت سے سرفرازی پا
اس عذاب سے نکل کر اپنی موافق بہشت میں داخل ہوگی،

اس تہید سے یہ ظاہر ہے کہ دوزخ کی مثال نہیں ہے کہ وہ مجرموں کے لیے قید خانہ ہے، بلکہ یہ ہے کہ وہ بیمار کے لیے شفا خانہ ہے، بیمار کو شفا خانہ کے اندر بھی ہر قسم کی تکلیفیں محسوس ہوتی ہیں، درد، اعضا شکنی، تشنگی، سوزشِ جہم، اُس کو وہاں کڑوی سی کڑوی دوا پلائی جاتی ہے، بد مزہ سے بد مزہ کھانا کھلایا جاتا ہے، ضرورت ہوتی ہے تو اُس کو تشدد دیا جاتا ہے، اُس کا کوئی عضو کاٹا جاتا ہے، کوئی داغا جاتا ہے، اور ان سب کی تکلیفیں اُس کو اٹھانی پڑتی ہیں، مگر یہ ساری "ایذا رسانی" کسی انتقام اور تکلیف دہی کی غرض سے نہیں ہوتی، بلکہ اُس کے عدمِ صحت کی غلط کاریوں کے نتائج بد سے اُس کے جہم کو محفوظ رکھنے کی غرض سے کی جاتی ہے، اور جو تکلیفیں اُس کو وہاں محسوس ہوتی ہیں، وہ گوشت خانہ کے اندر ہی محسوس ہوتی ہیں، مگر ان کا سبب شفا خانہ نہیں، بلکہ خود اُس بیمار کا اصولِ صحت سے دانستہ یا نادانستہ انحراف کرنا اور اسکی وجہ سے ان بیماریوں میں مبتلا ہونا ہے،

یہ اصول اُن آیات اور اُن احادیثِ صحیحہ سے پوری طرح سمجھ میں آتا ہے جنہیں بالآخر عذابِ دوزخ سے نجات کی کیفیت بیان لگائی ہے، دنیاوی اَلام و تکالیف کی نسبت قرآن نے یہ اصول پیش کیا ہے،

وَلِيُخَيِّصَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَيَمْحَقَ الْكَافِرِينَ اور تاکہ خدا ایمان والوں کو پاک خالص کرے اور کافروں کو مٹائے،

(ال عمران - ۱۴)

یہی اصول عذابِ اخروی پر صادق آتا ہے، کہ اس سے بھی مقصود گنہگار اہل ایمان کی پاکی و صفائی ہے، چنانچہ حدیثِ صحیح میں ہے کہ حقوقِ عباد کے بعد

حَتَّىٰ إِذَا هُذِّبُوا وَنُقُوا اُذِّنْ لَهُمْ فِي یہاں تک کہ جب گنہگار چھپٹ جائیں گے اور پاک
دخول الجنة، (صحیح بخاری باب القصاص) صاف ہو جائیں گے، تب اُن کو جنت میں داخل
یوم القيامة ص ۹۶) ہونے کی اجازت ملے گی،

اس حدیث میں یہ دو لفظ ھُذِّبُوا وَنُقُوا درالتشریح طلب ہیں، ھُذِّبُوا کا مصدر تھذیب ہے، تہذیب کا
یعنی معنی یہ ہیں کہ دھنوں کی خراب شاخیں اس لیے چھانٹ دی جائیں تاکہ درخت میں سرسبزی و شادابی

پیدا ہو کر ترقی کی نئی زندگی سکول جائے، اور نفع کا مصدر تنقیہ ہے، تنقیہ کے اصلی معنی یہ ہیں کہ کسی چیز کے اندر سے خراب و فاسد مادہ کو الگ کر دیا جائے، تاکہ وہ پوری طرح نکھر جائے، اس تشریح سے صاف کھل گیا کہ گنہگاروں کو جنت کے داخلہ کے لیے کیا درکار ہے، اسی لیے قرآن پاک میں ہے کہ اہل جنت جب جنت کے قریب پہنچیں گے تو نداء اُٹے گی،

طِبْتُمْ فَأَدْخُلُونَهَا خَالِدِينَ (نور - ۵۴) تم پاک صاف ہو چکے تو جنت میں سدائے جاؤ،

الغرض جب اُس طبیب پاکیزگی کا دورائیکا تو گنہگاروں کو بھی نجات ملیگی، اسی لئے ہر گنہگار کے لیے دوزخ کو نکلنے کی مدت خواہ کتنی ہی طویل ہو، مگر بہر حال اسکی انتہا ہے، فرمایا،

لَا يَتَبَيَّنُ فِيهَا أَحَدًا، (نبا - ۱) دوزخ میں وہ صد ہا سال تک بڑے رہیں گے،

لیکن بالآخر ان صد ہا سال کا بھی ایک دن خاتمہ ہوگا، اور خدا نے چاہا تو ان کو نجات ملیگی،

حدیث روایاتے برنخ میں ہے کہ آپ نے دوزخ میں کچھ ایسے لوگوں کو بھی دیکھا جنہوں نے کچھ اچھے اور کچھ برے کام کئے تھے، اُن کا آدھا دھڑ تو نہایت خوبصورت اور آدھا سخت بدصورت تھا، جب انکی سزا کی مدت ختم ہوئی تو فرشتوں نے اُن سے کہا کہ جاؤ اور اُس نہر میں جا کر پڑ جاؤ، سامنے وہ نہر تھی جس میں خالص سپید پانی بہ رہا تھا، وہ اُس میں جا کر پڑ گئے، پھر نکل کر آئے تو انکی وہ بدصورتی جاتی رہی، اور نہایت خوبصورت ہو گئے، اس سے ظاہر ہے کہ خدا کی رحمت کیونکر گنہگاروں کو سرفراز فرمائیگی۔

گویا دوزخ بھی ایک نعمت ہے، اس تفصیل کے بعد اگر یہ کہا جائے، کہ قیامت اور دوزخ کی ہولناکیاں، اور سزائیں بھی گنہگاروں کے لیے اللہ تعالیٰ کی اسی طرح نعمت ہیں جس طرح اس دنیا میں شفا خانوں کا وجود بیماروں کے لیے نعمت ہے، اگر دوزخ نہ ہوتی تو گنہگاروں کی پاکیزگی، اور پاکوں کی جنت میں اُن کے داخل ہونے کی کوئی صورت نہ تھی، اس رحمان و رحیم کی رحمت و کرم نے گوارا نہ کیا کہ ان بد بختوں کو ان کی نافرمانیوں کے باوجود ہمیشہ کے لیے

لے صحیح بخاری کتاب التعمیر،

مردم رکھا جائے، اس لیے اُن کی صفائی کے لیے پہلے دوزخ کا تمام مقرر کیا، اور جو اس سے بھی پاک نہ ہو سکیں اُن کے لیے دوزخ کی آگ مقرر کی، کہ وہ اپنی ہر قسم کی بد اعمالیوں کے میل کچیل کو جلا کر نکھر کر پاک ہو جائیں، اور کُندن بن کر بالآخر اپنی آبائی اور فطری ورثت (جنت) پائیں، اس نظریہ کو پیش نظر رکھ کر قرآن پاک کی ان آیتوں کو پڑھتے جنہیں قیامت اور دوزخ کی ہولناکیوں اور مصیبتوں کو بھی نعمت سے تعبیر کیا گیا ہے، فرمایا:-

يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شَوْاظٌ مُّنَّانٍ رَوَّاحَتُهَا فُلا	تم پر آگ کے صاف اور دھواں لے شعلے چھوٹیں گے،
تَنْتَضِرَانِ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ فَاِذَا	پھر کوئی تمہاری مدد نہ کر سکیگا، تو اپنے پروردگار کی کن
الْشَّقِيقَتِ السَّمَاءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ	نعمتوں کو جھٹلاؤ گے، پھر جب آسمان پھٹ کر ٹھٹھ
فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ فَيَوْمَئِذٍ	کی طرح گلابی ہو جائیگا، تو اپنے پروردگار کی کن
لَا يُسْئَلُ عَنْ ذُنُوبِهِ إِنْسٌ وَلَا جَانٌّ	نعمتوں کو جھٹلاؤ گے، پھر اُس دن کسی انس و جن سے
فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ يَعْرِفُ الْجُجْرُؤُنِ	اُس کے گناہ کی نسبت پوچھا نہ جائیگا، تو اپنے پروردگار
بَيْنَهُمْ فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِي وَالْأَقْدَامِ	کی کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے، گنہگار اپنی نشانیوں سے
فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ هَذِهِ جَهَنَّمُ	پہچان لئے جائیں گے، پھر وہ اپنی پیشانیوں کے بال
الَّتِي يُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُونَ لَا يَطُوقُونَ	اور پاؤں سے پکڑے جائیں گے، تو اپنے پروردگار کی
بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَمِيمٍ اِنْ فَبِأَيِّ آلَاءِ	کن نعمتوں کو تم جھٹلاؤ گے، یہ وہ دوزخ ہے جسکو
رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ	گنہگار جھٹلاتے تھے، وہ اس دوزخ اور گرم پانی کے

(رحمان - ۲)

بیچ میں گشت کریں گے تو تم اپنے پروردگار کی کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے،

ان آیتوں کی تفسیر کسی پہلو سے بھی کیجئے، یہ بات بہر حال ماننی پڑے گی، کہ قیامت اور دوزخ کے ہولناک احوال مجرموں کے حق میں نعمت ہیں، اس لیے بھی کہ دنیا میں وہ اُن کے ڈر سے برائیوں کو چھوڑ کر راہِ راست پر آتے ہیں اور اس لیے بھی کہ آخرت میں وہ انھیں کے ذریعہ سے اپنے گناہوں کے نتائجِ بد سے بری ہو کر بہشتِ ربانی کے

لائق بن سبکین گے،

دوزخ میں جہنم الہی کا | انسان اور وہ بھی اللہ اور رسول کا معترف تھا کہ کسی قدر گمراہ اور گنہگار ہو تاہم اُس کے نامہ اعمال
ظہور اور نجات، | میں کچھ نہ کچھ نیکیاں ضرور ہونگی، قیامت کو اللہ تعالیٰ کے عتاب بے جلال کا روز ہوگا، حسین گنہگار

کو اپنی گنہگاری کا لازم ہونا پڑیگا مگر بالآخر اس رحمان و رحیم کی شانِ جہی کا ظہور ہوگا اور رَحْمَتِي مَبْقُوتٌ غَفَّابِي
(اور میرے غصہ سے میری رحمت بقیہ کی گئی ہے) کے اعلان کا مصداق شفاعت کی صورت میں جلوہ گر ہوگا،
اور گنہگاروں کو اُس کی بدولت گناہوں کے داغ سے پاک و صاف کر کے پاکوں کی بہشت میں دھندلہ کی
اجازت ملے گی، فرمایا،

وَمَنْ يُؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُكَفِّرْ
اور جو اللہ پر ایمان لائے اور اچھے کام کرے اُس سے
عَنْهُ سَيِّئَاتِهِ وَيُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ (توبہ: ۱)
اُسکی برائیوں کو مٹا دے گا، اور اُسکی جنت میں داخل کرے گا،
وَاٰخِرُونَ اعْتَرَفُوا بِذُنُوبِهِمْ خَلَطُوا عَمَلًا
اور دوسرے لوگ جنہوں نے اپنے گناہوں کا اقرار
صَالِحًا وَاٰخِرُ سَيِّئَاتِهِمْ اَعْسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوبَ
کیا، اور ملایا ایک کام نیک اور دوسرا بد شاید اللہ
عَلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (توبہ: ۱۳)
انکو معاف کرے، بیشک اللہ بخشنے والا رحم والا ہے،

احادیث صحیحہ میں اس کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حسب ذیل تصریحات مذکور ہیں۔

۱۔ حضرت جابر سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شفاعت کے ذریعہ لوگ دوزخ سے چھوٹی لکڑیوں کے

ماند نکلیں گے، (صحیح بخاری، کتاب الشفاعۃ)

۲۔ حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دوزخ سے کچھ لوگ اُسکی مجلس کھاکر

نکلیں گے، اور جنت میں داخل ہونگے، ()

۳۔ حضرت ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت والے جنت میں اور دوزخ والے

دوزخ میں داخل ہو چکیں گے، تو خدا فرمائیگا کہ جس کے دل میں رائی کے برابر بھی ایمان ہو اس کو دوزخ سے نکالو

تو وہ کوئلے ہو کر نکلیں گے، پھر وہ نہریات میں ڈال دیئے جائیں گے، تو وہ اس طرح اوگین گے جس طرح سیلاب کے بہاؤ میں جھگی دانہ اگتا ہے، (صحیح بخاری کتاب الشفاعۃ)

۴۔ حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ آپ نے قیامت کے حالات بیان کرتے ہوئے فرمایا: پھر میں سجدہ میں گر پڑوں گا، اور پڑا رہوں گا، تو آواز آئے گی کہ اے محمدؐ! سر اٹھا، مانگ دیا جائیگا، تو میں سر اٹھاؤں گا، اور اُس حمد جو خدا مجھے سکھائیگا اُس کی حمد کروں گا، اور سفارش کروں گا، تو خدا ایک حد مقرر فرمائے گا، تو میں اُن کو دوزخ سے نکالوں گا، اور جنت میں داخل کروں گا، پھر لوٹ کر آؤں گا، اور سجدہ میں گر پڑوں گا، پھر وہ کچھ لوگوں کو بخش دیگا، اسی طرح تیسری بھی چوتھی بار کروں گا، یہاں تک کہ دوزخ میں پھر وہی رہ جائیگا جس کو قرآن نے روک رکھا ہے، (ایضاً)

۵۔ حضرت عمران بن حصین سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ صلعم نے فرمایا کہ محمدؐ کی شفاعت سے کچھ ایسے لوگ دوزخ سے نکلیں گے، اور جنت میں داخل ہوں گے، جن کا نام جہنم واسے ہوگا، //

۶۔ حضرت ابو ہریرہؓ کے سوال پر آپؐ نے فرمایا کہ میری سفارش سے سرفراز ہونے کی خوش قسمتی اُس کو حاصل ہوگی جس نے خلوص قلب سے اللہ کی توحید کا اقرار کیا ہو، //

۷۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے فیصلہ سے فراغت پائیگا اور چاہے گا کہ اُن کو جہنم میں اُس کی توحید کی گواہی دی تھی دوزخ سے نکالے، تو فرشتوں کو اُن کے نکالنے کا حکم دے گا، فرشتے ان توحید والوں کو اس علامت سے پہچانیں گے کہ اُن کی پیشانیوں میں سجدہ کے نشان ہوں گے، کہ خدا نے آدمؑ کے بیٹے کی پیشانی کے نشان سجدہ کو دوزخ کی آگ پر حرام کر دیا ہے، تو وہ اُن کو جلائیگی، فرشتے جب اُن کو نکالیں گے تو وہ جلے جلے ہوں گے، پھر اُن پر آبِ حیات چھڑکا جائیگا تو وہ اس طرح اوگین گے جس طرح سیلاب کے بہاؤ میں جھگی دانہ اگتا ہے، (۱۰)

۸۔ حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ جنت والے اچھت اور دوزخ والے دوزخ میں داخل ہو چکے ہوں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا، دیکھو جس کے دل میں ایک رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہوا

دورخ سے نکالو تو وہ جل کر کوئلہ ہو کر نکلیں گے، پھر وہ نہر حیات میں ڈال دیے جائیں گے، تو اس طرح وہ اگنی کے
جس طرح سیل آب کے کنارے جنگلی دانہ اگتا ہے، (صحیح بخاری کتاب الایمان)

۹۔ حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ وہ اہل دورخ جو دورخ میں ہمیشہ رہیں گے وہ اُس میں
نہ مرنے نہ جننے کے لیکن وہ لوگ جبکہ دورخ کی آگ بعض گناہوں کی وجہ سے چھو لگی، تو وہ اُن میں کچھ دیر کے لیے مرنے
یہاں تک کہ وہ جل جائیں گے، پھر ان کے حق میں شفاعت کی اجازت ہوگی، تو وہ تھوڑے تھوڑے کر کے اُن گئے
اور جنت کی نہر دین میں بہیں جائیں گے، اور اہل جنت سے کہا جائیگا کہ ان پر پانی بہاؤ تو وہ اس طرح اوجھیں گے
جیسے سیلاب کے بہاؤ میں جنگلی دانے، (۷)

۱۰۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ سب سے آخر میں جو شخص دورخ سے نجات پا کر
نکلے گا، وہ گھٹتا ہوا نکلیگا، اور اُس کو جنت بہری معلوم ہوگی، (۷)

۱۱۔ حضرت ابوسعید خدریؓ سے صحیحین میں روایت ہے کہ خدا فرمایا کہ ملائکہ نے سفارش کی، اور پیغمبروں
نے سفارش کی، اور اہل ایمان نے سفارش کی، اور اب صرف وہ رہ گیا، جو تمام رحم کرنے والوں میں سب سے بڑا
رحم کرنے والا ہے، یعنی خود وہ رحمان و رحیم، تو وہ دورخ سے مٹھی بھر کر اُن لوگوں کو نکالے گا جنہوں نے کبھی کوئی بھلائی
نہیں کی، (صحیحین)

۱۲۔ حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ حکم ہوگا کہ جس نے لا الہ الا اللہ کہا ہو اور اُس کے دل
میں جو برابر بھی نیکی رہی ہو اُس کو دورخ سے باہر کرو، جس نے لا الہ الا اللہ کہا ہو اور گھوٹوں کے دانہ کے برابر بھی
اُس کے دل میں نیکی ہو، اور جس نے لا الہ الا اللہ کہا ہو اور جو اس کے دانہ کے برابر بھی اُس کے دل میں نیکی ہو،
اُس کو دورخ سے الگ کرو، (ترمذی، صفۃ النبا، حدیث حسن صحیح)

احادیث کی کتابوں میں ان معنوں کی اور بہت سی حدیثیں ہیں جن کا استقصا یہاں مقصود نہیں، ان
تمام حدیثوں میں قرآن پاک کی اس اہم آیت کا جلوہ موجود ہے،

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا
دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ ۚ

بیشک اللہ اس کو معاف نہ کرے گا کہ اُس کے ساتھ شریک کیا
جائے اور اس کے سوا جو گناہ ہے وہ اُس کو جس کے

(نساء - ۱۸) لیے چاہیگا معاف کر دیگا،

اس آیت میں تصریح ہے کہ شرک کے علاوہ ہر گناہ کے نتیجہ سے برأت کیجا سکتی ہے، مگر شرک وہ بیماری ہے جسے
نتائج سے عمدہ برآ ہونا ممکن نہیں، اس لیے اُن کے نتائج بد بھگتے بغیر نجات کا تصور بھی خدا کے قانونِ ابدی کے خلاف
شرک و کفر کی بنیادیں نہیں | احکامِ الہی اور شریعتِ ربانی کی کھلی ہوئی دو قسمیں ہیں، ایک کا تعلق دل اور فلسفے سے ہے
اور جو بمنزلہ اصل کے ہے، اس کو مذہب کی زبان میں ایمان، فلسفہ کی اصطلاح میں علم اور تصوف کی بولی میں
عرفان کہتے ہیں، اور دوسری قسم وہ ہے جو اس عقیدہ اول کی فرع اور نتیجہ ہے، اور جس کا تعلق اعضا اور جوارح سے
ہے اُس کو ہم مختصر اعمال اور تفصیلاً عبادات و معاملات اور اخلاق کہتے ہیں، شرک و کفر کے گناہ کا تعلق قسم
اول سے اور دوسرے گناہوں کا تعلق قسم دوم سے ہے، دونوں میں ایمان و علم و عرفان کی اگر ایک کرن بھی ہو تو
اس غلط فہمی کی روشنی کی امید کسی طرح کیجا سکتی ہے، مگر جس کا شانہ دل میں اس نور کا ایک ذرہ بھی نہ ہو اس کی روشنی
سے ہمیشہ کے لیے ناامیدی ہے، اسی لئے ایمان کے بغیر اعمال بھی کالعدم ہو جاتے ہیں، اور جہانِ ایمان کچھ بھی موجود
ہے، اعمالِ خیر کا کچھ نہ کچھ وجود ضروری ہے، البتہ اعمالِ شرک کا بھی ساتھ ساتھ وجود ہے، جسکی دوزخ کے عذاب اور جہنم
انہی سے تلافی ہو کر نجات مل سکتی ہے، ایمان و علم و عرفان جسکی حقیقت "بالغیب یقین" ہے، اس کا حصول موت
کے بعد جب حقائق خود بخود ہمارے سامنے آتے جاتے ہیں، ہماری سعادت کا نتیجہ نہیں، بلکہ خود اُن حقائق کے
ظہور کا نتیجہ ہوگا، اس بنا پر شرک و کفر کے گناہ کی مغفرت کی امید قانونِ الہی میں ناممکن ہے، البتہ عمل کی کمی کی تلافی
جو دوسری قسم کا گناہ ہے، خدا کی رحمت سے بعید نہیں ہو،

سمجھنے کے لیے ان دونوں کی کھلی ہوئی مثال یہ ہے کہ دنیا میں تعلیمی تحسان کے لیے ۲۳ نمبر کم از کم
فرض کیا گیا ہے اب اگر کسی کا پرچہ بالکل سادہ اور اس لئے اس کا نمبر صفر محض ہے تو رحمِ دل سے محنت

کے لیے بھی یہ نامکن ہے کہ اس کو ادنیٰ سے ادنیٰ درجہ میں بھی کامیاب کر سکے لیکن جس نے کچھ جوابات لکھے ہیں اور کچھ چھوڑ دیئے ہیں اور کچھ غلط لکھے ہیں تو اگر وہ ۲۹ و ۳۰ کے قریب بھی پہنچ گیا ہے تو رحمدل متحن ۳۳ تک اس کو پہنچا کر ادنیٰ درجہ میں کامیاب بنا سکتا ہے،

الغرض ایمان و علم و عرفان کے مجرم چمکانا مشرک و کافر ہے، اپنے ناقابلِ تلافی نتیجہ کے بھگتے بغیر عذابِ دوزخ سے رہائی کا تصور بھی نہیں کر سکتے کہ انکی دنیاوی زندگی کا عوفانی فقدانِ رحمتِ الہی کو اپنی طرف جذب کرنے کی قدرت ہی بفضلِ نہیں رکھتا، مگر کیا شرک و کفر کے گنہگاروں کے لیے شرک و کفر کے دورہ عذاب کے طے کر لینے کے بعد بھی رہائی کا تصور کیا جاسکتا ہے؟ اس کا جواب آئندہ سطروں میں ملیگا،

کیا دوزخ کی انتہا ہے؟ | دوزخ جو عقابِ الہی کا گھر ہے، کیا ہمیشہ آباد رہیگا؟ اللہ تعالیٰ کی رحمتِ عمومی کے قانون کے نزدیک اس کا جواب نفی میں ہے، اللہ تعالیٰ کی مقررہ مدتِ دراز کے بعد ایک دن ایسا کجا ب جہنم کی آگ

۱۔ ابتدائی اسلامی فرقوں میں جہنم کی ابدیت اور غیر ابدیت پر بہت سے مناظرے ہو چکے ہیں، جبکہ تفصیل میں دخل کی کتابوں میں موجود ہے، ایک دو کو چھوڑ کر اس پر قویٰ شہدہ قطعیٰ کیساتھ سب کا اتفاق ہو کر جنت کا وجود دائمی اور ابدی ہو، لیکن جہنم کے دوام اور ابدیت میں کئی اختلاف ہو، عام اہلسنت کا عقیدہ یہ ہے کہ جہنم اور جنت دونوں کا وجود دائمی ہے، گنہگار مومن اپنے گناہ کے بقدر عذاب ٹھاکر یا خدا کی رحمت سے متاثر ہو کر بالآخر جنت میں داخل کئے جائینگے لیکن مشرک کافر کے گناہ کبھی معاف نہ ہونگے، اور وہ ہمیشہ دوزخ میں جلیں گے، فقہاء اور محدثین کا ایک گروہ جو مرجعہ کہلاتا ہے اس بات کا قائل ہے کہ جو مومن ہو گا وہ گنہگار بھی ہو گا تو بھی دوزخ میں نہ جائیگا، بلکہ معافی سے سرفراز ہو کر شروع ہی سے جنت میں داخل ہو گا، اس کے برخلاف خوارج اور معتزلہ کا یہ عقیدہ ہے کہ مومن بھی اگر گناہ کبیر کا مرتکب ہو گا تو وہ بھی کفار کی طرح ہمیشہ دوزخ ہی میں رہیگا، اور بھی اس بارہ میں لوگوں کی مختلف رائیں ہیں، بعض شدید پریشان خواب میں از کثر تے تعبیر ہا، اہلسنت کے بعض محققین نے بیچ کا مسلک اختیار کیا ہے، چنانچہ علامہ ابن تیمیہ حافظ ابن قیم اور صاحبِ علم الشارح فی ایشار الخ علی الاباء والشارح نے یہ مسلک اختیار کیا ہے کہ جب گنہگار اپنے اپنے گناہوں کے بقدر عذاب پاچکیں گے تو جہنم فاکر دیجائیگی، اور جنت کو بقائے دوم بخشا جائیگا، حافظ ابن قیم نے اپنی دو کتابوں شفاء العلیل اور حاوی الارواح میں دونوں مطبوعہ ہیں، حاوی الارواح اعلام الموقعین کیساتھ چھپی ہے، انتہا ران اور احادیث و آثار اور نقل کی پیشینہ یوں سے اپنے مسلک کو مبرہن کیا ہے اور کچھ مضافات العلیل از ص ۲۵۷ تا ۲۶۲ حدیث مہر اور حاوی الارواح از ص ۱ تا ۳ مطبوعہ جدیدہ مصر صوفیہ میں شیخ محمد الدین ابن عربی اور اسکے متبعین یہ فرماتے ہیں کہ کافر و مشرک جن پر خلود ناک حکم ہو وہ بالآخر دوزخ میں رہتے رہتے ایسے ہو جائینگے کہ انکو کسی دوزخ میں راحت اور لذت معلوم ہونے لگی، جیسے بعض کپڑے غلاظتوں ہی کو پسند کرتے ہیں اور زمین میں لطف اٹھاتے ہیں، میں نے اس باب کو بہت ڈرتے ڈرتے لکھا ہے کہ اس میں اجالِ الہی کی تصریح کا جرم عائد ہوتا ہے

رحمت الہی کے پھینکوں سے بالآخر سرد ہو جائیگی، حدیث صحیح میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جنت میری رحمت اور دوزخ میرا عذاب ہے؛ اسی کے ساتھ حدیث صحیح میں وارد ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کا فیصلہ کیا، اسی وقت اُس نے اپنے عرش کے اوپر یہ لکھ دیا کہ

رَحْمَتِي سَبَقَتْ غَضَبِي
میری رحمت میرے غضب سے سبقت لگئی ہے،

پھر اگر دوزخ جو اُس کے غضب کا منظر ہے اسکی جنت ہی کی طرح دائمی وابدی ہو تو اُسکا غضب اُس کی رحمت پر سبقت لیے جاتا ہے یا برابر ہوا جاتا ہے، اور اس کا تخیل بھی اُس رحمان ورحیم کی نسبت نہیں ہو سکتا، اسی طرح حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کے سوحصوں میں سے صرف ایک حصہ دنیا میں اتارا اور ننانوے حصے قیامت کے دن کے لیے رکھے ہیں، اس لیے ماننا پڑتا ہے کہ ایک دن ایسا آئے گا جب اُس کے غضب پر اسکی رحمت غالب آئے گی، اور اسکی رحمت کے سوا کچھ باقی نہ رہے گا، اور یہ وہ دن ہو گا جب گنہگار اپنے گناہوں کی ناپاکیوں اور بخاستوں سے اپنے اپنے مقررہ وقت پر پاک ہو کر اسکی رحمت کی سرفرازی کے قابل بنیں گے۔ اسلام کے رو سے سب سے بڑے مجرم مشرک کافر ہیں اور جو اُس وقت تک نجات نہ پاسکیں گے جب تک دوزخ کے تنور میں ایک گرم کوئلہ بھی باقی ہے، تاہم اُن کے عذاب کی مدت کی نسبت بھی قرآن میں حسب ذیل تین تصریحات ہیں،

۱۔ لَا يَشِينُ فِيهَا آخِظًا (متحد۔) وہ دوزخ میں صد ہزار سال ٹھہریں گے،

صد ہزار سال کی مدت کسی قدر بڑی ہو، پھر بھی اُن کا خاتمہ ہے، دوسری آیت جو صریحاً کفار و مشرکین کے حق میں ہے یہ ہے،

(حانیہ ص ۷۰) اگر یہ اختیار کر دے پہلوی نہ ہو تو اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرمائے، اور توبہ کی توفیق بخشے، اور اپنی مراد کا دروازہ مجھ پر کھولے۔
۱۔ صحیح بخاری باب رحمت اللہ جلد دوم ص ۱۱۱ و صحیح مسلم، ۲۔ صحیح بخاری، باب ولقد سبقت کلماتنا لعبادنا المرسلین جلد دوم ص ۱۱۱ و صحیح مسلم باب سعة رحمة اللہ ص ۱۱۱ صحیح مسلم باب سعة رحمة اللہ،

۲۔ اَلَّذِي نَسُوا كَهَ خَالِدِينَ فِيهَا اِلَّا مَا نَشَاءُ
دوزخ ہو جا رہا تھا، اُس میں تم رہ رہے والے ہو لیکن

اللّٰهُ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيمٌ عَلِيمٌ (العام-۱۵) یہ کہ اللہ جو چاہے، بیشک تیرا رب حکیم و علیم ہے،

اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ شرک و کفر کی سزا تو اصل میں قانوناً یہی ہے کہ دوزخ میں دائمی سزا دی جاتی رہے، مگر اُس کی رحمت کا اقتضا کچھ اور ہے، لیکن وہ حکم و علیم ہے، اس لیے وہ اپنا ہر کام اپنی حکمت و مصلحت اور علم کے مطابق کرتا ہے، اور وہی جانتا ہے کہ کس کے حق میں کیا کرنا چاہیے، اور کب کرنا چاہیے، تیسری آیت میں ہے:-

۳۔ خَالِدِينَ فِيهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ
وہ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے، جب تک آسمان زمین قائم

وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا نَشَاءُ رَبُّكَ اِنَّ رَبَّكَ تَعَالٰی
ہیں، لیکن یہ کہ جو تیرا رب چاہے، بیشک تیرا رب

یُّبْدِلُ (ہو-د-۹) جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے،

دوسری اور تیسری دونوں آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں اپنی مشیت کو عذاب کی انتہا بتایا ہے، اور ان دونوں میں اپنے کو ”رب“ کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے، جس سے اشارہ نکلتا ہے کہ اسکی مشیت سے بالآخر اس عذاب کا ختم ہو جانا، اسکی ”ربوبیت“ کا اقتضا ہے،

قرآن پاک میں کوئی ایسی صاف صریح آیت موجود نہیں ہے جس سے دوزخ کی بقائے دوام، عدم انتہا، اور تسلسل وجود پر تصریح استدلال کیا جاسکے، حالانکہ اس کے برخلاف بہشت کی ہمیشگی و بقا اور عدم انقطاع و عدم فنا کی بیسیوں آیتیں قرآن پاک میں موجود ہیں، چنانچہ ان دونوں کے فرق کو اچھی طرح سمجھنے کے لیے اس اوپر والی آیت کو ہم تمام و کمال یہاں نقل کرتے ہیں، فرمایا،

فَاَمَّا الَّذِينَ شَقُّواْ فِي النَّارِ لَهُمْ فِيهَا زَفِيرٌ
تو لیکن جو بد بخت ہوئے وہ دوزخ میں ہونگے اُس میں

وَشَهِيْنٌ اٰخِلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ
ان کو گدھوں کی طرح چلانا اور رہنا ہے، جب تک

وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا نَشَاءُ رَبُّكَ اِنَّ رَبَّكَ
آسمان اور زمین میں وہ اس دوزخ میں رہینگے

فَقَالَ لِمَا يُرِيدُ، وَمَا الَّذِي سَعِدُوا
مَكَرَ جَوَّ چاہے تیرا رب بیشک تیرا رب جو چاہے کر دے
فِي الْجَنَّةِ خُلْدٌ مِنْ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمَاوَاتُ
ہے اور لیکن وہ جو خوش قسمت ہوئے تو وہ جنت میں
وَالْأَرْضُ إِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ عَطَاءٌ غَيْرُ
ہونگے ہمیشہ اُس میں رہیں گے جب تک آسمان و زمین
تَجَدُّوْا (سجۃ ۹-۱۰) قائم رہیں، مگر جو چاہے تیرا رب یہ غیر منقطع بخش ہوگی

دیکھو کہ اہل جنت اور اہل دوزخ دونوں کے لیے خلود دوام فرمایا، پھر ان دونوں میں اس کے بعد اپنی مشیت سے امتنا فرمایا، مگر اہل دوزخ کے دوام کے ذکر میں فرمایا کہ مگر جو چاہے تیرا رب بیشک تیرا رب جو چاہے کر دے اس سے معلوم ہوا کہ وہ چاہے تو دوزخ کے عذاب کو ختم کرے، اور چاہے تو قائم رکھے، لیکن اہل جنت کے دوام کے ذکر میں تصریح فرمایا، مگر جو چاہے تیرا رب یہ غیر منقطع بخش ہوگی، اس سے معلوم ہوا کہ اہل جنت کے حق میں اسکی مشیت ہی ہوگی کہ وہ بے انقطاع اور غیر منتہی دوام و تسلسل کیساتھ ہمیشہ قائم و باقی رہے، اس آیت کی تفسیر میں متحدہ دائمہ سلف مثلاً ابن زید اور شعبی وغیرہ نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل جنت کے بارہ میں تو اپنی مشیت ظاہر فرمادی کہ وہ مسلسل اور غیر منقطع ہے، لیکن اہل دوزخ کی نسبت اپنی مشیت کو کسی مصلحت سے مخفی رکھا ہے،

ایک اور مقام پر خاص طور پر کفار و مشرکین کا نام لیکر اس طرح فرمایا گیا ہے،

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ الْمَشْرُكِينَ
بیشک اہل کتاب اور مشرکون میں سے جنھوں نے
فِي نَارِ جَهَنَّمَ خُلْدٌ مِنْ فِيْهَا أُولَئِكَ هُمْ شَرُّ
کفر کیا وہ جہنم کی آگ میں (خالد) پڑے رہیں، یہ بدترین
الْبَرِيَّةِ، إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ
لوگ ہیں بیشک جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے وہ
أُولَئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ وَجَزَاءُ مَنْ
بہترین لوگ ہیں، ان کی جزا ان کے پروردگار
عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنَّاتٌ عِدْنُ تَجْرِي مِنْ
کے نزدیک بننے کے باغ ہیں، جن میں نہریں
تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خُلْدٌ فِيْهَا أَبَدًا (سجۃ ۲۰)
بہتی ہوں، وہ اس میں ہمیشہ (خالد) رہیں گے

نور سے دیکھو کہ اس میں اہل دوزخ کے مقابلہ میں اہل جنت کے دوام میں کتنی تاکید پر تاکید ہے، پہلے

یہ تفسیر فرمائی دے
دوسری جگہ بھی انفس
آیت اور دوسری جگہ
دائماً رہیں گے

”عدن“ فرمایا جس کے معنی قیام اور بسنے کے ہیں، پھر خالدین کہا کہ وہ اس میں رہا کریں گے بعد ازین ”ابد“ فرمایا کہ وہ جنت میں ابدی طور سے قیام کریں گے،

اسی طرح ایک اور سورہ میں ہے،

وَيُدْخِلُهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا
أَنْهَارٌ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ذَٰلِكَ الْفَوْزُ
الْعَظِيمُ، وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا
أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ خَالِدِينَ فِيهَا
بِئْسَ الْمَصِيرُ، (تغابن - ۱)

اور اُس کو ان باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے
سے نہریں بہتی ہوں گی جنہیں وہ ہمیشہ رہا کریں گے،
اور وہی بڑی کامیابی ہے، اور جنہوں نے انکار
کیا اور ہماری باتوں کو جھٹلایا، وہی دوزخ والے
ہیں، وہ ہیں رہا کرینگے، اور وہ بری جگہ ہے۔

دیکھو کہ تقابل دونوں میں خالدین (رہا کرینگے) اور خالدین فیما ابد (ہمیشہ رہا کریں گے) کا فرق کتنا نمایاں
ہے یہ کیا گیا ہے کہ کفار کے عذاب میں مدت کی تعیین سے سرے سے خاموشی برتی گئی ہے اور جنت میں خلود
کی تصریح فرمادی گئی ہے مثلاً

يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ فَأَمَّا
الَّذِينَ اسْوَدَّتْ وُجُوهُهُمْ أَكْفَرْتُمْ
بَعْدَ إِيمَانِكُمْ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا
كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ، وَأَمَّا الَّذِينَ ابْيَضَّتْ
وُجُوهُهُمْ فَفِي رَحْمَةِ اللَّهِ هُمْ فِيهَا
خَالِدُونَ، (الاعمران - ۱۱)

جس دن کچھ منہ سپید ہونگے اور کچھ سیاہ، تو جو
سیاہ ہوئے، تو کیا ایمان کے بعد کافر ہو گئے تھے،
تو اپنے کفر کی پاداش میں عذاب کا مزہ چکھو، اور
جسکے منہ سپید ہوئے تو وہ اللہ کی رحمت میں ہونگے،
اور اس رحمت میں سدا رہیں گے،

آیت بالا میں عذاب کے ذکر میں مدت کی تصریح سے سراسر خاموشی ہے، اور رحمت کے ذکر میں خلود
کی تصریح تمام ہے،

انہیں آیتوں کی تفسیر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور بعض صحابہ کرام سے روایتیں ہیں کہ ایک دن ایٹکا جب دوزخ کے میدان میں ہوگا عالم ہوگا اور کوئی ایک متنفس بھی وہاں نظر نہیں آئیگا، چنانچہ:-

۱۔ طبرانی میں حضرت ابو امامہ صحابی سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جہنم پر ایک دن ایسا ایٹکا جب وہ فزان رسیدہ پتے کے مانند ہو جائیگا، اور اُس کے دروازے کھل جائیں گے؛

۲۔ حضرت جابر یاسی اور صحابی سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جہنم پر ایک دن ایسا ایٹکا جہنم اُس کے دروازے کھل جائیں گے، اور اُس میں کوئی نہ ہوگا؛

۳۔ حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ میں جو کہتا ہوں وہ یہ ہے کہ جہنم پر ایک دن ایٹکا جب اُس میں کوئی نہ ہوگا؛

۴۔ تفسیر عبد بن حمید میں حضرت عمر سے روایت کی گئی ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ اگر اہل دوزخ ریگستان عالج کے ذرات کے بقدر شمار بھی دوزخ میں رہیں، پھر بھی ایک دن ایٹکا جب وہ اُس سے بچیں گے؛

۵۔ عبد اللہ بن عمرو بن العاص سے روایت ہے کہ جہنم پر ایک دن ایٹکا کہ اُس کے خالی دروازے کھل جائیں گے اور اُس میں کوئی نہ ہوگا، اور یہ اُس وقت ہوگا جب لوگ اُس میں صد ہزار سال (احتساب) کی مدت پوری کر لیں گے؛

۶۔ عبد الرزاق، ابن مسدد، طبرانی، ابویہی کی کتاب الاسماء والصفات میں ہے کہ حضرت جابر بن عبد اللہ

صحابی، یا ابوسید خدری صحابی یا کسی اور صحابی نے یہ فرمایا کہ اَلَا مَآ شَاءَ رَبُّكَ کا استثناء پورے قرآن پر حاوی ہے یعنی جہاں قرآن میں خَالِدٌ یُنْفِیْہَا (سدا میں رہیگی) ہے وہاں یہ منسبت الہی کا استثناء قائم ہے؛

۷۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود نے فرمایا کہ دوزخ پر ایک زمانہ ایٹکا جب اُس کے خالی دروازے کھل جائیں گے؛

دفعہ ششم | قرآن پاک میں ایسی بھی چند آیتیں ہیں جن سے لوگوں کو دوزخ کے دوام کا خیال ہوا ہے، مثلاً وہ آیتیں آیتیں جن میں کفار کو خلد یُنْفِیْہَا اَبَدًا ہمیشہ کے عذاب کی دہلی دی گئی ہے،

لے حافظ ابن قیم نے شفاء العیال (صفحہ ۲۵) میں ان روایات کو غیر مطبوعہ کتب تفسیر و حدیث سے نقل کیا ہے، ان میں سے بعض ابن جریر طبری میں بھی آیات مذکور کی تفسیر میں خصوصاً تفسیر سورہ ہود جلد ۱۲ صفحہ ۱۶۷ میں مذکور ہیں اور حافظ جلال الدین سیوطی نے بھی تفسیر در المنثور تفسیر سورہ ہود جلد ثالث صفحہ ۲۵ میں زیر آیت مذکورہ ہود ذکر کیا ہے، اور کتاب الاسماء والصفات بہیقی میں چوتھی روایت صفحہ ۱۲۳ مطبوعہ علامہ آبادی ہے

۱۔ اِنَّ اللّٰهَ لَعَنَ الْكَافِرِيْنَ وَاَعَدَّ لَهُمْ
۱۔ بیشک خدا نے کافروں پر لعنت کی، اور ان کیلئے

سَعِيْرًا خَالِدًا فِيْهَا اَبَدًا (احزاب ۸۰)
اگ تمہاری جہنمیں وہ ہمیشہ پڑے رہیں،

۲۔ وَمَنْ يَعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهُ نَارًا
۲۔ اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا، تو اس کے

جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيْهَا اَبَدًا (جن ۲)
یہ جہنم کی وہ آگ جہنمیں ہمیشہ پڑے رہیں،

۳۔ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَظَلَمُوْا لَمْ يَكُنِ اللّٰهُ
۳۔ بیشک جنہوں نے کفر کیا، اور حد سے آگے بڑھے،

لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا يَهْدِيْهُمْ طَرِيْقًا اَسْوَا
نہیں ہے کہ اللہ ان کو بخشنے اور نہ یہ کہ ان کو راہ دکھائے

طَرِيْقَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيْهَا اَبَدًا (نساء ۴۴)
لیکن جہنم کی راہ جہنمیں ہمیشہ پڑے رہیں،

ان تینوں آیتوں میں خَالِدًا فِيْهَا اَبَدًا (دورخ میں ہمیشہ رہیں گے) کا مطلب یہ ہے کہ ایسے لوگ
جنکے حق میں یہ تین آیتیں آئی ہیں، وہ اُس وقت تک دورخ میں ہمیشہ رہیں گے جب تک حسبِ مشیتِ الہی دورخ
کے خاتمہ کا دور نہیں آئے گا،

باقی چند آیتوں میں اَبَدًا (ہمیشہ) کے بغیر صرف خَالِدًا ہے جیسے

هُمْ فِيْهَا خَالِدُوْنَ، وہ اُنہیں "خالد" رہیں گے،

یا ایک جگہ ہے،

وَذُوْقُوْا عَذَابًا مُّتَعَدِّدًا بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُوْنَ (سجۃ)
اور غلوؤ کے عذاب کا مزہ چکھو،

تو یہاں ایک بات سمجھ لینی چاہئے کہ غلوؤ کے ذمہ داری میں ایک حقیقی دوام، اور دوسرے مقام طویل ان
دو میں سے کسی ایک معنی کی تخصیص بقرائن ہوگی، اسی دوسرے معنی کے اعتبار سے عربی اشعار میں پہاڑوں،
اور بدویانہ چوٹوں کے پھرون کے لیے خَالِد، اور خَالِدَات کے لفظ صفت میں آتے ہیں، کیونکہ وہ مادیرہ
اور زمانہ دراز تک باقی رہنے والے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ تنہا "خَالِد" کا لفظ ابدیت کے مفہوم میں صریح
نہیں جیسا کہ اس کے ساتھ کوئی اور قرینہ قائم نہ ہو، جو دوام کے معنی کی تخصیص کرے، جیسا کہ یہ قرینہ ان آیتوں میں

ہے جہاں اہل جنت کو خلدین کہا گیا ہے کہ تقریباً بیس آیتوں میں اس خلود کے معنی دوام اور عدم انقطاع کے بتائے گئے ہیں اس لیے جنت کے سلسلہ میں جہاں صرف خلدین بھی ہے وہاں ہمیشگی اور دوام ہی کے معنی لیے جائینگے برخلاف اس کے جہاں دونوں کے ساتھ خلدین کا لفظ ہے وہاں دوام کے مفہوم کیلئے کوئی قرینہ موجود نہیں اس لیے دونوں والی آیتوں میں خلود سے مقصود یہ ہے کہ گنہگار زمانہ دراز تک دوزخ میں رہینگے غالباً یہی وجہ ہو کہ گنہگار اہل ایمان کی سزائیں بھی خلدین کے ساتھ ابداً استعمال نہیں کیا گیا ہے گنہگار اہل ایمان میں سب سے بڑی دھمکی اس کو دی گئی ہے جس نے کسی مسلمان کا خون بے سبب بہایا ہو، مگر اس کے سامنے بھی خلدین کے ساتھ ابداً استعمال نہیں کیا گیا، فرمایا:-

وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَدًّا فَحَزَّاءُ جَهَنَّمَ

اور جو کوئی کسی با ایمان کو قصد قتل کر چکا تو سکا بد

خَالِدًا فِيهَا، (نساء-۱۳)

دوزخ ہی جہنم وہ خالداً یعنی مدت دراز تک پڑا رہیگا

یہی سبب ہے کہ منزلہ اور خواجه کے سوا تمام اہل اسلام اس بیگناہ مسلمان مقتول کے قاتل کی بالآخر بخشائش کے قائل ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ ان آیتوں میں "خلود" سے مراد ہمیشگی نہیں ہے، بلکہ زمانہ دراز ہے، کہ اہل توحید کی بالآخر نجات قرآن وحدیث کی متفقہ تعلیم ہے اور اس لئے مومن کے لیے اس کے کسی جرم کی سزائیں ہمیشگی کا مفہوم داخل ہی نہیں ہو سکتا، بنا بریں ان آیتوں میں خلود کے معنی منطقی دوام کے نہیں بلکہ عرفی دوام کے ہیں، یعنی مدت دراز کے، ہم عام طور سے مجرم کے لیے "جس دوام" کی قانونی اصطلاح بولتے ہیں جس سے مراد کبھی بد نام کیا قیامت تک کا زمانہ بھی نہیں ہو سکتا، بلکہ عمر بھر بھی نہیں بلکہ صرف اس سے قانونی قید کی دراز ترین مدت مراد ہے، جس کا قانونی اندازہ بیس سال کیا گیا ہے، کتنے مجرم ہیں جو اس مدت کو کالعدم آزادی حاصل کرتے ہیں اور ایسے بھی ہیں جو کسی شاہی عفو عام کے سلسلہ میں قبل از مدت رہائی پا جاتے ہیں۔

دو چار آیتیں ایسی بھی ہیں جن میں مذکور ہے کہ یہ گنہگار دوزخ سے الگ نہ ہوئے گا، چنانچہ وہ تین حسب ذیل ہیں

۱۔ بیشک گنہگار دوزخ میں ہیں، وہ انصاف کے سہیل

والدین، و مَا هُمْ عَنْهَا بِغَائِبِينَ، (انفطار)

۲۔ وقال الَّذِينَ اتَّبَعُوا لَوْ أَنَّ لَنَا كَرَّةً

فَنَنْتَبِرَ مِنْهُمْ كَمَا تَنْتَبِرُ وَاِمَّا كَذَلِكَ

يُرِيهِمُ اللَّهُ اَعْمَاءَ لَهُمْ حَصْرَاتٌ عَلَيْهِمْ

وَمَا هُمْ بِخَارِجِينَ مِنَ النَّارِ

(نفرۃ ۲۰)

۳۔ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوا لَوَ اَنَّ لَهُمْ مَّآفِ

اَلْاَرْضِ جَمِيعًا مِّثْلَ مَعْدِنِ لَيَمَسُّدُلًا

بِمِنْ عَذَابٍ يَوْمَ الْقِيَمَةِ مَا تُقْبَلُ مِنْهُمْ

وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيمٌ، يُرِيدُونَ اَنْ

يَخْرُجُوا مِنَ النَّارِ وَاَهُم بِخَارِجِينَ

مِنْهَا وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيمٌ،

(مائدا ۷۰)

۴۔ كُلَّمَا ارَادُوْا اَنْ يَخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ

غَمٍّ اَعْيِدُوْا فِيْهِمْ وَاَوْقُوْا عَذَابَ

الْحَرِيقِ، (حج ۲)

۵۔ وَاَمَّا الَّذِيْنَ فَسَقُوْا فَمَا لَهُمْ نَّارُ

كُلَّمَا ارَادُوْا اَنْ يَخْرُجُوْا مِنْهَا اَعْيِدُوْا

۱۔ بیشک گنہگار دوزخ میں ہیں، وہ انصاف کے سہیل

داخل ہونگے، اور وہ اُس سے چھپے نہیں رہ سکتے،

۲۔ اور کہیں گے کہ کاش ہم کو دوبارہ دنیا کی

زندگی ملتی تو ہم اپنے پیشواؤں سے ہی الگ

ہو جاتے جیسے وہ ہم سے یہاں الگ ہو گئے،

اللہ اُن کے کاموں کو ایسے ہی حسرتیں بنا کر انکو

دکھائیگا، اور وہ دوزخ سے نکلنے والے نہیں،

۳۔ بیشک جنہوں نے کفر کیا، اگر اُن کی ملکیت میں

کل روئے زمین ہو، اور اتنا ہی اور ہو تاکہ اُسکو

فدیہ دیکر قیامت کے عذاب سے رہائی پائیں

تو وہ اُن کی طرف سے قبول نہ ہوا، اور اُن کیلئے

دردناک عذاب ہے، وہ چاہیں گے کہ دوزخ سے

نکل جائیں لیکن وہ اس سے نکلنے والے نہیں

اور اُن کے لیے قائم عذاب ہی،

۴۔ وہ جب چاہیں کہ اس دوزخ سے غم کو چھو

نکل پڑیں، وہ اس میں لوٹائے جائیں گے، اور

دکھائیگا کہ (جلنے کی سزا) بکھو،

۵۔ اور لیکن جنہوں نے نافرمانی کی، تو اُن کا جگہ

دوزخ ہے، جب وہ چاہیں گے کہ وہ اس سے

فَتَجَاوَزَ قِيلَ لَهْمُذُو قَوَاعِدَ ابِ النَّكَرِ نَحْلُ جَائِنِ اِهْمِنِ لَوْنَادِيْ جَائِنِ اور کما جائیگا کہ رو

الَّذِي كُنْتُمْ بِهِ تُكَذِّبُونَ (مجاد ۲) کی اس مار کا ترہ چھو سیکو تم جھٹلاتے تھے،

یہ وہ پانچ آیتیں ہیں، جسے بعضوں کو عذاب دوزخ کے دوام اور غیر منقطع بقا کا خیال پیدا ہوا ہے، مگر ان میں سے ایک ایک آیت پر غور کرو تو ان کے خیال کی غلطی فوراً معلوم ہو جائیگی، پہلی آیت کا تفسیر اسی قدر ہے کہ کوئی گنہگار اگر یہ سمجھے کہ وہ کسی جگہ چھپ کر دوزخ کے عذاب سے بچ جائیگا، تو یہ محال ہے، کہ خدا سے چھپ کر بچ جانا کسی طرح ممکن نہیں، دوسری آیت کا مطلب یہ ہے کہ دوزخی کیسے کہ ہم کو دوزخ سے نکل کر دوبارہ دنیا میں جانے دیا جائے تو انکی ہم نگی کے کام کر نیئے، اس کے جواب میں کہا جائیگا کہ اب یہاں سے نکل کر دنیا میں دوبارہ جانا نہیں، تیسری آیت میں ہے کہ پورے روئے زمین کی دولت و بکری بھی آخرت میں نجات خریدی نہیں جاسکتی، اور نہ وہاں سے کوئی نکل کر بھاگ سکتا ہے، چوتھی اور پانچویں آیت کا صریح مفہوم یہ ہے کہ اگر کوئی دوزخی دوزخ کے عذاب سے گھبرا کر اس سے نکل بھاگنا چاہیگا تو وہ پکار پکار کر پھر اسی میں ڈال دیا جائے گا، ان آیتوں سے صرف اتنا معلوم ہوا کہ گنہگار از خود دوزخ سے نکل نہ سکیں گے، اور نہ مدت عذاب کے اندر وہ خلاصی پاسکتے ہیں، مگر اس حدیث کے حکم و اجازت سے بالآخر اس سے نجات پانے کی نفی نہیں نکلتی، اور نہ اس کی کہ بتدریج گناہ عذاب کی مدت بسر کرنے کے بعد بھی نجات نہیں مل سکتی، اور نہ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بہشت کی طرح دوزخ کو بھی غیر متناہی دوام نہ ملے گا،

یہی وہ آیتیں ہیں جسے گنہگاروں کے لیے دوام عذاب کا مفہوم نکالا جاسکتا ہے، مگر ایک ایک آیت کو غور سے پڑھو کہ ان میں سے کسی میں بھی دوزخ کے دوام بقا اور عدم فنا یا اس کے عذاب کے عدم انتہا کی تصریح ہے؟ حالانکہ اس کے بالمقابل جنت کی بقائے دوام اور عدم انقطاع کی تصریح بار بار اور بتکرار ہے،

ایک اور حکمہ خاص کے قابل ہے، اگر یہ بیان بھی لیا جائے کہ خدا نے گنہگاروں کو عذاب دوزخ کی ابدیت اور دوام کی دھکی دی ہے، تاہم اس حقیقت سے چشم پوشی نہیں کرنی چاہیے کہ نیکی کا بدلہ نہ دنیا یقیناً برائی ہے جس سے

اللہ تعالیٰ کی قدوسیت کا دامن تمام تر پاک کلمہ لکھنے والے کے لئے کھلا ہوا ہے اور وعدہ کے خلاف نہیں کرتا اِنَّہٗ كَانَ وَعْدًا
مَکْتُوبًا (مذہب) اُس کا وعدہ جنت پورا ہی ہوگا، لیکن اگر برائی کا بدلہ حسب ہتدیدہ سابق برائی کے ساتھ نہ دیا جائے، تو یہ
حقیقت میں خلاف وعدگی نہیں، جو قابلِ ملامت ہو، بلکہ اس کا نام مغفرت، کرم، عطا، اور عفو ہے جس کا اہل اس
رحمان و رحیم اور عفو و غفور سے بڑھ کر کوئی دوسرا نہیں، اس لیے گنہگاروں کے ساتھ جیسا کہ اُس نے فرمایا ہے، اپنی
حکمت و مصلحت کی بنا پر وہ جو چاہے کر سکتا ہے، چنانچہ مسند ابوالعلیٰ میں حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ آپ نے
فرمایا کہ خدا نے کسی نیک کام پر جس ثواب کا وعدہ فرمایا ہے وہ اُس کو ضرور ہی پورا کر دیا، لیکن جس کسی کو اُس کے کسی
کام پر عذاب کی دھمکی دی ہے تو اُس کو اختیار حاصل ہے۔

کوئی کہہ سکتا ہے کہ اگر بالآخر گناہوں کی مغفرت اور خدا کی رحمت میں یہ وسعت اور عموم ہے کہ بڑے سے
بڑے گنہگار بھی دوزخ کی آگ میں جل کر بالآخر پاک و صاف اور جنت میں داخل ہونے کے قابل ہو جائیں گے
تو اشارتِ کنایات کے بجائے اُن کی معافی کی صریح تصریح کیوں نہیں کر دی گئی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ
اگر ایسا کیا جاتا تو یہ اُن مجرموں اور گنہگاروں کے حق میں اچھا نہ ہوتا، کہ اس سے ان کے نادم و تائب ہونے
کے بجائے ان میں اور خود سری، گستاخی اور شوخی پیدا ہوتی، اور ان میں آئندہ کے نتائجِ بد سے نڈر پن اور بخوشی
آجائی، اور یہ تنبیہ و اصلاح و تدارک کی مصلحتوں کے سراسر منافی ہوتا، اس لیے انکی قانونی سزا، تو دائمی عتاب و
فرمانی اور بالآخر انکی نجات کو اپنی مشیت اور علم و مصلحت کے سپرد فرما کر، اُن کو ایک گونہ اپنے سے نا اُمید بھی نہیں
ہونے دیا، اور اُمیدِ عظیم کی حالت میں رکھ کر اپنے سامنے جھکنے اور توبت کرنے کا جذبہ بھی پیدا کر دیا، اور یہ اس باب
میں وہ عظیم الشان اصلاح ہے جس کو ایک طرف عیسائیوں نے کفارہ کی اور دوسری طرف ہندوؤں نے مذہب نے
کرم کی تعلیم و بکیر غارت کر دیا تھا،

عیسائیوں کا یہ عقیدہ تھا کہ حضرت عیسیٰ کے مصلوب ہو کر جی اٹھنے پر ایمان لانے سے تمام گناہ دفعہ معاف

ہو جاتے ہیں اس تعلیم نے اعمال کو غیر ضروری چیز ٹھہرا دیا تھا، ان کے برخلاف ہندو مذاہب نے خدا کو اتنا بے اختیار ٹھہرایا کہ اعمال بد کے نتائج جنکو کرم کہتے ہیں، خدا چاہے بھی تو وہ کبھی معاف نہیں ہو سکتے، لیکن اسلام نے اگر تڑپ کے ان دونوں پتوں کو برابر کر دیا، ایک طرف فرمایا کُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ، ہر نفس اپنے عمل کے ہاتھ میں گروہ ہے، (مدثر - ۲) اور دوسری طرف فرمایا يَغْفِرْ لِمَن يَشَاءُ وَيُعَذِّبْ مَن يَشَاءُ خدا جس کو چاہے بخش دے اور جس کو چاہے عذاب دے (مائدہ - ۳) یعنی قانوناً ہر انسان اپنے عمل کے نتائج کا یقیناً پابند ہے مگر خدا کی قدرت اور رحمت اس قانون کے باوجود جو چاہے کر سکتی ہے، جس طرح اس دنیا کا حال ہے کہ گو خدا کے بے ہوئے قانون یہاں جاری ہیں، جنکو آپ قانونِ فطرت کہتے ہیں، مگر یا اینہم اس کا حکم اور اسکی خواہش اور مصلحت ان پر بھی حاکم ہے، اور وہ جو چاہے کر سکتا ہے، اس تعلیم نے ایک طرف اعمال کو غیر ضروری ہونے سے بچالیا، اور دوسری طرف خدا کی قدرتِ تام اور رحمتِ عام کا دروازہ بھی کھلا رکھا،

عذابِ طویل کا سبب بعض کم فہم یہ اعتراض کرتے ہیں کہ انسان کا گناہ جو ایک لمحہ کا کام ہے، اُس کا عذاب اتنا طویل کیوں رکھا گیا، اسی طرح سال دو سال یا عمر بھر کے گناہ کی سزا صد ہا اور ہزار ہا سال کے عذاب سے دینا مناسب نہیں، حالانکہ یہ لوگ اگر دنیاوی ہی واقعات پر غور کرتے تو وہ ان کی تسکین کے لیے کافی ہوتے دنیا کا ہر بڑے سے بڑا قانونی گناہ ایک لمحہ میں انجام پا جاتا ہے، چوری کرتے، علفِ خلافِ فطرت کرتے یا کسی کو قتل کرتے کتنی دیر لگتی ہے؟ مگر اُس کے معاوضہ میں سب اہم سال کی قید ہم خود اپنی انسانی عدالت کا ہون میں تجویز کرتے ہیں، اور اس کو خلافِ عقل نہیں کہتے۔

دوسری صحیح تر مثال یہ ہے کہ انسان کو دیکھو کہ ذرا سی جسمانی بد پرہیزی، اور اھوٹوں بھٹ کی معمولی سی غلطی کے پاداش میں وہ کبھی مہفتوں، مہینوں، بلکہ سالہا سال بیمار رہتا ہے اور ایک مدت دراز میں جا کر کمین ان چند خون کی غلطی کی تلافی کر پاتا ہے اور کبھی اس معمولی غلطی کے بدولت عمر بھر اُس کے روگ میں مبتلا رہتا ہے، اور آخر میں جانِ پیتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ گناہ اور اسکی تلافی کی مدت میں کیسانی نہیں ہوتی بلکہ ہمیشہ غلطی کی مدت کے مقابلہ میں

اسکی تدانی کی مدت صد ہا اور ہزار ہا گنا زیادہ ہوتی ہے، کیونکہ طبیعت پر جو اثر پڑ جاتا ہے، اسکی تدانی کی مدت غلطی کی نوعیت طبیعت کی صلاحیت، اور خلاق عالم کی مصلحت کی بنا پر مختلف ہوتی ہے، اسی لیے عقاب طویل سے رہائی یا شفا یابی کی مدت بھی ہر گنہگار کے لیے یکساں نہیں ہو سکتی، واللہ اعلم بحقیقۃ الحال،

شرک کا فرق آخر انجام؟ اگر یہ صحیح ہے کہ بالآخر ایک دن جہنم کی آگ سرد ہو جائیگی، تو کیا اہل کفر و شرک بھی اپنے گناہوں سے پاک ہو کر رحم و کرم کے سزاوار ہو جائیں گے؟ جواب یہ ہے کہ،

قرآن پاک میں اسکی تصریح موجود ہے کہ شرک کفر کا گناہ معاف نہ ہوگا یعنی اُس کے اخروی نتائج کی پاداش ضروری ہے، اور یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ شرک کفر کی جزا، دوام عذاب، اور خلود نار (خُلِدَ یَنْ فِیْہَا اَبَدًا) ہے، یعنی جب تک دوزخ قائم ہے، اُس سے اُن کو نجات نہیں مل سکتی مگر جب حسب مشیت الہی وہ دن آئے کہ خود دوزخ کی مدت جہات ختم ہو جائے، تو اس وقت عجب نہیں کہ اُن کو بھی اس سے رہائی مل سکے، چنانچہ مشرکین کا فرین کے ذکر میں خدا فرماتا ہے،

قَالَ النَّارُ مُنْذُ الْخُلْدِ یَنْ فِیْہَا اَلَا تَشْہَدُ فَرَاغًا دوزخ کی آگ تمہارا ٹھکانا ہے، ہمیں ہمیشہ رہو گے

اللہ اِنَّ رَبَّکَ حَکِیْمٌ عَلِیْمٌ (العنکبوت: ۱۵) مگر یہ کہ جو چاہے اللہ بیشک تیرا پروردگار حکمت اور علم والا ہے

اس آیت کا آخری ٹکڑا خاص طور سے غور کے قابل ہے، فرمایا: تیرا رب حکمت اور علم والا ہے۔ اس موقع پر خدا کے لیے خاص طور سے رَبَّ کا لفظ لانا، یہ معنی رکھتا ہے کہ اُس کی شان ربوبیت اگر چاہے گی، اور اُس کے غیر محدود علم و حکمت کا اقتضا ہوگا تو دوزخ کے خاتمہ پر اُن کو رہائی مل سکیگی،

لیکن ہمیں شک ہے کہ آیا اس کے بعد بھی وہ جنت میں داخل ہو سکیں گے، کیونکہ حضرت عیسیٰؑ کی زبان سے تشرناب میں یہ تصریح الہی ہے،

اِنَّہٗ مِنْ تَشْرِیْکٍ بِاللّٰہِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰہُ

عَلٰیہِ الْجَنَّةَ وَمَا وَدَّ النَّارِیُّ (سائیکہ: ۱۰) یہ کہ بے شک اللہ کا جو شرک بنا سکا، تو اللہ نے اُس پر جنت حرام کر دی ہے، اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے،

نیز ایک اور آیت میں ہے،

إِنَّ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَاسْتَكْبَرُوا
عَنْهَا لَا تَفْتَحُ لَهُمُ الْبَابَ السَّمَاءِ وَلَا
يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتَّى يُلَاقُوا فِي
سَمِّ الْحَيَاظِ (اعراف-۵)

الغرض خدا کے اعلان کردہ قانون جزا کا اقتضا تو یہی ہے کہ گواہ کے لیے کبھی دوزخ کا خاتمہ بھی ہو جائے
مگر جنت کے احاطہ میں ان کا گزر نہ ہو، لیکن اسکی رحمت و مغفرت کا دائرہ اس سے بھی بڑھ کر ہے، جیسا کہ خود اس نے
اہل دوزخ کی نسبت کہا ہے کہ

إِنَّمَا شَاءَ رَبُّكَ إِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا
يُؤْتِيهِ (هود-۹)

وہ خدا دوزخ میں بھیجے، لیکن تیرا رب جو چاہے، بیشک
تیرا رب جو چاہے کر گزرتا ہے،

اس دائرہ کی وسعت کو کون کم کر سکتا ہے کہ پھر اس کا یہ بھی اعلان ہے کہ

وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ (اعراف-۱۵)

اس رحمت عام کی وسعت سے آسمان و زمین کا کون گوشہ محروم ہے؟ اس سے بڑھ کر یہ کہ پیغمبر کے جھٹلانے
والوں کو کہا جاتا ہے کہ

وَأَن كَذَّبُواْ فَقُلْ أَرْبُكُمْ ذُو حَسْبَةٍ
وَأَسْعَدِيْهِ وَلَا يَرْزُقُكُمْ بَأْسُنَا نَحْنُ الْقَوَّامُونَ
الْمُجْتَبِئِينَ، (انعام-۱۵)

اے پیغمبر اگر وہ تجھے جھٹلائیں، تو کہہ دے کہ تمھارا پروردگار
وسیع رحمت والا ہے اور اس کا عذاب گنہگاروں کو
رہایا نہیں جاسکتا،

یعنی کسی دوسرے میں یہ طاقت نہیں کہ اس کے بھیجے ہوئے عذاب کو گنہگاروں کے سر سے ٹال دے
لیکن خود اسکی رحمت بڑی وسیع ہے، وہ چاہے تو ان کو دنیا ہی میں ہدایت دیکر جنت نصیب کرے یا آخرت

میں عذاب دینے کے بعد درگزر کر دے، اور اُس کی اصلی رحمت کا محل وہی ہے جہاں کسی دوسری رحمت کا وجود نہ ہوگا، فرمایا،

مَنْ يُصِرَّ عَذْلَهُ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمَهُ ط (الغافر-۱۵)
 جس سے اُس دن عذاب ہٹا لیا، تو خدا نے اس پر رحم کیا،
 صحیح بخاری و ترمذی میں ہے کہ آنحضرت صلیع نے فرمایا کہ اگر مومن کو معلوم ہو کہ خدا کے پاس کتنا عقاب ہی
 تو وہ جنت سے ایسا ہو جائے اور اگر کافر کو یہ معلوم ہو کہ اسکی رحمت کتنی وسیع ہے، تو وہ بھی جنت سے ناامید نہ ہو،
 صلح الدین سعدی نے غالباً اسی حقیقت کو اپنے ان دو شعرون میں ادیا ہے،

بہ تمہید اگر بکشد تیغِ حکم بہ مانند کز و بیانِ صم و نکم
 و گرد و ہد یک صلائے کرم عز ازل گوید نصیبِ برم

خود اُس رحمان و رحیم کا ارشاد ہے کہ جس کی بادشاہی آسمان و زمین کو محیط ہے وہ جو چاہے کر سکتا ہے،

يَغْفِرُ لِمَن يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَن يَشَاءُ جسکو چاہتا ہے بخشتیتا ہے، اور جسکو چاہے عذاب دیتا ہے،

وَاللّٰهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَمَا
 بَيْنَهُمَا وَاللّٰهُ الْمَصِيْرُ (مائدہ-۳)

بادشاہی ہی، اور اسی کی طرف لوٹکر جاتا ہے،

لیکن اسکی مشیت جیسا کہ اُس نے (انعام رکوع ۱۵) میں فرمایا ہے، اسکی وسیع حکمت و مصلحت پر مبنی ہے، و

جو چاہے کر سکتا ہے، مگر کرنا وہی ہے جو اسکی مصلحت و حکمت کا تقاضا ہوتا ہے،

اس سے زیادہ اس باب میں کچھ اور کتنا حد سے آگے بڑھنا ہے، کہ حکمی تصریح خود خدا سے تعالیٰ نے نہیں

فرمائی، اسکی تصریح کا حق کسی کو کیا ہے، اس لیے شرک و کافر کے آخر انجام کے سوال کا جواب صرف مشیت الہی

ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے،

اَلَا تَرٰۤیۤ اَنَّا خَلَقْنَاۤ اِلٰہَآ مَا شَآءَ اللّٰهُ دوزخ تمہارا ٹھکانا ہے، اس میں سدا رہو گے، لیکن جو چاہے

اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ (الغافر-۱۵) اللہ بیشک تیرا پروردگار حکمت والا، اور علم والا ہے،

بہشت و دوزخ کی جزا و سزا بھی تشبیہی ہو،
 و سزا بھی تشبیہی ہو،
 اوپر عالم برزخ کے ذکر میں ہم بتفصیل بتا چکے ہیں کہ جزا و سزائے اخروی تمام تشبیہی ہوگی اس
 تشبیہ کے ذمہ معنی ہیں، ایک یہ کہ جیسا عمل ہوگا اُسی کے مناسب و مشابہ اسکی جزا یا سزا ہوگی

مثلاً قرآن میں ہے کہ جو رکوع یعنی اپنے مال کا ٹٹیل کھیل مستحقین کو کھانے کے لیے نہ دے گا تو اس کو دوزخ میں نہ خون
 کا دھوون کھانے کو ملیگا، یا یہ کہ جو خدا کی راہ میں اپنی جان دے گا، مرنے کے بعد اس کو جانِ تازہ اور حیاتِ نو بخشی
 جائے گی، وہ دولت مند جس کو دھوپ کی تپش سے بچنے کے لیے قہر و محل اور پیشے کے لیے ٹھنڈے سے ٹھنڈا پانی اور
 عزت کی جگہ عنایت لگائی تھی، اگر اس نے دنیا میں ان نعمتوں کے ملنے کا حق اس دنیا میں ادا نہ کیا تو دوسری دنیا میں
 اس کو یہ سزا ملے گی،

فَاسْمُومٌ وَحَمِيمٌ، وَخَلَّيْنَا بَيْنَ يَدَيْهِمَا السَّيْلَ
 بَارِدٍ وَكَأَكْرَبِ نَمْرٍ، أَنَّهُمْ كَانُوا قَبْلَ ذَٰلِكَ
 وہ ٹوا اور کھوسے پانی میں، دھوئیں کے سایہ
 میں، یہ ٹھنڈا نہ باعزت، بیشک، وہ پہلے
 مُتَرَفِّعِينَ، ص (انعام - ۲)

روایے برزخ کی حدیث میں ہے کہ آپ نے کچھ ایسے لوگوں کو دیکھا جنکا آدھا دھڑ خوں سیورت اور آدھا
 بد صورت تھا، یہ وہ تھے جنکے کچھ کام اچھے اور کچھ برے تھے، اس لیے بد اعمالی بد صورتی، اور نیکی خوبصورتی کے رنگ
 میں نمایاں ہوئی، صریح طور سے یہ اصول ان حدیثوں سے مستنبط ہوتا ہے۔

۱۔ حضرت ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ جو مومن خود بھوکا رہ کر کسی دوسرے بھوکے مومن کو کھلایا
 تو خدا اس کو جنت کے پھل کھلایا، اور جو پیاسا ہو کر کسی دوسرے پیاسے کو پلایا، تو خدا اس کو جنت میں شراب
 طور پر پلایا، اور جو کوئی کپڑوں کا جامتہ نہ ہو کر ننگے کو پہنایا، تو خدا اس کو جنت کے منبر جوڑے پہنایا، (ترمذی
 کتاب الزہد والرقاق ص ۵۷)

۲۔ حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جو کوئی کسی مسلمان کی دنیاوی تکلیفوں

سے حدیث میں ہے کہ رکوع مسلمان کا میل ہے، ص صحیح بخاری کتاب التبعیر،

میں سے کسی تکلیف کو دور کریگا، تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسکی کوئی تکلیف دور فرمائے گا، اور جو کوئی کسی نادار کو یہاں کسی مصیبت میں پھنسا کرے گا، تو اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس کو مصیبت میں مبتلا فرمائے گا، اور جو کسی مسلمان کی ستر پوشی کریگا، تو خدا دنیا و آخرت میں اسکی ستر پوشی کریگا، اور جو کوئی اپنے بھائی کی مدد میں جتناک رہے گا خدا اس وقت تک اسکی مدد میں رہے گا، (ترمذی ص ۳۲۳)

۳۔ جو انسانوں پر رحم کریگا خدا اس پر رحم فرمائے گا، (ترمذی)

تمثیل کے دوسرے معنی یہ ہیں کہ جو امور معنوی اور غیر مجسم ہیں، وہ اپنی مناسب مثالی شکل و صورت میں ظاہر ہوئے۔
۱۔ قرآن میں ہے کہ جو اس دنیا میں حقیقت بینی سے اندھا ہوگا، وہ آخرت میں بھی اندھا ہوگا، دیکھو کہ دنیا کی معنوی قلبی نابینائی، دوسرے عالم میں ظاہری جسمانی نابینائی کی شکل میں ظاہر ہوگی،
۲۔ حدیث میں ہے کہ اہل کبر قیامت کے دن چونٹیاں بنا کر اٹھائے جائیں گے، جنہر ہر طرف سے تبت و خواری چھائی پھریگی۔ دیکھو کہ کبر کی جزاء ذلت و خواری سے ملے گی، اور چونٹوں سے زیادہ حقیر و ذلیل کوئی ہستی نہیں اس لیے ان کی بڑائی اور تکبر کا معاوضہ یہ ہوگا کہ وہ چیونٹی بن کر اٹھیں،

۳۔ اسی طرح آپ نے فرمایا کہ جو بخل کریگا، قیامت میں اسکا مال سانپ بن کر اس کو ڈسے گا، صفت بخل اسے
حق میں اسی سانپ کی صورت اختیار کر کے اسکی تکلیف کا باعث ہوگی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ جو شخص بلاد و بھیک مانگ کر اپنی آبروریزی کرتا ہے، قیامت میں وہ اٹھے گا تو اس کے منہ پر گوشت نہ ہوگا، دیکھو کہ دنیاوی بے شرمی و بیحیائی بے گوشت پھرہ کی صورت میں ظاہر ہوگی، اسی طرح یہ بھی فرمایا کہ دو بیبیوں کا وہ شوہر جو ایک کا حق ادا کرتا اور دوسری سے غفلت برتتا تھا، قیامت میں اس طرح اٹھے گا، کہ اس کا ایک پہلو (گو یا مفلوج ہو کر) جھک گیا ہوگا، ایک پہلو کا عدم ادائیگی حق اپنی تمثیلی صورت ایک پہلو کی مفلوجی کیفیت میں نمودار ہوگا، یہ چند حوالے ذکر کئے گئے ہیں، انہیں پر جزا و سزا کے اور دوسرے جزئیات کو قیاس کرنا چاہئے، اس مسئلہ کو ابھی طرح سے سمجھنے

لہ ترمذی کتاب التہذیب ص ۱۱۱، مجمع تہذیبی، صفحہ ۱۱۱، مثل اسکا کہ شیخا عا قریع، ترمذی، صفحہ ۱۱۱

کے لیے حسب ذیل آیتوں پر غور کرنا چاہیے،

وَمِنْ أَعْرَاضٍ عَنْ ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً
جس نے میری یاد سے منہ پھیرا تو اسکو تنگ گزاراں پائی
حَتَّىٰ وَخَشَرْتُكُمْ لِيَوْمِ الْقِيَمَةِ أَعْمَىٰ، قَالَ
اور قیامت کے دن ہم اس کو اندھا ٹھائیں گے وہ
رَبِّ لِمَ خَشَرْتُ نَفْسِي أَعْمَىٰ وَقَدْ كُنْتُ بِصِيدٍ
کیسے گالے میرے پروردگار تو نے مجھے اندھا کیوں ٹھایا
قَالَ كَذَلِكَ أَتَتْكَ آيَاتُنَا فَنَسِيتَہَا وَكَانَ
میں تو دیکھتا تھا فرمایا گیا اس طرح میری آیتیں تیرے پاس تھیں
الْيَوْمَ نَسَىٰ، (طہ - ۷)

و بھوکہ دل کی نابینائی، قیامت میں ظاہری نابینائی، اور یہاں خدا کو بھولنا اور اس کے احکام کو یاد نہ کرنا،
وہاں رحمت الہی کی یاد سے بھول کی شکل میں نمودار ہوگا،

دوزخ کی جہانیں | دوزخ میں جہان اور روحانی دونوں سرائیں ملین گی، قرآن پاک میں جن جہانیں سرائیں
کا ذکر ہے، وہ حسب ذیل ہیں،

۱۔ آتش دوزخ اور اسکی سوزش کا ذکر بار بار آیا ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ نے آگ کو یاد دوزخ کا دوسرا نام ہے،
انہیں معنوں میں السعیر یعنی جلتی آگ بھی بار ہا متعلق ہوا ہے، اور عذاب الحریق (جلن کا عذاب) بھی دوچار
جگہ کہا گیا ہے، اور ایک جگہ یہ بھی ہے کہ

تَلْعَمُ وُجُوہُہُمْ النَّارُ وَہُمْ فِيہَا كَالِحُونَ (سجہ ۶)
انکے چہروں کو دوزخ کی آگ جلے گی اور انکی صورتیں گر جائیں گی
دوزخ کا ایک اور نام سقر ہے جس کے متعلق یہ ہے کہ

وَمَا أَكْرَمُ مَا سَقَرُ لَا يَقْنِیٰ وَلَا تَنْصَرِفُ وَأَصْحَارُ النَّارِ
اور یہیں کیا معلوم سقر کیا ہے، نہ وہ جگہ کی نہ چوٹی کی نہ پتھر کی نہ چھوٹی
كَلَامًا لِّمَنْ لَّا يَلْزَمُهَا عَذَابٌ لِّلشَّوْاسِ (مجاد ۱۰)
برگزینہ ہر شعلہ والی آگ ہو منہ کی کھاں دھیرے والی
إِنَّمَا تَرَوْنَهَا بَیْرٌ رَّیًّا لِّقَصْرِ جَنَّاتٍ كَانَتْہُمْ جِجْلَمَاتٍ
دوزخ محل کے برابر اونچی چٹکانیاں اتنی بڑی پھیلنے لگی

صُفْرًا (موسلات ۱) جیسے زرد رنگ کے اونٹ،

۲۔ وہاں سایہ نہ ہوگا بلکہ یہ حکم ہوگا،

إِنطَلَقْنَا إِلَى ظِلٍّ ذِي ثَلَاثِ شُعَبٍ لَا شَرَّ

چلو ایک چھاؤں کی طرف جس کی تین شاخیں ہوں گی،

ظِلِّيلٍ وَلَا يَغْنَبُ فَمِنَ الثُّغْبَاءِ (موسلات - ۱)

نہ گھن کی چھاؤں اور نہ پیش میں کام آسکے،

۳۔ وہاں ٹھنڈک نہ ہوگی،

لَا يَذُوقُونَ فِيهَا بَرْدًا وَلَا شَرَابًا (نبا - ۱)

اُنہیں وہ نہ ٹھنڈک کا مزہ چکھیں گے اور نہ کسی پینے کی چیز کا،

۴۔ دوزخ میں نہ موت ایسی کہ جہنم آجائے، اور نہ ایسی زندگی ہوگی جہنم کوئی مسرت ہو، دو جگہ فرمایا،

لَا يَمُوتُ فِيهَا وَلَا يَحْيَىٰ (طہ و اعلیٰ) وہاں وہ نہ مرے گا نہ جیے گا،

۵۔ پینے کو گرم پانی ملے گا جس سے آنتیں نکل پڑیں گی،

وَيُسْقَوْنَ اَسْنَاءَ حَبِيبَةٍ فَتَقْطَعُ اَمْعَاءَهُمْ

اور وہ گرم پانی پلائے جائیں گے تو وہ پانی اُن کی

آنتوں کو ٹکڑے کر دیگا،

(یحم - ۲)

۶۔ اور پیپ پھینکے،

اَلَا حَبِيبَةً اَوْخَسَاتًا (نبا - ۱)

لیکن کھوتی پانی اور پیپ،

۷۔ اُن کے اوپر سے گرم پانی چھوڑا جائیگا،

يَصَّبُ مِنَ فَوْقِ رُؤُوسِهِمُ الْحَمِيمُ (حج - ۲)

ان کے سروں کے اوپر سے گرم پانی ڈالا جائیگا،

۸۔ کھانے کو سینڈے سے کا پھل ملے گا،

اَمْ تَخْشَوْنَ الزَّقْمَ اِنَّهَا

یا سینڈے سے کا پھل وہ

شجرٌ يَخْرُجُ فِي اَصْلِ الْحَمِيمِ طَلْعُهَا كَأَنَّهُ

ایک درخت ہے دوزخ کی جڑ میں اُس کے شکونے

رُءُوسُ الشَّيَاطِينِ فَانْتَصَبَ لَهَا كُؤُوتٌ

جیسے شیطانوں کے سر تو وہ کھائیں گے، اور اُس سے

مِنْهَا فَهَابُ السُّوْنِ مِنْهَا الْبَطْنُ تَنَمَّرَاتٌ اَنَّهُمْ

پیٹ بھرینگے، پھر اُس پر گرم پانی کی بلوئی

ہوگی،

عَلَيْهَا لَشَوْأٌ أَمْحَمٌ (والصفت - ۲)

مینڈھے کا درخت گھہکار کی غذا ہے، جیسے پھلاتا تھا،

إِنَّ شَجَرَةَ الزُّقُومِ طَعَامٌ لِّكُلِّ لَاحِلٍ

وہ پیٹوں میں کھوتا ہے، جیسے کھوتا پانی،

يُعْلَى فِي الْبُطُونِ كَعُلَى الْحَمِيمِ (دخاک - ۳)

۹۔ خاردار جھاڑی کی خوراک جس سے کوئی فائدہ نہ ہوگا،

اور ان کے لیے کوئی کھانا نہ ہوگا، لیکن خاردار جھاڑی

لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ إِلَّا مِنْ ضَرِيعٍ لَا يَئْتِيهِمْ

جو نہ مونا کرے گی، اور نہ بھوک سے بے پروا کرے گی،

وَلَا يُغْنِي عَنْهُمْ جُوعٌ وَلَا شَبَاحٌ (۱)

۱۰۔ زخموں کے دھوون کی خوراک،

اور نہ کوئی کھانا، مگر زخموں کا دھوون،

وَلَا طَعَامٌ إِلَّا مِنْ غَسَقٍ (ساقہ - ۲)

۱۱۔ کھانا بنگلہ جاسے گا،

اور گلے میں اٹکنے والا کھانا،

وَطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ (مزل - ۱)

۱۲۔ آگ کے کپڑوں کا لباس ہوگا،

فَالَّذِينَ كَفَرُوا قُطِعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِنْ نَارٍ (رج - ۳)

کافروں کے لباس کے کپڑے قطع ہونگے،

۱۳۔ لوہے کے ہتھوڑے پڑینگے،

اور ان کے لیے لوہے کے ہتھوڑے ہوں،

وَلَهُمْ مَقَامِعٌ مِنْ حَدِيدٍ (رج - ۲)

۱۴۔ گلے میں طوق اور زنجیریں،

جب ان کی گردنوں میں طوق اور زنجیریں ہوں گی،

إِذَا كُفِلُوا فِي أَغْصَانِهِمْ وَالسَّلْسِلِ

وہ کھینچے جائیں گے،

يُسَبَّحُونَ (سومن - ۸)

ہم (خدا) نے کافروں کے لیے زنجیریں اور طوق اور

إِنَّا أَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ سَلَاسِلَ وَأَغْصَالًا

آگ تیار کر رکھی ہے،

وَسَعِيرًا (دھر - ۱)

مُقَرَّنِينَ فِي الْأَصْفَادِ (ابراہیم - ۷) وہ زنجیروں میں جکڑے ہوئے،

دوزخ میں وحشی سزاؤں | ان جہانی سزاؤں کیساتھ روحانی سزائیں بھی ہونگی، جو اہل نظر کی نگاہوں میں اُسے بھی بڑھ کر ہیں، چنانچہ دوزخ کی وہ آگ جس کی گرمی اور سوزش کا حال اوپر گزر چکا، وہ دل کو جاکر جھانکی، نسرایا،

نَارُ اللَّهِ الْمُوقَدَةُ الَّتِي تَطْلُعُ عَلَى الْأَشْجَارِ (۱) سلاگنی ہوئی اللہ کی آگ جو دلوں کو جھانکی،

وَأَسْمُهُمُ النَّدَامَةُ لَمَّا رَأَوْا الْعَذَابَ (دین - ۶) اور جب عذاب کو دیکھیں گے تو اپنی ہتھیلیوں کو چھانکیں گے

يَحْتَسِرُونَ عَلَى مَا فَرَّطُوا فِي جَنْبِ اللَّهِ (زمرہ - ۷) اے حسرت اُسپر کہ میں نے خدا کے پہلو میں کمی کی،

كَلَّمَآءًا رَدَقُوا أَنْ يَخْرُجُوا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ (حج - ۲) وہ جب جب دوزخ کو غم سے نکلتا چاہیں گے،

ذلت کا عذاب۔

فَالْيَوْمَ تَخْرُجُونَ عَذَابَ الْهُونِ (احقاف - ۱۲) تو آج ذلت کے عذاب کا بدلہ دیئے جاؤ گے،

اس افسوس و حسرت و ندامت سے بڑھ کر یہ کہ اُن کو معذرت پیش کرنے کی بھی اجازت نہ ہوگی،

لَا تَعْتَذِرُونَ لِلْيَوْمِ (تہیم - ۱) آج معذرت نہ پیش کرو،

اللہ عزوجل سے مکالمہ کا شرف اُن کو نہ ملے گا، جب وہ بات کرنا چاہیں گے، تو وہ فرمایاں گے،

إِخْسَافُ أَفْوَاهِهِمْ وَلَا تَكَلُّمٌ لِّهِمْ (مومنون - ۶) ذلیل ہوں اس دوزخ میں اور مجھ سے بات نہ کرو،

اور سب بڑھ کر یہ کہ اللہ تعالیٰ کے جلوہ سے محروم رہیں گے،

كَلَّا إِنَّهُمْ عَنْ عَرِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيرُونَ (تہیم - ۱) ہرگز نہیں وہ اس دن اپنے رب سے پردہ

(تطفیف) میں ہوں گے،

ان میں سے وہ جنہوں نے اس دنیا میں اپنے پروردگار کو بھلا دیا تھا، پروردگار بھی اُس دن انکو اپنی

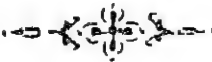
رحمت و شفقت کی یاد سے بھلا دیگا، فرمایا،

كَذَٰلِكَ أَتَتْكَ آيَاتُنَا فَنَسِيَتْهَا كَمَا كَانَ كَذِبُكَ
 اَلْيَوْمَ تُنْشِئُ، (طہ - ۷)

بھلا دیا ایسے ہی آج تو بھی بھلایا جائیگا،

بلکہ وہ دوزخی بھی ہونگے جو اللہ تعالیٰ کی نگاہِ کرم سے بھی محروم رہیں گے، وہ اُن کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھیں گے اور نہ اُن سے کچھ بات کریں گے، اور نہ انکی اصلاحِ حال کی کوئی فکر کریں گے، یہ حقیقت میں شفیق و مہربان رب کی انتہائی ناراضی کی تصویر ہے، اس درد کے احساس کو وہی کچھ سمجھ سکتے ہیں، جو عشق و محبت کے زخم خوردہ ہیں، فرمایا،
 اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَرْوْنَ بِعَمَدِ اللّٰهِ رَاٰیَا نَہُمْ
 ثَمَّ اَقْلِیْلًا اَوْ لَآئِکَ لَا خَلَاقَ لَہُمْ فِی
 الْاٰخِرَةِ وَلَا یُکَلِّمُہُمُ اللّٰهُ وَلَا یَنْظُرُ
 اِلَیْہِمْ یَوْمَ الْقِیَمَةِ وَلَا یَزِکُّہُمْ وَلَا یُؤْتِیْہُمْ
 عَذَابَ اِلَیْمٍ، (آل عمران - ۸)

جو لوگ اللہ کے عہد اور اپنی (جھوٹی) قسموں کے ذریعہ
 چھوڑ دیں وہی دولت خرید کر رہتے ہیں، یہ وہ ہیں جن کا
 آخرت میں کوئی حصہ نہیں، اور نہ قیامت میں خدا
 اُن سے بات کریگا، اور نہ اُن کی طرف دیکھے گا، اور
 نہ اُن کو سنواریگا، اور اُن کے لیے دردناک عذاب ہے،



جنت

جنت کے نام | اس مقام کا نام جو نیکو کار انسانوں کا دائی گھر ہوگا، قرآن پاک میں عَمَّا الْجَنَّةِ (باغ) بتایا گیا ہے، اور کبھی اسکو مناسب اضافوں کیساتھ بھی ادا کیا گیا ہے، مثلاً جَنَّةُ النَّعِيمِ (نعمت کا باغ) جَنَّةُ الْخُلْدِ (بقائے دوام کا باغ) جَنَّةُ عَدْنٍ (دائمی سکونت کے باغ) جَنَّةُ الْمَأْوٰی (پناہ کا باغ) اُنکے علاوہ اور دوسرے لفظوں سے اسکی تعبیر کی گئی ہے مثلاً فِرْدَوْسٍ (باغ) سَرْحَدَةٍ (چمن) اَدَارُ الْخُلْدِ (ہستی کا گھر) دَارُ الْمَقَامَةِ (قیام کا گھر) دَارُ السَّلاَمِ (امن سلائی گھر) جنت کا دوام | اس موجودہ دنیا میں بھی گولڈن ایج اور مسٹرین ہیں، مگر جو خیر یہاں نہیں ہے، وہ بقاءے دوام ہے، یہاں کی ہر لذت عارضی، اور ہر مسرت آنی ہے، یہاں خوشی کا کوئی ترانہ نہیں، جس کے بعد غم و ماتم کا نالہ نہ ہو، یہاں ہر پھل کیساتھ کاسٹے، ہر روشنی کے ساتھ تاریکی، ہر وجود کے ساتھ فنا، ہر سیری کے بعد بھوک، ہر سیرابی کے بعد پیاس اور ہر غصا کے بعد محتاجی ہے، انسان ہزاروں مشکلیں اٹھانے اور ہزاروں صدمے سہنے کے بعد ایک مسرت کا پیام سنتا، اور خوشی کا منظر دیکھتا ہے، مگر ابھی اس سے سیر ہونے کی بھی نوبت نہیں آتی، کہ اُس کا خاتمہ ہو جاتا ہے، غرض اس موجودہ عالم فانی کی ہر شے آنی جانی ہے، اور یہی یہاں کی سب سے بڑی کمی ہے، لیکن جنت اُس مملکت کا نام ہے، جہاں کی لذتیں جاودانی، اور جہاں کی مسرتیں غیر فانی ہیں، جہاں حیات ہے مگر موت نہیں، راحت ہے مگر تکلیف نہیں، لذت ہے مگر اطمینان مسرت ہے مگر غم نہیں، جہاں سکون ہے جس کے ساتھ اضطراب نہیں، اور وہ شادمانی ہے جس کے بعد حزن و اندوہ نہیں، شیطان نے حضرت آدم کے سامنے جس جنت کا نقشہ کھینچا تھا وہ بالکل صحیح تھا، اس نے کہا اے آدم!

هٰذَا دَلَّةٌ عَلَىٰ ثَبَرَةٍ الْخُلْدِ سَلَامٍ مُّطْمَئِنِّ بِهَا (طہ)

کیا میں تجھے سدا جنت کا رخسار اور وہ بادشاہی تہاں جسکو تو نہیں

مگر جنت کا یہ وصف سنا کر ان کو جو بھر کا رستہ بتایا، وہ موت کے درخت، اور فنا کے ملک کی طرف تھا، او

یہی وہ فریب تھا جس میں آدم گرفتار ہوئے چنانچہ اسی صحتی زندگی کی تلاش میں وہ چیز کھالی جو ان کے حق میں نہ تھی یعنی گناہ کا پھل یہ تجربہ ہوا کہ جنت اخلد اور غیر فانی ملک سے نکل کر ان کو اس فنا کے ملک میں آنا پڑا، اور پھر اس کا استحقاق ان کے اور ان کی نسل کے اعمال کا صلہ قرار پایا، چنانچہ فرمایا،

أَمْ جِنَّةُ الْخُلْدِ الَّتِي وَعَدَ الْمُتَّقُونَ كَانَتْ

یا ہمیشگی کا باغ جس کا وعدہ پر نیکو کاروں سے کیا گیا ہو

لَهُمْ جَزَاءٌ وَاصِيَّةٌ (خزقان - ۲)

ان کا صلہ ہوگا اور وہی کی جگہ

یہ ہمیشگی کا باغ وہ غیر فانی ملک ہے جہاں کا آرام دائم اور جہاں کی سلامتی ہمیشہ، جہاں کی لذت بے انتہا، جہاں کی زندگی غیر منقطع، جہاں کا سرور غیر مختتم اور جہاں کا عیش جاوداں ہے، چنانچہ اسکی تصریح قرآن پاک کی آیتوں میں مختلف طریقوں سے کی گئی ہے، فرمایا،

۱۔ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَنُدْخِلُهُمْ

۱۔ اور جو ایمان لائے اور اچھے عمل کئے ہم ان کو ان باغوں

جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا

میں داخل کریں گے، جنکے نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی وہ ان میں

أَبَدًا أَوْ وَعْدَ اللَّهِ حَقًّا وَمَنْ أَكَاذِبُ مِنَ اللَّهِ فَيَلَا

ہمیشہ کے لیے رہیں گے، اللہ کا وعدہ سچا ہے اور نہ

اس تاکید پر تاکید اور پر زور طریقہ تبصر پر نظر ڈالئے کہ صرف خُلْد پر اکتفا نہیں کی، بلکہ ساتھ ہی اَبَدًا فرما کر خُلْد کو غیر فانی اور قیام کو ابدی ظاہر فرمایا، اس پر بھی بس نہ کی، بلکہ یہ بھی اضافہ کیا کہ یہ اللہ کا سچا وعدہ ہے، اس پر بھی مزید تاکید کا اضافہ کیا کہ اور اللہ سے زیادہ سچی بات کہی ہو سکتی ہے؟ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ خلود جنت اور بقا غیر فانی کی قطعیت کتنی ہے۔

۲۔ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَنُدْخِلُهُمْ

۲۔ اور جو ایمان لائے اور اچھے عمل کئے ہم ان کو ان باغوں

جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا

باغوں میں داخل کریں گے، جنکے نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی وہ ان میں

۳۔ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ

۳۔ ان کے لیے وہ باغ ہیں جنکے نیچے سے نہریں بہتی

خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا (مائتہ - ۱۶)

میں وہ ان میں ہمیشہ رہا کریں گے

۴۔ وَجَنَّتْ لَهُمْ فِيهَا نَعِيمٌ مُّقِيمٌ خَالِدِينَ
۴۔ اور اللہ اُن کو خوشخبری دیتا ہے کہ اُن کے لیے

فِيهَا أَبَدًا (توبہ - ۳)
وہ باغ ہیں جن میں ہمیشہ کا آرام ہے اور جن میں وہ ہمیشہ رہا کریں گے

۵۔ وَاعْدُ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ
۵۔ اور اُن کے لیے وہ باغ ہیں جن کے نیچے

خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا (توبہ - ۱۳)
نہرین روان ہیں، وہ اُن میں ہمیشہ رہا کریں گے

۱۱۔ وَيُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ
۱۱۔ اُس کو اُن باغوں میں داخل کریگا جن کے نیچے نہرین

خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا (تغابن - ۱)
بہتی ہوں گی اُن میں وہ ہمیشہ رہا کریں گے

۱۷۔ وَمَنْ يُؤْمِنْ بِاللَّهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُدْخِلْهُ
۱۷۔ اور جو اللہ پر ایمان لائے اور نیک

جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ
کام کرے اُس کو وہ اُن باغوں میں داخل

فِيهَا أَبَدًا وَقَدْ أَحْسَنَ اللَّهُ لَهُ سَرَاقًا،
کریگا جن کے نیچے نہرین بہتی ہیں، اُن میں وہ ہمیشہ رہا

(طلاق - ۲)
کریں گے اللہ نے اُس کو روزی خوب دی،

۸۔ جَزَاءُ هُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنَّاتٌ عَدْنٍ
۸۔ اُن کی مزدوری اُن کے رب کے حضور

تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا
میں بننے کے وہ باغ ہیں جن کے نیچے نہرین بہتی ہیں

(بینہ - ۱)
جن میں وہ ہمیشہ رہا کریں گے

یہ آیتیں وہ ہیں جن میں اہل جنت کو جنت میں خلود ابدی کی قطعی بشارت سنائی گئی ہے، ان کے علاوہ وہ

آیتیں ہیں جن میں جنتوں کی راحتوں اور لذتوں کی ابدیت اور دوام کی خبر دی گئی ہے، فرمایا،

۹۔ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِينَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ
۹۔ اور اُن مومنوں کو بشارت دے گا جنہوں نے

الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ أَجْرًا حَسَنًا لَا كُنُتَ
اچھے کام کئے کہ اُن کے لیے اچھی مزدوری ہے،

فِيهِ أَبَدًا (کہف - ۱۰)
جس میں وہ ہمیشہ قیام پذیر رہیں گے،

سورہ ص میں جنت کی اکثر نعمتوں کے بیان کے بعد ہے،

۱۰۔ هٰذَا اِمَّا لَوْعَدٌ وَّن لَّيَعْمُ الْحِسَابِ اِنَّ
۱۰۔ یہ وہ ہے جو حساب کے دن تم کو دینے کا وعدہ کیا جاتا ہے

هٰذَا الَّذِي قُلْنَا لَهُ مِنْ تَفَادٍ بِهِ (ص-۴۰)
یہ ہماری وہ روزی ہوگی جسکو ختم ہونا نہیں ہے

۱۱۔ وَاَمَّا الَّذِيْنَ سَعِدُوْا فَاِنِّى الْجَنَّةُ خُلْدٌ فِيْ
۱۱۔ اور لیکن جو خوش قسمت ہوئے تو وہ جنت میں ہرگز

فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا اَمَّا
جست تک آسمان اور زمین ہیں لیکن جو تیرا رب چاہے

رَبُّكَ عَطَاءٌ غَيْرٌ مَّجْدُوْدٍ (هود-۹)
وہ بخشش ہوگی جو منقطع نہ ہوگی،

یعنی خدا کی مشیت کے سوا انکو اس جنت سے کوئی الگ نہ کر سکیگا لیکن اسکی مشیت یہی ہوگی کہ ان کیلئے

اسکی بخشش نہی اور غیر منقطع طریقہ سے ہمیشہ قائم رہے، پھر جس کے متعلق اسکی مشیت کا یہ اعلان ہے، وہ فنا کیونکر ہو سکی

۱۲۔ وَاَلَمْ نَجْعَلْ لَّهْمَ قِيٰمَتِهَا لَعْنَةً مَّيْمَنٍ (نمل-۳)
۱۲۔ اور وہ بلغ جنین ان کیلئے قائم رہنے والی نعت ہوگی

۱۳۔ اَلَا هٰذَا الَّذِيْ رَفَعْنَا عَنْكُمْ قُلُوْبَهُمْ (سجده-۵)
۱۳۔ جنت کا میوہ اور اس کا سایہ دائی ہے،

۱۴۔ وَاَلَمْ نَجْعَلْ لَّهْمَ قِيٰمَتِهَا لَعْنَةً مَّيْمَنٍ (نمل-۳)
۱۴۔ اور بہت سے میوے جتنا کہ انقطاع ہوگا، اور نہ

(واقعہ-۱)
جن کی روک ہوگی،

۱۵۔ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّٰلِحٰتِ
۱۵۔ لیکن جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کئے ان

فَلَهُمْ اَجْرٌ غَيْرٌ مَّمْنُوْنَ (نہن)
کیلئے وہ مزدوری ہے جس کا سلسلہ کبھی ختم نہ ہوگا،

فنا سے راحت، اور انقطاع مسرت کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ راحت و مسرت کے اسباب کا خاتمہ ہو جائے

اور دوسرے یہ کہ خود لذت اٹھانے والے کی زندگی کا خاتمہ ہو جائے پہلی صورت کی نفی تو گذشتہ آیتوں میں کر دی گئی کہ راحت

و مسرت کے اسباب کا وہاں خاتمہ نہ ہوگا، اب رہ گئی دوسری صورت تو گوشتا لدین ابد اکہر کی نفی بار بار کی جا چکی ہے

مگر ایک جگہ تصریح یہ کیا گیا ہے، کہ اُس احاطہ میں موت کا گزرنہ ہوگا، فرمایا،

۱۶۔ لَا يَذُوْنُ فِيْهَا الْمَوْتِ اِلَّا الْمَوْتُ
۱۶۔ جنت میں جنت والے پہلی موت کے سوا پھر موت کا

اَلَمْ يَذُوْا (دخان-۳)
مڑہ نہیں چکھیں گے،

لیکن ایک تیسری صورت یہ بھی ممکن تھی کہ مسرت کے اسباب بھی قائم رہیں اور اہل جنت کی زندگی بھی دوام
مگر کچھ دنوں کے بعد ان کو وہاں سے نکال کر الگ کر دیا جائے، تو اسکی نصرت بھی فرمادی کہ یہ بھی ممکن نہ ہوگا کہ کوئی
اہل جنت کو اپنے عیش و راحت کی منزل گاہوں سے باہر نکال سکے، فرمایا،

لَا يَمْشِي فِيهَا النَّاصِبُ وَمَا لَهُمْ مِنْهَا
بِمُخْرَجِينَ، (حجر - ۴۷)
وہاں ان کو کوئی غصہ نہ چھوڑے گا، اور نہ وہ اس
سے نکالے جائیں گے،

یہ بھی ممکن ہے، کہ خود اہل جنت اس سے گھبرا کر نکل آئیں، تو فرمایا کہ ان کی حیثیت فطرت ایسی ہوگی کہ وہ خود
بھی اس ہمان خانہ الہی سے نکلنا پسند نہیں کریں گے، فرمایا،

حَالِدِينَ فِيهَا لَا يَخُوتُ عَنْهَا كُفْرًا
سدا رہیں گے، یہیں اس سے منتقل ہونا نہ چاہیں گے،

دوام و بقا اور تسلسل و عدم انقطاع کی اس توجہ تو تاکید اور اصرار سے اندازہ ہوگا کہ اسباب مسرت کی بقا و
کا دوام، اور زندگی کا تسلسل جنت کی اہلی خصوصیت ہوگی، یہی وہ حقیقت ہے جس کی لاپچ شیطاں نے
وَمَلَأَتْ لَآيِبًا ط (طہ - ۷۵) اور غیر فانی سلطنت،

انکرا دم کو دلائی تھی، اور اس بہانہ سے اس عالم بقا سے ان کو اس عالم فنا میں بھجوا دیا، آخر وہ زمانہ آئیگا جب آدم کی
اولاد کو ان کے نیک اعمال کی بدولت اس غیر فانی بادشاہی کی وراثت ہمیشہ کے لیے حاصل ہوگی،

غیر فانی بادشاہی | دنیا میں شخصی راحت و آرام کا بند سے بند تنہا ایک لفظ بادشاہی کے اندر بخوبی ادا ہو سکتا ہے،
اگر انسان کو اس کی انتہائی آرزوؤں کے برآنے کی خوشخبری کے دیو کیلئے کوئی لفظ ہو سکتا ہے تو یہی ہے، گویا بادشاہی اس
کیفیت کا نام ہے جس میں انسان کی کوئی آرزو کامیابی سے محروم نہ رہے، سامان راحت اور اسباب شادمانی کی فرا
سے اس کی مسرت میں کسی غم کا شائبہ نہ ہو، اونچے اونچے محل، ہرے بھرے باغ، بہتی نہریں، سرسبز و شاداب تختے،
سونے چاندی کے اسباب، زر و جواہر کے برتن، ازہرین کمر غلام و خدام، ریشمی لباس، طلائی تخت، موتیوں کے ہار
سونے کے گنگن، شراب کے زمردین اور تلوہرین پیالے، حسین و جمیل بیگیاں، غرض ایک لفظ بادشاہی کے یہ تمام

ضروری لوازم ہیں،

جنت کی مختصر ترین لیکن سچی تعریف آدم کے دشمن نے آدم کے سامنے کی تھی،

وَمِنْ ذَٰلِكَ لَا يُكَلِّمُ (طہ - ۷) اور غیر فانی بادشاہی،

آنے والی زندگی کے اس غیر فانی عیش و مسرت کے لیے مختلف پیغمبروں نے مختلف لفظ استعمال کئے ہیں، چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اُس کے لیے ”آسمانی بادشاہی“ کی اصطلاح قائم فرمائی ہے اور اپنی گفتگو کے تمام استعاروں میں اس مفہوم کو اسی لفظ سے ادا کیا ہے، مگر جیسا کہ بار بار کہا گیا ہے کہ انسانی لغت کے الفاظ سے جو مادہ کی گودوں میں پلے، اور مادیت کے ماحول میں پھولے پھلے ہیں کسی خالص روحانی مفہوم کی تبصیر ناممکن ہے کہ اس کے ہر لفظ کے مفہوم کو انہیں لوازم اور خیالات کے ساتھ انسان سمجھنے پر مجبور ہے جو ہمیشہ سے اُس لفظ کے ساتھ وابستہ چلے آتے ہیں، آپ بادشاہی کو آسمانی لک کر کسی قدر مادہ سے بلند کریں، مگر بادشاہی کے مفہوم کیساتھ جو موروٹی خیالات و لوازم وابستہ ہیں وہ دور نہیں ہو سکتے، چنانچہ خود حضرت عیسیٰ اپنی زندگی کی آخری شب میں شاگردوں کو شرباب کا پیالہ بھر کر دیتے ہیں، تو آسمانی بادشاہی کے مادی لطف و مسرت کا ذکر ان لفظوں میں کرتے ہیں،

”میں پھر تھیں کتا ہوں کہ انکو رکاشیرہ پھر نہ پیو لگا اُس دن تک کہ تمہارے ساتھ اپنے باپ کی بادشاہی

میں اُسے نیانہ پیوں“ (متی ۲۶-۲۹)

آپ نے دیکھا کہ باپ کی ”آسمانی بادشاہی“ میں بھی انکو رہی کاشیرہ پینے کو ملیگا،

اور یوحنا حواری نے جب اس آسمانی بادشاہی کا خواب دیکھا تو وہ اُن کو اسی سورنے چاندی کے محل، آپ

حیات کی نہر، اور جواہرات کی دیواروں میں نظر آئی، (مسکاشفات یوحنا باب ۲۱ و ۲۲) اور پھر

”وہاں رات نہ ہوگی، اور سورے چرخ اور سورج کی روشنی کے محتاج نہیں، کیونکہ خداوند اُن کو روشن کرتا ہوگا“

اور سورے ابدال آباد بادشاہی کریں گے“ (۲۲-۵)

لیکن یہ بادشاہی، عیسوی پیغام میں ہنوز تفسیر کی محتاج ہے، نبوت کے آخری پیغام نے اس اجال کی

تفصیل ان لفظوں میں کی ہے،

فَقَالَهُمُ اللَّهُ شَرُّ ذَٰلِكَ الْيَوْمِ وَلَقَّيْنَاهُمْ
نَصْرَهُ وَوَسَّرُوا لَهُمْ مَصَارِعَ جَنَّةٍ وَخَرَّيْرًا مُّتَكِلِينَ فِيهَا عَلَى الْأَرْشِ
لَا يَرَوْنَ فِيهَا شَمْسًا وَلَا زَمِيرًا
وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلُّهَا وَذُلَّتْ قُطُونُهَا
تَذَلُّلًا، وَيُطَافُ عَلَيْهِمْ بِأَنِيَّةٍ مِنْ
فِضَّةٍ وَأَكْوَابٍ كَانَتْ قَوَارِيرًا قَوَارِيرًا مِنْ
فِضَّةٍ قَدَّرُوهَا تَقْدِيرًا، وَيُسْقَوْنَ
فِيهَا كَأْسًا كَانَ مِزَاجُهَا زَنْجَبِيلًا
عَبْنًا فِيهَا تُسْقَى سَلْسَبِيلًا، وَيُطَوَّفُ
عَلَيْهِمْ وَلَدًا أَنْ تَنْقُذُوا، وَإِذَا رَأَيْتُمْ
حَسْبَتَهُمْ لَوْ تَوَّاسْتَفْتُونَ، وَإِذَا رَأَيْتُمْ
تَمَرًا رَأَيْتُمْ نَعِيمًا وَمُلْكًا كَبِيرًا، عَلَيْهِمْ
ثِيَابُ سُنْدُسٍ خُضْرٌ وَإِسْتَبْرَقٌ وَحُلُّوهُمُ
أَسَاوِرٌ مِنْ فِضَّةٍ وَسَقَمَهُمْ
رُبُّهُمْ شَرَابًا طَهُورًا، إِنَّ هَٰذَا كَانَ
لَكُمْ جَزَاءً وَكَانَ سَعْيُكُمْ مَشْكُورًا
تو اللہ نے اہل جنت کو اُس دن کی تکلیف سے بچا لیا
اور اُن کو تروتازگی اور شاد کامی سے ملایا اور
اُن کے صبر کے بدلہ میں اُن کو رہنے کیلئے باغ
اور رہنے کے لیے ریشمی کپڑے دیئے وہ اُن باغوں
میں تختوں پر تکیے لگائے ہوئے اُن میں نہ دھوپ
ہوگی نہ ٹھنڈ اور اُن کے سایے ان پر چھکے ہوئے ان کے
خوشے پست ہو کر ٹپکے ہوئے چاندی کے برتن اور نقرے
نیشوں کے انجور سے، جو پاکر بنائے گئے ہیں انکو
لوگ اُن کے پاس لیے پھریں گے، اور اُن کو وہاں
وہ پیالہ پلایا جائیگا جس میں سونٹھ ملی ہوگی انہیں ایک شہ
کا نام سلسبیل ہے اور سرد ہوئے کس غلام، انکی خدمت
میں گھوم رہے ہوئے اور تو انہیں دیکھے تو سمجھے کہ موتی
بکھرے ہیں، اور جب تو یہ سب دیکھے تو وہاں نعمت
وہش اور بڑی بادشاہی دیکھے انکی پوشاک بہتر
ریشم اور دیر ریشم ہو، اور اُن کو نقرے انگن پہنائے جائیں گے
اور اُن کا پروردگار ان کو پاک شراب پلائے گا یہ
تمہاری مزدوری ہوگی، اور تمہاری محنت کی قدر ہوگی

یہ پورا نقشہ اُس عیش و مست کا ہے، جو اس دنیا کے شاہانہ محلوں کے متعلق تخیل میں آتا ہے، اس بیان

کی تائید و تصدیق اس صحیح حدیث سے ہوگی جو جامع ترمذی میں حضرت مغیرہؓ صحابی سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ موسیٰ نے اپنے پروردگار سے پوچھا کہ اے پروردگار! جنت والوں میں سے سب سے کم رتبہ کون ہوگا، فرمایا وہ شخص جو جنت والوں کے جنت میں داخل ہو چکنے کے بعد آخر میں آئیگا، تو اس سے کہا جائیگا کہ جنت میں داخل ہو جاؤ، وہ کہیگا کہ اب میں کہاں جاؤں کہ لوگ اپنے اپنے مقام پر جا چکے، اور ربانی نواز شون پر قابض ہو چکے، اس سے کہا جائیگا کہ کیا تو اس پر راضی ہے کہ تجھے وہ طے جو دنیا کے بادشاہوں میں سے کسی کے پاس نہ تھا، عرض کریگا، خداوند! میں راضی ہوں، فرمایا "تیرے لیے اتنا اور اس سے دونا، اور اس سے تگنا اور چو گنا ہے" کہیگا "خداوند! میں راضی ہو گیا" خدا فرمایا "تیرے لیے وہ اور اس کا دو گنا ہے" عرض کریگا "میں راضی ہو گیا" فرمایا "اس کیساتھ یہ بھی کہ جو تیرا دل آرزو کرے، اور جو تیری آنکھ کو لذت بخشنے"۔

باغ کا استعارہ آخرت کے خانہ عیش و راحت کے لیے قرآن پاک نے عموماً جنت، اور کین روضہ کے لفظ کا استعمال کیا ہے، نادان کی وجہ یہ قرار دیتے ہیں کہ عرب کے شعور و بے حاصل اور خشک صحرا کے بسنے والوں کی انتہائی آرزو چونکہ سرسبز و شاداب باغوں ہی کی ہو سکتی ہے، اس لیے ان کے لیے یہ لفظ اس مقام آخرت کے لیے قرآن نے استعمال کیا ہے، مگر یہ سمجھنا چاہئے کہ قرآن کا مخاطب صرف عرب نہیں بلکہ دنیا کا گوشہ گوشہ ہے، اس لئے عرب کی تخصیص بے معنی ہے، کیا دنیا کے سرسبز و شاداب ملکوں کے بسنے والوں کے تخیل میں باغ و راز اور رنگ و گل کی بہار پسندیدہ نہیں ہے، اہل یہ ہے کہ یہاں برابان گلستان کی تخصیص نہیں، یہ فطرت انسانی کی تقاضا ہے، انسان کسی خطہ ارضی میں آباد ہو مگر وہ سرسبز و شاداب قطعات، باغ و بہار، اور کناری آب و نہر کو عیش و مسرت کا مقام سمجھتا ہے، اور ان کو دیکھ کر اندر سے اس کی روح وجد کرتی ہے،

اس استعارہ کے استعمال کا ایک اور نکتہ بھی توجہ کے قابل ہے، انسان کا گھر وہ عیش خانہ ہوتا ہے جہاں عز و نعم کی آمیزش بھی شامل ہوتی ہے، اہل و عیال، اور دولت و مال کے متعلق ہر قسم کی فکریں اس کے دل کے

دامن سے لپٹی ہوئی ہیں، مگر جب انسان میر و فقر ترجیح کے لیے باغ و تہن کا سرخ کرنا ہے، تو تھوڑی دیر کے لیے وہ ہر غم کو فراموش اور ہر تعلق کو دل سے نکال دیتا ہے، اور ایسا شادان و فرحان بن جاتا ہے کہ غم و الم اُس کے ہر گوشہ خاطر سے دور ہو جاتے ہیں، وحی محمدی علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام نے اس لفظ کو اسی لیے استعمال کیا ہے تاکہ اُس سے اخروی عیش و مسرت، شادی و خوشی، اور فرائض خاطر کی پوری تصویر کھینچ جائے،

سامانِ جنت کے دنیاوی نام | یہ حقیقت بار بار دہرائی گئی ہے کہ عالمِ آخرت کی اشیاء کو جن دنیاوی الفاظ سے ادا کیا گیا ہے اُن سے مقصود بالکل وہی نہیں ہیں، جو اُن لفظوں سے سمجھنے کے ہم عادی ہیں بلکہ اُن اخروی اشیاء کو ان دنیاوی الفاظ سے اس لیے ادا کیا گیا ہے کہ وہ اُن سے خاص مناسبت رکھتی ہیں اور نہ از روئے حقیقت ان الفاظ کے اخوی مفہوم یعنی سے انکی اخروی حقیقتیں بدرجہا بلند و اتم ہونگی، چنانچہ قرآن مجید کی ان آیتوں میں،

وَبَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أَنَّ	اور اُن کو جو ایمان لائے اور اچھے کام کے یہ خوشخبری
لَهُمْ جَنَّاتُ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ كُلَّمَا	سنا کہ اُن کے لیے وہ باغ ہیں جنکے نیچے سے نہریں
زُرُوا فِيهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رَزَقُوا فَالْتَمُوا	ہتی ہونگی وہ جب جب اُن باغوں سے کوئی پھل
هَذَا الَّذِي رَزَقُوا مِنْ قَبْلُ وَاتُّبَاهُ	دینے جائیگے کہیں گے کہ یہ وہی ہے جو اس سے پہلے
مُتَشَابِهًا وَلَهُمْ فِيهَا أَنْهَارٌ مُطَهَّرَةٌ وَ	ہم کو دیا گیا تھا اور وہ اس کو ایک دوسرے کے مشابہ
هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ	جائیگا، اور اُن باغوں میں انکی صاف ستھری بیویاں
الَّذِينَ يَصْرِفُونَ أَمْوَالَهُمْ مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ	ہونگی، اور وہ اُن میں ہا کر نیگے بے شبہ خدا سے
مُسْرِفِينَ	بیکار، شرمندہ نہیں کہ وہ ایک چھوٹی یا اس سے بھی کم تر

(البقرہ-۲۰)

ان آیتوں کے سابق و سیاق اور نظم و ترتیب پر غور کر کے میرے ذہن میں یہی معنی آتے ہیں کہ اُن میں دنیاوی الفاظ اور اُن کے اخروی مفہوم کے درمیان تشابہ کا بیان ہے، ورنہ حقیقت کے رو سے ان الفاظ کے دنیاوی لغوی معانی اور اخروی معنوں میں وہی نسبت ہے، جو چھوڑ کر کسی عظیم الجثہ شے کے درمیان ہو سکتی ہے، یہی سبب ہے

کہ جنت کی لذتوں اور نعمتوں کی نسبت قرآن نے یہ بھی کہا ہے،

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُم مِّن قُرَّةِ
أَعْيُنٍ ۖ جَزَاءً لِّمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ،
تو کسی نفس کو معلوم نہیں کہ اُن کے لیے انکے (اچھے)
اعمال کے بدلہ میں آنکھوں کی جو ٹھنڈک چھپا
کر رکھی گئی ہے، (سجہ ۵-۲)

اس آنکھوں کی ٹھنڈک یعنی لذت و راحت کی کیفیت دنیاوی تخیل سے چونکہ بہت بلند ہے، اس لیے
یہ فرمایا گیا کہ جنت کی راحت و لذت کی حقیقت علم و فہم سے پوشیدہ اور مخفی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی مفہوم کو اپنے ان
مبارک الفاظ سے واضح فرمادیا ہے،

قَالَ اللَّهُ اعددت لعبادي الصالحين خدا فرماتا ہے کہ میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے و
ملا عيني رأيت ولا اذن سمعت ولا خطر على قلب بشر،
میا کیا ہے جسکو نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا
اور نہ کسی انسان کے دل میں اُسکا خیال آیا،

اگر جنت کے باغوں، نہروں، میوؤں، غلاموں، شرابوں، ریشمی کپڑوں، اور طلائی زیوروں کی وہی آخری
حقیقت ہے، جو ان لفظوں سے لغوی طور پر ہم اس دنیا میں سمجھتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ بہشت کی لذتوں اور مسرتوں
کو ایک مخفی حقیقت نہ فرماتا، اور نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسکی توضیح میں اس درجہ بلندی کرتے کہ وہ ایسی چیزیں ہیں جنکو آنکھوں
نے دیکھا نہ کانوں نے سنا، اور نہ وہ کسی انسان کے خیال میں گذرین، مزید تاکید روایت کے دوسرے الفاظ میں ہی
بلکہ ما اطلعكم عليه، (صحیح بخاری تفسیر سورہ سجہ) جو تم جانتے ہو اُس کو چھوڑ دو،

صحیح مسلم کی روایت میں یہ الفاظ ہیں، بلکہ ما اطلعكم الله عليه، اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں، ایک یہ
بلکہ خدا نے تم کو اُس پر مطلع بھی نہیں کیا جو دوسرے یہ جو خدا نے اُس کا حال بتایا ہے، اُس سے بھی درگزر کرو۔
غرض ان لفظوں سے جو بھی تم سمجھ سکتے ہو، اس کو چھوڑ کر آگے بڑھو، اصحاب تفسیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے

سہ صحیح بخاری باب کلام الرب، و تفسیر سورہ سجہ، صحیح مسلم کتاب الحجۃ، و تفسیر سورہ الحجۃ، صحیح مسلم کتاب الحجۃ و صفۃ نعیما،

سے سب نقل کیا ہے،

وَقَالَ السَّفِيَانُ الثَّوْرِيُّ عَنْ أَكْثَمِ بْنِ
سَفِيَانَ الثَّوْرِيِّ، أَمْسَحْ سَ، اور وہ ابی ظبیان سے
ابن ظبیان عن ابن عباس، لا يَنْبَغُ شَيْءٌ
اور وہ حضرت ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ جنت
مِمَّا فِي الْجَنَّةِ مَا فِي الدُّنْيَا إِلَّا فِي الْأَسْمَاءِ،
میں جو کچھ ہے وہ دنیا کی چیزوں سے ناموں کے سوا
اور کسی بات میں مشابہ نہیں،

دوسری روایت کے یہ الفاظ ہیں،

لَيْسَ فِي الدُّنْيَا مِمَّا فِي الْجَنَّةِ إِلَّا الْأَسْمَاءُ،
جنت میں جو کچھ ہے، وہ ناموں کے سوا دنیا میں نہیں،

غرض ان الفاظ سے انھیں دنیاوی شہادت کی چیزوں کو سمجھنا ضروری نہیں، بلکہ ان سے بدرجہا بلند انداز
اور سترتیں مراد ہیں، جنکی تفسیر کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ کسی وجہ مناسب کے سبب ان کو ان دنیاوی لفظوں
سے ادا کیا جائے، اور اس پر بھی مفہوم ادا نہ ہو سکے، یہیں اشکالِ نفوذ باللہ اللہ تعالیٰ کی عدم قدرت کلام کے سبب
نہیں ہے، بلکہ عاجز انسانوں کی ذہنی درمندی کے سبب ہے، کہ نادیدہ و ناشیدہ اور دلِ ناخیز و مفہم کیلئے ان کی
زبان و لفت میں کوئی لفظ ہی نہیں،

جنت کی سترتیں، یہ اصول بارہا بیان میں آچکا ہے کہ دوزخ کی تکلیفیں ہوں یا جنت کی سترتیں، دونوں اعمال
انسانی کی تمثیل ہیں، اسی لیے قرآن پاک نے تبصریح تمام یہ کہا ہے،

الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَيَجْعَلُ اللَّهُ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ، (طہ: ۱۰)

حدیث میں آتا ہے کہ قیامت میں خدا فرمائے گا اے میرے بندو، یہ تمہارے ہی عمل ہیں جو تم کو واپس مل رہے ہیں، تو
جو نیکی پائے وہ خدا کا شکر ادا کرے، اور جو برائی پائے وہ اپنے آپ کو ملامت کرے،

مگر وہ لوگ جو دنیا میں کافروں کے خوف اور دوسرے باوجود ایمان پر قائم تھے، ان کو جنت میں امن

اور تفسیر ابن جریر طبری، آخریت مذکورہ وہی ہے فی البعث کافی الدر المنثور للذہبی، تفسیر آیت مذکورہ،

سلامتی کے ساتھ وہاں کی تمام رَحْمَتیں ملے گی تو،

قَالُوا إِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِي أَهْلِنَا مُشْفِقِينَ فَمِنْ

اللَّهِ عَلَيْكُمَا وَوَقَعَا فِي جَبْهَيْكُمَا الْحَدِيدُ ۚ

(طور-۱) کی لو کے عذاب سے بچا لیا،

اس آیت سے صاف نمایاں ہے کہ قتل و فساد اور نیکو کاروں پر قہر و گرمی کرنے والے جو دوزخ کی لو کے عذاب میں مبتلا ہوں گے، وہ انہیں کے قتل و فساد اور قہر و گرمی کی صورت ہوگی، اور وہ نیکو کار جنہوں نے ان شرکاروں کے اس قہر و گرمی اور غیظ و غضب کو صبر و شکر کے ساتھ برداشت کیا، وہ اس عذاب سے یہاں جنت میں محفوظ رہیں گے۔ دہمزد قوی دست منکرین کمزور اور غریب سہلانوں کو دیکھ کر دنیا میں ان پر حقیرانہ ہنستے تھے، قیامت میں ان کا اٹا ہو گا کہ یہ ان پر ہنسینگے فرمایا،

إِنَّ الَّذِينَ أَجْرُوا كَانُوا مِنَ الَّذِينَ

أَسْرَوْا بَیِّنًا ۚ قَالُوا لَقَدْ

الَّذِينَ آمَنُوا مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُونَ (تطیف)

نیکو کاروں کے دنیا کے آنسو یہاں، بٹم اور خندہ مسرت میں بدل گئے اور گنہگاروں کی وہاں کی ہنسی یہاں آنسوؤں کا تاریک ظاہر ہوئی،

گنہگار جو دنیا میں اپنی دولت و قوت کے نشہ میں چور اور اپنے اہل و عیال کے ساتھ خوش اور مسرور رہتے تھے، وہ یہاں غمگین ہو گئے، اور جو وہاں غمگین تھے وہ یہاں خوش اور مسرور ہو گئے،

فَسَوْفَ يَدْعُوا ثُبُورًا وَبُخْرًا ۚ

إِنَّهُ كَانَ فِي أَهْلِهِ مَسْرُورًا (الشقاق-۱)

اور غریب و مسکین جو وہاں اہل و عیال میں بیٹھ کر بھی مسرت سے نا آشنا تھے، ان کا یہ حال ہو گا کہ

فَسَوْفَ يَحْصِبُ حَسَابًا تَسِيرًا وَيُقَلِّبُ نَاسًا سِوَاكَ لِيُكَلِّمَهُمُ الْبَيِّنَاتِ وَأَوَّلُ الْبَيِّنَاتِ

إِلَى أَهْلِهَا مَسْرُورًا (الشقاق ۱۰) اپنے لوگوں کے پاس ٹوبیگا،

قرآن پاک میں بارہا یہ آیتیں یا بعینہ نہیں معنون کی آیتیں آئی ہیں،

وَبَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ (البقرہ ۲۸) اور ایمان لانے والے اور اچھے کام کرنے والوں کو باغوں کی

خوشخبری سنائیے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں،

ان آیتوں میں ایمان اور عمل صالح کے بالمقابل باغ اور اس کی نہروں کا ذکر پابندی کے ساتھ آتا ہے اس

اور خیال جاتا ہے کہ ان دونوں میں کوئی خاص تشبیہی تعلق ہے، یہ ظاہر ہے کہ درخت اصلی چیزیں ہیں جنکی ترقی اور

نشوونما پانی سے ہوتی ہے، بعینہ اسی طرح ایمان اصل ہے جس کی جڑوں کی سیرابی اعمال صالحہ کی آبیاری سے

ہوتی ہے، اگر ایمان ہو اور اعمال صالحہ نہ ہوں تو وہ ایک ایسا درخت ہوگا جس کی ترقی اور نشوونما کی امید نہیں،

اور اگر صرف عمل صالح ہے اور ایمان نہیں، تو ریگ میں پانی کی روانی ہے جس کا وجود وعدہ میسران ہے، اس

تشبیہ کے ذہن میں آنے کے ساتھ قرآن پاک کی یہ آیت سامنے آتی ہے،

وَأَدْخِلِ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ (البقرہ ۲۸) اور جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے وہ ان باغوں

میں داخل کئے گئے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں وہ اپنے

پروردگار کے حکم سے ان میں سدا بہہ گئے وہاں سلامتی

کی مبارکبا دہے، کیا تو نے نہیں دیکھا کہ خزانے کیسی ایک

بیان کی نیک بات ایک متحرک درخت کی طرح ہو

جنکی جڑ مضبوط ہو اور پانی آسمان میں ہو اپنے پروردگار

کے حکم سے وہ ہمہ وقت پھل لایا کرتا ہے اور فرائض

بیان کرتا ہے کہ لوگ شاید سوچیں،

وَلَا يَدْخُلُهَا الْأَنْهَارُ وَلَا فِيهَا سِلَاسٌ وَلَا فِيهَا شجرٌ كَشَجَرِ طَيْبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ (النور ۴۹) تو ان کے اندر نہریں

جس میں پانی نہ بہتا ہے اور نہ اس میں لٹکے ہوئے درخت ہیں،

اس آیت میں جنت اور کلمہ طیبہ کے درخت کی پوری تمثیل ہے، یہاں تک تقابل ہے کہ پہلے میں جب یہ کہا گیا کہ اپنے پروردگار کے حکم سے وہ اُن باغوں میں سدا رہیں گے۔ تو دوسرے میں ہے کہ وہ درخت اپنے پروردگار کے حکم سے سدا پھل دیتا رہیگا کلمہ طیبہ سے یہاں مراد ایمان ہے، جس کی جڑ مضبوط و مستحکم اور اسکی شاخیں آسمان میں اور اس کے پھل سدا پھلنے والے ہیں۔

صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت عثمان بن مظعون صحابی کی وفات کے بعد انکی ایک ہمسایہ صحابیہ نے خواب میں دیکھا کہ ایک منبر پر ہی ہے اور جب یہ معلوم ہوا کہ یہ حضرت عثمان بن مظعون کی ہے انھوں نے اکر یہ خواب حضرت صلعم سے بیان کیا، آپ نے اسکی تفسیر میں فرمایا ذلک عملاً یحییٰ لہ یعنی یہ منبر ان کا عمل ہے جو ان کے لیے بہ ہی ہے (بخاری کتاب التفسیر)

ان دونوں سابقہ حوالوں سے یہ ہویدا ہوتا ہے کہ ایمان کی تمثیل سدا بہار درخت سے اور عمل کی تمثیل منبر سے ہے، اس بنا پر اہل جنت کے لیے بار بار جس باغ اور منبر جاری کی بشارت دی گئی ہے وہ حقیقت میں اُن کے ایمان اور عمل صحیح کی تمثیلی شکلیں ہونگی اُن کا ایمان خوشنما اور سدا بہار باغ اور اُن کے اعمال صحیح صاف و شفاف منبر کی صورت میں نمایاں ہونگے اور وہ اُن سے لطف لذت اٹھائینگے،

اسی قیاس پر جنت کی دوسری لذتوں اور مسرتوں کی حقیقت کی تشریح کیجا سکتی ہے، علوم نبوی کے ایک بڑے واقف کار اور اسرار شریعت کے ایک بڑے دانائے راز شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ رحمۃ اللہ الباقیہ میں لکھتے ہیں

والکثر الذائق المحشرية من هذا القبيل حشر کے واقعات از قبیل تمثیل ہیں

وبالحملة حاصل یہ کہ

فتشبهات وتمثلات لما عندها یہ تمام امور معانی کا جہانی قابو میں اور مثالی صورتوں

وتشبه النعمة بمطعم هنيئ میں ظاہر ہوتا ہے اللہ تعالیٰ

لے تفسیر ابن جریر طبری، تفسیر آیت مذکورہ،

و مشرب میوئی و منکھ شہمی و ملبس رضی کی عنایت و مہربانی خوش مزہ کھانے خوشگوار پینے کی چیزوں

و مسکن بھی (صلہ - ہند) رغبت انگیز لذت بخارج، دلپند لباس اور عمدہ مسکن

ہم نے آیات و احادیث کے حوالوں سے پہلے کئی دفعہ یہ دکھایا ہے کہ اس تشبیہ و تشبیح کے کیا معنی ہیں اور کیوں کر مجسم معانی اپنے مناسب قالبوں میں مجسم ہو کر وجود پذیر ہوتے ہیں، دنیا کے تمام اعمال صالحہ کی اگر تحلیل کی جائے تو انکی اولاد میں بکلیں گی، خدا پر ایمان اور خلوص دل سے انکی طاعت جس کو "حق" کہتے ہیں اور دوسری ہندوکان الہی کیساتھ جن سلوک ہندوکان الہی کیساتھ جو نیک سلوک کیا جاسکتا ہو وہی ہو کہ انکی عزت ابرو کا پاس کیا جائے جسکو عفت و عصمت کہتے ہیں اور ان کے ضروریات زندگی کے ہتھاکرنے میں امداد کی جائے اور ضروریات زندگی ہی کھانا، پینا، پہننا، اور رہنا ہیں، انہیں کی نسبت ہم ان کے ساتھ جن سلوک کر سکتے ہیں، اب یہ پانچ قسمیں ہوئیں جنہیں جنت کی نعمتیں پانچ قسموں میں منحصر ہیں ایمان و اخلاص طاعت کی جزا وہ خود تبارک و تعالیٰ ہے، وہ اپنے قرب اور اپنے دیدار سے نوازیگا، عفت و عصمت کی جزا حسین و جمیل بیویوں کی صورت میں نمایاں ہوگی، دوسروں کے کھلانے کی جزا جنت کے باغ اور بھل اور رقم رقم کے اواب طعام ہیں، دوسروں کو پلانے کی جزا خوش مزہ و خوشگوار پینے کی مختلف چیزوں کی فراوانی ہے، پہنانے کی جزا ریشم و حریر و دیبا و اٹاس اور بہتر سے بہتر خوشنما لباس ہے اور رہنے اور رکھنے میں جن سلوک کی جزا خوش منظر مکان و قیامگاہ ہے،

ایک اور پہلو سے دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کی بہشت کی صفت یہ بیان فرمائی ہے،

إِنَّ لَكَ أَكْثَرَ مِمَّا تَشْتَقِي وَلَا تَقْصِرْ أَفْئِدَكَ

لَا تَقْصِرْ أَفْئِدَكَ وَلَا تَقْصِرْ أَفْئِدَكَ (طہ - ۷۷)

یہی چار مختصر انسانی ضرورتیں ہیں، جو پھیل کر ایک دنیا ہو گئی ہیں، جب آدم کی اولاد کو اپنے اعمال صالحہ کے بدولت نجات ملیگی، تو پھر ان کے لیے وہی بہشت ہے، جس میں نہ بھوکا ہونا ہے، نہ پیاسا ہونا، نہ تنگنا ہونا، نہ گرمی اور نہ دھوپ کی تکلیف میں گرفتار ہونا، اس حقیقت کی تعبیر و طرح سے کیا جاسکتی ہے، یا تو یہ کہ بہشت میں

اہل بہشت کی یہ کیفیت ہوتی ہے کہ وہ ان تمام انسانی ضرورتوں سے کیسر پاک ملبے نیاز ہو جاتے ہیں، اس لیے وہ ان کوئی بھوکا ہو گا نہ پیاسا نہ تنگ ہو گا، اور نہ دھوپ اور ٹوک کی محنت میں گرفتار، دوسرے یہ کہ بہشت میں اہل بہشت کو کھانے کے لیے ایسے اوانِ نعمت ملیں گے جن کو کھا کر انسان پھر بھوکا نہ ہو گا، اور پینے کے لیے شرابِ شربت کی وہ نہرین بہنکی جن کو پی کر پھر پیاسا نہ ہو گا، اور پینے کو وہ کپڑے ملیں گے جو پھر نمیلے ہونگے اور نہ بوسیدہ ہو کر پھٹینگے اور رہنے کے لیے ایسے گھنے باغ اور بلند مکانات ملیں گے جہاں دھوپ کا گذر نہ ہو گا،

یہ اصول پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ دنیا میں انسان کے لیے جو لطف و لذت ہے، وہ تھوڑی سی تکلیف کا نتیجہ ہے، انسانی اصول یہ ہے کہ بڑی لذت کے حصول کے لیے تھوڑی سی تکلیف گوارا کرتا ہے، اور بڑی مسرت پر چھوٹی چھوٹی مسرتوں کو قربان کرتا ہے، اسی اصول پر اس کے تمام اعمال کی کامیابی و ناکامیابی کی بنیاد ہے، اعمالِ صالحہ کے بجالانے میں انسان کو اس دنیا میں چھوٹی چھوٹی تکلیفیں برداشت کرنی پڑتی ہیں اور اپنی عارضی خوشیوں اور لذتوں کو ان پر قربان کرنا ہوتا ہے، صبح کے نمازی کو خواب سحر کی لذت کو خیر باد کہنا، اور دوپہر کی جلٹی دھوپ میں ظہر کے لیے مسجد جانا پڑتا ہے، خود بھوکا رہ کر دوسروں کو کھلانا پڑتا ہے، اور اپنی بہت سی ناجائز لہو بظاہر دھپ خوشیوں کا ایشارہ کرنا پڑتا ہے، اس طرح پاکیزہ زندگی گزارنے پر اسکو آخرت کی غیر فانی دولت اور ابدی سعادت میسر آتی ہے،

انسان کو دنیا میں ان اعمالِ صالحہ کی خاطر جن چیزوں کو قربان کرنا پڑتا ہے، ان میں پہلی چیز تو خود مسکمی زندگی ہے، پھر انسانی زندگی کی وہ چار قسمیں ہیں، جن کا نام کھانا، پینا، پہننا اور رہنا ہے، اس لیے آخرت میں ان قربانیوں کی جزا میں انھیں کی مناسب و مماثل جو چیزیں ملیں گی، وہ غیر فانی زندگی، اوانِ طعام، اقسامِ شراب و مسرت، انواعِ لباس اور بہترین مسکن ہیں، قرآن پاک میں ہے،

فَاَمَّا مَنْ ظَنَّنَا ۙ وَ اتَّخَذَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا مُبَاهًا
اَلْحَيٰوةُ الدُّنْيَا مِیۡوَاہٍ ۚ وَ اَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ
پس جس نے خدا سے سرکشی کی اور دنیاوی زندگی
رکے ناجائز لطفنا آرام کو ترجیح دی تو وہ درجہ اس کا

وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَىٰ ۖ فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ

ٹھکانا ہے، لیکن جو خدا کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرا

النَّافِی، (ذراعات ۲۰)

اور اپنے نفس کو ناجائز خواہشوں سے روکا تو اٹھانے کا بہشت

گرمس کی جزئی نیکیوں کی جزا تو وقتاً فوقتاً اس دنیا میں تھوڑی تھوڑی کر کے، شہرت، تعریف، ہر دلفریزی، اور دولت کی صورت میں ملتی رہتی ہے، مگر پوری زندگی کی مجموعی جزا دوسری زندگی ہی میں اُس کو ملے گی،

وَأَن تَأْكُلُوا فَاثَنًا أَجْرًا كَثِيرًا ۚ مَّا الْفَيْضُ هَٰ

اور تمہاری مزدوری قیامت کے دن پوری

(ال عمران ۱۹) ادا کی جائے گی،

لطف و مسرت کا تصور | مسرت ایک نفسی کیفیت کا نام ہے، جو انسان کو اپنی کسی خواہش کے پورے ہوتے وقت حاصل ہوتی ہے، اس بنا پر مسرت کے وجود کے لیے کسی خواہش کی تکمیل ضروری ہے، اب انسانی خواہشوں کی تکمیل کرو تو بالآخر ان کی انتہا انہیں باتوں پر ہوگی جنکی طلب اُسکی فطرت کے اندر ودیعت کر دی گئی ہے، اب غور کرو کہ وہ کیا چیزیں ہیں، یا کیا چیزیں اُس کے فہم میں آسکتی ہیں، وہ یہی ہیں، باغ و بہار، لباس و طعام، حور و قصور، خدم و حشم، سامان و اسباب، اور زر و جواہر، مسرت اور راحت کا جب کبھی تخیل آئیگا، اور جب کبھی ہم اُن کو سمجھنا چاہیں گے، اور کہنا چاہیں گے تو ہم کو انہیں چیزوں کا نقشہ کھینچنا پڑے گا، اور ہماری انسانی فطرت انہیں مسرتوں اور خوشیوں کو ڈھونڈنے کی عادی ہے، اور انہیں کے حصول کی خاطر دنیا میں ہر طرح کی سیدھ کاری اور گنہ کاری کی ترکیب ہوتی ہے، اس لیے ان سے احتراز کرنے پر جو چیزیں ہم کو وہاں ملنے لگی وہ ہمارے انہیں عادی مانوس اسباب مسرت کی صورتوں میں ہمارے سامنے پیش ہونگی اور ہم اُن سے لطف اندوز ہونگے،

لطف مسرت کا | اس دنیا سے کون و فساد میں ہم ایک عجیب قسم کی مصیبت میں مبتلا ہیں، ہم کو تخیل کے لحاظ سے اپنی اعلیٰ ترین تخیل | آرزوؤں اور خواہشوں کی وسیع اور غیر محدود دنیا بخشی گئی ہے، لیکن عملاً اپنی اپنی خواہشوں اور تنہاؤں

کے مطابق اپنی دنیا بنا لینے پر قدرت نہیں، نتیجہ یہ ہے کہ اگر ہم نے صبر و شکر کا دامن نہیں پکڑا ہے، تو ہم سے زیادہ اس دنیا میں تصور و تخیل کی تکلیف میں کوئی اور گرفتار نہیں، جنت آخرت کی اُس دنیا کا نام ہے، جو ہمارے اعلیٰ ترین

تخیل اور ہماری متناؤں اور آرزوؤں کے مطابق ہوگی،

جَنَّتٌ عَدْنٌ يَدْخُلُونَهَا يُجْرَوْنَ فِيهَا مِنْ نَضْرٍ
رہنے کے باغ جنکے نیچے نہرین بہتی ہوں، اُن کیلئے
قَحَظًا ۚ اَلَا يَتَذَكَّرُ فِيهَا مَنَاشِئُؤُنَّ ۚ كَذٰلِكَ
اُن باغوں میں وہ ہے جو وہ چاہیں، اللہ اسی طرح
يُخْرِجُ اللّٰهُ الْمُتَّقِيْنَ ۝ (دخول - ۱۲)

وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِيْ اَنفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا
اور تمہارے لیے جنت میں وہ ہے جو تمہارے دل چاہتا
مَا تَدَّعَوْْنَ ۚ (حم السجد ۷۴-۷۵)

لَكُمْ مِّنَ الشَّجَرِ مِنْ ذٰلِكَ يَخْرُجُ
ان کے لیے جنت میں وہ ہے جو وہ چاہیں اور تمہارے پاس اس
وَفِيهَا مَنَاشِئُهُمْ ۚ اَلَا تُفَسِّرُوْنَ كَلِمَ الْاٰتِيْنَ
اور جنت میں وہ ہے جس کی دل خواہش کریں اور
(نہر خوں - ۷۴)

لَهُمْ فِيهَا مَا يَشَآؤُنَ خٰلِدِيْنَ ۚ كَانَ عَلٰى
اُن کے لیے جنت میں وہ ہے جو وہ چاہیں گے میرے
رَبِّكَ وَعَدًا مِّنْ قَبْلِكَ ۚ (فرقان - ۲۵)

لَهُمْ مِّنَ الشَّجَرِ عِنْدَ رَبِّهِمْ (زمرہ - ۶۴)

ان کیلئے انکے پروردگار کے پاس وہ ہے جو وہ چاہیں گے
الغرض جنت وہ مقام ہے جہاں ہم کو وہ کچھ ملے گا جہاں تک ہمارا مرغ خیال اگر پہنچ سکتا ہے، لطف دست
کا وہ بلند سے بلند تخیل جو تصور میں آسکتا ہے وہاں ہمارے لیے مہیا ہوگا اسی بات میں ہر قسم کے لوگ تھے جنت کے سارا
مسرت کے متعلق وہ اپنی اپنی پسند اور آرزو کے مطابق آپ سے پوچھتے رہتے تھے اور آپ جواب دیتے تھے حضرت
ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ جنت میں جو سب کچھ رہتا ہوگا انکی کیفیت بھی یہ ہوگی کہ خدا تعالیٰ
اس سے فرمایا کہ تو اپنی انتہائی آرزو دل میں خیال کر وہ کریگا تو خدا فرمایا کہ تجھ کو وہ سب دیا گیا جس کی تو نے
آرزو کی تھی اور اس کے برابر اور یہاں تک کہ بازار کا شوق ہوگا تو بازار بھی لگے گا لیکن وہ حقیقی خرید و فروخت نہ ہوگی

لہ صبح مسلم

کہ وہاں کسی چیز کی ہوگی، بلکہ وہ مثالی صورتوں میں ہوگی، (الا الصور من الرجال)
 کسی کو جنت میں کھیتی کا شوق ہوگا، تو دانہ، سبزہ، نلکہ اور پھر تیاری پسب کام منٹوں میں انجام پا جائے گا، ایک
 بدوی نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں گھوڑے بھی ہونگے، فرمایا کہ اگر تم کو جنت ملی تو اگر تم یہ بھی چاہو گے کہ سرخ
 یا قوت کا گھوڑا ہو جو تم کو جہاں چاہو بہشت میں لئے پھرے تو وہ بھی ہوگا، دوسرے نے پوچھا کہ یا رسول اللہ صلی
 اللہ علیہ وسلم اونٹ بھی ہوگا، فرمایا اگر تم جنت میں گئے تو تمہارے لیے وہ سب کچھ ہوگا جو تمہارا دل چاہے گا، اور جو تمہاری پسند
 پسند کرنا ہوگی،

جنت میں اہل جنت کے مختلف رتبے ہونگے، اس لیے اعلیٰ کے لباس و سامان کو دیکھ کر ادنیٰ کو اپنی کمی
 کا خیال ہوگا، تو اس کے تصور میں یہ پیدا کر دیا جائیگا (حتیٰ یخیل الیہ) کہ خود اس کا لباس و سامان اس سے
 بہتر ہے، اور یہ اس لیے ہوگا کہ جنت میں کسی کو غم ہونا ممکن نہیں ہے۔

کسی صاحبِ دل نے جنت کی یہ تعریف خوب کی ہے،

جنت جہان کوئی جہانی
 دروہانی آزار نہیں

بہشت آنجا کہ آزار سے نہ باشد

دنیا میں کوئی بڑی سے بڑی مسرور زندگی بھی ایسی نہیں مل سکتی جس کے پہلو میں مسرت کے پھول کھیں
 غم کا کوئی کاٹنا نہ چھو رہا ہو، یا تو موجودہ مسرت کے آئندہ ختم ہونے کا خوف ہے، اور یا گذشتہ ناکامی کا افسوس
 ہے، اس بنا پر یہاں کی کوئی خوشی بھی کامل نہیں، مگر جنت وہ مقام ہوگا، جہاں نہ ماضی و حال کا غم ہوگا، اور نہ
 مستقبل کا خوف ہوگا، چنانچہ اہل جنت کے متعلق بار بار ارشاد ہوا،

لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ، اِنَّ كَوْفَ هُوَ كَا اَوْرَدَ غَلِيْلًا هُوَ كَا

اور یہی بہشت کی سب سے بڑی نعمت ہوگی، اس میں جہانی دروہانی ہر قسم کی نعمتیں داخل ہیں،

دنیا میں کوئی انسان اس وقت تک کوئی نعمت گلے سے نہیں اتار سکتا، اور نہ کوئی حقیر ابدن پر رکھ سکتا

سہ ترمذی و کتب مشکوٰۃ صفحہ ۱۰۲، سہ صحیح بخاری ص ۳۰۲ ترمذی، سہ ترمذی، یکل حدیث مشکوٰۃ صفحہ ۱۰۲ سے لیکھی ہیں

مِنْ تَحْتِهِمْ أَكْثَرُ الْعَرَاتِ ۝

نیچے نہیں ہوتی ہیں

وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِمْ مِنْ غَلٍّ إِخْتِائًا ۝ اور ہم نے اُن کے سینوں سے کینہ کو کھینچ لیا، بھائی بھائی

عَلَى سُرُرٍ مُتَقَابِلِينَ ۝ (حجر - ۴۱)

بنکر تختوں پر اُٹنے سامنے بیٹھے ہونگے

اسی کی تفسیر میں حدیث صحیح میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ وہاں نہ ولوں کا اختلاف ہوگا، نہ باہم بغض اور کینہ نہ

سب کے دل ایک دِل کی طرح متحد ہونگے۔

وہاں کی جہانی زندگی | بہشت میں زندگی کی جولد تین ہونگی انکی تعبیر لو ان نعمت اور انوارِ شربت و شراب اور دوسرے
کیسی ہوگی؟ مادی لذائذ سے ہو سکتی ہے، مگر وہ حظ و مسرت اور اطمینان و سکینت کے علاوہ کسی معنی میں

بھی مادی خصوصیات سے آلودہ نہ ہوگی، یہاں ہر کھانے پینے کے ساتھ بول بھرا، پسینہ اور سوزِ ہضم کی قلت لگی ہوئی
ہے، اور بغیر اس کے انسان یہاں زندہ نہیں رہ سکتا، مگر وہاں یہ کچھ نہ ہوگا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اہل جنت

ٹھانٹیں گے اور پسینے گے لیکن نہ تھوکیں گے نہ وہاں بول بھرا کی حاجت ہوگی، نہ وہاں ناک سے رطوبت نکلیں گی،
نہ بلغم دکھلا کر جی گھنونی چیزیں ہونگی، کھانا ایک ڈکار میں ہضم ہوگا، وہاں کے پسینہ میں مشک کی خوشبو ہوگی، بہشت

میں داخل ہوگا، اُس کو وہ نعمت ملے گی کہ پھر تکلیف نہ ہوگی، نہ اُن کے کپڑے بوسیدہ ہونگے، اور نہ انکی جوانی زائل
ہوگی، وہاں مادی غیب یہ پکار کر کہدیا، یہاں وہ تندرستی ہے کہ بیمار نہ پڑو گے، وہ زندگی ہے کہ پھر موت نہ آئے گی

وہ جوانی ہے کہ پھر پڑھ نہ ہو گے، اور وہ آرام ہے کہ پھر تکلیف نہ پڑو گے، لوگوں کے چہرے اپنے اپنے اعمال کے
مطابق چمکنے کوئی ستارہ کی طرح کوئی چودھویں کے چاند کی طرح۔

غور کرو کہ وہ جہانی زندگی، ہماری موجودہ جہانی زندگی سے کتنی مختلف ہوگی، اس پر تعجب نہ کرنا چاہیے،

انسان کبھی شکم مادر میں ایک بچہ کی صورت میں زندہ تھا، مگر وہاں انکی زندگی، انکی غذا، اُس کے فضلہ غذا، اس کی
سانس، اور دوسرے لوازمِ حیات، بیرونِ شکم کے دنیاوی اصولِ حیات و قوانینِ زندگی سے بالکل مختلف تھے

اس صحیح مسلم صنفہ بخیرۃ، اسے یہ ساری حدیثیں صحیح مسلم صنفہ بخیرۃ میں ہیں،

اور جس طرح شکم مادر میں بچہ کا اس بیرونی زندگی کے حکایات کو تعب کیساتھ سنکر آمادہ انکار ہونا دانشمندی نہ ہوگی، ایسے ہی اس مادی زندگی کے خوراک اور اس عالم آب و گل کے باشندے اس دوسری زندگی کے اصول حیات، طرز غذا، اور دوسرے لوازم حیات کو سنکر آمادہ انکار ہون تو ان کا بھی یہ فعل دانشمندی کے خلاف ہوگا،

جنتہ ارتقا سے روحانی جزا مادی و جسمانی خلقت فطرت کی لاکھوں برس کی تاریخ کے مطالعہ اور تحقیق سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچی ہے کہ مادہ نے لاکھوں برس کے تغیرات کے بعد اس انسانی جسمانییت تک ترقی کی ہے، وہ پہلے جماد بنا، پھر نبات کی شکل میں آیا، پھر حیوان کا قالب اختیار کیا، پھر جسم انسانی کی صورت میں نمودار ہوا، اور یہ مادیت کی سیراج ترقی ہے، جمادیت شکر نباتیت پیدا ہوئی، اور نباتیت فنا ہو کر حیوانیت نمودار ہوئی، پھر حیوانیت محدود ہو کر انسانیت ظہور پذیر ہوئی، اور ارتقاے انسانی کا جسمانی پہلو تکمیل کو پہنچ گیا، لیکن انسانیت کا دوسرا رخ جو روحانیت سے عبارت ہے، ہنوز اپنے آغاز طفولیت میں ہے، کیا اس پر بھی اسی ارتقائی دور کے مارج نہیں آئیں گے ایک مادہ پرست صرف بام ارتقا تک زمین زمینیہ چڑھ کر ٹھہر جاتا ہے، لیکن مذہب اس سے بھی آگے لے چلتا ہے، اور بیان سے وہ اڑ کر سقف آسمان تک پہنچتا ہے، اور ملکوتیت کی سرحد کی ترقی شروع کرتا ہے، قرآن پاک کی ان آیتوں پر غور کرنے سے اس نظریہ کے اشارات نکلتے ہیں،

الَّذِينَ يَرْتُونَ الْفُرْقَانِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ	جو فردوس کی وراثت پائیں گے، اور وہ زمین سدا
وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ طِينٍ ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نُطْفَةً فِي قَرَارٍ مَّكِينٍ	پہلے، اور ہم (خدا) نے انسان کو مٹی کی کشید سے بنایا، پھر اس کو (رحمِ خدائی کے) ایک ٹھہر لو کی جگہ میں ایک نطفہ
ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظًا فَكَسْنَا الْعِظَامَ عَظْمًا ثُمَّ أَنشَأْنَاهُ خَلْقًا آخَرَ فَتَبَايَسْتَ رَبُّكَ	بنایا، پھر اس کو بندہ ہوا خون بنایا، پھر اس خون کو لوتھڑا بنایا، پھر اس لوتھڑے کو ہڈیاں بنایا، پھر ہڈیوں کو گوشت پہنایا، پھر اس کو ایک نئی صورت میں اٹھا کر کھڑا
اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ (مومنون-۱)	کیا تو بہت والا ہے سب سے بہتر بنانے والا (خدا)،

لیکن یہ ترقی ہمیں ہمیشہ پر رک نہیں جائیگی، بلکہ آگے بھی ہوگی، اس لیے جس طرح مان کے پیٹ کی تنگ
 و تاریک دنیا میں زیست و حیات کے کچھ قواعد تھے، پھر عالم کی اس سے بھی وسیع تر دنیا میں اُس نے قدم رکھا،
 جہاں ترقی و حیات کے دوسرے ہی اصول ہیں، اسی طرح اس دنیا سے مادی سے نکل کر اُس وسیع تر دنیا
 میں قدم رکھ گا، جہاں ترقی اور سعادت کے اور دوسرے اصول ہوں گے، چنانچہ اس کے بعد ہی فرمایا،
 ثُمَّ لَا تَكُنْ مِّنَ الْكَافِرِينَ ذَٰلِكَ لِمَنْ يَّهْتَدُونَ ثُمَّ أَنْتُمْ
 يَوْمَ الْقِيَمَةِ يَتَّبِعُونَ (مومنون-۱) کے دن اٹھائے جاؤ گے،

جس طرح انسانیت سے پہلے لاکھوں برس میں ایک نوع کی کیفیت مٹ کر دوسری نوع کی کیفیت
 پیدا ہوتے ہوئے انسانیت تک نوبت پہنچی، موت کے معنی یہ ہیں کہ اب نوع انسانی کی تمام کیفیتیں مٹ کر ایک نئی
 نوع کی کیفیتوں کی تیاری شروع ہوئی، صد ہا ہزار سال کے بعد قیامت سے دوسری نوع ملکوتی کا ظہور ہوگا،
 یہاں مسئلہ ارتقاء کا دوسرا اصول سامنے آتا ہے جسکو بقاء صلیح کہتے ہیں، کہ ان مدارج ترقی کے انسانی
 ہزاروں وہ نوعیں فنا ہوتی رہتی ہیں جنہیں آگے بڑھنے کی صلاحیت نہیں ہوتی، اور وہی باقی رہ جاتی ہیں جنہیں
 آئندہ بقاء کی پوری استعداد ہوتی ہے، اس طرح پچھلی استعداد سے آئندہ کی استعداد پیدا ہوتی ہے، اسی طرح اس
 دوسری ملکوتی نوع کی استعداد انہیں کو ملتی ہے جو جبکہ اندر اپنی پچھلی مادی و جسمانی زندگی میں اس کی استعداد پیدا ہو چکی
 تھی، اور رخ کے درجے اُن لوگوں کے مقامات ہیں جو گویا ہنوز، جادوی و نباتی و حیوانی منزلوں میں ہیں، اور
 ممکن ہے کہ وہ اس دارالامتحان میں اپنی کمی استعداد کے بقدر بکرا آگے کی استعداد پیدا کر لیں، اور ملکوتیت کی ترقی
 حاصل کر سکیں،

بہشت کے مختلف مدارج اُنکی استعدادوں کے مقامات ہیں، جو اپنی پہلی ہی زندگی میں اس ترقی کی استعداد
 پیدا کر چکے تھے، لیکن یہاں ہمیشہ بھی اُن کی روحانی ترقی کا دروازہ بند نہ ہوگا، بلکہ وہ بقدر استعداد تکمیل کے مدارج طے
 کرتے چلے جائیں گے، شاید اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَلَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ (تین-۱) ان (بشتیوں) کے لیے نہ ختم ہونے والی مزدوری ہے،

ایک دوسری آیت میں ہے کہ اہل بہشت بہشت میں ہمارے گئے،

لَوْ رُفِعَ كِسْفٌ مِّنَ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ وَيَأْتِيهِمْ نُورٌ

فَيَقُولُونَ رَبَّنَا أَنْتُمْ لَنَا نُورٌ نَّوْءًا وَاعْفُوْ

إِنَّا عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (تحریم-۲) معاف کرو تو ہر بات کر سکتا ہے،

یہ مزید تکمیل کی خواہش میں بہشت میں ظاہر کی جا رہی ہے، اور دعا کا آغاز ”رب“ کی ندا سے ہوتا ہے اس

اشارہ ہے کہ یہ مزید تکمیل اسی کی رہبیت کا اقتضا ہے، جو نیکو کاروں کو جنت میں حاصل ہوگی،

امن و سلامتی کا گھر انسان امن و سلامتی کا بھوکا ہے، لیکن وہ اس امن و سلامتی کو اسباب راحت کے انبار میں تلاش

کرتا ہے، اور نہیں پاتا، وہ دنیا میں امن کا گوشہ ڈھونڈتا ہے، اور وہ اسکو نہیں ملتا، لیکن یہاں اگر اسکو نہ صرف امن

کا گوشہ، بلکہ امن و سلامتی کی ایک دنیا ملے گی، وہ پرند جو بحر چار عناصر کے قفس میں گرفتار رہا، یہاں وہ سدرۃ المنتهی

کی ہر شاخ پر آزادانہ پرواز کرے گا، جنت کے جہان وحی محمدی نے اور بہت سے نام بتائے ہیں، وہاں اس کا ایک

نام **دَارُ السَّلَامِ** ہے، جس کے معنی امن و سلامتی کے گھر کے ہیں،

اہل جنت کی نسبت ارشاد ہے،

لَهُمْ دَارُ السَّلَامِ عِندَ رَبِّهِمْ (الغافر-۱۵) ان کے لیے ان کے پروردگار کے پاس سلامتی کا گھر ہے،

اللہ تعالیٰ نے جس شریعت کو دیکر اپنے پیغمبر علیہ السلام کو مبعوث فرمایا ہے، وہ حقیقت میں اسی امن و سلامتی

کی نوید بشارت ہے، اسی لئے فرمایا،

وَاللَّهُ يَدْعُو إِلَى دَارِ السَّلَامِ (یونس-۳۱) اور اللہ سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ تشریف لائے، تو سب سے پہلے اسی امن و سلامتی کے گھر کی دعوت پیش فرمائی

عبداللہ بن سلام جو ایک یہودی عالم تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جس صراط نبوت نے سب سے پہلے ان کے دل

مین گھر کیا، وہ یہ تھی، ”لوگو! سلامتی پھیلاؤ، بھوکوں کو کھلاؤ، جب دنیا غفلت کی نیند سوئے تو تم اٹھ کر اس کی عبادت کرو، امن و سلامتی کے گھر میں رہنا تم کو نصیب ہوگا۔“

جنت کے ذکر میں اس امن و سلامتی کا تذکرہ قرآن پاک میں بار بار آیا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جنت کے در و دیوار سے امن و سلامتی کے ترانے سنائی دینگے،

وَالْمَلَائِكَةُ يَدْخُلُونَ عَلَيْكُمْ مِنْ كُلِّ
بَابٍ، سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنَجِّكُمْ
عَقَبَى الدَّارِ، (رعد - ۳)

اور فرشتے ہر دروازہ سے اُن کے سامنے یہ کہتے ہوئے

آئینگے کہ تم پر سلامتی ہو کہ تم نے صبر کیا تھا، تو کیسا اچھا

پچھلا گھر ہے،

وہاں امن و سلامتی کے سوا کچھ سنائی نہ دیگا،

اَلْاَقِلَّةُ سَلَامًا سَلَامًا، (واقعہ - ۱)

لیکن سلامتی سلامتی کی پکار

فرشتے اہل جنت کو یوں کہیں گے،

ادْخُلُوْهَا بِسَلَامٍ ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُلُوْۤدِ، (یعنی) اس جنت میں سلامتی کیساتھ داخل ہو یہ زندگی جاوید کا دن ہے

لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا كَلْفًا اِلَّا سَلَامًا (سورہ - ۴۰)

اُس میں سلامتی کے سوا کوئی اور یہودہ بات نہ سنیں گے

جنت کا ایک اور نام قرآن میں ”مقام امین“ امن والا مقام بتایا گیا ہے، فرمایا،

اِنَّ الْمَقِيْلَيْنِ فِيْ مَقَامٍ اَمِيْنٍ، (دخان - ۳)

بیشک پرہیزگار لوگ امن والے مقام میں ہوں گے،

مقام رحمت اُحد کی رحمت کب نہیں؟ اور کہاں نہیں؟ مگر دنیا کے فطری قوانین کے بموجب اس دنیا میں ایسے

واقعات اور حادثے بھی پیش آجاتے ہیں، جنکو ہم رحمت کے بجائے قہر الہی سے تعبیر کرتے ہیں، پھر یہ بھی واقعہ

ہے کہ خود ہم کو ہمارے اعمال کے بدولت خداوند تعالیٰ کے قہر و غضب میں مبتلا ہونا پڑتا ہے، لیکن ایک عالم

یہ ہے جہاں اُس کی رحمت کے سوا اُس کے قہر و غضب کا نام و نشان نہ ہوگا، اُس کی رحمت اور فیض و کرم کی

وہاں ہر طرف بارش ہوگی، اور اس کی رحمت کے سوا کوئی اور منظر کہیں، اور کبھی نہ کھائی نہ دیگا،

يُسَبِّحُكُمْ رَبُّكُمْ بِرَحْمَةٍ مِنْهُ وَرَحْمَةً
اُن کا پروردگار اُن کو اپنی رحمت، خوشنودی اور اُن

وَجَنَّتْ لَكُمْ فِيهَا كَعَمِّ مَيْتَمٍ (توبہ-۳)
باغوں کی خوشخبری دیتا ہے جنہیں اُن کیلئے ہمیشہ کا آرام ہے،

اہل جنت کو جن کے چہرے خوشی سے دھلے ہونگے، یہ آواز سنائی دیگی،

وَأَمَّا الَّذِينَ ابْصُرَتْ وُجُوهُهُمْ فِئْتٍ
لیکن جنکے چہرے روشن ہوئے تو وہ اللہ کی رحمت میں

رَحْمَةِ اللَّهِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ (ال عمران-۱۱)
ہونگے، اُمین وہ سدا رہیں گے،

مقام نور | جنت نور کا وہ مقام ہے، جہاں ظلمت و تاریکی کا نام و نشان نہ ہوگا، جنتیوں کے چہرے روشن ہونگے
کوئی ستاروں کی طرح چمکیگا، اور کوئی چاند کی طرح، ہر طرف اُن کے انوار کی بارش ہوگی، آگے پیچھے، داہنے
بائیں ہر سمت سے نور درخشان ہوگا، فرمایا،

نُورُهُمْ يَسْعَىٰ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَبِأَيْمَانِهِمْ
اُن کا نور اُن کے سامنے اور اُن کے داہنے

(تحدید-۲) دوڑے گا،

اُس دن اہل ایمان کے نور ایمان کی جلیان ہر طرف کوندینگے،

يَوْمَ تَنبُرُ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتُ يَسْعَىٰ
جس دن تو مومن مردوں اور مومن عورتوں کو

نُورُهُمْ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَبِأَيْمَانِهِمْ
دیکھیگا کہ اُن کا نور اُنکے سامنے اور اُن کے داہنے

نُورُكُمْ الْيَوْمَ جَنَّتْ تَحْرِي مَرْت
چمکیگا، آج تمکو خوشخبری ہو، وہ باغ بہن جن کے نیچے

تَحْتَهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ذَلِكَ هُوَ
نہر بہتی ہیں، اُن میں ہمیشہ رہا کرو گے یہی بڑی

الْفَوْزُ الْعَظِيمُ (حدید-۲) کامیابی ہے،

اُس دن اہل نفاق اہل ایمان سے آرزو کریں گے، کہ ذرا ٹھہر جائیے، کہ ہمارے ظلمت کدہ میں بھی ایک دم

کے لیے روشنی ہو جائے،

يَوْمَ يَقُولُ الْمُنَافِقُونَ وَالْمُنَافِقَاتُ لِلَّذِينَ
جس دن منافق مرد اور منافق عورتیں اہل ایمان سے

اٰمَنُوْا لَطُفُوْا وَنَاكَفَتْسُ مِنْ تُوْبِكُمْ (حدید - ۲۰) کینگی کہ در ظہر کہ ہم بھی تھا سے فورے روشنی میں۔

مقامِ رضوان | جنت کے انعامات کی فہرست میں سب سے آخری چیز مقامِ رضوان ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کا اپنے بند سے راضی اور خوش ہونا کہ اس کے بعد نہ کبھی وہ اپنے اُس بندہ پر عتاب فرمایگا، نہ اُس سے ناراض ہوگا، بلکہ اُسکو اپنی رضامندی اور خوشنودی کی لازوال دولت عطا فرمائے گا، متقیوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں رکھی ہیں اُن میں جنت، بہرین، پاک بیویاں، اور اُن سب کے بعد روح کی مسرت رکھی ہے، لیکن ان سب کے بعد بھی اپنی سب سے آخری نعمت اپنی اسی رضامندی کو ظاہر فرماتا ہے، چنانچہ سورہ توبہ میں رحمت اور رضوان کے بعد جنت کے ذکر کو جگہ دی گئی ہے۔

يُشِيرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِنْهُ وَرِضْوَانٍ اُنْكَارِ پروردگار اُنکی رحمت اور خوشنودی (رضوان) کی تجویز

وَجَنَّتْ لَهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ (توبہ - ۳) دیتا ہے اور اُن باغوں کی جنہیں نعمت الہی قائم رہیگی،

سورہ حدید میں بھی اسی طرح مغفرت اور رضا کے الٰہی کے بعد بطور تکملہ کے جنت کا ذکر کرتا ہے، فرمایا،

وَفِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۚ وَوَعْفٍ رَّحِيْمٍ اور آخرت میں سخت عذاب ہے، اور خدا کی بخشش اور

مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ ۚ وَوَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا رضامندی بھی ہے اور دنیا کی زندگی تو دھوکے کا سان

اِكْتِمَاعُ الْغُرُوْرِ ۚ سَابِقُوْا اِلٰی سَعٰدَةٍ ہے، اپنے رب کی بخشش اور اُس جنت کی طرف دوڑو جیسا

مِنْ سَرَّيْكُمْ وَجَنَّتْ عَنْكُمْ صٰلِحَاتُكُمْ فَاَنْتُمْ سٰمِعُوْنَ پھیلاؤ آسمان اور زمین کے پھیلاؤ کے برابر ہے، یہ انکے

وَلَا تَرْضٰ اَعْدَاتُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ لیے بنائی گئی ہے جو اللہ اور اُس کے رسولوں پر یقین

وَسُرَّيْكُمْ ذٰلِكَ فَضَّلَ اللّٰهُ يُوْنُسَ مِنْ سٰوِيٍّ رَکھتے ہیں، یہ اللہ کی ہر بانی ہے، جس کو چاہتا ہے،

وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ (حدید - ۳) دیتا ہے، اور اللہ بڑی ہر بانی والا ہے،

سورہ آل عمران میں جنت کی تمام نعمتوں کو گنا کر اُن کا خاتمہ رضوان کی عظیم الشان بشارت پر کیا گیا ہے،

فرمایا،

لَّذِينَ اتَّقَوْا عِندَ رَبِّهِمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَأَنْزَلَ مِنْ سَمَوَاتٍ مُمِيزَةً لِرِضْوَانٍ مِنَ اللَّهِ (آل عمران ۴۲)

جہنوں نے پرہیزگاری کی ان کے لیے ان کے پروردگار کے پاس ایسے باغ ہیں جنکے نیچے نہریں بہتی ہیں ان میں مٹھرائے کے درختوں سے بڑھ کر نعمت رضوان الہی کو قرار دیا ہے،

وَعَدَ اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَمَسْكِنٌ طَيِّبٌ فِي جَنَّاتِ عَدْنٍ مِمَّا رِضْوَانٌ مِنَ اللَّهِ الْكَبِيرِ ذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ (توبہ ۹)

اللہ نے ایمان مردوں اور عورتوں سے ان باغوں کا وعدہ کیا ہے جنکے نیچے نہریں بہتی ہیں ان میں مسکن طیبہ طیبہ فی جنت عدن مِمَّا رِضْوَانٌ مِنَ اللَّهِ الْكَبِيرِ اُذْ لِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ (توبہ ۹)

سب سے بڑی ہے وہی بڑی کامیابی ہے

بہشت کی مطمئن و حوں کو اس دنیا سے رخصت ہوتے ہی یہ نوید مسرت سنائی جاتی ہے،

يَا أَيُّهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَرْضِيَّةً (فجر ۲۷)

اے طمئن الی روح! تو اپنے رب کے پاس اس طرح واپس جا کہ تو اس سے راضی ہو، اور وہ تجھ سے راضی ہو،

اہل جنت کی یہ صفت آئی ہے،

رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ (مائدہ ۷۴)

خدا ان سے خوش اور وہ خدا سے خوش،

انجین آیتوں کی تفسیر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بشارت سنائی ہے کہ خداوند تعالیٰ اہل جنت کو آواز دے گا کہ اے جنت والو! وہ جواب دینگے کہ اے خداوند! ہم حاضر ہیں، سب بھلائیوں میں تیرے پاس ہیں، فرمایا جنت کی نعمتیں پا کر، اب تم خوش ہوئے، عرض کریں کہ پروردگار! کیون خوش نہ ہوں کہ تو نے ہم کو وہ کچھ دیا جو کسی کو نہیں دیا، فرمایا کہ میں ان تمام گذشتہ نعمتوں سے بڑھ کر جو چیز ہے وہ تم کو نہ دون؟ کہیں گے اسے پروردگار! ان سے بہتر کیا ہے؟ فرمایا جنت "یہ کہ اپنی رضامندی و خوشی تم پر اتاروں، پھر اس کے بعد میں کہیں تم سے ناراض نہ ہوں گا۔"

لے جنت کی نعمتیں
سب سے بڑی ہے

مقام طیب ظاہر موجود دنیا کی ہر چیز آلودگیوں اور نجاستوں سے بھری ہے، لیکن بہشت وہ مقام ہے جو پاک ستی

لطافت اور طہارت کا منظر ہے، اس میں ہی داخل ہونگے جو گنی ہوں سے پاک ہو چکے ہوں، فرمایا

طِبُّهُمْ فَإِذَا خَلُّوا خِلْدًا يَنْ (نہر - ۸) تم پاک ہو چکے تو جنت میں ہیئت کے لیے داخل ہو جاؤ،

جو زندگی وہاں ملے گی وہ بھی پاک و صاف اور ستھری اور ہر جسمانی و روحانی آلائش سے بری ہوگی، فرمایا،

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ وَأُنْشِئَ وَهُوَ مرد ہو یا عورت جس نے مومن بن کر اچھے کام کئے ہم کو

مُؤْمِنٍ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ ایک پاک زندگی دیکر جلائیں گے اور ان کو ہم ان کے

اَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (نحل - ۱۲) سب سے بہتر عمل کے مطابق بدلہ دیں گے،

جو گھر وہاں ملین گے وہ بھی پاک و صاف اور ستھری ہونگے،

وَسَلٰكِنَ طَيِّبَةً (صف - ۲) اور پاک گھر،

جو بیویان ملین گی وہ پاک ہوگی،

وَأَنزَلْنَا فِيهَا مُّطَهَّرًا (ال عمران - ۲) اور پاک بیویان،

وہاں کی جو باتیں ہونگی وہ بھی پاک،

وَهُدًى وَآلِی الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ (حج - ۳) اور اہل جنت کو پاکیزہ گفتار کی طرف رہنمائی کی جائے گی،

ان کو پینے کی جو چیزیں ملے گی وہ بھی پاک ہوگی،

لَهُ شَرَابٌ طَهُورًا (دھر - ۱) اور پینے کی پاک چیز،

غرض کہ ہر چیز وہاں پاک، صاف، طیب و طاہر ہر روحانی و جسمانی آلودگیوں سے بہتر ہوگی،

تبیح و تہلیل | اس آرام و لطف کے بعد اہل جنت کی روحانی لذت اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور تسبیح و تہلیل ہوگی،

کی روحانی غذا ہوگی، وہ عالم جہان ہر طرف انوار الہی برستے ہیں، جہان صفائی اور ستھرائی کے سوا کوئی اور

میں، جہان قدس و نزاہت کی ہر طرف صورتیں نظر آئیں گی، وہاں حمد و ثنا کے روح افزا ترانے بھی ہر طرف

سے بلند ہو گئے،

دَعُوْا لَهُمْ فِيْهَا بِسْمِ اللّٰهِ وَتَحِيَّاتُهُمْ
جنت میں اُن کی نڈایہ ہوگی کہ اے میرے اللہ تیری
فِيْهَا سَلَامٌ وَّ اٰخِرُ دَعْوَاهُمْ اِنِ الْحَمْدُ
پاک اور اُن کی آپس کی دعا، سلامتی ہوگی، اور انکی آخری
لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ، (یونس: ۱۰)
پکاریہ ہوگی، کہ دنیا کے پروردگار اللہ (تعالیٰ) کی حمد و ثناء
جنت کی تمام شاہانہ نعمتوں کے بعد بڑی نعمت یہ ہوگی، کہ خدا کی تسبیح و تہلیل کی نئی نئی پر لطف راہیں مل رہی ہیں
پر کھلینگی فرمایا،

اِنَّ اللّٰهَ يَدْخُلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا
بیشک اللہ ان کو جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے اُن
الصّٰلِحٰتِ جَنَّتِ بَحْرُ مِّنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ
باغوں میں داخل کرے گا، جنکے نیچے نہر بہتی ہوں، انہیں
يُخْلَوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرٍ مِّنْ ذَهَبٍ وَّ
انگوڑوں کے گنگن، اور موتی پہنائے جائیں گے اور انکی پوشاک
لَوْلُوْا وِلْيَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ وَّ هُدًى وَّ اِ
اُن میں ریشم کی ہوگی، اور وہ راہ دکھائے جائیں گے اچھی
اِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ وَ هُدًى وَّ اِلَى
بات کی، اور دکھائے جائیں گے اس سربراہِ احد
صِرَاطِ الْحَمِيْدِ، (حج - ۳)
(ذات) کی راہ،

وہ اپنے ہر سرور اور نعمت کے شکر یہ میں فرشتوں کے ساتھ مل کر حمد الہی کا سرودِ سرمدی گائیں گے، اور یہ وقت

ہوگا جب عالم وجود کے ہر گوشہ سے اسکی حمد کا ترانہ بلند ہوگا، فرمایا،

وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلَامٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ
جنت کے نگہبان اُن سے کہیں گے، تم پر سلامتی ہو،
فَاَدْخَلُوْهَا حِلْدِيْنَ، وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ
تم پاک ہو چکے تو جنت میں چلے جاؤ، اہل جنت کہیں گے
الَّذِيْ صَدَقْنَا وَعَدَ لَا وَاَوْفَا رَسُوْلًا الْاَوْفَا
اُس اللہ کی حمد جو جس نے اپنا وعدہ پکا کیا، اور ہم کو اس
نَبَّوْا مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَاءُ فَنِعْمَ
سرزمین کا مالک کیا، کہ جنت میں جہاں چاہیں رہیں
اَنْجَرُ الْعَمِلِيْنَ، وَ تَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ سَاجِدِيْنَ
تو کام کرنے والوں کی کیسی اچھی مزدوری ہو، اور یہ کھینچا

مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ ۖ
 وَتُذَىٰ بَيْنَهُمْ بِالنَّحْلِ ۖ وَقِيلَ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ
 الْعَالَمِينَ (زمر - ۸)

کہہ رہے تھے عرش الہی کو گھیرے اپنے پروردگار کی حمد کی تسبیح
 کر رہے ہونگے اور سب لوگوں کے درمیان فیصلہ دینے والے
 اور کہا جائیگا کہ حمد ہوسارے عالم کے پروردگار کی

اہل جنت کے متعلق قرآن پاک میں ایک جگہ ہے،

لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا وَلَا سُلْهًا وَلَا جِهَارًا ۚ
 رِزْقُهُمْ فِيهَا بُكْرَةً وَعَشِيًّا (سج - ۴)

وہ نہ سنیں گے وہاں بیکار بات، مگر سلام اور ان کی
 روزی انہیں صبح اور شام ہوگی

اس صبح و شام کی روزی سے مقصود کیا جنت کے کھانے کے الوان نعمت ہیں؟ اگر ایسا ہوتا تو صبح و شام
 کی تخصیص کیا تھی، وہ تو ہر وقت سامنے ہونگے، میرا گمان یہ ہے کہ اس روزی سے خدا کی تسبیح و تہلیل کی روحانی روزی
 اور ربانی غذا مراد ہے، اور حدیث کے ان لفظوں کو اسی کی تفسیر جانتا ہوں، صحیح مسلم میں ہے کہ آپ نے جنت کی
 نعمتوں کے سلسلہ میں فرمایا،

يُسَبِّحُونَ اللَّهَ بُكْرَةً وَعَشِيًّا (صفحة الجنت)

وہ صبح اور شام اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس کریں گے،

ایک اور حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اہل جنت کو خدا کی تسبیح و تقدیس کا الامام ہوا کریگا، اور شاید قرآن
 پاک کی اس آیت کے یہی معنی ہوں،

وَهْدُ وَإِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ وَهُدًى

اور اچھی بات کی طرف انکی رہنمائی کی جائیگی، اور اس پر

إِنِّي صِرَاطُ الْحَمِيدِ (حج - ۳)

حمد کا راستہ ان کو بتایا جائے گا،

مقام قرب | اہل جنت کو جو کچھ نصیب ہوگا، ان سب کے سوا سب اعلیٰ مرتبہ قرب خاص کا مقام ہے، بندے اپنے
 پروردگار کی حضور کی کاشف پائیں گے، قرآن پاک میں جا بجا ان کے لیے یہ آتا ہے جَزَاءُ هُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ
 جَزَاءُ ان کے پروردگار کے پاس۔ یہ قرب خاص کے اشارے ہیں، اور ایک جگہ یہ اشارہ اس نصرت سے بدل جاتا ہے
 إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَنَهَرٍ، فِي مَقْعَدٍ

بیشک پر ہنسی گارنا غن میں اور نہروں میں بچائی کی

صَدَقَ عِنْدَ مَلِكٍ مُقْتَدِرٍ (قمر-۳) نشست گاہ میں اس بادشاہ کے حضور جب کاسب پر قبضہ ہے،

دیدارِ جنت کی سب سے آخری لیکن بڑی نعمت اللہ تعالیٰ کی تجلی کا نظارہ ہے، کون ہے جو اس مطلع انوار کے دیدار کی تاب لاسکے، تاہم یا تو یہ آنکھیں کچھ اور آنکھیں ہونگی، یا وہ نورِ مطلق کسی خاص شان میں نمایاں ہوگا، اُس وقت یہ ظلم ہوگا کہ وہ نور کامر کر بنکر نمودار ہوگا، اور اہل جنت کی مشتاق آنکھیں اسکی طرف اٹھی ہونگی،

وَجُودٌ يَوْمَئِذٍ نَّاصِرٌ اِلٰى سَرِيحَانَا خَطْرًا
کتنے چہرے اُس دن تروتازہ اور اپنے پروردگار کی بہت
(قیامہ-۱) دیکھ رہے ہونگے،

اسی آیت کی تفسیر میں حضرت جریر بن عبداللہ صحابی روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ تم اپنے پروردگار کو بالمشاہدہ دیکھو گے، دوسری روایتوں میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جیسے چاند کو تم دیکھ رہے ہو ایسے ہی تم اپنے پروردگار کو دیکھو گے، اس دیدار و رویت میں کوئی ایک دوسرے کا مزاحم نہ ہوگا، اس تمثیل سے آپ کے دو مقصود ہیں ایک تو شدتِ یقین کا اظہار کہ جس طرح تم اس روشن چاند کو بے شک و شبہ دیکھ رہے ہو، اسی طرح بے شک و شبہ اپنے پروردگار کو دیکھو گے، دوسرا مقصد یہ ہے کہ جس طرح لاکھوں کا مجمع بھی ہو تو سب لوگ ایک چاند کو یکساں حیثیت سے باطمینان اس طرح دیکھ سکتے ہیں، کہ ایک کا دیکھنا دوسرے کے دیکھنے میں عائق نہیں ہوتا، اسی طرح دیدارِ الٰہی نہ کڑوڑوں کا ہجوم مانع نہ ہوگا، تنہا ہی نہیں بلکہ جس دن جنتی اپنے پروردگار کے حضور میں پیش ہونگے، اُن کی زبان پر سلامتی کی دعا ہوگی۔

يَحْيٰىهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَہٗ سَلٰمٌ (احزاب-۱) انکی دعا جب وہ اپنے پروردگار سے ملینگے سلامتی ہوگی

بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ وہ سراپا رحمت پروردگار خود اپنے بندہ کو اپنی زبان سے سلامتی کا پیام دیگا،

سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَبِّ رَحِيْمٍ (یس-۴) رحمت الٰہی پروردگار کی مہربان پائی سلامتی ہوگا،

بخاری میں ہے کہ آپ نے فرمایا خداوند تعالیٰ اپنے بندہ سے ترجمان کے بغیر خود کلام فرمائیگا۔

۱۔ صحیح بخاری جلد ثانی صفحہ ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱

یہ روایت کیونکر ہوگی، اہل روایت لفظ کے قائل ہیں، اہل عقل زیادتِ ایمان کی تاویل کرتے ہیں، اہل حقیقت اُس کو اسرار و صفات کی ناقابلِ بیان جلوہ انگیزی سے تعبیر کرتے ہیں، لیکن فیصلہ یہ ہے،

بیا لیکن داویر ہمارا بہ پیش داویر اندازیم

ان تعلیمات کاغلی اثر | اوپر کے صفحوں میں قیامت، حشر و نشر اور جنت و دوزخ کے پورے مناظر گرچہ چکے، یہ ایمان بالغیب مذہب کی حقیقت کا اصلی جوہر ہے، اور اسی کے یقین میں مذہب کی اصلی طاقت پوشیدہ ہے، معلوم ہو چکا ہے کہ اہل عرب کو ان حقائق کی تسلیم سے کس قدر انکار تھا، بلکہ مر کر جی اٹھنا، اور اس موت کے بعد دوبارہ زندگی اُن کے نزدیک کس قدر مستبعد تھی، قرآن پاک کا بڑا حصہ شرک کے ابطال اور توحید کے اثبات کے بعد اسی حیاتِ بعد الموت کی تلقین، اور اس پر ایمان کی دعوت پر مشتمل ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اکثر خطبوں میں اس کا حال بیان کیا کرتے تھے، اور جمعہ کے خطبوں میں خصوصیت کیساتھ سورہ ق تداوت فرماتے تھے، جس میں قیامت کے حالات ہیں، لہذا دیکھو کہ ۲۳ برس کی مسلسل تعلیم قرآن پاک کی تاثیر، اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض ہدایت سے نہ صرف ان کا اقرار سے بدل گیا، بلکہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ یہ مناظر اُن کے دل و دماغ کی لوح میں منقوش ہو گئے تھے،

یاد ہو گا کہ اسلام کے آغاز میں ایک عرب شاعر نے طنزاً کہا تھا،

اموت ثم رجعت ثم حشر
حدیث خرافۃ یا اعدائے

کیا مرنا ہو، پھر جینا، اور پھر اکٹھا ہونا
اسے عمر کی مان، یہ خرافات باتیں ہیں

لیکن چند ہی سال کے بعد یہ طنز انکار، ریزہ یقین سے بدل گیا، اور اس وقت عرب کا شاعر یہ کہنے لگا، ہم آسمان تک پہنچ گئے اور خدا سے امید ہے کہ ہم اس سے بھی اونچے جائیں گے،

وَاِنَّا لَنَرٰکُمْ فَوْقَ ذٰلِکَ مُنْظَرٰۤیۡنَ
اور ہم یہ امید رکھتے ہیں کہ اس سے بھی بلند مقام میں ملو گے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم استقمار فرماتے ہیں کہ آسمان سے بھی بلند مقام اور کیا ہے، عرض کرتا ہے کہ جنت یا رسول اللہ! آپ فرماتے ہیں انشاء اللہ دیکھو کہ جنکی نظریں زمین سے اونچی نہیں جا پاتی تھیں، ان کا تخیل آسمان سے بھی اونچا جانے لگا،

۱۔ اصحاب
استیجاب کر
۲۔ انجہ جعدی

جنگو مر کر پھر چینا دور از عقل معلوم ہوتا تھا جنگو آخرت کے مواخذہ کا کوئی ڈرنہ تھا جنگو اپنے اعمال کی جوابدہی کی پروا نہ تھی جو سزا و جزا کے مفہوم سے بیگانہ تھے جو جنت و دوزخ کے تخیل سے نا آشنا تھے وہ اس ہولناک منظر سے ڈرنے لگے دوسری زندگی پر اُن کو اسی طرح یقین آگیا جس طرح آج کی زندگی پر تھا آخرت کے مواخذہ سے وہ بید کی طرح کانپنے لگے اعمال کی جوابدہی سے ترسان و لرزان رہنے لگے سزا و جزا کے خوف سے وہ اپنے ہر عمل کی باز پرس خود کرنے لگے جنت کا اشتیاق اُن کو بڑی سی بڑی قربانی پر آمادہ کر دیتا تھا دوزخ کا ڈران کے دل کے اندر کے ہر تار کو چھیرا کرتا تھا اُن کی آنکھوں کو آشکبار رکھتا تھا فرائض اور ذمہ داری کو دیانتداری کے ساتھ ادا کرنے پر ہر خطہ اُن کو آمادہ کرتا رہتا تھا راحت کے خواب اور آرام کے بستر سے اُن کو چونکا کر عمل کے میدان میں تنہا لے آتا تھا اور ہر نیک کام اور عمدہ عمل کے لیے اُن کو بہترین سہ کریم اور سرتاپا مصروف جدوجہد بنا دیتا تھا تنہائی اور تاریکی میں بھی اُن کے دل اور بدن کو برائیوں اور بد اعمالیوں سے باز رکھتا تھا اُن کے ضمیر اور دل کے صفوں کو ہر وقت خدا کی آنکھوں کے سامنے کھلا رکھتا تھا

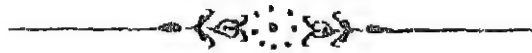
ایک دفعہ دو صحابیوں میں کسی حقیقت کے متعلق جھگڑا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فریقین کی باتیں سن کر ایک کے حق میں اوسکا فیصلہ دیدیا پھر فرمایا "میں بھی ایک آدمی ہوں دعویٰ اور مدعا علیہ میں سے ممکن ہے کہ کوئی زیادہ اچھا بولنے والا ہو جو اپنے دعویٰ کو خوبی کیساتھ بیان کرے اور میں اُس کے موافق اوسکا فیصلہ دوں لیکن درحقیقت وہ چیز اسکی نہ ہو تو گویا میں اُس کے گلے میں آگ کا ایک طوق پہنا رہا ہوں یہ سن کر فریقین پر یہ اثر ہوا کہ دونوں رونے لگے اور ہر ایک اپنا حصہ دوسرے کو دینے لگا

حضرت عمرؓ خدا کے مطیع و فرمانبردار تھے رسول کے عاشق و شہداء تھے نیکوں سے مالا مال تھے جنت کی بشارت سے سرفراز تھے تاہم آخرت کے مواخذہ اور جوابدہی سے اس قدر خوف زدہ تھے کہ ایک دفعہ انھوں نے کہا کہ اگر وہاں نبوی کے بعد میرے اچھے اور برے اعمال برابر برابر ہیں تو بھی میں خوش ہوں اگر جنت نہ ملے تو پروا نہیں اگر وہاں دوزخ نہ ملے وہ نزع کی حالت میں بہت چھین تھے بعض صحابہ اُن کے اچھے اعمال گناہوں کو تسلی دینے لگے تو جواب

کھانے لگے، بالآخر جنت کے جانے میں اتنا توقف بھی شاق گذرا بولے اتنی دیر بھی کیوں کیجائے، یہ کہہ کر کھجوریں پھینک دیں اور تلوار کھینچ کر آگے بڑھے اور شہید ہوئے،

غزوہ احد میں بھی اسی قسم کا ایک واقعہ پیش آیا، احد کے میدانِ داروگیر کا شور برپا تھا، لاشوں پر لاشیں گر رہی تھیں کہ ایک صحابی نے آگے بڑھ کر پوچھا یا رسول اللہ! اگر خدا کی راہ میں مارا گیا تو کہاں ہو گا، فرمایا ”جنت میں“ وہ کھجور کھا رہے تھے ہاتھ سے کھجوریں پھینک دیں اور لڑ کر جان دیدی، قیس ایک صحابی تھے، وہ ایک جہاد میں شریک تھے، انھوں نے اس کی فوج کے سپاہیوں کے سامنے کہا رسول اللہ صلعم نے فرمایا جو کہ جنت کے دروازے تلواروں کے سایہ کے نیچے ہیں ایک معمولی سا مسلمان پاس کھڑا تھا، اس نے آگے بڑھ کر پوچھا کہ کیا آپ نے خود رسول اللہ صلعم کو یہ کتے سنا ہے، انھوں نے کہا ”ہاں“ یہ منکر وہ اپنے دوستوں کے پاس آیا، اور سلام کر کے رخصت ہوا، میان توڑ کر پھینک دی، اور تلوار لیکر دشمن کی صف پر جا پڑا، اور شہادت حاصل کی،

ان حیرت انگیز واقعات میں سے ہر ایک واقعہ پر غور کرو کہ محمد رسول اللہ صلعم کی تعلیم نے اس منکر و کافر عرب کے دل و دماغ اور ذہن و اعتقاد کو کس طرح آن کی آن میں بدل دیا، اور ہم کے مہین عربوں کے عقائد و اخلاق اور کارناموں کو انسان سے کہاں پہنچا دیا،



۱۵۔ یہ تینوں واقعے صحیح مسلم کتاب الجہاد باب ثبوت الجنتہ للشہیدین ہیں، دوسرا واقعہ سنن نسائی میں بھی ہے، کتاب الجہاد باب ثواب قتلی فی سبیل اللہ،

قضاوت

إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ (قرآن)

اگرچہ قرآن پاک میں ایمان کے سلسلہ میں اس کا ذکر کمین نہیں آیا، مگر اسکا اعادہ بار بار قرآن میں اتنی دفعہ ہوا کہ اسکی اہمیت اسکی مقتضی ہے کہ اس کو بھی ایمانیات کے پہلو میں جگہ دیجائے چنانچہ بعض صحیح حدیثوں میں یہ ایمانیات کی آخری کڑی قرار بھی دگئی ہے اور سلسلہ توحید میں اسلام نے اللہ تعالیٰ کی وسعت قدرت اور مشیت مطلقہ کا جو نقشہ کھینچا ہے اسکا لازمی نتیجہ بھی یہی ہونا چاہئے،

اس عقیدہ کا حاصل یہ ہے کہ دنیا میں جو کچھ اب تک ہوا جو کچھ اب ہو رہا ہے اور جو کچھ آئندہ ہوگا وہ اللہ تعالیٰ کے علم سابق اور فیصلہ ازلی کے مطابق ہوا ہے، ہوتا ہے اور ہوگا جس طرح مهندس اور انجینیر مکان بنانے سے پہلے مکان کی تمام جزئیات پر غور کر کے پہلے ہی سے نقشہ تیار کر لیتے ہیں، اور اسی مجوزہ نقشہ کے مطابق معمار اور مزدور اس تعمیر کو مکمل کرتے ہیں، اسی طرح اس مهندس ازل فانی کائنات نے کائنات کی پیدائش سے پہلے اس کے تمام اصول و قواعد اور دوسرے اہم جزئیات طے کر کے ہر چیز کی نسبت فیصلہ کر دیا تھا، اب اسی فیصلہ کے مطابق یہ کائنات اور اس کے تمام حوادث و واقعات انجام پا رہے ہیں، موت و حیات، فقر و غنا، کامیابی و ناکامی، تکلیف و راحت، ہر چیز پہلے سے طے شدہ ہے اور اسی کے مطابق وہ ظہور پذیر ہوتی ہے،

نفس یہ عقیدہ بھی اسلام کے ساتھ مخصوص نہیں، جو کچھ مخصوص ہے وہ اسکی تکمیلی تعلیم ہے،
تورہ میں حضرت آدمؑ و شیطان اور اہل قابیل کے قصوں میں اس عقیدہ کے اشارات پائے جاتے ہیں

لے صحیح مسلم بروایت ابن عمر و ابو ہریرہ باب الایمان

حضرت یوسفؑ کا خواب اسی ایک حقیقت کی تعبیر ہے، مگر ان اشارات سے گذر کر زبور میں اسکی کھلی کھلی تعلیم بھی ملتی ہے، زبور ۱۳۸-۴۱ میں ہے،

”تیرے کام حیرت افزا ہیں، اسکا میرے جی کو بڑا یقین ہے، جبکہ میں پردے میں بنایا جاتا تھا اور
زمین کے اسفل میں مقنوش ہوتا تھا، تو میرے جسم کی صورت تجھ سے چھپی نہ تھی، تیری آنکھوں نے
میرے بے ترتیب مادہ کو دیکھا، اور تیرے دفتر میں یہ سب چیزیں تحریر کی گئیں، اور ان کے نو
کا حال بھی کہ کب نینگی، جب ہنوز ان میں سے کوئی بھی نہ تھی“

اس کے بعد زبور ۱۴۸ کا ترانہ حمد اسی لئے میں شروع ہوتا ہے،

”..... خداوند کے نام کی ستائش کریں کہ اُس (خدا) نے حکم دیا اور وہ (مخلوق)

موجود ہو گئے، اُس نے اُن کو ابدی پایداری بخشی، اُس نے ایک تقدیر مقرر کی جو نہیں سکتی۔“

انجیل میں اسکی تعلیم خدا کی مرضی کے عنوان سے ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندگی کی آخری شب کی دعا
میں فرماتے ہیں، ”میری مرضی نہیں، تیری مرضی پوری ہو“ (متی ۲۶-۳۹) اور اسی مرضی کا ذکر یوحنا (۵-۳۰) و
۳۸ اور خطوط (فلپوں ۲-۱۳) میں ہے اور رومیوں کے نوین باب میں اسکی پوری تفصیل ہے، مگر خاتم النبیین
علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیم نے اول یہ کیا کہ اس مسئلہ کی محل حقیقت کی توضیح کی، اور اسکی حکمت و مصلحت کی تشریح کی اور
دوسری بات یہ کہ گذشتہ مذاہب کی طرح اپنے دفتر کے کسی ایک گوشہ میں بطور ایک حقیقت ثابتہ کے اسکو مکر خاشوشی
اختیار نہیں کر لی، بلکہ بار بار اتنی دفعہ دہرایا کہ سننے والوں کے دلوں میں اسکی عقیدت نے نگہ پیدا کر لیا، اور یہ
تلقین یقین کی صورت میں انکی رگ دریشہ میں پوسٹ ہو گئی، اور ایسا اُس نے اس لیے کیا تاکہ صبر و شکر کی اخلاقی
تعلیم صرف نظریہ کی صورت میں نہ رہ جائے، بلکہ عملی حیثیت میں اُس کے پیروں کے اندر استقلال و ثبات کی روح
اور دنیا کے مصائب و محنتیں تسلی و تسخیر کی قوت پیدا کرے، اور اس طرح یہ عقیدہ پہلے کی طرح صرف ایک مذہبی
تلقین یا فلسفیانہ نظریہ کی حیثیت میں نہ رہے، بلکہ ایک مفید عملی تعلیم کی شکل اختیار کرے۔

وحی محمدی نے اس اصطلاح کے لیے لفظ اختیار کئے ہیں ایک قدر ہے جس کے معنی اندازہ کرنے کے ہیں اور دوسرا اقتضا جس کے معنی فیصلہ کرنے کے ہیں،

إِنَّا كُلُّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ (قمر - ۳) ہم نے ہر چیز کو اندازہ سے پیدا کیا،
هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ طِينٍ ثُمَّ قَضَىٰ أَجَلًا (الاعلام - ۱) وہی ہے جس نے تم کو مٹی سے بنایا پھر ایک وقت کا فیصلہ کیا،

یہ دونوں لفظ بجائے خود اس عقیدہ کی اسلامی حقیقت کو پوری طرح واضح کر دیتے ہیں، مقصود یہ ہے کہ کائنات کی پیدائش سے پہلے کائنات کی ہر چیز کے متعلق اللہ تعالیٰ نے اپنے اندازہ اور تقدیر سے ہر ایک کا فیصلہ فرما دیا ہے اور متعین کر دیا ہے، اسی کے مطابق یہ کائنات چل رہی ہے، اس میں خدا کے حکم کے بغیر ایک ذرہ کا بھی تغیر نہیں ہو سکتا، آسمان کو جس طرح بنایا، آفتاب کو جس طرح روشن کیا، چاند کے متعلق جو اصول مقرر فرمایا، ستاروں کے نکلنے اور ڈوبنے کے جو احکام دیدیئے، موت و حیات، فنا و بقا، اور عروج و زوال، غرض کائنات کی ہر شق اور پہلو کے متعلق جو اصول متعین فرمادیئے، ان پر وہ چل رہی ہے، قرآن پاک میں کائنات کے بہت سے حالات کے بیان کرنے کے بعد ہے

وَالشَّمْسُ تَجْرِي لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذَلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنَاهُ مَنَازِلَ حَتَّىٰ عَادَ كَالْعُرْجُونِ الْقَدِيمِ لَا تَلْبِقُ لَهَا أَنْ تَدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا يُلْبِقُ سَائِقُ النُّجُومِ وَكُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ (یس - ۳) اور سورج اپنے ٹھکانے پر چل رہا ہے، یہ ہے غالب اولہ علم وائے کی تقدیر (اندازہ) اور چاند کو ہم نے تقدیر (اندازہ) کر دی ہیں منزلین، یہاں تک کہ وہ پرانی ٹہنی کی طرح خمیر ہو کر لوٹتا ہے نہ تو سورج کی قدرت میں ہے کہ چاند کو پاسے اور نہ رات دن سے آگے بڑھے، ہر ایک اپنے مار میں تیر رہا ہے،

یہ تو آسمان کی بات تھی، زمین کے متعلق ارشاد ہوا،

وَقَدْ سَرَفْنَا قُوَّاتِنَا (حم مجید - ۲۷) اور زمین میں اسکی روزبان اندازہ کر دیں

اس سے آگے بڑھ کر یہ کہ دنیا کی ہر چیز میں اُس نے ایک اندازہ مقرر کر دیا،

قَدْ جَعَلَ اللَّهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا (طلاق-۱) اللہ نے ہر چیز کیلئے ایک اندازہ بنایا ہے،

موت و حیات بھی اسی اندازہ کے مطابق ہے، فرمایا،

لَخَنَّا قَدْ نَبَأْنَا بَيْنَكُمْ الْمَوْتَ (واقعہ-۲) ہم نے تمہارے درمیان موت کا اندازہ کر دیا،

ہر شے میں اللہ تعالیٰ نے جو اندازہ لگایا ہے، وہ وہی چیز ہے جسکو لوگ قانونِ فطرت کہتے ہیں، اور جس پر دنیا

چل رہی ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے کائنات کے ہر حصہ اور ہر پہلو کے متعلق اپنے احکام متعین فرما دیئے ہیں،

جن کی اطاعت اُس پر واجب ہے، علیٰ ہذا انسانوں کی ترقی و زوال، موت و حیات، بیماری و صحت، دولت

افلاس، آرام و تکلیف، سعادت و شقاوت ہر ایک کے اصول و قواعد مقرر فرما دیئے ہیں، غرض اُن کو آرام و تکلیف

جو کچھ بھی پیش آتی ہے، خدا کے علم اور اجازت سے پیش آتی ہے،

مَا أَصَابَ مِنْ مُصِيبَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ (تلقا-۱) نہین پہنچی نہ کوئی مصیبت لیکن اللہ کے حکم سے،

اور چونکہ تقدیر سے کوئی چیز ہٹ نہیں سکتی، اسلئے تقدیرات کو نوشتہ الٰہی سے تعبیر کرتے ہیں، کہ جس طرح لکھی

ہوئی بات قائم رہتی ہے، مٹی اور پھولتی نہیں، ایسے ہی یہ باتیں بھی مثبت اور بدلتی نہیں،

وَمَا تَحْمِلُ مِنْ أُنْثَىٰ وَلَا تَضَعُ إِلَّا بِعِلْمِهِ اور کوئی عورت حمل میں نہیں رکھتی، اور نہ جنتی ہے، لیکن خدا

وَمَا يَعْمُرُ مِنَ نُحُورٍ وَلَا يَنْقُصُ مِنْ عُمُرٍ کے علم سے اور نہ کسی دراز عمر کو عمر کی دازی ملتی ہے،

إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ إِنَّ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ یا اسکی عمر کم ہو جاتی ہے، لیکن وہ کتاب میں ہے، بیشک

(فاطر-۲) یہ اللہ پر آسان ہے،

اس آیت پاک میں دو کمرے ہیں، ایک یہ کہ جو عورت بھی اپنے پیٹ میں بچہ رکھتی ہے، یا جو بچہ جنتی ہے

وہ خدا سے پاک کے علم سے ہے، دوسرا کمرہ یہ ہے کہ جن کو چھوٹی بڑی جو عمر بھی ملتی ہے وہ کتاب الٰہی میں پہلے سے

لکھی ہوئی ہے، ان دونوں کمروں کے ملاسنے سے معلوم ہوگا کہ کتاب الٰہی میں ہونا، اور علم الٰہی میں ہونا، دونوں

ہم معنی میں،

قرآن پاک نے اس کو بھی ظاہر کیا ہے کہ قضا و قدر کے عقیدہ کی فلسفیانہ حقیقت سے زیادہ اس کی نظر اس عقیدہ کی اخلاقی اہمیت پر ہے، انسان کا یہ حال ہے کہ وہ اپنی ناچیز کوشش کی ذرا سی کامیابی پر فخر و غرور کے نشہ میں چور ہو جاتا ہے اور ذرا سی ناکامی پر وہ دل شکستہ ہو کر ہمت ہار بیٹھتا ہے، یہ دونوں مختلف اخلاقی بیماریاں ایسے اس کو لاحق ہوتی ہیں کہ وہ اپنے کام کے اچھے یا برے نتیجے کو خود اپنے کام کا لازمی نتیجہ جانتا ہے، اسلئے وہ کبھی اپنے کئے پر مغرور اور کبھی ملول ہوتا ہے، اور یہ دونوں کیفیتیں افراد اور اقوام کی متانت، استقلال اور صبر و ثبات کے جوہر کو برباد کرتی ہیں، اس لیے ایک ایسے عقیدہ کی ضرورت تھی جو کامیابی کے فخر و مسرت اور ناکامی کے افسوس و حسرت دونوں موقعوں پر عاجز انسانوں کی دست گیری کرے، اور وہ یہی عقیدہ قضا و قدر ہے،

اس عقیدہ کا منشا یہ ہے کہ ہم کو جو کامیابی ہوتی ہے، وہ ہماری کوشش کا براہ راست نتیجہ نہیں، بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کا نتیجہ ہے، اس لیے اس پر ہمارا فخر و غرور کرنا بیجا ہے، اسی طرح ہم کو جو ناکامی پیش آتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی کسی حکمت و مصلحت کا نتیجہ ہے، اور ہمارے کام سے پہلے ہی ہمارے کاموں کے نتیجے اُس علام الغیوب کے علم میں مقرر ہو چکے تھے، اس لیے ہم کو دل شکستہ اور مایوس نہ ہونا چاہیے، بلکہ اُسی جوش و خروش اور سرگرمی سے پھر از سر نو جدوجہد میں مصروف ہو جانا چاہئے،

اس مسئلہ کی یہ پوری توضیح سورہ حدید میں ان فقرات میں مذکور ہے،

مَا أَصَابَ مِنْ مُصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي نَفْسٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُونَ

اور زمین میں نہ کسی چیز پر اور نہ کسی جان پر مصیبت نہ آتی مگر اللہ کے حکم سے۔ اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے تم کیا کرتے ہو۔

وَمَا يَكُونُ لَكُمْ أَنْ تُبَدِّلُوا دِينَكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا أَهْوَاءَ قَوْمٍ زُوِيَ الْأَبْصَارُ وَلَكِنْ يَخْتَصِرُ اللَّهُ مَا يَشَاءُ لِقَوْمٍ يُحِبُّ

اور نہ تم اپنے دین کو بدلتے ہو اور نہ تم اپنی قوموں کے خواہشات کو پیچھو۔ اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو قوم کو چاہے۔

وَمَا يَكُونُ لَكُمْ أَنْ تُبَدِّلُوا دِينَكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا أَهْوَاءَ قَوْمٍ زُوِيَ الْأَبْصَارُ وَلَكِنْ يَخْتَصِرُ اللَّهُ مَا يَشَاءُ لِقَوْمٍ يُحِبُّ

اور نہ تم اپنے دین کو بدلتے ہو اور نہ تم اپنی قوموں کے خواہشات کو پیچھو۔ اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو قوم کو چاہے۔

اس آیت کریمہ نے مسلمانوں کو اس خوبی سے واضح کیا ہے کہ انکی تائید کے لیے کسی مزید تشریح کی ضرورت باقی نہیں رہتی، یہ اسی عقیدہ کا نتیجہ تھا کہ صحابہ کرام کی گردنیں عین کامیابی و فتوحات کی حالت میں خداوند قادر مطلق کے آگے جھک جاتی تھیں اور ناکامی کی حالت میں ان کے دل یاس و ناامیدی سے دوچار نہیں ہوتے تھے، اور انکی علی زندگی کا جو نتیجہ بھی پیش آتا تھا وہ اس کو اپنی طرف سے نہیں، بلکہ خداوند عالم کی طرف سے سمجھ کر خاموش رہتے تھے، مالی بچارگی، سیاسی مصیبت، عزیزوں کی مفارقت، لڑائیوں کی ناکامی، کسی موقع پر وہ رحمت الہی سے مایوس ہونا نہیں جانتے تھے، اور ہر خطرناک سے خطرناک کام کے لیے وہ قدم اٹھا بیٹھتے تھے کہ ان کا یقین تھا کہ موت اپنے وقت پر آئیگی اور جو کچھ ہونا ہے وہ ہو کر رہیگا، اسی لئے ان کے دلوں میں وہ عزم ہوتا تھا کہ نہ انکو ہار روک سکتے تھے، نہ سمندر بہا لے جاسکتے تھے، نہ حوادث کا طوفان انکو اکھاڑ سکتا تھا اور نہ بھڑکتی ہوئی آگ کے شعلے انکو جلا سکتے تھے،

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تَمُوتَ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ
کِتَابًا مُّوجَّهًا وَمَنْ يُرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا
نُفُوتِهِ مِنْهَا وَمَنْ يُرِدْ ثَوَابَ الْآخِرَةِ
نُفُوتِهِ مِنْهَا وَسَيَجْزِي الشَّكْرِينَ، وَ
كَأَيِّنْ مِنْ نَبِيِّ قُتِلَ مَعَهُ سَبْعُونَ
كَثِيرًا فَمَا أَهْنُوا لَهُمُ أَصَابَهُمْ فِي سَبِيلِ
اللَّهِ وَمَا ضَعُفُوا وَمَا اسْتَكَانُوا وَاللَّهُ
يُحِبُّ الصَّابِرِينَ،

کسی کے اختیار میں نہیں کہ وہ اللہ کے حکم کے بغیر مر سکے
یہ لکھا ہوا مقرر ہے، (انسان کے ہاتھ میں صرف اچھایا
برا ارادہ و نیت ہے، اس نیت کے مطابق کام کا نتیجہ
ظاہر ہونا اس کے اختیار میں نہیں، جو کوئی دنیا کا دشمن
چاہیگا، تو ہم اس کو ہمیں سے کچھ دینگے اور جو آخرت کا
معاوضہ چاہیگا، ہمیں سے کچھ دیں گے، اور پورا معاملہ
شکر کرنے والوں کو آئندہ (وہاں) دینگے، کتنے پیغمبر تھے
جو اسے بین، انکے ساتھ بہت سے خدا کے طالب تھے، تو خدا

لال عمران،

ع ۱۵

کی راہ میں انکو جو مصیبت پیش آئی اسکی وجہ سے نہ ڈول رہے
نہ سست ہوئے، اور نہ دب گئے، اور انکی ثابت قدم رہنے

ان آیتوں نے یہ واضح کر دیا کہ قضا و قدر کے عقیدہ کا نتیجہ جتنی سُستی، اور دون ہمتی نہیں، بلکہ بلندی، استقلال اور صبر و ثبات ہے، اور یہی وہ چیز ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے کارناموں میں ہر دیکھنے والے کو صاف نظر آتی ہے، اُن کو صاحبِ وحی کی یہ تعلیم تھی کہ وہ دشمنوں سے کہدین، کہدین ورنہ نہیں، کیونکہ

لَنْ يُصِيبَنَا آلَ مَا كَتَبَ اللَّهُ لَنَا هُوَ مَوْلَانَا
 ہر کوئی آفت آئی ہی نہیں سکتی لیکن جو خدا نے ہمارے لیے
 وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ (توبہ - ۱)

لکھ دیا ہے وہ ہمارا آقا ہے، اور اللہ ہی پر چاہئے کہ ایمان رکھنے والے
 خطرات اور مشکلات کی انگو پروا نہیں، کہ جن کے لیے موت لکھی ہے وہ میدانِ جنگ میں بھی مرے گی، اور ستر
 راحت پر بھی، اور جنگی موت کا مقررہ وقت نہیں آیا وہ تلواروں کی دھاروں کی اور سمندروں کے طوفانوں سے بھی
 سلامت بچ کر نکل آئیگی،

يَقُولُونَ لَوْ كَانُوا مِنَّا لَمَا نَبَغَ لَنَا شَيْءٌ مِمَّا
 منافق کہتے ہیں کہ اگر ہماری بات مان لیجاتی تو ہم یہاں
 قُتِلْنَا هَهُنَا قُلْ لَوْ كُنْتُمْ فِي بُيُوتِكُمْ
 مارے نہ جاتے، کہہ سہ کہ اگر تم اپنے گھروں میں بھی ہوتے
 لَبِئْسَ الَّذِينَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ إِلَى
 تو خیر یہاں مرنا لکھا جا چکا تھا، وہ از خود اپنے قتل
 مَصَاحِبِهِمْ (ال عمران - ۱۶) میں نکل کر چلے آتے،
 آئِنَ مَا تَكُونُوا يَدْرِكَكُمُ الْمَوْتُ وَلَوْ
 تم جہاں بھی ہو تم کو موت اگر پائیگی، اگرچہ تم مضبوط و
 كُنْتُمْ فِي بُرُوجٍ مُّشِيدَةٍ (نساء - ۱۱) مستحکم قلعوں میں ہو،

یہی وہ عقیدہ ہے جو مسلمان کی ناقابلِ ہزیمت جرات، اور غیر شکست پذیر عزیمت، اور بے خوف بہادری کا راز ہے، کچھ لوگوں نے اپنی غلط فہمی سے یہ سمجھا ہے کہ مسئلہ تقدیر کے ماننے سے انسان کا مجبور محض ہونا لازم آتا ہے اور اس سے یہ تعلیم نکلتی ہے کہ انسان اپنی تقدیر پر صابر و شاکر ہو کر سست و غافل بن کر بیٹھ رہے، حالانکہ اگر صحیح ہوتا تو نہ رسولوں کی بعثت کی ضرورت تھی، نہ ربانی کتابوں کے اترنے کی حاجت ہوتی، نہ تبلیغ و ارشاد کی تاکید ہوتی، اور نہ اصلاح و ہدایت کا حکم ہوتا، اور خدا کی مخلوق اپنے حال پر چھوڑ دی جاتی، مگر ایسا نہیں کیا گیا، لاکھوں

پیغمبر بھیجے گئے، کتنی کتابیں اتریں، کرور دن مبلغ اور مرشد بنا کر پھیلانے گئے، ہدایت و ارشاد کی تاکید پر تاکید آئی، لوگوں کی دعوت، اصلاح ہر مسلمان کا فرض ٹھہرایا گیا، کوشش و محنت سعی و تلاش، اور جدوجہد کی ہر مسلمان کو تاکید کی گئی اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جدوجہاد سے معمور زندگی ہمارے لیے نمونہ ٹھہرائی گئی، اور خلفائے راشدین اور عام صحابہ نے اپنے کارناموں سے اس نمونہ کی کامیابی کی تصدیق کی،

اب کیا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلقین اور آپ کا عمل و متضاد چیزیں تھیں؟ نہیں، یہ دونوں ایک دوسرے کی تائید تھیں، اور اس طرح یہ ایک دوسرے کی تصدیق کرتی تھیں کہ اعملوا فکل ميسر لما خلق (بخاری) لوگو! اپنے اپنے کام کئے جاؤ، کہ تم میں سے ہر شخص سے وہی کام صادر ہوئے جسکے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے، کام کرنا انسان کا فرض ہے، اور اس کے نتیجے کے مطابق جزا دینا خدا کا کام ہے، اور یہ سچا ہے، فرمایا،

إِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتَّى، فَأَمَّا مَنْ أَعْطَى وَاتَّقَى، بے شہتہ تمہاری کوششیں مختلف رخ کی ہیں تو جس نے دیا،
وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَى، فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْيُسْرَى، اور بہتر گامی کی، اور نیکی کو سچ کر دکھایا تو ہم اس کو
وَأَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنَى، وَكَذَّبَ بِالْحُسْنَى، آہستہ آہستہ آسانی کی طرف سے چلے گئے، اور جس نے
فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْعُسْرَى، وَمَا يُغْنِي عَنْهُ، نہ دیا، اور بے پروائی برتی، اور نیکی کو کھٹکایا تو ہم اس کو
مَالُهُ إِذَا تَرَدَّى، إِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ، آہستہ آہستہ سختی کی طرف سے چلے گئے، اور اسکی دولتیں
وَأَنَّ لَنَا الْخَيْرَةَ وَالْأُولَى، اسکو گڑھے میں گرنے سے نہیں بچا سکتی ہی، بیشک راہ

(بیل - ۱) سوچنا ہمارا فرض ہے اور آخر اور اول ہمارے لئے ہے

یہ ہے تضا و قدر اور سعی و عمل کی باہمی تطبیق جسکی نذر ولیدگی نے اسلام سے پہلے ایک عالم کو گمراہ کر دکھایا تھا، کام کرنا اور عمل کر دکھانا انسان کا فرض ہے، اور اس کے مطابق اسکی جزا کا ملنا جو اس کام کے لیے پہلے سے مقدر ہو چکا ہے، خدا کا کام ہے، نیکوں کو آہستہ آہستہ نیکی کے مزید راستہ کے دکھانے کا نام توفیق و ہدایت ہے، اور برون کو خدا کی طرف سے اس توفیق و ہدایت کے نہ ملنے کا نام عدم توفیق و ضلالت ہے، اور ان دونوں میں سے ایک کا ملنا انسان

کی ابتدائی کوشش سے ہے خدا فرماتا ہے،

وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (عنکبوت - ۷)

اور جو ہماری بات میں کوشش کرتے ہیں، اللہ ہم

اُن کو اپنا راستہ سوجھاتے ہیں،

خدا کی طرف سے توفیق و صلاحیت کا ملنا، خود انسان کے اچھے یا برے عمل کا لازمی نتیجہ ہے۔

وَمَا يُضِلُّ بِهِ إِلَّا الْفَاسِقِينَ (بقرة - ۳)

اور ہم اس گمراہ نہیں بناتے لیکن انہیں کو جو ہمارے حکم نہیں سنتے

غرض پہلے نفع، عدم اطاعت اور نافرمانی ہوتی ہے، تب اُس کے نتیجہ کے طور پر خدا کی طرف سے صلاحیت کا

ظہور ہوتا ہے،

وَأَنْ لَّيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ

اور انسان کیلئے نہیں لیکن وہی جسکی اُس نے کوشش کی

وَأَنْ سَعَىٰ سَعَوَاتٍ يُدْرَىٰ (نجم - ۳)

اور بیشک اسکی کوشش (خدا کے حضور) دیکھی جائیگی،

ایک مثال بالکل بچہ کی سی ہے، بچہ چلنا یا بولنا کیونکر سیکھتا ہے، وہ پہلے چلنے اور بولنے کی خود کچھ کوشش

کرتا ہے، تو اُس کے والدین اُسکو چلنا اور بولنا سکھاتے ہیں، بچہ پاؤں اٹھاتا ہے اور والدین اُس کے ہاتھ پکڑ کر

اُس کو دو چار قدم چلاتے ہیں، اور اس طرح رفتہ رفتہ آہستہ آہستہ چلنا سیکھتا ہے، وہ پہلے زبان ہلاتا ہے اور مہم

آوازیں نکالتا ہے تو والدین اُس کو با معنی الفاظ کی تلقین کرتے ہیں، اور اس طرح دونوں کوششیں مل کر بار بار اور

ہوتی ہیں، اسی طرح تقدیر الہی اور عمل انسانی باہم مل کر انسانوں کی عملی تاریخ تیار کرتے ہیں،

جبر و اختیار | عموماً لوگ اسی موقع پر خیر و قدر کے مسئلہ کو چھیڑتے ہیں، یعنی یہ کہ انسان اپنے عمل میں مجبور ہے یا مختار؟

حالانکہ یہ سررشتہ کائنات کا وہ عقدہ ہے جس کا حل نہ صرف یہ کہ مذہب کے ناخن سے نہیں ہوتا، بلکہ عقل کے ناخن

سے بھی نہیں ہو سکتا جس طرح اہل مذہب ارادہ الہی اور ارادہ انسانی کی باہمی تطبیق میں حیران ہیں، اسی طرح

فلسفہ النیات کے معلم علم الہی اور انسان کی عملی آزادی کے درمیان اور فلسفہ اخلاق وائے انسان کی آزادی عمل

اور اُس کے موروثی اثرات، فطری جذبات، اور ماحول کی تاثرات کی مجبوریوں کے درمیان جو تضاد ہے، اُسکو

شکل بنا سکتے ہیں

دنیا کے عام مذاہب کا بھی یہی حال تھا، ہر دھار کے مین یہ گروہ اُسی طرح پُری ہوئی تھی اور اس کے حل کی صورتیں دوسری امتوں نے نکالی تھیں یا تو سرے سے اس سے خاموشی برتی جاسے اور دبے پاؤں اس سے گزر جایا جاسے، یا بحث چھڑی تو جبری کیطرت اُن کا میلان نمایاں تھا، چنانچہ یہی جبرِ ہندو مذاہب مین تناسخ اور اَوکون اور کرم کی صورت مین ہے، عیسائیوں مین حضرت آدم کے گناہ اور خدا کی مرضی کے پیرایہ مین ہے، اور یہودیوں کے مجموعہ قورات مین حضرت ایوب کا صحیفہ اور ہری رہبری کو کتاب ہے، دوسری طرف مجوسی تھے جنھوں نے انسانی خلیا و آزادی کو نہایت بڑھا دیا تھا کہ خود خدا بھی اُس کے آگے مجبور تھا، خدا کو نہ صرف انسانوں کے بلکہ فرشتوں کے کاموں پر کوئی قابو حاصل نہ تھا، غرض انھیں صلیح کی بعثت سے پہلے مذاہب کی یہی دو نوعیتیں تھیں یعنی تو اُن کو اس شکل کی خبری نہیں تھی یا تھی تو خدا کی قدرت مطلقہ اور مشیت عامہ کی اس طرح تعبیر کرتے تھے کہ انسان بالکل بے بس اور مجبور نظر آتا تھا، یا یہ کہ تناسخ کے چکر مین اُس کو چھٹا کر اسکی زندگی کو اُس کے پہلے جنم کے کرموں کے امتحان گرد کر دیتے تھے، یا پھر اس سے بچے تو انسان کو کامل خود مختار بنا کر خود خدا کو مجبور بنا دیا،

تمام دنیا مین انھیں صلیح کی شخصیت وہ نمایاں شخصیت ہے جسکے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنے اس زیرینہ راز کے پھر سے پردہ ہٹایا، حقیقت یہ ہے کہ یہ دو ملتیں ہیں، اور دونوں اپنی اپنی جگہ پر صحیح ہیں، ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ تمام دنیا اور اُس کے ذرہ ذرہ پر قدرت مطلقہ رکھتا ہے، اور آسمان و زمین، ہر پہلو انسان و حیوان کوئی چیز نہیں جو اُس کے ارادہ اور مشیت کے بغیر حرکت بھی کر سکے، اس طرح انسان اور اُس کے تمام اعمال بھی اُسکی قدرت اور مشیت کے ماتحت ہیں، یہ وہ عقیدہ ہے جو ہر مذاہب کی، اور خصوصاً اسلام کی جان ہے، اگر یہ نہ ہو

لے انجیل مین ہے کہ حضرت عیسیٰ نے اپنی گرفتاری کی رات کو دعا مین فرمایا اے خدا اگر تو اس پیالہ کو ہٹا سکتا ہے تو ہٹا دے لیکن میری نہیں، بلکہ تیری مرضی پوری ہو، عیسائیوں کے جبری و قدری فرقوں کی سو کہ آرائی کا حال، فریخ فاضل سے بودی کا نشا کی کتاب الاسلام درجہ ہوئی اس سے کسی قدر معلوم ہو سکتا ہے،
 سلف شفاء اعلیٰ فی القضا والقدر والتعلیل جاناظ ابن قیم

تو مذہب کی قوت بے اثر ہو کر رہ جائے، اور ایک ایسا خدا ماننا لازم آجائے جس کے اختیارات محدود، جسکی قدرت ناقص، اور جسکی شاہنشاہی ناتمام ہو،

۲۔ دوسری طرف یہ بھی صداقت ہے کہ دوسری مخلوقات کو نہ سہی، مگر انسان کو اپنے اعمال کے کرنے نہ کرنے کا کسی نہ کسی طرح کوئی اختیار ضرور بخشا گیا ہے کہ اگر یہ اختیار نہ تسلیم کیا جائے، اور انسان کو اُسی طرح سراپا مجبور فرض کیا جائے، جس طرح دوسری مخلوقات ہیں، تو پھر انسان کے لیے خیر و شر کا امتیاز جزاً و سراً، شریعت، کتاب، تعلیم و انبیاء کی بعثت یہ تمام چیزیں بیکار محض ہو جائیں، ظلم و انصاف دنیا میں کوئی چیز باقی نہ رہے، انسان کا کسی فعل پر قابل مدح یا قابل ملامت ہونا بے معنی ہو جائے، کسی اچھے کام پر خدا کا انکو انعام دینا، اور بلا سبب برے کام پر انکو عذاب دینا سراسر ظلم و نجاست، بلکہ اس دنیا کی عدالت میں بھی وہ اپنے کسی فعل کا ذمہ دار نہ ٹھہرے، الغرض یہ دونوں باتیں اپنی اپنی جگہ پر درست ہیں، ایک یہ کہ خدا کو اپنی مخلوقات پر قدرتِ تامہ حاصل ہے اور انکی مشیتِ ارادہ ہر جزو کل پر حاوی ہے، اور دوسری یہ کہ انسان کو بھی اپنے عمل پر کوئی نہ کوئی ایسا اختیار حاصل ہے، جس کی وجہ سے وہ اپنے اُس عمل کا ذمہ دار بنتا ہے، نیکی کے کاموں کے کرنے پر وہ تعریف کا، اور بدی کے کاموں پر وہ ملامت کا سزاوار ٹھہرتا ہے، اور اسی کی بنا پر وہ اپنی دوسری زندگی میں اپنے فعل کی جزاً و سراً اپنے کا مستحق ٹھہرے گا، اسی پر وہ فطرت کے سامنے دنیا کی عدالت میں اور آخرت میں بھی مواخذہ اور باز پرس کی ذمہ داری میں گرفتار ہے، اور اسی کیلئے خدا کی طرف سے اُس کے پاس ہدایت کی کتاب اور راستہ دکھانے والے رسول اور نبی آتے ہیں،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا صحیفہ ربانی پہلی اور آخری آسمانی کتاب ہے جس نے ان دونوں صداقتوں کو پوری تفصیل اور وضاحت کے ساتھ ساتھ اپنی اپنی جگہ پر تسلیم کیا ہے، اور ان کی تبلیغ کی ہے، ایک طرف وہ کہتا ہے کہ "خدا کی اجازت کے بغیر درخت کا ایک پتہ بھی گر نہیں سکتا" اور دوسری طرف وہ کہتا ہے "ہر جان اپنے کاموں کے ہاتھ گروہ ہے" یعنی خدا کی ہمہ گیر قدرت، وسیع اختیار اور ناقابل رد مشیت کے باوجود اُس نے خود اپنے اختیار و خود اپنی

شیئت اور خود اپنی حکمت سے انسان کو ارادہ اور ارادہ کے مطابق اپنے کام کرنے والے اعضاء کو ہلانے کی مشروط طاقت بخشی، یہی ارادہ اور اعضاء کو اس کے مطابق حرکت دے سکے کی محدود قدرت اسکی ذمہ داری، تکلیف، باز پرس اور مواخذہ کی بنیاد ہے، اور اسی پر اس کے اعمال، اخلاق اور معاملات کی پوری عمارت کھڑی ہے۔ انسان پر اس کے کسی ایسے عمل کی ذمہ داری قانوناً اور شرعاً نہیں جو اس کے ارادہ اور نیت سے صادر نہ ہوئی ہو، بلکہ اس کے کرنے یا نہ کرنے میں وہ مجبور و بے اختیار رہا ہو، (انما الاحکام بالنیات) اس تطبیق سے نہ تو خدا پاک کی قدرت و اختیار کی وسعت میں فرق آتا ہے، اور نہ انسان کا تاثر مجبور ہونا لازم آتا ہے، خدا جب چاہے انسان سے اپنے دیئے ہوئے اختیار اور بخشی ہوئی قدرت کو چھین لے، مگر ایک وقت مقرر تک اپنے بنائے ہوئے قانون اور فرمائے ہوئے وعدہ کے مطابق وہ اسکو اس اختیار اور قدرت سے محروم نہیں کرتا، فرمایا

فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيُكْفُرْ (کہے)، تو جو چاہے مومن بن جائے اور جو چاہے کافر ہو جائے،

اسیے ہر انسان اپنی جنت آپ بنا تا، اور اپنی دوزخ آپ مینا کرتا ہے،

مَنْ عَمِلْ صَالِحًا فَلِنَفْسِهِ وَمَنْ أَسَاءَ جَسَ نَیْکَ کَامِ کِیَا تُو پَنے یَیْ کِیَا اور بَرَا کَامِ کِیَا تُو پَنے

فَعَلِیْهَا وَمَا سَرَّ بِكَ بِظُلْمٍ لِلْعَبِيدِ (فصلت ۶) لے کِیَا، تیرا پروردگار بندوں پر ظلم نہیں کرتا،

کہ اگر ایسا نہ ہو تو وہ ظلم ہو جس سے اللہ تعالیٰ کی جناب پاک و برتر ہے چنانچہ آنحضرت صلم سے ارشاد ہے،

وَمِنْهُمْ مَنْ يَسْتَمِعُونَ إِلَیْكَ مَا أَفَانَتْ لِسْمِیعِ السَّمْعِ وَلَوْ كَانُوا لَا یَعْقِلُونَ، وَ

مِنْهُمْ مَنْ یَنْظُرُ إِلَیْكَ مَا أَفَانَتْ قُدْرَی الْعَمَى وَلَوْ كَانُوا لَا یُبْصِرُونَ، إِنَّ اللَّهَ لَا یُظْلِمُ النَّاسَ شَیْئًا وَلَکِنَّ النَّاسَ أَنْفُسَهُمْ

یُظْلِمُونَ، (یونس ۵)

کِیَا تُم اندھوں کو سوچھاؤ گے، اور اگر چہ وہ نہ دیکھیں

بیشک اللہ لوگوں پر ظلم نہیں کرتا، بلکہ لوگ مین جو اپنے

اور آپ ظلم کرتے ہیں،

وہ انسان جو اندھا اور بہرہ نسا ہے، اور حق کا پیغام نہ سنتا ہے اور نہ اُس پر عمل کرتا ہے، خدا اسکو اندھا اور بہرہ نسا کر پھر اُس کو دیکھنے اور سننے کی تکلیف نہیں دیتا، کہ اگر وہ ایسا کرتا، تو یہ اسکا ظلم ہوتا، اور ظلم کے ہر ثابہ سے اسکا ہر حکم اور ہر کام بری ہے، لوگوں کو قرآن کی ہدایت و ضلالت کے الفاظ سے بھی دھوکا ہوا ہے، حالانکہ ہدایت اور ضلالت خدا کا وہ فیضان ہے جو انسان کے اچھے یا برے کام کے جواب میں خدا کی طرف سے ہوتا ہے، ضلالت کی نفی فرمایا،

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مَسَىٰ آفَاتُهُمْ وَلَهُمُ الْعَذَابُ ۚ

بیشک جو کفار (اسلام کی تعلیمات کے قبول سے انکار

اُنہیں تضرع ہے کہ اُنہیں کوئی عذاب نہیں ملے گا) ۱۱۲

کیا اُن کو تضرع نہیں کرنا پڑا کہ اُنہیں کوئی عذاب نہیں ملے گا؟

عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَ عَلَىٰ سَمْعِهِمْ وَ عَلَىٰ أَبْصَارِهِمْ

نہ لائینگے، خدا نے اُن کے دلوں پر اور کانوں پر ہرگز

غشاوا (بقرہ-۱)

اور آنکھوں پر پردہ ہے،

دیکھو جب انسان سے کفر کا صدور پہلے ہو چکا، تب خدا کی طرف سے ضلالت کا فیضان ہوا، اور اسکو تائبیہا یوں ادا کیا کہ اُن کے دلوں پر ہرگز کی سمجھتے نہیں، کانوں پر ہرگز کی سنتے نہیں، اور آنکھوں پر پردہ پڑا ہے کہ دیکھتے نہیں، دوسری جگہ فرمایا۔

بَلْ طَبَعَ اللَّهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ (نساء-۱۲۳)

بلکہ خدا نے اُنکے کفر کی وجہ سے اُنکے دلوں پر ہرگز کی

یہاں بھی اُن کا کفر خدا کی ہر برکت سے مقصد یہ ہے کہ جب کفر کا صدور ہوتا رہتا ہے تو دلوں سے صدا شناسی اور اثر پذیری کا جو سلب ہو جاتا ہے، اور یہی خدا کی ہر شے،

برخلاف اس کے اگر لوگ کانوں سے پیغام حق کے سننے، اور آنکھوں سے دیکھنے اور دل سے سمجھنے کی کوشش کریں تو اللہ تعالیٰ اپنی توفیق و ہدایت سے سرفراز فرمائے، ارشاد ہوا،

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ

بیشک جو ایمان لائے، اور نیک کام کئے اُنکو اُنکا پورا

۱۱۳ قرآن پاک میں جہاں جہاں خدا کی اس نیک یاری کو ہدایت نہ دیئے جانے کا ذکر ہے، وہاں اس کے کفر و فتن کی علت ہمیشہ

ذکر کر دی گئی ہے، اس لیے ان آیتوں سے جبر پر استدلال صحیح نہیں،

يَهْدِيهِمْ سَبِيلًا مُبِينًا (یونس) اُن کے ایمان کے سبب ہدایت دیگا،
 وَالَّذِينَ اهْتَدَوْا زَادْهُمْ هُدًى (معدی) اور جنہوں نے ہدایت قبول کی انکو ہدایت میں اور بڑھایا،
 ایرانی فلسفہ خیر و شر کی آمیزش نے اس مسئلہ کو اور زیادہ الجھا دیا ہے، حالانکہ عربی الفاظ خیر و شر کو اعمال کا
 خیر و شر سے بحث نہیں، عربی میں مطلق خیر کے معنی دولت و نعمت و آرام کے اور شر کے معنی غربت و تکلیف
 و مصیبت کے ہیں، قرآن پاک میں یہ دونوں لفظ انھیں معنوں میں آئے ہیں، البتہ جب اُن کے ساتھ لفظ
 عمل شریک ہوگا تو عمل خیر اور عمل شر کے معنوں میں یہ استعمال ہوگا، جیسے

فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ، توجہ کوئی چوٹی برابر نیکی کرے گا وہ اُس کو دیکھے گا، اور
 وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ، جو برائی کرے گا وہ بھی دیکھے گا،

اس لیے حدیثوں کے ان الفاظ میں

وَالْقَدَرُ خَيْرٌ مِنْ شَرِّهِ مِنَ اللَّهِ تَعَالَى اور اس پر ایمان کہ خیر اور شر کی تقدیر خدا کی طرف سے ہے،
 کا یہ مطلب نہیں کہ انسانوں کے اچھے اور برے کام سب خدا کی طرف سے ہیں، بلکہ یہ معنی ہیں کہ انسانوں کو
 راحت و رنج، مسرت و تکلیف، دولت و افلاس، اور صحت و مرض وغیرہ اچھائی اور برائی سب خدا کی طرف
 سے پہنچتی ہے، اور اس کے تسلیم کرنے میں کیا غدر ہو سکتا ہے؟

بعض لوگوں کو صحیح مفہوم کے سمجھنے میں اُن آیتوں سے بھی شبہ ہوتا ہے جن میں یہ ذکر ہے کہ "اگر خدا چاہتا
 تو اُن کو ہدایت دیتا" اس سے وہ غلطی سے یہ سمجھے ہیں کہ وہ خود خداوند تعالیٰ ہی ہے جو ان کافروں کو ہدایت
 سے جبراً روکے ہوئے ہے، حالانکہ ان آیتوں کا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ از خود اسلام قبول نہیں کر سکتے، الا یہ کہ
 خود خدا زبردستی اُن کو مسلمان بنا دینا چاہے، مگر ایسے زبردستی سے مسلمان یا کافر اور نیک یا بد بنا دینا اللہ تعالیٰ
 کے جاری قانون کے خلاف ہے، چنانچہ ان آیتوں کا یہی مطلب ہے،

وَمَا نَشَاءُ لَهُمْ إِلَّا أَنْ يَرْجِعُوا إِلَى اللَّهِ (دھو-۲) تم نہیں چاہو گے، الا یہ کہ خود خدا چاہے، اور (مکر زبردستی مسلمان بنانا)

مَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ (الأنعام)
وہ نہیں ہیں کہ ایمان سے آئین الایہ کہ خدا چاہے،

وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهَدْيِ (الأنعام)
اور اگر خدا چاہتا تو ان کو ہدایت پر متفق کر دیتا،

فَلَوْ شَاءَ لَهَدَاكُمْ أَجْمَعِينَ (الأنعام-۸)
تو اگر وہ (خدا) چاہتا تو البتہ ان سب کو وہ (خود) ہدایت دیدیتا،

وَلَوْ شَاءَ لَهَدَاكُمْ أَجْمَعِينَ (غل-۱)
اور اگر وہ (خدا) چاہتا البتہ ان سب کو ہدایت دیدیتا،

مگر اسکی عادت نہیں کہ وہ بندے کے ارادہ اور کوشش کے بغیر از خود کسی کو ہدایت دیدے اس لیے اس کی مشیت الہی کے ساتھ قرآن پاک کی وہ آیتیں مطابق ہو گئی جنہیں بندوں کی مشیت کا بھی اعتبار کیا گیا ہو، فرمایا

فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِرْ مِنْ رَأْيِهِ فَلْيُكْفِرْ، (مکہ)
تو جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے،

فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذَ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا (دھر و منزل)
تو جو چاہے اپنے پروردگار کی طرف راستہ قبول کرے،

فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذَ إِلَىٰ رَبِّهِ مَآبًا، (نبا-۲)
تو جو چاہے اپنے پروردگار کی طرف بازگشت کرے،

إِلَّا مَنْ شَاءَ أَنْ يَتَّخِذَ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا، (ذوقا)
لیکن جو اپنے پروردگار کی طرف راستہ اختیار کرنا چاہے

اللہ تعالیٰ کی طرف سے گمراہی بھی اترتی ہے، مگر کن کے لیے تبصرہ فرمایا،

۱۔ وَمَا يُضِلُّ بِهِ إِلَّا الْفَاسِقِينَ (نبا-۳)
اور اللہ اسے گمراہ نہیں کرتا، مگر نافرمانوں کو،

۲۔ فَلَمَّا تَرَأَوْهُمُ اتَّخَذُوا آلَاءَ اللَّهِ وَلَوْ بِهَمِّ اللَّهِ
جب وہ کچھ ہوئے تو اللہ نے انکے دلوں کو کج کر دیا،

لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ (صف-۱)
اللہ بے حکم لوگوں کو ہدایت نہیں کرتا،

۳۔ بَلْ لَرَأَىٰ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ (طہ)
بلکہ ان کے کام ان کے دلوں پر رنگ بن گئے،

۴۔ بَلْ طَبَعَ اللَّهُ عَلَيْهِمُ آبَافُهُمْ (نساء-۲۲)
بلکہ انکے کفر کے سبب اللہ نے ان پر مهر کر دی،

۵۔ انصرفتُ اَصْرَفَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ بِهَمِّ انْهُمْ
وہ پھر گئے، اللہ نے ان کے دلوں کو اس لیے پھیر دیا کہ

قَوْمٌ لَا يَفْقَهُونَ (الہد-۱۶)
وہ لوگ سمجھتے نہ تھے،

۶۔ كَذَٰلِكَ يَطْبَعُ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِ الْكَافِرِينَ
اسی طرح اللہ کافروں کے دلوں پر مهر کر دیتا ہے،

۴۔ فِی قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ فَزَادَهُمُ اللَّهُ مَرَضًا اُن کے دون میں (پہلے سے) (تفاق کی) بیماری تھی

(بقرہ - ۲) توفلانے بیماری بڑھادی،

ان آیتوں میں سے ہر ایک پر غور کرو، ہر ایک سے یہ صاف و صریح معلوم ہوگا کہ انسان کی بد اعمالی مقدر ہے، اور اللہ تعالیٰ کا اُس کے جوابی اثر کو اپنی طرف سے ضلالت، گمراہی، زنگ، مہر اور بیماری فرمانا مؤثر ہے اس سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ضلالت، زنگ، مہر اور بیماری کا اثر نا عطلت اور انسانوں کا کفر و گناہ و نفاق معطل نہیں ہے، بلکہ حقیقت اس کے برعکس ہے، یعنی انسان کا فتنہ، کجی، زنگ، کفر، انحراف (پھر جانا) نادانی اور قلب کی بیماری پہلے ہوتی ہے، اور خدا کی طرف سے اُس کے جواب میں ضلالت و گمراہی اور دل پر مہر بعد کو ہوتی ہے، اور یہی طبعی ہول بھی ہے، انسان جب گرتا ہے تو چوٹ لگتی ہے، اور غمگین ہوتا ہے تب اس کے نظرے ٹپکے ہیں، اگر کوئی اسکوالٹ کر بیان کرے تو یہ کیسی سخت نادانی ہوگی،

بہر حال اس مسئلہ میں مہبط وحی و رسالت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عجیب مصلحت بینی یہ ہے کہ آپ نے اپنی امت کو اس پر جس شدت سے ایمان لانے کی تلقین فرمائی، اُسی شدت سے اس میں بحث و مناقشہ سے منع فرمایا، اور درحقیقت اس نظریہ سے اسی طرح فائدہ اٹھانے میں راز ہے، یہ کلی جہان چٹکی کہ اُس کی خوشبو اڑ گئی، اس عقیدہ کے تمام وسیع اطراف اور گوشوں کو چھوڑ کر جنکو مستحکمین کی عباد لانہ کاوشوں نے پیدا کیا ہے، قرآن حکیم کی صرف اس آیت کو سمجھ لینا کافی ہے،

وَلَمْ يَكُنْ لَكَ شِرْكٌ فِی الْمَلٰٓئِكِ وَخَلَقَ اور خدا کی سلطنت میں اُس کا کوئی شریک نہیں اور

كُلَّ شَیْءٍ فَقَدَرْنَا تَقْدِیْرًا، (فرقان - ۱) اُس نے ہر چیز کو پیدا کیا، پھر اُس کا ایک اندازہ (تقدیر) لگا دیا



ایمان کے نتائج

گزشتہ صفحوں میں ایمان کی حقیقت، اور اسکی چھ شاخوں خدا، فرشتے، رسول، کتاب، یوم آخر اور قدرت کی تفصیلات بیان کی گئی ہیں، اور دکھایا گیا ہے کہ ان میں سے ہر عقیدہ کی حقیقت کیا ہے، اسکی صداقت کی دلیلین کیا ہیں اور اسکی تعلیم میں شارع نے کیا مصلحتیں رکھی ہیں، اور شروع میں یہ بحث بھی کی جا چکی ہے کہ ہر مذہب میں اور خصوصاً مذاہب اسلام میں ایمان کو اولین اہمیت کیونکر دی گئی ہے؟ وہ بخشن اصول کی تھیں یہاں خاتمہ میں نتائج کی حقیقت سے پھر اوسی دعویٰ کی تکرار کی جاتی ہے یعنی یہ کہ حقیقت ایمانیات اسی لائق ہیں کہ ان کو مذہب میں ہی اولین درجہ دیا جائے کیونکہ مذہب جن نتائج تک پہنچنا چاہتا ہے، وہاں ایمان کی روشنی کے بغیر پہنچنا ممکن ہی نہیں،

اس سے پہلے کہ ہم کسی دستور پر عمل کریں یہ ضروری ہے کہ ہم اس دستور کی خوبی اور سچائی کا یقین کریں کہ اگر ایسا نہ ہو تو ہم اس پر ایمان داری کے ساتھ نہ تو عمل کر سکتے ہیں، اور نہ ہمارے نفس و ضمیر اس کا اثر ہو سکتا ہے، یہ حقیقت ہر دلیل سے ثابت ہے کہ ہمارے تمام اعمال ہمارے دل کے تابع ہیں، اس لیے جب تک دل نہ بدلتا، ہمارے اعمال میں تغیر نہیں ہو سکتا، یعنی ہمارے اعمال کی اصلاح، تاثر ہمارے دل کی اصلاح کے زیر اثر ہے، اور ایمان کا مقصد اسی دل کی اصلاح ہے، کہ اگر یہ درست ہو گیا تو سب کچھ درست ہو گیا،

یہاں ایک خاص نکتہ ہے جس کو سمجھے بغیر آگے نہیں بڑھنا چاہئے، یہودیوں نے سب سے زیادہ اہمیت عملی رسم و رواج کو دی تھی، اور عیسائیوں نے اس کے برخلاف صرف ایمان پر نجات و فلاح کا دار مدار رکھا، چنانچہ حواریوں کے خطوط و ملفوظات میں اس تعلیم کو بہت کچھ نمایاں کیا گیا، ہو، اور بتایا گیا ہے کہ عملیات نہیں، بلکہ صرف ایمان نجات کا ذریعہ ہے، اسلام کی پہلی تکمیلی شان اس بارہ میں یہ ہے کہ وہ دونوں کی اصلاح کر کے ان دونوں کو جمع کر رہا ہے

اور کہتا ہے کہ نجات نہ تنہا ایمان پر اور نہ تنہا عمل پر بلکہ ایمان صحیح اور عمل صالح کی جامعیت پر موقوف ہے، الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ (جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک کام کئے) دوسری بات یہ ہے کہ وہ ایمان کو محض ایمان کی بنا پر اہمیت نہیں دیتا بلکہ اس لیے اہمیت دیتا ہے کہ عمل صالح کی قلت و سبب ہے، یعنی وہ عمل صالح کے لیے راستہ بتاتا، اور تخم ریزی کے لیے زمین درست کرتا ہے،

یہ کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے، اس لیے نخل ایمان کی شناخت بھی اسکے پھل ہی سے ہو سکتی ہو اب اگر ایسا کوئی شخص تم کو نظر آتا ہے کہ زبان سے ایمان کا دعویٰ کرتا ہے، مگر اس کے اعمال میں اس ایمان کے مطابق کوئی بہتر تغیر نظر نہیں آتا، تو یہی سمجھنا چاہئے کہ ایمان نے اس کی زبان سے اتر کر اس کے دل کی گرائیوں میں برگ بار پیدا نہیں کیا ہے، یہی سبب ہے کہ قرآن پاک ہر نیکی اور ہر خوبی کو ایمان کا حصہ اور مومنوں کا وصف لازم بتاتا ہے، ہر اہم موقع پر اس نے مسلمانوں کو

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا، اسے وہ لوگو! جو ایمان لائے،

کی نذر سے خطاب کیا ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان احکام پر وہی عمل کر سکتے ہیں جو ایمان سے متصف ہیں بہت سے موقعوں پر ہے،

إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ، اگر تم ایمان والے ہو،

اس سے معلوم ہوا کہ یہ بات ایمان والوں ہی کے لیے خاص ہے، اور وہی اس کے اہل و سزاوار ہیں، فَيُلِيَا

وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ (نور-۲) ایمان والے سب سے زیادہ اللہ سے محبت رکھتے ہیں،

اس سے معلوم ہوا کہ محبت الہی ایمان کی بہت بڑی علامت ہے، ایک اور سورہ میں ہے،

إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَنْ

إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَنْ

يَقُولُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ (نور-۲)

سنا اور سننے لانا، اور انھیں لوگوں کا بھلا ہے،

اس کو ظاہر ہوا کہ ایمان کا ایک نتیجہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت، اور اس کے فیصلہ کے آگے سر جھکانا
دوسری آیت میں فرمایا،

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ (ہجرات - ۱) ایمان والے تو آپس میں بھائی ہیں،

اس سے نتیجہ نکلا کہ مسلمانوں میں باہمی محبت اور شفقت ہونا بھی ایمان کی نشانی ہے، ایک اور آیت میں جو
وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ (آل عمران)
معلوم ہوا کہ خدا پر بھروسہ اور توکل اہل ایمان کی شان ہے، سورہ مؤمنون میں اہل ایمان کے اوصاف
یہ بتائے گئے ہیں،

قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ هُمْ فِي	بے شہد اہل ایمان نے بھلائی پائی، جو اپنی نماز میں اور
صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ، وَالَّذِينَ هُمْ	سے جھکے رہتے ہیں اور جو کئی بات پر دھیان نہیں دیتے،
عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ، وَالَّذِينَ هُمْ لِلزَّكَاةِ	اور جو زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، اور جو اپنی شرمگاہوں کی
فَاعِلُونَ، وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ،	حفاظت کرتے ہیں،
وَالَّذِينَ هُمْ لَا يُغْنِي عَنْهُمْ كُنُفُهُمْ	اور جو اپنی امانتوں اور وعدوں کی نگرانی رکھتے
وَالَّذِينَ هُمْ عَلَى صَلَاتِهِمْ يَأْتُونَ	ہیں، اور جو اپنی نمازوں کی پابندی کرتے

(مؤمنون - ۱) ہیں،

ان آیتوں سے اہل ایمان کے ضروری اوصاف یہ معلوم ہوئے، "نماز میں خضوع و خشوع بے کار
باتوں سے احتراز، زکوٰۃ و خیرات دینا، عفت و پاکدامنی، امانت، ایقانہ عہد، نمازوں کی پابندی، ان آیتوں
میں ایک عجیب رمز ہے، دیکھو کہ اہل ایمان کے اوصاف کا آغاز بھی نماز سے کیا گیا اور انجام بھی نماز پر رکھا گیا،
اس سے اشارہ نکلا کہ نماز ایمان کی اولین و آخرین نشانی ہے، اور اسی لیے ایمان کے بعد سب سے زیادہ اس پر زور
دیا گیا ہے،

ہم نے یہ چند آیتیں یہاں مثلاً نقل کی ہیں، ورنہ اگر کوئی استقصا کرے تو قرآن مین ایمان کے اثرات و نتائج اور بہت سے طین گے، احادیث مین بھی اس مضمون کی کمی نہیں، صحیح حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایمان کی کچھ اوپر شش ضمین ہیں، حافظہ بقی نے اپنی کتاب شعب الایمان مین مختلف حدیثوں سے ایمان کی ان شش ضمین کو ایک ایک کر کے گنایا ہے، اس کتاب کا خلاصہ فقہر شعب الایمان کے نام سے چھپ بھی گیا ہے ایک حدیث مین ایمان کی شش ضمین اخلاق کی پاکیزگی کو بتایا گیا ہے، آپ نے فرمایا،

اکمل المؤمنین ایماناً احسنہم خلقاً مومنون مین اسکا ایمان سب سے زیادہ کامل ہے جس کے

(سنن ابی داؤد - کتاب السنۃ) (اخلاق سب سے اچھے ہیں)

حسن اخلاق کا اس اسی مرکز محبت ہے، یہ محبت سب سے پہلے تو اسی ہستی سے ہونی چاہیے جو تمام محبتوں کا مرجع و مرکز ہے یعنی اللہ تعالیٰ، اور اُس کے بعد اسی محبت الہی کے ضمن اور تہجیت مین اُس ہستی سے بھی محبت کی ضرورت ہے، جس کی ہدایت اور تعلیم کے وسیلہ سے یہ جو ہر ایمانی ہم کو ہاتھ آیا، اس محبت کے سامنے دوسری تمام نیکیاں محبت مین اور قربت اور رشتہ داری کے علاق پنج ہیں، فرمایا

لا یؤمن احدکم حقاً الا ان احب لیب
ثم من سے کوئی اُس وقت تک ایمان مین کامل نہیں،
من ولده ووالده والناس اجمعین جب تک کہ اُس کے دل مین میری محبت انکی اولاد،

(مسلم و بخاری کتاب الایمان) والدین، اور تمام لوگوں سے زیادہ نہ ہو

ایمان کا تیسرا اثر یہ ہے کہ اُس کو اپنی ہم جنس برادری اور پڑوسی سے بھی اُسی طرح محبت پیاور اور اخلاص ہو جس طرح خود اپنے آپ سے فرمایا،

والذی نفسی بیدہ لایومن احداً
حقاً یحب الاخیہ او الجارہ ما یحب
ثم من اُس ذات کی جس کے ہاتھ مین میری جان ہے، تم
مین سے کسی کا ایمان اُس وقت تک کامل نہیں جب تک
وہ اپنے بھائی پڑوسی (راوی کو شک ہے) کیلئے وہی نہ

(بخاری و مسلم کتاب الایمان)

آپ نے ایک دفعہ صحابہ کو خطاب کر کے فرمایا: جب تک تم مومن نہ بنو گے جنت میں داخل نہ ہو سکو گے، اور مومن نہ بنو گے جب تک تم آپس میں ایک دوسرے سے محبت نہ کرو گے، مین تمہیں بتاؤں کہ تم میں آپس میں محبت کیونکر ہو سکتی ہے، آپس میں سلام پھیلادو، (مسلم کتاب الایمان)

یہ محبت کسی نمائش، ریا یا ذاتی نفع و نقصان کے لیے نہ ہو، بلکہ خدا اور صرف خدا کے لیے ہو، فرمایا: تین باتیں جنہیں میں اُس نے ایمان کا مزہ پالیا، اول یہ کہ اُس کے دل میں خدا اور رسول سے بڑھ کر کسی اور کی محبت نہ ہو، دوسری یہ کہ بندگانِ خدا سے صرف خدا کے لیے محبت کرتا ہو، تیسری یہ کہ کفر سے نجات پانے کے بعد پھر ایمان آلودہ ہونا، اس لیے اتنا ہی تکلیف دہ ہو جتنا آگ میں ڈالا جانا، ایک صحابیؓ نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! کامل اسلام کس مسلمان میں ہے فرمایا: اُس مسلمان میں جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرا مسلمان محفوظ رہے، فرمایا کہ ایمان کی شے سے کچھ اوپر شاخیں ہیں جنہیں سے ایک شرم و حیا ہے، یہ بھی تعلیم دی کہ جب کو خدا اور آخرت پر ایمان ہو، اُس کو چاہئے کہ زبان سے بات نکالے تو اچھی، ورنہ چپ رہے جس کو خدا اور آخرت پر ایمان ہو اُس کو چاہئے کہ اپنے پڑوسی کو دکھ نہ پہنچائے جب کو خدا اور آخرت پر ایمان ہو اُس کو چاہئے کہ جہان کی عورت کرے، ایک صحابیؓ آپ کے اس ارشاد کو نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ”تم میں سے کوئی اگر کوئی برائی دیکھے تو اُس کو ہاتھ سے مٹا دے، یہ نہ ہو سکے تو زبان سے ٹوک دے، یہ بھی نہ ہو سکے تو اپنے دل میں اُسکو برا سمجھے، اور یہ ایمان کا آخری درجہ ہے۔“

اس کے بالمقابل آپ نے متنبہ فرمایا کہ نفاق کی چار نشانیاں ہیں: جس میں اُن میں سے ایک بھی پائی جائے اس میں اتنا نفاق کا عنصر موجود ہے اگرچہ وہ نماز گزار اور روزہ دار ہی کیون نہ ہو، اور اپنے کو وہ مسلمان ہی کیون نہ سمجھتا ہو، ایک یہ کہ گفتگو کرے تو جھوٹ بولے، وعدہ کرے تو توڑ دے، امانت سپرد کیجائے تو خیانت کرے، غصہ آئے تو گالی بکھے۔ اس تفصیل سے ظاہر ہو گا کہ تمام نیکیاں اور برکتیں اسی میں ہیں کہ ایک ہر نیکی اور خوبیاں جس ایک ہر نیکی میں ہیں وہ ایسا ہے، اور اسی لیے وہ مذہب کا اصل اصول ہے، وہ نہ ہو تو انسانی نیکیوں کی ساری عمارت بے بنیاد ہے، لیکن

لے یہ تمام روایتیں صحیحین کتاب الایمان میں ہیں، لے صحیح بخاری و مسلم کتاب الایمان پیش نظر مسلم ہے۔

اس سے کسی کو شبہ نہ ہو کہ ایمان کے بعد عمل کی ضرورت نہیں کہ اسلام نے اسی نکتہ کو بار بار اذکیا ہے کہ نجات کا مدار ایمان اور عمل صالح دونوں پر ہے، اسی لیے ائمہ کے ساتھ ساتھ وَعَبَدُوا الصَّالِحَاتِ پر بھی اُس نے ہمیشہ زور دیا ہے، بلکہ جو کچھ کہا گیا ہے اُس کا منشا یہ ہے کہ ان دونوں میں ایمان اصل اور عمل اسکی فرع ہے، ایمان ملزوم اور اعمال مستحق اُس کے خصوصیات اور لوازم ہیں، یعنی ان دونوں میں اصل فرع اور لازم و ملزوم کا تعلق ہے، جو ایک دوسرے سے الگ اور جدا نہیں ہو سکتے، اس لیے جس طرح ایمان کے بغیر عمل سرسبز نہیں رہ سکتا، اسی طرح عمل کے بغیر ایمان ایک بے برگ و بار درخت ہے جس کا فائدہ کے لحاظ سے عدم وجود برابر ہے، اس بنا پر جہاں ایمان ہے اُس کے عملی نتائج و آثار کا وجود بھی ضروری ہے،

کاغذ کے ساتھ سو صفحے سیاہ ہو چکے، ناظرین کے ہاتھ ان اوراق کی گرا باری سے، اور آنکھیں ان سطور کی لم سوادی سے تھک چکی ہونگی، اس لیے بہتر ہے کہ رہبر و قلم کے ساتھ قافلہ نظر کے دوسرے رفقار بھی کچھ دیر آرام کریں،

رہروان راختگی راہ نیست،

عشق ہم راہ است ہم خود منزل است

سلیمان ندوی

رمضان سنہ ۱۳۵۵ھ

دارالمنصفین



تصحیح غلط
مع احاط
سیرۃ ابنی جلد ہفتم
ایک شریانی

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۲	۱۸	الَّذِي	الَّذِي	۲۲	۱۳	لَا هُدًى	هُدًى
۱۶	۱۵	مُسْتَحَرَّتْ	مُسْتَحَرَّتْ	۲۷	۱۲	وَاللَّهُ	وَاللَّهُ
۱۹	۲	كَلَىٰ	هَٰ تَمَّ كَلَىٰ	۲۷	۱۲	رَسُوْلًا مِنْهُمْ	رَسُوْلًا مِنْ اَنْفُسِهِمْ
۲۰	۵	رَاٰكَ	رَاٰكَ	۲۷	۳	اَلْمُصْطَفِيْنَ الْاٰخِيَارَ	اَلْمُصْطَفِيْنَ الْاٰخِيَارَ
۲۴	۹	عَلَيْهِمْ	عَلَيْهِمْ	۲۷	۴	اِيْنَاءَ	اِيْنَاءَ
۲۵	۱۵	مَعَهُمْ	مَعَهُمْ	۲۷	۱	تَسْوَاةَ	تَسْوَاةَ
۳۳	۱	هُرُونَ	هُرُونَ	۲۷	۱۸	وَاللَّهُ عَزِيْزٌ	وَاللَّهُ عَزِيْزٌ
۳۵	۸	اَنْتَهُمْ	اَنْتَهُمْ	۲۷	۱۲	رَفِخَ	رَفِخَ
۳۸	۱۰	يَكْلَمُهُ	يَكْلَمُهُ	۲۷	۱۵	فَتَحَا	فَتَحَا
۳۹	۱۸	فَيُوقِيْهِ	فَيُوقِيْهِ	۲۷	۱۴	يُبْصِرُكَ	يُبْصِرُكَ
۵۲	۵	اَتَتَّعُوا	اَتَتَّعُوا	۲۷	۹	(اسرائيل - ۱۱)	(اسرائيل - ۱۱)
۵۳	۲	اَتَتَّعُوا	اَتَتَّعُوا	۲۷	۱۹	را براهيم - ۱۱	را براهيم - ۲۰
۵۳	۹	اَنْبَاءَ	اَنْبَاءَ	۲۷	۸	يَا نَزَلَكَ	يَا نَزَلَكَ
۵۴	۳	عَلَيْكَ	عَلَيْكَ	۲۷	۱۱	يَحْنُ	يَحْنُ
۵۵	۱۲	عَلَيْكَ	عَلَيْكَ	۲۷	۱۲	يَمُنُّ	يَمُنُّ
۵۶	۲	اَلَّذِي	اَلَّذِي	۲۷	۱۹	اَلْهَيْكَلُ	اَلْهَيْكَلُ
۵۷	۲	اَلَّذِي	اَلَّذِي	۲۷	۱۰	تَاْتِيْ	تَاْتِيْ
۶۱	۱۰	فَتَبَشِّرْهُمْ	فَتَبَشِّرْهُمْ	۲۷	۱۰	مَلِكًا	مَلِكًا
۶۲	۲	يَقُوْلُ	يَقُوْلُ	۲۷	۱۹	مِمَّا	مِمَّا
۶۳	۱۲	بِسْمِ اللَّهِ	بِسْمِ اللَّهِ	۲۷	۱۰	اللَّهُ	اللَّهُ
				۲۷	۱۱	اَخْتَلَفْتُمْ فِيْهِ مِنْ	اَخْتَلَفْتُمْ فِيْهِ مِنْ
				۲۷	۱۱	فَتَكَلَّمُوا	فَتَكَلَّمُوا

صفحة	سطر	قوله	مصحح	صفحة	سطر	قوله	مصحح
١٢٩	١٥	أَتَنْهَضُونَ	أَتَنْهَضُونَ	١٩٣	٣	أَتَنْهَضُونَ	أَتَنْهَضُونَ
١٣٠	٨	كَلَّا أَتَعْلَمُونَ	كَلَّا أَتَعْلَمُونَ	١٩٥	١٤	كَلَّا أَتَعْلَمُونَ	كَلَّا أَتَعْلَمُونَ
١٣١	١٨	بَيِّنَاتٍ	بَيِّنَاتٍ	٢٠٣	٢	بَيِّنَاتٍ	بَيِّنَاتٍ
١٣٢	٥	أَقْرَأَهُ	أَقْرَأَهُ	٢١٨	١	أَقْرَأَهُ	أَقْرَأَهُ
١٣٣	٣	اللَّهُ	اللَّهُ	٢٢٧	٨	اللَّهُ	اللَّهُ
١٣٤	١٤	قَوْلٍ	قَوْلٍ	٢٣١	١٤	قَوْلٍ	قَوْلٍ
١٣٥	٨	قَبْلَ	قَبْلَ	٢٣٣	١٠	قَبْلَ	قَبْلَ
١٣٦	٥	إِنَّمَا	إِنَّمَا	٢٣٣	١٠	إِنَّمَا	إِنَّمَا
١٣٧	١٨	أَلْبَلَّغُ	أَلْبَلَّغُ	٢٣٣	١٠	أَلْبَلَّغُ	أَلْبَلَّغُ
١٣٨	١٩	شَيْءٍ مِّنْهُنَّ	شَيْءٍ مِّنْهُنَّ	٢٣٥	٩	شَيْءٍ مِّنْهُنَّ	شَيْءٍ مِّنْهُنَّ
١٣٩	١	الَّذِينَ	الَّذِينَ	٢٣٥	٩	الَّذِينَ	الَّذِينَ
١٤٠	٥	أَلْبَلَّغُ	أَلْبَلَّغُ	٢٣٥	٩	أَلْبَلَّغُ	أَلْبَلَّغُ
١٤١	١١	فَإِنْ	فَإِنْ	٢٣٧	١٢	فَإِنْ	فَإِنْ
١٤٢	٥	إِنَّمَا	إِنَّمَا	٢٣٧	١٢	إِنَّمَا	إِنَّمَا
١٤٣	٤	الْمِيزَانَ	الْمِيزَانَ	٢٣٧	١٢	الْمِيزَانَ	الْمِيزَانَ
١٤٤	١٤	لَيَقْفُرَنَّ النَّاسُ	لَيَقْفُرَنَّ النَّاسُ	٢٣٧	١٢	لَيَقْفُرَنَّ النَّاسُ	لَيَقْفُرَنَّ النَّاسُ
١٤٥	٢	لِعِبَادِنَا	لِعِبَادِنَا	٢٣٧	١٢	لِعِبَادِنَا	لِعِبَادِنَا
١٤٦	١٠	الْمُرْسَلِينَ	الْمُرْسَلِينَ	٢٣٧	١٢	الْمُرْسَلِينَ	الْمُرْسَلِينَ
١٤٧	١٠	لَهُمْ	لَهُمْ	٢٣٧	١٢	لَهُمْ	لَهُمْ
١٤٨	١٤	أَسْأَلُكُمْ	أَسْأَلُكُمْ	٢٣٧	١٢	أَسْأَلُكُمْ	أَسْأَلُكُمْ
١٤٩	١٠	يَكْفُرُونَ	يَكْفُرُونَ	٢٣٧	١٢	يَكْفُرُونَ	يَكْفُرُونَ
١٥٠	١١	حَقِّ	حَقِّ	٢٣٧	١٢	حَقِّ	حَقِّ
١٥١	١٩	عَنْ مَّقَابِلِهِ	عَنْ مَّقَابِلِهِ	٢٣٧	١٢	عَنْ مَّقَابِلِهِ	عَنْ مَّقَابِلِهِ
١٥٢	٢	لَيَسْتَرْوَا	لَيَسْتَرْوَا	٢٣٧	١٢	لَيَسْتَرْوَا	لَيَسْتَرْوَا
١٥٣	١٢	الْفُسْكَمُ	الْفُسْكَمُ	٢٣٧	١٢	الْفُسْكَمُ	الْفُسْكَمُ
١٥٤	١٢	النَّاسِ	النَّاسِ	٢٣٧	١٢	النَّاسِ	النَّاسِ
١٥٥	١٢	لَيَسْتَرْوَا	لَيَسْتَرْوَا	٢٣٧	١٢	لَيَسْتَرْوَا	لَيَسْتَرْوَا
١٥٦	١٢	لَيَسْتَرْوَا	لَيَسْتَرْوَا	٢٣٧	١٢	لَيَسْتَرْوَا	لَيَسْتَرْوَا
١٥٧	١٨	وَلَا يَأْمُرُكُمْ	وَلَا يَأْمُرُكُمْ	٢٣٧	١٢	وَلَا يَأْمُرُكُمْ	وَلَا يَأْمُرُكُمْ
١٥٨	٥	شَهَادَتِهِمْ	شَهَادَتِهِمْ	٢٣٧	١٢	شَهَادَتِهِمْ	شَهَادَتِهِمْ
١٥٩	٧	(من خروف - ٢)	(من خروف - ٢)	٢٣٧	١٢	(من خروف - ٢)	(من خروف - ٢)

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۳۰۲	۸	خَزَائِنُ	خَزَائِنُ	۳۰۲	۸	خَزَائِنُ	خَزَائِنُ
۳۰۴	۶	لَنْ	لَنْ	۳۰۴	۶	لَنْ	لَنْ
۳۲۹	۲	رَبُّهُمْ	رَبُّهُمْ	۳۲۹	۲	رَبُّهُمْ	رَبُّهُمْ
۳۳۱	۱۳	وَلَكِنَّ مَا	وَلَكِنَّ مَا	۳۳۱	۱۳	وَلَكِنَّ مَا	وَلَكِنَّ مَا
۳۳۱	۱۲	يُعَذِّبُهُمْ	يُعَذِّبُهُمْ	۳۳۱	۱۲	يُعَذِّبُهُمْ	يُعَذِّبُهُمْ
۳۳۱	۱۸	اللَّهُ	اللَّهُ	۳۳۱	۱۸	اللَّهُ	اللَّهُ
۳۳۵	۷	تَأْتِي	تَأْتِي	۳۳۵	۷	تَأْتِي	تَأْتِي
۳۳۷	۱	ذِكْرِي لَيَقْمِ	ذِكْرِي لَيَقْمِ	۳۳۷	۱	ذِكْرِي لَيَقْمِ	ذِكْرِي لَيَقْمِ
۳۳۷	۱۶	بِتْ	بِتْ	۳۳۷	۱۶	بِتْ	بِتْ
۳۳۹	۱	(العام - ۴)	(العام - ۵)	۳۳۹	۱	(العام - ۴)	(العام - ۵)
۳۳۹	۲	اللَّهُ	اللَّهُ	۳۳۹	۲	اللَّهُ	اللَّهُ
۳۴۰	۱۶	لَيَمْنِ	لَيَمْنِ	۳۴۰	۱۶	لَيَمْنِ	لَيَمْنِ
۳۴۵	۱	(لونس - ۱)	(لونس - ۲)	۳۴۵	۱	(لونس - ۱)	(لونس - ۲)
۳۴۶	۱۷	(نجم - ۱۳)	(نجم - ۲)	۳۴۶	۱۷	(نجم - ۱۳)	(نجم - ۲)
۳۴۶	۱۸	شَقَعَاءُ	شَقَعَاءُ	۳۴۶	۱۸	شَقَعَاءُ	شَقَعَاءُ
۳۵۰	۱۸	وَمَا	وَمَا	۳۵۰	۱۸	وَمَا	وَمَا
۳۵۰	۱۷	عَظِيمِ	عَظِيمِ	۳۵۰	۱۷	عَظِيمِ	عَظِيمِ
۳۵۴	۱۵	تُخْرِجُ	تُخْرِجُ	۳۵۴	۱۵	تُخْرِجُ	تُخْرِجُ
۳۵۴	۱۹	ذَلِكَ	ذَلِكَ	۳۵۴	۱۹	ذَلِكَ	ذَلِكَ
۳۵۶	۱۳	لِلْعَالَمِينَ	لِلْعَالَمِينَ	۳۵۶	۱۳	لِلْعَالَمِينَ	لِلْعَالَمِينَ
۳۵۸	۱	وَالْأَرْضِ	وَالْأَرْضِ	۳۵۸	۱	وَالْأَرْضِ	وَالْأَرْضِ
۳۶۱	۱۲	(نجم - ۲)	(نجم - ۳)	۳۶۱	۱۲	(نجم - ۲)	(نجم - ۳)
۳۶۵	۱۳	(العام - ۱-۸)	(العام - ۹)	۳۶۵	۱۳	(العام - ۱-۸)	(العام - ۹)
۳۸۸	۱۳	اللَّهُ	اللَّهُ	۳۸۸	۱۳	اللَّهُ	اللَّهُ
۳۸۸	۷	دَعُوا	دَعُوا	۳۸۸	۷	دَعُوا	دَعُوا
۳۸۹	۱۸	ذُرِّ	ذُرِّ	۳۸۹	۱۸	ذُرِّ	ذُرِّ
۳۸۹	۱۹	الْأَرْضِ	الْأَرْضِ	۳۸۹	۱۹	الْأَرْضِ	الْأَرْضِ
۳۹۷	۵	دَعُوا	دَعُوا	۳۹۷	۵	دَعُوا	دَعُوا
۴۰۰	۱۱	الْيَمِّ	الْيَمِّ	۴۰۰	۱۱	الْيَمِّ	الْيَمِّ
۴۱۴	۲	(لین - ۲)	(لین - ۱)	۴۱۴	۲	(لین - ۲)	(لین - ۱)
۴۱۵	۵	رَحْمَتِي	رَحْمَتِي	۴۱۵	۵	رَحْمَتِي	رَحْمَتِي
۴۲۲	۱۱	مِنْهُمْ	مِنْهُمْ	۴۲۲	۱۱	مِنْهُمْ	مِنْهُمْ
۴۲۴	۱۹	وَالَّذِينَ	وَالَّذِينَ	۴۲۴	۱۹	وَالَّذِينَ	وَالَّذِينَ
۴۲۸	۲	(آل عمران - ۹۰)	(آل عمران - ۹۰)	۴۲۸	۲	(آل عمران - ۹۰)	(آل عمران - ۹۰)
۴۲۸	۱۸	(اعلى - ۲)	(اعلى - ۱)	۴۲۸	۱۸	(اعلى - ۲)	(اعلى - ۱)
۴۲۸	۱۸	(اعلى - ۱)	(اعلى - ۱)	۴۲۸	۱۸	(اعلى - ۱)	(اعلى - ۱)

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۴	۸۱-۸۲	فَبِهَذَا لَهُمْ	فَبِهَذَا لَهُمْ	۴	۸۱-۸۲	فَبِهَذَا لَهُمْ	فَبِهَذَا لَهُمْ
۵	۵۲۹	عَلَيْنَا	عَلَيْنَا	۵	۵۲۹	عَلَيْنَا	عَلَيْنَا
۱۶	۵۲۵	وَيُنَبِّئُ	وَيُنَبِّئُ	۱۶	۵۲۵	وَيُنَبِّئُ	وَيُنَبِّئُ
۱۲	۵۴۲	(نخل ۱۲-)	(نخل ۱۲-)	۱۲	۵۴۲	(نخل ۱۲-)	(نخل ۱۲-)
۱۱	۵۴۳	اَتْنَتَيْنِ	اَتْنَتَيْنِ	۱۱	۵۴۳	اَتْنَتَيْنِ	اَتْنَتَيْنِ
۱	۵۴۸	(نمر ۳-)	(نمر ۳-)	۱	۵۴۸	(نمر ۳-)	(نمر ۳-)
۱۶	۵۹۴	تَنَبَّأَ	تَنَبَّأَ	۱۶	۵۹۴	تَنَبَّأَ	تَنَبَّأَ
۲	۶۱۰	اللَّهُ	اللَّهُ	۲	۶۱۰	اللَّهُ	اللَّهُ
۱۶	"	(سجد ۱۰۸-۲)	(سجد ۱۰۸-۲)	۱۶	"	(سجد ۱۰۸-۲)	(سجد ۱۰۸-۲)
۱۳	۶۱۳	"	"	۱۳	۶۱۳	"	"
۱۵	۶۲۰	وَيَقْرَأَ	وَيَقْرَأَ	۱۵	۶۲۰	وَيَقْرَأَ	وَيَقْرَأَ
۱۶	۶۲۵	"	"	۱۶	۶۲۵	"	"
۶	۶۳۸	(مومن ۶-)	(مومن ۶-)	۶	۶۳۸	(مومن ۶-)	(مومن ۶-)
۱۵	۶۵۴	لِيَقْرَأَ	لِيَقْرَأَ	۱۵	۶۵۴	لِيَقْرَأَ	لِيَقْرَأَ
۱۲	۶۶۴	وَلْيَقْرَأَ	وَلْيَقْرَأَ	۱۲	۶۶۴	وَلْيَقْرَأَ	وَلْيَقْرَأَ

اسلامی اصطلاحیں

پانچون	۱۶	۴۵	ہم نے	۱۴	۴
کرتے چلے گئے ہیں	۱	۴۶	اُن کے لیے	۱۵	۱۱
اپنی جہد سے	۶	"	میں سے جس	۲	۲۱
اُن کے	۱۹	۵۶	حکومت زیادہ قائم	۱۱	"
ہوتی ہے	۴	۵۸	اس کی	۱۲	۲۲
اُن کو	۱۰	۶۰	کی	"	۲۸
اُن کے	۵	۶۲	کے	۱	۳۱
دانا	۱۸	۶۴	بچنے	۱۹	۳۶
اس کا	۱۲	۶۸	میں سے ہے	۲	۳۲
اللہ	۱۲	۸۲	وجود	۱۴	۴۳
گرسے	۱۵	"	چوتھا	۴	۴۵
بچنے	۱۲	۸۵	پانچون	۵	"

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۸۷	۸	کو	سے	۱۵۹	۹	تفصیل	تفصیل
"	۱۲	کو	کی	"	۱۸	رہنماید	رہنماید
۹۰	۱۱	میرے	ہمارے	۱۶۲	۱۰	جیتیت	جیتیت
۹۲	۱۳	ضروری	ضروری	۱۶۷	۱۴	بیٹھکر بھی	بیٹھکر بھی
۹۶	۸	چار اجتہادی	پانچ اجتہادی	"	۱۵	تیار بنین کیا	تیار بنین کیا
۹۸	۹	غالب کو	غالب میں	۱۷۰	۱۱	تقین	تقین
۱۰۳	۱۶	میں اور	ہے اور	۱۷۶	۸	چودہ	چودہ سو
۱۰۶	۷	رکھتا ہے	رکھتی ہے	۱۸۰	۱۰	لگے رہے	لگے نہ رہے
۱۰۸	۳	اُس کے	اُن کے	"	۱۹	اسے اسرائیل	اسے اسرائیل
۱۳۲	۶	شرح کرنا	شرح کر دی	۱۸۱	۱	موجود نہ ہو	موجود نہ ہو
"	۱۱	کے	کا	۱۸۵	۱۹	وقت تک	وقت تک
۱۳۳	۴	بہرا گیا	بہری گئی	۱۸۹	۱	تھی	تھا
۱۴۱	۱	لوگوں کو	لوگوں کا	۱۹۲	۱۶	خدا کا	خدا کی
۱۴۳	۸	علیم	علیم السلام	۱۹۳	۲	کا بنایا	بنایا
۱۴۵	۳	نبوت	انبیاء	"	۸	کیا ہے وہ	کیا اور وہ
۱۴۶	۱	اُن	اُس	۱۹۶	۱۸	ایکسا	اک
۱۴۷	۳	انذار	انذار	۲۲۰	۱۰	جاہل	جاہلی
"	۴	"	"	۲۲۲	۲	فاسق	فاسق
۱۴۸	۱۹	کجغائب	کشتی کجغائب	۲۲۶	۱۶	تم کے	تم کی
۱۴۹	۳	رسول کو	رسول کے لیے	۲۲۰	۱۴	قال کے	قال کے بغیر
"	۱۴	یہ منشاء	ان کا یہ منشاء	۲۲۴	۷	ان کے	ان کی
۱۵۳	۸	اُس کو	اُن کو	۲۶۳	۵	کھوکھلا پن	کھوکھلا پن
"	۱۵	شروع	شروع	۲۷۲	۱۳	پہنچا ہے	پہنچا ہے
"	"	دیا	دیا تھا	۲۷۳	۹	کے بدوی	(کے بدوی)
۱۵۴	۲	اُن کو	اُس کو	۳۰۷	۶	پھر	اور پھر
"	۱۷	اُن کا	اُس کا	۳۲۶	۸	مقصود	مقصود
۱۵۵	۸	کو پیشوا	کو ایسا پیشوا	"	"	درجہ	درجہ
"	۱۲	انسان جن	انسان جب	۳۵۰	۱۵	ظالموں	ظالموں
۱۵۶	۹	برابر کا	برابر کی	۳۶۶	۱۸	اس میں	ان میں
"	۱۲	اسی میزان	میزان شریعت	۴۱۱	۱۰	قرار	قرار
۱۵۷	۲	اور ایک	اور	۴۲۸	۲۲۸	اختلاف کے	اختلاف

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۴۲۲	۱۸	اس نے	انہوں نے	۴۲۲	۹	ور نہ کسی	اور نہ کسی
۴۲۳	۸	ادا ہوے	ادا ہوا	۴۲۲	۴	اسی بنا پر	اس بنا پر
۴۲۶	۵	وغیر	وغیرہ	۴۲۳	۱	جھٹلایا	جھٹلایا،
۴۳۰	۱	پوری	پورا	۴۲۳	۷	اپنے	اپنے
۴۳۳	۱۱	فرشتوں کو	فرشتوں کو اپنے حکم سے	۴۲۳	۱۹	آل فرعون کے ذکر میں جو	آل فرعون کے ذکر میں جو
۴۳۴	۸	اور ان پر	اور ان پر	۴۲۳	۹	اس مٹی	ان مٹی
۴۳۷	۱۹	جو کچھ ہے	جو کوئی ہے	۴۲۴	۱۵	گر گر گئے	گر گئے
۴۳۸	۹	بجلی	اور بجلی	۴۳۸	۱۱	ہیں	ہے
۴۵۱	۷	آسمان	ساقون آسمان	۴۳۸	۴	کے ناپ	کی ناپ
۴۵۵	۱۳	اور ہم	اور ہم نے	۴۳۸	۱۲	جس کے تول بھائی ہوئے	جس کی تول بھائی ہوئی
۴۵۶	۵	ہوتا ہے	ہوتا تھا	۴۳۸	۱۳	جس کے تول ہلکے ہوئے	جس کی تول ہلکی ہوئی
۴۶۱	۹	اور علانیہ	اور قرآن نے علانیہ	۴۳۸	۱۶	آبادیوں کو ہلاک	آبادیوں کو ظلم سے ہلاک
۴۶۲	۱۰	کام کیا	کام نہیں کیا	۴۳۸	۱۸	پھینکین گی	پھینکے گی
۴۶۳	۴	مطابق ہیں	مطابق ہے	۴۳۸	۱۳	وہ اس کو ایک	وہ ان کو ایک
۴۶۴	۱۱	ایک	ایک کو	۴۳۸	۱۲	احس	جس
۴۶۶	۱۹	اور جو	اور	۴۳۸	۱۵	اور پیٹنے	پیٹنے
۴۶۷	۷	اور کچھ	اور جو کچھ	۴۳۸	۱۶	ہر روحانی	اور تمام روحانی



س

<p>25 JAN 70</p> <p>25 JAN 70</p> <p>29 FEB 75</p> <p>25 JAN 70</p> <p>29 FEB 75</p>	<p>603.04.91.</p> <p>602.12.91.</p>	<p>603.10.92</p> <p>4841</p>
--	-------------------------------------	------------------------------

